باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : ستمبر ۲۰۱۲ء علمی گرافکس

ضخامت : تقریباً 4800 صفحات مکمل سیٹ

www.darulishaat.com.pk

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت القلم اردو بازار کراچی

مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

بیت العلوم اردو بازار لاہور

مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست مضامین......جلد اوّل

فہرست مضامین......جلد دوم

باسم الله الكريم القادر على كل شيءٍ المعين عباده المستعان فى كل الامور، الموفق للخير والصلاح أبدأ ترجمة الكتب الشهير "الفقه الاسلامى وأدلته، أدعو الله أن يوفقنى لاتمام هذا الكتاب النافع ويعلمنى فقه كتابه وسنة نبيه صلى الله عليه و سلم ويلهمنى رشده ويعيننى فى إتمام ترجمة الكتاب وأن يكون معى فى كل آونة من آونات حياتى، إنه على مايشاء قدير وبالاجابة حرى وجدير

كتب

ارشاد احمد اعجاز

فى:

الثانى من خيراير، ۲۰۰۲م

۱۵من ذى القعدة ۱۴۲۲ھ

عرض مترجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمین، الذی خلق السموات والارضین، ونور قلوب فقهاء القانون والدین،
بالفهم الثاقب والعقل المتین، والصلوٰة والسلام علی سیدنا محمد امام النبیین،
وعلی الصحابة والتابعین، وعلی من تبعهم باحسان الی یوم الدین

امابعد! بلاشبہ علم فقہ یا قانون شرعی کا علم، علوم عالیہ اور مقاصد دینیہ اور اصلیہ میں سے ہے، انسان کو اس عظیم علم سے پالا پڑتا ہے، انسان اور علم فقہ آپس میں لازم وملزوم ہیں، چنانچہ پہلے ہی انسان کو اس وقت کی ضرورت کے عین مطابق حلال وحرام اور جائز وناجائز سے آگاہ کر دیا گیا تھا، چونکہ انسان جزئیات وکلیات کا ادراک کرنے والا حیوان ناطق اور اشرف المخلوقات ہے، رب کائنات انسان کو انسانیت کے دائرہ ہی میں رکھنا چاہتا ہے، وہ نہیں چاہتا کہ انسان انسانیت کی حدود پھلانگ کر مقام حیوانیت پر کھڑا ہو جائے، پھر انسان کی سرشت اور فطرت میں مدنیت پسندی رکھی ہے اور دو چار انسان مل کر خاندان تشکیل دیتے ہیں اور خاندانوں سے معاشرہ وجود میں آتا ہے، رب تعالیٰ نے پہلے انسان کو مانوس رکھنے کے لئے اس کا جوڑا پیدا کیا پھر ان ہی افراد سے خاندان وجود میں آیا پھر یہ ایک خاندان کئی خاندانوں اور پھر معاشرہ میں تبدیل ہوگیا، رب تعالیٰ کو منظور یہ ہوا کہ انسان انسانیت میں رہے، اس کا احسان عظیم ہے کہ اس مقام عالیشان کو برقرار رکھنے کے لئے انسان کو انسانیت کے گر سکھلا دیئے، تحفظ کے لئے اصول وضوابط وضع کئے، پھر اس مقام کو انسان ہی کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ دیا بلکہ ہر زمان ومکان کی ضرورت کے مطابق انبیاء کرام مبعوث فرمائے، میرے نزدیک بعثت انبیاء کے جہاں اور مقاصد بھی ہیں تاہم ایک زبردست مقصد انسان کو انسانیت سکھلانا بھی ہے، ذرا غور کیجئے کہ ہجرت حبشہ کے موقع پر نجاشی نے مہاجرین صحابہ سے ہجرت کی غرض وغایت کی بابت استفسار کیا، اظہار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جو تقریر کی اس کا دو لفظوں میں یہی خلاصہ اور نچوڑ نکلتا ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حیوانیت کے ظلمات سے نکال کر انسانیت کے اجالوں میں لا کھڑا کیا ہے۔ چنانچہ کامل انسان وہی ہے جو رب تعالیٰ کا من بھاتا ہو، انسان سے میری مراد وہ ہوتی ہے جو معبود کے مقرر کردہ اصول وضوابط کے عین مطابق اس کی بندگی کرتا ہو، معاملات میں ان ضوابط کا خیال رکھتا ہو، معاشرت کو شارع کے حکم کے مطابق نبھاتا ہو، روزمرہ کاروبار زندگی کو عبادت سمجھ کر گزارتا ہو، بس یہی مقصود انساں ہے اور یہی رمز مسلمانی ہے، نیز جہاد اور حدود مقصود بالذات نہیں چونکہ انسانیت کا خون کرنا کونسی عقلمندی ہے لیکن انسان جب انسانیت سے برگشتہ ہو جاتا ہے تو دوسرے انسانوں کے ذمہ واجب ہوتا ہے کہ اس انسان نما حیوان کو اصل انسانیت پر لائیں اگر وہ افہام وتفہیم سے راہ راست پر نہیں آتا تو تلوار کا سہارا لیا جاتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے بقیہ جسم کی حفاظت کے لئے ناسور کو کاٹ پھینکا جاتا ہے، الغرض انسانیت سے برگشتہ لوگوں کو خالق کائنات نے نہ صرف حیوان بلکہ حیوانات سے بھی گئے گزرے قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے: ''اولئك كالانعام بل هم اضل''۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کامل انسانیت تک ہماری رسائی کیسے ممکن ہے؟ جناب من! میں نے اسی گتھی کو سلجھانے کے لئے اوپر تمہیدی مقالہ نظر قارئین کیا ہے، تاہم اس کو سمجھنے سے پہلے ہمیں ایک اہم نکتہ کا یقین رکھنا ہوگا کہ رب تعالیٰ نے دین متین اور شرع عظیم کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ''انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون''۔ یقیناً قرآن عظیم ہمہ تن نے

نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ آخر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو (کم وبیش) سوالاکھ انبیاء مبعوث کرنے کی ضرورت کیا پڑی باوجود یکہ تمام انبیاء کی تعلیمات کے اصول متفق تھے؟ رب تعالیٰ نے ایسا کیوں نہیں کیا کہ آدم علیہ السلام پر یکبارگی ایک ہی کامل اور مکمل کتاب نازل کردیتا، یا آدم علیہ السلام کے فوراً بعد نبی آخر الزماں کو قرآن عظیم دے کر مبعوث فرما دیتا؟ حالانکہ شریعت مطہرہ کی حفاظت کا بیڑا خود اس نے اٹھا رکھا ہے، ضیاع کا خطرہ نہیں تھا کہ ایک نبی کے بعد دوسرا بھیجا جائے۔ تاہم بے شمار اغراض ومقاصد کے منجملہ اہم مقصد وغرض یہ تھی کہ انسان وقت کے دھارے کے ساتھ ساتھ جوں جوں انسانیت سے برگشتہ ہو رب تعالیٰ کا فرستادہ اسے راہ راست پر لاتا رہے اور اس وقت کی ضرورت کے مطابق آسمانی ہدایت اور تعلیمات انسان تک بہم پہنچاتا رہے، ذرا دیکھئے آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن بھائی کا آپس میں نکاح جائز تھا، یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کا گوشت اپنے اوپر حرام کردیا تھا، موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ایک فریق کی سزا ٹھہری تھی کہ وہ اپنے آپ کو قتل کریں، یہودیوں کے کپڑے اگر ناپاک ہوجاتے تو انھیں قینچی سے کاٹنا لازمی تھا۔ جبکہ مابعد کے شرائع میں ان احکام کو منسوخ کردیا گیا، یہ احکام ان انسانوں کی ضرورت اور ان کی طبیعت کے مطابق تھے، تاہم ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری زمانہ کے نبی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا، نبی آخری آچکا، آخری زمانہ رواں دواں ہے، اس زمانے کے مزاج اور طبع کے موافق شریعت آچکی جس میں سرمو نسخ یا تبدیلی کی گنجائش نہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ زمانے کو شریعت کے موافق لانا ہوگا نہ کہ شریعت کو موم کی ناک بنا کر کبھی دائیں اور کبھی بائیں موڑ دیا جائے۔

اب ہم اپنے جواب کی طرف توجہ دیتے ہیں، یہ جواب بھی ہمیں تعلیمات نبوی میں ملتا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے

"لایومن احدکم حتیٰ یکون هواه تبعاً لما جئت به"

"تم میں سے کوئی شخص کامل مومن (کامل انسان) اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی خواہشات کو میری لائی ہوئی تعلیمات کے تابع نہ کردے۔"

گویا کامل انسانیت تک رسائی صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو یقینی طور پر اپنایا جائے، ان کی تعلیمات کے مطابق جو چیز حلال ہو اسے حلال سمجھا جائے جو حرام ہو اسے حرام سمجھا جائے، جبکہ حلال وحرام کو واضح کردیا گیا ہے ان میں کوئی خفاء باقی نہیں رہا۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

"ان الحلال بیّن و ان الحرام بیّن"

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ہمارے پاس قرآن وحدیث کی صورت میں موجود ہیں اور ان تعلیمات کا نچوڑ جس کا انسان کو مکلف بنایا گیا ہے وہ احکام ہیں، احکام کیا ہیں؟ انسانیت کے گرد مقرر کی گئی حدود ہیں کہ جب تک انسان ان حدود کی پاسداری کرے گا وہ انسانیت کے دائرہ میں رہے گا بلکہ انسانیت کی ملکات سے سرفراز رہے گا جب ان حدود کو پھلانگے گا حیوانیت کے دائرے میں پہنچ جائے گا، اور احکام وہ امور ہیں جن کی بجا آوری پر انسانیت کی بقا موقوف ہے، انہی احکام کو دلائل کی روشنی میں جاننے کا نام "فقہ" یا شرعی قانون ہے۔ اس ساری تفصیل کا خلاصہ یہ نکلا۔

انسانیت کی بقا فقہ کی مرہون ہے

میری گزارشات کی یہ پہلی بات ہوئی جو اوپر مذکور ہوچکی مؤلف دام ظلہ نے فقہ کی تعریف، فضیلت اور اہمیت پر تفصیلاً کلام کیا ہے اس لئے ہم اس اجمال پر اکتفا کرتے ہیں، دوسری بات: فقہاء کا ایک انتباہ ہے۔

"من جھل باھل زمانه فھو جاھل۔" (شرح عقود رسم المفتی ص۸۹)

''جو شخص اپنے اہل زمانہ سے ناواقف ہو وہ جاہل ہے۔''

اس انتباہ کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثانی صاحب دامت برکاتہ رقمطراز ہیں:

یعنی اہل زمانہ کے طرز زندگی، ان کی معاشرت، ان کے معاشی معاملات اور ان کے مزاج و مذاق سے جو ناواقف ہو وہ جاہل ہے۔

ایک عالم کے لئے جس طرح قرآن وسنت کے احکام سے واقف ہونا ضروری ہے اسی طرح اس کے لئے زمانہ کے عرف اور زمانہ کے حالات سے واقف ہونا بھی ضروری ہے اس کے بغیر وہ شرعی مسائل میں صحیح نتائج تک نہیں پہنچ سکتا، چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ بازاروں میں جا کر تاجروں کے ساتھ مل بیٹھتے اور ان کے معاملات دیکھتے۔ اسلام اور جدید معیشت وتجارت ص ۸۱

جس طرح ہر زمانے کی ضرورت تھی کہ خدائی راستہ دکھانے کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاء آتے رہیں اسی طرح اس آخری زمانہ میں بھی وقتاً فوقتاً ضرورت ہے کہ فقہی تحقیقات ومباحث کو زمانہ کے متنوع بنا کر پیش کیا جائے، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کا زمانہ خیر القرون ہے پھر تابعین کے بعد کا زمانہ بدل گیا، لوگوں میں وہ پہلے کی سی دینداری نہ رہی، حدودِ سلطنت میں وسعت آگئی لوگوں کے مزاج اور طبائع میں تبدیلی آگئی، ان حالات کے پیشِ نظر فقہاء نے تدوین فقہ کو از بس ضروری سمجھا، فقہاء اربعہ کے زمانہ تک اجتہاد مطلق کا دروازہ کھلا رہا، ان فقہاء نے اصول وضع کئے جن کی روشنی میں ثانوی درجے کا اجتہاد جاری رہا اور جاری رہے گا، اجتہاد کی اس قسم کو ''تحقیق مناط'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کا معنی ہے کہ ہر زمانہ میں پیدا ہونے والے جدید مسائل کو اسلامی قوانین کی روشنی میں پرکھنا، امام شاطبیؒ نے لکھا ہے کہ اجتہاد کی یہ قسم قیامت تک جاری رہے گی، اسی لئے ہر زمانہ کے فقہاء نے طرز جدید کے ساتھ بشمول مسائلِ جدیدہ فقہی مباحث کو مرتب کیا، چنانچہ اولاً فقہائے اربعہ اور ان کے تلامذہ نے تدوین فقہ کا فریضہ انجام دیا، ان کے بعد امام طحاوی اور ان کے معاصرین نے یہ کام پورا کیا، ان کے بعد امام حلوانیؒ، سرخسیؒ، بزدویؒ اور کرخیؒ نے یہ ذمہ داری سنبھالی، امام قدوریؒ نے اپنے زمانے کی ضرورت کے مطابق فقہی مباحث کو مرتب کیا، صاحب ہدایہ اور علامہ کاسانیؒ نے اپنے زمانے میں ضرورت سمجھی، امام نووی نے اپنے زمانہ میں، ابن حجر اور علامہ عینی نے اپنے زمانہ میں ضروری سمجھا کہ مسائل فقہیہ کی تحقیق وتدقیق پیش کی جائے، پھر بارہویں صدی ہجری میں علامہ ابن عابدین نے اس ذمہ داری کو نہ صرف نبھایا بلکہ حق ادا کر دیا، اس طرح ان کے بعد بھی علمائے فقہ نے اپنے اپنے زمانہ میں امت مسلمہ کی خوب تر خدمت کی اسی سلسلہ کی ایک کڑی عظیم فقہی سرمایہ ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' بھی ہے۔

دراصل مؤلف کی یہ کتاب ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' عظیم فقہی سرمایہ اور عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا ہے، یہ فقہی مجموعہ گیارہ (۱۱) ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، آخری جلد میں فہرست دی گئی ہے بقیہ دس (۱۰) جلدیں فقہی مباحث سے معمور ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ کتاب کی ترتیب انوکھی اور دلکش ہے، ہر طبقہ کے صاحب ذوق کے اعصاب پر فوراً چھا جاتی ہے اور قاری کو اپنا گرویدہ کر لیتی ہے، مصنف نے کتاب میں طالبعلمانہ انداز کو بھی سامنے رکھا ہے اور محققانہ انداز کو بھی، اپنی اجتہادی قوت کو بھی بھرپور صرف کیا ہے، مصنف نے فقہی مباحث کو اولاً اقسام میں تقسیم کیا ہے، قسم اول عبادات پر مشتمل ہے اس میں نماز، روزہ، زکوۃ حج کا تفصیلی بیان ہے۔ ''قسم ثانی'' میں فقہی نظریات بیان کئے گئے ہیں۔ ''قسم ثالث'' میں معاملات کو بسط وتفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ''قسم رابع'' ملکیت اور اس کے متعلقات کے بیان میں ہے۔ ''قسم خامس'' فقہ عام یعنی حدود وقصاص اور تعزیرات کے متعلق ہے۔ ''قسم سادس'' اصول شخصیہ نکاح، طلاق، عدت اور لعان وغیرھا کے متعلق ہے۔ پھر مصنف نے ہر قسم کو ابواب پر تقسیم کیا ہے، مثلاً قسم اول'' باب اول طہارت کے مسائل پر مشتمل ہے اور'' باب دوم'' صلوٰۃ (نماز) کے مسائل پر مشتمل ہے۔ ھلمّ جرا۔ پھر ہر باب کو مختلف فصول پر تقسیم کیا ہے، ہر فصل کے تحت مختلف مباحث لائی گئی ہیں، مباحث کے ذیل میں انواع اور مقاصد کو بسط وتفصیل سے بیان کیا گیا ہے، چنانچہ علمی اور فقہی ذوق رکھنے والے کے لئے یہ ترتیب نہایت دلکش اور دل ودماغ کو اپنی طرف

کھینچ لینے والی ہے۔

مصنف نے ایک ہی باب کے متعلق جملہ مسائل کو یکجا کیا ہے، اسی لئے مصنف کو بسا اوقات عبارات کے بار بار اعادہ کی ضرورت پڑی ہے، یہ ایک چیز قاری کو بور کرتی ہے گو اعادہ ایک نئے فائدہ کے تحت لایا جاتا ہے، لیکن غبی الذہن کو اعادہ اور تنبیہ کی ضرورت ہوتی ہے، بعض مسائل میں مصنف نے منفردانہ رائے بھی قائم کی ہے لیکن بحث کے تمام گوشے تفصیل سے بیان کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، اس تفصیل میں مکلف کو درست وصواب حکم جاننے میں دشواری نہیں ہوتی، بایں ہمہ مصنف نے فقہائے قدماء کی روش اپنائی ہے، جہاں تک ممکن ہوا ہے اسلاف کے اقوال میں سے کسی قول کو ترجیح دی ہے۔ البتہ ایسے جدید مسائل جو صرف عصر حاضر کی پیداوار ہیں ان پر مصنف نے جہاں بھی محققانہ بحث پیش کی ہے اس کے حکم کی وضاحت قوت ادلہ کی بنا پر کی ہے۔

مصنف نے اپنی رائے کے مطابق مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کے مطابق فقہی مسئلہ کو راجح قرار دیا ہے، چونکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ دنیائے اسلام بالخصوص پاکستان ریاستی قوانین کے حوالے سے اغیار کا شرمندہ احسان ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے ہی گھر میں یہ دولت دے رکھی ہے، چنانچہ فقہی ذخائر سے استفادہ کرتے ہوئے مختلف مذاہب فقہ کو سامنے رکھ کر قانون مرتب کیا جائے تو یقیناً یہ ایک احسن اقدام ہوگا۔ اگرچہ تلفیق کو اتباع ہویٰ کا سبب اور ذریعہ قرار دیا جاتا ہے لیکن اہل یورپ کے ریاستی قوانین کے آگے ہاتھ پھیلانے کی بجائے مختلف فقہی مذاہب سے استفادہ کیا جائے تو لامحالہ اس کی نہ صرف گنجائش موجود ہے بلکہ احسن اقدام ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر مصنف نے قوانین شرعیہ کا یہ عظیم ذخیرہ مرتب کیا ہے۔

مصنف نے فقہی مباحث میں جہاں بھی فقہاء کا اختلاف آیا ہے اسے بالاستیعاب بیان کیا ہے، عموماً اولاً حنفیہ کی رائے کو بیان کیا ہے، ثانیاً مالکیہ کی رائے کو، ثالثاً شافعیہ کی رائے کو، رابعاً حنابلہ کی رائے کو، مذاہب اربعہ کے بعد اگر مسئلہ مذکورہ میں شیعہ فرقوں کی کچھ آراء ہوں تو ان کو بیان کیا ہے۔ مصنف نے مذاہب کی ترتیب میں زمانہ کی تقدیم وتاخیر کو پیش نظر رکھا ہے۔ ہر مذہب ورائے کو مدللانہ اور محققانہ انداز سے بیان کیا ہے گویا قاری کو تشنگی باقی نہیں رہتی۔

مصنف نے تمام فقہی آراء کو متعلقہ مذاہب کے مراجع اصلیہ اور قابل اعتماد کتب فقہیہ سے لیا ہے اور یہ ایسی کتب ہیں جن پر اس مذہب کی بنیاد ہے۔

مصنف نے مسائل کے استدلال میں اولاً آیات کریمات کو بیان کیا ہے ان کے بعد احادیث کو، تاہم حجت وسقم کے اعتبار سے مصنف سے بعض اوقات تساہل بھی ہوا ہے، اس کے بعد مسئلہ کو عقلی دلائل سے مبرہن کیا ہے۔

مصنف نے حتی الامکان حقیقی اور واقعی مسائل پر اعتماد کیا ہے اور فرضی مسائل سے اجتناب کیا ہے مثلاً بیع وشراء کی جہاں کہیں بھی مثالیں پیش کرنے کی ضرورت پڑی عصر حاضر میں مروجہ اشیاء کو لے کر مثال دی ہے قدیم طرز کے مطابق غلاموں کی مثالوں سے اجتناب کیا ہے، لیکن بے شمار ایسے فقہی مسائل ہیں جن کا متدل کوئی ایسی فقہی نظیر ہو جس کا دار ومدار ہی غلاموں پر ہو وہاں مصنف نے غلام کی مثال ہی ذکر کی ہے۔ تاہم دوسری کتب فقہ کی طرح مصنف نے اپنی تالیف میں بالاستقلال عتاق، ولاء، مکاتبت وغیرہ کے ابواب سرے سے قائم ہی نہیں کیے چونکہ غلاموں کے سلسلہ کو ختم ہوئے مدتیں گزر چکی ہیں۔

مصنف نے عصر حاضر کے جدید مسائل پر بھی بحث کی ہے جن میں جدید معاشی مسائل بینک کاری، انشورنس، حصص کی خرید وفروخت، بانڈز، مروجہ طبی علاج معالجے وغیرہا شامل ہیں۔ اس کے علاوہ عصر حاضر کے قوانین پر بھی بحث کی ہے، مصنف نے مختلف نظریات پر بھی بحث کی ہے جن میں نظریۂ حق، نظریۂ عقد نظریہ فسخ وغیرہا شامل ہیں، یقیناً یہ بحث فقہی اعتبار سے بیش بہا خزانہ ہے۔

مصنف نے مجمع الفقہ الاسلامی کے منعقدہ اجلاسات کی کارروائیاں بھی ذکر کی ہیں، ان اجلاسات میں مختلف جدید فقہی مسائل پر بحث

کی گئی ہے، اگرچہ یہ قراردادیں اور سفارشات مستقلاً چھپی ہوئی ہیں لیکن عصری ضرورت کے پیش نظر مصنف نے ان فقہی قراردادوں کو کتاب کا حصہ بنایا ہے، ان قراردادوں کا پاکستان اور انڈیا میں قبل ازیں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ ہر لکھنے والے کی تحریر پر اس کی شخصیت کی گہری چھاپ ہوتی ہے، مصنف عصر حاضر کے نامور عالم دین، ماہر قانون، استاذ، ادیب، انشا پرداز اور نثر نگار ہیں، مصنف مختلف یونیورسٹیوں میں تدریس کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے ہیں، ان تمام خوبیوں اور مہارتوں کے پیش نظر مصنف کی عبارت اور نثر میں شگفتگی، شائستگی، سنجیدگی، برجستگی، سادگی اور سلاست پائی جاتی ہے، حتیٰ الامکان مغلق عبارات سے مصنف نے اجتناب کیا ہے، بایں ہمہ پھر بھی مصنف نے بعض مواقع پر ایسی مغلق عبارات لائی ہیں جہاں ترجمہ سے ہٹ کر ترجمانی اور مفہوم پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

مصنف نے مختلف احکام اور قوانین کے ساتھ ساتھ اس امر کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ یہ حکم فلاں اسلامی ملک میں ریاستی قانون کے طور پر نافذ ہے، دراصل مصنف اس طرف توجہ مبذول کروانا چاہتا ہے کہ شریعت اسلامیہ کا نفاذ عصرِ حاضر کا تقاضا ہے اور جو اسلامی ممالک ابھی تک اسلامی قانون کے نفاذ سے عملاً دست کش ہیں انہیں اس امر کی ترغیب دینا مقصود ہے کہ اسلامی قانون کا نفاذ نہ صرف ممکن ہے بلکہ آسان تر ہے۔

مجمع الفقہ الاسلامی کے چوتھے اجلاس منعقدہ جدہ بتاریخ ۶ تا ۱۱ فروری ۱۹۸۸ء میں فقہ کو آسان زبان میں مرتب کرنے کے ایک منصوبے کی منظوری دی گئی، علامہ وہبۃ زحیلی نے تن تنہا اس عظیم کام کو سر انجام دینے کے لئے کمر کس لی، لامحالہ ایک جماعت کا کام اکیلے ڈاکٹر موصوف نے انجام دیا یہ ان کی نہ صرف قابلیت کا منہ بولتا ثبوت ہے بلکہ قبولیت بھی ہے۔

ان بے شمار خصوصیات کے پیشِ نظر" دارالاشاعت (کراچی)" کے رئیس اعلیٰ محترم خلیل اشرف عثمانی حفظہ اللہ نے اس امر کی ضرورت سمجھی کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ کروایا جائے، محترم موصوف جید علمائے کرام سے مشاورت بھی کرتے رہے بالآخر انھوں نے ترجمہ کروانے کا فیصلہ کر لیا اور عرصہ چھ سات سال قبل پہلی جلد کا ترجمہ حضرت مولانا مفتی ارشاد احمد اعجاز صاحب سے کروایا پھر کچھ عوارض کی وجہ سے ترجمہ موقوف کر دیا گیا، اس عرصہ توقف میں پھر شدت سے ترجمہ کی ضرورت محسوس کی گئی چنانچہ شروع اپریل ۲۰۰۹ء میں محترم عثمانی صاحب نے مجھ ناچیز کو ترجمہ کا یہ عظیم کام سونپا جو عرصہ دو سال دو ماہ بمورخہ ۲۹ رجمادی الثانی ۱۴۳۲ھ بمطابق یکم جون ۲۰۱۱ء کو مکمل ہوا۔ مترجمین میں مفتی ابرار حسین قاضی، مولانا عامر شہزاد علوی، مفتی کریم اللہ، مولانا امجد اقبال اور راقم شامل ہیں، مفتی ابرار حسین قاضی اول تک آخر برابر ترجمہ میں شریک رہے، مولانا عامر شہزاد علوی نے آخری جلد کا ترجمہ کیا، بقیہ دو حضرات نے جلد نمبر ۳ کے کچھ حصوں کا ترجمہ کیا، یہ علماء حضرات اچھے نثر نگار اور انشاء پرداز ہیں، علمی تدریسی، تصنیفی اور تحریری ذوق رکھتے ہیں ان میں سے راقم، مولانا عامر شہزاد اور مفتی ابرار حسین کے کچھ اور تراجم اور تصنیفی کام منظر عام پر آچکے ہیں یہی وجہ ہے ان علماء کا کیا ہوا ترجمہ زیادہ ہے۔

ترجمہ میں سہولت، آسان فہمی اور سلاست کو مدنظر رکھا گیا ہے اور وہ زبان استعمال کی گئی ہے جو روزمرہ ہو اور جسے لڑکے بالے بولتے ہوں تاکہ ہر طبقہ کے لوگ اسے سمجھ سکیں اور کتاب سے عام استفادہ کیا جا سکے۔ عموماً جس کتاب کا ترجمہ کیا جاتا ہے مترجمین اس امر کا خصوصی خیال رکھتے ہیں کہ قاری کو یہ محسوس نہ ہونے پائے کہ کتاب مترجم ہے بلکہ طبعزاد ہے، چنانچہ الفقہ الاسلامی وادلتہ، کے مترجمین نے ترجمہ، ترجمانی اور طبعزادگی تینوں امور کا خیال رکھا ہے چونکہ ایک زبان میں پیش کئے گئے خیالات کو بعینہٖ دوسری زبان میں منتقل کرنا کافی دشوار کام ہے اس لئے کہیں بامحاورہ ترجمہ کیا جاتا ہے کہیں ترجمانی کی جاتی ہے جس کا اظہار مفہوم کی صورت میں کیا جاتا ہے اور کہیں ایسا اسلوب اپنایا جاتا ہے کہ قاری مترجم کتاب کو طبعزاد سمجھنے لگے۔

اردو گرائمر کا مکمل طور پر لحاظ رکھا گیا ہے، عام فہم، سادہ، سلیس اور شستہ اسلوب اپنایا گیا ہے تاکہ مراد اور مفہوم میں کوئی دقت باقی نہ رہے۔

مکمل طور پر یہ کوشش کی گئی ہے کہ فقہی اصطلاحات کو مروجہ اردو الفاظ میں بیان کیا جائے تاہم جہاں کہیں الفاظ کی کم مائیگی کی دقت پیش آئی تو قوسین میں اصطلاح کی وضاحت کردی گئی ہے، ابواب، فصول، مباحث، انواع اور مقاصد کی گنتی اور تعداد کو بھی اردو میں منتقل کیا گیا ہے، تاہم پھر بھی ہر زبان میں ایسے الفاظ موجود ہوتے ہیں جن کا متبادل دوسری زبان میں موجود نہیں ہوتا مثلاً اردو زبان تایا باپ کے بڑے بھائی کو کہا جاتا ہے۔ عربی میں اس کا متبادل موجود نہیں بلکہ عربی میں تایا اور چچا کو مطلقاً عم کہا جاتا ہے اسی طرح جد اور جدہ کا لفظ عربی میں نانا دادا، نانی اور دادی دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ اسی طرح عربی میں ''ثمن'' اس قیمت کو کہا جاتا ہے جس پر فروخت کنندہ اور خریدار کا اتفاق ہو جائے جبکہ مارکیٹ کے فکس ریٹ کو ''قیمت'' کہا جاتا ہے، اسی طرح عربی میں چاندی کے روپے کو درہم اور سونے کے روپے کو دینار کہا جاتا ہے اردو میں ان کا متبادل لفظ موجود نہیں، عربی میں اونٹ کی عمر کے حساب سے اصطلاحی نام ہیں جیسے بنت مخاض، بنت لبون، حقہ جبکہ اردو میں ان کا متبادل لفظ موجود نہیں۔ اردو میں دَین کے لفظ کے متبادل کے طور پر ''قرضہ'' مستعمل ہے لیکن یہ لفظ دین کا کلی مفہوم ادا نہیں کرتا، اسی طرح بہت ساری ایسی اصطلاحات ہیں جن کا اردو میں متبادل نہیں جیسے مرتہن، مکفول بہ، محیل، عتاق، دراہم مرسلہ، نجش، مرابحہ، تولیہ وغیرھا سے ایسے مواقع پر ہم نے قوسین میں ان اصطلاحات کی آسان اردو میں وضاحت کردی ہے جہاں یہ الفاظ اور اصطلاحات زیادہ مستعمل ہیں وہاں گاہے بگاہے وضاحت کی گئی ہے اگرچہ ان اصطلاحات کو بھی بعینہ استعمال کیا گیا ہے، تاہم مزید سہولت اور آسانی کے لئے ہر جلد میں متوقع اصطلاحات کی توضیحی فہرست مرتب کر کے منسلک کردی گئی ہے۔

مصنف نے خود ہی مفتی بہ اقوال کو اختیار کیا ہے اور مختلف اقوال اگر بیان کئے ہیں تو ساتھ مفتیٰ بہ قول کی وضاحت کردی ہے، تاہم جہاں مصنف نے مفتیٰ بہ قول کی وضاحت نہیں کی یا مصنف سے سہو ہوا ہو تو مفتیٰ بہ قول کی وضاحت کردی گئی ہے۔

عموماً مصنف نے ریاستی قانون کے حوالے سے احکام کی وضاحت کی ہے اور ساتھ ساتھ اسلامی ممالک میں اس قانون کے عملاً نفاذ پر بھی روشنی ڈالی ہے ہم نے بھی کہیں کہیں پاکستان کے ریاستی قانون کا حوالہ دیا ہے۔ اور عموماً ترجمہ کے دوران ایک اہم امر ملاحظہ کیا گیا ہے کہ اسلامی قانون کے حوالے سے اسلامی ممالک میں اکثر و بیشتر فقہ حنفی کو ترجیح دی جاتی ہے، اس لئے ہم نے بالاستیعاب احکام قوانین کا ترجمہ کیا ہے اور کوئی قانونی حکم خواہ مصری ہو یا سوریا کا نظر انداز نہیں کیا یا ترجمہ میں غیر ضروری نہیں سمجھا گیا۔

کتاب ہذا کے چھ مترجمین میں ہر مصنف یا مترجم کا اسلوب نگارش اور اسلوب ترجمہ جداگانہ ہوتا ہے اس لئے مندرجہ بالا امور کی وضاحت کردی ہے کہ اسلوب ترجمہ میں یہ متذکرہ بالا امور مشترک ہوں گے تاہم کہیں کہیں انفرادی اسلوب بھی اپنایا گیا ہے۔

ترجمہ کے دوران مختلف کتب فقہ سے معاونت لی گئی ہے جن میں ہدایہ، عینی الہدایہ، بدائع الصنائع، قاموس الفقہ، جواہر الفقہ، ردالمحتار، احسن الفتاویٰ، الفقہ الحنفی، امداد الفتاویٰ، آپ کے مسائل اور ان کا حل، ہمارے عائلی مسائل، ملکیت زمین، ضبط ولادت، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، اسلامی بینکاری، قدوری، اور بدایۃ المجتہد وغیرھا، احادیث میں فتح الباری، فتح الملہم، صحاح ستہ وغیرھا۔ احادیث کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے عربی عبارت صرف نظر کی گئی ہے جبکہ آیات کا عربی متن اور ترجمہ دونوں نقل کردیئے گئے ہیں، آیات کا ترجمہ آسان ترجمہ قرآن، مولانا فتح محمد جالندھری کا ترجمہ، بیان القرآن، ترجمہ شیخ الہند، ترجمہ شاہ عبدالقادر و شاہ رفیع الدین اور تفہیم القرآن سے لیا گیا ہے۔

حاشیہ میں مغلق عبارات کی توضیح پیش کی گئی ہے اور فوائد بھی نقل کئے گئے ہیں۔ ساتھ ساتھ مراجع اور مصادر کی تعین کتب احادیث کے حوالہ اور احادیث کی تخریج اور قوت و ضعف، حجت و سقم کے حکم کے مکمل حوالے نقل کردیئے گئے ہیں۔

اصل ترجمہ میں آیت کا حوالہ آیات کے ساتھ ہی لکھ دیا گیا ہے جبکہ مراجع اور مصادر اور تخریجی حوالے حواشی میں درج کئے گئے ہیں۔

بایں ہمہ پھر بھی ہمیں اپنی علمی کم مائیگی کا اعتراف ہے، یہ محض اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں توفیق بخشی اور اس کام کو رفتہ رفتہ مکمل کرنے کی ہمت عطا فرمائی۔

آخر میں ایک اور بات کی وضاحت کردوں کہ اس طرح کی علمی کتب کا ترجمہ اہل علم کے نزدیک اچھا نہیں سمجھا جاتا چونکہ اردو تراجم کو دیکھ کر عامی بھی مفتی بن جاتا ہے، گزارش یہ ہے کہ اس سے پہلے ہدایہ، کنز، قدوری، فتاویٰ عالمگیری اور کئی دوسری کتب فقہ کا عرصہ سے ترجمہ منظر عام پر آچکا ہے، ان تراجم کو پڑھ کر کسی نے بھی مفتی یا عالم دین یا فقیہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، ہمارا حکمران طبقہ انگریزی زبان میں خوب مہارت رکھتا ہے جبکہ عربی زبان سے کلیۃً نابلد ہے، بھلا اسلامی قانون جب تک آسان زبان میں ان کے سامنے نہیں پیش کیا جائے گا تب تک وہ لوگ معترض ہی رہیں گے، چنانچہ جب حکمران طبقہ یا روشن خیال طبقہ کی طرف سے جب یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر وطن عزیز میں اسلامی قانون نافذ کیا جائے تو کونسا فقہ یہاں نافذ کیا جائے گا، حنفی، جعفری، غیر مقلدی، شافعی یا کوئی اور؟ چنانچہ یہ ان کے اعتراض کا مسکت جواب ہے، کہ جناب والا! ہم یہ فقہ نافذ کریں گے جو اردو میں منتقل کردیا گیا ہے۔ مؤلف مدظلہ العالی نے جابجا تصریح کردی ہے کہ یہ حکم مصر میں، یا لیبیا میں یا سوریا میں یا کسی اور اسلامی ملک میں بطور قانون نافذ ہے، جب ان ممالک میں اسلامی فقہ بطور ریاستی قانون نافذ ہوسکتا ہے آخر کیا وجہ ہے ہمارے ملک میں کیوں نافذ نہیں ہوسکتا، میں تو ایک قدم آگے بڑھ کر عرض کروں گا کہ وطن عزیز میں جو سیاسی ابتری دیکھنے میں آئی ہے اس کی مثال دوسرے اسلامی ممالک میں نہیں ملتی، نیز امن عامہ کی جو حالت یہاں مخدوش ہے وہ بیان سے باہر ہے، بالخصوص آجکل تو جو شہری بھی گھر سے باہر بازار ہی تک جاتا ہے اسے اتنا یقین بھی نہیں ہوتا کہ آیا وہ زندہ وسلامت گھر واپس لوٹے گا یا نہیں، جبکہ امن عامہ کی بحالی ہر حکومت کا اولین فریضہ ہے جو عرصہ دراز سے وطن عزیز میں عنقا ہے، آزمائش کے لیے اسلامی قانون کو نافذ کرکے دیکھا جائے، بخدا یہ سرزمین سونا اگلے گی۔ ہمارے تھنک ٹینک، پالیسی میکرز اور حکمران طبقہ ہزار بار سر جوڑ کر بیٹھیں اس ابتری کا واحد حل نفاذ شریعت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس ترجمہ کو قبول فرمائے اور ہم سب کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

اللهم زد فزد وتقبل منا أنت ربنا ولا رب غيرك آمين

فقط: محمد یوسف تنولی

۲۵ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ بمطابق ۲۸ جون ۲۰۱۱ء

اصطلاحات

بعض ضروری اصطلاحات کی وضاحت ہر باب اور ہر فصل کے شروع میں کردی گئی ہے۔ تاہم مزید سہولت کے لئے ہر جلد میں متوقع اصطلاحات کی فہرست الگ سے مرتب کردی گئی ہے۔

باب اوّل

طہارت..... (طا کی فتحہ کے ساتھ) نجاست معنوی (بے وضو یا بے غسل ہونے) یا نجاست ظاہری کے دور کرنے کو کہا جاتا ہے۔ (طا کی کسرہ کے ساتھ) آلۂ طہارت (طا کی ضمہ کے ساتھ) طہارت کا پانی مراد ہوتا ہے۔

ماءطہور..... مطلق پانی جو پاک ہو اور پاک کرتا بھی ہو۔

نجاست..... ناپاکی، یعنی ایسی چیز جو نماز کے درست ہونے میں مانع ہو جیسے پیشاب اور نجاست باطنی بے وضوگی۔

غسالہ..... استعمال شدہ پانی کو کہا جاتا ہے۔

ماء مستعمل..... وہ پانی جو قربت خداوندی کی نیت سے وضو یا غسل کے لئے استعمال کیا جائے۔

نیت..... دل کے قصد اور ارادہ کو کہا جاتا ہے۔

موالاۃ..... پے در پے وضو کے افعال کرنا یعنی ایک عضو کے فوراً بعد دوسرا عضو دھونا۔

مسح..... تر ہاتھ کو بدن پر گزارنا۔

ضربہ..... تیمم کے لئے ایک بار ہاتھ مٹی پر مارنا۔

فاقد الطہورین..... ایسا شخص جس کے پاس نہ پانی ہو کہ جس سے وضو کرے اور نہ ہی مٹی ہو کہ جس کے ساتھ تیمم کرے۔

حائض..... حیض والی عورت یعنی وہ عورت جس کی شرمگاہ سے عادت پر خون آئے۔

نفساء..... نفاس والی عورت یعنی ولادت کے بعد شرمگاہ سے خون آنے والی عورت کو نفساء کہا جاتا ہے۔

مستحاضہ..... وہ عورت جس کی شرمگاہ سے حیض اور نفاس کے علاوہ بے وقت خون آتا ہو۔

متحیرہ..... وہ مستحاضہ عورت جس کے سلسلۂ حیض میں کوئی مستقل عادت نہ ہو۔

باب دوم

ستر..... بدن کو ڈھانپنا ستر ہے۔

عورت..... مرد و عورت کے جسم کا وہ حصہ جسے دوسروں کے سامنے کھولنا جائز نہ ہو۔

قبلہ..... وہ جہت جس کی طرف رُخ کرکے نماز ادا کی جاتی ہے۔

تحری..... کسی دلیل کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے رجحانِ قلب کی بنیاد پر مشتبہ امور میں دو پہلوؤں میں سے بہتر اور موزوں صورت کو متعین کرنا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقہ کے چند ضروری مباحث

احکام شرعیہ پر گفتگو شروع کرنے سے قبل کچھ اہم باتیں بیان کرنا ضروری ہیں وہ باتیں ان مندرجہ ذیل امور پر مشتمل ہوں گی۔

۱..... فقہ کے معنی اور اس کی خصوصیات۔

۲..... اہم فقہی مذاہب کے فقہاء کا مختصر تذکرہ۔

۳..... فقہاء اور کتب فقہ کے مراتب پر گفتگو۔

۴..... فقہ اور مؤلفین کتب فقہ کی چند اصطلاحات پر گفتگو۔

۵..... فقہاء کے درمیان ہونے والے اختلاف کے اسباب پر بحث۔

۶..... آسان مذہب کو اختیار کرنے کے قواعد وضوابط اور شرائط پر گفتگو اور آخر میں کتاب میں بیان کئے جانے والے مباحث کا مختصر ساخاکہ۔

بحث اول: فقہ کے معنی اور اس کی خصوصیات:

فقہ کا لفظ لغت میں فہم (سمجھ) کے معنی میں آتا ہے [1] اسی معنی ومفہوم میں قرآن کی یہ آیت ہے قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ (سورۂ ہود آیت ۹۱) (وہ بولے اے شعیب! ہم نہیں سمجھتے تمہاری کہی ہوئی بہت سی باتوں کو) اسی طرح دوسری آیت فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا۝ (سورۂ نساء آیت ۷۸) (سو کیا ہو گیا ہے اس قوم کو کہ یہ کوئی بات نہیں سمجھتی) بھی اسی معنی میں آئی ہے۔

اصطلاح شریعت میں فقہ کی کئی تعریفات کی گئی ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے معرفة النفس ما لها وما عليها [2] (نفس انسانی کا اپنے فائدے اور نقصان کی باتوں کا جان لینا) معرفت کہتے ہیں ادراک الجزئيات عن دليل (جزئیات کا دلیل کے ساتھ علم حاصل کرنا) کو اور یہاں معرفت سے اس کا سبب مراد ہے اور معرفت کا سبب وہ ملکہ اور قدرت ہوتی ہے جو قواعد وضوابط کو یکے بعد دیگرے جاننے سے حاصل ہوتی ہے۔

یہ تعریف عام ہے اور تمام احکام کو شامل ہے، احکام اعتقادیات مثلاً ایمان کا واجب ہونا وغیرہ اور احکام وجدانیات مثلاً اخلاق وتصوف کے احکامات اور عملی احکام۔

یعنی وہ احکام جن کا تعلق عمل سے ہے یعنی نماز روزہ خرید وفروخت وغیرہ یہ سب کے سب اس تعریف میں داخل ہیں اس صورت میں فقہ سے مراد فقہ اکبر ہو گا یعنی وہ فقہ جو تمام احکام شریعت کو شامل ہو خواہ کسی بھی قسم کے احکامات ہوں۔ فقہ کی اتنی عام تعریف جو تمام

---

[1] ... عرب کے ہاں بولا جاتا ہے فقہ (ق کے زیر کے ساتھ) یفقہ (ق کے زبر کے ساتھ) علم یعلم کی طرح اس کے معنی ہوتے ہیں سمجھنا خواہ کوئی سمجھ کے ساتھ خواہ سطحی طور پر، اور یہ بھی بولا جاتا ہے فقہ یفقہ (دونوں میں پیش کے ساتھ) کرم یکرم کی طرح یہ جب بولتے ہیں جب فہم وسمجھ اس کی عادت ثانیہ بن جائے اور یہ بھی بولا جاتا ہے لتفقہ الرجل تفقها جب آدمی فقہ حاصل کرلے۔ اسی معنی میں یہ آیت ہے ليتفقهوا فی الدين (تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کرلیں) (سورۂ توبہ آیت ۱۲) [2] مراة الاصول ج اص ۴۴ التوضيح لمتن التنقيح ج اص ۲۱۰

احکام شریعت پر جاری ہو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کے اعتبار سے درست تھی کیونکہ اس وقت فقہ دیگر شرعی علوم سے علیحدہ کر کے نہیں بیان کیا جاتا تھا بعد کے زمانے میں یہ مستقل علم بن گیا اور یوں ہونے لگا کہ علم کلام (یا علم توحید) میں اعتقادیات سے بحث کی جانے لگی اور علم اخلاق وتصوف کی باتیں مثلاً زہد وغنا صبر ورضا نماز میں حضوری قلب وغیرہ جیسے امور پر گفتگو علم وجدانیات میں ہونے لگی۔ اور آج کل فقہ کا اطلاق جس پر کیا جاتا ہے اس کا موضوع صرف اس میں منحصر ہو گیا کہ یہ جان لیا جائے کہ نفس انسانی کے لئے کون سے عملی احکام نافع اور مضر ہیں۔ اسی فرق کے پیش نظر علماء احناف نے فقہ کی تعریف میں عملاً کا لفظ بڑھا دیا تا کہ فقہ کی تعریف سے اعتقادیات اور وجدانیات باہر نکل جائیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی تعریف جو ان کے بعد کے علماء کے ہاں مشہور ہوئی ان الفاظ میں منقول ہے:

العلم بالاحکام الشرعیة العملیة المکتسب من ادلتها التفصیلیة

شریعت کے ان احکام کا علم حاصل کرنا جو عملی ہوں ایسا علم جو ان احکام کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا گیا ہو۔

اس تعریف میں علم (جاننے) سے مطلق ادراک مراد ہے یعنی جو یقین اور ظن دونوں کو شامل ہو [1] کیونکہ احکام عملیہ دلیل قطعی یقینی سے بھی ثابت ہوتے ہیں لیکن زیادہ تر دلیل ظنی سے ثابت ہوتے ہیں اور احکام جمع ہے حکم کی اور حکم کہتے ہیں اس بات کو جو شارع (اللہ تعالیٰ) کو مطلوب ہو۔ اور دوسری رائے کے مطابق حکم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس خطاب کو جو مکلف انسانوں کے افعال سے متعلق ہو۔ یہ خطاب کسی بھی شکل میں متعلق ہو خواہ؟

اور فقہاء کے ہاں خطاب سے مراد وہ نتیجہ ہے جو خطاب پر مرتب ہو مثلاً نماز کے خطاب پر نماز کے فرض ہونے کا نتیجہ مرتب ہوتا ہے اسی طرح قتل کے متعلق خطاب پر اس کے حرام ہونے کا نتیجہ مرتب ہوتا ہے اسی طرح کھانے پینے اور وضو کے نماز کے لئے شرط ہونے کے احکام کا معاملہ ہے۔

العلم بالاحکام کے الفاظ سے ذات صفات اور افعال کے علم سے احتراز مقصود ہے اور الشرعیة کا لفظ الشرع سے ماخوذ ہے اس سے مقصود ان احکام سے احتراز ہے جو شرعی نہ ہوں حسی ہوں مثلاً سورج کا خوب روشنی والا ہونا اسی طرح وہ احکام جو خالص عقلی ہوں مثلاً دو کا نصف ایک ہے اور کل جز سے بڑا ہوتا ہے وغیرہ سے بھی احتراز مقصود ہے اور لغوی احکام بھی اس لفظ الشرعیة کی وجہ سے فقہ کی تعریف سے باہر ہو جاتے ہیں مثلاً عربی زبان کا قاعدہ کُلُّ فَاعِلٍ مَرْفُوْعٌ اسی طرح عام بول چال میں بولے جانے احکام اور ضوابط مثلاً زید کھڑا ہے یا وہ نہیں کھڑا ہے وغیرہ بھی اس لفظ الشرعیة کی وجہ سے فقہ کی تعریف سے خارج ہو جاتے ہیں۔

اور ''العملیة'' سے مراد عمل قلبی سے تعلق رکھنے والے احکام یعنی نیت قلبی وغیرہ اور غیر قلبی اعضاء وجوارح سے انجام دیے جانے والے مثلاً نماز میں قرات وغیرہ دونوں قسم کے احکام ہیں اور عملیة کا اطلاق ان احکام پر اکثریت کے اعتبار سے ہے کہ احکام کی اکثریت عملی ہے ورنہ بعض احکام نظری (یعنی جن کا اطلاق نظریاتی اعتبار سے ہوتا ہے) بھی ہیں مثلاً مذہب کا اختلاف وراثت میں رکاوٹ بن جاتا ہے یہ نظری حکم ہے اس سے فقہ میں بحث کی جاتی ہے العملیہ کے لفظ سے ان احکام سے احتراز ہو جاتا ہے جو خالص عملی احکام ہوں یا اعتقادی احکام ہوں مثلاً اصول فقہ جو خالص عملی احکامات کا علم ہے اسی طرح اصول وعقائد کا علم عملی نہیں ہوتا ہے مثلاً اللہ کی صفات کا اللہ کی ذات کے لئے ثابت ہونے کا علم وغیرہ العملیة پر کبھی الفرعیة کا اور الاعتقادیة پر الاصولیة کا اطلاق کیا جاتا ہے (یعنی بعض فقہاء کے ہاں اس طرح کے الفاظ ملتے ہیں لیکن مقصود اس سے یہی ہوتا ہے جو بیان کیا)

---

[1] ..... شرح جمع الجوامع للمحلی ج ا ص ۳۲ شرح الاسفوی ج ا ص ۲۴ شرح العضد لمختصر ابن الحاجب ج ا ص ۱۸ مرآة الاصول ج ا ص ۵۰ المدخل الی مذهب احمد ص ۵۸

فقہ کی تعریف میں آیا ہوا المکتسب کا لفظ نحوی اعتبار سے لفظ العلم کی صفت واقع ہوا ہے۔ اور اس سے مراد ہے غور وفکر اور کوشش سے حاصل شدہ علم۔ اس لفظ سے علم خداوندی سے احتراز ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم علم ذاتی ہے کوشش اور غور وفکر سے حاصل شدہ نہیں اسی طرح فرشتوں کا شریعت سے متعلق علم بھی خدائی عطیہ ہے غور وفکر کا نتیجہ نہیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بھی اس قید سے تعریف فقہ سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ آپ کا علم وحی الٰہی سے حاصل شدہ ہے غور وفکر سے نہیں اسی طرح وہ بدیہی اور لازمی چیزیں جن کے ثبوت کے لئے کسی دلیل اور غور وفکر کی ضرورت نہیں ہوتی وہ بھی اس لفظ کی وجہ سے تعریف فقہ سے خارج ہو جائیں گی مثلاً پانچ نمازوں کا فرض ہونا یہ کسی غور وفکر کا نتیجہ نہیں اس لئے ان چیزوں کا علم فقہ نہیں کہلائے گا اور الادلة التفصيلية (تفصیلی دلائل) سے مراد وہ دلائل ہیں جو قرآن سنت اجماع اور قیاس سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس لفظ سے مقلد کا علم خارج ہو جاتا ہے کیونکہ مقلد کسی مسئلہ پر اس کی ادلہ تفصیلیہ سے دلیل نہیں لاتا بلکہ اس کے پاس تو ایک ہی دلیل ہوتی ہے جو وہ تمام احکام میں استعمال کرتا ہے اور وہ اہل علم کا قول ہے جو اس کے لئے دلیل ہوتا ہے اور بوقت ضرورت ان اہل علم سے سوال کرنے کا وہ مکلف ہوتا ہے چنانچہ مقلد پر ان سے پوچھی گئی باتوں پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے یہ سب تفصیلات درست ہیں لیکن قواعد زرکشی کے مطابق فقہ کی تعریف بالآخر یہ سمجھ میں آتی ہے **معرفة احكام الحوادث نصاً واستنباطاً على مذهب من المذاهب** (کسی بھی مسلک (حنفی شافعی مالکی وغیرہ) کے اصول وضوابط کے مطابق واقعات کا شرعی علم نص سے یا غور وفکر کے ذریعے جان لینا) (یعنی فقہ کے مختلف ادوار اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہی درست معلوم ہوتا ہے کہ فقہ کی مندرجہ بالا الفاظ سے تعریف کی جائے)۔

فقہ کا موضوع...... فقہ کا موضوع مکلف انسانوں کے افعال ہیں اس حیثیت سے کہ وہ ان مکلف انسانوں کی ذمہ داری ہوں خواہ ان کی ادائیگی مطلوب ہو جیسے نماز کہ اس کی ادائیگی مطلوب ہے خواہ ان کا چھوڑنا مطلوب ہو جیسے غصب مثلاً کہ اس کا چھوڑنا مطلوب ہے یا وہ افعال اختیاری ہوں ان کے کرنے یا چھوڑنے دونوں کا اختیار ہو جیسے کھانا پینا وغیرہ یعنی مباحات۔

مکلف سے مراد وہ عاقل و بالغ شخص ہوتا ہے جس کے افعال سے تکلیف شرعی متعلق ہو (یعنی احکام شریعت کی بجا آوری کا بوجھ اس پر ڈال دیا گیا ہو)

فقہ کی خصوصیات .... فقہ کا اطلاق شریعت کے اس حصے پر کیا جاتا ہے جس کا تعلق عمل سے ہو۔ اور شریعت کا اطلاق ان احکامات پر کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمائے خواہ قرآن کے ذریعے خواہ سنت نبویہ کے ذریعے، اور چاہے ان کا تعلق اعتقاد سے ہو اور علم کلام یا علم توحید بطور خاص اسی سے بحث کرتا ہے، یا ان احکام کا تعلق عمل سے ہو اور اس حصے پر علم فقہ میں گفتگو کی جاتی ہے۔

فقہ کی بنیاد تدریجی طور پر تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور عہد صحابہ ہی میں پڑ چکی تھی، صحابہ کرام کے زمانے میں اس کی بنیاد پڑ جانے کا سبب صرف یہی تھا کہ لوگوں کو نت نئے پیش آنے والے معاملات میں رہنمائی کی ضرورت پڑتی رہتی تھی فقہ کی طرف پیش آنے والی یہ ضرورت لوگوں کے اجتماعی معاشرتی تعلقات قائم رکھنے، ہر انسان کے حقوق اور ذمہ داریوں کے ادراک نئے فوائد کے حصول، اور مستقل اور ناگہانی ہونے والے نقصانات اور مفاسد کے دور کرنے کے لئے ہمیشہ قائم رہی۔

فقہ اسلامی بہت سی خصوصیات کی وجہ سے ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے ان میں سے اہم خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

---

❶ .... اس بات کی مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ کیجئے احمد امین کی فجر الاسلام سائیس کی تاریخ الفقہ الاسلامی خضری کی تاریخ التشریع شیخ ازہر ڈاکٹر عبدالرحمن تاج کی السیاسۃ الشرعیۃ ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ کی الاموال ونظریۃ العقد ص ۱۳۶ اور علامہ مصطفیٰ زرقاء کی کتاب المدخل الفقہی ف ۲۔ ۴ اور ۹۰۔

ا: وحی الٰہی کا اس کی بنیاد ہونا...... فقہ کو دیگر وضع شدہ قوانین کے مقابلے میں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کی اساس وحی الٰہی ہے جو کہ قرآن اور حدیث کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے چنانچہ ہر مجتہد احکام شریعت کے استنباط میں ان دو اساسی چیزوں کے نص کا اور ان دونوں سے براہ راست حاصل ہونے والے امور کا اور اس چیز کا پابند ہے جس چیز کی طرف شریعت کی روح اس کے عام مقاصد اور اس کے کلی قواعد واصول رہنمائی کریں۔ اس طریقے سے فقہ بڑی مکمل بنیاد، بڑے متوازن ڈھانچے اور نہایت مضبوط ستونوں پر قائم عمارت کی طرح مکمل نظام عمل ہے کیونکہ اس کی بنیادیں مکمل ہیں اس کے قواعد پورے ہیں اور اس کی جڑیں عہد رسالت ووحی تک جا پہنچتی ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ......سورۃ مائدۃ آیت ۳

آج کے دن میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر تمہاری نعمت اور تمہارے لئے پسند کر لیا ہے اسلام کو بطور دین۔

لہٰذا اس طرح کی مضبوط بنیاد اور اصول وضوابط حاصل ہو جانے کے بعد صرف یہی باقی بچتا ہے کہ مقاصد شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے انسانیت کی بہی خواہی کے لئے ان اصولوں پر رہتے ہوئے مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔

۲..... زندگی کے تمام مقاصد اور ضروریات کے لئے کافی ہونا۔ فقہ اسلامی دیگر وضع کردہ قوانین کے مقابلے میں ایک یہ بھی امتیازی حیثیت رکھتا ہے کہ یہ انسان کے تینوں قسم کے تعلقات پر حاوی ہے۔

۱۔ انسان کا تعلق اپنے رب سے۔

۲۔ انسان کا تعلق اپنی ذات سے۔

۳۔ انسان کا تعلق اپنے معاشرے سے کیونکہ فقہ آخرت کے لئے بھی ہے اور دنیا کے لئے بھی دین کے لئے بھی ہے اور پوری انسانیت کے لئے ہے اور تا قیامت باقی رہنے کے لئے ہے۔ فقہ کے احکام میں عقیدہ، طہارت، اخلاق اور معاملات سب کو قوت حاصل ہوتی ہے تاکہ ضمیر کی بیداری اپنی ذمہ داریوں کے شعور سب کے سامنے اور پیٹھ پیچھے اللہ کے خوف اور دوسروں کے حقوق کے احترام جیسی عمدہ صفات حاصل ہونے کے ساتھ غایت درجے کی رضامندی اطمینان قلب ایمان سعادت اور ثابت قدمی بھی حاصل ہو اس کے ساتھ ساتھ انفرادی اور اجتماعی زندگیاں بھی منظم ہوں اور پوری دنیا کی خوش نصیبی بھی حاصل ہو ان اعلیٰ مقاصد کے حصول جیسے عظیم مقصود کے لئے احکام عملیہ بالفاظ دیگر فقہ جو کہ کسی مکلف شخص سے صادر ہونے والے تمام اقوال، افعال، معاملات اور تصرفات کو شامل ہے، کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

ا۔ احکام معاملات...... اس میں لوگوں کے باہمی معاملات، تصرفات، سزائیں، تاوان، ایک دوسرے کے زیادتی کرنے وغیرہ کے احکامات پر گفتگو کی جاتی ہے جن پر گفتگو میں مقصود لوگوں کے ایک دوسرے سے تعلقات کو بہتر شکل میں منظم کر دینا ہوتا ہے خواہ انفرادی طور پر یہ تعلقات ہوں خواہ اجتماعی طور پر احکام معاملات کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں:

ا۔ وہ احکام جنہیں حدیث بالاحوال الشخصیۃ کہا جاتا ہے، یہ وہ احکامات ہیں جن کا تعلق خاندان کے تشکیل پانے ان کے مابین تعلقات وغیرہ سے ہوتا ہے، جیسے شادی بیاہ، طلاق، نسب، نان ونفقہ اور میراث وغیرہ کے احکام ان احکام کا تعلق اور مقصود میاں بیوی اور خاندان کے دیگر افراد کے آپس کے تعلقات کو ایک نظم کے تحت لانا ہوتا ہے۔

۲۔ الاحکام المدنیۃ...... (تمدنی احکام) یہ وہ احکام ہیں جن کا تعلق افراد کے آپس کے معاملات اور لین دین سے ہوتا ہے جیسے خرید وفروخت کرایہ داری رہن، کفالت، شراکت داری، قرض کے لین دین اور لازم امور کی دیانت داری سے بجا آوری وغیرہ کے احکام۔ ان احکام کا تعلق اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ معاشرے کے افراد کے مابین تعلقات ایک نظم کے تحت آجائیں اور حقدار کے حقوق کی حفاظت رہے۔ قرآن

کریم میں اس قسم کے تمدنی احکام کے متعلق ستر کے قریب آیات نازل ہوئی ہیں۔

۳۔الاحکام الجنائیۃ......(احکام تعزیرات) یہ وہ احکام ہیں جن کا تعلق کسی مکلف شخص سے سرزد ہونے والے جرم اور اس پر مرتب ہونے والی سزا سے ہوتا ہے ان احکامات کا مقصود لوگوں کی جان، مال، آبرو اور حقوق کی حفاظت ہوتا ہے ساتھ ساتھ یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ جس شخص کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے اس کے جرم کے مرتکب شخص اور امت کے دوسرے افراد کے ساتھ کس قسم کے تعلقات روابط اور حقوق ہیں اور امن وامان کا قیام بھی ان احکامات کے مقصود امور میں سے ایک ہے اس قسم کے تعزیراتی احکام سے متعلق قرآن کریم میں تیس کے قریب آیات آئی ہیں۔

۴۔احکام المرافعات اور الاجراءات المدنیۃ والجنایات......(عدالتی کارروائیوں کے احکام) ان احکامات کا تعلق عدالتی فیصلے دعوے گواہوں قسم اور قرائن سے کسی چیز کے تعین اور اثبات سے ہوتا ہے ان احکام کا مقصد کارروائیوں اور اقدامات کو ایک نظم کے تحت لانا ہوتا ہے تا کہ لوگوں میں عدل وانصاف قائم ہو۔قضا گواہی اور ان سے متعلق امور کے بارے میں قرآن کریم میں بیس کے قریب آیات آئی ہیں۔

۵۔الاحکام الدستوریۃ......(دستوری احکام) وہ احکام جن کا تعلق نظام حکومت اور اس کے اصول وضوابط سے ہے ان سے مقصود حاکم اور رعایا کے مابین تعلقات کا تعین اور افراد اور جماعتوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کرنا ہوتا ہے۔

۶۔الاحکام الدولیۃ......(بین الاقوامی تعلقات کے احکام) ان احکام کا تعلق ایک اسلامی مملکت کے دوسری مملکتوں کے ساتھ حالت امن اور جنگ کے تعلقات کو ایک نظم کے تحت لانے اور غیر مسلم شہریوں کے اپنی مسلمان حکومت کے تعلقات کے تعین کرنے سے ہوتا ہے جہاد اور بین الاقوامی معاہدے بھی اسی کے ذیل میں آتے ہیں۔ان احکام کا مقصد مملکتوں کے آپس کے تعلقات تعاون کی نوعیت اور ایک دوسرے کے احترام کے متعلق راہنمائی فراہم کرنا ہوتا ہے۔

۷۔الاحکام الاقتصادیۃ والمالیۃ (اقتصادی اور مالی معاملات کے احکامات)......ان احکامات کا تعلق افراد کے مالی حقوق اور مالی ذمہ داریوں مملکت کے مالی حقوق اور مالی ذمہ داریوں اور ذرائع آمدنی اور اخراجات کی تشکیل سے ہوتا ہے

ان احکامات کا مقصود مالدار اور تنگ دست لوگوں کے مابین تعلقات کی تشکیل اسی مملکت اور رعایا کے مابین تعلقات کو نظم کے تحت لانا ہوتا ہے۔

احکامات کی اس نوعیت کے تحت مملکت عمومی اور خصوصی دولت جیسے مال غنیمت، مال انفال، عشر اسی طرح کسٹم ٹیکس، (زمینی ٹیکس) ٹھوس اور سیال معدنیات کی کانیں اور دیگر طبعی زمینی وسائل سے حاصل شدہ مال ودولت سب داخل ہیں۔اسی طریقے سے معاشرے کی دولت مثلاً زکوۃ، صدقات، نذر، قرض کی رقوم اور خاندان میں زیر گردش مال جیسے نان ونفقہ، وراثت اور وصیت کے اموال، افراد کے اموال مثلاً تجارت کرایہ داری، شراکت داری اور پیدائش دولت کے دیگر جائز ذرائع اور شعبہ جات سے حاصل ہونے والے منافع جات اور پروڈکشن (صنعت) سے اور مالی سزاؤں سے حاصل ہونے مال ودولت مثلاً کفاروں دیت اور فدیہ سے حاصل ہونے والی مال ودولت سب اسی کے تحت داخل ہیں۔

۷۔الاخلاق والاداب (المحاسن والمساوی)......(احکام اخلاق وآداب) یعنی وہ امور وآداب جو انسان اور احترام، تعاون اور رحمدلی کے ماحول کو فراہم کریں۔

فقہ کے اتنے وسیع اور حیات انسانی کے اتنے شعبوں کو جامع ہونے کا سبب وہ احادیث ہیں جو اوپر بیان کردہ موضوعات میں ہر موضوع کے بارے میں بکثرت آئی ہیں۔

۳:افعال واعمال کا حلت وحرمت کی دینی صفت سے متصف ہونا.....فقہ کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اسے عام وضع کردہ قوانین کے مقابلے میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ ہر فعل یا تمدنی تصرف حلال اور حرام کی فکر کا حامل ہوتا ہے اس کے نتیجے میں احکام معاملات میں دو وصف پائے جاتے ہیں ایک تو دنیوی اثر جو اس فعل یا تصرف کے ظاہر سے تعلق رکھتا ہے کسی داخلی یا باطنی حکم سے اس کا تعلق نہیں ہوتا ہے اور وہ ہے اس کا قانونی حکم کیونکہ کوئی قاضی جب قانونی حکم کسی فعل یا تصرف پر جاری کرتا ہے تو وہ وہ حکم جاری کرتا ہے جو اس کے اختیار میں ہو اور قاضی کا فیصلہ حق کو باطل یا باطل کو حق نہیں کر دیتا ہے اور نہ ہی حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتا ہے بلکہ قاضی کا فیصلہ نافذ العمل بنایا جاتا ہے بخلاف فتوے کے۔❶

۲۔دوسرا اثر اس فعل کا اخروی حکم ہے جو اس فعل کی حقیقت اور واقعیت سے تعلق رکھتا ہے اگرچہ وہ دوسروں سے مخفی رہے اس پر عمل درآمد صرف اس متعلقہ شخص اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے مابین محدود ہوتا ہے اور اس حکم کو حکم دیانی کہتے ہیں۔ حکم دیانی وہ ہوتا ہے جو مفتی کے قابل اعتماد ہوتا ہے اور فتویٰ شریعت میں کہتے ہیں: الاخبار عن الحکم الشرعی من غیر الزام (کسی شرعی حکم کے متعلق دوسروں کو بتانا بغیر اسے لازم کیے ہوئے) کسی فعل یا تصرف کی ان دو حیثیتوں کے درمیان اس فرق کا اصل سبب حدیث نبوی ہے جسے امام مالک امام احمد بن حنبل اور صحاح ستہ کے مصنفین حضرات نے روایت کیا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں تو ایک بشر ہوں اور تم میرے پاس اپنے تنازعات لے کر آتے ہو اور شاید ایسا ہو کہ تم میں سے کوئی ایک زیادہ احسن طریقے اور خشوع کے ذریعے اپنی دلیل بیان کرے اور میں (ظاہری طور پر) اس کی بات سن کر (اس کی بات کو درست سمجھ کر) اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (مگر حقیقت میں وہ حق پر نہ ہو محض تیز گفتاری اور چالاکی سے وہ اپنے حق میں ایسا فیصلہ کروا لے) سو سمجھو جس کسی کے لئے میں (اس کی چرب زبانی کے سبب) دوسرے مسلمان کے حق کا فیصلہ سنا دوں تو وہ درحقیقت (جہنم کی) آگ کا ٹکڑا ہے تو چاہے تو وہ اسے لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے کسی حکم یا تصرف شرعی میں یہ دو جہتیں پائی جانے کا سبب یہ ہے کہ شریعت وحی الٰہی ہے اس پر اخروی ثواب وعتاب مرتب ہوتے ہیں یہ بیک وقت روحانی اور مادی دونوں طرح کی کیفیات پر مشتمل نظام ہے کیونکہ اس کی آمد دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی کے لیے ہوئی ہے۔

ان دو جہتوں کے اس اختلاف کا نتیجہ طلاق قسموں کے معاملات قرض کے معاملات بری الذمہ کرنے کے معاملات اور زبردستی کسی کام کو کرا لینے جیسے معاملات میں سامنے آتا ہے اور اسی بنا پر قاضی کا فرض منصبی مفتی کے فرض منصبی سے مختلف ہوتا ہے قاضی اپنا حکم صرف ظاہر کو پیش نظر رکھ کر دے گا جب کہ مفتی ظاہری اور باطنی دونوں صورت حال سامنے رکھ کر حکم شرعی بتائے گا۔❷

---

❶ ...مصنف کا مقصود یہ ہے کہ اگر ایک فعل اصولاً غلط ہو مگر قاضی اسے نافذ کر دے تو اس کے نافذ کرنے سے وہ فی الحقیقت درست نہیں ہو جائے گا مگر قاضی کو حاصل شدہ اختیارات کے تحت وہ نافذ ہو جائے گا یہ بھی واضح رہے کہ یہ عام حکم نہیں ہے اس کی مزید تفصیل قضا اور عدالت کے احکامات کے ذیل میں آئے گی۔(مترجم)❷ مصنف کی اس گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ شریعت کے احکام کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں ا۔ظاہری ۲۔باطنی۔ظاہری سے مراد ہے وہ حیثیت جس پر ظاہری احوال دلالت کریں اور باطنی سے مراد ہے اس شخص کا اصل ارادہ وقلب مثال کے طور پر ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے بعد میں وہ کہے کہ میرا ارادہ دوسرے دو مرتبہ کہنے سے صرف مؤکد کرنا تھا نہ کہ مزید طلاق دینا تو ظاہری حکم یہ ہے کہ طلاقیں تین واقع ہوں اور باطنی حکم یہ ہے کہ اس کی نیت کے بارے میں اس کی بات تسلیم کی جائے۔قاضی اپنے اختیار میں رہتے ہوئے تین طلاق کا حکم جاری کرے گا جو نافذ العمل ہوگا حکومت وقت اسے نافذ کرنے کی پابند ہے اس کی نیت کو حکم دیانت کے تحت درست مانیں گے مگر وہ نافذ نہیں ہوگی۔تو حقیقت امر میں تو وہ آدمی درست ہے مگر چونکہ ظاہر اس کے خلاف ہے اس لئے اس کی بات قابل تسلیم نہیں ہوگی اور طلاقیں تین ہی شمار کی جائے گی البتہ مفتی حکم دیانت کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک طلاق کا فتویٰ دے گا مگر یہ فتویٰ قوت نافذہ کی پشت پناہی نہ ہونے کی وجہ سے نافذ العمل نہ ہو سکے گا مزید تفصیل کتاب القضاء میں آئے گی۔

اگر ظاہر اور باطن دونوں میں اختلاف واقع ہو جائے تو مفتی فتویٰ باطنی حکم کے مطابق بھی دے سکتا ہے اگر وہ مطمئن ہو کہ باطنی حکم درست ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے لیے غلطی سے بلانیت طلاق طلاق کا لفظ استعمال کر لے تو قانوناً طلاق واقع ہو جائے گی مگر حکم دیانت کی رو سے نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے اپنے مقروض کا قرض معاف کر دیا اسے بتائے بغیر پھر کچھ عرصے بعد وصولی قرض کے لئے دعویٰ دائر کر دیا تو عدالتی طور پر اس کے حق میں فیصلہ ہوگا مگر حکم دیانت کی رو سے اس کے لئے یہ درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ ایک دفعہ بری الذمہ کرنے بعد اپنے قول سے پھر رہا ہے۔

درحقیقت اس دینی رجحان کے پائے جانے یا بالفاظ دیگر اس اندرونی دینی مانع کے وجود نے شرعی نظام وضابطوں اور حقوق کی حفاظت و صیانت کی ہیبت اور احترام میں مزید وسعت پیدا کر دی بمقابلہ اس مادی رجحان کے جس کا لحاظ وضع کردہ قوانین میں رکھا جاتا ہے کیونکہ شریعت دونوں حیثیتوں کا ایک ساتھ لحاظ رکھتی ہے قانونی حیثیت کا اور دینی حیثیت کا۔

۴۔ فقہ کا اخلاق کے ساتھ ربط..... چوتھی خصوصیت فقہ کی یہ ہے کہ فقہ عام وضعی قوانین کے برخلاف اخلاقی ضابطوں کی بھی رعایت رکھتا ہے، جب کہ قانون وضعی میں صرف ایک فائدہ پیش نظر ہوتا ہے جو کہ نظام کی حفاظت اور معاشرے کی اجتماعیت برقرار رکھتا ہے خواہ اس کے نتیجے میں دینی اور اخلاقی قدریں پامال ہو جاتی ہوں۔ اس کے مقابلے میں فقہ بلند اخلاقی ایک عمدہ نمونہ قائم کرنے اور مضبوط اخلاقی قدریں قائم کرنے کا مکمل لحاظ رکھتا ہے، چنانچہ عبادات کی مشروعیت نفس کی پاکیزگی اور اس کی صفائی اور اس کو بری باتوں سے دور رکھنے کی غرض سے کی گئی، اسی طرح سود کی حرمت کا ایک مقصد باہمی تعاون اور رحم دلی کی حقیقت لوگوں میں جاگزیں کرنا ضرورت مندوں کو مال داروں کی حرص وہوس سے محفوظ رکھنا اور آپس کے معاملات میں دھوکہ دہی جعل سازی سے حفاظت اور ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طریقوں سے کھانے سے بچانا ہے۔ آپس کے معاملات کے غیر واضح طور پر ہونے بایں معنی کہ ان میں جہالت اور اس طرح کے دوسرے عیوب پیدا ہو جائیں جن کا تعلق رضامندی سے ہو، کی صورت میں ان معاملات کا فاسد قرار پانا باہمی محبت اور اعتماد کے قائم رکھنے کے لئے ہے، اسی طرح اس کا مقصد لوگوں کو باہمی تنازعات سے بچانا، مادیت کی گندگیوں سے محفوظ و مامون رکھنا اور دوسروں کے حقوق کا احترام پیدا کرنا ہے۔ اسی طرح آپس کے معاملات کو صحیح طور پر انجام دینے کے احکامات کا مقصود معاہدوں کی پاسداری کی تعلیم دینا بھی ہے۔ اور شراب کو حرام قرار دینے کا مقصد خیر وشر کی کسوٹی یعنی عقل کی حفاظت ہے۔

اور جب دین اور اخلاق باہمی معاملے کے ساتھ یکجان ہو جائیں تو افراد اور جماعتوں کی فلاح اور خوش بختی یقینی ہو جاتی ہے، اور آخرت میں نعمتوں میں ہمیشگی کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ اور ہمیشہ رہنا تو انسان کی وہ خواہش ہے جو بہت پرانے زمانے سے اس کے ساتھ ساتھ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقہ کی غرض وغایت انسان کی حقیقی بھلائی ہے جو حال میں بھی ہو اور مستقبل میں بھی ساتھ ساتھ دنیا اور آخرت میں اس کی خوش نصیبی بھی دوسری بات یہ بھی ہے کہ دین اور اخلاق سے اثر پذیر ہونا فقہ کو زیادہ قابل اطاعت اور زیادہ قابل احترام بناتا ہے بہ نسبت دوسرے وضع شدہ قوانین کے کہ ان کی خالص دنیوی بندشیں انسان کو ان قوانین کے حلقے سے چھٹکارا پانے اور بھاگ نکلنے کی تدبیریں سمجھاتی ہیں۔

۵۔ مخالفت قوانین کی دنیوی اور اخروی سزا کا تصور..... پانچویں خصوصیت فقہ کی یہ ہے کہ وہ عام دنیوی وضع شدہ قوانین سے جو مخالفت قوانین کی فقط دنیوی سزا کا تصور رکھتے ہیں اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں وہ دو قسم کی سزاؤں کا تصور رکھتا ہے ایک تو دنیوی سزا کا جو کبھی تو مقرر ہوتی ہے جیسے حدود اور کبھی غیر مقرر ہوتی ہے جیسے تعزیرات یہ سزائیں لوگوں کو ظاہری بدعملی پر دی جاتی ہیں دوسری سزا ہے اخروی جو ان اعمال پر دی جاتی ہے جو لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتے ان کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ جیسے حسد، جلن، کینہ،

عداوت، دوسروں کی ضرر رسانی کا ارادہ کرنا جب کہ عمل درآمد بھی اس پر ہو جائے، اسی طرح یہ اخروی سزا ان اعمال پر بھی ہے جو ظاہری ہیں مگر کسی وجہ سے سزائیں نہ دی جا سکی ہوں یا تو اس وجہ سے کہ ان سزاؤں کو کالعدم کر دیا گیا ہو جیسے اس وقت حدود اکثر اسلامی ملکوں میں معطل ہیں، یا اس وجہ سے کہ وہ بدعملی ظاہر نہ ہو سکی ہو یا حکومت وقت اس پر مطلع نہ ہو سکی ہو (غرض کہ سزا کا تصور ہے خواہ وہ ظاہری سزا سے بچ نکلے لیکن اخروی سزا کا سامنا کرنا پڑے گا)۔

دوسری بات یہ ہے کہ فقہ نے بدلے (جزاء) کے دو تصور دیئے ہیں، ایک ایجابی رخ ہے جس میں احکامات کی بجا آوری اور انجام پر اجر وثواب کا تصور دیا ہے، دوسرا سلبی رخ ہے کہ ممنوعہ افعال اور گناہوں سے اجتناب اور باز آنا بجائے خود ایک ثواب کا کام ہے اس کے برخلاف عام انسانی قوانین صرف سلبی (منفی) رخ کا تصور رکھتے ہیں جس میں کسی قانون کی خلاف ورزی پر سزائیں دی جاتی ہیں لیکن نیک چلن ہونے پر کوئی انعام وغیرہ نہیں دیا جاتا۔

۶۔ فقہ میں رجحان اجتماعیت...... فقہ کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فرد اور جماعت دونوں کے مفادات کا لحاظ رکھا گیا ہے نہ تو فرد کے مفادات کو جماعت کے مفادات کے آگے کالعدم کیا گیا اور نہ ہی اس کے برعکس ہو۔ تاہم جماعت کے مفادات کو اس صورت میں فرد کے مفادات سے مقدم رکھا گیا ہے جب دونوں قسم کے مفادات میں تعارض اور کشاکشی پیدا ہو جائے اسی طرح دو افراد کے مفادات میں تعارض ہونے کی صورت میں اس کے مفاد کا لحاظ رکھا گیا ہے جس کو زیادہ ضرر پہنچ رہا ہو جیسا کہ ان دو قاعدوں **لاضرر ولاضرار** **یدفع اکبر الضررین با لاخف منھا** (بڑے ضرر کو چھوٹے ضرر کے ذریعے دور کیا جائے گا) سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔

جماعت کے مفادات کا لحاظ رکھنے کی مثال میں یہ چیزیں ہیں عبادات نماز روزہ وغیرہ کی مشروعیت بیع کی حلت اور سود کی حرمت ذخیرہ اندوزی کی حرمت اور مثلی قیمت پر خرید وفروخت رکھنے کا حکم جبری تعیین نرخ کی مشروعیت بڑے منکرات پر حدود کا قائم کیا جانا خاندان کی شیرازہ بندی، پڑوسیوں کے حقوق کی پاسداری معاہدوں کی پابندی اور جبری خرید وفروخت کی مشروعیت ان چیزوں کی جو لوگوں کے لئے ضروری ہوں مثلاً مساجد اور تعلیم گاہیں، شفاخانے، قبرستان، راستوں کی توسیع اور نہروں وغیرہ کے راستے بنانے کے لئے جبراً زمین فروخت کرنے پر مجبور کیا جانا۔ یہ سب چیزیں ایک مثالی معاشرہ تشکیل دینے کے لئے لازم کی گئی ہیں اگرچہ ان کی بجا آوری اور انجام دہی فرد پر بوجھ ہوتی ہے۔ کسی دوسرے فرد کے حق اور مفاد کو جماعت کو ضرر لاحق ہونے کی صورت میں یا زیادہ بڑے ضرر لاحق ہونے کی صورت میں، محدود اور مؤخر کرنے کی مثال یہ مسئلہ ہے کہ بیوی پر شوہر کی اطاعت لازم نہیں کی جائے گی اگر شوہر اس کو ضرر پہنچا رہا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **وَلَا تُمۡسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُواْ** (اور ان کو نقصان پہنچانے کے لئے مت روکے رکھو تا کہ تم زیادتی کرو)۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۳۱) اسی طرح حاکم کی اطاعت اس وقت لازم نہیں جب وہ کسی گناہ کا حکم دے دے یا کسی عام فائدے کے لئے گناہ کا ارتکاب کرے۔ کیونکہ اطاعت صرف اچھے کام میں ہے برے کام میں نہیں۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان پر اطاعت و فرمانبرداری لازم ہے خوشدلی سے یا ناخوشی سے جب تک کسی معصیت کا اسے حکم نہ دے دیا جائے، اگر معصیت کا حکم دے دیا جائے تو اطاعت وفرمانبرداری لازم نہیں۔

اس کی ایک مثال یہ مسئلہ بھی ہے کہ وصیت کے جواز کو صرف ایک تہائی مال تک محدود کر دیا گیا ہے تا کہ ورثاء کو نقصان نہ پہنچے۔ چنانچہ بخاری ومسلم کی روایت کردہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا ایک تہائی (کی وصیت کرو) ایک تہائی بہت ہے تمہارا اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں محتاج چھوڑ دو اور وہ لوگوں سے مانگتے پھریں اور اس کی مثالوں میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ مفتوحہ اراضی کو اس میں مقیم کفار باشندوں کے ہاتھ میں رہنے دینے کی اجازت ہے اس شرط پر کہ وہ

جزیہ اور خراج ادا کرتے ہیں اور مقصد اس اجازت کا یہ ہے کہ خزانے کا ایک مستقبل ذریعہ آمدنی بن جائے اور اس میں مسلمانوں کے فائدے کی رعایت بھی ہے۔اور اسی قبیل سے شریک یا پڑوسی کو دیا جانے والا حق شفعہ بھی ہے کیونکہ اس میں اسی ضرر کا دور کرنا مقصود ہے جو نئے خریدار سے ہونے کا امکان ہے۔اسی طرح یہ مسئلہ بھی اسی کے ذیل میں آتا ہے کہ دوسرے کی زمین میں پانی گذار کر ایسی جگہ پہنچانے کی اجازت ہے جو پانی سے دور دراز واقع ہو۔

۷۔فقہ کی قائم ودائم رہنے کی خصوصیت: فقہ کے بنیادی اصول تو ہمیشہ ویسے ہی رہیں گے ان میں تغیر واقع ہونے کا امکان نہیں مثلاً معاملات میں باہمی رضا مندی کی شرط نقصان کے ضمان کی شرط جرائم کی بیخ کنی اور حقوق کی حفاظت کی شرط اور شخصی ذمہ داری کا تصور۔یہ وہ اصول ہیں جو نا قابل تغیر ہیں۔فقہ کا وہ حصہ جس کا تعلق قیاس،عرف اور عوام الناس کے مفاد ومصلحت سے تعلق رکھتا ہے تو وہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق تغیر اور تبدیلی قبول کرتا ہے اور انسانیت کی بھلائی اور زمان ومکان کے اختلاف کی وجہ سے واقع ہونے والے ماحول اور معاشرت کے اختلاف سے بھی اس میں تبدیلی واقع ہوتی ہے،لیکن یہ بھی اس صورت میں کہ حکم شریعت کے مقاصد اور اس کے اصول کے دائرے میں رہے۔اور یہ تبدیلی صرف معاملات کی حدود میں واقع ہوتی ہے عبادات وغیرہ میں نہیں اور یہی مقصد ہے اس قاعدے تـغیر الاحکام بتغیر الزمان (زمان کی تبدیلی سے احکام بھی بدل جاتے ہیں)

۸۔آٹھویں خصوصیت فقہ کی یہ ہے کہ اس کی تیاری اور اس تک پہنچنے کی راہیں ہموار کرنے کا مقصود انفرادی اور حکومتی سطح پر اس سے مکمل طور پر فائدہ پہنچانا ہے سرکاری سطح پر اس طرح کہ تمام بلاد اسلامیہ میں اس کے قوانین سے مدد لی جائے کیونکہ فقہ کا مقصود انسان کی بھلائی اور اس کی سعادت مندی دونوں جہاں میں ہوتا ہے جب کہ موجود وضعی قوانین کا مقصود صرف معاشرے کی اجتماعیت برقرار رکھنا ہوتا ہے۔فقہ اسلامی مختلف قسم کے قوانین پر مشتمل ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور موجودہ دور میں درپیش جدید مسائل اور مشکلات جیسے انشورنس، بینکاری،اسٹاک ایکسچینج کا نظام،سمندری اور خشکی کے راستوں کے ذریعے ترسیل وغیرہ جیسے مسائل کا حل فقہ کے اصول وضابطوں کی روشنی میں اور قیاس،مصالح مرسلہ،استحسان،رسد ذرائع اور عرف جیسے اصولوں کو پیش نظر رکھ کر نکالا جا سکتا ہے جیسا کہ فقہ کی ترتیب عام بنیادی نظریات پر اس طرح کرنی ممکن ہے جیسے قوانین کی تعلیم وتحقیق میں کی جاتی ہے۔جیسے نظریہ ضمان،نظریہ ضرورت،نظریہ معاملات،نظریہ ملکیت،تمدنی،شرعی نظیریں حق کا نظریہ اور حق کے استعمال میں ناعاقبت اندیشی سے کام لینا اور نئے پیش آمدہ معاملات میں بھی یہی روش اختیار کرنا۔بعض فقہاء نے اکثریت نے نہیں،نصوص شرعیہ کی عرف کے ذریعے تحدید کرنے کی اجازت دی ہے جیسے مثلاً مالکیہ کے ہاں یہ مسئلہ ہے کہ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھنے والی عورت کو اپنے بچے کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے[1] یا جیسے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق وہ اموال جن میں سودی معاملات چلتے ہیں ان میں برابری ہونے یا نہ ہونے میں عرف کو معیار بنایا جا سکتا ہے۔چنانچہ اگر عرف تبدیل ہو جائے جیسا کہ گیہوں اور جو،جو کہ اموال ربویہ (وہ اجناس جن میں سودی معاملات چلتے ہیں) میں داخل ہیں،کے معاملے میں ہوا کہ یہ پہلے پیمانے سے ماپ کر فروخت ہوا کرتے تھے بعد ازاں تول کر فروخت کئے جانے لگے یا اس کے علاوہ کسی اور چیز میں اگر معاملہ برعکس ہو جائے تو عرف کے مطابق معاملہ ہوگا اور اس صورت میں برابری یا کمی بیشی کا معیار وزن یا پیمانہ ہوگا جو بھی لوگوں میں متعارف ہو جائے[2] اسی طرح بعض لوگوں نے علت کے بدل جانے سے حکم کے بدل جانے کا قول اختیار کیا ہے جیسے مؤلفۃ القلوب کا مسئلہ[3] اور بعض حضرات

---

[1] .....تحقیق یہ ہے کہ یہ مسئلہ درحقیقت تفسیر النص الغامض والمجمل بالعرف (کسی پیچیدہ یا مجمل نص کی عرف کے ذریعے تفسیر وتوضاحت) کی قبیل سے ہے۔

[2] مصنف کا مقصود یہ ہے کہ وہ اموال یا اجناس جن میں سود کے ہونے یا نہ ہونے کا کوئی معیار مقرر کیا گیا ہو ان اموال کے بارے میں اگر عرف بدل جائے تو معیار سود بھی بدل جائے گا مثلاً گندم جو وغیرہ عرب کے عرف میں کیلی (پیمانے سے ماپ کر دی جانے والی) اجناس تھیں تو ان میں سود کیلاً (پیمانے سے ماپ کر دینے) کے اعتبار سے تھا کہ ایک پیمانہ گندم ایک پیمانہ ہی کے بدلے دی جائے گی دو کے بدلے دینا یا ایک سے زیادہ کے بدلے دینا سود تھا اب اگر اجناس کے بارے میں عرف بدل جائے اور یہ چیزیں تول کر خرید فروخت ہوں ماپ کر نہیں تو سودی معیار بھی وزن ہو جائے گا۔کیل نہ رہے گا۔[3] فتح القدیر ج ۲ ص ۱۴

نے عربی مہینوں کی ابتداء رؤیت ہلال کے بجائے حساب وکتاب پر رکھنے کی رائے دی❶ اور اسی طرح دوسرے بعض لوگوں نے ضرورت اور حاجت کے وقت حکم کے بدل جانے کی رائے دی ہے جس سے مقصود لوگوں سے حرج اور ضرر دور کرنا ہے بشرطیکہ واقعتاً ضرورت اور حاجت پائی جائے۔ اور رخصت بھی بقدر حاجت دی جائے کیونکہ یہ اصول ہے الضرورة تقدر بقدرها (ضرورت کا اندازہ اسی اعتبار سے ہوتا ہے) اور ضرورت سے مراد ہے وہ چیز جس سے انسان کو اپنی ذات، نسل، مال یا عقل کو خطرہ ہو کہ اسے اختیار نہ کرنے کی صورت میں ان چیزوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اور حاجت کہتے ہیں اس مشقت و پریشانی کو جو کسی ممنوع چیز کے استعمال نہ کرنے سے انسان کو خود یا اس کی اولاد یا مال یا عقل کو پہنچے۔❷

فقہ پر عمل درآمد فی الجملہ لازم اور ضروری ہے کیونکہ مجتہد پر یہ لازم ہے کہ وہ اس بات پر عمل پیرا ہو جو بات اسے اس کے اجتہاد کے نتیجے میں معلوم ہوئی ہو چنانچہ وہ بات اس مجتہد کے حق میں فرمان الٰہی کے مترادف ہوتی ہے اور غیر مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ مجتہد کے فتوے پر عمل پیرا ہو کیونکہ اس کے سامنے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی شرعی حکم کی بابت مجتہد سے دریافت کرے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝ سورۃ انبیاء آیت ۷

سو پوچھ لو جاننے والوں سے اگر تم نہیں جانتے ہو۔

شریعت کے احکام میں سے کسی ایسے حکم کو جو دلیل قطعی سے ثابت ہو نہ ماننا یا کسی حکم کو بہت سخت اور ظالمانہ سمجھنا جیسے حدود یا یہ گمان کرنا کہ شریعت ناقابل عمل اور ناقابل نفاذ ہے کفر ہے اور اسلام سے روگردانی ہے ہاں اجتہاد سے ثابت احکام کو نہ ماننا ان کا انکار کرنا گناہ فسق اور ظلم ہے کیونکہ مجتہد نے تو اس مسئلے کو ثابت کرنے کے لئے اور حق تک پہنچنے اور اسے جاننے کے لئے اور اللہ کے حکم کو بیان کرنے کے لئے اپنی بھرپور کوشش کی کسی بھی نفسانی خواہش ذاتی نفع شہرت یا ریاکاری سے بچتے ہوئے یہ عمل انجام دیا اور اس نے تو صرف دلیل شرعی ہی کو اپنی سند سمجھا اس کا رہنما حق ہے اور اس کا نشان امتیاز امانت، سچائی اور اخلاص ہے۔❸

فقہ پر عمل درآمد کا طریقہ کار:.......فقہ پر عمل درآمد کا طریقہ یہی ہے کہ اس کی قانون سازی کی جائے یعنی اسے باقاعدہ واضح دفعات کے طور پر ترتیب دے دیا جائے تاکہ قاضی حضرات کے لئے آسان ہو جائے اور قاضی حضرات کے احکامات یکساں شکل لئے ہوئے ہوں اور طلب گار لوگوں کے تقاضے کے مطابق کسی حکم کا جان لینا آسان ہو جائے اور یہ اس طریقے سے ممکن ہے کہ مختلف مسالک علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو ضرورت کے مطابق احکامات کو تشکیل و ترتیب دیں اور یہ کمیٹی تیز کام کرے اور کام مکمل ہو جانے پر حاکم وقت فقہ سے حاصل قانون کو اختیار کر لینے کا حکم جاری کرے۔ لیکن معاملہ یہیں آ کے گڑبڑ ہوتا ہے۔ رکاوٹ یہیں ہے کہ یہ ہو کیسے۔ اور یہ کام لوگوں کی شریعت اور قرآن وسنت کے قانون کو اپنانے کی امنگوں اور توقعات کے ہم آہنگ ہو۔ اس طریقہ کار کے اختیار کرنے میں لوگوں کے لئے راحت بھی ہے اور دلوں کا ایسا اطمینان بھی جس سے دین زندگی اور رائج نظاموں میں موجود دوغلے اور دوعملی کے رو سے نجات ملے، اور شاید اس کتاب میں وہ اسلوب میں پیش کر سکوں جو ان قانون ساز حضرات کے سامنے راستے آسان کر دے اور کام کوئی مشکل نہیں اگر نیت سچی ہو اور ارادے بلند ہوں اور حکمران اس جرأت مندانہ اقدام کے لئے واقعتاً سنجیدہ ہوں اور یہ جرأت مندانہ اقدام جب ہی ممکن ہے جب ان کے اسلام میں سچائی ہو ان میں مکمل رضامندی ہو اور ہر قسم کے چیلنج تہمت اندازی اور گمراہیوں کا مقابلہ کرنے کی جرأت ہو۔

---

❶.....ملاحظہ کیجئے شیخ احمد شاکر کا رسالہ "اوائل الشهود العربية" ❷ ہماری کتاب نظریۃ الضرورۃ الشرعیۃ ملاحظہ کیجئے۔ ❸ قانون سازی کے فوائد وخصوصیات اور اس کے معترض حضرات پر تنقید ہماری کتاب جهود تقنين الاسلامی طبع سنہ ۱۹۸۷ مؤسسۃ الرسالۃ ملاحظہ کیجئے۔

دوسری بحث: اہم فقہی مذاہب کے فقہاء کا تذکرہ

فقیہ یا مفتی:......فقیہ یا مفتی کا اطلاق مجتہد پر کیا جاتا ہے اور مجتہد کہتے ہیں اس شخص کو جس کے اندر احکام کو ان کے دلائل سے مستنبط کرنے کا ملکہ پیدا ہو چکا ہو۔ مفتی یا فقیہ کے لفظ کا اطلاق بعد کے دور میں ان لوگوں پر کیا جانے لگا جو اپنے مذہب کے بڑے علماء تھے، یہ استعمال مجازاً یا بطور حقیقت عرفیہ کے ہونے لگا اور ہمارے دور میں جو فتاوی صادر کئے جاتے ہیں یہ در حقیقت محض مجتہد کے کلام کو نقل کرنے تک ہی محدود ہیں تاکہ اس مجتہد کا مقلد اس مسئلے کی بابت مجتہد کی رائے کو جان کر اس پر عمل پیرا ہو سکے فی الحقیقت یہ فتاوی نہیں۔ ❶

مذہب......لغت میں راستے کو کہتے ہیں اور اصطلاحاً وہ احکام جو مسائل کی بنیاد ہوں ان پر مذہب کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان احکام کے مجموعے کو مذہب (راستہ) سے تشبیہ اسی لئے دی گئی کہ دونوں میں یہ قدر مشترک ہے کہ دونوں پہچاننے کا سبب ہیں راستہ دنیاوی مادی منزل تک پہنچاتا ہے اور مذہب اخروی منزل تک پہنچاتا ہے۔

مذاہب کی ابتداء تو صحابہ کے دور سے ہو چکی تھی جیسا کہ ہم پہلے یہ بات ذکر کر چکے ہیں۔ چنانچہ عہد صحابہ میں مذہب عائشہ مذہب عبداللہ بن عمر اور مذہب عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہم اجمعین) وغیرہ مشہور تھے، بعد کے ادوار میں یہ مذاہب مشہور ہوئے۔ عہد تابعین میں مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ، سعید بن المسیب، عروۃ بن الزبیر، قاسم بن محمد، خارجہ بن زید، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث ابن ہشام، سلیمان بن یسار اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) اور نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام، اہل کوفہ میں سے علقمہ بن مسعود، ابراہیم نخعی جو امام ابوحنیفہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان کے شیخ تھے، اہل بصرہ میں سے حسن بصری تھے تابعین میں اور دیگر فقہاء بھی تھے مثلاً عکرمہ جو حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام تھے۔ عطاء ابن ابی رباح وطاؤس بن کیسان محمد بن سیرین اسود بن یزید، سرق بن اعرج علقمہ نخعی، شعبی، شریح، سعید بن جبیر مکحول دمشقی اور ابوادریس خولانی۔

دوسری صدی ہجری کی ابتداء سے چوتھی صدی ہجری کے وسط تک کا زمانہ اجتہاد کا بڑا ہی سنہری دور تھا آسمان علم پر تیرہ کے قریب ایسے مجتہد حضرات ستارے بن کر چمکے جن کے مذاہب باقاعدہ مرتب کیے گئے اور ان کی آراء کی باقاعدہ پیروی کی گئی ❷ ان میں امام مالک بن انس مدینہ میں حسن بصری بصرہ میں امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری (وفات ۱۶۱ ہجری) کوفہ میں امام اوزاعی (وفات ۱۵۷ھ) شام میں امام شافعی اور لیث بن سعد مصر میں اور اسحاق بن راھویہ نیشاپور میں اور امام ابوثور، احمد بن حنبل داؤد ظاہری اور ابن جریر الطبری بغداد میں مشہور ہوئے۔

ان میں سے اکثر مذاہب تو اب صرف کتابوں میں ہی رہ گئے ہیں کیونکہ ان کے متبعین تو اب ختم ہو چکے ہیں اور بعض مذاہب اب تک قائم ودائم ہیں میں آئندہ صفحات میں آٹھ بڑے مذاہب کا مختصر تذکرہ کروں گا جو اہل سنت، اہل تشیع اور بعض معتدل فرقوں کے ہاں مشہور ومعروف ہیں جن میں سے بعض کے پیروکار آج بھی ہیں جیسے اباضیہ اور بعض ایسے ہیں جن کے پیروکار اب موجود نہیں جیسے ظاہریہ۔ ❸

۱: ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، ولادت ۸۰ھ، وفات ۱۵۰ھ، مذہب حنفی کے بانی

یہ ہیں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی کوفی جو ایک آزاد فارسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ میں وفات پائی۔ اموی اور عباسی حکومتوں کا زمانہ پایا ان کا شمار تبع تابعین میں ہے بعض حضرات کی رائے کے مطابق تابعین میں سے

❶......بجیر می الخطیب ج ۱ ص ۴۵۔ ❷تاریخ الفقہ الاسلامی للسانیس ص ۸۶۔ ❸ائمہ مجتہدین کے حالات وواقعات کے لئے بہترین مواد ہمارے استاذ شیخ ابوزہرہ مرحوم کی تالیف ہے جو انہوں نے ان حضرات کے بارے میں لکھی۔

ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہے اور ان سے یہ حدیث "**طلب العلم فریضة علی کل مسلم**" روایت کی ہے۔ ان کو اہل رائے کا امام کہا جاتا ہے، عراق کے فقیہ اور مذہب حنفی کے بانی تھے، ان کے بارے میں حضرت امام شافعی کا فرمان ہے: لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے دست نگر ہیں کوفہ میں کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے حدیث وفقہ میں تمام بڑے علماء سے علم حاصل کیا اور اٹھارہ سال تک بطور خاص حضرت حماد بن سلیمان کے زیر سایہ فقہ کی تعلیم حاصل کی، حضرت حماد نے حضرت ابراہیم نخعی سے فقہ کی تعلیم پائی تھی۔ قبولیت حدیث میں سختی سے جانچ پڑتال کرتے تھے اور قیاس واستحسان کے معاملے کافی توسع تھا ان دونوں کو پیش نظر رکھا کرتے تھے ان کے مذہب کے اصول چار ہیں: (۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس واستحسان۔ علم کلام میں آپ کی ایک تصنیف ہے الفقہ الاکبر اس طرح ایک کتاب "مسند" فن حدیث میں ہے فقہ میں کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں پائی جاتی۔ ان کے چار شاگرد مشہور ہوئے۔

۱۔۔۔ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الکوفی (ولادت ۱۱۳ھ، وفات ۱۸۲ھ)

یہ ہارون الرشید کے زمانے میں چیف جسٹس تھے، مذہب کی تدوین اور اشاعت میں ان کا بہت بڑا کردار ہے، یہ مجتہد مطلق تھے،

۲۔محمد بن الحسن الشیبانی (ولادت ۱۳۲ھ، وفات ۱۸۹ھ) ان کی پیدائش واسط میں ہوئی۔ ان کے والد کا تعلق حرستا سے تھا جو دمشق میں واقع ہے کوفہ میں پلے بڑھے بغداد میں زندگی بسر کی اور رے میں انتقال ہوا۔ پہلے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، پھر اپنی تعلیم کی تکمیل امام ابویوسف سے کی ایک عرصے تک امام مالک کے ساتھ رہے امام ابویوسف کے بعد عراق میں فقہ کی سرداری انہی پر ختم ہوتی ہے بڑے بڑے عجوبہ روزگار ذکی الفطرت اہل علم میں سے تھے۔ مجتہد مطلق شمار کئے جاتے ہیں، بڑی کتابیں تصنیف کیں جن سے مذہب حنفی محفوظ ہو گیا ان کا بھی مذہب حنفی کی تدوین میں بہت بڑا کردار ہے، ان کی کتابیں جنہیں احناف کی اصطلاح میں ظاہر الروایہ کہتے ہیں احناف کے ہاں حجت ہیں۔

۳۔۔۔۔۔ابوالہذیل زفر بن ہذیل بن قیس الکوفی (ولادت ۱۱۰ وفات ۱۵۸ھ)

اصفہان میں پیدا ہوئے اور بصرہ میں وفات پائی ابتداء حدیث کے علماء میں شمار کئے جاتے تھے، پھر رائے ان پر غالب ہوگئی اور قیاس میں مہارت حاصل کی حتیٰ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے زیادہ قیاس سے کام لینے والے شاگردوں میں شمار ہونے لگا۔ یہ مجتہد مطلق شمار ہوتے ہیں۔

۴۔۔۔ حسن بن زیاد اللؤلؤی (ولادت ۲۰۴ھ) امام ابوحنیفہ سے ابتداء علم حاصل کیا پھر صاحبین امام ابویوسف وامام محمد سے اکتساب علم کیا حدیث کی روایت میں شہرت حاصل کی اور امام ابوحنیفہ کی آراء کی روایت میں بھی مشہور ہوئے۔ لیکن ان کی نقل کردہ روایات درجہ میں کتب ظاہر الروایۃ (امام محمد کی تالیفات) کی روایات سے کم تر ہیں۔ فقہ میں یہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درجے تک نہیں پہنچے۔

۲: مالک بن انس (ولادت ۹۳ھ، وفات ۱۷۹ھ) بانی مذہب مالکی

یہ ہیں امام مالک بن انس بن ابی عامر الاصبحی (یمن کے قبیلے ذی اصبح سے تعلق رکھنے والے) تابعین کے بعد فقہ اور حدیث میں دارالہجرۃ (مدینہ منورہ) کے امام شمار کئے جاتے ہیں (امام دارالہجرۃ لقب ہے) ولید بن عبدالملک کے عہد میں ولادت ہوئی اور ہارون رشید کے دور میں مدینے میں وفات پائی مدینے کو چھوڑ کسی دوسرے شہر نہیں گئے امام ابوحنیفہ کی طرح دونوں اموی اور عباسی، عہد ہائے حکومت پائے لیکن عباسی حکومت کا دور زیادہ پایا ان دونوں ائمہ کے دور میں مملکت اسلامیہ بہت پھیل چکی تھی چنانچہ شرقاً وغرباً بحر اطلس سے چین تک پھیل چکی تھی اور اندلس کی فتح کے ساتھ وہ یورپ کے وسط میں پہنچ چکی تھی۔

امام مالک نے زانوئے تلمذ علماء مدینہ کے سامنے تہہ کئے۔ اور عبدالرحمن بن ھرمز کے ساتھ بہت عرصہ رہے حضرت نافع، غلام حضرت

ابن عمر اور ابن شہاب زہری جیسے اساطین علم سے فیض یاب ہوئے۔ فقہ میں ان کے استاذ ربیعہ بن عبدالرحمٰن ہیں جو ربعیۃ الرائے کے نام سے مشہور ہیں۔ امام مالک حدیث اور فقہ دونوں میں امام تھے، ان کی کتاب المؤطا حدیث وفقہ میں بڑی اہمیت کی حامل کتاب ہے ان کے بارے میں امام شافعی فرماتے ہیں "مالک میرے استاد ہیں میں نے انہی سے علم حاصل کیا ہے وہی میرے اور اللہ کے مابین محبت اور دلیل ہیں، ان سے بڑا میرا کوئی محسن نہیں جب علماء کا ذکر چھیڑا جائے تو امام مالک کا شمار چمکتے ستارے کی طرح ہوگا۔"

امام مالک نے اپنے مذہب کی بنیاد بیس چیزوں پر رکھی۔ پانچ قرآن کریم میں سے انہی سے ملتی جلتی پانچ حدیث میں سے اور وہ پانچ یہ ہیں:

۱.....نص کتاب ۲.....ظاہر کتاب یعنی مفہوم کتاب ۳.....دلیل یعنی مفہوم مخالف

۴.....مفہوم، یعنی مفہوم موافقت ۵.....تنبیہ.....یعنی علت پر تنبیہ

علت پر تنبیہ سے مراد ہے کہ کسی حکم کے بعد واضح الفاظ میں اس کی علت کی نشاندہی کردی جائے جیسے **فانہ رجس اوفسقا** (سورۃ انعام آیت ۱۴۵) (کیونکہ بلاشبہ وہ گندگی ہے یا فسق ہے) تو یہ کل دس ہوئیں اور باقی یہ ہیں:

۱.....اجماع ۲.....قیاس ۳.....عمل اہل مدینہ (اہل مدینہ کا تعامل)

۴.....المصالح المرسلۃ ۵.....قول صحابی اگر مستند ہو ۶.....استحسان

۷.....الحکم بسد الذرائع ۸.....مراعاۃ الخلاف (اختلاف کی رعایت) ۹.....استصحاب حال

۱۰.....شرائع من قبلنا (پچھلی شریعتیں) ❶

ان بیس میں سے مشہور یہ ہیں:

۱.....العمل بالسنۃ (سنت پر عمل) ۲.....عمل اہل المدنیۃ (اہل مدینہ کا تعامل) ۳.....المصالح المرسلہ

۴.....قول صحابی (اگر مستند ہو) ۵.....استحسان

ان کے مشہور شاگردوں میں ایک مصری جماعت ہے اور ایک شاگردوں کی جماعت کا تعلق شمالی افریقہ اور اندلس سے ہے۔ مصری شاگر دسات ہیں۔ ❷

۱.....ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسم (وفات مصر میں ۱۹۱ھ) امام مالک سے بیس سال تک حصول فقہ میں مصروف رہے لیث بن سعد جو مصر کے فقیہ تھے (اور جن کا سنہ ۱۷۵ میں انتقال ہوا) ان کی شاگردی بھی اختیار کی، یہ مجتہد مطلق کے درجے پر فائز تھے، یحییٰ بن یحییٰ ان کے بارے میں فرماتے تھے امام مالک کے شاگردوں میں ان کے علم سے سب زیادہ واقف یہی تھے اور سب سے زیادہ قابل اعتماد بھی، انہی نے مذہب مالکی کی اہم ترین کتاب المدونۃ پر نظر ثانی کی اور اس کی تصحیح فرمائی۔ یہ کتاب مالکیہ کے ہاں بہت اہم ہے اور انہی سے سحنون مغربی نے فقہ حاصل کی جنہوں نے مدونہ کو فقہی ترتیب دی تھی۔

۲.....ابومحمد عبداللہ بن وھب بن مسلم (ولادت ۱۲۵ھ وفات ۱۹۷ھ) امام مالک کے ساتھ بیس سال رہے اور ان کی فقہ کی مصر میں اشاعت کا سبب بنے، امام مالک کے مذہب کی تدوین میں ان کا بھی کردار ہے مالک ان سے خط وکتابت ان القاب کے ساتھ کیا کرتے تھے الی فقیہ مصروابی محمد المفتی (مصر کے فقیہ کے نام) اور محمد کے نام جو مفتی ہیں) انہوں نے امام لیث بن سعد سے بھی فقہ حاصل کیا، یہ ثقہ محدثین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انہیں دیوان العلم (علم کا خزانہ) کہا جاتا تھا۔

---

❶.....تاریخ الفقہ، السایس، ص ۱۰۵ کتاب مالک شیخ ابوزھرۃ ص ۲۵۴. ❷الاموال ونظریۃ العقد الدکتور محمد یوسف موسیٰ، ص ۸۶۔۸۹، کتاب مالک لشیخ ابوزھرۃ ص ۳۳۳.

۳.....اشہب بن عبد العزیز القیسی ان کی پیدائش اسی سال کی ہے جس سال امام شافعی پیدا ہوئے تھے یعنی سن ۱۵۰ھ ہجری اور ان کی وفات سن ۲۰۴ ہجری میں ہوئی امام شافعی کی وفات کے اٹھارہ دن بعد، امام مالک اور امام لیث بن سعد سے فقہ حاصل کیا ابن القاسم کے بعد مصر میں فقہ کی سرداری انہی پر ختم ہوئی ہے ان کی تصنیف کردہ بھی ایک مدونہ ہے جس میں انہوں نے فقہ مالکی جمع کیا ہے ان کی کتاب مدونہ اشہب کہلاتی ہے، یہ مدونہ سحنون کے علاوہ دوسری کتاب ہے، ان کے بارے میں امام شافعی فرماتے تھے، میں نے اشہب سے فقیہ کسی شخص کو نہیں دیکھا۔

۴.....ابو محمد عبد اللہ بن عبد الحکم (وفات ۲۱۴ھ) امام مالک کے مختلف اقوال کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے شاگرد یہی ہیں مالکیہ کی سرداری اشہب کے بعد انہی پر ختم ہوتی ہے۔

۵.....اصبغ بن الفرج الاموی (امویوں کے آزاد کردہ غلام تھے ان کو اموی اسی لئے کہتے ہیں) (وفات ۲۲۵ھ) ابن قاسم ابن وھب اور اشہب سے جن کا ذکر پہلے گذرا علم فقہ حاصل کیا امام مالک کے مذہب اور مسائل سے سب سے زیادہ واقف اور باخبر انسان انہی کو شمار کیا جاتا تھا۔

۶.....محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم (وفات سن ۲۶۸) فقہ اور دوسرے علوم اپنے والد سے حاصل کئے اور اپنے معاصر مالکی فقہاء سے بھی جن کا ذکر اوپر گذرا امام شافعی سے علم حاصل کیا حتیٰ کہ فقہ میں ایک ممتاز حیثیت حاصل کر لی علم فقہ میں سرداری کا رتبہ اور فتویٰ کا مرجع مصر میں یہی تھے۔

۷.....محمد بن ابراہیم الاسکندری بن زیاد ابن مواز کے نام سے مشہور ہیں۔ وفات سن ۲۶۹ھ میں ہوئی اپنے دور کے علماء سے فقہ حاصل کیا حتیٰ کہ فقہ اور فتویٰ میں رسوخ حاصل کر لیا۔ ان کی ایک کتاب ہے جو موزیہ کے نام سے مشہور ہے مالکی فقہاء کی تصنیف کردہ کتابوں میں بڑی عظیم الشان کتاب ہے اس میں بیان کردہ مسائل زیادہ صحت کے قریب ہیں بہت تفصیل اور بسط سے گفتگو کی ہے اور فروع کو اصولوں پر منطبق کر کے بیان کیا ہے۔

امام مالک کے مغربی ممالک سے تعلق رکھنے والے شاگرد سات ہیں، اور وہ یہ ہیں:

۱۔ابو الحسن علی بن زیاد التونسی (وفات ۱۸۳ھ) انہوں نے امام مالک اور لیث بن سعد سے فقہ حاصل کیا یہ فقیہ افریقیہ کہلاتے تھے۔

۲۔ابو عبد اللہ زیاد بن عبد الرحمٰن القرطبی (وفات ۱۹۳) ان کا لقب شبطون تھا امام مالک سے مؤطا سماعاً پڑھی اور یہ پہلے شخص ہیں جو امام مالک کو اندلس لے گئے تھے۔

۳۔عیسیٰ بن دینار القرطبی الاندلسی (وفات ۲۱۲ھ) یہ اندلس کے فقیہ تھے۔

۴۔اسد بن فرات بن سنان التونسی ان کا اصلاً تعلق خراساں نیشاپور سے تھا۔ ولادت ۱۴۵ ہجری میں ہوئی اور وفات ۲۱۳ھ میں ہوئی۔ انہوں نے صقلیہ کی فتح کے لئے روانہ کئے گئے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے شہادت پائی، یہ عالم فقیہ اور لشکر کی قیادت کرنے والے مجاہد تھے انہوں مدینہ اور عراق کے فقہ کو جمع کر دیا تھا، مدینہ میں مؤطا امام مالک سے سماعاً پڑھی اور عراق میں امام ابو یوسف اور امام محمد سے بھی استفادہ کیا۔ ان کی ایک کتاب ہے الاسدیہ جو کہ مدونہ سحنون کی اصل ہے۔

۵۔یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر اللیثی (وفات ۲۳۴) اندلسی قرطبی تھے، امام مالک کے مذہب کو اندلس میں پھیلایا۔

۶۔عبد الملک بن حبیب بن سلیمان السلمی (وفات ۲۳۸ھ) یحییٰ بن یحییٰ جن کا ابھی تذکرہ گذرا، کے بعد فقہ مالکی کی مسند نشینی انہی کے حصے میں آئی۔

۷۔سحنون بن عبد السلام بن سعید التنوخی (وفات ۲۴۰ھ) مصر اور مدینہ کے علماء سے فقہ حاصل کیا، حتیٰ کہ اپنے زمانے کے فقیہ اور شیخ وقت عالم دوراں قرار پائے۔ یہ مدونہ نامی کتاب کے مصنف ہیں جس پر مذہب مالکی کا عمل ہے اور ان کے ہاں مستند سمجھی جاتی ہے امام مالک کے وہ مشہور شاگرد جنہوں نے ان کا مذہب حجاز اور عراق میں پھیلایا وہ تین ہیں:

۱۔ ابومروان عبدالملک بن ابی سلمہ الماجشون (وفات ۲۱۲ھ) یہ اپنے زمانے میں مدینہ کے مفتی تھے، یہ بھی مشہور ہے کہ انہوں نے امام مالک سے پہلے مؤطا لکھی تھی۔

۲۔ احمد بن المعذل بن غیلان العبدی یہ ابن ماجشون کے ہم عصر ہیں، امام مالک کے عراق کے شاگردوں میں سب سے زیادہ فقیہ تھے ان کی تاریخ وفات معلوم نہیں۔

۳۔ ابواسحاق اسماعیل بن اسحاق، یہ قاضی تھے (وفات ۲۸۲ھ میں ہوئی) اصلاً بصرہ کے تھے، بغداد میں رہ پڑے تھے ابن المعذل کی شاگردی میں رہے جن کا ذکر ابھی گذرا امام مالک کے مذہب کو عراق میں پھیلانے والوں میں سے ہیں۔

۳: محمد بن ادریس الشافعی (ولادت ۱۵۰ھ وفات ۲۰۴ھ) بانی مذہب شافعی

امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس القرشی الھاشمی المطلبی بن العباس بن عثمان بن شافع رحمۃ اللہ علیہ ان کا نام تھا، سلسلہ نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے آپ کے دادا عبد مناف میں، ولادت غزہ فلسطین (شام) میں سنہ ۱۵۰ھ میں ہوئی جو امام ابوحنیفہ کے سال وفات ہے، مصر میں سن ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔

غزہ میں ان کے والد کی وفات کے بعد جب ان کی عمر دو سال تھی، ان کی والدہ انہیں اپنے آبائی وطن مکہ لے آئیں، وہاں یہ حالت یتیمی میں پل بڑھ کر جوان ہوئے عربوں کے اشعار یاد کیے اور عربی ادب میں خوب مہارت حاصل کی حتیٰ کہ امام فن عربیت اصمعی کہا کرتے تھے کہ قبیلہ ہذیل کے اشعار میں نے ایک قریشی نوجوان سے ٹھیک کرائے جسے محمد بن ادریس کہا جاتا ہے اس طریقے سے وہ عربیت کے امام تھے۔

مکہ مکرمہ میں مکہ کے مفتی مسلم بن خالد الزنجی کی شاگردی میں رہے یہاں تک کہ انہوں نے اُن کو فتویٰ دینے کی اجازت دے دی جب کہ ان کی عمر صرف پندرہ سال تھی۔ پھر یہ مدینہ آئے امام مالک سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، ان سے مؤطا سنی اور صرف نو راتوں میں اسے حفظ کر لیا اور سفیان بن عیینہ اور فضیل بن عیاض اور محمد بن شافع وغیرہ سے حدیث روایت کی۔ وہاں سے یمن چلے گئے کچھ عرصہ ایک عہدے پر کام کیا پھر بغداد گئے ۱۸۳ھ اور ۱۹۵ھ میں اور امام محمد بن الحسن سے فقہاء عراق کی کتابوں کا علم حاصل کیا، ان کے امام محمد کے ساتھ مباحثے بھی ہوا کرتے تھے جن سے ہارون الرشید بہت خوش ہوتا تھا۔ ان سے سنہ ۱۸۷ھ میں مکہ مکرمہ میں امام احمد بن حنبل کی ملاقات ہوئی اور بغداد میں ۱۹۵ھ میں امام احمد بن حنبل نے ان سے ان کے فقہ اور اصول کی تعلیم حاصل کی اور ناسخ قرآن اور منسوخ قرآن کا علم حاصل کیا۔

بغداد میں انہوں نے اپنی پہلی کتاب، الحجۃ کے نام سے تصنیف فرمائی جس میں انہوں نے اپنے قدیم مذہب کو بیان کیا۔ پھر امام شافعی مصر تشریف لے گئے سن ۲۰۰ھ میں وہاں انہوں نے نئی فقہی آراء پیش کیں اور وہ مسائل مرتب کئے جنہیں مذہب جدید کے نام سے جانا جاتا ہے ❶ یہاں ان کا شہید علم کی حیثیت سے انتقال ہوا ❷ یہ سانحہ جمعہ کے دن رجب کے اواخر میں سنہ ۲۰۴ ہجری کو پیش آیا۔ اسی دن عصر کے

---

❶ ..... امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد میں جو کتاب تصنیف فرمائی تھی اس میں جو مسائل بیان کئے تھے مصر جانے کے بعد ان کی رائے میں جو تبدیل آئی وہ انہوں نے الگ مرتب کیں۔ پہلے مذہب کو مذہب قدیم اور دوسرے کو مذہب جدید کہا جاتا ہے۔ (مترجم) ❷ ایک روایت کے مطابق مالکی فقیہ اشہب مصری نے انہیں مارا تھا امام شافعی نے دوران مناظرہ انہیں چپ کرا دیا تو انہوں نے ان کو چابی کا گچھا کھینچ کر مارا جوان کی پیشانی پر لگا جس سے وہ زخمی ہو گئے کچھ دن بیمار رہنے کے بعد انتقال کر گئے۔ اشہب سجدوں میں ان کے لیئے بددعائیں کرتے تھے کہ اے اللہ! شافعی کو اٹھا لے ورنہ مالک کا علم اٹھ جائے گا۔ مشہور یہ ہے کہ ان کو مارنے والے مغربی کے کچھ نوجوان تھے (بجیرمی خطیب ج ص ۴۹)

نوٹ: بظاہر یہ روایت جو امام اشہب کے حوالے سے نقل کی گئی ہے نا قابل قبول لگتی ہے، اس سے خست اور دنائت معلوم ہوتی ہے جو بہر حال ان ائمہ کی شان سے بعید ہے۔

بعد ان کی تدفین قرافہ میں زیر عمل آئی۔

ان کی تصنیفات میں سے ایک الرسالۃ ہے جو علم اصول فقہ میں پہلی تصنیف ہے، اس کے علاوہ کتاب الام جو ان کے مذہب جدید پر مشتمل ہے۔

امام شافعی مجتہد مستقل تھے، حدیث، فقہ اور اصول کے امام تھے۔ اہل حجاز اور اہل عراق کے علوم فقہ کے جامع تھے، ان کے بارے میں امام احمد فرماتے تھے کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو لوگوں میں سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے، اور یہ بھی فرماتے تھے کہ کوئی شخص قلم اور دوات چھونے والا ایسا نہیں جو ان کے احسان کے زیر بار نہ ہو امام شافعی کے بارے میں طاش کبری زادہ مفتاح السعادۃ میں فرماتے ہیں فقہ، اصول حدیث، لغت اور نحو وغیرہ کے علماء ان کی امانت، ان کے عادل ہونے اور ان کے زہد، خوف خدا، تقویٰ سخاوت، ان کی حسن سیرت اور ان کے عالی مرتبت ہونے پر متفق ہیں ان کی تعریف میں مبالغہ آمیزی کرنے والا در حقیقت تقصیر کا مرتکب ہوتا ہے (کیونکہ وہ کماحقہ تعریف کا حق ادا نہیں کر سکتا ہے)

اور ان کی تعریف کو طول دینے والا در حقیقت کم پر کفایت کرنے والا ہوتا ہے۔

امام شافعی کے اصول مذہب یہ ہیں:

۱.....قرآن ۲.....سنت ۳.....اجماع ۴.....قیاس

صحابہ کے اقوال کو حجت نہیں تسلیم کرتے کیونکہ ان کی رائے میں وہ اجتہادات ہیں جن میں احتمال خطا بہر حال ہے، اور استحسان جس کے قائل حنفیہ اور مالکیہ ہیں اس کو بالکل رد کر دیتے ہیں اور یہ فرمایا کہ جس شخص نے استحسان کیا در حقیقت اس نے شریعت سازی کی اور مصالح مرسلہ کو بھی قبول نہیں کیا، اسی طرح اہل مدینہ کے عمل کو قابل استدلال نہیں گردانتے اہل بغداد نے ان کا لقب ناصر السنۃ (سنت کا حامی و مددگار) رکھا تھا۔ ان سے ان کی قدیم کتاب الحجۃ ان کے ۴ چار عراقی شاگردوں نے نقل کی ہے اور وہ ہیں:

۱.....احمد بن حنبل ۲.....ابو ثور ۳.....الزعفرانی ۴۔الکرابیسی۔

ان میں سے زیادہ عمدہ روایت الزعفرانی کی ہے۔

ان کا مذہب جدید کتاب الام میں ان کے چار مصری شاگردوں نے ہی تمام ابواب فقہ کے بارے میں نقل کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱.....المزنی ۲.....البویطی ۳.....الربیع الجیزی

۴.....الربیع بن سلیمان المرادی جو کتاب الام وغیرہ کے راوی ہیں امام شافعی سے براہ راست۔

مذہب شافعی میں فتویٰ قول جدید پر ہے قدیم پر نہیں، کیونکہ امام شافعی نے اس سے رجوع کر لیا تھا، اور یہ فرمایا تھا میں ان کی روایت کو اپنے سے جائز نہیں رکھتا ہوں، ہاں چند مسائل میں ان کے قول قدیم ہی پر فتویٰ ہے اور وہ تقریباً سترہ مسائل ہیں جن میں قول قدیم پر فتویٰ ہے تاہم ان سترہ مسائل کے علاوہ بھی قول قدیم قبول کیا جا سکتا ہے اور اس کی تائید میں کوئی حدیث صحیح آ جائے جس کا کوئی معارض نہ ہو۔ لہٰذا اگر قول قدیم کی کسی دلیل سے تائید ہو جائے تو وہ امام شافعی کا قول ہی شمار ہوگا کیونکہ امام شافعی سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ صحیح حدیث میرا مذہب ہے (اس کے مخالف) میرے قول کو دیوار پر دے مارو۔

امام شافعی کے شاگرد اور متبعین حجاز اور عراق اور مصر وغیرہ اسلامی ممالک میں بہت ہوئے۔ میں بطور خاص ان کے پانچ مصری شاگردوں کا تذکرہ کر رہا ہوں جنہوں نے ان سے ان کا جدید مذہب نقل کیا اور وہ یہ ہیں۔

۱: یوسف بن یحییٰ البویطی ابو یعقوب (وفات ۲۳۱)..... یہ فتنہ خلق قرآن، جو خلیفہ مامون نے پھیلایا تھا کے سبب بغداد میں

قیدر ہے ان کو امام شافعی نے اپنے حلقہ درس میں اپنا نائب مقرر کیا تھا، ان کی ایک کتاب ''مختصر'' مشہور ہے جس کو انہوں نے امام شافعی کے کلام سے مختصر کر کے تحریر کیا تھا۔

۲: ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی (وفات ۲۶۴ھ)......ان کے بارے میں امام شافعی فرمایا کرتے تھے مزنی میرے مذہب کا معین و مددگار ہے مذہب شافعی میں ان کی بڑی تصانیف ہیں ان میں سے مختصر کبیر جیسے المبسوط بھی کہتے ہیں اور مختصر صغیر ہیں۔ ان سے خراسان، عراق اور شام کے بہت علماء نے تحصیل علم وفقہ کی ہے یہ مجتہد عالم تھے۔

۳: الربیع بن سلیمان بن عبدالجبار المرادی......ابومحمد کنیت تھی یہ مذہب کی کتابوں کے راوی ہیں۔ یہ جامع مسجد عمرو بن العاص (جسے جامع الفسطاط کہتے ہیں) کے مؤذن تھے سن ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ امام شافعی کے ساتھ بڑی مدت تک رہے حتیٰ کہ ان کی کتابوں کے راوی بن گئے اور ان ہی کے واسطے سے ہم تک کتاب الام اور الرسالۃ اور امام شافعی کی دیگر کتابیں پہنچی ہیں۔ امام مزنی اور ان کی بیان کردہ روایت میں اگر تعارض ہو تو ان کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔

۴: حرملہ بن یحییٰ بن حرملہ (وفات سن ۲۶۶ھ)......انہوں نے امام شافعی سے وہ کتاب نقل فرمائی ہیں جو الربیع روایت نہ کر سکے مثلاً کتاب الشروط (۳ جزء) کتاب السنن (۱۰ اجزء) کتاب النکاح کتاب الوان الابل والغنم وصفاتہا واسنانہا۔

۵: محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم (وفات ذوالقعدۃ، ۲۶۸ھ)......امام شافعی کے شاگرد ہیں اور امام مالک کے بھی شاگرد تھے، اہل مصر ان کے برابر کسی کو نہیں گردانتے تھے، امام شافعی ان سے محبت کرتے تھے اور ان کو چاہتے تھے، انہوں نے اپنے مذہب شافعی کو چھوڑ کر مذہب مالکی اختیار کر لیا تھا کیونکہ ایک تو امام شافعی نے انہیں حلقہ درس میں اپنا نائب مقرر نہیں کیا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کے والد بھی مالکی تھے۔

۴......احمد بن حنبل الشیبانی (ولادت ۱۶۴ وفات ۲۴۱) مذہب حنبلی کے بانی

نام الامام ابوعبداللہ احمد بن حنبل بن ہلال اسد الذہلی الشیبانی تھا بغداد میں پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑھے اور وہیں رہے اور وہیں ربیع الاول میں انتقال ہوا۔ انہوں نے تمام ایسے شہروں کا سفر کیا جو ان کے زمانے میں علم کا مرکز تھے۔ مثلاً کوفہ بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام اور الجزیرۃ۔ امام شافعی جب بغداد تشریف لائے تو ان سے فقہ کی تحصیل کی پھر مجتہد مستقل بن گئے، ان کے شیوخ کی تعداد سو سے زیادہ ہے سنت نبویہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے جمع کرنے اور یاد کرنے میں مصروف رہے حتیٰ کہ اپنے زمانے میں محدثین کے امام بن گئے۔ ان کے اس مرتبہ کا سبب ان کے شیخ ہشیم بن بشیر بن ابی خازم البخاری تھے جن کی ولادت ۱۰۴ اور وفات ۱۸۳ء میں ہوئی تھی۔

امام احمد بن حنبل حدیث سنت اور فقہ کے امام تھے، ان کے بارے میں ابراہیم حربی فرماتے تھے میں نے احمد کو دیکھا گویا خدا نے اولین وآخرین کا علم ان کے لیے جمع فرما دیا تھا امام شافعی نے مصر روانگی کے وقت ان کے بارے میں فرمایا میں بغداد سے اس حالت میں نکلا کہ میں نے وہاں اپنے پیچھے احمد بن حنبل سے زیادہ متقی اور ان سے زیادہ فقیہ کوئی شخص نہیں چھوڑا۔

امام احمد بن حنبل مامون معتصم اور واثق کے زمانے میں فتنہ خلق کے وقت بڑے سخت امتحان میں ڈالے گئے ان کو قید بھی کیا گیا اور مار پیٹ بھی خوب ہوئی اس موقع پر انہوں نے انبیاء جیسی استقامت اور صبر کا مظاہرہ کیا، ابن مدینی ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ اللہ نے اسلام کو دو آدمیوں کے ذریعے عزت بخشی، حضرت ابوبکر کے ذریعے فتنہ انکار زکاۃ کے موقع پر اور احمد بن حنبل کے ذریعے آزمائش کے دن (یعنی فتنہ خلق قرآن کے موقع پر) حضرت بشر حافی ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ ''احمد بن حنبل انبیاء کے قائم مقام ہیں، اجتہاد کے

بارے میں ان کے مذہب کے اصول امام شافعی کے اصولوں کے قریب تر ہیں، کیونکہ انہوں نے تحصیل فقہ انہی سے کی ہے چنانچہ امام احمد بن حنبل (۱) قرآن (۲) سنت (۳) فتویٰ صحابی (۴) اجماع (۵) قیاس (۶) استصحاب حال (۷) مصالح مرسلہ اور (۸) ذرائع کو ماخذ سمجھتے ہیں اور ان سے استدلال کرتے ہیں۔

امام احمد نے فقہ میں کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی۔ ان کے شاگردوں نے ان کے مذہب کو ان کے اقوال افعال اور ان کے جوابات سے اخذ کیا ہے ان کی ایک کتاب ہے المسند جو فن حدیث میں ہے اس میں چالیس ہزار سے زیادہ احادیث ہیں۔ امام احمد بڑے قوی الحفظ آدمی تھے۔ امام احمد حدیث مرسل (وہ حدیث جس کو صحابی کے علاوہ کسی (تابعی۔ تبع تابعی) نے روایت کیا ہو اور ایک راوی کا نام ساقط کر دیا ہو) اور حدیث ضعیف جو حدیث حسن کے درجہ تک پہنچ جائے دلیل کے طور پر قبول کر لیا کرتے تھے۔ تاہم باطل اور منکر کو قبول نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح حدیث مرسل اور حدیث ضعیف کو قیاس پر ترجیح دیتے تھے اور قیاس کو ان کے مقابلے میں ترک کر دیتے تھے۔

ان کے مشہور شاگرد جنہوں نے ان کے مذہب کو پھیلایا وہ یہ تھے۔ ❶

۱..... صالح بن احمد بن حنبل (وفات سن ۲۶۶ھ) امام احمد کی سب سے بڑی اولاد تھے، فقہ اور حدیث کا علم اپنے والد سے حاصل کیا اور اپنے والد کے دیگر معاصر اہل علم سے بھی۔ ان کے بارے میں ابوبکر خلال جو فقہ حنبلی کے راوی ہیں، فرماتے ہیں انہوں نے اپنے والد (امام احمد) سے بہت سے مسائل سنے لوگ خراسان سے ان کے نام سوالات لکھ کر بھیجتے تھے کہ وہ اپنے والد سے پوچھ دیں۔

۲..... عبداللہ بن احمد بن حنبل (ولادت ۲۱۳، وفات ۲۹۰) اپنے والد سے حدیث روایت کرنے میں مشغول رہے، ان کے بھائی صالح کی توجہ اپنے والد سے فقہ اور مسائل نقل کرنے پر رہی۔

۳..... الاثرم، ابوبکر احمد بن محمد بن ھانی الخراسانی البغدادی (وفات سنہ ۲۷۳) امام احمد سے فقہ کے مسائل روایت کیے اور احادیث بھی بکثرت روایت کیں۔ ان کی ایک کتاب ہے السنن فی الفقہ جو حنبلی مذہب پر ہے اور احادیث سے دلائل پیش کیے گئے ہیں، ان کا شمار جلیل القدر حافظ حدیث علماء میں ہوتا ہے۔

۴..... عبدالملک بن عبدالحمید بن مہران المیمونی (وفات سنہ ۲۷۴ھ) امام احمد کے ساتھ بیس سال سے زائد رہے، امام احمد کے اصحاب میں بڑے جلیل القدر شمار ہوتے ہیں، ابوبکر الخلال امام احمد سے ان کی روایت کو بڑی قدر و منزلت سے دیکھتے ہیں۔

۵..... احمد بن محمد بن الحجاج ابوبکر المروزی (وفات سنہ ۲۷۴ھ) امام احمد کے خاص اصحاب میں سے تھے اور ان سے بہت قریب تھے، فقہ اور حدیث میں امام تھے، کثیر التصانیف آدمی ہیں، حنابلہ جب لفظ ابوبکر مطلق بولیں تو اس سے یہی ابوبکر مروزی مراد ہوتے ہیں۔

۶..... حرب بن اسماعیل الحنظلی الکرمانی (وفات سنہ ۲۸۰) امام احمد سے بہت فقہی تعلیم حاصل کی امام ابوبکر مروزی باوجود امام احمد سے اس قدر قربت رکھنے کے ان سے وہ مضامین نقل کیا کرتے تھے جو یہ امام احمد سے سن کر لکھا کرتے تھے۔

۷..... ابراہیم بن اسحٰق الحربی، ابواسحاق، (وفات سنہ ۲۸۵ھ) ان کا تبحر علمی حدیث میں زیادہ تھا بمقابلہ فقہ کے اور یہ لغت کے بھی عالم تھے ان کے بعد احمد بن محمد بن ہارون المعروف ابوبکر الخلال (وفات ۳۱۱ھ) آئے اور انہوں امام احمد کے اصحاب و تلامذہ سے ان کے فقہ کو جمع کیا حتیٰ کہ انہیں جامع الفقہ الحنبلی شمار کیا جانے لگا۔ فقہ حنبلی کے ناقل یا راوی کے القاب بھی انہیں دیے گئے۔ ان ابوبکر خلال نے ابوبکر مروزی کے ساتھ بہت وقت گزارا بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اسی سبب سے غالباً انہیں فقہ حنبلی روایت کرنے میں دلچسپی پیدا ہوئی۔

۱۔ ابوبکر خلال نے جو کچھ جمع کیا تھا اس کی دو مشہور آدمیوں نے تلخیص کی ایک ابو القاسم عمر بن الحسین الخرقی البغدادی (وفات سنہ ۳۳۴) دمشق میں مدفون ہیں، مذہب حنبلی میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں ان میں سے ایک تو وہ مشہور کتاب ''مختصر'' ہے جس کی شرح

---

❶..... ابن حنبل از استاذ محترم شیخ ابو زھرہ، ص ۱۷۲۔۱۸۸

علامہ ابن قدامہ نے کی ہے جو المغنی کے نام سے مشہور ہے۔ان کی اس کتاب کی تین سو سے زائد شروحات ہیں۔

۲۔ ابوبکر عبدالعزیز بن جعفر جو غلام الخلال کے نام سے معروف ہیں ان کی وفات ۳۶۳ھ میں ہوئی۔ یہ حسین خرقی کے جن کا ذکر ابھی کیا دوست تھے، اور ابوبکر خلال کے بہت شدت سے اتباع کرنے والے شاگردوں میں سے ہیں۔البتہ یہ کبھی ایسی روایات اور اقوال کو ترجیح دیتے ہیں کہ ابوبکر خلال نے ان کے علاوہ اقوال کو ترجیح دی ہوتی ہے۔

۵..... ابوسلیمان داؤد بن علی الاصفہانی الظاہری

(ولادت کوفہ میں سنہ ۲۰۲ میں، وفات بغداد میں سنہ ۲۷۰ھ میں)

ظاہری مذہب کے بانی..... یہ اہل ظاہر کے شیخ اور اس مذہب کے بانی ہیں، اس مذہب کی بعد میں تائید وتقویت ابومحمد علی بن سعید بن حزم اندلسی (ولادت ۳۸۴ھ وفات ۴۵۶ھ) کے ذریعے ہوئی جنہوں اس مذہب پر کتابیں لکھیں جن میں سے اہم کتاب المحلی فقہ میں اور ''الاحکام فی اصول الاحکام'' اصول فقہ میں ہے۔

امام داؤد ظاہری حدیث کے حفاظ میں سے تھے، فقیہ اور مجتہد تھے، بغداد میں رہتے ہوئے شافعی تھے بعد میں مستقل ایک مذہب کے بانی بن گئے تھے۔

مذہب ظاہری کی بنیاد قرآن کریم اور سنت رسول کے ظاہری الفاظ سے استدلال ہے جب تک کہ کوئی دلیل ایسی نہ ہو جو یہ بتائے کہ ظاہر مراد نہیں پھر جہاں نص نہ ہو وہاں اجماع کو لیتے ہیں بشرطیکہ اجماع امت کے سارے علماء کا ہو۔حقیقی صورتحال یہ ہے کہ اہل ظاہر نے فقط اجماع صحابہ کو قبول کیا ہے، اگر نص اور اجماع نہ ہو تو یہ استصحاب حال کو دلیل بناتے ہیں اور استصحاب حال ان کے ہاں اس معنی میں ہوگا کہ اصل ہر چیز میں مباح ہونا ہے قیاس رائے، استحسان، ذرائع، اور اجتہاد کے ذریعے احکام کے نصوص میں علت تلاش کر کے بنیاد بنانے کو یہ لوگ قبول نہیں کرتے یہ امور ان کے ہاں دلیل نہیں ہیں۔اسی طرح یہ حضرات تقلید کو بھی تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

ان کے مستنبط احکام کی مثال میں یہ چند مسائل ہیں:

سونے چاندی کے برتنوں کا فقط پینے کے لئے استعمال حرام ہے کھانے وغیرہ کے لئے نہیں، سود صرف ان چھ چیزوں میں منحصر ہوگا جو حدیث میں مذکور ہیں جمعہ صرف مسجد میں ادا کیا جا سکتا ہے جیسا کہ فقیہ ابوثور کا قول ہے جو ان مذاہب میں سے ایک کے بانی تھے جو مذاہب ختم ہو چکے ہیں اسی طرح بیوی اگر مالدار ہو تو غریب شوہر پر اور خود پر اخراجات کرنے کی مکلف قرار دی جائے گی۔

یہ مذہب اندلس میں پھیلا پانچویں صدی ہجری میں مدہم پڑنا شروع ہوا اور بالآخر آٹھویں صدی ہجری میں بالکل ختم اور ناپید ہو گیا۔

۶..... زید بن علی زین العابدین بن الحسین (وفات سن ۱۲۲ھ) شیعہ زیدیہ کے امام

ان کا مذہب، مذاہب اربعہ کے بعد پانچواں مذہب شمار کیا جاتا ہے۔ اپنے زمانے میں امام تھے اور متعدد گوشوں والی علمی شخصیت کے حامل شخص تھے۔

علوم قرآن قراءتوں اور فقہ کا علم رکھتے تھے، ان کو حلیف القرآن (قرآن کا حلیف ودوست) کہا جاتا تھا، فقہ کے موضوع تصنیف شدہ سب سے قدیم کتاب انہی کی ہے جس کا نام المجموع ہے یہ اٹلی میں چھپی ہے، علامہ شرف الدین الحسین بن الحیمی الیمنی الصنعانی (وفات ۱۲۲۱ھ) نے اپنی کتاب الروض النضیر شرح مجموع الفقہ الکبیر میں جو (۴) چار اجزاء میں ہے اسی کتاب المجموع کی شرح کی ہے امام زید کے

فقہ اور ان کی المجموع میں ذکر کردہ احادیث کے راوی ابو خالد واسطی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان (ابو خالد) کی (۱۵) پندرہ تصانیف ہیں جن میں سے ایک المجموع فی الحدیث بھی ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ ان کتابوں کی نسبت ان کی طرف کرنا درست نہیں معلوم ہوتا۔

زیدیہ..... وہ لوگ کہلائے جنہوں نے حضرت علی زین العابدین (حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے) کے صاحبزادے حضرت زید (فقہ زیدیہ کے بانی) کو ان کے والد کے بعد امام مانا، کوفہ میں ان حضرت زید سے ایک مرتبہ لوگوں نے بیعت خلافت بھی کر لی تھی ہشام بن عبدالملک کے دور میں یوسف بن عمر نے ان سے جنگ کی بالآخر انہیں شہید کر دیا گیا۔

حضرت زید حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باقی تمام صحابہ پر افضلیت اور فوقیت دیتے تھے، حضرات شیخین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت وعقیدت رکھتے تھے اور ظالم حکمرانوں کیخلاف بغاوت کو درست سمجھتے تھے، اپنے متبعین میں حضرات شیخین کو برا بھلا کہنے والوں پر انہوں نے سخت طعن وتشنیع کی اس پر ان سے بیعت کرنے والے ان کو چھوڑنے لگے جس پر انہوں نے فرمایا "رفضتمونی" (تم نے مجھے چھوڑ دیا) تو حضرت زید کے اس لفظ کے کہنے کے بعد ہی سے انہیں روافض (چھوڑنے والے) کہا جانے لگا۔ ان کے بیٹے یحییٰ نے بھی ولید بن یزید بن عبدالملک کے زمانے میں اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا مگر یہ بھی جنگ کے بعد قتل کر دیے گئے۔

مذہب زیدیہ کی اہم کتابوں میں سے حال ہی میں طبع شدہ کتاب البحر الزخار الجامع لمذاھب علماء الامصار ہے جو امام احمد بن یحییٰ بن المرتضیٰ (وفات سن ۸۴۰ھ) کی ہے اور چار جزء پر مشتمل ہے، یہ کتاب فقہاء کے اختلاف اور آراء پر مبنی ہے۔

یہ فقہ اہل عراق کے فقہ سے ملتا جلتا ہے، کیونکہ شیعیت اور ائمہ عراق میں ہی پروان چڑھے، اہل سنت کے فقہ سے ان کا زیدیہ اولی کے زمانے تک کوئی بڑا اختلاف نہیں تھا۔

چند معروف مسائل میں ان کا اہل سنت سے اختلاف ہے جن میں سے چند یہ ہیں۔

۱..... مسح علی الخفین کی مشروعیت کے قائل نہیں۔

۲..... غیر مسلم کے ذبیحے کو علی الاطلاق حرام قرار دیتے ہیں۔

۳..... اہل کتاب کی خواتین سے شادی کو حرام قرار دیتے ہیں دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ

سورہ ممتحنہ آیت ۱۰ اور مت

۴..... شیعہ امامیہ کے برخلاف متعہ کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں۔

۵..... اذان میں حی علی خیر العمل کے جملے کا اضافہ کرتے ہیں۔

۶..... جنازے کی نماز میں پانچ تکبیرات کے قائل ہیں۔

یمن میں اس وقت عملی طور پر مذہب ہادویہ رائج ہے جو ھادی الی الحق کا لقب رکھنے والے امام یحییٰ بن زید کے متبعین کا اختیار کردہ مذہب ہے۔

یہ مذہب مملکت زیدیہ ہی کا مذہب سنہ ۲۸۸ ہجری سے چلا آ رہا ہے جو یمن میں موجود ہے، شیعہ کے مختلف مذاہب میں سے اہل سنت کے سب سے زیادہ قریب یہی مذہب ہے، عقائد کے اعتبار سے ان کا مذہب معتزلہ سے ملتا ہے۔ احکام کے استنباط کے لئے ان کے اصول میں (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) اجتہاد بالرائے داخل ہیں۔ اسی طرح (۱) قیاس (۲) استحسان (۳) مصالح مرسلہ (۴) استصحاب کو بھی یہ لوگ ادلہ شرعیہ میں شمار کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ زیدیہ حضرت زید بن علی زین العابدین کی طرف منسوب ہیں کیونکہ یہ ان کی امامت کے قائل ہیں، تاہم فقہی فروعی مسائل میں یہ ان کی اتباع نہیں کرتے، جیسے حنفیہ اور شافعیہ وغیرہ کہ ان کے متبعین فروع میں بھی اپنے ائمہ کی اتباع کرتے ہیں۔

۷.....الامام ابوعبداللہ جعفر الصادق

(ولادت ۸۰ھ وفات سنہ ۱۴۸ھ بمطابق سنہ ۶۹۹ء وسنہ ۷۶۵ء)

ان کا نام ابوعبداللہ جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین (نواسۂ رسول) ہے، یہ مذہب امامیہ کے بانی ہیں ان کے علاوہ جو ابوجعفر محمد بن الحسن بن فروخ الصفار الاعرج القمی کہلاتے ہیں اور جن کا انتقال سنہ ۲۹۰ ہجری) میں ہوا تو وہ شیعہ امامیہ کے مذہب کے فقہی حصے کے پھیلانے اور اشاعت کرنے والے ہیں۔

شیعہ امامیہ بارہ ائمہ معصومین کی امامت کے قائل ہیں جن میں پہلے حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ ہیں اور آخری محمد المھدی الحجۃ ہیں جن کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ کہیں چھپے ہوئے ہیں اور وہی امام قائم ہیں ابن فروخ نے شیعہ امامیہ کے فقہ کی فارس میں اشاعت میں بڑا فعال کردار ادا کیا ہے، یہ کام انہوں نے اپنی کتاب بشائر الدرجات فی علوم آل محمد وما خصھم اللہ بہ کے انجام دیا، یہ کتاب سنہ ۱۲۸۵ھ میں طبع ہوئی ہے۔ان سے قبل شیعہ امامیہ کی ایک اور کتاب بھی معرض ظہور میں آچکی تھی جو فقہ کے بارے میں تھی اور اس کا نام رسالۃ الحلال والحرام، تھا جو ابراہیم بن محمد بن ابویحییٰ المدنی الاسلمی نے تالیف کی تھی، اس کو انہوں نے امام جعفر صادق سے روایت کیا تھا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے علی الرضا نے ایک کتاب فقہ الرضا کے نام سے تالیف فرمائی جو سنہ ۱۲۷۴ھ میں تہران میں طبع ہو چکی ہے۔ پھر ابن فروخ الاعرج کے بعد چوتھی صدی ہجری میں محمد بن یعقوب بن اسحاق الکلینی الرازی کا اس فقہ کی اشاعت میں بڑا کردار ہے ان کو شیخ الشیعۃ کہا جاتا ہے ان کی وفات سنہ ۳۲۸ھ میں ہوئی انہوں نے الکافی فی علم الدین کے نام سے کتاب تصنیف کی جس میں سولہ ہزار ننانوے (۱۶۰۹۹) احادیث ہیں جو سب اہل بیت کے ذریعے سے ہیں احادیث کی یہ تعداد صحاح ستہ کی احادیث کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہے۔

مذہب امامیہ کی بنیاد ان کتابوں پر ہے:

(۱) الکافی (۲) من لایحضرہ الفقیہ، جو صدوق قمی کی تصنیف ہے (۳) تہذیب الاحکام جو طوسی کی تصنیف ہے (۴) الاستبصار یہ بھی طوسی کی تصنیف ہے۔

شیعہ امامیہ بھی شیعہ زیدیہ کی طرح فقہ کے مسائل میں قرآن کے بعد ان احادیث کو مستند سمجھتے ہیں جو اہل بیت میں سے ان کے ائمہ کے ذریعے پہنچی ہوں۔ یہ لوگ اجتہاد کو بھی درست گردانتے ہیں اور وہ قیاس جس کی علت منصوص یعنی نص سے ثابت نہ ہوا سے درست نہیں سمجھتے ہیں۔ اور اجماع کے بھی قائل نہیں ہیں ماسوا اس صورت کے کہ امام بھی اس اجماع میں شامل ہوں۔ احکام شرعیہ میں یہ لوگ ہمیشہ صرف ائمہ ہی کو مرجع سمجھتے ہیں کسی اور کو نہیں۔

امامیہ کا فقہ اگرچہ مذہب شافعی کے قریب ہے، اہل سنت سے مشہور مسائل میں سے صرف سترہ کے قریب مسائل میں ان کا اختلاف ہے جن میں سے اہم ترین مسئلہ نکاح متعہ کا جائز ہونا ہے اس کے علاوہ ان کا دیگر مذاہب سے اختلاف ایسا ہی ہے جیسے حنفی اور شافعی حضرات کے مابین اختلاف ہے۔ یہ مذہب اس وقت ایران اور عراق میں موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا اہل سنت سے عقیدے یا فقہ کا اختلاف نہیں بلکہ حکومت اور امامت کے مسئلے پر ان کا اختلاف درحقیقت اختلافی مسئلہ ہے۔ ایران میں ۱۹۷۹ء میں آنے والے خمینی انقلاب میں

غالباً سب سے اچھی بات یہی تھی کہ انہوں نے اہل سنت کے ساتھ اختلاف ختم کرنے اور مسلمانوں کو ایک ہی امت قرار دینے کا اعلان کیا تھا۔ اور شاید وہ ایک ہو جانے کے لئے پرامید ہوں۔

وہ اہم فقہی مسائل جس میں ان کا اہل سنت سے اختلاف ہے وہ یہ ہیں:

۱.....نکاح مؤقت یا نکاح متعہ کا جواز۔

۲.....طلاق کے لئے گواہوں کو شرط قرار دینا۔

۳.....زیدیہ کی طرح غیر مسلموں کا ذبیحہ اور ان سے شادی بیاہ کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اہل کتاب یا غیر اہل کتاب کا فرق نہیں کرتے۔

۴.....میراث میں سگے بھتیجے کو اس چچا پر فوقیت دیتے ہیں جو باپ کے باپ شریک بھائی ہوں۔

۵.....موزوں پر مسح کو درست نہیں سمجھتے۔

۶.....وضو میں پاؤں کے مسح کو درست سمجھتے ہیں۔

۷.....اذان میں اشھد ان علیا ولی اللّٰہ اور حی علی خیر العمل کا اضافہ کرتے ہیں، اور لا الٰہ الا اللّٰہ دو مرتبہ کہتے ہیں۔

۸.....ابوالشعثاء جابر بن زید

(وفات ۹۳ھ بمطابق ۷۱۱ عیسوی) مذہب اباضیہ کے بانی

یہ تابعی تھے، مذہب اباضیہ عبداللہ بن اباض التمیمی کی طرف منسوب ہے جن کی وفات سنہ ۸۰ ہجری میں ہوئی تھی، جابر بن زید تابعین کے قرآن وسنت پر عامل علماء میں سے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد تھے مذہب اباضیہ کے فقہ کے اصول دیگر مذاہب کے اصول کی طرح ہیں، ان کی بنیاد قرآن، لغت اجماع اور قیاس ہیں استحسان، استصلاح (مصالح مرسلہ) استصحاب اور قول صحابی وغیرہ سے یہ لوگ بھی استدلال کرتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ بات بھی زیادہ تر کہی گئی ہے اور اسی پر اعتماد بھی ہے کہ نبی کے علاوہ کسی دوسرے پر ہونے والا الہام دوسرے شخص کے حق میں حجت نہیں ہوتا۔ اور مجتہد کے لئے بھی الہام حجت نہیں ماسوا اس صورت کے کسی مسئلے میں کوئی متفقہ دلیل نہ پائی جا رہی ہو تو وہاں وہ مجتہد کے لئے دلیل اور حجت ہوگا۔ یہ بات تقریباً معروف استحسان کے تصور سے ملتی جلتی ہے۔ یہ اپنے آپ کو خوارج یا خوامس کہلانے سے بھی براءت ظاہر کرتے ہیں۔ یہ اہل دعوت اہل استقامت اور جماعت المسلمین کے نام سے مشہور ہیں۔

اباضیہ ان مندرجہ ذیل مسائل کے قائل ہونے کی وجہ سے مشہور ہیں۔❶

۱.....شیعہ کی طرح یہ بھی مسح علی الخفین کے قائل نہیں۔

۲.....تکبیر احرام (نماز شروع کرنے کی تکبیر) کے وقت کانوں تک ھاتھ لیجانے کے قائل نہیں، تاہم نماز میں ہاتھ باندھنے کے بجائے چھوڑنے اور ایک سلام پر اکتفاء کرنے جیسے مسائل میں یہ زیدیہ اور مالکی حضرات کے ہمنوا ہیں۔

۳.....رمضان میں حالت جنابت میں روزہ شروع کرنے کی صورت میں روزے کے ٹوٹ جانے کے قائل ہیں جیسے بعض تابعین اس کے قائل ہیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بات ملتی ہے۔

۴.....ان اہل کتاب کے ذبیحے کے حرام ہونے کے قائل ہیں جو جزیہ نہ دیتے ہوں یا وہ اہل کتاب جو حربی ہوں جن سے معاہدہ امن وغیرہ نہ ہوا ہو۔ امامیہ کسی تفصیل کے بغیر ان سب کو حرام کہتے ہیں۔

---

❶..... ملاحظہ کیجئے دور مدرسۃ الاباضیۃ فی الفقہ والحضارۃ الاسلامیۃ ڈاکٹر ابراہیم عبدالعزیز بدوی ص ۱۱۸ اس کتاب پر ہمارے حواشی اور تصحیحات موجود ہیں۔

۵..... بچے اور بچی کے نکاح کے نا جائز ہونے کا قول ان کے ہاں موجود ہے جو جابر بن زید کا ہے، تاہم مذہب میں عمل اس کے برخلاف ہے۔

۶۔ایک شخص دوایسی عورتوں سے نکاح نہ کرے جو آپس میں چچازاد ہوں کیونکہ ان کی قرابت داری کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ یہ کراہت ان کے ہاں تنزیہی ہے۔

۷..... وہ رشتہ دار جو وراثت میں حصہ نہ پا رہے ہوں ان کے لئے وصیت کو واجب قرار دیتے ہیں ان احادیث کے مطابق جو وصیت پر زور دیتی ہیں اور اولاد کے ہوتے ہوئے اولاد الاولاد کے لئے وصیت کو درست سمجھتے ہیں۔ کیونکہ فرمان خداوندی ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَ كُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَ قْرَبِيْنَ ......سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۰

تم پر لازم کیا گیا ہے جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب ہو اور اس نے مال چھوڑا ہو کہ وہ وصیت کرے والدین اور رشتہ داروں کے لئے۔

اس آیت میں والدین کے لئے وصیت کا حکم آیت میراث اور حدیث لا وصیۃ لوارث (وارث کے لئے وصیت نہیں) کی وجہ سے منسوخ ہو گیا ہے (رشتہ داروں کے لئے وصیت کا حکم باقی رہ گیا ہے لہٰذا وہ وصیت واجب ہے)

۸..... وہ غلام جس سے معاہدہ کتابت ہوا ہو وہ بوقت معاہدہ کتابت ہی آزاد ہوگا، اور مدبر غلام موت کے بعد آزاد ہوگا جیسا کہ تمام مذاہب میں بھی یہ ہی مسئلہ ہے، اسی طرح اگر اس کے لئے کوئی وقت مقرر کیا ہو تو وقت مقرر ختم ہونے پر بھی وہ آزاد ہوگا۔ ایسے غلام کی فروخت صرف اس صورت میں جائز ہے جب راجعت کسی دین کی ادائیگی اس شخص کا مال فروخت کیا جاتا ہو۔

۹..... تمباکو کو بھی یہ لوگ حرام قرار دیتے ہیں، اس کو وہ خبائث (گندگی) میں شمار کرتے ہیں۔

عقائد کے موضوع پر ان کی کتاب مشارق الانوار ہے جو شیخ نورالدین سالمی کی تصنیف ہے، اصول فقہ میں طلعۃ الشمس ہے یہ بھی شیخ نورالدین کی تصنیف ہے فقہ میں شرح النیل وشفاء العلیل ہے جو شیخ محمد بن یوسف اطفیش کی تصنیف ہے یہ کتاب ۱۷ اجزاء میں ہے قاموس الشریعۃ جو ۹۰ اجزاء پر ہے شیخ سعدی کی ہے، المصنف جو شیخ احمد بن عبداللہ الکندی کی تصنیف ہے اور ۴۲ اجزاء پر مشتمل ہے، ''منہج الطالبین'' شیخ شقصی کی تصنیف ہے ۲۰ اجزاء میں ہے'' الایضاح'' شیخ شمانی کی تصنیف ہے ۱۸ اجزاء میں ہے، اور جواہر النظام شیخ سالمی کی تحریر کردہ ہے اور الجامع جو ابن برکۃ کی تصنیف ہے، دو جزء میں ہے۔

یہ مذہب سلطنت عمان، مشرقی افریقہ، الجزائر لیبیا اور تیونس میں اب تک موجود ہے۔

عقائد میں ان کے کچھ نظریات یہ ہیں:

۱..... کبیرہ گناہ کے مرتکب نے اگر توبہ نہ کی ہو تو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

۲..... ولایت اور برائت کے قائل ہیں یعنی فرمانبردار شخص ولی ہے اور نافرمان گناہ گار شخص سے اللہ بری ہے۔

۳..... اقوال میں تقیہ کے قائل ہیں افعال میں نہیں یعنی بولنے میں تقیہ (غلط بیانی) کیا جا سکتا ہے لیکن کوئی غلط فعل بطور تقیہ نہیں کیا جا سکتا۔

۴..... صفات خدا اس کی ذات کا عین ہیں ان کے نظریہ کے مطابق، مقصد یہ ہے کہ اللہ کی صفات اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اس سے علیحدہ نہیں۔ مقصود ان کا اللہ کی تعظیم اور اس کی پاکی بیان کرنا ہے۔ گویا یہ حضرات اہل تشیع کی طرح ہیں جیسے وہ آخرت میں خدا کی رویت کے قائل نہیں مقصود ان کا خدا کی تعظیم وتقدیس ہے اسی طرح ان کا بھی مقصود یہی ہے۔ لیکن اباضیہ معتزلہ کی طرح تحسین عقلی اور تقبیح عقلی کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی اس بات کے قائل ہیں کہ صالح اور اچھا کام اللہ پر واجب ہے۔ ❶

---

❶..... یہ جو میں نے لکھا ہے وہ درست ہے، میں نے پچھلے ایڈیشن میں اباضیہ کے متعلق جو کچھ لکھا تھا میں اس سے رجوع کرتا ہوں کیونکہ اس میں کچھ باتیں غلط تھیں جو بعد میں معلوم ہوئیں (۔مصنف)

تیسری بحث......فقہاء اور کتب فقہ کے مراتب درجہ بندی

مفتی کے لئے ضروری ہے کہ اس کو واقفیت حاصل ہو اس فقیہ کے احوال سے جس کے قول پر وہ فتویٰ دے رہا ہے، تاکہ وہ جان سکے اس فقیہ کا روایت اور درایت میں کیا مرتبہ ہے، اور طبقہ فقہاء میں ان کا کیا رتبہ ہے۔ یہ واقفیت اس لیے ضروری ہے تاکہ مفتی متعارض آراء میں فرق کر سکے اور ان میں سے جو قوی رائے ہو اسے ترجیح دے سکے۔ فقہاء کے سات مراتب ہیں۔ ❶

۱۔ **مجتہد مستقل**...... یہ وہ فقیہ ہے جو اپنے استنباط کے باقاعدہ قواعد الگ وضع کریں اور اس پر فقہ کی بنیاد رکھیں جیسے ائمہ اربعہ علامہ ابن عابدین شامی نے اس طبقہ کے فقہاء کے لئے طبقۃ المجتہدین فی الشرع کی اصطلاح وضع فرمائی ہے۔

۲۔ **المجتہد المطلق غیر المستقل**...... یہ وہ فقیہ ہے جس میں مجتہد مستقل کی طرح اجتہاد کی شرائط موجود ہوں لیکن انہوں نے اپنے لئے الگ قواعد وضع نہ کئے ہوں بلکہ فقہی مذاہب میں سے کسی مذہب کے امام کے طریقے کو اپناتے ہوئے اجتہاد کرتے ہوں، چنانچہ ان کو مجتہد مطلق منتسب (وہ مجتہد جو مکمل اجتہادی صلاحیت رکھتے ہوں اور کسی سے نسبت رکھتے ہوں) کہا جائے گا لیکن یہ مستقل نہیں ہوں گے۔ ان کی مثال جیسے ائمہ اربعہ کے شاگرد فقہاء جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے جیسے امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر احناف میں اور امام ابن القاسم، امام اشہب اور امام اسد بن الفرات مالکیہ میں، اور امام ابویطی اور امام مزنی شوافع میں سے، اور امام ابوبکر الاثرم اور امام ابوبکر المروزی حنابلہ میں سے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے اس طبقے کے فقہاء کے لئے طبقۃ المجتہدین فی المذہب کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ یہ حضرات احکام الدلائل شرعیہ سے استنباط کر سکتے ہیں ان اصول وقواعد کے مطابق جو ان کے استاذ نے مقرر فرمائے ہوں۔

یہ اگرچہ بعض فروعات میں استاد کی مخالفت کر لیتے ہیں لیکن اصول میں امام کے تابع رہتے ہیں۔

مجتہدین اور فقہاء کے یہ دو طبقے مدتوں سے ناپید ہیں، (ان کے درجے کے فقہاء بعد میں نہ ہو سکے)

۳۔ **المجتہد المقید**:...... یا مجتہد المسائل ان مسائل کے مجتہد جن کے بارے میں مذہب کے امام کا کوئی حکم نہ پایا جاتا ہو یا مجتہد التخریج (یہ تینوں اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں مقصود وہی جو بیان ہوا کہ وہ فقیہ جو ایسے مسائل کے بارے میں اجتہاد کریں جن احکامات کے بارے میں صاحب مذہب سے کوئی حکم روایت نہ کیا گیا ہو)

اس کی مثال جیسے خصاف، طحاوی، کرخی، حلوانی، سرخسی، بزدوی اور قاضی خان علماء احناف میں سے ابہری، ابن ابوزید القیر وانی مالکیہ میں سے ابواسحٰق شیرازی، مروزی، محمد بن جریر، ابونصر اور ابن خذیمہ شوافع میں سے، اور قاضی ابویعلی، قاضی ابوعلی بن ابوموسیٰ حنابلہ میں سے ہیں۔ ان حضرات کو اصحاب الوجوہ کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ ان مسائل کو جن پر صاحب مذہب نے کوئی گفتگو نہیں کی، صاحب مذہب کے اقوال واصول کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ اور اس چیز کو وجہ فی المذہب کہا جاتا ہے یا قول فی المذہب کہا جاتا ہے، چنانچہ یہ اصحاب کی طرف منسوب ہوتے ہیں امام کی طرف نہیں۔ یہ طریقہ کار شافعی اور حنبلی مذہب میں اپنایا گیا ہے۔

۴۔ **مجتہد الترجیح**...... یہ وہ فقیہ ہوتے ہیں جو امام کے مذہب کے قول کو دوسرے اقوال پر، یا امام کے مذہب اور ان کے شاگردوں یا ان کے علاوہ ائمہ کے اقوال میں ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے علامہ قدوری اور صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی حنفیہ میں سے اور علامہ

---

❶......ملاحظہ کیجئے الرد علی من اخلد الی الارض ص ۳۹۔۴۲ علامہ سیوطی، حاشیہ ابن عابدین ج ۱ ص رسالہ رسم المفتی ص ۱۱۔۱۲، کتاب مالک ص ۴۳۸ شیخ ابوزهرة، ابن حنبل ص ۳۶۸ از شیخ ابو زهره صفة الفتوی والمفتی والمستفتی ص ۱۶ از، احمد بن حمدان الحرانی الحنبلی، الفوائد المكية فی ما یحتاجه طلبة الشافعية ص ۳۹۔

خلیل مالکیہ میں سے علامہ رافعی اور امام نووی شوافع میں سے، اور حنابلہ میں سے قاضی علاء الدین المرداوی جو منقح المذہب (مذہب کی چھان بین کرنے والے) کہلاتے ہیں اور ابوالخطاب محفوظ بن احمد الکلوذانی البغدادی (وفات ۵۱۰ھ) جو مجتہد فی المذہب کہلاتے ہیں، اسی طبقے میں شمار کئے جاتے ہیں۔

۵۔ مجتہد الفتیا...... یہ وہ فقیہ ہوتے ہیں جو مذہب کو یاد رکھنے اور اسے نقل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اور واضح اور مشکل مسائل میں اسے سمجھانے کا حکم بھی انجام دیتے ہیں۔ اسی طرح قوی، قوی تر اور کمزور کے درمیان تمیز کرنے اور راجح اور مرجوح کے مابین فرق بیان کرنے کا کام بھی کرتے ہیں۔ تاہم اپنے دلائل بیان کرنے میں اور قیاس کے عمل کو انجام دینے میں ان کے ہاں کمزوری پائی جاتی ہے، ان کی مثال جیسے متاخرین میں معتبر متون کے مصنفین مثلاً کنز الدقائق الدر المختار، شرح الوقایہ اور مجمع الانہر کے مصنفین احناف میں سے اور رملی اور ابن حجر شوافع میں سے۔

٦۔ طبقة المقلدین...... وہ لوگ جو قوی اور ضعیف کے مابین فرق نہ کر سکیں اور کسی قسم کی تفصیل کا ادراک نہ کر سکتے ہوں۔
جمہور علماء نے تو مجتہد مقید اور مجتہد تخریج کے مابین کوئی فرق نہیں کیا ہے مگر علامہ ابن عابدین شامی نے مجتہد التخریج کو مجتہد مقید کے بعد چوتھے طبقے میں رکھا ہے اور اس طبقے کے لئے بطور مثال علامہ رازی جصاص وفات سنہ ۳۷۰ھ وغیرہ کو پیش کیا ہے۔ (اس طرح فقہاء کے سات طبقات ہو جائیں گے)۔

فقہ حنفی کی کتابوں کے درجات: احناف نے اپنے فقہاء کی کتابوں اور مسائل کو تین درجوں میں بانٹا ہے۔❶

۱: مسائل الاصول...... ان کو ظاہر الروایۃ بھی کہا جاتا ہے، یہ وہ مسائل ہیں جو اصحاب المذہب سے منقول ہوں، اصحاب مذہب سے مراد امام ابوحنیفہ اور صاحبین ہیں ان میں امام زفر اور حسن بن زیاد وغیرہ دیگر تلامذہ امام بھی داخل ہیں لیکن زیادہ تر ظاہر الروایۃ سے ان تینوں (امام ابوحنیفہ اور صاحبین) کے اقوال ہی مراد ہوتے ہیں۔
ظاہر الروایۃ کی کتابیں جو امام محمد نے تصنیف فرمائی ہیں وہ چھ کتابیں ہیں جو قابل اعتماد ہیں اور امام محمد سے قابل بھروسہ راویوں کے ذریعے تواتر یا شہرت کے ساتھ منقول ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:
(۱) المبسوط❷ (۲) الزیادات (۳) الجامع الصغیر (۴) الجامع الکبیر (۵) السیر الصغیر (٦) السیر الکبیر۔ ان کو ظاہر الروایۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ امام محمد رحمہ اللہ سے قابل اعتماد راویوں کے ذریعے منقول ہیں۔ یہ چھ کی چھ کتابیں امام ابوالفضل مروزی رحمہ اللہ نے جو حاکم شہید رحمہ اللہ کے نام سے مشہور ہیں، اور جن کی وفات سنہ ۳۴۴ ہجری میں ہوئی تھی، اپنی کتاب مختصر الکافی میں جمع کر دی تھیں، اس کتاب کی شرح علامہ سرخسی رحمہ اللہ نے المبسوط کے نام سے لکھی جو تیس اجزاء پر مشتمل ہے، اور مذہب کے حوالے کے لئے نہایت معتبر اور معتمد کتاب ہے۔

۲: مسائل النوادر...... یہ وہ مسائل ہیں جو اصحاب المذہب سے منقول ہوں لیکن اوپر بیان کردہ کتب میں نہیں بلکہ یا تو امام محمد رحمہ اللہ کی دوسری کتابوں میں جیسے الکیسانیات، الہارونیات، الجرجانیات، الرقیات، الخارج فی الحیل اور زیادۃ الزیادات۔ روایۃ ابن رستم یہ امام محمد کے املاء کرائے ہوئے فقہی مسائل ہیں جنہیں غیر ظاہر الروایۃ کہا جاتا ہے کیونکہ یہ امام محمد رحمہ اللہ سے اتنی مضبوط اور قوی طور پر ثابت روایت سے نہیں نقل ہوئے جتنے مضبوط طور پر پہلی کتابیں نقل ہوئی تھیں۔

---

❶ .... حاشیہ ابن عابدین ج ۱ ص ٦۴، رسم المفتی ص ١٦ ۔ ❷ اس کتاب کو "الاصل" بھی کہتے ہیں، یہ امام محمد رحمہ اللہ کی سب سے طویل اور سب سے اہم کتاب ہے۔

مسائل النوادر کا اطلاق ان مسائل پر بھی ہوتا ہے جو امام محمد رحمہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی کتابوں میں ہوں جیسے ''المحرر'' جو حسن بن زیاد رحمہ اللہ کی کتاب ہے یا وہ کتب امالی جو امام ابو یوسف سے منقول ہیں۔

امالی...... املاء کی جمع ہے، اور املاء اس تحریر کو کہا جاتا ہے جو کوئی عالم اور فقیہ اپنے طلبہ کو املا کرواتے تھے ان مسائل کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ ان کو سمجھایا کرتے تھے، سلف صالحین کے یہ معمول تھا مسائل النوادر کا اطلاق ان مسائل پر بھی کیا گیا ہے جو مفرد روایت سے ثابت ہوئے ہوں جیسے ابن سماعہ رحمہ اللہ، معلیٰ بن منصور رحمہ اللہ وغیرہ کی روایت کردہ مسائل، تاہم یہ چند معین اور مخصوص مسائل ہیں۔

۳: **الواقعات والفتاویٰ**:...... یہ وہ مسائل ہیں جو بعد کے مجتہدین نے پوچھے جانے والے سوالات کے جواب میں استنباط کئے اور اس بارے میں انہیں متقدمین اہل مذہب سے کوئی روایت نہ مل سکی ہو، ان میں وہ لوگ شامل ہیں جو امام ابو یوسف اور امام محمد کے شاگرد تھے، اس طرح ان کے شاگردوں کے شاگرد اور یہ لوگ کثیر تعداد میں ہیں۔

امام ابو یوسف ومحمد رحمہا اللہ کے شاگردوں کی مثال جیسے عصام بن یوسف، ابن رستم محمد بن سماعة، ابو سلیمان الجرجانی اور ابو حفص البخاری رحمہم اللہ علیہم۔ ان کے بعد آنے والے جیسے محمد بن سلمة، محمد بن مقاتل، نصر بن یحییٰ اور ابو النصر القاسم بن سلام رحمہم اللہ علیہم یہ حضرات کبھی اصل مذہب کی مخالفت بھی کر لیتے ہیں ان دلائل کی بناء پر جو ان کے سامنے آئے وہ پہلی کتاب جس میں فتاویٰ جمع کئے گئے کتاب النوازل ہے جو فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی تصنیف ہے، ان کے بعد کے لوگوں نے اور کتابیں بھی جمع کیں جیسے مجموع النوازل والواقعات جو ناطفی کی تصنیف ہے اور الواقعات جو الصدر الشہید کی تصنیف ہے۔

ان کے بعد کے حضرات نے بلاتفریق تمام مسائل ذکر کرنا شروع کر دئے ان میں کوئی تمیز نہیں رکھی کہ یہ ظاہر الروایۃ ہیں اور یہ نوادر وغیرہ۔ جیسے فتاویٰ قاضی خان اور الخلاصۃ وغیرہ میں طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔ تاہم بعض نے اس فرق کے لحاظ کے ساتھ یہ کام کیا ہے جیسے ''المحیط'' میں جو رضا الدین السرخسی کی تصنیف ہے انہوں نے اولاً مسائل الاصول ذکر کئے پھر نوادر اور پھر فتاویٰ کا ذکر کیا۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہا اللہ کے بعد فقہ حنفی کی روایت اور تدوین کرنے والے لوگوں میں یہ حضرات مشہور ہوئے۔

۱...... عیسیٰ بن ابان (وفات سنہ ۲۲۰ھ)

۲...... محمد بن سماعۃ (وفات ۲۳۳ھ)

۳...... ہلال بن یحییٰ الرأی البصری (وفات ۲۴۵ھ)

۴...... احمد بن عمر بن مہیر الخصاف (وفات سنہ ۲۶۱ھ)

۵...... احمد بن محمد بن سلامۃ ابو جعفر الطحاوی (وفات سنہ ۳۲۱ھ)

چوتھی بحث فقہ اور مؤلفین کتب فقہ کی اصطلاحات

دوسرے علوم کی طرح فقہاء کرام کی بھی کچھ فقہی اصطلاحات (۱) ہیں جو معروف ہیں اور مختلف فقہی مواقع پر آتی ہیں اور استعمال ہوتی ہیں۔ اسی طرح فقہی مذہب کی کتابوں کی بھی بعض اصطلاحات ہیں جن سے مذہب کے راجح قول کے اختیار کرنے وغیرہ کے طریق کار کا تعین ہوتا ہے۔ اس کام کو ''رسم المفتی'' (مفتی کا نشان (علامت) کے نام سے جانا جاتا ہے) اس کا مطلب ہوتا ہے وہ علامت جو مفتی کو وہ

(۱)...... اصطلاح کہتے ہیں کسی لفظ کے خاص متعین معنی کسی طبقے میں معرف ہونے کو۔ جیسے ایک مخصوص طریقہ کار اور اقوال وافعال پر مشتمل ہیئت پر لفظ صلاۃ کا اطلاق، جب کہ لغت میں اس کے معنی دعا کے ہیں۔

بتلائے جو اس کو فتوے میں بتانا ہے، علامہ ابن عابدین شامی کا اس بارے میں ایک رسالہ ہے جو رسم المفتی کے نام سے ہے یہ ان کے مشہور مسائل میں سے ایک رسالہ ہے۔

ا۔ عام فقہی اصطلاحات...... اب چندان عام فقہی اور اصولی اصطلاحات کا بیان کیا جائے گا جو مشہور و معروف ہیں یعنی فرض، واجب، مندوب، حرام، مکروہ تحریمی مکروہ تنزیہی اور مباح یہ علماء احناف میں سے اصولیوں کے ہاں حکم تکلیفی کی اقسام ہیں ❶ اور واجب سے حکماً ملحق ہیں القضاء، اعادہ رکن، شرط، سبب، مانع، صحیح، فاسد عزیمت اور رخصت، یہ حکم وضعی کی اقسام ہیں احناف میں سے علماء اصولیین کے ہاں۔ ❷

ا: فرض:...... اس چیز کو کہتے ہیں جسے شریعت نے لازمی طور پر کرنے کا حکم دیا ہو۔ ایسی دلیل سے ثابت ہو جو قطعی ہو اور اس میں بالکل بھی شبہ نہ ہو جیسے اسلام کے پانچوں ارکان جو قرآن کریم سے ثابت ہیں اور سنت متواترہ یا سنت مشہورہ سے ثابت ہو جیسے نماز میں قرآن کی قراءت، اور اجماع سے ثابت ہو جیسے کھانے کی چار چیزوں گیہوں، جو، کھجور اور نمک کی ایک دوسرے کے ذریعے ادھار خرید و فروخت اجماع کے ذریعے ناجائز ہے ❸ فرض کا حکم یہ ہے کہ اس کی بجا آوری لازم ہوتی ہے اور اس کے انجام دینے والے کو ثواب ملتا ہے اور اس کے ترک کرنے والے کو سزا دی جاتی ہے اور اس کا منکر کافر ہوتا ہے۔

۲: واجب:...... اس چیز کو کہتے ہیں جس کی ادائیگی شریعت نے لازمی ہو مگر اس کی دلیل ظنی اس میں شبہ ہو۔ جیسے صدقہ فطر، وتر اور عیدین کی نمازیں کیونکہ ان کا وجوب دلیل ظنی سے ثابت ہوتا ہے اور وہ دلیل ہے خبر واحد (ایک راوی کی نقل کردہ حدیث) جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ واجب کا حکم فرض کے حکم کی طرح ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کا منکر کافر نہیں ہوتا ہے۔

فرض اور واجب احناف کے علاوہ باقی سب کے ہاں ہم معنی استعمال ہوتے ہیں یعنی وہ چیز جس کی بجا آوری شریعت نے لازمی کی ہو۔

۳: مندوب یا سنت...... اس چیز کو کہتے ہیں جس کی بجا آوری شریعت کو مطلوب ہو مگر اس کو لازم نہ کیا ہو۔ یا وہ چیز جس کا کرنے والا قابل تعریف ہو لیکن نہ کرنے والا قابل مذمت و ملامت نہ ہو مثلاً قرض کی دستاویز نویسی کر لینا یعنی لکھت پڑھت کر لینا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا کرنے والا باعث اجر و ثواب ہوتا ہے لیکن اس کا نہ کرنے والا قابل مذمت نہیں ہوتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے نہ کرنے والے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ملامت اور عتاب کا امکان ہوتا ہے۔

احناف رحمہم اللہ کے علاوہ باقی فقہاء کے ہاں مندوب کو سنت، نفل، مستحب، تطوع، مرغوب احسان اور حسن بھی کہا جاتا ہے۔ حنفیہ نے مندوب کی دو قسمیں کی ہیں۔

مندوب مؤکد:...... جیسے جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی۔

---

❶... حکم تکلیفی کہتے ہیں مکلف شخص سے کسی کام کے کرنے یا اس سے رکنے یا کرنے اور نہ کرنے میں اختیار دینے پر عمل در آمد کے مطالبہ کو۔ یعنی مکلف کو کسی کام کے انجام دینے یا اس سے رکنے یا اس میں اختیار دینے کا حکم جو ہوتا ہے وہ اس کے فعل سے تعلق رکھنے کی وجہ سے فعل تکلیفی کہلاتا ہے، کیونکہ اس فعل میں ایک مطالبہ ہوتا ہے کام کے کرنے یا نہ کرنے کا یا اختیار دینے کا۔ ❷ حکم وضعی ایسے حکم کو کہتے ہیں جس میں ایک کام کو دوسرے کے لئے بطور شرط یا سبب یا مانع مان لینے کا یا اس کو صحیح یا فاسد سمجھنے کا یا عزیمت یا رخصت جان لینے کا۔ یعنی اس حکم میں کسی امر فعل کی حیثیت کا تعین از طرف شارع ہوتا ہے کہ یہ چیز شرط ہے یا سبب ہے وغیرہ اور اس کو وضعی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں امور کو اس طرح وضع کرنے (رکھنے) کا حکم ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مربوط ہوں اور ان کا تعلق ایک خاص نوعیت کا ہو۔ جیسے سبب کا تعلق مسبب سے ورشرط کا تعلق مشروط سے ہوتا ہے (مثلاً وضو شرط ہے نماز کی تو وضو کی حیثیت شرط ہونے کا تعین حکم وضعی ہے اور نماز سے وضو کا ایک تعلق اسی حکم کے تحت ہے تو یہ حکم وضعی ہے) ❸ مراتب الاجماع لابن حزم، ص ۸۵

مندوب مشروع..... جیسے پیر اور جمعرات کا روزہ۔ اور مندوب۔

زائد:..... جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے چلنے پھرنے سونے جاگنے اور پہننے اوڑھنے میں اتباع کرنا۔ صاحب درمختار اور علامہ شامی کی رائے جمہور علماء کی رائے کی طرح یہ ہے کہ مندوب، مستحب، نفل اور تطوع میں کوئی فرق نہیں، ان کا چھوڑنا خلاف اولیٰ ہے۔ البتہ بعض مندوبات ایسے ہیں کہ جن کا چھوڑنا باعث کراہت ہوتا ہے۔ ❶

۴: حرام:..... وہ چیز جس کے چھوڑنے کا شارع نے بہت سختی اور تاکید سے مطالبہ کیا ہو، احناف کہتے ہیں حرام وہ ہے جس کے چھوڑنے کا مطالبہ ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں کوئی شبہ نہ ہو۔ جیسے قتل، شراب، زنا اور چوری کا حرام ہونا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے بچنا لازم ہے اس کے مرتکب کو سزا دی جائے گی۔ حرام کو معصیت، ذنب، قبیح مزجور عنہ (وہ جس سے روکا گیا ہو) اور متوعد علیہ (وعید کیا گیا کام) بھی کہا جاتا ہے۔ حرام کو حرام نہ سمجھنے والا کافر ہوتا ہے۔

۵: مکروہ تحریمی:..... یہ اصطلاح صرف احناف کے ہاں ہے اور اس کا مطلب ہے وہ چیز جس کے چھوڑنے کا شارع نے حتمی اور تاکید کے ساتھ حکم دیا ہو مگر اس کی قباحت دلیل ظنی سے ثابت ہو یعنی مثلاً خبر واحد سے ثابت ہو یا کچھ اور اس کی مثال جیسے دوسرے کے سودے پر سودا کرنا دوسرے کے پیغام نکاح پر پیغام دینا، اور مردوں کے لئے ریشم اور سونا پہننا وغیرہ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے ترک کرنے پر ثواب اور اس کے ارتکاب پر گناہ ملتا ہے۔

اور مکروہ کا لفظ جب مطلقاً بولا جائے بلا کسی قید کے تو اس سے مکروہ تحریمی ہی مراد ہوتا ہے۔ احناف کے ہاں مکروہ تحریمی حرام کے قریب تر ہوتا ہے تاہم اس کا منکر (اس کو مکروہ نہ ماننے والا) کافر نہیں ہوتا۔

۶: مکروہ تنزیہی:..... یہ اصطلاح بھی احناف کے ہاں ہے۔ اور یہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کا چھوڑنا شارع کو مطلوب ہو مگر اس کا مطالبہ ترک بہت زیادہ سخت نہ ہو اور نہ ہی اس سے کسی سزا وغیرہ ملنے کا اظہار ہوتا ہو۔ مثلاً گھوڑوں کے گوشت کا کھانا، کیونکہ یہ ماضی میں جہاد کی اہم ضرورت تھے، اسی طرح بلی کے جھوٹے چیر پھاڑ کر کھانے والے پرندوں کے جھوٹے سے وضو کرنا اور نماز سے قبل کی سنتیں ترک کرنا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے والے کو ملامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے سزا کا نہیں۔

۷: مباح:..... وہ ہے جس کے کرنے یا نہ کرنے کا شریعت نے اختیار دیا ہو۔ جیسے کھانا پینا وغیرہ اور اصول شریعت میں سے ایک اہم اصول یہ ہے کہ اشیاء اصلاً مباح ہیں جب تک کہ کسی طرح کی ممانعت یا حرمت ان کے بارے میں نہ آئے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے یا نہ کرنے پر نہ کوئی ثواب ہے نہ گناہ۔ الا یہ کہ کوئی مخصوص حالات پیدا ہو جائیں، جیسے مثلاً نہ کھانا مباح ہے مگر اگر نہ کھانے سے ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اس وقت کھانا واجب ہوگا اور نہ کھانا گناہ ہوگا کیونکہ جان کی حفاظت مقصود ہے جو کہ شرعاً لازمی چیز ہے۔

۸: سبب:..... سبب جمہور علماء اصول کے ہاں وہ چیز ہے جس کے ہونے پر حکم (مسبب) پایا جائے اس کی وجہ سے نہیں۔ خواہ یہ سبب عقل انسانی کے اعتبار سے حکم کے موافق ہو یا نہ ہو۔ موافق کی مثال نشہ آور ہونا شراب کے حرام ہونے کا سبب ہے کیونکہ شراب عقل کو برباد کرتی ہے اور سفر رمضان میں روزے چھوڑ دینے کے جواز کا سبب ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے سہولت حاصل ہوتی ہے اور مشقت سے نجات ملتی ہی۔ غیر موافق کی (یعنی جو ہماری انسانی عقلوں کے اعتبار سے غیر موافق ہو) مثال زوال شمس کا ظہر کے واجب کرنے کا سبب ہونا قرآن کی اس آیت کے مطابق اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ (سورۃ الاسراء آیت ۷۸) نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے پر۔ ہماری عقلیں سورج کے

❶..... حاشیہ ابن عابدین ج ۱، ص ۱۱۵

ڈھلنے اور نماز کے واجب ہونے کے درمیان کوئی ظاہری مناسبت نہیں پاتی ہیں۔

۹: شرط اور رکن:.....شرط کہتے ہیں اسے جس پر کسی چیز کا وجود موقوف ہو مگر وہ اس چیز کی حقیقت و ماہیت میں سے نہ ہو۔ جیسے وضو نماز کے لئے شرط ہے اور نماز میں سے نہیں بلکہ ایک مستقل اور علیحدہ عمل ہے۔ اسی طرح گواہوں کا نکاح کے وقت حاضر ہونا شرط ہے، کیونکہ گواہوں کا حاضر ہونا نکاح کی حقیقت، و ماہیت میں سے نہیں ہے۔ اسی طرح بیچے جانے والی چیز اور قیمت کا تعین عقد بیع میں شرط ہے بیع کے درست ہونے کے لئے کیونکہ یہ تعین عقد بیع کا حصہ نہیں ہے۔

رکن:.......احناف کے ہاں وہ ہے جس پر چیز کا وجود موقوف ہو اور وہ اس کی حقیقت اور ماہیت میں داخل ہو۔ جیسے رکوع نماز کا رکن ہے کیونکہ وہ نماز کا جز ہے۔ اس طرح دو آدمیوں میں ہونے والے معاملے میں ایجاب و قبول رکن ہے کیونکہ وہ عقد کا حصہ ہوتا ہے عقد اس سے مل کر ہی عقد (معاملہ کہلاتا ہے) احناف کے علاوہ باقی علماء کے ہاں رکن وہ ہے جس پر کسی چیز کا وجود اساسی طور پر موقوف ہو اگرچہ وہ ماہیت سے خارج ہو۔

۱۰: مانع......مانع اس چیز کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے حکم کا رک جانا ضروری ہوتا ہے (یعنی جو حکم کے لاگو ہونے میں آڑ بن جاتا ہے) یا سبب باطل ہو جاتا ہے (یعنی جس کی وجہ سبب باطل ہو کر حکم کو لازم نہیں ہونے دیتا) پہلے کی مثال جیسے دین (قرض) زکوٰۃ کے وجوب سے مانع ہے احناف کے ہاں (یعنی دین (قرض) ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی یعنی وہ حکم (زکوٰۃ کا وجوب) لاگو ہونے میں آڑ بن جاتا ہے) دوسرے کی مثال باپ ہونا قصاص سے مانع ہے (یعنی قاتل اگر باپ ہو تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ قتل جو سبب ہے قصاص کا اسے اس کے باپ ہونے نے باطل کر دیا)۔

۱۱: صحت، فساد، بطلان......صحت کہتے ہیں شریعت کے حکم کے موافق ہونے کو اور صحیح وہ ہے جس کے ارکان اور شرائط شرعیہ مکمل ہوں اور عبادت کی صحت کا مفہوم فقہاء کے ہاں یہ ہے کہ وہ اس طرح ادا ہو کہ شریعت کا مطالبہ یا تقاضا جس طرح کا ہے وہ پورا ہو جائے اس طرح کہ اس کی قضاء بھی ذمہ میں نہ رہے۔ اور معاملات کی صحت کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے جائز کردہ اثرات ان پر مرتب ہو جائیں، چنانچہ صحت عقد (دو افراد کے مابین ہونے والے معاملے کی صحت) سے مراد یہ ہے کہ اس کا اثر جو شریعت نے جائز رکھا ہے معاملے کے کرنے والے دونوں افراد کے لئے وہ اس پر مرتب ہو جائے چنانچہ مثلاً خرید و فروخت میں صحت یہ ہے کہ اس میں فائدہ اٹھانا (خریدار کے لئے چیز سے بیچنے والے کے لئے رقم سے) شرعاً درست ہو جائے۔ اور نکاح میں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہونا شرعاً درست ہو جائے۔

عبادات کے بارے میں تو علماء کا اتفاق ہے کہ وہ یا تو صحیح ہوتی ہیں یا غیر صحیح، اور غیر صحیح میں باطل اور فاسد کے درمیان فرق نہیں (یعنی یہ فرق نہیں ہے کہ غیر صحیح یا باطل ہے یا فاسد) چنانچہ عبادات میں تقسیم دو رکنی ہے تمدنی معاملات میں احناف کے علاوہ باقی کے ہاں بھی یہ ہی تفصیل ہے فاسد اور باطل کا فرق نہیں۔ لیکن احناف کے ہاں تقسیم سہ رکنی ہے، ان کے ہاں غیر صحیح معاملہ یا تو باطل ہوگا یا فاسد غیر صحیح سے مراد ہے وہ معاملہ جو اپنی تمام شرائط و ارکان پورے نہ کرتا ہو۔ احناف کا باطل وہ ہوتا ہے جس میں ایسا خلل واقع ہوا ہو جو اصل عقد یعنی اس بنیاد میں ہو۔ رکن ہو یا غیر رکن یعنی یا تو معاملے کے الفاظ وغیرہ میں ہو یا دونوں افراد میں ہو جو عقد کر رہے ہیں یا اس میں ہو جس پر عقد ہو رہا ہو اور اس پر کوئی اثر شرعی مرتب نہ ہو جیسے مثلاً بیع مجنون یا ایسے بچے سے صادر ہوئی ہو جو معاملات کی تمیز نہ رکھتا ہو (یعنی تقریباً سات سال سے کم کا ہو) احناف کے ہاں فاسد وہ ہے کہ جس میں عقد کے اوصاف میں سے کسی وصف میں خلل واقع ہوا ہو ایسے کہ یا تو عقد کی شرائط میں سے کسی شرط میں خلل واقع ہو۔ اس کی ماہیت یا حقیقت میں نہ واقع ہوا ہو فاسد کے اوپر بعض اثرات مرتب ہوتے ہیں جب اس کے ارکان اور بنیادی عناصر موجود ہوں۔ مثلاً بیع (خریداری) ثمن مجہول (نامعلوم قیمت) کے ساتھ کرنا یا کسی شرط فاسد ساتھ لگا کر بیع کرنا جیسے یہ شرط لگا دینا کہ

بیچنے والا بیچنے کے بعد بھی ایک مخصوص مدت تک فروخت شدہ چیز سے فائدہ اٹھاتا رہے گا۔ یا بغیر گواہوں کے نکاح کرنا۔ ان سب معاملات میں خلل اصل عقد یا اس کے بنیادی ارکان میں نہیں ہے بلکہ اس کے اوصاف میں سے ایک وصف میں ہے چنانچہ۔ ان معاملات کے فاسد ہونے کی وجہ سے ان پر بعض اثرات مرتب ہوں اور وہ یہ کہ بیع فاسد میں قبضہ ہو جانے کی صورت میں ملکیت خبیثہ ملکیت ناقص ثابت ہوگی۔ اور نکاح فاسد میں مہر واجب ہوگا اور جدائی کے بعد عدت واجب ہوگی اور ہم بستری ہو جانے کی وجہ سے اولاد ہونے کی صورت میں نسب بھی ثابت ہوگا۔ اس تفصیل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بطلان یہ ہے کہ شریعت کے امر کی اس طرح مخالفت ہو جس کے نتیجے میں شریعت کے اجازت شدہ اثرات جو اس عبادت یا معاملے سے عادتاً مقصود ہوتے ہیں وہ اس پر مرتب نہ ہوں، اور معاملات میں بطلان سے مقصود یہ سمجھ میں آتا ہے کہ تصرفات میں ایسی مخالفت کا ارتکاب جو شرعی تشکیل شدہ نظام کے خلاف ہو اور جوہری جہت سے یہ مخالفت ہوئی ہو اور جوہری جہت سے مراد ہے، اس کی بنیادی اور اساسی حیثیت سے مخالفت۔

اور فساد یہ ہے کہ تصرفات میں ایسی مخالفت کا ارتکاب جو شرعی تشکیل شدہ نظام کے خلاف ہے ہوتا ہم یہ مخالفت فرعی اور ایسی جہت سے واقع ہوئی ہو جو عقد کو مکمل کرنے کی جہت تھی جس کے نتیجے میں اس عقد کو فسخ کرنا ضروری ہوگیا۔ اس مخالفت کا ارتکاب عقد کو صحت اور بطلان کے بیچوں بیچ ایک معلق کیفیت سے متصف کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ نہ تو باطل کہلاتی ہے کیونکہ اس کے جوھری اور اساسی ارکان موجود ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ اس طور پر صحیح ہوتی کہ وہ مکمل اور قابل اہمیت ہو۔ کیونکہ اس کی ایک فرعی جہت کے اندر خلل واقع ہوگیا ہوتا ہے نہ کہ اساسی اور بنیادی جہت میں۔

اور فساد کے چار اسباب ہوتے ہیں۔

۱۔ جہالت (ناواقفیت، مجہول الکیفیہ ہونا)

۲۔ غرر دھوکہ

۳۔ زبردستی ❶

۴۔ کوئی ممنوع اور فاسد شرط کا ساتھ لگا ہونا۔

۱۲: الاداء، القضاء، الاعادۃ ...... ان تینوں امور ادا، قضا اور اعادہ (لوٹانا) پر بحث عام طور پر اس واجب کے ذیل میں کی جاتی ہے جو ''واجب موسع'' ہو، واجب موسع کا مطلب ہے وہ واجب جس کا وقت اس کے لیے اور اس کے ہم جنس واجب کی ادائیگی کے لئے وسعت رکھتا ہو۔ جیسے فرض نمازوں کے اوقات کہ ان میں ہر نماز کا وقت اتنا ہوتا ہے کہ اس میں وہ نماز اور دیگر نماز (نوافل وغیرہ) کی ادائیگی کی جا سکے۔ ❷

---

❶ جہالت کی چار قسمیں ہیں یا تو جہالت معقود علیہ (وہ چیز جس پر عقد ہوا ہے) میں ہوگی یا عوض میں یا مقررہ وقت میں یا ان وسائل میں ہوگی جو توثیق کے لئے ہوں اور عقد میں شرط ہوں مثلاً کفالت اور رہن یعنی کفالۃ اور رہن کسی دوسرے معاملے میں اعتماد اور بھروسے کے لئے ہوتے ہیں تو جس معاملے میں رہن یا کفالت کے معاملات بھی شامل ہوں وہ معاملہ خود تو صحیح ہو مگر یہ دونوں فاسد ہوں تو وہ معاملہ بھی فاسد ہوگا۔ غرر کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ کی بنیاد ایک ایسے امر موہوم پر ہو جو نا قابل اعتبار ہو اس کی دو نوعیت ہیں: اصل معقود علیہ میں ہو جیسے ماں کے پیٹ میں موجود حمل کی خرید و فروخت۔ ❷ یا یہ غرر عقد کے اوصاف اور مقدار میں ہو جیسے بکری کے تھن میں موجود دودھ کی ایک معین مقدار بتانا تو یہ اس مقدار میں غرر ہے اور اکراہ کہتے ہیں کسی دوسرے شخص کو ایسے کام پر مجبور کرنا جس کو وہ ناپسند کرے اور خود کبھی انجام نہ دے اگر اسے اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے ''المدخل الفقہی'' استاذ مصطفیٰ زرقاء، ف ۳۷۱۔۳۷۶)

❷ عبادات دو قسم کی ہوتی ہیں ایک وہ جن کا وقت ان کی ادائیگی کے لئے درکار وقت سے بڑا ہوتا ہے جیسے نمازیں دوسری وہ جن کا وقت اتنا ہوتا ہے کہ وہ عبادت اس مکمل وقت میں ادا ہوتی ہے جیسے روزہ اس کا وقت طلوع فجر سے غروب شمس ہے اور یہ عبادت اس پورے وقت ہی میں ادا ہوتی ہے۔

اداء..... کہتے ہیں واجب فعل کو اس کے اس مقرر وقت میں ادا کرنا جو اس کے لئے شریعت کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے۔

اعادہ:..... کہتے ہیں واجب کو دوسری مرتبہ وقت میں ادا کرنا جیسے نماز کو جماعت کے ساتھ دوبارہ پڑھنا۔

قضاء..... کہتے ہیں واجب کو وقت گزرنے کے بعد ادا کرنا۔فرض نماز کی قضاء واجب ہے جیسا کہ بخاری ومسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سونے کی وجہ سے نماز کی ادائیگی نہ کر سکے یا بھول جائے تو جب اسے یاد آئے وہ پڑھ لے اس کے لئے اس کے علاوہ کوئی کفارہ نہیں۔بھول جانے اور سو جانے والے پر قیاس کرتے ہوئے نماز کو سستی سے یا جان بوجھ کر بلا عذر شرعی چھوڑنے والے پر بطریق اولی نماز کی قضاء واجب ہوگی۔کیونکہ نماز بدستور اس کے ذمے باقی ہے اور ادائیگی کے بغیر یہ بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔

۲..... مذاہب کی خاص اصطلاحات

مختلف فقہی مذاہب کی کچھ خاص اصطلاحات بھی جو ظاہر ہے اختصار کی خاطر اور تطویل سے بچنے کے لئے وضع کی گئیں۔ساتھ یہ بھی مقصود تھا کہ مختلف اقوال میں سے راجح اور مستند قول کو ایک اشارے سے سمجھا جاسکے۔ذیل میں کچھ ایسی اصطلاحات کا بیان ہے۔

مذہب حنفی کی اصطلاحات:

۱۔ظاہر الروایۃ:..... عام طور پر اس سے مراد جیسا کہ پہلے گذرا ائمہ ثلاثہ حنیفہ کا راجح قول ہوتا ہے۔یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ علیہم۔

۲۔الامام:..... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مراد ہوتے ہیں۔الشیخان: امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ۔الطرفان: امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ، الصاحبان: امام ابوسف ومحمد رحمہما اللہ۔

الثانی: امام ابو یوسف رحمہ اللہ، الثالث: امام محمد رحمہ اللہ۔لہ کا لفظ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور "لھما" "عندھما" یا" مذھبھما" کے الفاظ کے صاحبین کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔احناف کے "اصحابنا" کے لفظ سے عام طور پر تینوں امام ابوحنیفہ، ابو یوسف ومحمد رحمہم اللہ علیہم مراد ہوتے ہیں۔اور لفظ المشائخ سے مراد وہ فقہاء ہوتے ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا زمانہ نہیں پایا۔

۳۔فتوی:..... جن مسائل میں تینوں کا اتفاق ہو یقینی طور پر فتوی اسی قول پر ہوگا اگر ان تینوں حضرات میں اختلاف ہو تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتوی ہوگا علے الاطلاق خاص طور پر عبادات کے بارے میں اور صاحبین رحمہما اللہ یا دونوں میں سے کسی ایک کے قول کو بلا کسی سبب کے ترجیح نہیں دی جائے گی، وہ سبب علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ کے مطابق یا تو امام کی دلیل کا ضعف ہوگا یا ضرورت اور تعامل ہوگا جیسے صاحبین رحمہم اللہ کے قول کو مزارعت اور مساقاۃ میں ترجیح دی گئی ہے اور یا زمانے کا اختلاف سبب ہوگا صاحبین رحمہ اللہ کے قول کی ترجیح کا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتوی ہوگا قضا، شہادت اور میراث کے احکام میں کیونکہ ان کا تجربہ اس بارے میں زیادہ تھا۔ جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر فتوی ہوگا ذوی الارحام کے معاملات کے بارے میں، اور امام زفر رحمہ اللہ کے قول پر فتوی ہے سترہ مسائل میں۔❶

---

❶..... ردالمختار ج ۱ ص ۶۵۔۷۰ ج ۵ ص ۳۱۴، رسالۃ المفتی ج ۱ ص ۳۵ (مجموعہ رسائل)

۴: کسی مسئلے میں امام صاحب کی رائے نہ ملے :......اس صورت میں پہلے امام ابو یوسف، پھر امام محمد پھر امام زفر پھر امام حسن بن زیاد رحمہم اللہ علیہم کے قول پر علی الترتیب فتویٰ دیا جائے گا۔

۵......اگر کسی مسئلے میں قیاس اور استحسان دونوں جمع ہوں تو عمل استحسان پر ہوگا سوائے چند گنے چنے مشہور مسائل ہیں اور وہ بائیس مسائل ہیں۔

اگر مسئلہ ظاہر الروایہ میں نہ ملے اور دوسری روایت میں مل جائے تو اس صورت میں اسی کو اپنانا لازم ہوگا۔ اور اگر امام صاحب سے مختلف روایتیں منقول ہوں یا ان سے اور ان کے اصحاب سے اصلاً روایت منقول ہی نہ ہو تو پہلی صورت میں جس کی دلیل قوی ہو وہ اختیار کیا جائے گا۔ دوسری صورت میں متاخرین مشائخ جس پر متفق ہوں وہ لیا جائے گا۔ اگر ان میں بھی اختلاف ہو تو اکثر کے قول کو لیا جائے گا۔ اگر ان سے بھی کوئی قول اس بارے میں منقول نہ ہو تو مفتی کو چاہئے کہ وہ مسئلے میں خوب غور وخوض اور فکر وتدبر سے کام لے تاکہ وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لئے صحیح بات کہہ سکے، ایسے ہی انکل پچو مارنے سے گریز کرے، اللہ سے ڈرے اور اس کا خوف پیش نظر رکھے کیونکہ فتوے کے بارے میں بے باکی اور دلیری سے کام لینا وہ بھی بغیر کسی دلیل بڑا ہی خطرناک کام ہے اس کی جرأت کرنے والا بڑا جاہل اور بدبخت ہی ہو سکتا ہے۔

۶......جب صحیح اور مفتی بہ قرار دینے میں تعارض ہو مثلاً یوں کہہ دیا جائے کہ **الصحیح کذا والمفتی به کذ** (صحیح قول یہ ہے اور مفتی بہ قول یہ ہے) تو ایسی صورت میں عمل اس قول پر ہوگا جو متون کے مطابق ہو۔ اگر متون سے موافقت نہ پتہ چلے تو مفتی بہ قول لیا جائے گا۔ کیونکہ فتویٰ اس پر ہے کا لفظ 'صحیح اصح' اور 'اشبہ' کے لفظ سے زیادہ قوی لفظ ہے، اور جب ایک مسئلے میں دو اقوال ملتے ہوں جن دونوں کی صحت کتابوں میں مذکور ہو تو فتویٰ اور فیصلہ (عدالتی فیصلہ) دونوں میں سے کسی ایک پر کرنا درست ہے۔ ان دونوں قولوں میں سے اس قول کو زیادہ ترجیح دی جائے گی جو زمانے، عرف کے زیادہ مناسب ہو یا وقف اور فقراء کے لئے زیادہ مناسب ہو۔ یا یہ ہو کہ اس کی دلیل زیادہ واضح اور ظاہر ہو کیونکہ ترجیح دلیل کے قوی ہونے کی بناء پر ہی ہوتی ہے۔ "**به یفتی**" کا لفظ 'الفتویٰ علیہ' کے لفظ سے زیادہ قوی ہے کیونکہ پہلے لفظ سے حصر کے معنی مفہوم ہوتے ہیں لفظ 'اصح صحیح' سے اور لفظ احوط لفظ الاحتیاط سے زیادہ قوی ہیں۔

۷......'متون' کے لفظ کا اطلاق احناف کے ہاں ان کی اہم کتابوں پر کیا جاتا ہے مثلاً قدوری، ہدایۃ، نقایہ، المختار، الوقایۃ، الکنز اور الملتقی کیونکہ ان کتب کی تالیف کا مقصد ظاہر الروایۃ اور معتمد اقوال کا بیان کرنا تھا۔

۸......ضعیف روایت پر عمل کرنا درست نہیں خواہ اپنے حق میں ہی کیوں نہ ہو اس حکم میں قاضی یا مفتی کی کوئی تفریق نہیں دونوں کے لئے یہ درست نہیں ویسے مفتی اور قاضی میں فرق یہ ہے کہ مفتی حکم شرعی کی خبر دینے والا ہوتا ہے اور قاضی حکم شرعی کو لازم کرنے والا ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا "اگر حدیث کا درجہ صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے یہ بات دوسرے ائمہ مذاہب سے بھی منقول ہے۔" ❶ تاہم یہ بات پیش نظر رہے کہ ضعیف قول پر فتویٰ اس وقت دیا جا سکتا ہے جب کوئی ضرورت یا حاجت درپیش ہو۔ یہ اس لئے کہ لوگوں سے آسانی اور سہولت کا معاملہ ہو۔

۹......اور مذہب کے احکام کو ملا کر نکالا جانے والا حکم احناف کے ہاں باطل ہے۔ اسی طرح تقلید پر عمل ہونے کے بعد کسی عمل میں تقلید سے رجوع نہیں کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مثلاً ظہر کی نماز حنفی اصولوں کے مطابق چوتھائی سر کا مسح کر کے پڑھنے والے کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ اپنی نماز کو اس لیے توڑ دے کہ مذہب مالکی میں پورے سر کا مسح لازمی ہے اور وہ اس پر عمل درآمد کرنا چاہتا ہو۔ بعض احناف نے تقلید بعد العمل

---

❶......میزان شعرانی ج ۱ ص ۴۔ ۵۔ ۶۳، اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۶۰۔ ۲۷۴، محی الدین عبدالحمید

(عمل کرنے کے بعد تقلید کرنا) کی اجازت دی ہے جب کسی نے نماز پڑھی یہ سمجھتے ہوئے کہ نماز درست ہوگئی نماز کے بعد معلوم ہوا کہ کوئی ایسی بات ہوگئی ہے جس کی وجہ سے نماز درست نہیں ہوئی۔ تاہم دوسرے مذہب کے مطابق نماز درست ہوگئی ہو تو ایسی صورت میں اس مذہب کی تقلید کرتے ہوئے وہ اگر اپنی نماز کو درست سمجھے تو یہ اس کے لئے جائز ہے، جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ میں منقول ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ کسی حمام میں غسل کر کے جمعہ ادا کیا پھر ان کو معلوم ہوا کہ اس حمام میں جس کنویں سے پانی آتا ہے اس میں مرا ہوا چوہا نکلا ہے تو انہوں نے فرمایا ہم اپنے مدینے کے دوست علماء کی بات پر عمل کر لیتے ہیں جن کے مطابق پانی کی مقدار اگر دو قلے (قلہ: بڑا مٹکا) کے برابر ہو (یعنی ۲۰۷ لیٹر) وہ نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔

۱۰.... بعض احناف نے اجازت دی ہے کہ اگر مقلد قاضی دوسرے کے مذہب یا روایت ضعیفہ، یا قول ضعیف کے مطابق فیصلہ دے دے تو وہ نافذ ہو جائے گا۔ دوسرے قاضی وغیرہ کے لئے محض اس بنیاد پر اسے توڑنا یا غلط قرار دینا درست نہیں ہوگا۔

۱۱.... علامہ ابن عابدین شامیؒ (وفات ۱۲۵۲ھ) جو شام کے بہت بڑے عالم تھے ان کا 'الدرالمختار' پر حاشیہ جو 'رد المحتار علی الدرالمختار' کے نام سے مشہور ہے مذہب حنفی میں تحقیقات اور ترجیحات کے بارے میں کلام حرف آخر سمجھا جاتا ہے۔

مذہب مالکی کی اصطلاحات:

مذہب مالکی بھی دیگر مذاہب کی طرح کثرت اقوال و آراء کی وجہ سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے، لوگوں کی مصلحتیں اور ان کے مختلف عرف اور سماجی حالات کے پیش نظر۔ مفتی (جو صحیح معنوں میں مفتی ہو ان اوصاف کے مطابق جو پہلے گذر چکے ہیں) مسئلہ کے بارے میں اس راجح رائے کا فتویٰ دے جو فائدے پر مبنی ہو۔ اور غیر مبنی جس میں اجتہاد کی شرائط نہ پائی جائیں، صرف وہ قول اختیار کرے جو متفق علیہ ہو یا مشہور ہو یا وہ قول ہو جسے متقدمین نے ترجیح دی ہو۔ اگر قول کے راجح ہونے کا علم نہ ہو تو وہ زیادہ سخت قول کو ترجیح دے جیسا کہ شیخ علیش (وفات سنہ ۱۲۹۹ھ) کی رائے ہے۔ کیونکہ احتیاط ایسے ہی قول کے اختیار کرنے میں ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ سب سے نرم اور آسان قول اختیار کرے کیونکہ یہ شریعت کے مزاج کے زیادہ موافق بات ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آسان دین کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ تو اس مفتی کو اختیار ہے کہ وہ جو چاہے قول اختیار کرے، کیونکہ انسان کو مکلف اسی بات کا بنایا گیا ہے جس کو سہار سکے۔

۱.... بعض مالکی حضرات نے کتب مالکیہ اور مشائخ کے اقوال اور آراء میں ترجیح کے اسلوب کو اس ترتیب سے ذکر کیا ہے کہ مدونہ میں مذکور امام مالک رحمہ اللہ کا قول ابن القاسم رحمہ اللہ کے اس میں مذکور قول کے مقابلے میں راجح ہوگا۔ کیونکہ صاحب مذہب وہی ہیں۔ اور اس میں مذکور ابن القاسم رحمہ اللہ کا قول دوسروں کے مقابلے میں زیادہ راجح ہوگا، کیونکہ وہ امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب سے زیادہ واقف ہیں بہ نسبت دوسروں کے۔ تاہم ابن القاسم کے علاوہ دوسروں کے اقوال جو مدونہ میں مذکور ہوں وہ ابن القاسم کے ان اقوال کے مقابلے میں راجح ہوں گے جو دوسری کتابوں میں منقول ہیں، کیونکہ مدونہ زیادہ اصح کتاب شمار ہوتی ہے۔ اور اگر مدونہ میں قول مذکور نہ ہو تو مقربین کے اقوال لئے جائیں گے۔

۲.... جب "المذہب" بولا جائے تو اس سے مذہب مالکی مراد ہوگا، اور جب "المشہور" بولا جائے تو اس سے مراد ہوگا مالکی مذہب کا مشہور قول۔ اور اس لفظ سے اس بات کا اشارہ بھی ہوتا ہے کہ اس بارے میں مذہب میں اختلاف ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ المشہور سے وہ قول مراد ہوتا ہے جس کے قائل زیادہ ہوں۔

۳.... جب یہ الفاظ کہے جائیں "قیل کذا" یا "اختلف فی کذا" یا "فی کذا قولان فاکثر" تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں اختلاف ہے مذہب مالکی میں۔

۴..... جب یہ لفظ بولا جائے ''روایتان'' (دو روایتیں ہیں) تو اس کا مطلب ہوتا ہے امام مالک رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں مالکی مذہب کے مصنفین کی رائے یہ ہے کہ فتویٰ قول مشہور یا مذہب کے قول راجح پر ہوگا شاذ اور مرجوح (یعنی ضعیف) اقوال پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا اور انسان اپنے بارے میں بھی اس پر عمل نہیں کرسکتا، بلکہ اپنے بارے میں دوسرے کی رائے پر عمل کرے گا کیونکہ دوسرے کا قول کسی کے بارے میں اس کے اپنے قول کے مقابلے میں زیادہ مستند اور قابل عمل ہوتا ہے۔❶

۵..... ایک عبادت کے دو مختلف مذہب کے اقوال پر عمل کرنے کے بارے میں دو رائے منقول ہیں۔

۱۔ یہ عمل ممنوع ہے یہ مصری حضرات کا طریقہ کار ہے۔

۲۔ دوسری رائے اور طریقہ کار جواز کا ہے۔ یہ اہل مغرب کا طریقہ کار ہے اور اس کو ترجیح حاصل ہے۔ علامہ دسوقی رحمہ اللہ اپنے مشائخ سے نقل کرتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ جائز ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس بات میں بڑی وسعت اور گنجائش ہے۔❷

۶..... علامہ شیخ خلیل (وفات ۷۶۷ھ) کی تحریر کردہ کتاب ''مختصر خلیل'' اور اس کے شرح کرنے والے اکثر شارحین کا مکتب فکر مالکیہ کے ہاں اقوال و روایات کے نقل کرنے اور ان میں سے راجح قول ذکر کرنے کے بارے میں مستند اور قابل بھروسہ ہے۔❸

مذہب شافعی کی اصطلاحات:

امام شافعی رحمہ اللہ سے دس سے زائد مسائل میں دو اور دو سے زائد قول نقل کئے گئے ہیں، جیسے خرید و فروخت میں ''خیار رؤیت'' (فروخت شدہ چیز کے دیکھنے پر خرید و فروخت کو موقوف رکھنے کا اختیار) کے بارے میں دو قول منقول ہیں ایک اس کے جائز ہونے کا۔ اور دوسرا ناجائز ہونے کا جس میں انہوں نے پہلے قول سے رجوع کیا تھا، اسی طرح مقروض پر جو اپنے پاس موجود مال کے برابر مقروض ہو زکوٰۃ کے واجب ہونے کا قول، اسی طرح مفلس (دیوالیہ قرار دیے گئے شخص) کا کسی شخص کے لئے قرض کا اقرار کا معاملہ کہ کیا وہ شخص جس کے قرض کا اعتراف اس نے خود کیا وہ دیگر قرض خواہوں میں شامل ہوگا یا نہیں اور اس طرح یہ مسئلہ کہ شوہر اگر بیوی کو دھوکہ دے تو کیا حکم ہے مثلاً شوہر بیوی کو اپنا نسب وغیرہ غلط بتادے تو کیا اس صورت میں بیوی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوگا یا نکاح ہی باطل ہوگا۔

وغیرہ..... ان جیسے مسائل نے بعض طعنہ زن لوگوں کو امام شافعی رحمہ اللہ کے دو اقوال اختیار کرنے کے عمل کو ان پر طعنہ زنی اور ان کے بارے میں ہجوگوئی کرنے کا موقع فراہم کردیا ہے۔ یہ لوگ ان کے اجتہاد پر طعن و تشنیع اور ان کے علم کے ناقص ہونے کی باتیں کرتے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ قیاس اور دلائل کے تعارض اور باہم دیگر متصادم ہونے کی وجہ سے دو قول یا زائد اختیار کرنا نقص علمی کی دلیل ہرگز نہیں بلکہ یہ تو زیادتی ہے۔

عقل کی دلیل ہے کہ رائے رکھنے والا گمان کی جگہ یقینی بات نہیں کردیتا ہے، اسی طرح یہ فعل حق اور سچائی کی تلاش کے اندر کمال اخلاص کی بھی دلیل ہے کہ قائل اس وقت تک قطعی حکم نہیں لگاتا جب تک اس کے پاس ترجیح کے اسباب جمع نہیں ہوجاتے، اور جب تک ترجیح کے اسباب اکٹھے نہیں ہوتے وہ شخص تردد میں رہتا ہے۔❹

مفتی پر لازم ہے کہ اگر امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول مروی ہوں تو متقدمین علماء کی رائے کو اختیار کرے❺ ورنہ توقف کرے جیسا کہ علامہ نووی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اور اگر مسئلہ ایسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب اور شاگردوں کے ہاں اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں یا

---

❶..... حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر ج ۱ ص ۲۰۔ ❷ ایضاً۔ حاشیہ گذشتہ ❸ مالکیہ کے ہاں فتوے پر اجرت لینا درست ہے اگر متعین نہ ہو۔ ❹ الشافعی، شیخ ابو زہرہ، ص ۱۷۲۔ ❺ مجتہد اس کو ترجیح دیتے ہیں جسے امام شافعی نے خود ترجیح دی ہو، اگر ترجیح نہ پائی جائے تو بعد والے قول کو پچھلے قول پر ترجیح دیتے ہیں اور اگر بعد کا پتہ نہ چل سکے، جو کہ بہت کم ہوتا ہے تو اس کو ترجیح دیتے ہیں جو امام شافعی کے اصولوں کے قریب ہو۔

ایسا ہے کہ مختلف طریقوں سے مختلف انداز میں منقول ہو تو مفتی کو چاہیے کہ وہ اس قول کو اختیار کرے جسے متقدمین مجتہدین نے اختیار کیا ہو۔ اور اس میں تفصیل یہ ہے کہ وہ مسئلہ جسے اکثریت نے اختیار کیا ہو گا وہ قابل ترجیح ہو گا، بصورت دیگر وہ مسئلہ قابل ترجیح ہو گا جسے زیادہ بڑے عالم نے اختیار کیا ہو گا، اگر ایسا بھی نہ ہو تو وہ قابل ترجیح ہو گا جسے زیادہ متقی شخص نے اختیار کیا ہو گا۔ اگر ترجیح نہ ملے تو وہ قول مقدم ہو گا جسے بویطی، ربیع المرادی اور مزنی، شاگردان شافعی رحمہم اللہ علیہم نے اختیار کیا ہو [1] اور علامہ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (وفات ۶۷۶ھ) کو واقعی طور پر ''محرر المذہب شافعی'' سمجھا جاتا ہے یعنی مذہب کی تنقیح کاٹ چھانٹ کرنے والے راجح قول بیان کرنے والے سمجھے جاتے ہیں اور یہ عمل انہوں نے اپنی کتاب منہاج الطالبین وعمدۃ المتقین میں انجام دیا ہے، یہ کتاب شوافع کی مستند ہے حتیٰ کہ امام نووی رحمہ اللہ کی دیگر کتب کے مقابلے میں یہ زیادہ معتبر مستند ہے جیسے الروضہ وغیرہ۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تصنیف میں علامہ ابو القاسم الرافعی رحمہ اللہ (وفات سنہ ۶۲۳ھ) کی کتاب المحرر کا اسلوب اپنایا۔ بعد میں شیخ زکریا انصاری رحمہ اللہ نے ''المنہاج'' کی تلخیص کی اور اسے ''المنہج'' کا نام دیا۔ مذہب شافعی میں فتویٰ اس قول پر ہوتا ہے جو علامہ نووی رحمہ اللہ علیہ نے المنہاج میں اختیار کیا اور جو علامہ رملی رحمہ اللہ کی کتاب ''نہایۃ المحتاج'' کی شرح میں اور ابن حجر کی ''تحفۃ المحتاج'' میں ذکر کیا گیا ہو۔ اس کے بعد درجہ ہے علامہ شیخ زکریا رحمہ اللہ کی رائے کا۔

آگے علامہ نووی رحمہ اللہ کے اقوال نقل کرنے اور اصحاب (شاگرد) کی بیان کردہ وجوہات اور آراء کے بیان کرنے اور ان میں ترجیح دینے کا طریقہ کا ذکر کیا جاتا ہے یہ بات پیش نظر رہے کہ وہ اپنی وضع کردہ اصطلاحات کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کی آراء کو اقوال ان کے اصحاب (تلامذہ) کی آراء کو وجوہ اور مذہب شافعی کے ناقلین کے مابین واقع اختلاف کو طرق سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ اختلافات تین قسم کے ہوئے۔

۱۔ الاقوال:...... وہ جو امام شافعی رحمہ اللہ سے منسوب ہوں۔

۲۔ الوجہ...... وہ آراء اور اقوال جو مذہب شافعی کے فقہاء نے مذہب کے اصول وقواعد کو پیش نظر رکھ کر استنباط کئے ہوں۔

۳۔ الطرق...... راویوں کا مذہب نقل کرنے میں اختلاف۔ [2]

۱: الاظہر...... (زیادہ واضح وظاہر) یعنی امام شافعی رحمہ اللہ کے دو یا زائد اقوال میں زیادہ واضح قول، ان اقوال میں سے جن میں قوی اختلاف ہو۔ اس کے مقابلے میں ظاہر کا لفظ ہے ایک مسئلے کو ظاہر اور دوسرے کو اظہر اس لئے کہتے ہیں کہ ہر مسئلے کا مدرک مضبوط ہوتا ہے۔ [3]

۲: المشہور...... یعنی امام شافعی کے دو یا زائد اقوال میں سے مشہور قول، وہ اقوال جن میں اختلاف قوی نہ ہو اس کے مقابلے میں غریب کا لفظ استعمال ہوتا ہے کیونکہ دوسرے مسئلے کا مدرک ضعیف ہوتا ہے۔

چنانچہ اظہر اور مشہور دونوں امام شافعی کے قول ہیں۔

۳: الاصح...... (زیادہ صحیح) یعنی دو یا زائد وجوہ جنہیں اصحاب نے امام شافعی رحمہ اللہ کے کلام سے اخذ کیا ہو ان کے اصول وضوابط کی بنیاد پر یا ان کے قواعد سے مستنبط کیا ہو میں سے زیادہ صحیح اگر ان وجوہات کے مابین اختلاف بھی قوی ہو اصح کے مقابلے میں صحیح آتا ہے۔

۴: الصحیح...... دو یا دو زائد وجوہ میں سے صحیح وہ ہے جہاں دو وجوہ میں اختلاف قوی نہ ہو اس کے مقابلے میں ضعیف ہوتا ہے کیونکہ اس کا

---

[1] ...... الشافعی، شیخ ابحد ہو، ص ۳۶۸ھ [2] الشافعی: ص ۳۲۱، الفوائد المکیۃ فیمایحتاجہ علیہ الشافعیہ ص ۳۵. [3] اس کے اور آنے والی دیگر باتوں کے لئے ملاحظہ کیجئے کتاب المنہاج للنووی کا مقدمہ۔

مدرک فاسد ہوتا ہے۔

چنانچہ اصح اور صحیح دونوں کا تعلق اصحاب کے اقوال جنہیں وجوہ کہا جاتا ہے۔

۵:المذہب...... دو یا زائد طرق میں سے مذہب، یعنی اصحاب کے مذہب نقل کرنے میں واقع اختلاف میں سے مذہب۔ جیسے کوئی ایک مسئلے کے بارے میں دو قول نقل کردے یا متقدمین کی دو رائیں (وجوہ) ذکر کردے جن میں ایک رائے کسی نے زیادہ قطعیت سے بیان کی ہو۔ لیکن بہر حال کبھی تو وہ قطعی بات راجح ہوتی ہے اور کبھی دوسرا قول جو قطعی نہیں، راجح ہوتا ہے۔ اور اس کو لفظ المذہب سے تعبیر کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ جس بات پر فتویٰ ہے وہ وہ بات ہے جسے لفظ المذہب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۶:النص...... یعنی امام شافعی رحمہ اللہ کا نص (براہ راست ذکر کردہ بات)، اس کے مقابلے میں وجہ ضعیف (کمزور قول) یا قول مخرج ہوتا ہے، اور ہر دونوں صورتوں میں فتویٰ کبھی نص کے علاوہ وجہ ضعیف یا مخرج پر بھی دیا جاتا ہے۔

۷:الجدید...... یہ بمقابلہ مذہب قدیم کے بولا جاتا ہے قول جدید اسے کہتے ہیں جو امام شافعی رحمہ اللہ نے مصر میں فتویٰ یا تصنیف میں اختیار کیا ہو۔ قول جدید کے نقل کرنے والوں میں بویطی، مزنی، ربیع المرادی، حرملۃ، یونس بن الاعلی، عبداللہ بن زبیر المکی اور محمد بن عبداللہ بن الحکم رحمہم اللہ علیہم وغیرہ داخل ہیں۔ ان میں سے پہلے تین حضرات ہی اصل ہیں جن کے سر پر اس کام کے انجام دینے کا سہرا ہے، باقی حضرات سے محدود اقوال منقول ہیں۔

۸:القدیم...... وہ قول جسے امام شافعی رحمہ اللہ نے عراق میں اپنی کتاب الحجۃ کی تصنیف کے دوران اختیار کیا تھا یا اس کا فتویٰ دیا تھا۔ ایسے اقوال روایت کرنے والی پوری جماعت ہے جن میں سے مشہور یہ ہیں: (۱) امام احمد بن حنبل (۲) الزعفرانی (۳) الکرابیسی (۴) ابوثور رحمہم اللہ علیہم۔

ان اقوال سے امام شافعی رحمہ اللہ نے رجوع کر لیا تھا۔ اور وہ ان اقوال پر فتویٰ دینے کو درست نہیں سمجھتے تھے۔ اصحاب شافعی نے سترہ مسائل میں قول قدیم پر فتویٰ دیا ہے۔ اور وہ قول جو عراق اور مصر کے مابین اختیار کئے تو جو متاخر قول ہے وہ قول جدید ہے اور جو مقدم قول ہے وہ قول قدیم ہے۔ اور اگر کسی مسئلے میں قول قدیم اور جدید دونوں ہوں تو قول جدید پر فتویٰ دیا جائے گا سوائے تھوڑے سے مسائل کے جو تقریباً سترہ ہیں ان میں قول قدیم پر فتویٰ دیا جائے گا۔[1]

۹...... دو قول جدید اگر کسی مسئلے کے بارے میں ہوں تو بعد والے قول کو اختیار کیا جائے گا اگر پتہ چل سکے اگر نہ پتہ چل سکے اور کسی ایک پر امام شافعی رحمہ اللہ کا عمل ہو تو یہ خود بخود دوسرے کے کالعدم کرنے یا دوسرے پر اس کو ترجیح دینے کا سبب بن جائے گا۔ اور قیل کا لفظ کمزور قول کا پتہ دیتا ہے اور صحیح یا الاصح کا لفظ اس کے مخالف مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔

---

[1] تخریج کا مفہوم یہ ہے کہ دو ایک جیسی صورتوں کے امام شافعی رحمہ اللہ نے دو الگ الگ حکم بتائے ہوں اور دونوں حکموں کے الگ الگ ہونے کا بظاہر کوئی سبب بھی معلوم نہیں ہوتا۔ تو اصحاب بعد میں دونوں حکم دونوں صورتوں کے لئے ثابت کر دیتے ہیں تو ہر صورت کے بارے میں دو قول ہو جاتے ہیں۔ ۱۔ منصوص (وہ قول جو اس صورت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ نے بیان کیا) ۲۔ مخرج (وہ قول جو اصحاب نے اس صورت کے بارے میں اختیار کیا ہو جو دراصل اس سے ملتی جلتی صورت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا) چنانچہ ایک مسئلے کا منصوص قول دوسرے کا مخرج قول ہوتا ہے اور دوسرے منصوص پہلے کا مخرج ہوتا ہے اور ایسی صورتحال میں یہ کہا جاتا ہے فیھما قولان بالنقل والتخریج (ان کے بارے میں دو مختلف اقوال ہیں جو نص اور تخریج سے نکلتے ہیں اور صحیح تر بات یہ ہے کہ قول مخرج امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب نہیں ہوگا کیونکہ بسا اوقات اس قول کے بارے میں رجوع کر لیا جاتا ہے اور فرق بیان کر دیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ دونوں مسئلے بظاہر ایک ہیں لیکن دونوں میں فرق ہیں۔

''الشیخان'' سے مراد امام رافعی اور نووی رحمہما اللہ ہیں۔

۱۰......علامہ ابن حجر فرماتے ہیں مذہب میں وجہ ضعیف پر عمل درست نہیں۔ اور کسی مسئلے میں تلفیق ممنوع ہے جیسے امام مالک رحمہ اللہ کی تقلید کرے۔ کتے کے پاک ہونے کے مسئلے میں اور امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید کرے سر کے کچھ حصے کے مسح کے جائز ہونے کے مسئلے میں البتہ کسی مسئلے میں تمام شرائط کے ساتھ مکمل طور پر دوسرے کی تقلید کر لینے میں کوئی حرج نہیں اگر چہ عمل کر لینے کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے اگر کسی نے کوئی عبادت اس طرح انجام دی جو ائمہ اربعہ میں سے بعض کے ہاں درست ہو اور بعض کے ہاں درست نہ ہو تو اس کے لئے اس امام کی تقلید کر لینی درست ہے جس کے ہاں وہ عبادت درست ہوئی ہو۔ اور اس شخص پر اس نماز کی قضاء واجب نہیں ہوگی۔ اور ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہو جانا درست ہے خواہ عمل کر لینے کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔❶

مذہب حنبلی کی اصطلاحات:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب میں اقوال وآراء بہت کثرت سے ہیں، یہ یا تو اس سبب سے ہیں کہ فتاویٰ میں رائے سے کام لینے کے بعد وہ علم حدیث سے جب خوب واقف ہوئے تو اقوال پر فرق پڑا یا کسی مسئلے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی دو رائے ہو جانے کے سبب یہ ہوا یا پوچھے جانے والے مسئلوں میں حالات اور واقعات کا لحاظ رکھنے کے سبب مسائل میں اقوال وآراء بدلیں۔ مذہب حنبلی کے فقہاء اقوال وروایات کے مابین ترجیح دینے کے بارے میں دو فریق بن گئے، ایک فریق نے تو اقوال نقل کرنے کا اہتمام کیا کیونکہ یہ دین کے کمال اور جامعیت کی دلیل ہے۔ دوسرے فریق کا رجحان اس بات کی طرف ہوا کہ امام کی رائے ایک ہی بیان کی جائے۔ اور یہ اس طرح ہو کہ یا تو ترجیح دی جائے ان اقوال کے مابین دونوں اقوال کی تاریخ کے لحاظ سے۔ یا دونوں اقوال میں موازنہ کر کے یا دونوں اقوال میں سے زیادہ قوی دلیل والے اور امام کے اصول منطق کے قریب قول کو اختیار کر کے ترجیح دی جائے۔ اگر ترجیح دینا ممکن نہ ہو تو مذہب میں دو قول ہو جائیں گے بامر مجبوری، اور مقلد کو صحیح رائے کے مطابق دونوں میں اختیار ہے جس پر عمل کرے۔ کیونکہ مجتہد کے بارے میں اصول یہ ہے کہ اس کی اپنے اجتہاد کے بارے میں ایک رائے ہو اور اگر ایک مسئلے میں ایک رائے ہو تو اس مسئلے میں اس کا اجتہاد نہیں ہوگا❷ اور وہ قول واحد جسے مصنفین ذکر کریں وہ ہوتا ہے جسے ائمہ مذہب میں سے اہل ترجیح نے ترجیح دی ہو،❸ جیسے قاضی علاء الدین، علامہ علی بن سلیمان اسعدی المرداوی رحمہما اللہ جو تصحیح مذہب میں مجتہد ہیں ان حضرات نے یہ کام اپنی کتابوں الانصاف، تصحیح الفروع اور التنقیح کے ذریعے انجام دیا۔❹

۱......جب لفظ ''الشیخ'' یا ''شیخ الاسلام'' متاخرین علماء حنابلہ استعمال کریں تو اس سے مراد علامہ ابو العباس احمد تقی الدین ابن تیمیہ الحرانی (ولادت ۶۶۱ھ، وفات سنہ ۷۲۸ھ) (یعنی امام ابن تیمیہ) مراد ہوتے ہیں جن کی کتابوں، رسائل اور مسائل کے ذریعے مذہب حنبلی کی اشاعت ہوئی جیسا کہ ان کے شاگرد علامہ ابن قیم اعلام الموقعین کے مصنف جن کی وفات ۷۵۱ھ میں ہوئی کا بھی اس مذہب کی اشاعت میں بڑا کردار ہے۔

۲......اور جب علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے قبل کے متاخرین جیسے الفروع، الفائق اور الاختیارات کے مصنفین وغیرہ، الشیخ استعمال کریں تو اس سے مراد ان کی علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ (وفات ۶۲۰ھ) ہوتے ہیں جنکی تصنیفات میں المغنی، المقنع، الکافی العمدۃ، اور مختصر الہدایہ جیسی کتابیں شامل ہیں۔

---

❶......شوافع نے ان مسائل کو بائیس تک پہنچا دیا ہے مثلاً پانچ کے بقدر مغرب کا وقت گذرنے سے وقت کا نہ ختم ہونا۔ ملاحظہ کیجئے بجیری الخطیب ج ۱ ص ۴۸)

❷بجیری الخطیب ج ۱ ص ص ۵۱. ❸ ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابوزہرہ رحمہ اللہ علیہ، ص ۱۸۹ مقدمہ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۹. ❹ کشاف القناع، ج ۱ ص ۱۷، المدخل الی مذہب احمد ص ۲۰۴.

۳...... جب لفظ ''الشیخان'' بولا جائے تو اس سے مراد موفق اور مجدی یعنی ابن قدامہ رحمہم اللہ علیہم (جن کا ذکر گذرا) اور مجد الدین ابو البرکات (وفات ۶۵۲ھ) جو''المحرر فی الفقہ'' کے مصنف ہیں، ہوتے ہیں۔

۴...... اور جب لفظ الشارح بولا جائے تو شیخ شمس الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن ابوعمر المقدسی رحمہ اللہ (وفات ۶۸۲ھ) مراد ہوتے ہیں جو علامہ ابن قدامہ کے بھتیجے اور شاگرد ہیں اور جب حنابلہ 'قال فی الشرح' بولیں تو اس سے مراد یہی کتاب ہوتی ہے انہوں نے المغنی سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے ان کی کتاب کو'الشرح الکبیر'یا الشافی شرح المقنع کہا جاتا ہے، جو دس جلدوں یا بارہ اجزاء میں ہے۔ حنابلہ کے ہاں قابل اعتماد کتابیں یہ ہیں:

۱...... المغنی والشرح الکبیر۔

۲...... کشاف القناع، ابن منصور البہوتی کی تصنیف

۳...... شرح منتہی الارادات (ابن منصور البہوتی)

اور فتویٰ اور عدالتی فیصلوں میں سعودی عربیہ میں عمل علامہ بہوتی کی دونوں کتابوں پر ہوتا ہے اور شرح الزاد اور شرح الدلیل پر بھی۔

۵۔ اور جب قاضی کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد قاضی ابویعلی محمد بن الحسین بن الفراء رحمہ اللہ (متوفی سنہ ۴۵۸ھ) ہوں گے، اور جب لفظ ابوبکر بولا جائے تو اس سے ابوبکر مروزی (وفات ۲۷۴ھ) جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں مراد ہوں گے۔

۶...... جب 'وعنہ' کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے'' عن الامام احمد'' اسی طرح ''نصا'' (بطور نص) سے مراد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی طرف نسبت ہوتی ہے۔

اور آخر میں یہ بتاتا چلوں کہ اس کتاب میں میں جمہور کے لفظ سے وہ تین مذاہب مراد لوں گا جو کسی مسئلے میں چوتھے مذہب سے الگ رائے رکھتے ہوں، یعنی مذاہب اربعہ میں اگر تین ایک مسئلے کے بارے میں ایک رائے اور چوتھا مذہب کوئی دوسری رائے رکھتا ہو تو جمہور سے مراد وہ تین مذاہب بمقابلہ چوتھے مذہب کے ہوں گے خواہ کوئی سے مذاہب ہوں۔ اور اس مسئلہ کے ذیل میں کی جانے والی گفتگو سے خود ہی یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ جمہور اس مسئلے میں کون ہیں۔ اور جب میں کہیں یہ الفاظ استعمال کروں اتفق الفقہاء تو اس سے مراد ہوں ائمہ اربعہ، دوسری شاذ آراء واقوال وغیرہ مراد ہونا ضروری نہیں۔

پانچویں بحث...... فقہاء کے اختلاف کے اسباب

گذشتہ صفحات میں کی جانے والی گفتگو میں ہم نے دیکھا کہ مذاہب میں احکام شرعیہ کے بیان کرنے میں اختلاف کی صورت حال پائی جاتی ہے۔ اور یہ صورتحال صرف مذاہب کے مابین ہی محدود نہیں بلکہ ایک مذہب کے اندر خود بھی بعض مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے ایک عام شخص جس نے فقہی تعلیم میں خاص تعلیم حاصل نہ کر رکھی ہو اس طرح کے اختلاف کو بڑا اچنبھا اور عجیب سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ دین وشریعت ایک ہے اور حق بھی ایک ہوتا ہے متعدد نہیں ہوتے اور ان کی بنیاد بھی ایک ہے یعنی وحی الٰہی تو اقوال میں اتنا تعدد اور اختلاف کیوں ہے۔ ان مذاہب کو یکجا کیوں نہیں کر دیا جاتا کہ ایک ہی قول اپنا لیا جائے جس پر مسلمان عمل پیرا ہوتے رہیں کیونکہ وہ ایک امت تو ہیں اور یہ بھی خیال ہونے لگتا ہے کہ مذاہب کا اختلاف شاید شریعت میں تناقض اور اختلاف تک جا پہنچے گا یا بنیاد تک جا پہنچے گا یعنی وحی یا یہ کہ یہ اختلاف عقیدے کا اختلاف ہے جیسے غیر مسلموں کے فرقوں آرتھوڈوکس، کاتھولیک اور پروٹسٹنٹ کے مابین فرق ہے۔ العیاذ باللہ۔

یہ سب محض باطل خیالات ہیں کیونکہ ان مذاہب اسلامیہ کا آپس کا اختلاف درحقیقت امت کے ساتھ رحمت اور آسانی کا سبب ہیں۔ اور ایسا تشریعی اثاثہ اور دولت ہے جو بجا طور پر قابل فخر واعتزاز ہے۔ اور یہ اختلاف محض فروع میں ہے اور اجتہادی عملی مسائل میں ہے

جو تمدن اور زندگی کے معمولات سے تعلق رکھتے ہیں نہ کہ اصول وقواعد اور مبادی دین میں ہے تاریخ اسلام میں کہیں ایسی بات سننے کو نہیں ملتی جو یہ بتائے کہ ان فقہی مذاہب کا اختلاف کسی جھگڑے اور مسلح تصادم کا سبب بنا ہو جس سے مسلمانوں کی وحدت متاثر ہوتی ہو یا دشمن کے مقابلے میں ان کی ہمت کمزور پڑتی ہو کیونکہ یہ ایسے جزئی اختلافات ہیں جو مضر نہیں۔ ہاں عقائد کا اختلاف وحدت مسلمین کو نقصان پہنچاتا ہے اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کرتا ہے ان کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرتا ہے اور ان کے ڈھانچے کو کمزور کرتا ہے۔ لہٰذا اسلامی فقہ ہی سے رجوع کر کے ایک قانون سازی کرنا جو اسی فقہ کی بنیاد پر ہو در حقیقت امت اسلامیہ کی وحدت اور ان کے اختلافات دور کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

اس گفتگو سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ فقہاء کا اختلاف شریعت کے مصادر سے ماخوذ چیزوں تک محدود ہے بلکہ در اصل یہ اجتہاد کی ایسی ضرورت ہے جس طرف خود اجتہاد مائل ہوتا ہے (دلائل شرعیہ سے براہ راست احکام اخذ کرنے کی صورت میں، اور یہ بعینہ وہی صورتحال ہے جو دنیاوی قوانین کی وضاحت کے دوران پیش آتی ہے اور شارحین قوانین کے مابین اختلاف واقع ہونے کی صورت میں ہوتی ہے۔ اور یہ اختلاف فقہاء میں یا تو عربی زبان کی طبعیت کی وجہ سے کہ عربی زبان میں اجمال کی کیفیت ہوتی ہے یا کبھی اس کے الفاظ ایک سے زائد معانی کا احتمال رکھتے ہیں۔ یا اختلاف کا سبب حدیث کی روایت اور مجتہد تک اس کے پہنچنے کے طریقوں میں قوت یا ضعف کی کیفیت ہوتی ہے، اور یا مجتہدین کے کسی تشریعی بنیاد پر اعتماد کم یا زیادہ کرنے میں تفاوت اختلاف کا سبب بنتا ہے اور لوگوں کی مصلحتیں ان کی حاجات اور عرف کی نئی اور جدید مشکلوں کی رعایت مسائل کی تشکیل میں اختلاف کا سبب بنتی ہیں۔ اصل منبع اختلاف انسانی فکر وعقل میں واقع وہ تفاوت ہے جو نصوص شرعیہ کے سمجھنے اور ان سے احکام استنباط کرنے اور شریعت کے اسرار ورموز سے واقف ہونے اور احکام شریعہ کی علل واسباب کے ادراک کرنے میں ہوتا ہے، ہر عقل وفکر اپنے انداز میں یہ امور انجام دیتی ہے جس کے سبب اختلاف واقع ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ موجود ہونے کے باوجود نہ تو مصدر تشریعی (شریعت کا بنیادی ماخذ) کی وحدت اس سے متاثر ہوتی ہے اور نہ ہی خود نفس شریعت میں کسی قسم کے تناقض اور اختلاف کا وجود پایا جاتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ شریعت میں بذات خود تناقض نہیں، اس کے اندر اختلاف تو انسانی عجز کے سبب ہے کہ وہ اپنی عقلوں اور فہم کے تفاوت کی وجہ سے مختلف تشریحات لے آتا ہے۔ ان سب کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ مختلف آراء میں سے کسی پر بھی عمل کرنا درست ہے۔ اور مقصود اس سے ان لوگوں سے حرج رفع کرنا ہے جو سلسلہ وحی منقطع (ختم) ہو جانے کے سبب ہوا ہے، سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں پاتے کہ وہ مجتہدین میں کسی ایک کے ظن غالب کے مطابق عمل پیرا ہوں۔ اور اس کو لے لیں جو اس مجتہد نے ادلہ شرعیہ ظنیہ سے سمجھا ہے اور گمان سمجھ بوجھ کے اختلاف کو پیدا کرنے والا ہوتا ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "حاکم جب اجتہاد کرے اور درست بات تک جا پہنچے، تو اس کو دو اجر ملیں گے اور اگر غلطی کر بیٹھے تو ایک اجر ملے گا۔" ❶

ہاں جو قطعی دلائل ہوتے ہیں جو حکم شرعی پر قطعی اور یقینی طور پر دلالت کرتے ہیں بوجہ ان کے قطعی الثبوت اور قطعی طور پر بلا شبہ وشک براہ راست دلالت کرنے کے، جیسے قرآن، سنت متواترہ اور سنت مشہورہ ❷ تو ایسے احکام کے استنباط میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔

---

❶ ... یہ حدیث بخاری ومسلم میں حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطے سے آئی ہے صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے۔

❷ سنت کی احناف کے ہاں تین قسمیں ہیں۔ (۱) متواترہ (۲) مشہورہ (۳) آحاد، متواترہ وہ سنت ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے نقل کیا ہو کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا عادۃً ممکن نہ ہو اور ایسا ابتدائی تین زمانوں میں ہوا ہو یعنی عہد صحابہ عہد تابعین، عہد تبع تابعین اور سنت مشہورہ وہ ہے جو ابتداء خبر آحاد ہو (یعنی فرد واحد اس کے نقل کرنے والے ہوں) لیکن بعد کے زمانے میں (عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد) وہ مشہور ہو گئی ہو سنت آحاد وہ ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک یا دو یا دو سے زائد افراد نے نقل کیا ہو لیکن بعد میں بھی وہ حدیث مشہور نہ ہوئی ہو (بعد کے عہد میں بھی اس کے راوی بڑھے نہ ہوں)۔

فقہاء کے مابین ادلۂ ظنیہ (جن کے ثبوت یا دلالت علی المعنی والمراد میں ظن ہو قطعیت نہ ہو) سے استنباط احکام میں واقع ہونے اختلاف کے اہم اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

۱۔ **عربی زبان کے الفاظ کے معانی میں اختلاف**..... یہ اختلاف یا تو اس وجہ سے ہوگا کہ وہ لفظ مجمل ہے یا وہ لفظ دو یا زائد معانی میں مشترک ہے یا عام اور خاص معنی کے درمیان متردد ہے یا حقیقت ومجاز میں متردد ہے یا حقیقی اور عرفی معنی کے بیچ میں متردد ہے یا کبھی وہ لفظ مطلقاً بولا گیا ہے اور کبھی مقید بولا گیا ہے یا کبھی اعراب (زبر پیش) کا اختلاف اس اختلاف معنی کا سبب ہوتا ہے اور یا الفاظ میں اشتراک اس کا سبب ہوتا ہے اور الفاظ میں اختلاف یا تو مفرد لفظ میں ہوتا ہے جیسے لفظ 'قرء' جو حیض کے اور حیض کے بعد پاکی کے زمانے دونوں کے لئے بولا جاتا ہے اور حکم کے لئے لفظ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے یا محض مندوبیت (عمدگی اور مطلوبیت) بیان کرنے کے لئے ہوتا ہے اور منع کرنے کے لیے نہی کا لفظ حرمت پر دلالت کرتا ہے یا صرف کراہیت پر۔ اور یہ اختلاف کبھی مرکب لفظ میں ہوتا ہے جیسے قرآن کی اس آیت میں جو حد قذف کی آیت کے بعد آئی ہے: اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (سورۂ فاطر، آیت ۱۰) کا معاملہ ہے کہ یصعد کے لفظ کا فاعل الکلم الطیب ہے یا العمل ہے۔ اور یہ اختلاف کبھی پیش آنے رالی حالت کے اطلاق میں ہوتا ہے۔ مثلاً یہ آیت "**ولا یضار کاتب ولا شهید**" (اور ضرر نہ دیا جائے گا لکھنے والے کو اور نہ گواہ کو) (سورۂ بقرہ، آیت ۲۸۲) کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ لفظ یضار ضرر کے ان سے واقع ہونے کی حالت کا بتا رہا ہے یا ان پر واقع ہونے کی حالت کا اور عموم اور خصوص کے مابین تردد کی مثال "**لا اکراہ فی الدین**" ہے کہ کیا یہ خبر نہی کے معنی میں ہے یا یہ خبر حقیقی ہے۔

اور مجاز کی کئی اقسام ہیں۔ (۱) حذف (۲) زیادت (۳) تقدیم (۴) تاخیر۔

اور اطلاق اور تقیید کے درمیان تردد کی مثال جیسے لفظ "رقبہ" کفارۂ یمین میں مطلق آزاد کرنے کے لیے اور قتل خطا کے کفارے میں رقبہ (غلام) کے آزاد کرنے کی تقیید ایمان کے ساتھ کردی۔

۲۔ **روایت کا اختلاف**..... اس کے آٹھ اسباب ہوتے ہیں، مثلاً حدیث ایک امام تک پہنچی اور دوسرے تک نہیں پہنچی، یا پہنچی مگر ضعیف راویوں کے ذریعے کہ ایسی حدیث سے دلیل نہیں قائم ہوتی۔ اور دوسرے تک صحیح سند سے پہنچی یا ایک طریقے سے ایک تک پہنچی جن کے خیال میں یہ سند صحیح ہو جب کہ دوسرے کے خیال میں اس سند میں کوئی ایسا راوی ہے جو ضعیف ہے، جس کی وجہ سے حدیث قابل قبول نہیں جب کہ دوسرے کی نظر میں ایسا کچھ نہیں یا وہ اسے مانع نہیں سمجھتے ہیں، یہ عام طور پر راویوں کی تعدیل اور ترجیح کے طریقوں میں اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یا ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں اماموں کے پاس ایک ہی طریقے سے پہنچی مگر ان دونوں میں سے ایک امام کچھ شرائط رکھتے ہیں جب کہ دوسرے بلا کسی شرط کے اسے قبول کر لیتے ہیں۔ جیسے حدیث مرسل، وہ حدیث جسے کوئی صحابی رضی اللہ عنہ سے نیچے درجے کے راوی نقل کریں اور براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کریں یعنی صحابی کا واسطہ بتائے بغیر نقل کریں۔

۳۔ **ماخذ شریعت میں اختلاف**..... بعض دلائل ایسے ہیں جن سے استدلال کرنے کے بارے میں ائمہ کے مابین اختلاف ہے کہ ان سے استدلال کیا جائے گا یا نہیں۔ جیسے استحسان مصالح مرسلہ، قول صحابی، استصحاب حال اور ذرائع وغیرہ ان کے علاوہ براءت، اباحت

---

❶..... ملاحظہ کیجئے: بدایۃ المجتہد از ابن رشد الحفید ج ۱ ص ۵۔ حجۃ اللہ البالغۃ، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب مجددلہ ج ۱ ص ۱۱۵، الاحکام فی اصول الاحکام ابن حزم، باب ۳ اور ۶ اور ۲۵ اور ۲۶۔ الموافقات از علامہ شاطبی ج ۴ ص ۲۱۱ رفع الملام عن الائمۃ الاعلام از علامہ ابن تیمیہ اسباب اختلاف الفقہاء، از شیخ علی الخفیف، مقارنۃ المذاهب فی الفقه الشیخ محمود شلتوت مالا یجوز فیہ الخلاف، از شیخ عبدالجلیل عیسیٰ، الانصاف فی التنبیہ علی الاسباب التی اوجبت الاختلاف بین المسلمین فی آرائهم۔ از ابن سید البطلیوسی۔

یا عدم اباحت وغیرہ، کہ بعض ان کو دلیل سمجھتے ہیں اور باقاعدہ ماخذ شریعت میں شمار کرتے ہیں اور بعض نہیں۔

۴۔قواعد اصولیہ کا اختلاف.....کبھی قواعد اصولیہ کا اختلاف ان ائمہ کے مابین اختلاف کا سبب بنتا ہے جیسے یہ قاعدہ کہ عام مخصوص منہ البعض حجت نہیں بن سکتا۔اور مفہوم حجت نہیں ہوتا۔اور نص قرانی پر زیادت نسخ ہے یا نہیں اس طرح کے دیگر اصولی مسائل۔

۵۔قیاس سے اجتہاد.....سب سے زیادہ اختلاف اسی سلسلے میں ہوا ہے کیونکہ قیاس کے لئے ایک اصل، علت اور شرائط ہوتی ہیں، اور علت کی بھی شرائط اور طریقے ہوتے ہیں، اور ان سب امور میں اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے اور قیاس کے اصل پر اتفاق اور کس چیز میں اجتہاد ہوگا اور کس میں نہیں ایک ایسا معاملہ ہے جو متحقق ہونا ممکن نہیں ہوتا۔اسی طرح تحقیق مناط (یعنی فرع (وہ مسئلہ جسے قیاس کیا جارہا ہے) میں اصل کی علت کا ہونا یا نہ ہونا) فقہاء کے مابین اختلاف کا ایک اہم سبب ہے۔

۶۔ادلہ کے مابین تعارض اور ترجیح.....یہ بھی ایک ایسا اہم باب ہے جس میں بہت اختلاف ہوا ہے۔مختلف افکار میں اختلاف ہوا ہے۔اور اس میں تاویل اور تعلیل کا دعویٰ جمع اور تطبیق دینے کا دعویٰ نسخ یا عدم نسخ کا دعویٰ شامل ہے اسی طرح نصوص کے مابین یا بعض قیاسوں کے دوسرے بعض قیاسوں کے مابین تعارض کا ہونا اور سنت میں تعارض جو یا اقوال میں یا افعال میں ہوتا ہے یا کبھی تقریرات رسول (کسی معاملے کو برقرار رکھنا) اسی طرح کبھی اختلاف ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض تصرفات کو سیاست یا فتویٰ سے متعلق قرار دینے میں۔اور تعارض کے برقرار رہنے کا ایک اہم سبب مقاصد شریعت سے تعلق جوڑنا ہے (یعنی کونسا عمل مقاصد شریعت کو زیادہ احسن طریقے سے پورا کرنے والا ہے اور کونسا نہیں) اگرچہ ترتیب مقاصد سے متعلق نقطہ نظر میں اختلاف ہوجائے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ائمہ کے اجتہادات، اللہ ان ائمہ کو جزائے خیر دے، شریعت خداوندی کی مکمل طور پر ترجمانی کرنے سے قاصر ہیں اگرچہ ان میں سے کسی ایک امام کی رائے پر عمل کرنا واجب یا بعض صورتوں میں صرف جائز ہوتا ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر مسائل اجتہادی ہیں اور ظنی آراء ہیں جن کا احترام برابر طور پر ضروری ہے۔اور یہ ہرگز درست نہیں کہ آراء کے اس اختلاف کو عصبیت مذہبی اور دشمنی اور تفریق بین المسلمین جیسے سخت ناپسندیدہ امور کا سبب بنالیا جائے، وہ مسلمان جن کو قرآن کریم میں بھائی بھائی قرار دیا گیا ہے۔اور آپس میں متفق رہنے اور اللہ کی رسی تھامے رہنے کا حکم ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جو اجتہاد کیا کرتے تھے وہ اس بات سے بہت بچا کرتے تھے کہ ان کے دین کو شریعت خداوندی کہا جائے۔وہ کہا کرتے تھے کہ یہ میری رائے ہے اگر درست ہے تو اللہ کے فضل سے ہے اور اگر غلط ہے تو یہ میرا عمل ہے اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ اور اس کے رسول اس سے بری ہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو روانہ کرتے وقت اس کے سالار کو نصیحت فرماتے تو ان میں ایک نصیحت یہ ہوتی، جب تم کسی قلعے کا محاصرہ کرو اور وہاں کے لوگ اگر اللہ کے فیصلے کے مطابق ہتھیار ڈالنا چاہیں تو تم انہیں اللہ کے فیصلے کے مطابق ہتھیار مت ڈالنے دو، انہیں اپنے فیصلے کے مطابق ہتھیار ڈالنے کا کہو، کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کہ تم ان کے بارے میں اللہ کا حکم نافذ کرسکو یا نہیں۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فروع فقہیہ میں اجتہاد کے درست یا غلط ہونے کے نظریے کے بارے میں صحیح نظریے کے حامل وہ لوگ ہیں جو مخطئہ کہلاتے ہیں اور عامۃ المسلمین کا نظریہ یہی ہے شوافع اور درست قول کے مطابق احناف بھی ان میں شامل ہیں مخطئہ وہ لوگ ہیں جن کا نظریہ یہ ہے کہ مجتہدین میں سے حق اور درست صرف ایک ہی ہوتا ہے باقی مخطی (غلطی پر) ہوتے ہیں۔کیونکہ حق صرف ایک ہی ہوتا ہے کئی نہیں ہوتے ان لوگوں کی رائے کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ہر ایک مسئلے اور واقعے کے بارے میں ایک متعین حکم ہے، جو اس حکم تک پہنچتا ہے وہ مصیب (حق کو پانے والا) ہے اور باقی مخطی (غلطی پر) ہیں لیکن اجتہاد کے نتائج پر عمل درآمد کے اعتبار سے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر مجتہد کا

---

[1].....روایت از احمد، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ بروایۃ سلیمان بن یزید عن ابیہ

حکم حکم خداوندی ہی شمار ہوتا ہے، کیونکہ حق کو یقینی طور پر معلوم کرنا ممکن نہیں۔

اور اس زمانے میں مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ وہ عمل درآمد ہے اپنی شریعت پر مکمل درآمد عقیدے اور عبادت کے لحاظ سے اور اپنی زندگی کے ہر گوشے میں اسلام کے احکام نافذ کرنا ہے عبادات، معاملات، جنایات اور خارجی تعلقات وغیرہ میں۔ ان سب میں یکساں طور پر احکام شریعت کا نفاذ ہو۔

چھٹی بحث......آسان مذہب کے اختیار کرنے کے اصول وضوابط

تمہید...... مذاہب اسلامیہ کی آراء میں سے منتخب کرنے اور چھانٹنے کا عمل درحقیقت وہ گرین سگنل ہے جس نے اسلامی فکر کے ارتقاء اور بیدار کرنے کے عمل انجام دینے والوں کے لیے راستہ روشن کر دیا ہے اور ان لوگوں کے لئے بالخصوص جو عملی طور قانون سازی اور شرعی رہنمائی انجام دینے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں ایسی قانون سازی جو اسلامی فقہ کے سرچشمے سے فیضیاب ہے، اور ترقی کے تقاضوں کے ہم آہنگ اور ضرورتوں کے مطابق اور ہر زمانے اور ہر جگہ لوگوں کے فائدے اور ان کی مصلحتوں کے مطابق ہے۔

مخلص اور مصلح علماء، نہ کہ مایوس اور بے تکلف سنجیدہ بننے والے جو ازہر اور جامعہ زیتونیہ مصر اور تیونس اور دیگر اسلامی سے تعلق رکھنے والے ہیں، بیداری اور نشاۃ ثانیہ کے ان تقاضوں کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے ایک مسئلے میں متعدد فقہی آراء میں سے حق کے قریب افضل ترین اور زیادہ مناسب رائے کے اختیار کرنے کے عظیم عمل کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ وہ ایک منتخب فقہ کو تشکیل دے سکیں جو ان عہد حاضر کے تقاضوں کے مطابق ہو، یہ عظیم عمل ان اصول اور قواعد پر عمل درآمد کرتے ہوئے انجام دیا گیا۔

۱......حق ایک ہے متعدد نہیں اور اللہ کا دین ایک ہی سرچشمہ سے حاصل شدہ ہے جو کہ کتاب، سنت اور سلف صالح کا عمل ہے اور چونکہ ہم مجتہدین کی مختلف آراء میں سے یقینی طور پر حق کا تعین نہیں کر سکتے ہیں اس لئے ہمارے لئے مصلحت اور مفاد عامہ کے لحاظ سے ایک پر عمل کرنا جائز ہونا چاہئے۔

۲......شریعت کے لئے مخلص ہونا اس کے احکام پر کاربند رہنا اور اس کا ہمیشہ برقرار رہنا ہر مسلمان کا عقیدہ ہے۔

۳......حرج کا دور رکھنا اور سہولت اور آسانی جس کی بنیاد پر شریعت ہے یہ دو اصول خدا کی شریعت کے اہم اجزاء میں سے ہیں۔

۴......لوگوں کے فائدے اور نئی ضرورتوں کی رعایت اور لحاظ رکھنا ایک ایسا عمل ہے جو شریعت کی روح سے ہم آہنگ ہے، اور شریعت کی روح، خوب کھوج اور تلاش سے معلوم ہوتا ہے کہ، لوگوں کی نفع کی بنیاد پر قائم ہے۔ یعنی لوگوں کو نفع اور نقصان میں تمیز کر کے نفع کی راہ اپنانے کے لئے راہ نمائی فراہم کرنا ہی شریعت کا مقصد ہے۔ چنانچہ نفع انسانی شریعت کا ستون ہے اور لوگوں کا نفع ہے وہاں خدا کی شریعت اور اس کا دین ہے، اور زمانے کے تغیر سے احکام کا بدل جانا ایسا اصول ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔

۵......شریعت میں کسی مجتہد کے اجتہاد کی پیروی لازم نہیں اور نہ ہی اقوال فقہاء کی پیروی لازم ہے، کیونکہ لازم وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے واجب اور لازم کیا۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی انسان پر یہ لازم نہیں کیا کہ وہ دین خداوندی میں کتاب اللہ اور سنت رسول اور اس سے متعلقہ چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز پر عمل پیرا ہو۔

۶......صحیح اور راجح قول کے مطابق کسی خاص معین فقہی مذہب کی پیروی ضروری نہیں، کیونکہ یہ خالص تقلید ہے یعنی دوسرے کی بات کو بلا دلیل مان لینا ہے اور تقلید کا واجب قرار دینا ایک نئی شریعت گھڑ لینے کے مترادف ہے جیسا کہ مسلم الثبوت کے شارح کی رائے ہے۔ چنانچہ شرعاً اس بات کی کوئی ممانعت نہیں کہ ان مشہور و معروف یا غیر معروف گمنام مجتہدین کی تقلید کی جائے۔ جیسا کہ اس بات کی بھی ممانعت نہیں کہ ان مذاہب کے اقوال میں تلفیق کر لی جائے دین میں آسانی اور سہولت کے قاعدے کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ......سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۸۵

اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ مشکل نہیں چاہتا ہے۔

اور یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ عام لوگوں کا کوئی مخصوص فقہی مذہب نہیں ہوتا، ان کا مذہب تو ان کے مفتی حضرات کا اختیار کردہ مذہب ہوتا ہے۔ ان عوام الناس کو تو صرف شریعت پر عمل درآمد مقصود ہوتا ہے۔ ان کی چاہت یہ ہوتی ہے کہ ان کا عمل شرعی ہو خلاف شریعت نہ ہو لیکن فقہی مذاہب سے اس انتخاب کے عمل کی فکر ورجحان کے ساتھ آسان مذہب کو اختیار کرنے کے شرعی ضوابط سے واقفیت ضروری ہے، یہ ہمارا موضوع سخن ہوگا آنے والی گفتگو میں، ضوابط شریعہ کی معرفت اس لئے ضروری ہے کہ معاملہ حدود میں رہے کسی قسم کی بے اصولی بدنظمی کا شکار نہ ہو کر رہ جائے اور نہ ہی خواہشات اور انفرادی چاہتوں کا عمل ہو کر رہ جائے کہ جو بلا کسی دلیل شرعی کے انجام دیا جا رہا ہو، یا کسی ناقابل قبول سبب کے تحت اس پر عمل درآمد ہو رہا ہو۔ اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آسان اور وقت کے تقاضوں کے مطابق مسئلہ اختیار کرنا میرے خیال میں بجائے خود ایک اجتہادی عمل ہے جو ہر کس و ناکس کے بس کا نہیں اور نہ ہی ایسا عمل ہے جو بلا کسی حدود وقیود کے انجام دیا جائے اس موضوع پر آئندہ صفحات میں کی جانے والی گفتگو کا خاکہ یہ ہے۔

الفرع الاول: (پہلی قسم) وہ کون سے مذاہب اور آراء ہیں جن کا اختیار کرنا ممکن ہے۔

الفرع الثانی: (دوسری قسم) کسی متعین مذہب کی پیروی اصولی طور پر ایک مطلوب ومقصود امر ہے،

الفرع الثالث: کیا کسی مسئلے کی بابت کچھ پوچھنے والے پر لازم ہے کہ وہ علماء میں ترجیحی طور پر کسی ایک شخص سے سوال پوچھے جو اس کی نظر میں راجح اور اس قابل ہو یا اسے اختیار ہے کہ وہ مفتیوں میں سے جسے چاہے اس سے پوچھ لے؟

الفرع الرابع: علماء اصولیین کی کسی مسئلہ کے آسان پہلو اختیار کرنے یا دوسرے الفاظ میں رخصت تلاش کر کے اس پر عمل کرنے کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اسی طرح مختلف فقہی مذاہب کے مابین تلفیق کرنے میں کیا رائے ہے۔

الفرع الخامس: اصولی علماء کی گفتگو اور مباحث سے اخذ کردہ آسان مذہب کو اختیار کرنے کے، اصول وضوابط کیا ہیں۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ پہلی چار قسموں پر گفتگو پانچویں بحث کے لئے ایک ضروری مقدمے کی حیثیت سے ضروری ہے کیونکہ پانچویں بحث کا دارومدار اصولی علماء کے ذکر کردہ قواعد وضوابط ہیں۔ اور یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ اس موضوع کی کتنی اہمیت ہے اور یہ کتنی نافع ہے۔ اور اس کا نفع بخش ہونا ان عام مسلمانوں کے لئے بھی ہے جو اپنی درپیش ان ضرورتوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں جو انہیں ہر شعبہ حیات میں پیش آتی ہیں مثلاً عبادات، معاملات اور شخصی احوال کا دائرہ کار۔ اور ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو قانون اور عدالتی امور سے تعلق رکھتے ہیں اور جو فقہ اسلامی کی مدد سے قانون سازی کا عمل انجام دیتے ہیں، اور اس موضوع کی ضرورت ان علماء کو بھی ہے جو عام اور خاص تدریس کے پیشے سے وابستہ ہیں تاکہ وہ اس مذہبی عصبیت کو اکھاڑ پھینکیں جو تقلید محض کے سبب پیدا ہوگئی ہے جو یہ کیفیت پیدا کرتی ہے کہ دیگر اقوال فقہیہ کی دلیل کا راجح ہونا جس بات کا متقاضی ہوتا ہے اس سے آدمی صرف نظر کر لے اور اس راجح دلیل کے نتیجے میں سامنے آنے والی بات پر عمل پیرا بھی نہ ہو اور دوسرے قول کو جو مرجوح ہے چھوڑے بھی نہیں بوجہ اس کے کہ وہ اس کا اپنا فقہی مذہب ہے۔ بلاشبہ اللہ ہی سے سچی اور سیدھی بات ہے اور وہی صحیح راستہ دکھاتا ہے۔

الفرع الاول: (پہلی قسم)......وہ مذاہب اور آراء جن کا لینا ممکن ہے۔

ہمارا عظیم فقہی سرمایہ جو ان تمام احکام کو ترتیب دیتا جو لوگوں کی مشکلات کا حل پیش کرتے ہیں، اور جو سرمایہ ہمارے سلف صالحین نے ہمارے لئے چھوڑا ہے وہ سرمایہ صرف چار فقہی مذاہب، حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی تک محدود نہیں، وہ ان مشہور ومعروف تمام مذاہب پر مشتمل

ہے جواب تک باقی اور مشہور ہیں اور جو گئے وقتوں کے ساتھ ختم ہو چکے ہیں جیسے حضرت لیث بن سعد، امام اوزاعی، امام ابن جریر طبری، داؤد، ظاہری، امام ثوری رحمہم اللہ اہل سنت اور اہل تشیع کے مذاہب امامیہ اور زیدیہ اس کے علاوہ اباضیہ اور ظاہریہ اور صحابہ کرام وتابعین اور تبع تابعین کی آراء وغیرہ، یہ سب اس عظیم فقہی سرمائے کا حصہ ہیں، ہم اس فقہی سرمائے سے وہ کچھ پاتے ہیں جو ہمارے نشاۃ ثانیہ کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے میں بڑا مدد ومعاون ہو۔ کیونکہ یہ زیادہ بہتر ہے کہ ہم ان احکام کو اختیار کریں بمقابلہ ان غیر شرعی احکام کے جو مغربی یا شرقی مآخذ سے نکلے ہوئے ہوں اللہ کا دین یسر اور آسانی کا نام ہے نہ کہ تنگی کا اور نہ ہی دین خداوندی میں کوئی حرج اور مشکل ڈالے رکھنے کا تصور ہے۔ فوائد کا حصول اور حاجات کا پورا کرنا شرعاً ایک قابل انجام وہی فعل ہے۔ لہٰذا قانون کے وضع کرنے والے کسی شخص یا ادارے کے لئے ان تمام فقہی آراء ومذاہب کو پیش نظر رکھتے ہوئے قوانین وضع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ قاضی اور جج کے بارے میں میری یہ رائے ہے کہ وہ اس بات کا پابندر ہے مذاہب اربعہ کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے فیصلے کرے تاکہ وہ عرف عام کا پابند رہے۔ یہ بات معلوم ومشہور ہے کہ عرف نص کی تخصیص تک کردیتا ہے اور میں یقینی طور پر یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ جب کوئی قانون ساز شخص جب کسی مذہب کے آسان ہونے کے بارے میں بات کرے یا حوالہ دے تو اس سے اس کا مقصود وہ مذاہب ہوتے ہیں جو اسلامی ممالک میں زیر عمل ہیں، اور مذاہب سے مراد مجتہدین کی آراء ہیں۔

کسی بھی قانون ساز کے عمل کے درست ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عام مسلمان مخطئہ کی نظریے کی تائید کرتے ہیں جن کی رائے کے مطابق حق ایک ہوتا ہے کئی نہیں ہوتے، اور مجتہدین میں سے حق تک پہنچنے والا صرف ایک ہوتا ہے سب نہیں، لیکن باقی گناہ گار بھی نہیں ہوتے کیونکہ وہ تو اس عمل کو کرنے کا مکلف ہوتا ہے جو اس کا اجتہاد سے بتاتا ہے اور جو اس کے گمان پر غالب ہوتا ہے، چنانچہ اس بارے میں بعض علماء فرماتے ہیں صحیح بات، جس کے علاوہ کوئی اور بات صحیح ہو نہیں سکتی، یہ ہے کہ اللہ کا دین ایک ہے اور وہ ہے جو اس نے اپنی کتاب میں اتارا اور رسول کو اسے لے کر بھیجا اور اس کو اپنے بندوں کے لئے پسند کیا جیسے اللہ کے نبی بھی ایک ہیں اور اللہ کا متعین کردہ قبلہ بھی ایک ہے تو جو شخص اللہ کے متعین کردہ ان امور کی موافقت کرتا ہے حقیقت میں وہی درست ہے اور ٹھیک ہے اور جو خطا کرتا ہے تو اسے صرف اجتہاد کی کوشش پر ایک اجر ملتا ہے۔ اس کی غلطی پر نہیں اور یہ بات ہی صحیح اور درست ہے ائمہ اربعہ کے ہاں لہٰذا اور حق اور درست بات یا خلق کے لئے نافع بات کا ان اقوال فقہیہ میں سے تلاش کرنا ضروری ہے جو اقوال اپنے قائلین کی طرف درست طور پر منسوب ہوں۔ اور ان میں سے ان اقوال کو چھوڑ دیا جائے جو شاذ ہیں اور اصول ومآخذ کے برخلاف ہیں۔ اور یہ واجب اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ اور تابعین رحمہ اللہ کی اتباع کا حکم فرمایا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۝ سورۃ توبہ، آیت ۱۰۰

اور مہاجرین اور انصار میں پہلے اور اول کے وگ اور جنہوں نے ان کی پیروی کی اچھائی کے ساتھ اللہ ان سے اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اور اللہ نے ان کے لئے تیار کر رکھا ہے باغات کو جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

اور امام شافعی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کی رائے ہمارے بارے میں، اپنے بارے میں ہماری رائے سے بہتر ہے [1] اور حضرت عز بن عبد السلام سے منقول ہے کہ مدار اس پر ہے کہ مذہب مقلد کے پاس ثابت ہو جائے [2] اور اس کا گمان اس مذہب کے صحیح ہونے کے بارے میں غالب ہو جب اس کے پاس ایک مذہب ثابت ہو جائے تو اس کے لئے اس مذہب کی تقلید کرنا درست ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ مذہب ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور کا ہو، اور علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ جو شخص مسلمان ہو تو

[1]......اعلام المو قعین، ج ۲، ص ۲۱۱ طبع عبد الحمید۔ [2] مسلم الثبوت، ج ۲ ص ۳۳، طبع الکر دری، مصر

اس کے لئے جس عالم کی وہ چاہے تقلید کرنے کی اجازت ہے بلا کسی پابندی کے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع تھا کہ جو شخص حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما سے دینی مسائل میں رہنمائی لے اور ان کی تقلید کرے اس کے لئے حضرت ابوہریرۃ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بھی مسائل دریافت کرنا اور ان پر عمل کرنا بلا کسی نکیر کے درست ہے جو شخص ان دونوں اجماع کے ختم ہو جانے کا دعویٰ کرے (یعنی علامہ عراقی کے بیان کردہ دونوں اجماع) تو اس کے ذمے سے اس بات کی دلیل بیان کرنا ضروری ہے❶ اس گفتگو سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ لوگوں پر صرف ائمہ اربعہ میں کسی ایک کی پیروی لازم کرنے کی کوئی دلیل نہیں، وہ ائمہ اربعہ اور دوسرے ائمہ برابر ہیں، اور ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر کی بھی اتباع درست ہے اگر ان سے منسوب قول کی صحت کا یقین ہو جائے جیسے کہ علامہ عز بن عبدالسلام کے قول سے یہ واضح ہوتا ہے۔

الفرع الثانی (دوسری قسم)......کیا ایسی معین مذہب کی پیروی اصولی طور پر ضروری ہے؟ علماء اصول اس بارے میں تین قسم کی رائے رکھتے ہیں۔

۱......بعض کی رائے یہ ہے ایک معین مذہب پر قائم رہنا واجب ہے کیونکہ اس مذہب کے مقلد نے اس کو برحق سمجھا تھا تو اپنے عقیدے کے مطابق اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

۲......اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ کسی معین کی تقلید تمام مسائل اور درپیش معاملات میں ضروری نہیں، بلکہ انسان جس کی چاہے تقلید کر سکتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے ایک متعین مذہب کو اپنا لیا جیسے مذہب حنفیؒ یا مذہب شافعیؒ تو اس کے لئے اس پر قائم رہنا ضروری نہیں، اس کے لئے اس مذہب کو چھوڑ کر دوسرے کو اپنانا درست ہے۔ کیونکہ واجب تو صرف وہ امور ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے واجب کئے، اور اللہ اور اس کے رسول نے کسی پر یہ لازم نہیں کیا کہ وہ ایک متعین امام کے مذہب کو اپنائے، اللہ تعالیٰ نے تو علماء کی اتباع بلا کسی تخصیص کے لازمی قرار دی۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝ (سورۃ الانبیا آیت ۷)

اور پوچھو اہل نصیحت سے اگر تم نہ جانتے ہو۔

اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانے میں مسائل دریافت کرنے والے کسی ایک مذہب متعین کے پیرو نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ وہ جس سے پوچھنا ممکن ہوتا پوچھ لیا کرتے تھے بلا کسی تلقین وتقیید کے۔ تو گویا یہ ان کا طرز عمل ایک طرح کا اجماع ہے اس بات پر کہ کسی امام کی تقلید یا کسی متعین مذہب کی تمام مسائل میں پیروی ضروری نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی بھی متعین مذہب کی پیروی کا ضروری قرار دینا تنگی اور پریشانی کا سبب بن جاتا ہے جب کہ مذاہب کا ہونا بجائے خود ایک نعمت، راحت اور باعث فضیلت بات ہے۔ یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا۔ یہ علماء اصول کے ہاں راجح بات ہے۔

۳......علامہ آمدی اور علامہ محقق کمال ابن ہمام نے اس مسئلے میں تھوڑی تفصیل بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اگر کچھ مسائل میں متعین مذہب کی پیروی اپنے لئے لازم کر کے ان پر عمل کرتا ہے تو اس کے لئے دوسرے مذہب کی تقلید ان مسائل میں درست نہیں، البتہ اگر دوسرے مسائل میں وہ متعین مذہب کو اپنے لئے لازم نہیں کرتا ہے تو ان مسائل میں اس کے لئے دوسروں کی تقلید کرنا درست ہے۔ کیونکہ شریعت میں یہ بات کہیں نہیں ملتی ہے کہ اس پر اپنے اوپر خود لازم کردہ چیز کی اتباع ضروری ہو۔ شریعت نے تو اس پر علماء کی اتباع لازم رکھی ہے

❶......اعلام الموقعین، ج ۴، ص ۲۶۳۔

بلا کسی تخصیص کے ایک عالم کی دوسرے عالم سے ❶ اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء اصول کے ہاں صحیح ترین اور راجح قول یہ ہے کہ ❷ کسی متعین مذہب کی پیروی ضروری نہیں اور جس مذہب کی پیروی کوئی شخص کر رہا ہے اس کے لئے اس مذہب کے امام کی مخالفت کرنا درست ہے اور دوسرے امام کے قول کو اختیار کرنا درست ہے کیونکہ مذہب کو اپنے اوپر لازم کر لینے سے وہ لازم نہیں ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، اور اس بنا پر اصولی طور پر عصر حاضر میں اس بات سے مطلقاً کوئی ممانعت نہیں کہ مختلف مذاہب کے علماء کے بیان کردہ شرعی احکام کو اختیار کر لیا جائے بغیر اس بات کہ پورے مذہب کی پابندی کی جائے یا اس کی تفصیلات بھی اپنائی جائیں۔

مزید برآں یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ فقہاء نے مذہب کے قول ضعیف پر بوقت حاجت عمل کرنے کو درست قرار دیا ہے ان کے اقوال اگلی عبارتوں میں ہم پیش کرتے ہیں۔

۱..... قاضی کے لئے درست ہے کہ وہ اپنے مذہب کے علاوہ دوسرا مذہب بھی اختیار کر سکتا ہے بوقت ضرورت حضرت عطاء بن حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ۔

۲..... قاضی کے لئے اپنے مذہب کے غیر معروف قول پر عمل درست ہے اگر حاکم وقت اس کا حکم دے دے۔ الدر المختار کی عبارت۔

۳..... قاضی کے لئے ایسے قول پر فیصلہ کرنا درست ہے جو فاسد ہو اور اس کا فیصلہ کالعدم نہیں ہوگا کیونکہ یہ اجتہادی معاملہ ہے بشرطیکہ وہ قول دوسرے کے مال کو ناجائز طریقے سے لینے یا خواہش نفسانی کی اتباع کی غرض کے لئے نہ ہو، **جامع الفصولین وتعلیلها** کی عبارت۔

۴..... ضرورت کے مواقع میں ضعیف قول پر فتویٰ دینا اور عمل کرنا درست ہے، المعراج کی عبارت فخر الائمہ کے حوالے سے۔

۵..... ضعیف قول پر عمل اپنے ذات کے لئے درست ہے، اور فتویٰ جب دیا جاسکتا ہے جب مفتی کے لئے ضرورت محقق ہو جائے۔ (علامہ سوقی مالکی کی عبارت)

۶..... اگر قول ضعیف کے اختیار کرنے کی غرض خواہشات نفسانی اور اپنی غرض ہو تو اس صورت میں اس قول کو اپنانے کا اختیار نہیں دیا جائے گا اپنی ہوائے نفس کی پیروی اور دنیاوی فوائد کے حصول سے روکنے کے لئے۔ ❸

۷..... مقلد کا مشہور قول پر عمل چھوڑ کر غیر معروف قول پر عمل کرنا جب کہ مقصود صرف رخصتوں اور آسانیوں کو تلاش کرنا نہ ہو ان حضرات کے ہاں جائز ہے جو زیادہ راجح کی تقلید کو ضروری قرار نہ دینے کی رائے رکھتے ہیں۔ یہ علماء اصولین میں سے اکثر کی رائے ہے، اور مقلد کے لئے مجتہدین کے اقوال میں سے جسے چاہے اختیار کرنے کی اجازت ہے اس کی ممانعت پر اجماع کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے۔ فتاویٰ الشیخ علیش۔ (ج ۱ ص ۶۱)

---

❶ ..... ملاحظہ کیجئے فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت از عبد الشکور ج ۲ ص ۴۰۲، مسلم الثبوت ج ۲ ص ۳۵۵، شرح المحلی علی جمع الجوامع ج ۲ ص ۳۲۸، الاحکام فی اصول الاحکام از علامہ آمدی ج ۳ ص ۱۷۴ التقریر والتحبیر ج ۳ ص ۳۴۰ شرح الاسنوی ج ۳ ص ۲۶۶ المدخل الی مذہب الامام احمد، ص ۱۹۳ ارشاد الفحول ص ۲۴۰ فتاوی الشیخ علیش ج ۱ ص ۶۰۔ ❷ شوانی فرماتے ہیں صحیح ترین بات متاخرین جیسے شیخ ابن حجر وغیرہ کے کلام سے یہ ظاہر ہوتی ہے کہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونا درست ہے وہ مذاہب جو باقاعدہ مدون ہیں۔ خواہ محض خواہش نفس کے تحت ہی ایسا کیوں نہ ہو۔ اور خواہ مستقل طور پر منتقل ہو یا کسی ایک خاص واقعے میں، خواہ وہ فتویٰ یا حکم یا عمل اس کے خلاف انجام دے جب تک کہ اس سے تلفیق نہ لازم آتی ہو (ملاحظہ کیجئے الفوائد المکیة فیما یحتاجه طلبة الشافعیه من المسائل والضوابط والقواعد الکلیة از سید علوی بن احمد السقاف ص ۵۱ طبع البابی الحلبی)۔ ❸ **الاجتهاد** فی السلام الشیخ استاد محمد مصطفی المراغی ص ۳۲۔۳۹ مذکورہ بالا کتب کے حوالے سے رسم المفتی از علامہ ابن عابدین۔ ج ۱ ص ۶۹۔

۸۔۔۔۔۔اسی طرح اپنی ذات کے لئے اقوال آراء ضعیفہ پر عمل کرنا اور انہیں اپنانا درست ہے البتہ صحیح قول کے مقابلے میں ایسا عمل کرنا درست نہیں کیونکہ اس صورت میں غالب یہ ہے کہ عمل فاسد ہوگا۔اور دوسرے کے لئے ترغیبی طور پر ایسے قول پر فتویٰ دینا درست ہے،الفوائد المکیۃ فیما یحتاجہ طلبۃ الشافعیہ القاف(ص۵۱)

الفرع الثالث (تیسری قسم)۔۔۔۔۔کیا علم میں سب سے افضل اور راجح شخص سے سوال لازم ہے یا جو شخص باسہولت دستیاب ہو اس سے سوال کیا جاسکتا ہے؟

علماء اصولیین اس مسئلے کے بارے میں یہ عبارت استعمال کرتے ہیں کیا افضل کی موجودگی میں مفضول (جیز دوسروں کو فضلیت دی گئی ہو) کی تقلید جائز ہے اس سلسلے میں علماء کی دو رائے ہیں۔[1]

۱۔۔۔۔۔ایک جماعت جن میں ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ،ابن سریج شافعی قفال شافعی ابو اسحٰق الاسفرائینی جو استاذ کے لقب سے مشہور ہیں،ابوالحسن الطبری جو کیا کے لقب سے مشہور ہیں،امام غزالی رحمہ اللہ اور شیعہ مشہور قول کے مطابق شامل ہیں،کا خیال یہ ہے کہ سوال علم تقویٰ اور دین میں سب سے افضل شخص سے پوچھنا لازم ہے اور سوال کرنے والے پر راجح تر بات غور سے دیکھنی پھر اس کی اتباع کرنا ضروری ہے،اور اس سلسلے میں شہرت پر اکتفاء کیا جاسکتا ہے۔امام غزالی رحمہ اللہ المستصفی میں فرماتے ہیں[2] ''میرے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ آدمی پر افضل کی اتباع لازم ہے،چنانچہ جو یہ گمان رکھتا ہو کہ امام شافعی رحمہ اللہ سب سے افضل ہیں اور ان کے مذہب کا غالب ترین حصہ ہی حق اور صواب پر مشتمل ہے تو ایسے شخص کے لئے خواہش نفسانی کی بناء پر دوسرے امام کا مسلک اختیار کرلینا درست نہیں ہوگا۔ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مجتہدین کے اقوال عام لوگوں کی بہ نسبت دلائل کی اور مجتہدین کی نسبت علامت کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا مسائل پر ترجیح دینا لازم ہے اور ترجیح عام آدمی کے لئے علم اور فضلیت کی بناء پر ہوسکتی ہے کیونکہ زیادہ بڑا عالم قوی ہوتا ہے۔اور زیادہ بڑے عالم کا جاننا یا تو امتحان کے یا تجربے سے (ان سے استفادہ کرتے کرتے واقف ہوجانے سے) ہوتا ہے یا شہرت اور ان کا نام ہر جگہ سنے جانے اور لوگوں کے ان کی طرف رجوع سے ہوتا ہے۔

۲۔۔۔۔۔قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ اور اکثر فقہاء اور اصولیین فرماتے ہیں[3] سوال کرنے والے کو اختیار ہے کہ وہ جن علماء سے چاہے سوالات کرسکتا ہے خواہ وہ آپس میں برابر ہوں یا ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوں یعنی کم درجے کے عالم کی تقلید افضل شخص کی موجودگی میں

---

[1] ۔۔۔۔۔ملاحظہ کیجئے التقریر والتحبیر ج ۳ص ۳۴۵،فواتح الرحموت ج ۲ص ۴۰۳، مسلم الثبوت ج ۲ ص ۳۵۴،اللمع فی اصول الفقہ للشیرازی ص ۶۸، الاحکام للآمدی ج ۳،ص ۱۷۳، المدخل الی المذہب احمد ص ۱۹۴ فتاوی الشیخ علیش ج ۱ص ۶۱۔۷۔ حاشیہ ابن عابدین ج ۱ص ۴۵ طبع الدمیریہ رسالۃ فی اصول الفقہ، ابن عربی ص ۳۲، المستصفی ج ۲،ص ۱۲۵ ارشاد الفحول ص ۲۳۹۔

نوٹ۔۔۔۔۔استفتاء کہتے ہیں کسی مجتہد سے کسی حکم کے بارے میں اس پر عمل کرنے سے سوال کرنا خواہ مسئول وہ مجتہد خود ہو یا وہ شخص ہو جو مجتہد سے صحیح طور پر نقل کرتا ہو خواہ خود براہ راست خواہ کسی کے واسطے سے۔

ملاحظہ کیجئے:تحفہ الرأی السدید۔ از احمد الحسینی ص ۲۳۹

[2] ۔۔۔۔۔المستصفی الامام الغزالی ج ۲۔ص ۱۲۵۔[3] علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ اپنے حاشیے میں تحریر اور اس کی شرح سے نقل فرماتے ہیں:اور اس بات کو حنفیہ،مالکیہ اکثر حنابلہ اور شوافع سب بیان کرتے ہیں اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ کے فتاوٰی کے آخر میں ہے:شوافع کے ائمہ کے ہاں صحیح تر بات یہ ہے کہ مقلد کو اختیار ہے کہ وہ علماء میں سے جس کی چاہے تقلید کرے۔اگرچہ وہ مفضول ہو اور مقلد یہ سمجھتا بھی ہو کہ وہ مفضول ہے،اور اس صورت میں یہ ممکن نہیں کہ وہ مکمل قطعی یا مکمل ظنی طور پر یہ کہہ سکے کہ مجتہد صواب پر ہے بلکہ مقلد پر لازم ہے کہ وہ یہ گمان رکھے کہ جس مذہب کو اختیار کیا ہے وہ حق اور صواب ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔حاشیہ ابن عابدین جلد ۱ص ۴۵۔

کرنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں عموم ہے فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (اور پوچھو اہل نصیحت سے اگر تم نہیں جانتے ہو سورۃ الانبیاء آیت ۷) اور دوسرا سبب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے، اور وہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں افضل اور کم درجے کے مجتہد حضرات بھی تھے اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ اور کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے یہ منقول نہیں کہ عام افراد کو صرف مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم سے مسائل معلوم کرنے کا مکلف بنایا گیا ہو۔ اور اگر اس قسم کا اختیار (کہ جس سے چاہے پوچھ لیں) ناجائز ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر تنکیر نہ کرنے میں اس طرح متفق نہ ہوتے۔ علامہ آمدی یہ اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں ❶ صحابہ رضی اللہ عنہم میں افضل اور مفضول دونوں قسم کے مجتہدین موجود تھے کیونکہ چاروں خلفاء دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں اجتہاد سے زیادہ واقف تھے اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر میری اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے اس کو دانت سے پکڑے رہنا ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سب سے زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والے علی رضی اللہ عنہ ہیں وراثت کے احکام سے زیادہ واقف زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں اور تم سب میں حلال اور حرام سے زیادہ واقف معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں عوام بھی تھے اور ایسے بھی تھے جن پر مجتہد صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتباع اور ان کے قول پر عمل درآمد لازم ہوتا مگر اس کے باوجود صحابہ اور سلف سے یہ منقول نہیں کہ عوام کو مجتہد صحابہ کے بارے میں غور وخوض کا مکلف بنایا گیا ہو اور نہ ہی ان میں سے کسی نے مفضول کی اتباع اور اس سے سوال پوچھنا باوجود افضل موجود ہونے کے قابل نکیر قرار دیا اگر یہ کام (افضل کی موجودگی میں مفضول کی اتباع) ناجائز ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس سے منع نہ کرنا اور اس پر نکیر نہ کرنا ایک نادرست عمل ہوتا۔

اور اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع نہ ہوتا (یعنی افضل کی موجودگی میں مفضول کی تقلید پر) تو فریق ثانی کی بات ہی ماننا درست اور اولیٰ ہوتا۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا قول ہی زیادہ راجح ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع مختلف اقوال میں اختیار دینے اور جس عالم سے چاہے سوال کر لینے کی اجازت پر اس قول کی واضح تائید ہے۔

الفرع الرابع (اصولی علماء کی آسان مذہب کو اختیار کرنے (یعنی رخصتیں تلاش کرنے) اور **تلفیق بین المذاهب** (مختلف مذاہب کی مختلف آراء میں سے بعض کو بعض سے ملا کر ایک نئی رائے قائم کرنا) کے بارے میں آراء:

ہم نے جو کچھ تفصیلی گفتگو کی کہ شریعت میں انسان کو ایک متعین مذہب کا پابند کرنے کے حکم کا کوئی ثبوت نہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رخصتوں کو ڈھونڈ کر ان پر عمل پیرا ہونا اور تلفیق کا عمل درست ہے تتبع الرخص (رخصتوں کو ڈھونڈنا) یا آسان قول کو اختیار کرنے کا مفہوم یہ ہے انسان ہر مذہب میں سے وہ بات اختیار کرے جو درپیش مسائل میں اس کے لئے آسان اور ہلکی ہو۔ اصولی علماء نے اس بارے میں آٹھ اقوال نقل کیے ہیں میں ان کو مختصراً بیان کرتا ہوں پھر ان میں سے قوی نظریے پر گفتگو کروں گا۔

۱.....امام شافعی رحمہ اللہ کے اکثر اصحاب (تلامذہ) نے یہ قول اختیار کیا ہے، اور اس قول کو علامہ شیرازی، خطیب بغدادی، ابن صباغ، باقلانی اور علامہ آمدی رحمہم اللہ نے صحیح قرار دیا ہے، کہ انسان کو اقوال میں سے کوئی سا بھی اختیار کرنے کی اجازت ہے کیونکہ صحابہ کا افضل کی موجودگی کے باوجود مفضول کے قول پر عمل پیرا ہونے پر نکیر نہ کرنے کا اجماع اس کی دلیل ہے۔

۲.....اہل ظاہر اور حنابلہ کا قول یہ ہے کہ سب سے سخت اور اشد قول کو اختیار کرے۔

۳.....تیسرا قول یہ ہے کہ سب سے ہلکے مذہب کو اختیار کرے۔

۴.....سب سے زیادہ مقبول عام مجتہد کو تلاش کر کے اس کے قول کو اختیار کرے۔

---

❶.....الاحکام للآمدی، جلد ۳ صفحہ ۱۷۳

۵..... سب سے مقدم مجتہد کا قول اختیار کرے۔ اس قول کو رویانی نے روایت کیا ہے۔

۶..... اس کے قول کو لے جو رائے کے بجائے روایت پر عمل کرتا ہو۔ یہ قول علامہ رافعی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

۷..... مقلد پر واجب ہے کہ مجتہدین کے مابین اختلافی مسائل میں خوب غور و خوض کرے کہ کس کو اختیار کرنا ہے۔ یہ قول علامہ ابن سمعانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے الموافقات میں اسی قول کو اختیار کیا ہے یہ قول علامہ کعبی رحمہ اللہ کی رائے کے قریب ہے۔

۸..... حقوق اللہ کے معاملے میں آسان ترین اور حقوق العباد کے معاملے میں سخت ترین قول اختیار کیا جائے گا یہ قول ابو منصور ماتریدی نے نقل کیا ہے ان میں سے اس موضوع کے بارے میں تین رائیں مشہور قرار دی جاسکتی ہیں اور ہم انہی تین پر گفتگو کریں گے۔

۱..... حنابلہ ❶ مالکیہ صحیح قول کے مطابق اور امام غزالی فرماتے ہیں کہ مذاہب میں رخصتوں کو چن کر تلاش کرنا ممنوع ہے۔ کیونکہ یہ خواہشات نفس کی طرف میلان ہے اور شریعت نے ہوائے نفس کی پیروی سے ممانعت فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ...... سورۃ النساء، آیت ۵۹

اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔

چنانچہ متنازع فیہ چیزوں کو خواہشات نفس کی طرف لوٹانا ہرگز درست نہیں ایسے امور کو شریعت کی طرف لوٹانا ضروری ہوگا۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ کسی عامی شخص کے لئے رخصتوں کا تلاش کرنا بالاجماع ممنوع ہے، حنابلہ کی عبارت اس بارے میں یہ ہے ❷ اگر دو مجتہد سوال کرنے والے کی نظر میں برابر ہوں فضیلت میں، البتہ دونوں اسے مختلف جواب دیں تو اس شخص پر لازم ہے کہ وہ ان دونوں کے جوابوں میں سے زیادہ سخت قول کو اختیار کرے۔ کیونکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”عمار“ کو دو کاموں میں جب بھی اختیار دیا گیا انہوں نے اشد (زیادہ سخت) کو اختیار کیا اور ایک روایت میں ہے ارشدھما (ان میں زیادہ ہدایت کے قریب) امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے اس حدیث کو نسائی رحمہ اللہ اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے ان دو لفظوں سے ثابت ہوا کہ اشد (سخت) کے اختیار کرنے میں ہی رشد (ہدایت) ہے۔ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ مستفتی ان دونوں مجتہدوں کے متعارض اقوال کو ساقط سمجھے اور دوسرے شخص سے سوال کرے۔ مالکیہ کی عبارت اس بارے میں یہ ہے ❸ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ مذاہب میں رخصتوں کو تلاش کرنا ممنوع ہے یعنی مذہب میں سے وہ حکم اختیار کرنا جو آسان اور ہلکا ہو آنے والے مسائل کے لئے۔ ایک قول یہ ہے کہ ایسا کرنا ممنوع نہیں بعض لوگوں نے رخصتوں کے تلاش کرنے والے کے فسق کی صراحت کی ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ اختلافی مسائل میں سے ایسے نکلے کہ زیادہ سخت قول کو اختیار کرے کیونکہ دین جس کی نظر میں بلند مرتبہ رکھتا ہے وہ تقویٰ اختیار کرتا ہے اور جس کی نظر میں کم تر ہوتا ہے وہ بدعتوں کا ارتکاب کرتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے ❹ کسی عامی شخص ❺ کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مختلف مذاہب میں سے ہر مسئلے میں اپنے نزدیک صاف اور آسان صورت چن لے اور توسع سے کام لے بلکہ اس طرح کے اختلافی مسائل میں ترجیح کی حیثیت ایسی ہے جیسے دو متعارض دلیلوں

---

❶ امام رازی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات فرمائی ہے۔ ❷ ابن بدران حنبلی ”المدخل“ میں فرماتے ہیں حق یہ ہے کہ مقلد پر سب سے افضل مجتہد ہی سے سوال کرنا لازم نہیں کیونکہ اس کے برخلاف قول تقلید کا دروازہ بند کر دیتا ہے ہاں ہم اگر اس سے اس کے شہر کے مجتہدین مراد لیں تو اس پر افضل کی تقلید لازم ہوگی۔ کیونکہ سب سے مشہور سب سے افضل ہوتا ہے (ص ۱۹۴) ❸ ارشاد الفحول از علامہ شوکانی ص ۲۴۰ فتاوی شیخ علیش ج ۱ ص ۷۱۔ ❹ المستصفی، حوالہ سابق۔ ❺ اصولیین کی اصطلاح میں عامی وہ ہوتا ہے جو اجتہاد کا اہل نہ ہو اگرچہ وہ کسی دوسرے اپنے فن سے آگاہ ہو جس کا تعلق احکام کے استنباط سے نہ ہو (یعنی خواہ دنیاوی علم رکھتا ہو مگر علم شریعت نہ ہو)

کے مابین ترجیح دینے کی حیثیت مفتی کے نزدیک ہوتی ہے اور مفتی کے ذمے ایسی صورت میں اپنے ظن کے مطابق چلنا ہوتا ہے (نہ کہ خواہش نفس کے مطابق) اسی طرح یہاں بھی ہے۔

۲.....علامہ قرافی مالکی، امام شافعی رحمہما اللہ کے اکثر اصحاب (تلامذہ) اور احناف رحمہ اللہ کے ہاں راجح قول کے مطابق، احناف میں سے محقق ابن ہمام اور صاحب مسلم الثبوت خاص طور پر ❶ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مذاہب کی رخصتوں کا تتبع کرنا درست ہے کیونکہ شریعت میں اس کی کوئی ممانعت نہیں ملتی اور دوسری بات یہ کہ انسان کے لئے یہ درست ہے کہ وہ آسان ترین بات کو اختیار کر لے اگر اس کے اختیار کرنے کی گنجائش ہو اور وہ اس طرح کہ اس نے کسی دوسری بات پر عمل نہ کیا ہو اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور فعلی سنت اس کے جواز کی متقاضی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کاموں کے درمیان جب بھی اختیار دیا جاتا آپ ان میں سے آسان ترین کو اختیار کرتے اگر وہ گناہ نہ ہوتا ❷ اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے تخفیف کیے جانے کو پسند فرماتے تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں سادی آسان ترین چیز دے کر مبعوث کیا گیا ہوں ❸ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا بے شک یہ دین آسان ہے اور کوئی شخص دین سے سختی نہیں کرتا مگر یہ کہ دین اس پر غالب آجاتا ہے ❹ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ نے کچھ فرائض فرض کئے ہیں اور کچھ سنتیں مقرر کی ہیں اور کچھ حدیں معین فرمائی ہیں۔ اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا ہے اور دین کی تشریع کی ہے سو اس کو آسان سادہ کشادہ اور وسیع بنایا اور اس کو تنگ نہیں بنایا ❺ علامہ شعبی فرماتے تھے جب بھی کسی شخص کو دو کاموں میں اختیار دیا جائے اور وہ ان میں سے آسان کو اختیار کرے تو وہ یقیناً ان دونوں میں سے زیادہ پسندیدہ کام ہوگا اللہ تعالیٰ کے ہاں۔“

علامہ قرافی رحمہ اللہ اس مسئلے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ رخصتوں کا تتبع جائز ہے بشرطیکہ اس کے نتیجے میں ایسا عمل ظہور میں نہ آئے جو ان تمام کے نزدیک باطل ہو جن کی یہ شخص تقلید کر رہا ہے۔ یعنی دوسرے کے مذہب کی تقلید کے جواز کی شرط یہ ہے کہ وہ تلفیق کا سبب نہ بنے ❻ مقصود یہ ہے کہ رخصتوں کا تتبع ایسے کام میں نہ ڈال دے جس کے باطل ہونا ان دونوں اماموں کے ہاں متحقق ہو جن کی یہ تقلید کرتا ہے اور وہ جن کے مذہب کو اس نے اختیار کیا ہے۔ جیسے مثلاً امام مالک رحمہ اللہ کی تقلید اس مسئلے میں کرے کہ وضو عورت کو بلا شہوت چھونے سے نہیں ٹوٹتا اور امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید کرے۔ اعضاء وضو کو ملنے کے عدم وجوب کے مسئلے میں یا پورے سر کے مسح کے عدم وجوب میں ان کی تقلید کر لے، کیونکہ ایسی صورت میں اس کی نماز دونوں اماموں کے ہاں باطل ہو جائے گی کیونکہ وضو دونوں کے ہاں صحیح نہیں ہوا (امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں وضو اس لئے صحیح نہیں کہ ان کے ہاں دلک (ملنا) اور پورے سر کا مسح واجب ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں اس لئے صحیح نہیں کہ عورت کو چھونا ان کے ہاں ناقض وضو ہے۔) یہ بات پیش نظر رہے کہ علامہ قرافی نے جو یہ قید لگائی ہے کہ تتبع رخصت کے نتیجے میں ایسی چیز پر عمل نہ ہو جو ان دو یا زائد ائمہ کے ہاں باطل جن کی یہ شخص تقلید کر رہا ہے قید بلا دلیل ہے نہ نص سے اس پر دلیل ہے اور نہ اجماع سے یہ بعد میں لگائی جانے والی قید ہے جیسا کہ محقق ابن ہمام نے تحریر میں یہ قرار دیا ہے۔ اور بات یہ ہے کہ جب ایک شخص کے لئے کسی مجتہد کی کسی بات سے کلی طور پر مخالفت کرنا جائز ہے اور اس کی بات سے جزوی اختلاف بطریق اولیٰ جائز ہوگا جیسا کہ صاحب تیسیر التحریر نے یہ بات فرمائی ہے

---

❶..... مسلم الثبوت ج ۲ ص ۳۵۶، ارشاد الفحول ص ۲۴۰، شرح المحلی علی جمع الجوامع ج ۲ ص ۳۲۸، شرح الاسفوی ج ۳ ص ۲۶۶، رسم المفتی فی حاشیۃ ابن عابدین ج ۱ ص ۶۹، الفوائد المکیۃ، علامہ سقاف ص ۵۲. ❷ یہ حدیث بخاری، مالک اور ترمذی نے روایت کی ہے۔ ❸ امام احمد نے اس حدیث کو اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور خطیب بغدادی نے بھی، دیلمی نے مسند الفردوس میں اس کو نقل کیا ہے اس حدیث کے آخری الفاظ خطیب کی روایت کے مطابق یہ ہیں من خالف سنتی فلیس منی۔ ❹ اس حدیث کو امام بخاری اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ ❺ اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ❻ تلفیق کہتے ہیں کسی عمل کو اس طرح ادا کرنا جس طرح ادائیگی کا کسی مجتہد کا قول نہ ہو۔ جیسا کہ آئندہ آئے گا۔

ساتھ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ نص یا اجماع سے اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ کوئی فعل اگر کچھ شرائط کے ساتھ مشروط ہو تو مقلد پر واجب ہے کہ وہ کسی ایک مجتہد کی ان شرائط کے بارے میں مکمل طور پر پیروی کرے جن پر یہ فعل موقوف ہے، اور اگر کوئی دعویٰ کرے تو اس پر اس دلیل کو پیش کرنا لازم ہے ❶ اور جو ابن عبد البر رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ عامی شخص کے لئے رخصتوں کا تتبع کرنا اجماع کی رو سے ممنوع ہے تو ہم اس بات کے صحیح طور پر نقل ہونے ہی کو تسلیم نہیں کرتے اور اگر مان بھی لیا جائے تو اجماع کا دعویٰ نا قابل تسلیم ہے کیونکہ رخصتوں کے تتبع کرنے والے کو فاسق قرار دینے میں امام احمد بن حنبل سے دو روایتیں منقول ہیں، اور قاضی ابویعلی نے اس روایت کو جو تفسیق ثابت کرتی ہے اس شخص پر محمول کیا ہے جو نہ تو مقلد ہو اور نہ ہی تاویل کرنے والا ہو (یعنی محض خواہش نفس کی بنیاد پر کرے) اور ابن امیر الحاج نے التقریر علی التحریر میں فرمایا ہے کہ بعض حنابلہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر دلیل قوی ہو یا وہ شخص عامی ہو تو وہ فاسق نہیں قرار پائے گا۔ اور روضۃ النودی میں ابن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ وہ شخص فاسق نہیں قرار پائے گا۔ خلاصہ گفتگو یہ ہے رخصتوں کو لینے کا اصول پسندیدہ عمل ہے اور اللہ کے دین میں آسانی ہے، قرآن کے مطابق اللہ نے تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ اور یہ بھی طے ہو کہ مقلد رخصتیں تمام معاملات میں تلاش نہیں کرتا ہے بلکہ وہ بعض امور میں رخصتیں تلاش کرتا ہے اور بہت سی مرتبہ علماء نے یہ فرمایا ہے کہ جس شخص نے کسی عالم کی تقلید کی تو وہ اللہ کے ہاں بری الذمہ ہوتا ہے اور علماء کا اختلاف رحمت ہے اور بعض نے تو بعض دفعہ یہ بھی کہا کہ تم نے بڑی کشادہ چیز کو تنگ کر دیا اور یہ بات اس وقت کہی جب کسی شخص نے اپنے تمام تصرفات میں ایک مشہور قول پر ہی عمل کرنا شروع کر دیا۔

۴۔ علامہ شاطبی رحمہ اللہ کی رائے: ...... علامہ شاطبی رحمہ اللہ بھی ابن سمعانی والی رائے رکھتے ہیں ❷ وہ یہ ہے کہ مقلد پر واجب ہے کہ وہ اقوال مذاہب میں ترجیح کا عمل انجام دے اور یہ ترجیح کسی مجتہد کے اعلم (زیادہ جاننے والا) ہونے وغیرہ کے ذریعے دی جائے اور دوسرا یہ واجب ہے کہ وہ قوی دلیل کی اتباع کرے کیونکہ مجتہدین کے اقوال بہ نسبت مقلدین کے متعارض ادلہ بہ نسبت مجتہدین کی طرح کے ہیں، یعنی جیسے مجتہد پر واجب ہوتا ہے کہ وہ ادلہ کے بالکل ایک دوسرے کے ساتھ قوت میں برابر ہونے کی صورت میں کسی ایک کو ترجیح دے یا بالکل توقف کرے اسی طرح مقلد پر بھی مجتہدین کے مختلف اقوال کے مابین ترجیح دینی ضروری ہوتی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ شریعت واقع میں ایک ہی قول کی طرف لوٹتی ہے (یعنی ایک ہی قول حق ہوتا ہے) لہٰذا مقلد کو اختیار نہیں کہ وہ اقوال میں سے بعض کو منتخب کرے۔ ورنہ اپنی غرض اور شہوت کی اتباع کرنے والا کہلائے گا، اور اللہ تعالیٰ نے خواہش نفسانی کی پیروی سے بالکلیہ منع فرمایا ہے۔ جیسے کہ اس آیت میں۔ ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ...... سورۃ النساء آیت ۵۹)

اگر تم جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اسے لوٹا دو اللہ اور اس کے رسول کی طرف۔

اس کلام کے بعد علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے بڑے طویل کلام میں آسان مذہب کو اختیار کرنے کے اصول پر مرتب ہونے والے مفاسد کا ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

انسان گمراہی میں پڑے گا اپنے دوست یا رشتہ دار سے مروت برتنے کی خاطر نفسانی خواہشات کے لئے رخصتوں کی اتباع کرنے میں۔

۱..... گمراہی: اپنے دوست یا رشتہ دار کے ساتھ جانبداری برتتے ہوئے مذاہب کی رخصتوں کا تتبع کرے گا اور اس طرح وہ فتویٰ دینے میں گمراہی میں پڑے گا۔

---

❶..... مقصود اس بات سے یہ ہے کہ اگر ایک فعل شرعی کچھ شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا کرنا کسی مجتہد کے ہاں ضروری ہو تو یہ مقلد پر واجب قرار دینا کہ وہ اس فعل کو ان شرائط کے مطابق ادا کرے جو مجتہد نے مقرر کی ہیں ورنہ وہ عمل باطل ہے یہ دعویٰ بلا دلیل ہے انسان کو اختیار ہے کہ وہ فعل بعض شرائط کے بغیر انجام دے اور وہ فعل اس کا شرعاً درست بھی ہو۔ (مترجم) ❷ الموافقات، علامہ شاطبی، ج ۴، ص ۱۳۲۔۵۵

۲..... یہ گمان کہ اختلاف جواز یا اباحت کے لئے حجت بن سکتا ہے، حتیٰ کہ لوگوں کے درمیان یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ کسی چیز کے اہل علم میں اختلافی ہو۔ نے سے وہ فعل جائز ہوجاتا ہے۔

۳..... تیسری خرابی یہ ہے کہ مختلف مذاہب کی رخصتوں کی اتباع شروع ہوجائے گی۔

اصول کی بنیاد پر کہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف کلیتاً منتقل ہونا درست ہے نیز یسر اور آسانی کے اس ضابطے کی بناء پر جس پر شریعت کی بنیاد ہے ساتھ ساتھ اس کے کہ شریعت کی صفت "الحنيفية السمحة" میں السمحة (سادہ اور آسان) میں آسانی سے مراد وہ آسانی ہے جو اصولوں پر قائم ہونہ کہ وہ آسانی جو بے اصولی ہو اور رخصتوں کا تتبع کرنا اور اقوال محض اپنی خواہشات کی بناء پر اختیار کرنا اصول کے مطابق نہیں خلاف ہے۔ پھر علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے مذاہب کی رخصتوں کے بعض مفاسد گنوائے ہیں جیسے دلیل کی اتباع ترک کرتے کرتے مخالفت کی اتباع شروع کردینا جو دین سے نکل جانے کا سبب بن جائے اسی طرح دین کی استہانت کا بھی امکان ہے۔ کیونکہ یہ تتبع رخص ایسا سیال مادہ بن جاتا ہے جس کا بہاؤ روکنا ممکن نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں معلوم چیز کو چھوڑ کر نا معلوم کو اپنا لینے کی خرابی بھی اسی کے نتیجے میں پیدا ہوگی۔ کیونکہ دوسرے مذاہب کے احکام سے اس کو واقفیت تو ہوگی نہیں۔ ایک اور اہم خرابی جو اس کے نتیجے میں پیدا ہوگی وہ یہ ہے کہ شرعی طور پر حق اور عدل کے شروع کئے گئے طریقوں سے بچ نکلنے کا کام شروع ہوجائے گا اور وہ اس طرح کہ لوگوں کے درمیان معیار کسی طریقے سے منضبط نہیں کیا جاسکے گا اور انار کی بے راہ روی مظالم پھیل جائیں گے اور حقوق کی پامالی شروع ہوجائے گی حدود کا تعطل ہونے لگے گا اور اہل فساد کی جڑیں بڑھ جائیں گی۔ اور یہ بھی ہونے لگے گا کہ یہ قول ایسے احکام وضع کرنے اور اس طرح تلفیق کا سبب بنے کہ جو اجماع امت کے خلاف جاتا ہو۔ اس طرح کے دیگر اور مفاسد جن کی تعداد بے شمار ہے۔

۴..... چوتھی بنیادی خرابی یہ ہے کہ آسان قول کو اختیار کرنے کے اصول پر عمل پیرا ہونے سے احکام سے گلو خلاص اور انہیں یکسر ساقط کردینے کا رجحان پیدا ہوگا۔ حالانکہ تکالیف شرعیہ (شرعی احکام کی ذمہ داری اور بوجھ) سب کی سب طبیعت انسانی پر بھاری اور شاق ہیں اس کے بعد علامہ شاطبی رحمہ اللہ ضرورت کے حاجت کے وقت "الضرورات تبيح المحظورات" (ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کردیتی ہیں) کے قاعدہ شرعیہ کے پر عمل کرتے ہوئے رخصتوں کے تتبع کو جائز قرار دینے والوں کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے فعل کا حاصل مقصد تو وہی اختیار کرنا ہے جو ہوائے نفس اور خواہش کے مطابق ہو یا اس کی سعی کا مقصود ضرورت اور حاجت کی مقرر کردہ شرعی حدود کو پھلانگنا ہی ہوگا۔ ساتھ انہوں نے اس اصول کہ اختلاف ائمہ کی رعایت رکھنا مطلوب اور مقصود امر ہے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آسان قول کو اپنانے کی اجازت دینے والے حضرات پر بھی تنقید کرتے ہوئے ان کی بات کی تردید کی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اختلاف رعایت کا یہ مطلب نہیں نکلتا کہ دو متنافی اقوال کو جمع کرنے کی یا دونوں کی ایک ساتھ اجازت دیدی جائے بلکہ اختلاف ائمہ کے لحاظ رکھنے کا حکم دو الگ الگ مسئلوں کے لئے ہے۔

میرا اندازہ یہ ہے کہ علامہ شاطبی رحمہ اللہ کے اتنی سختی کے ساتھ رخصتوں کے تتبع اور تلفیق سے منع کرنے کا سبب احکام شرعیہ کے نظام کے بارے میں ان کی غیرت ایمانی اور حساسیت ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ نرمی کے اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کوئی شخص نظام احکام شرعیہ کی حدود نہ پھلانگ بیٹھے۔ لیکن جیسا کہ ان کی گفتگو سے مترشح ہے کہ وہ کچھ مذہبی عصبیت کا شکار ہیں اور باجود اپنی آزادانہ سوچ کے وہ امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کی مخالفت سے ڈرتے ہیں۔ اور تقلید کے کرنے اور اجتہاد سے روکنے کے بڑے خواہشمند ہیں۔ ہم علامہ شاطبی رحمہ اللہ سے غیرت ایمانی کے جذبے میں بالکل متفق ہیں اور ہم بھی ایسی غیرت رکھتے ہیں لیکن تقلید یا تلفیق جو اپنی جائز حدود میں ہو وہ اس بات کی پابند ہے کہ وہ خدا کے نازل کردہ احکام سے روگردانی پر مشتمل نہ ہو اور نہ ہی ایسی ہو کہ مجتہد کے قول کی دلیل اور حقانیت کا رجحان

بالکل بھی واضح نہ ہو❶ اور اس صورت میں علامہ شاطبی رحمہ اللہ کی رائے کی عمارت اپنی بنیادوں پر خود گر پڑتی ہے، کیونکہ ان کو دلیل راجح پر عمل درآمد کا اور اصول شریعت پر گامزن ہونے کا پابند کیا جائے گا۔ اور یہ کام ایسا ہے کہ جو تقلید محمود میں بھی لازم ہے اور آسان مذہب کو اختیار کر لینے کی صورت میں بھی۔

تلفیق کی تعریف...... تلفیق کہتے ہیں ایسی کیفیت کا انجام دینا جس کا کوئی قائل نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مختلف مذاہب کی تقلید کرنے اور ایک مسئلے کے بارے میں دو یا زائد قول اختیار کرنے کے نتیجے میں ایک مرکب عمل سامنے آئے جس کے بارے میں کسی کا قول نہ پایا جاتا ہو نہ اس امام کا جس کے مذہب کا وہ شخص پابند ہے اور نہ اس امام کا جس کی رائے اس نے اختیار کی ہو۔

ان دونوں مجتہدین میں ہر ایک کے ہاں یہ مختلف اقوال کی مدد سے مرکب بنایا ہوا عمل باطل ہو۔ اور یہ اس صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے کہ جب مقلد ایک ہی مسئلے کے بارے میں دو اقوال پر بیک وقت عمل کرے یا دونوں میں ایک پر عمل کرے دوسرے قول کے اثرات برقرار رکھتے ہوئے۔ چنانچہ تلفیق کا مفہوم ہوا کہ دو اماموں یا زائد کی تقلید کرنا ایک مسئلے میں جس کے کچھ ارکان اور شرائط یا جزئیات وغیرہ ہوں جن کا باہم تعلق ہو، اور ہر ایک کا خاص حکم ہو جو ان ائمہ کے مابین اختلافی ہو اور تقلید اس طرح کرے کہ ایک حکم میں ایک امام کی رائے مان لے اور دوسرے حکم میں دوسرے امام کی چنانچہ وہ فعل اس طرح انجام پائے کہ دو یا زائد مذہبوں پر مشتمل ہو۔ مثال کے طور پر ایک شخص وضو میں امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہوئے سر کے کچھ حصے کے مسح پر اکتفاء کرلے پھر امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ علیہما کی اس رائے پر بھی عمل پیرا ہوجائے کہ عورت کو بلا قصد شہوت چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور نماز کی ادائیگی کرلے تو یہ وضو ان تمام ائمہ کے ہاں درست نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں تو عورت کو چھو لینے کی وجہ سے یہ وضو باطل ہوگیا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ایک چوتھائی سر کا مسح نہ ہونے کی وجہ سے یہ وضو درست نہیں ہوا، اور امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں پورے سر کے مسح نہ ہونے یا مثلاً اعضاء کے مل مل کر نہ دھوئے جانے وغیرہ کی وجہ سے یہ وضو درست نہیں ہوا۔ اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ کی تقلید نماز میں قہقہے سے وضو نہ ٹوٹنے کے مسئلے میں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید شرمگاہ چھونے سے وضو نہ ٹوٹنے کے مسئلے میں کرتے ہوئے نماز کی ادائیگی کرنا ایسی نماز کے باطل ہونے پر دونوں ائمہ کا اتفاق ہوجاتا ہے۔

اسی طرح یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر ایک شخص ایک وقف مکان نوے سال یا اس سے زیادہ مدت کے لئے کرائے پر لے اور جا کر اس کو دیکھے نہیں اور اس میں طویل مدت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کی اور نہ دیکھنے کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرے تو یہ جائز ہوگا۔❷

تلفیق کے لئے دائرہ کار بھی وہی ہے جو تقلید کے لئے ہے یعنی اجتہادی ظنی مسائل۔ ہاں جو مسائل ضروریات دین سے تعلق رکھتے ہیں یعنی وہ مسائل جن پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اور ان کا منکر کافر ہوتا ہے تو ایسے مسائل کے بارے میں تقلید اور تلفیق دونوں درست نہیں۔ اسی طرح وہ تلفیق جو حرام چیزوں کے حلال کرنے کا سبب بنے وہ بھی درست نہیں۔ جیسے نبیذ❸ اور زنا وغیرہ مثلاً اس گفتگو میں یہ اہم بات بھی مدنظر رہے کہ تلفیق بین المذاہب کے نہ ہونے کی شرط دوسرے مذاہب کی تقلید کے جواز کی غرض سے دسویں صدی ہجری کے آخر میں متاخرین علماء

---

❶..... مقصود اس بات کا یہ ہے کہ تقلید اور تلفیق دونوں کی جائز حدود ہیں اور دونوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی جائز حدود سے باہر نہ ہوں نہ تلفیق ایسی ہو کہ خدا کے احکام سے روگردانی اس میں ہو اور نہ تقلید ایسی ہو کہ بس مجتہد کی بات مانی ہے خواہ اس کی بات کی دلیل یا اس کی بات کی حقانیت بالکل بھی سمجھ نہ آئے اور واضح نہ ہو دیکھئے اعلام الموقعین: بیان نوعی التقلید المحمود والمذموم، ج ۲ ص ۱۶۸ تحفۃ الرأی السدید از علامہ حسینی ص ۳۹۔ ❷ شرح الاسنوی علی منہاج البیضاوی ۳ص ۲۶۶ عمدۃ التحقیق فی التقلید والتلفیق شخ محمد سعید الباني ص ۹۱۔ ❸ نبیذ اس پانی کو کہتے ہیں جس میں کشمش یا کھجور بھگو کر کچھ دیر چھوڑ دی جاتی جس سے پانی میں ان کا ذائقہ آجاتا ہے یہ عربوں میں بہت ہوتا تھا۔ شراب اور نبیذ میں تھوڑا فرق ہوتا ہے۔ نبیذ میں صرف ذائقہ ہوتا ہے جب کہ شراب کے لئے کھجور یا کشمش کافی دنوں تک بھگوئی جاتی ہیں جس سے اس میں نشہ بھی پیدا ہوجاتا ہے۔

ہی نے لگائی ہے، ساتویں صدی ہجری سے پہلے اس پر گفتگو تک نہیں ہوتی تھی۔

تلفیق کا جائز ہونا جیسا کہ ہم نے پہلے قرار دیا ہے، اس بات پر مبنی ہے کہ تمام مسائل میں ایک مذہب معین کی تقلید لازمی نہیں۔لہٰذا جو شخص کسی معین مذہب کی تقلید نہ کرتا ہو اس کے لئے تلفیق جائز ہے، کیونکہ اگر ایسا نہ قرار دیا جائے تو عوام کی عبادتوں کا باطل ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ عامی شخص کا کوئی معین مذہب نہیں ہوتا اگر چہ وہ اس مذہب کو اپنا بھی لے، ہر درپیش مسئلے میں اس کا مذہب وہی ہوتا ہے جو اس کو مسئلہ بتانے والے مفتی کا ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تلفیق کے جواز کا قول تیسیر علی الناس (لوگوں پر نرمی کرنا) کے باب سے تعلق رکھتا ہے۔ کسی ایک معین امام کی ایک مسئلے میں تقلید دوسرے مسئلے میں دوسرے امام کی تقلید سے ممانعت نہیں کرتی ہے اور اس کے نتیجے میں مرتب ہونے والے عمل کے بارے میں یہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ مقلد ایک ایسے عمل کو اپنا رہا ہے جس کے دونوں امام قائل نہیں۔ بلکہ یہ مستفتی کے لحاظ سے مجتہدین کے اقوال ایک دوسرے میں داخل کرنے کی قبیل سے تعلق رکھنے والا مسئلہ ہوگا ایسا تداخل جو بالقصد نہ ہوا ہو۔ جیسے لغت عرب میں بعض لغات ایک دوسرے میں بلا ارادہ وقصد کے داخل ہو جاتی ہیں، چنانچہ مقلد نے اپنے پورے عمل میں کسی امام کی پوری تقلید نہیں کی، بلکہ اس نے دونوں اماموں میں ایک کی تقلید اس معین مسئلے میں کی ہے جس میں اس نے دوسرے کی تقلید نہیں کی۔ اور یہ عمل مجموعی طور پر ایسا ہے کہ نہ تو اجتہادی طور پر کسی نے اسے کہا ہے اور نہ تقلیدی طور پر ہی بات بعض علماء کی تلفیق کے جواز کے لئے اختلاف علماء کی رعایت کرنے کو لازم کہنے کی تو یہ بہت مشکل معاملہ ہے چاہے عبادات میں چاہے معاملات میں، اور یہ شریعت کی سادگی آسانی اور لوگوں کے مفاد اور مصلحتوں کے خیال رکھنے کے اصول کے خلاف بات ہے۔

اور جو بعض علماء جیسے ابن حجر رحمہ اللہ اور بعض علماء احناف نے تلفیق کے ناجائز ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے تو یہ محتاج دلیل ہے، اور اس قسم کے کسی بھی اجماع کے نہ پائے جانے کی اس سے واضح اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اس بارے میں علماء میں واضح اختلاف ہے علامہ شفشاوی کسی مسئلے کو دو یا زائد مذہب سے ملا کر بنانے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: اصولیین کا اس بارے میں اختلاف ہے، اور غور وفکر سے یہ جائز معلوم ہوتا ہے۔ اور بڑے ثقہ علماء نے بھی اختلاف نقل کیا ہے جیسے فہامہ امیر رحمہ اللہ اور فاضل بیجوری رحمہ اللہ۔ مزید برآں ایسا اجماع جس کا دعویٰ کیا گیا ہے اور جو آحاد (ایک ایک فرد) کے ذریعے منقول ہوتا آیا ہو جمہور علماء کے ہاں عمل واجب نہیں کرتا شاید اس اجماع سے مراد یا تو اکثر لوگوں کا اتفاق ہے یا کسی خاص مذہب کے علماء کا اجماع مراد ہے۔

میں مختلف مذاہب کے علماء کے تلفیق کے جواز کے بارے میں اقوال اختصار کے ساتھ اگلی سطور میں ذکر کر رہا ہوں۔ [1]

ا۔ **علماء احناف**..... محقق کمال بن ہمام رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد ابن امیر الحاج رحمہ اللہ نے التحریر وشرح التحریر میں فرمایا ہے کہ مقلد کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ جس کی چاہے تقلید کرے، اور عامی شخص کے کسی مسئلے میں ایسے مجتہد کی بات کو لینے سے جو اس کے لئے آسان ہو، کون سی چیز عقلاً ونقلاً مانع ہے میں نہیں جانتا اور انسان کا مجتہد کے ایسے قول کو اختیار کرنا جو اس کے لئے ہلکا اور آسان ہو اور اجتہاد اس کو جائز قرار دیتا ہو، میں شریعت کی کسی ایسی بات سے واقف نہیں جس میں اس نے اس عمل کی مذمت کی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے تخفیف کئے جانے کو پسند فرماتے تھے۔ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ جو علامہ ابن عابدین شامی کی تصنیف ہے، سے یہ سمجھ آتا ہے کہ منیۃ المفتی میں حکم مرکب کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ قاضی طرطوسی (وفات ۷۵۸) جواز کی طرف گئے ہیں، اور مفتی روم علامہ ابو السعود العمادی رحمہ اللہ (وفات ۹۸۳ھ) نے اپنے فتاویٰ میں اسے جائز قرار دیا ہے۔ اور علامہ ابن نجیم المصری (وفات سنہ ۹۷۰ھ) نے اپنے ''بیع الوقف بغبن

---

[1] ..... رسم المفتی ج ۱ ص ۶۹ التحریر وشرحہ ج ۳ ص ۳۵۰ الاحکام فی تمییز الفتاوی عن الاحکام للقرافی ص ۲۵۰، عمدۃ التحقیق فی التقلید ولتلفیق للبانی ص ۱۰۶ المؤتمر الاول لمجمع البحوث الاسلامیہ بحث الاستاذ الشیخ السہنوری ص ۸۳ اور بحث الشیخ عبد الرحمن القلہود ص ۹۵ اور اس کے بعد کے صفحات۔

فاحش'' کے رسالے میں بڑے جزم سے یہ فرمایا ہے کہ تلفیق جائز ہونا مذہب کا مختار مسئلہ ہے۔اور فتاویٰ بزازیہ سے اس کا جواز نقل کیا ہے۔علامہ امیر بادشاہ (وفات سنہ ۹۷۲ھ) بڑے شدومد کے ساتھ تلفیق کو جائز قرار دیتے ہیں۔مفتی نابلس علامہ آفندی ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ نے سنہ ۱۳۰۷ ہجری میں تقلید کے بارے میں ایک رسالہ لکھا تھا جس میں انہوں نے تقلید کی مطلقاً تائید کی تھی۔اس رسالے کے بارے میں فقیہ عصر علامہ عبدالرحمٰن البحراوی نے فرمایا تھا'' بلاشبہ مؤلف کتاب نے بالکل درست طور پر حق کو بیان کیا ہے۔'' خلاصہ کلام یہ ہے کہ مشہور ومعروف تو یہی ہے کہ تلفیق باطل ہے لیکن علماء اس بات کے خلاف ہیں اور
اور تلفیق جائز ہے اور اس کے بہت سے دلائل ہیں جو اس کے صحیح ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

۲۔ مالکیہ :.....متاخرین فقہاء مالکیہ کے ہاں راجح اور صحیح ترین بات یہ ہے کہ تلفیق جائز ہے،علامہ ابن عرفہ مالکی رحمہ اللہ نے اپنے شرح کبیر از علامہ دردیر پر تحریر کردہ حواشی میں اس کے جائز ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔علامہ دسوقی نے بھی جواز کے قول کو ترجیح دی ہے اور امیر کبیر نے اپنے شیوخ سے یہ نقل کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ تلفیق جائز ہے اور اس میں گنجائش ہے۔

۳۔شوافع .....بعض شوافع علماء نے تلفیق کی تمام صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے۔اور بعض نے اس کی ممانعت صرف ان حالات میں کی ہے کہ جن میں تلفیق ممنوع ہے،اس کا بیان آگے آئے گا۔دوسرے بعض علماء نے تلفیق کو اس صورت میں جائز قرار دیا ہے کہ جب مسئلے میں ان مذاہب کی شرائط پوری ہوتی ہوں جن کی تقلید کی جارہی ہے۔

۴۔حنابلہ.....علامہ طرطوسی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ حنابلہ قاضیوں نے ایسے احکام بھی نافذ کیے جن میں تلفیق پر عمل ہوتا تھا یہ بات ساتھ ساتھ پیش نظر رہے کہ میں نے ان مذاہب اربعہ کے مخالف علماء کے اقوال ذکر نہیں کیے ہیں خواہ یہ علماء اخذ بأیسر المذاهب (آسان مذہب کو اختیار کرنا) کے مخالف ہوں یا تتبع رخصتوں کے مخالف ہوں۔کیونکہ مخالف علماء کے اقوال ہم پر دلیل نہیں ہیں کیونکہ خود ان اقوال کی کوئی ایسی شرعی دلیل نہیں جو ان کو راجح قرار دے۔

ممنوع تلفیق :.....تلفیق مطلقاً جائز نہیں،یہ کچھ حدود کے اندر رہنے کی پابند ہے۔چنانچہ بعض تلفیق ایسی ہیں جو بذات خود باطل ہیں جیسے مثلاً وہ تلفیق محرمات کے حلال کرنے کا سبب بن جائیں جیسے شراب،زنا وغیرہ۔اور بعض تلفیق ایسی ہیں جو بذات خود تو باطل نہیں مگر درپیش عوارض واحوال کی وجہ سے وہ ناجائز ہوجاتی ہیں۔اور یہ تین قسم کی ہیں۔[1]

۱.....رخصتوں کو عمداً ڈھونڈ کر تلاش کرنا۔یعنی انسان ہر مذہب کی آسان اور نرم باتوں کو بلاکسی ضرورت اور عذر کے اختیار کرلے،یہ سد ذریعہ (ذریعہ فساد کی بندش) کے اصول کے تحت ناجائز ہے کیونکہ نتیجہ انسان تکالیف شرعیہ سے آزادی اختیار کرلیتا ہے:

۲.....وہ تلفیق جو قاضی یا حاکم وقت کے حکم کو توڑنے کا سبب بنے،کیونکہ حاکم کا قاضی کا حکم اختلاف کو رفع کردیتا ہے۔مقصود انارکی اور بے راہ روی سے بچنا ہوتا ہے۔[2]

۳.....وہ تلفیق جس سے ایسے چیز سے رجوع لازم آتا ہو جو اس نے ایک مرتبہ تقلیداً انجام دیدی ہے یا ایسے کام سے رجوع لازم آتا ہو جو تقلیداً انجام دیئے ہوئے عمل کے لئے ضروری ہو۔اور یہ شرط ہے عبادات کے علاوہ احکام میں۔اور عبادات میں تو تلفیق جائز ہے بلا اس شرط

---

[1] ..... عمدة التحقيق في التقليد والتلفيق،ص،۱۲۱، الاحكام في تمييز الفتاوىٰ عن الاحكام لقرافي ص ۷۹ فتاوىٰ شيخ عليش ج ۱ ص ۶۸۔۷۱۔ [2] مصنف کا مقصود یہ ہے کہ اگر کسی میں مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہو اور قاضی کسی ایک حکم پر فیصلہ دیدے تو فقہاء کا فیصلہ یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ رافع خلاف (اختلاف کا ختم کرنے والا) ہوتا ہے۔مقصود اس سے یہ ہوتا ہے حکومتی نظم ونسق بربادی اور تباہی اور بے راہ روی سے ہمکنار نہ ہو اس لئے قاضی کا فیصلہ ہی حتمی سمجھا جاتا ہے۔

کے خواہ اس سے اس عمل سے رجوع لازم آتا ہو جس پر عمل کر چکا ہے خواہ اس سے رجوع لازم آتا ہو جو اس عمل شدہ فعل کے لیے لازم ہو اور اس پر سب کا اجماع بشرطیکہ یہ تکالیف شرعیہ سے بالکل جان چھڑانے تک نوبت نہ لے جائے۔ اور نہ ہی اس کے نتیجے میں حکمت شرعیہ بالکل جاتی رہے ایسے حیلے اختیار کرنے سے جو شریعت کے بالکل مغائر ہوں یا اس کے مقاصد کو ضائع کرنے والے ہوں۔

پہلی صورت یعنی عمل سے رجوع کرنے کی مثال یہ ہے جو فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ اگر کسی فقیہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ "انت طالق البتة" (تمہیں زبردست طلاق ہے) اور اس فقیہ کا خیال یہ تھا کہ اس طرح سے تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں چنانچہ اس نے اس بات کو اپنے اور بیوی کے درمیان لاگو سمجھا اور یہ گمان کر لیا کہ میری بیوی مجھ پر حرام ہو چکی ہے۔ پھر بعد میں اس کا خیال یہ ہوا کہ یہ اس لفظ سے تین طلاقیں نہیں بلکہ طلاق رجعی واقع ہوتی ہے تو اس صورت میں اسے اپنی پہلی رائے (تین طلاقوں کی) کی جاری رکھنی ہوگی اسے یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ اسے اپنی بیوی قرار دیدے اس رائے کی بنیاد پر جو اس نے بعد میں اختیار کی ہے۔ اسی طرح برعکس مسئلہ ہے کہ وہ پہلے اسے طلاق رجعی سمجھتا تھا بعد میں اس کا خیال یہ ہوا کہ یہ طلاق ثلث ہے تو بیوی حرام نہیں ہوگی۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ عمل کر لینے کے بعد تلفیق کرنے کا بطلان دو شرطوں کے ساتھ مفید ہے:

۱..... یہ کہ پہلے فعل کا کوئی اور نتیجہ ایسا باقی ہو جو تلفیق پر عمل کرنے کی صورت میں ایسی شکل اختیار کر لے جس کا کوئی مذہب قائل نہ ہو۔ جیسے مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید سر کے کچھ حصے کے مسح کے بارے میں اور امام مالک رحمہ اللہ کی تقلید کتے کے پاک ہونے کے بارے میں ایک ہی نماز کے معاملے میں۔ اس صورت میں یہ تلفیق باطل ہوگی اس طرح اگر کسی مفتی نے کسی شخص کی بیوی کے بائن ہو جانے کا فتویٰ اس لئے دیا کہ طلاق اس شخص سے زبردستی دلوائی گئی تھی، اس شخص نے اپنی سالی سے نکاح کر لیا مذہب حنفی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کہ زبردستی کی طلاق چونکہ احناف کے ہاں واقع ہو جاتی ہے لہٰذا اس کی بیوی تو اس پر حرام ہو چکی ہے لہٰذا اس کے لئے اپنی سالی سے نکاح کرنا جائز ہو گیا ہے۔ بعد میں کسی شافعی مفتی نے اگر یہ فتویٰ دیا کہ زبردستی کی طلاق واقع نہیں ہوتی تو اس شخص کے لیے پہلی بیوی سے شافعی مسلک پر عمل کرنے اور دوسری سے حنفی مسلک پر عمل کرتے ہوئے ہم بستری جائز نہیں ہوگی۔ کیونکہ فعل کا ایک مرتبہ انجام دے دینا قاضی کے فیصلے کی طرح ہوتا جو ایک مرتبہ نافذ ہو جانے کے بعد کالعدم نہیں ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں جب اس نے مذہب حنفی پر ایک مرتبہ عمل کر لیا تو وہی نافذ ہو گیا اب مذہب شافعی پر عمل کرتے ہوئے تلفیق کرنا جائز نہیں ہوگی۔

۲..... دوسری شرط یہ ہے کہ یہ بعینہ ایک ہی واقعے میں ہو تب غلط ہوگی۔ اگر اس واقعے کی طرح دوسرے واقعے میں ہو تو غلط نہیں ہوگی مثال کے طور پر ایک شخص نے حنفی مسلک پر عمل کرتے ہوئے ظہر کی نماز چوتھائی سر کے مسح کے ساتھ پڑھی بعد میں وہ مالکی مسلک پر عمل کرتے ہوئے اپنی طہارت کو باطل نہیں قرار دے سکتا کہ مذہب مالکی میں پورے سر کا مسح ضروری ہے۔ ہاں اگر ایک دن وہ ایک مذہب کے مطابق نماز پڑھے اور دوسرے دن دوسرے مذہب کے مطابق تو یہ جائز ہوگا۔ ❶

تلفیق کی تیسری قسم کی شق دوم یعنی ایسے کام سے رجوع کرنا جو سب کا متفق ہو اور اس پر اجماع ہو، اس کی مثال جیسے کوئی شخص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید بغیر ولی کے نکاح منعقد ہو جانے کے مسئلے میں کر لے تو اس صورت میں عقد نکاح مکمل ہو جانے کی وجہ سے زوج (شوہر) کو طلاق واقع کرنے کا حق بھی حاصل ہو گیا کیونکہ وقوع طلاق کا حق ایسا امر ہے جو صحت نکاح کے ساتھ بالاجماع حاصل ہوتا ہے چنانچہ اگر یہ شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے اور پھر یہ شخص امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کر لے طلاق کو واقع نہ ہونے میں کیونکہ نکاح بغیر ولی کے منعقد ہوا تھا جب نکاح بلا ولی ہونے کی وجہ سے منعقد نہیں ہوا تو طلاق بھی غیر مؤثر ہوئی۔ تو اس شخص کے لئے ایسا کرنا درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ تقلید سے رجوع کرنا ہے ایسی چیز کے بارے میں جو نکاح کو لازم ہے بالاجماع۔ اور یہ بالکل معقول بات ہے اور اس کا سبب یہ

---

❶..... رسم المفتی فی حاشیۃ ابن عابدین ج ۱ ص ۶۹۔

ہے کہ پہلا ازدواجی رشتہ ایک حرام تعلق نہ بن کر رہ جائے اور ہونے والی اولاد اولاد زنا نہ ہو۔ لہٰذا ایسا کرنا ممنوع ہوگا۔ اور ہر وہ کام ممنوع ہوگا جو دین کو کھیل تماشا بنانے یا انسانیت کو نقصان پہنچانے یا فساد فی الارض کا سبب بنے۔ تقلید کی مخالفت اجماع کی وجہ سے ممنوع صورتوں میں سے ایک ممنوع صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص کسی عورت سے بلا مہر، ولی اور گواہوں کے نکاح کرے ہر مذہب کی اس مسئلے میں تقلید کرتے ہوئے جس کا دوسرا مذہب قائل نہ ہو تو یہ وہ تلفیق ہے جو ممنوع کام تک لیجانے والی ہے، کیونکہ یہ اجماع کے مخالف ہے اور کسی نے بھی یہ جائز نہیں رکھا ہے۔ ❶

تلفیق کی وہ صورتیں جو اجماع کی مخالفت کے سبب ممنوع ہیں ان میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے پھر وہ عورت نو سال کے لڑکے سے اس مقصد کے تحت شادی کرلے کہ وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے اور شادی کے جائز ہونے میں امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید کرلے اور پھر وہ لڑکا اس کو طلاق دے دے اور اس کی طلاق کے نافذ ہونے اور عدت کے واجب نہ ہونے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تقلید کرلی جائے اور اس کے پہلے شوہر کے لئے اس سے فوراً عقد کرلینا جائز ہو جائے تو اس قسم کی تلفیق ممنوع ہے کیونکہ یہ تلفیق ازدواجی مسائل سے کھیل کود کرنے کے مترادف ہے اسی وجہ سے شوافع علماء میں علامہ جھوری فرماتے ہیں یہ ہمارے زمانے میں ممنوع ہے اور اس مسئلے پر عمل ناجائز اور صحیح نہیں ہے، کیونکہ امام شافعی کے ہاں شرط ہے کہ بچے کا نکاح کرانے والا اس کا باپ یا دادا یا کوئی عادل شخص ہو اور اس کے نکاح کرانے میں بچے کا کوئی فائدہ بھی ہو۔ اور عورت کا نکاح کرانے والا اس کا عادل ولی ہو دو عادل گواہوں کی موجودگی میں۔ اگر کسی شرط میں خلل واقع ہو تو عورت مرد کے لئے حلال نہیں ہوگی نکاح کے فاسد اور نادرست ہونے کی وجہ سے۔

تکالیف شرعیہ میں تلفیق کا حکم۔ ❷

فروع شرعیہ کی تین قسمیں ہیں۔ ❸

۱..... وہ فروع جن کی بنیاد شریعت میں آسانی اور سہولت پر رکھی گئی ہے اور جو مکلّف لوگوں کے احوال بدلنے سے خود بھی بدل جاتی ہیں۔

۲..... وہ فروع جو تقویٰ اور احتیاط پر مبنی ہیں۔

۳..... جن کا مقصود اور بنیاد بندوں کا فائدہ اور ان کی خوش بختی ہے۔

پہلی قسم تو خالص عبادات ہیں ان میں تلفیق درست ہے، کیونکہ ان کا مقصد اللہ کی احکام کی بجا آوری اور اس کے لئے خضوع اختیار کرنا ہے بغیر کسی مشقت اور پریشانی کے۔ لہٰذا اس میں غلو کرنا درست نہیں، کیونکہ زیادہ سختی تو ہلاکت اور تباہی کا سبب بن جاتی ہے۔

مالی عبادات میں البتہ نسبتاً سختی ضروری ہے اس لئے کہ فقراء کے حقوق کا تحفظ ہو سکے۔ لہٰذا ضعیف قول کو نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی ہر مذہب میں سے وہ اختیار کیا جائے گا جو زکوۃ دینے والے کے فائدے میں ہوتا کہ فقیر کا حق ضائع کیا جا سکے۔ بلکہ لازم ہوگا کہ فقراء کی مصلحت اور مفاد کا لحاظ رکھتے ہوئے اس چیز کا فتویٰ دیا جائے جو فقراء کے لئے زیادہ بہتر ہو۔

دوسری قسم میں ممنوع چیزیں داخل ہوتی ہیں۔ اور وہ احتیاط اور تقویٰ کو جہاں تک ممکن ہو اختیار کرنے پر مبنی ہوتی ہیں ❹ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے بلا اس کے نقصان دہ ہونے کے منع نہیں فرماتے ہیں لہٰذا اس میں مسامحت سے یا تلفیق سے کام لینے کی اجازت نہیں سوائے ضرورت شدیدہ کے کیونکہ یہ اصول شریعت ہے کہ ''ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں۔'' بناء بریں حقوق اللہ سے متعلق محظورات اور

---

❶..... شرح وتنقیح للقرافی ص ۳۸۶۔ ❷..... مذاہب کی تقلید میں تلفیق کا مطلب یہ ہے کہ مذاہب کی تقلید کرتے ہوئے احکام فقہیہ میں سے کچھ کو اختیار کرلینا یا چن کر اپنا لینا۔ ❸ عمدة التحقيق في التقليد والتلفيق ص ۱۲۷۔ ❹ ان کے تقویٰ اور احتیاط پر مبنی ہونے کی دلیل احادیث نبویہ ہیں جن میں سے ایک یہ ہے دع ما يريبك الى مالا يريبك (شک پیدا کرنے والی باتوں کو چھوڑ کر شک نہ پیدا کرنے والی باتوں کو اپناؤ) اور یہ ما اجتمع الحرام والحلال الا غلب الحرام الحلال (جب بھی حلال اور حرام جمع ہوں حرام کو حلال پر فوقیت ہوتی ہے)

ممنوعہ امور میں تلفیق جائز نہیں اور نہ ہی اجماع حقوق سے متعلق یہ جائز ہے مقصود اس سے اجتماعی نظام کی حفاظت، جو شریعت میں مطلوب ہے، اور مفاد عامہ کی رعایت کا اہتمام ہے۔ اسی طرح حقوق العباد سے متعلق ممنوع امور میں بھی تلفیق جائز نہیں یعنی انفرادی حقوق کے معاملے میں۔ اور یہ اس لئے کہ لوگوں کے حقوق کی پامالی اور ان کو ضرر رسانی اور ان پر کسی قسم کی زیادتی سے روکا جاسکے۔

تیسری قسم تمدنی معاملات ہیں۔ یعنی عقوبات شرعیہ (شرعی سزائیں) حدود اور تعزیرات، اور شرعاً واجب الاداء اموال یعنی اگنے والی اشیاء میں اس عشر کی ادائیگی زمینوں کا خراج، ظاہر ہونے والی کافروں کا خمس، ازدواجی تعلقات یا احوال شخصیہ وغیرہ سارے امور اس تیسری قسم میں داخل ہیں۔ چنانچہ ازدواجی معاملات اور اس سے متعلق طلاق اور جدائی کے مسائل سے مقصود زوجین اور ان کی اولادوں کی بہتری ہے اور بہتری جب ہی ممکن ہے جب ازدواجی تعلق مضبوط رہے اور اچھی عمدہ زندگی حاصل ہو جیسا کہ قرآن کریم نے قرار دیا کہ **فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ** (پھر یا تو ٹھہرائے رکھنا ہے معروف طریقے پر یا رخصت کر دینا ہے عمدگی کے ساتھ۔ (سورۃ البقرۃ، آیت ۲۲۹)

لہٰذا ہر وہ چیز جو اس اصول کی مؤید ہو اس پر عمل کیا جائے گا خواہ بعض صورتوں میں تلفیق جائز تک نوبت کیوں نہ پہنچ جائے ہاں اگر تلفیق کو لوگوں کے نکاح وطلاق کے احکام سے کھیلنے کا ذریعہ بنا لیا جائے تو اس صورت میں یہ تلفیق غلط اور ممنوع ہوگی۔ اور اس میں بھی شرعی قاعدے **الاصل فی الا بضاع التحریم** شرمگاہوں کے بارے میں اصول یہ ہے کہ وہ اصلاً ممنوع ہیں اور مقصود اس سے عورتوں اور نسب کے حقوق کی حفاظت ہے۔

اور جہاں تک معاملات، مال کی ادائیگی اور مقرر کردہ سزائیں حدود وقصاص وغیرہ جن سے خون کی حفاظت وغیرہ مقصود ہے اور دیگر سزائیں اور تکالیف شرعیہ جن میں مقصود بنی نوع انسان کے مفاد اور ان کے فوائد کی حفاظت ہے تو ان میں ہر مذہب کی وہ رائے اپنانی ضروری ہے جو لوگوں کے فائدے اور ان کی بہتری کے زیادہ قریب ہو۔ اگر چہ اس سے تلفیق لازم آتی ہو۔ کیونکہ اس میں درحقیقت شریعت کے مقصود اور مطلوب فائدے کی تائید کی ہی کوشش ہے، دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں کی فائدے کی چیزیں اور امور زمانے عرف، معاشرے اور آبادیوں کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں، اور انسان کے فائدے کا معیار یہ ہے کہ وہ پانچ کلی اصولوں کی حفاظت کا ضامن ہو جو کہ یہ ہیں (۱) حفاظت دین (۲) حفاظت نفس (۳) حفاظت عقل (۴) حفاظت نسل (۵) حفاظت مال اور ان کے علاوہ وہ تمام فوائد اور مصالح جو شرعاً کتاب وسنت اور اجماع میں مقصود ہیں اور جنہیں مصالح مرسلہ کہا جاتا ہے۔

علامہ شرنبلالی حنفی العقد الفرید میں تلفیق کے جائز ہونے کی تصریح کرتے ہوئے کچھ فروع کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''ہماری ذکر کردہ باتوں سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ انسان پر کسی معین مذہب کا اپنانا لازم نہیں اور اس کے لئے دوسرے امام کی تقلید کرتے ہوئے ایسی چیز پر عمل کرنا جائز ہے جو اس کے اپنے مذہب کے خلاف ہو بشرطیکہ شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے ان امور کو انجام دے اور دو ایسے متضاد کاموں پر دو الگ واقعوں میں عمل پیرا ہو جن کا آپس میں تعلق نہ ہو۔ اور اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے امام کی تقلید کرتے ہوئے اپنے انجام دیئے ہوئے کام کو باطل کردے کیونکہ کسی کام کا انجام دے دینا قاضی کے فیصلے کرنے کی طرح ہوتا ہے جو کالعدم نہیں کیا جاسکتا ہے اور وہ مزید فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے عمل کر لینے کے بعد بھی تقلید کر لینی درست ہے جیسے اس نے نماز پڑھی یہ گمان کرتے ہوئے کہ میری نماز میرے مذہب کے اصولوں کے مطابق ہے پھر بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے اپنے مذہب کے مطابق وہ درست نہیں دوسرے مذہب کے مطابق درست ہے تو اس کے لئے دوسرے مذہب کی تقلید کرنا درست ہے اور اس کی نماز درست ہوگی اور یہ اس بنا پر جو بزازیہ میں منقول ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے کسی حمام سے غسل کرکے جمعے کی نماز کی ادائیگی کی پھر انہیں بتایا گیا کہ حمام کے کنویں میں مردہ چوہا تھا تو انہوں نے فرمایا ہم اپنے مدینہ منورہ کے بھائیوں کے قول کو لے لیتے ہیں کہ جب پانی دو قلہ (بڑے دو مٹکوں) سے زیادہ ہو تو گندگی اس پر

اثر انداز نہیں ہوتی ❶۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تلفیق کے جائز یا ناجائز ہونے کا ضابطہ یہ ہے جو چیز شریعت کے اصولوں اور بنیادوں کی پامالی کا سبب بنے اور اس کی تدبیروں اور حکمتوں کے زوال اور توڑنے کا سبب بنے وہ ناجائز ہوگی اور بالخصوص ممنوع شرعی حیلے ❷ اور جو چیز شرعی بنیادوں کی پختگی کا سبب بنے اور جو چیز شریعت کی حکمت اور اس کی تدابیر بتاتی ہوں لوگوں کی دونوں جہانوں میں بہتری اور خوش بختی کے لئے عبادت کو ان کے لئے آسان کر کے اور معاملات میں ان کے فائدے کی حفاظت کر کے تو وہ جائز اور مطلوب ہے۔

قانون سازی میں آسان کو اختیار کرنا..... شرعاً حاکم وقت ولی الامر کے لئے مذاہب شرعیہ میں سے آسان اقوال کو اختیار کرنے سے کوئی مانع موجود نہیں۔ کیونکہ یہ ممنوع تلفیق کی قبیل میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ مختلف مذاہب میں سے چنے ہوئے احکام وہ کلی احکام ہیں جو مختلف متغایر امور کے لئے ہیں اور ان کے درمیان کوئی رابطہ نہیں، چنانچہ ان کے عملی اطلاق کے وقت اگر کوئی تلفیق واقع ہو تو وہ مقصود نہیں ہوگی لہٰذا اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ جیسے بغیر ولی کے یا صرف عورتوں کے ذریعے منعقد ہونے والے نکاح کی اجازت اسی طرح یہ مسئلہ کہ رشتہ نکاح کو ایک لفظ کے ذریعے دی گئی تین طلاقوں کے بعد بھی رجوع کر کے برقرار رکھنے کی اجازت دینا اس طرح کہ اس طلاق کو ایک طلاق رجعی قرار دے دیا جائے تو یہ ایسی تلفیق ہے جو مقصود نہیں لہٰذا ممنوع بھی نہیں ہوگی۔

فی الجملہ تلفیق کے جواز کا قول اس کی ممانعت کے قول سے زیادہ قوی ہے چہ جائیکہ جب تلفیق کے عمل سے مقصود افراد اور جماعت کے مفاد اور مصالح کا تحفظ مقصود ہو۔ اور اس پر ممنوع تلفیق سے پیدا ہونے والے مفاسد بھی مرتب نہ ہوتے ہوں۔ اور اگر ہم فرض کر لیں کہ تلفیق ناجائز ہے تو حاکم کا ایک رائے کو اختیار کر کے ایسے نافذ العمل قانون بنا دینا اس حکم کو قوی بنا دیتا ہے خواہ وہ قول ضعیف ہو جیسا کہ علماء نے قرار دیا ہے۔ بلکہ اس کی اطاعت ضروری ہوگی اگر اس نے کسی واقعی معصیت کا حکم نہ دیا ہو۔ قانون سازی کے عمل میں احکام مذاہب کا اختیاری چناؤ عملی طور پر پچاس سال پہلے اس صدی کی ابتداء میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ اور یہ اس وقت ہوا تھا جب حکومت عثمانیہ کو معاملات (مقصود) میں مزید حریت کی ضرورت در پیش ہوئی۔ اسی طرح شروط عقدیہ (عقد کی شرائط) اور جس چیز پر وہ معاملہ طے ہو رہا ہے اس کی قابلیت اور صلاحیت میں مزید توسع کی ضرورت پیش آئی، وجہ اس کی یہ تھی کہ تجارتی اور صنعتی تجارتی معاملات اور معاہدوں کی ضرورت بڑھ رہی تھی اور داخلی اور خارجی تجارت کے انداز بدل چکے تھے ان میں جدت پیدا ہو گئی تھی اور حقوق کی نئی قسمیں سامنے آ رہی تھیں جیسے حقوق ادبیہ (تصنیف اور تالیف کے حقوق) جیسے مصنف کا اور تخلیق کنندہ کا حق۔ اس طرح در آمد کی جانی والی اشیاء کی انشورنس کے معاہدوں کی ضرورت در پیش تھی اور بڑے کارخانوں سے معاملات کے دائرہ کار میں توسع مقصود تھا۔ اسی طرح در آمدی معاہدوں میں بھی توسع مقصود تھا کہ وہ ضروری اور لازمی ساز و سامان منگوایا جا سکے جو حکومت اداروں، کمپنیوں، کارخانوں اور تعلیمی اداروں کے لئے ضروری ہے۔

چنانچہ حکومت عثمانیہ نے قانون کی شق ۶۴ سے (سنہ ۱۳۳۲ھ بمطابق سنہ ۱۹۱۴ء میں) اصول محاکمات (عدالتی قوانین) کے قانون کو بدل دیا جس میں ان مبادی اور اصولوں کو لیا گیا جو مذہب حنفی کے علاوہ دیگر مذاہب جیسے حنابلہ اور ابن شبرمہ کے مذاہب سے ماخوذ تھے، یہ دونوں حضرات عقد کی شروط کے دائرے میں توسع کرتے ہیں اور اس اصول کے قریب قریب ان کا فیصلہ ہے یعنی "سلطان الارادۃ القانونی" کے اصول کے قریب، جس کا مفہوم یہ ہے کہ عقد جو ہے وہ فریقین کا آپس کا قانونی معاملہ ہوتا ہے جو وہ چاہے طے کر لیں۔ یہ دونوں ان تین اصولوں کو جائز قرار دیتے ہیں جس پر نئی قانونی شق مشتمل تھی اور وہ یہ ہیں:

۱..... جس چیز پر عقد کیا جاتا ہے اس کے قابل عقد ہونے کے تصور میں وسعت پیدا کی جائے (یعنی وہ کون سی چیزیں ہیں جن پر تعاقد دو فریقین کا معاملہ) ہوتا ہے ان میں مزید گنجائش پیدا کی جائے اور وہ بعض چیزیں جو فقہاء نے ذکر نہیں کی ہیں یا ان کو غلط قرار دیا ہے ان کو قابل

---

❶..... رسم المفتی فی حاشیۃ ابن عابدین، ج ۱ ص ۷۰

❷..... حرام حیلوں کی مثالیں جن کا فتویٰ دینے کا کافر ہو جاتا ہے، دیکھئے اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲۵۵ اور اس کے بعد کے صفحات میں۔

عقد چیزوں میں داخل کیا جائے تاکہ وہ تمام چیزیں جو عرف میں ہوتی ہیں یا بعد میں ہوں گی وہ سب ان میں شامل ہو جائیں۔

۲...... ہر اس اتفاق یا شرط کا جواز جو عام نظام، آداب، خاص (پرائیویٹ) قوانین عام (پبلک) قوانین، زمینوں کے قوانین اموال شخصیہ اور اوقاف کے احکام کے خلاف نہ ہو۔ اس اصول سے احناف کا نظریہ فساد ختم ہو جاتا ہے اور وہ چیز جائز قرار پائی جیسے الشرط الجزائی کے نام سے جانا جاتا ہے یعنی کسی عمل سے پھر جانے یا اسے انجام دینے میں تاخیر کی صورت میں مالی تاوان کی ادائیگی کا لزوم جو کہ قاضی شریح رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

۳...... کسی بھی عقد کو اس کی بنیادی چیزوں کے اوپر اتفاق ہو جانے کی صورت میں جائز قرار دینا خواہ فرعی امور اور تفصیلات ذکر نہ کی جائیں۔ اور اس اصول کی وجہ سے جہالت کسی معاملے کی ہیئت میں مضر ثابت نہیں ہوگی۔ لہٰذا معاملہ بازار کے ریٹ پر یا اس ریٹ پر کرنا جو بازار میں کسی معین دن میں ہو جائز قرار پایا [1] اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ حکومت عثمانیہ نے ۱۳۳۶ھ میں خاندان کے حقوق کے سلسلے میں ایک دستاویز نشر کی تھی جو آج نافذ العمل ہے اس میں اس نے احناف کے علاوہ تینوں مذاہب کے بہت سے احکام لئے گئے تھے۔ اور حنفی مسلک کے بعض ضعیف اقوال بھی اختیار کئے گئے تھے۔ اور مصر میں بعض منتخب قوانین لاگو کئے گئے تھے جو مختلف مذاہب کے احکام سے ماخوذ تھے جو ۱۹۲۰ھ سے ۱۹۲۹ء تک جاری ہوتے رہے پھر ۱۹۳۶ء میں بھی جاری ہوئے اور اب تک ہو رہے ہیں اس میں خلافت عثمانیہ کے اختیار کردہ عائلی قوانین ہی کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ اور یہ سارا عمل مختلف مذاہب کے منتخب علماء اور شرعی عدالتی قوانین کے ماہرین کی موجودگی میں انجام دیا گیا، اور اس میں زمانے میں ہونے والی تبدیلیوں اور اجتماعی زندگی میں ہونے والی ترقی کے نتیجے میں ہونے والی تبدیلیوں کا بطور خاص لحاظ رکھا گیا تھا۔ اسی طرح نئی حاجتوں اور نئے مفادات کا پایا جانا اور حالات اور واقعات کا بدل جانا بھی اس عمل میں پیش نظر تھا۔

تلفیق کے عمل کے ساتھ بنائے جانے والے قوانین کی بڑی واضح مثال وصیت واجبہ کا قانون نمبر ۷۱ ہے جو شق نمبر ۷۶ تا ۷۹ مذکور ہے مصری احوال شخصیہ کے مجموعہ قوانین میں ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا تھا۔ جو کہ اولاد محروم کے معاملے کے حل نکالنے کی غرض سے تشکیل دیا گیا تھا۔ یعنی اس شخص کی اولاد جو باپ کی زندگی میں انتقال کر چکا ہو۔ اور مصر قانونی کے ساتھ شام میں یہی قانون ۱۹۵۳ء میں بنا لیکن ان دونوں میں ایک فرق تھا وہ یہ کہ مصری قانون میں بیٹے کی اور بیٹی کی اولاد میں فرق نہیں کیا گیا تھا۔ جب کہ شامی قانون میں صرف بیٹے کی اولاد کے بارے میں بات تھی، بیٹی کی اولاد کو اس قانون میں ذوی الارحام جو وارث ہوں، میں شامل کیا گیا تھا۔ تو یہ قانون مختلف فقہی آراء کو جن میں ابن حزم، طبری کی رائے، بعض تابعین رحمہ اللہ فقہاء کی رائے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب کے ایک قول اور اباضیہ کی رائے کے پیش نظر تشکیل دیا گیا تھا۔ لیکن کسی معین فقہی رائے اس کی بنیاد نہیں تھی مذاہب اربعہ کو پھلانگ کر دوسرے مذاہب اختیار کرنے یا مذاہب اربعہ اور مذاہب میں لوگوں کی حاجت کے پیش نظر تلفیق کی ایک بڑی مشہور مثال وصیت کے وارث کے لئے جائز ہونے کا قانون ہے جس میں دیگر ورثاء کی اجازت بھی ضروری نہیں قرار دی گئی یہ مصری قانون وصیت نمبر ۷۱ کی مشق نمبر ۳۷ میں ہے جو ۱۹۴۶ء میں رائج کیا گیا تھا۔ اور اس میں مفسرین کے ایک گروہ جن میں ابو مسلم اصفہانی شامل ہیں، اور مذاہب اربعہ کے علاوہ بعض دیگر فقہاء جیسے شیعہ، زیدیہ کے ائمہ اور شیعہ امامیہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ کے فقہاء کی آراء کو بنیاد بنایا گیا تھا۔

اور بعض مسائل کو چن لینے کی عدالتی فیصلوں کی مثال میں سے یہ قانون ہے جس میں گواہی کو قبول کرنے کو اس چیز کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی قوی دلیل ہو۔ جیسے لکھا ہوا ہونا، تجربہ ہونا، اور حکومتی رجسٹریشن کا ہونا تاکہ زمانے کے تغیر سے کسی قسم کا شبہ نہ پیدا ہو اور نہ ہی دینی جذبہ کے کم ہونے کے سبب کوئی التباس پیدا ہو۔ اسی طرح پندرہ سال بعد دعوے کی سماعت کی ممانعت ماسوا اس کے کہ وقف یا وراثت کا مسئلہ ہو تو تینتیس سال تک اس کے دعوے کو سنا جا سکے گا۔ جیسا کہ مصری عدالت ہائے شرعیہ کے ضابط قانون میں ان امور کی تصریح

---

[1]...... المدخل الفقهي العام، استاد مصطفى زرقاء ف ۳۸۸-۳۹۲۔

ہے جو سنہ ۱۸۸۰ء کو شائع ہوا تھا۔ اس طرح نکاح وطلاق کے دعوے کے بارے میں زوجین میں سے کسی ایک کی وفات کے بعد، سماعت کی ممانعت ماسوا اس صورت کے کہ دعویٰ ایسی دستاویزی مصدقہ شہادتوں کے ساتھ ہو جو اس کی مؤید ہوں جیسا کہ شق نمبر ۳۱ مجموعہ قوانین مصریہ ۱۸۹۷ء میں یہ بات موجود ہے۔

النوع الخامس (پانچویں قسم) آسان مذہب کو اختیار کرنے کی شرائط کی اقسام

علماء اصول وفقہ کی جتنی کتابیں میری نظر سے گذری ہیں، ان میں کسی میں بھی میں نے اس موضوع پر مستقل بحث میں نے نہیں دیکھی۔ تاہم اصولیین اور فقہاء کی تحریر کردہ تلفیق تتبع رخصت اور تقلید کے بارے میں مباحث سے اس بارے قواعد کا نکالنا ممکن ہے استنباط اور استخراج کے طور پر۔ یہ ضوابط مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

پہلا ضابطہ..... یہ ہے کہ آسان مذہب کو اختیار کرنے کا عمل صرف فروعی اجتہادی ظنی الثبوت مسائل تک محدود رہے یعنی وہ عملی مسائل جن کے احکام ظنی طریقے سے ثابت ہوں جیسے عبادات، معاملات، احوال شخصیہ اور جنایات کے وہ احکام جن کے بارے میں کوئی نص قطعی اجماع یا قیاس جلی ❷ نہ ہو اور جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا یہ تقلید اور تلفیق کا دائرہ عمل ہے رہی بات ان کے علاوہ احکام کی تو ان میں اخذ بالایسر (آسان صورت اختیار کرنا) کا قاعدہ لاگو نہیں ہوگا جیسے عقائد، اصول توحید وایمان اور اخلاق جیسے معرفت خداوندی اور اس کی صفات کی پہچان وجود خدا اور اس کی وحدانیت کا اثبات اور دلائل نبوت وغیرہ اور ضروریات دین یعنی وہ امور جن پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے اور اس کا منکر کافر کہلاتا ہے۔ ضروریات کا تعلق خواہ عبادات سے یا معاملات سزائیں اور محرمات سے ہو جیسے اسلام کے پانچ ارکان سود کا حرام ہونا، زنا کا حرام ہونا اور خرید وفروخت، شادی بیاہ اور قرض وغیرہ کے لین دین کا جائز وغیرہ یہ سب وہ امور ہیں جو بالاجماع جائز ہیں۔ ان امور میں تقلید، تلفیق یا اخذ بالایسر وغیرہ جائز نہیں ہیں چنانچہ وہ تلفیق جو حرام چیزوں کے مباح کرنے کا سبب بنے مثلاً نشہ آور نبیذ اور زنا جیسے محرمات وہ تلفیق ناجائز ہے۔ اسی طرح وہ تلفیق بھی ناجائز ہے جو لوگوں کے حقوق کے پامالی کا یا لوگوں کو ضرر اور نقصان پہنچانے کا سبب بنے کیونکہ اسلام میں ضرر دینے اور ضرر پانے کی اجازت نہیں۔

علامہ قرافی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ مذاہب جن میں تقلید کی جاتی ہے ان کے ضوابط صرف اور صرف پانچ ہیں چھ بھی نہیں کیونکہ ڈھونڈنے اور تلاش کرنے سے اتنے ہی سامنے آئے ہیں۔ ❸

۱..... احکام شرعیہ جو فرعی ہیں اور اجتہادی ہیں۔
۲..... ان احکام کے اسباب
۳..... ان کی شرائط
۴..... ان کے موانع
۵..... ثابت کرنے کے وہ طریقے جو اسباب، شرائط اور موانع کو ثابت کرتے ہوں۔ ❹

اس میں 'شرعیہ' کا لفظ بول کر امور عقلیہ سے احتراز مقصود ہے جیسے حساب اور انجینئرنگ وغیرہ کے علوم اور 'حسیات' وغیرہ سے احتراز مقصود ہے اور فروعیہ سے احتراز کرنا مقصود ہے اصول دین اور اصول فقہ سے اور 'اجتہادیہ' کے لفظ سے احتراز مقصود ہے ان احکام سے جو دین کا

---

❶..... ضابطہ کے معنی ہوتے ہیں قاعدہ کلیہ اس کی جمع ضوابط ہے یہاں پر مراد وہ قیود ہیں جن موضوع کے دائرہ کار کا تعین ہوگا۔ ❷ قیاس جلی وہ ہے جس میں علت منصوص ہو یا منصوص تو نہ ہو لیکن اصل اور فرع کسی بھی فرق نہ ہونے کا یقین ہو جیسے ماں باپ کو اف کہنے پر قیاس کرنا کہ اُف نہ کرنے کا حکم نص ہے اصل ہے اور فرع یعنی مار پیٹ (ضرب) فرع ہے لیکن یہ یقینی بات ہے کہ مار پیٹ اور اف کہنے میں کوئی فرق نہیں دونوں گستاخی اور بے ہودگی ہیں۔ ❸ الاحکام في تمييز الفتاوىٰ عن الاحكام، امام قرافی ص ۱۹۵ الفروق علامہ قرافی ج ۴، ص ۵۔ ❹ عبارت میں آئے ہوئے لفظ 'حجاج' سے مراد ہے کسی چیز کو ثابت کرنے کے طریقے بدلائل جیسے اقرار اور شہادت۔

حصہ ہیں اور ضروریات دین ہیں۔

''اسباب احکام'' سے مراد ہے وہ چیز جو کسی حکم کا سبب بنے جیسے اتلاف (دوسرے کی چیز کو تلف کرنا) ضمان (تاوان) کا سبب بنتا ہے۔ اور شروط سے مراد ہے جیسے ولی اور گواہوں کی شرط عقد نکاح کے لیے اور موانع سے مراد ہیں وہ امور جو تکلیف شرعی (شرعی ذمہ داری کا بوجھ) سے مانع ہوں جیسے جنون، بے ہوشی جو تکلیف شرعی سے مانع ہوتے ہیں اور قرض زکوٰۃ واجب ہونے سے مانع ہوتا ہے۔

اسباب، شرائط، اور موانع کو ثابت کرنے والے دلائل سے مراد وہ امور ہیں جن پر عدالتی امور بنیاد بناتے ہوں جیسے گواہ، اقرار وغیرہ (جس کو عدالتی قوانین قابل دلیل سمجھ کر اس پر مقدمہ کو قائم رکھتے ہیں) ان کی دو قسمیں ہیں۔

۱..... وہ جن پر اتفاق علماء ہے جیسے مالی معاملات میں دو گواہ کا ہونا اور زنا کے معاملے میں چار گواہوں کا ہونا اور ان امور کے بارے میں اقرار اگر کسی اہل شخص نے کیا ہو۔

۲..... وہ جن پر اتفاق نہیں۔ جیسے گواہ اور قسم بچوں کی گواہی قتل اور زخم وغیرہ کے معاملات میں اور اقرار جس کے بعد اقرار کرنے والے نے رجوع کر لیا ہو۔

اور ہم جیسے علماء کی تقلید احکام، اسباب شرائط اور موانع میں کرتے ہیں اسی طرح ان امور میں بھی کرتے ہیں جو ان چیزوں کو ثابت کرنے والے ہیں۔ اور مذاہب میں آسان کو چن لینا اس دائرے ہی میں مقید ہوگا اور وہ دائرہ ہے احکام فرعیہ کا یعنی وہ احکام جو مجتہد کے ہاں غلبہ ظن سے ثابت ہوتے ہیں مثلاً وجوب وتر اور وضو میں نیت کا لازم ہونا اور قرض کا زکوٰۃ سے مانع (روکنے والا) ہونا اور بیع معاطاۃ کا جائز ہونا❶ اور قتل اور زخموں کے معاملات میں بچوں کی گواہی قبول کرنا اور گواہ اور قسم کا قبول کرنا اور عورتوں کی گواہی خاص عورتوں کے معاملات میں قبول کرنا جیسے شرمگاہ کے عیوب کے بارے میں اور بچے کے پیدائش کے فوراً بعد آواز نکالنے کے معاملے میں عورتوں کی گواہی، اسی طرح بیع کو اسی شرط کے ساتھ جس سے فریقین میں ایک کا فائدہ ہو جائز قرار دینے کا مسئلہ یا غائب ہو جانے یا غربت یا ضرر رسانی کے سبب طلاق واقع ہونے کا مسئلہ، زمین کی آمدنی کی اصلاح کا مسئلہ اور مزدوروں اور کاریگروں کو ضامن قرار دینے کا مسئلہ اور مقروض کے ہدیہ سے ممانعت کا مسئلہ اور اس طرح کے دیگر مسائل۔

دوسرا ضابطہ:..... آسان مذہب اختیار کرنے پر شریعت کے ماخذ قطعیہ کے تعارض نہ ہو اور نہ ہی اس کے عام اصول ومبادی اس سے متاثر ہوں یہ شرط فقہاء مالکیہ کی ذکر کردہ بعض باتوں سے سمجھ میں آتی ہے ان فقہاء جن میں علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں یہ ذکر کیا ہے کہ حاکم کا حکم یا قاضی کا فیصلہ بھی قابل رد اور نا قابل تنفیذ ہوگا چار امور میں۔ اسی گفتگو سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ''اخذ بالایسر'' کی صورت میں ایسی صورت نہ پیش آئے جو ان چار امور کی مخالف ہو ورنہ وہ نا قابل قبول ہوگی۔ اور وہ امور یہ ہیں:❷

۱..... قاضی قرآن سنت یا اجماع کے خلاف فیصلہ دیدے تو وہ فیصلہ بذات خود کالعدم ہوگا اور اس کے بعد آنے والا قاضی اسے کالعدم کر دے گا اور اسی قبیل سے شاذ قول کے مطابق فیصلہ سنانا بھی ہے کہ وہ بھی کالعدم ہوگا۔

۲..... یہ کہ قاضی محض گمان اور اندازے سے بغیر کسی اجتہاد اور معرفت کے فیصلہ دیدے۔ تو خود اس کو اور اس کے بعد آنے والے کو اس فیصلے کو کالعدم کرنا ضروری ہوگا۔

۳..... یہ کہ قاضی غور وفکر اور اجتہاد کے بعد فیصلہ دے۔ پھر بعد میں اس پر یہ ظاہر ہو کہ صحیح بات اس کے برخلاف ہے تو اس صورت میں

---

❶..... بیع معاطاۃ اسے کہتے ہیں کہ خریدار اور فروخت منہ سے بغیر کچھ کہے مبادلہ کریں، جیسے خریدار چیز اٹھائے اور پیسے دے دے بغیر کسی بات چیت کے۔ تو باوجود اس کے کہ اس میں ایجاب وقبول زبان سے نہیں ہوا مگر یہ جائز ہے تفصیل بعد میں آئے گی۔ ❷القوانین الفقهية لابن جزی ص ۲۹۴، طبع فاس۔

بعد میں آنے والا قاضی اسے کالعدم نہیں کرسکتا ہے، اور اس میں اختلاف ہے کہ کیا وہ خود کالعدم کرسکتا ہے یا نہیں۔

۴..... یہ کہ قاضی کا ارادہ ایک مذہب کے مطابق حکم کرنے کا ہو مگر وہ بھول کر دوسرے مذہب کے مطابق حکم دے دے تو وہ خود اسے فسخ کرے لیکن بعد والا اسے فسخ نہیں کرسکتا ہے۔

الاخذ بالایسر کی بحث میں ہمارے لئے ان چاروں امور میں سے امر اول اہم ہے۔ علامہ قرافی رحمۃ اللہ علیہ نے چار صورتیں ذکر کی ہیں جن میں حکم ٹوٹ جاتا ہے۔❶ اور وہ یہ ہیں۔(۱) مخالفت اجماع (۲) مخالفت قواعد (۳) مخالفت قیاس جلی (۴) مخالفت نص۔ اور ان میں سے ہر ایک حالت کی مثال بیان کی ہے اور نقض حکم کا سبب بتایا ہے پھر اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اس طرح کی چیز کو شریعت میں برقرار نہیں رکھا جاسکتا ہے کیونکہ یہ ضعیف ہوتی ہے، اور جیسے حکام سے صادر ہونے کے باوجود وہ برقرار نہیں رکھی جائے گی اسی طرح اس طرح کے مسئلے میں تقلید بھی درست نہیں اگر مفتی سے ایسا مسئلہ صادر ہو اور مفتی کی تقلید ایسے مسئلے کے بارے میں ناجائز ہوگی۔❷

اجماع کے مخالف حکم کے کالعدم ہونے کا سبب یہ ہے کہ اجماع کو معصوم عن الخطاء قرار دیا گیا ہے اور وہ حق ہی کا فیصلہ دیتا ہے لہٰذا اس کی مخالفت باطل ہوگی۔ اور قواعد، قیاس جلی اور ایسے نص کی جس کا کوئی ایسا معارض نہ ہو جو اس پر راجح ہو مخالفت کی وجہ سے حکم کے کالعدم ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان کی اتباع شرعاً لازم ہے اور ان کی مخالفت حرام ہے اور جو غلط اجتہاد کے سبب ان کے معارض حکم سامنے آئے گا اس کا برقرار رکھنا جائز نہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ...... سورۃ النساء، آیت ۵۹

اگر تم جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اسے لوٹا دو اللہ اور اس کے رسول کی طرف۔

اور مخالفت نص کی مثال جیسے قاضی اگر منقول چیز کے وقف کرنے کے باطل ہونے کا حکم دیدے تو یہ حکم کالعدم ہوگا کیونکہ یہ حکم احادیث صحیحہ کے ان نصوص کے خلاف ہے جو منقول چیزوں کے وقف کے صحیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ اس نے اپنی زرہ اور اپنا سامان اللہ کی راہ میں وقف کردیا ہے❸ اسی طرح وصیت کا وارث کے لیے جائز کرنا کہ یہ اس حدیث متواتر کے خلاف فیصلہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں الا لاوصیۃ لوارث (خبردار وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں ہے) اور اسی طرح معمولی سے سود یا سات فیصد سے کم سود کو معمولی ہونے کی بناء پر جائز قرار دینا کہ یہ قرآن کریم کی قطعی طور پر دلالت کرنے والی اس آیت کے خلاف ہوگا:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ...... سورۃ النساء آیت نمبر ۱۱

اور اللہ نے حلال کیا ہے خرید و فروخت کو اور حرام کیا ہے سود کو۔

اور اسی طرح مرد اور عورت کو میراث میں برابر قرار دینا للذکر مثل حظ الانثیین (مرد کے لئے دو عورتوں کے حصے جتنا۔ (سورۃ النساء آیت نمبر ۱۱) کے خلاف ہونے کی وجہ سے کالعدم ہوگا۔

مخالفت اجماع کی مثال دادا کو میراث سے اس صورت میں محروم قرار دینا جب کہ ورثاء میں سے میت کے بھائی بھی حقدار بنتے ہوں یہ غلط اس لئے ہوگا کہ صحابہ کا دادا کے وارث ہونے پر ضمنی اجماع موجود ہے ان کا اختلاف اس بارے میں ہے کہ کیا دادا کو سارا مال ملے گا اور وہ میت کے بھائیوں کے لئے مانع ہوگا یا وہ بھائیوں کے ساتھ حصہ دار ہوگا۔ اسی طرح بعض احوال میں بیویوں کے درمیان شب باشی میں برابر

---

❶..... الاحکام فی تمیز الفتاوی عن الاحکام ص ۱۲۸، تبصرۃ الحکام ج ۱ ص ۷۰ طبع الحلبی بابی۔❷ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہی کہ عزالدین عبد السلام (وفات ۶۶۰ھ) نے تلفیق کے جواز کے لئے شرط لگائی ہے کہ جس چیز میں تقلید کررہا ہے وہ ایسی چیز نہ ہو جس میں حکم کالعدم قرار دیا جاسکتا ہے یعنی امور اجتہادیہ ہوں امور ضروریہ نہ ہوں۔❸ نیل الاوطار ج ۶ ص ۲۵

تقسیم کا ضروری نہ قرار دینا اجماع کے خلاف ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ یہ تقسیم واجب ہے۔اور اسی طرح زنا کا جرم ثابت کرنے کے لئے قرائن پر فیصلہ کرنا اجماع اور نص قرآنی کے خلاف ہے۔ ❶

مخالفت قواعد کے لئے علامہ قرافی نے مثال میں مسئلہ "سریجیہ" (علامہ احمد بن سریج شافعی، متوفی ۳۰۶ھ، کی طرف منسوب مسئلہ) پیش کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ شوہر اگر بیوی سے کہے کہ اگر میں تمہیں طلاق دوں تو اس سے پہلے تمہیں تین طلاقیں ہیں تو ابن سریج کے ہاں طلاق واقع نہیں ہوگی، اس مسئلے میں علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم بھی ان کے ساتھ ہیں ❷ کیونکہ اس سے صادر ہونے والی طلاق اپنے محل (جگہ) میں نہیں واقع ہو رہی ہے۔

لہٰذا اگر قاضی اس طلاق کا فیصلہ دیدے شوہر کے اقرار کی وجہ سے تو وہ فیصلہ کالعدم ہوگا مالکیہ کے ہاں، کیونکہ یہ قواعد شرعیہ کے خلاف ہے، شریعت کا قاعدہ ہے کہ شرط وہ صحیح ہوتی ہے جو مشروط کے ساتھ پائی جاسکتی ہو اور اگر شرط مشروط کے ساتھ جمع نہ ہوسکتی ہو تو وہ شرعاً شرط قرار نہیں پائے گی ❸ یہ بات پیش نظر رہے کہ وارث کے لئے وصیت قواعد شرعیہ کے بھی خلاف ہے جیسے کہ یہ قاعدہ **درء المفاسد مقدم علی جلب المصالح** (مفاسد کا دور کرنا فوائد کے حصول پر مقدم رکھا جائے گا) اور یہ قاعدہ **الحکم یتبع المصلحۃ الراجحۃ** (حکم راجح فائدے کے تحت ہی ہوگا) اور مصلحت راجح یہی ہے کہ وصیت کی اجازت نہ دے کر خاندان کے باہمی روابط محبت اور تعاون اور صلہ رحمی کی بنیاد پر استوار ہیں۔

مخالفت قیاس جلی کی مثال: عیسائی کی گواہی قبول کر لینا کہ ایسا حکم جو اس کی گواہی کی بنیاد پر دیا گیا ہو وہ کالعدم ہوگا، کیونکہ فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی اور کافر مسلمان فاسق سے زیادہ درجے کا فسوق رکھتا ہے اور اس سے زیادہ شرعی مناصب کے لئے نااہل ہوتا ہے قیاس کے تقاضے کے مطابق لہٰذا حکم کالعدم ہوگا۔ اللہ کا فرمان ہے:

وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ ...... سورۃ الطلاق، آیت ۲

اور گواہ بناؤ اپنے میں سے عدل والوں کو۔

اور یہ مذاہب اربعہ کی رائے ہے ماسوا حنابلہ کے کہ انہوں نے اہل کتاب کی گواہی کو سفر میں کی جانی والی وصیت کے بارے میں قبول کیا ہے اگر وہاں ان کے علاوہ کوئی اور نہ ہو۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ بعض معنوی اور معاشرتی اسباب اور مخصوص حالات اور وہ تعصب جو مسلمان اور غیر مسلموں کے مابین پایا جاتا تھا وہ اس بات کا سبب بنا ہے کہ ان کی گواہی کے قبول کرنے کو ناجائز قرار دیا جائے (۲) اور اب جب کہ مسلمان غیروں کے ساتھ ایک بنیاد پر زندگی گذار رہے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ بہت گہرے روابط قائم کر چکے ہیں تو ان کی گواہی قبول کرنے میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا ضرورت کی خاطر اور آج کل بلاد اسلامیہ میں اسی پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔

تیسرا ضابطہ...... **اخذ بالایسر** کا ضابطہ ایسی تلفیق کا سبب نہ بنے جو ممنوع ہو: ہم نے پہلے ممنوع تلفیق کا دائرہ کار بیان کیا تھا خواہ وہ جو بالذات باطل ہو جیسے محرمات شرعیہ شراب زنا وغیرہ حلال کرنے والا تلفیق یا وہ جو بذاتہ باطل نہ ہوا البتہ دیگر عوارض کی وجہ سے باطل ہو یہ قسم تین قسموں پر مشتمل ہوتی ہے۔

---

❶..... اعلام الموقعین ج ۳، ص ۲۶۳۔ ❷ قواعد شرعیہ کی مخالفت کی مثال شوافع کے ہاں بیع معاطاۃ یا مراضاۃ ہے ان کی رائے میں یہ اصول شریعت کے خلاف ہے اور وہ اصول یہ ہے کہ بیع اور تجارت میں رضامندی شرط ہے جس کا اظہار ایجاب وقبول سے ہوگا جو کہ لفظاً ادا کیے جائیں۔ ❸ مصنف کی اس بات سے علماء امت کی دیانت پر حرف آتا ہے۔ بات یہ بھی ہے کہ مسلمان پہلے اس طرح کفار کے ساتھ اپنے بھی نہ تھے اور نہ ہی کفار بلند معاشرتی حیثیت میں ہوتے تھے وہ تو معاشرے کے اقلیت زدہ پست طبقے میں شمار ہوتے تھے لہٰذا یہ مسئلہ اس زمانے میں اسی طرح تھا اب نوعیت بدل گئی ہے لہٰذا اب معاملہ مختلف ہوگا۔ (مترجم)

۱.....رخصتوں کا عمداً بلا عذر وضرورت تتبع کرنا تاکہ آسان چیز پر عمل ہو سکے۔

۲.....وہ تلفیق جو قاضی کے حکم کو کالعدم کرنے کا سبب بنے۔

۳.....وہ تلفیق جو اس عمل سے رجوع کا سبب بنے جو اس نے کسی کی تقلید کرتے ہوئے انجام دیا تھا۔ یا ایسے عمل سے رجوع کا سبب بنے جو ایسے کام کے لئے لازم ہے جس میں وہ امام کی تقلید کررہا ہے، اور یہ عبادات محضہ کے علاوہ امور میں ہو۔ لہٰذا "الاخذ بالایسر" کے حکم پر عمل اس صورت میں نہیں کیا جائے گا جب اس کے نتیجے میں تکالیف شرعیہ کی ذمہ داری سے بچ نکلنے یا دین کے معاملات اور ازدواجی احکام سے کھیلنے کی نوبت پہنچ جائے یا انسانی تقاضوں کو ٹھیس پہنچتی ہو یا فساد فی الارض نتیجے میں برپا ہو یا اجتماعی فوائد کو کوئی نقصان پہنچتا ہو۔ ان تمام صورتوں میں الاخذ بالایسر ناجائز ہوگا۔

لہٰذا مثلاً فریضہ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے تلفیق یا اخذ پر عمل کرتے ہوئے حیلے وغیرہ کرنا❶ ناجائز ہے مثلاً سال گزرنے سے پہلے اپنے مقروض شخص کو زکوٰۃ کی رقم دے کر اس سے قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنا جس کے نتیجے میں دی ہوئی رقم واپس اس تک لوٹ آئی اور زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ بھی ادا ہوگئی۔ یا زکوٰۃ دینے والا صورتاً ایسی خرید وفروخت یا ھبہ کا معاملہ کرے اور مال دوبارہ واپس کسی طریقے سے حاصل کرلے تو اس طرح حیلے حرام اور باطل ہیں اس طرح کی حیلوں سے فریضہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگا❷ وہ تلفیق جو قاضی ک حکم کو کالعدم کرنے کا سبب ہو۔ کیونکہ اس میں فقراء کے مفاد اور ان کے مصالح کو نقصان اور ضرر لاحق ہوتا ہے اور ان کے ثابت شدہ ان شرعی حقوق کو زبردستی پامال کیا جاتا ہے جو اغنیاء کے اوپر لاگو ہوتے ہیں۔ اسی طرح فقراء کی حاجت کی تکمیل کے لئے احکام زکوٰۃ میں آسان مذہب پر فتویٰ دینا درست نہیں ہوگا۔ بلکہ فتوی ایسی چیز پر دیا جائے گا جس سے فقراء کو فائدہ ہو۔ لہٰذا امام شافعی امام مالک اور دیگر فقہاء کے فتوے کے مطابق بچے اور پاگل کے مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی اور خراجی زمین پر عشر بھی لازم کیا جائے گا لہٰذا اس زمین پر خراج اور عشر دونوں واجب ہوں گے۔ کیونکہ عشر مسلمانوں پر دینی فریضہ ہے۔ اور خراج اجتہادی واجب ہے تاکہ حکمران جماعت کے لیے وہ آمدنی کا ذریعہ بنے تاکہ وہ حکومتی امور میں درپیش حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

اور یہ لازم ہے کہ اخذ بالایسر سے مقصود مقاصد شریعت کی حفاظت اور اس کی تشریعی حکمتوں اور اس کی پالیسیوں کا تحفظ ہو۔ اور اس طرح تمام لوگوں کے مفادات کا معاملات، عقوبات (سزاؤں) اموال کی ادائیگیوں، اور ازدواجی تعلقات میں لحاظ رکھا جائے نہ کہ انفرادی مصلحت اور چھوٹی مصلحت کا بڑے مصلحت کے مقابلے میں لحاظ اور تحفظ اس کے ذریعے کیا جائے۔ اور ضرورت کے وقت بڑی خرابی کو چھوٹی خرابی کے ذریعے روکا جائے۔ اور یہ کہ شریعت ہی مصلحت کے تحقق اور خرابی کے دور کرنے میں معیار ہو نہ کہ دیگر چیزیں۔

اور شریعت کے مقاصد یہ ہیں:

۱.....حفاظت دین (عقائد وعبادات)

۲.....حفاظت نفس ۳.....حفاظت عقل

۴.....حفاظت نسل ۵.....حفاظت مال

اور ان امور کی حفاظت میں اس ترتیب کا ضرور لحاظ رکھا جائے کہ پہلے لازمی امور پھر حاجات وضروریات اور آخر میں تحسینی اور آرائشی امور۔

---

❶ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں مفتی کے لئے ایسے حیلوں کو تلاش کرکے ان پر فتوی دینا درست نہیں جو حرام اور ناجائز حیلے ہوں۔ اعلام الموقعین ج ۴ ص ۲

❷ اعلام الموقعین ج ۳، ص ۲۵۸، ۳۲۰

لازمی امور (یا ضروریات) سے مراد وہ امور ہیں جن پر انسان کی دینی اور دنیوی زندگی کا مدار ہو اس طرح کہ ان کے نہ ہونے سے دنیاوی زندگی گڑبڑ ہو اور اخروی زندگی میں نعمتوں کا زوال ہو اور سزائیں لاگو ہوتی ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ امور جن کا ان بنیادی پانچ مقاصد کی حفاظت کے لئے ہونا ضروری ہو یہ نہ ہوں تو حفاظت نہ ہوسکے۔

حاجات اور ضرورتوں سے مراد ہے وہ امور جن کی حاجت لوگوں کو اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے ہوتی ہے اس طرح کہ اگر یہ مفقود ہوں تو لوگ تنگی اور پریشانی میں پڑ جائیں ہاں زندگی متاثر نہ ہو کبھی کبھی ان کے بغیر مقاصد خمسہ کا حصول بھی ہوتا ہے لیکن بڑی مشقت اور تنگی کے ساتھ اور تحسینات یا آرائشی امور سے مراد وہ فوائد ہیں جن کا حصول عبادات کے محاسن اور اخلاق کی اعلیٰ قدروں کے حصول کے لئے ہوتا ہے جیسے طہارات اور ستر عورت وغیرہ گویا یہ ان پانچ مقاصد کے لئے بمنزلہ چار دیواری کے ہوتے ہیں۔

چوتھا ضابطہ "اخذ بالایسر" کی واقعی ضرورت اور حاجت ہو اخذ بالایسر کو دین کو کھیل بنانے یا نفسانی خواہشات کا راستہ یا اغراض کی حصول کا ذریعہ نہ بنالیا جائے کیونکہ شریعت مطہرہ نے خواہشات کی اتباع سے منع فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ...... سورۃ المؤمنون آیت ۷۱

اور اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرنے لگے تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب میں فساد واقع ہو جاتا

لہٰذا اختلافی مسئلے کو خواہشات نفس کی طرف لوٹا کر اس کے مطابق حل کرنا درست نہیں اس معنی ومفہوم میں بہت سی آیات ہیں جیسے کہ یہ آیت ہے:

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ

سو اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو تم جان لو کہ یہ اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اپنی خواہش کی پیروی کرے اللہ کی طرف سے کسی رہنمائی کے بغیر بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا..... سورۃ القصص آیت ۵۰

وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ...... سورۃ المائدہ آیت ۴۹

اور ان میں فیصلہ کیجئے اس چیز سے جو اللہ نے اتاری اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور داؤد ہم نے آپ کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے سو لوگوں میں حق کے مطابق فیصلہ کیجئے اور خواہشات کی اتباع نہ کریں۔

ورنہ وہ آپ کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ سورۃ ص آیت ۲۶

اسی بناء پر علماء نے مفتی پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ اپنے فتوے میں لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرے [1] بلکہ فائدے اور دلیل راجح کو پیش نظر رکھے۔ اور فائدہ بھی وہ ہے جو عام لوگوں کا ہو نہ کہ چند ایک کا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں:

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾
اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ...... سورۃ جاثیہ آیت ۱۸۔۱۹

پھر ہم نے ڈال دیا آپ کو حکم کے ایک طریقے پر تو آپ اس کی پیروی کیجئے اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے جو جانتے نہیں ہیں وہ آپ کو اللہ سے بے پروا نہیں کرسکتے ایک چیز میں بھی۔

[1] ..... اعلام الموقعین ج ۱ ص ۴۷، الموافقات ج ۴ ص ۱۴۲ الاعتصام ج ۲ ص ۱۷۶۔

علامہ قرافی الاحکام میں اور شیخ علیش اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں ❶ رہی بات حکم اور فتوی میں خواہشات کی پیروی کرنے کی تو وہ بالاجماع حرام ہے۔علامہ ابن قیم فرماتے ہیں مفتی کے لئے رخصتوں کا تلاش کرنا جائز نہیں اس شخص کے لئے جس کو وہ نفع پہنچانا چاہے، کیونکہ رخصتوں کا تتبع فسق اور گمراہی ہے اور اس کے بارے میں سوال پوچھنا حرام ہے ❷ اور یہی وہ بات ہے جس نے علامہ شاطبی کو تتبع رخصت کے منع کرنے پر آمادہ کیا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اس اصول (یعنی دو دلیلوں یا دو اقوال میں ایک پر بلا ترجیح عمل کرنا) پر لا پروائی سے عمل کرنے نے یہاں تک نوبت پہنچادی ہے کہ فقہاء کے بہت سے مقلد اپنے رشتے دار یا دوست کو وہ فتوی دے دیتے ہیں جو وہ دوسرے کو نہیں بتاتے اور یہ اپنی غرض، خواہش کی پیروی میں کرتے ہیں یا اس رشتے دار اور دوست کی خواہش نفس کی پیروی میں۔ ❸

اس بات سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی مصلحتوں کا اخذ بالایسر میں لحاظ رکھنا شرعاً اور فقہاً ناپسندیدہ عمل ہے بلکہ مفاد عامہ یا سب کی مصلحت ومفاد کا لحاظ ضروری ہے۔اور جب خواہشات کی پیروی شرعاً حرام اور مذموم قرار پائی تو لازم ہوا کہ **اخذ بالایسر** کو ضرورت یا حاجت کی قید سے پابند کیا جائے، کیونکہ یہ اصول ہے کہ ضرورت ممنوع چیزوں کو مباح کردیتی ہے اور حاجت عام ہو یا خاص ہو وہ ضرورت ہی کی طرح سمجھی جائے گی ضرورت کہتے ہیں اس چیز کو جس کے نہ کرنے سے خطرہ لاحق ہو۔

اور حاجت کہتے ہیں اس کو جس کے نہ کرنے سے تنگی اور مشقت لاحق ہوتی ہو۔

اور حاجت کے عام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ امت کے تمام افراد کو شامل ہو اور حاجت کے خاص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ امت کے ایک خاص گروہ کو لاحق ہو نہ کہ پوری امت کو جیسے کسی شہر کے لوگ یا کوئی پیشے والے۔اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ انفرادی اور شخص ہو۔ ❹

میں علامہ شاطبی سے اس بارے میں تو متفق نہیں کہ ضرورت اور حاجت پر عمل خواہش نفسانی پر عمل کرنے کے مترادف ہے ❺ کیونکہ ضرورتیں اور

حاجات ترقی کے ساتھ ساتھ نئی نئی سامنے آتی رہتی ہیں اور ضرورت شرعیہ اور حاجت شرعیہ کے ضوابط کی رعایت ضروری ہے (یعنی کہ ضرورت موجود ہو متوقع نہ ہو یقینی ہو یا کم از ظن غالب ہو حرج میں ڈالنے والی ہو یا ملجئہ ہو وغیرہ۔ ❻

پانچواں ضابطہ اخذ بالایسر ترجیح کے اصول کا پابند ہو.....یعنی ابتداً ہدف یہ ہو قوی رائے یا راجح رائے پر دلیل کے راجح ہونے کے اعتبار سے عمل پیرا ہو کیونکہ ''اخذ بالایسر'' اجتہاد کی ایک قسم ہے اور مجتہد اس دلیل کو قبول کرنے کا پابند ہوتا ہے جو راجح ہو اور صواب تک پہنچانے والی ہو اس کے گمان کے مطابق لہٰذا اصولی علماء نے مجتہد پر لازم کیا ہی کہ وہ کسی قول کی پیروی دلیل کی بناء پر کرے اور مذاہب میں ضعیف دلیل والے قول کو اختیار نہ کرے بلکہ ان میں سے قوی دلیل والے کو اختیار کرے۔کیونکہ صحابہ کرام اپنے اجتہادات کے بارے میں اس چیز پر متفق تھے کہ دو خیالوں میں غالب پر عمل واجب ہے نہ کہ کمزور اور ضعیف پر۔اور دوسری بات یہ ہے کہ عقل پیش آنے والے واقعات میں راجح پر عمل کرنے کی تائید کرتی ہے، اور یہ اصول ہے کہ شریعت عقل کے مطابق ہے علامہ قرافی فرماتے ہیں حاکم اگر مجتہد ہو تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کوئی حکم یا فتویٰ دے سوائے راجح قول کے، اور اگر مقلد ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے مذہب کے مشہور قول پر فتوی دیدے۔اور اس کا حکم دیدے اگرچہ وہ اس کے نزدیک راجح نہ ہو۔اور اس قول کو ترجیح دینے میں وہ اپنے اس امام کی تقلید کرے گا جس کی تقلید وہ کرتا ہے جیسے کہ وہ فتوی میں بھی اس کی تقلید کرتا ہے۔اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ایسی چیز کا حکم یا فتوی دینا جو مرجوح ہو خلاف اجماع ہے ❼ لیکن شیخ علیش

---

❶.....فتح العلی المالک فی الفتوی علی مذهب مالک ج ؛ ص ۶۸ الاحکام للقرافی ص ۷۹۔ ❷ اعلام الموقعین ج ۴ ص ۲۲۲۔ ❸ الموافقات ج ۴ ص ۱۳۵۔ ❹ اعد خل الفقهی، استاد مصطفی زرقاء ف ۲۰۳۔ ❺ الموافقات ج ۴، ص ۱۴۵۔

❻ ملاحظہ کیجئے میری کتاب نظرية الضرورة الشرعية ص ۶۶۔ ❼ الاحکام فی تمییز الفتاوی عن الاحکام ص ۷۹، ۸۰ تبصرة الحکام ج ۱ ص ۶۲، فتاوی الشیخ علیش ج ۱ ص ۶۴۔

نے اس اجماع کے دعوے پر جرح کی ہے اور کہا ہے کہ یہ اجماع اگر ثابت ہو تو اس صورت کے لئے ہے جب قاضی یا مفتی کسی شاذ قول کی اختیار کرنے میں اپنی خواہش نفس کی اتباع کرے۔ اگر کسی شخص سے ناراض ہوا یا وہ ایسے گمنام قسم کا یا غریب سا آدمی ہو تو اس کے بارے میں سختی برت لی اور اگر اس کو چاہتا ہو یا اس کا اس پر کوئی احسان ہو یا وہ اس کے دوستوں اور اعزاء واقارب میں سے ہو یا وہ اس سے ہچکچائے اس کے زیادہ وجاہت کے حامل ہونے یا دنیادار ہونے کے سبب تو اس کے لئے نرمی برتتے ہوئے شاذ قول پر فتویٰ دیدیا جس میں اس کے لئے رخصت ہو۔❶

پھر شیخ علیش نے اقوال میں کچھ کو اختیار کر لینے کے مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ اگر مقلد ترجیح کے طریقوں سے واقفیت رکھتا ہے اور تصحیح اور تقدیم (مقدم کرنے) کے راستوں کا اس کو علم ہے تو اس پر واجب ہے کہ دو یا دو لے اقوال اگر ایک ہی شخص (مجتہد) کے ہوں تو وہ فتویٰ دینے عمل کرنے یا حکم لگانے میں اس کو اختیار کرے جو اس کی نظر میں راجح ہو۔❷

پھر علامہ قرافی کی اس عبارت جس میں انہوں نے مجتہد کو صرف راجح پر حکم لگانے یا فتویٰ دینے کا پابند جب کہ مقلد کے لئے اپنے مذہب کے مشہور کے مطابق فتویٰ دینے کو جائز بتایا ہے اگر چہ وہ قول خود مقلد کی نظر میں راجح نہ ہو اس عبارت پر تنقید کرتے ہوئے علامہ شیخ علیش نے کہا ہے❸ کہ غیر راجح پر عمل کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ مقلد کی نظر میں مرجوح جو اس کے امام کی نظر میں راجح ہے، پر عمل کرنے میں یا بالعکس صورت پر عمل کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایسے عمل کو انجام دیا گیا ہے جو دونوں (امام اور مقلد) کی نظر میں مرجوح ہے۔

علامہ قرافی اور شیخ علیش کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ مقلد اگر ترجیح دینے کا اہل ہے اور اس مسئلے میں دو قول ہوں راجح اور مرجوح تو اس پر غور کر کے ترجیح دینا لازم ہے اور اگر دونوں قول برابر ہوں مقلد کی نظر میں دونوں میں سے کوئی راجح نہ ہو تو اس کے لیے ایک قول کے مطابق حکم لگانا درست ہے یا وہ ان دونوں میں اسی ترتیب سے ترجیح دے (جو پہلے بھی گذری) کہ جو زیادہ اعلم (زیادہ جاننے والا) شخص کا قول ہو اسے ترجیح دے، دوسرے نمبر پر وہ جو زیادہ کا قول ہو، پھر وہ جو زیادہ سخت قول ہو یا وہ قول جو سب سے بھاری ہو۔❹

یہی وہ عام اصول ہے جو علماء کے ہاں معمول بہ ہے کہ فتویٰ، عمل اور عدالتی معاملے میں راجح پر ہی عمل کرنا واجب ہے سوا اس کے کہ کوئی ایسی رکاوٹ آجائے جو شرعاً معتبر ہو۔ اگر کوئی ضرورت یا حاجت یا کوئی مفاد عام کی بات ہو جو قول مرجوح (ضعیف یا شاذ❺) پر عمل کرنے کی متقاضی ہو یا حاکم وقت نے قول مرجوح کو قبول کر لیا ہو اور اس کے مطابق فیصلہ کر دیا ہو تو اس کو قبول کرنا جائز ہے جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں، اور حقیقت میں ”اخذ بالمرجوح“ (مرجوح قول اختیار کرنا) کی ممانعت پر کوئی اجماع نہیں ہے اور اس بات کی دلیل علماء میں اس بات پر پائے جانے والا اختلاف ہے کہ مقلد شخص علماء کے کون سے اقوال قبول کرے؟ چنانچہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں سے زیادہ اعلم (عالم۔ باخبر) فقیہ کے قول کو لے لیا جائے بعض کہتے ہیں کہ اکثر کے قول کو لے لے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جس کے قول کو چاہے قبول کر لے یعنی وہ خواہ اعلم بھی نہ ہو اور نہ اکثر میں سے ہو بلکہ یا تو ہمسر ہو یا تعداد میں کم لوگوں میں ہو یا ادنیٰ علم رکھتا ہو اور یہ قول شاذ ہی ہوتا ہے جو اس قسم کی کیفیت کا حاصل ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان جو داؤد علیہ السلام سے فرمایا تھا: وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى (اور اپنی خواہشات کی اتباع نہ کیجئے سورۃ ص آیت ۲۶) کی ایک عمدہ تشریح یہ بھی فرمائی ہے کہ حق بات کا حکم دینے کے بارے میں فرمانے کے بعد پھر یہ کہنا کہ خواہش کی اتباع نہ کیجئے اس میں اشارہ اس بات کا ہے کہ صرف حق بات کہنے سے اس حکم (حق کی اتباع کیجئے) کی تعمیل نہیں ہوگی جب تک کہ اس حق کا حکم دینے کا سبب اتباع نفس نہ ہو بلکہ حقانیت اور پرچار حق نہ ہو۔ لہٰذا جو شخص اس طرح خواہشات کا پیروکار رہو گا اس کا معبود اس کی خواہش ہوگی نہ کہ اللہ جل جلالہ۔ حتیٰ کہ نوبت یہاں تک جا پہنچتی ہے کہ جب اپنی خواہشات حق کے ذریعے پوری نہیں ہوتی ہیں تو وہ حق

❶..... فتح العلی المالک ج ۱ ص ۶۲۔ ❷ فتاوی الشیخ علیش ج ۱ ص ۶۸۔ ❸ ص ۶۸۔ ❹ تفصیل کے لئے دیکھئے الاحکام للقرافی ص ۳۰،، ۸۰ فتاوی علیش ج ۱ ص ۶۵۔ ۶۹۔ ❺ قول شاذ وہ ہوتا ہے جس کے مدرک کا بالکل علم نہ ہو۔

کو چھوڑ دیتا ہے اور غیر اللہ کی پیروی میں لگ پڑتا ہے۔ ہاں جو شخص قول شاذ کی تقلید اس لیے کرے کہ یہ قول اس شخص کے اعتبار سے حق ہے جس نے یہ بات کہی ہے اور اس کے حق میں بھی جس نے اس کی تقلید کی ہے اور محض خواہش نفسانی اسے اس چیز پر نہیں ابھار رہی ہے بلکہ حاجت اور کسی دینی یا دنیاوی ضرر کے خلاف امداد اسے مطلوب ہے تو ایسے شخص کی سلامتی کی توقع ہے اگر ان شرائط کے ساتھ مقید ہو جو ذکر کی گئیں ❶ شیخ علیش مزید فرماتے ہیں کہ رخصت کے بارے میں کسی کی تقلید کر لینا بغیر تتبع رخصت (رخصت کو کھوج کر تلاش کرنا) کے بلکہ بہ سبب اس کی حاجت اور ضرورت کے بعض حالات میں مثلاً فتنہ وغیرہ کے خوف سے تو اس کے لئے اس کی اجازت ہے۔ ❷

تو ہمارے خیال اور انداز ے میں یہ ہیں "اخذ بایسر المذاھب" (آسان مذہب اختیار کرنے) کے قواعد وضوابط، اگر ہم انہیں تھامے رکھیں گے تو ہم اعتدال اور میانہ روی کو پکڑے ہوئے ہوں جس کی بنیاد پر شریعت اسلام قائم ہے اور جو اس طریقہ کار اور اسلوب سے متفق ہو جو خلیفہ ابو جعفر منصور نے سوچا تھا جب اس کی امام مالک سے حج کے موقع پر ملاقات ہوئی تو اس نے ان سے کہا میرے اور آپ کے علاوہ کوئی عالم باقی نہ رہا میں تو سیاست میں مشغول ہو گیا ہوں، اب آپ لوگوں کے لئے سنت اور فقہ کے بارے میں ایسی کتاب تحریر کر دیں جس میں آپ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رخصتوں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سختیوں اور حضرت ابن مسعود کی منفرد آراء سے بچ کر چلیں اور اس کو آسان ترین بنائیں۔ امام مالک فرماتے ہیں ابو جعفر نے مجھے تالیف کرنے کا طریقہ بتا دیا یعنی ان کو اعتدال کا طریقہ بتا دیا تھا۔

ان ضوابط کا اختصار دو کاموں میں کرنا ممکن ہے۔

۱.....مسئلہ اجتہادی ہو اور اس میں راجح دلیل نہ ہو۔

۲.....کوئی ضرورت، حاجت، مصلحت یا عذر ہو۔

یہ بات مدنظر رہے کہ شوافع میں سے ابن حجر وغیرہ نے تقلید کی شرائط وضاحت سے بیان کی ہیں ❸ ہماری گفتگو جو اخذ بایسر مذاہب کے بارے میں ہے اس کے لئے ان کی یہ بحث بطریق اولیٰ مفید ہے، ابن حجر کی اس بحث کا ذکر یہاں مفید معلوم ہوتا ہے۔ ہم اس کو ذکر کرتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں: تقلید کی چھ شرائط ہیں:

۱..... یہ کہ جس مجتہد کی تقلید کی جا رہی ہے اس کا مذہب باقاعدہ مدون ہو۔ تاکہ غور و فکر کا نتیجہ صحیح معنوں میں حاصل ہو سکے اور مقلد کو یقینی طور پر معلوم ہو سکے کہ وہ مسئلہ جس میں تقلید کر رہا ہے وہ اسی مذہب میں سے ہے

۲.....مقلد امام مذہب کی اس مسئلے کے بارے میں ذکر کردہ شرائط یاد رکھے۔

۳.....تقلید ان امور میں نہ ہو جن میں قاضی کی قضا کالعدم ہو جاتی ہے یعنی نص قرآنی یا حدیث یا اجماع یا قیاس جلی کے مخالف نہ ہو۔

۴.....رخصتوں کا تتبع نہ کرے کہ ہر مذہب میں سے آسان بات کو اختیار کر لے۔

تاکہ تکلیف شرعی کا طوق اپنے گلے سے ہی اتار پھینکے۔ علامہ ابن حجر کی رائے یہ ہے اس طرح کے کام کرنے والے فاسق قرار دینا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اور علامہ رملی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زیادہ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فاسق تو نہیں البتہ گناہ گار ضرور ہوگا۔ یہ شرط جیسا کہ متاخرین کی تصریح موجود ہے، صحت تقلید کی شرط نہیں ہے بلکہ یہ درء الاثم (گناہ سے بچنے) کے لئے شرط ہے جیسے نماز کے لیے یہ شرط لگانا کہ وہ کسی سے غصب شدہ زمین میں نہ ہو۔

(کہ یہ شرط گناہ سے بچنے کے لئے ہوتی ہے اصل نماز سے اس کا تعلق نہیں ہوگا)

---

❶، ❷.....فتاوی الشیخ علیش ج ۱ ص ۶۲ و ص ۶۰۔ ❸ الفوائد المکیۃ فی ما یحتاجہ طلبۃ الشافعیہ، سید علوی احمد السقاف، ص ۵۱، طبع بابی الحلبی

۵..... یہ نہ کرے کہ ایک مسئلے میں ایک بات پر عمل کرے اور اس سے ملتے جلتے دوسرے مسئلے میں اس کے بالکل مخالف قول پر عمل کرے۔ لیکن اس شرط پر اعتراض ہے، کیونکہ اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ عمل کے بعد تقلید درست نہیں اور جیسا کہ شوافع کا قول ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ عمل کے بعد تقلید کر لینا درست ہے دوقولوں میں ایسے تلفیق نہ کرے کہ جس سے تیسرا ایسا قول سامنے آئے جس کا کوئی امام بھی قائل نہ ہو جیسے امام شافعی کی تقلید ذرا سے سر کے حصے کے مسح میں اور امام مالک کی تقلید کتے کے پاک ہونے اور یہ دونوں تقلید ایک ہی نماز کے بارے میں کرنا کہ یہ ناجائز ہے۔ علامہ بلقینی فرماتے ہیں تقلید میں وہ جوڑ توڑ قابل عیب ہے جب وہ ایک قسم کے مسئلے کے بارے میں ہو جیسے دو اماموں کی تقلید حدث کی طہارت کے بارے میں، ہاں اگر یہ ترتیب اندازی دو نوعیت کے مسائل کے بارے میں ہو جیسے ایک کی طہارۃ الحدث (وضو، غسل، تیمم وغیرہ) کے بارے میں اور دوسرے کی طہارۃ الخبث (نجاست کے دھونے) کے بارے میں تو یہ ترتیب اندازی ممنوع نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں اماموں کا ایک ہی نوعیت کی طہارت کے باطل ہونے پر اتفاق نہیں ہے۔

بعض شوافع علماء نے ساتویں شرط کا اضافہ کیا ہے کہ مقلد پر لازم ہے کہ وہ اعتقاد رکھتا ہو کہ دوسرے امام مقلدین سے وہ یا تو افضل ہے یا برابر ہے (یعنی وہ سمجھتا ہو کہ میرے تقلید شدہ مجتہد زیادہ افضل اور راجح ہیں دوسرے مجتہدین کے مقابلے میں، اگر وہ ایسا نہیں سمجھتا تو اس پر لازم ہے کہ وہ دوسرے افضل مجتہد کی تقلید کرے) لیکن مشہور بات جس کی ترجیح علامہ نووی اور رافعی نے ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول (غیر افضل) کی تقلید جائز ہے، علامہ ابن عابدین شامی نے ذکر کیا ہے کہ تحریر اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ مفضول کی تقلید افضل کی موجودگی میں جائز ہے، یہ حنفیہ مالکیہ اکثر حنابلہ اور شافعیہ کا قول ہے۔

بعض لوگوں نے آٹھویں شرط یہ لگائی ہے کہ تقلید کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ صاحب مذہب تقلید کے وقت زندہ ہوں، لیکن یہ قول علماء نے رد کر دیا ہے، علامہ نووی اور رافعی اس بات پر متفق ہیں کہ انتقال کئے ہوئے شخص کی تقلید بھی درست ہے۔

ان شرائط پر کی جانے والی بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ پہلی دو شرطیں ہر تقلید یا اخذ بالایسر کے لئے لازم ہیں، اور ساتویں اور آٹھویں شرط بے دلیل و حاجت ہیں، تیسری شرط سے میں متفق ہوں اور اپنی بحث میں اسی پر اعتماد کرتا ہوں، اور میں صرف تلفیق ممنوع کو غلط قرار دیتا ہوں۔ اس طرح پانچویں شرط کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور بوقت ضرورت چوتھی شرط کی مخالفت کو میں درست سمجھتا ہوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بہتر ہوگا کہ تمدنی، تجارتی اور تعزیراتی قوانین کی تشکیل سازی اسلامی فقہ یعنی فقہ صحابہ، فقہ تابعین، فقہ مذاہب اربعہ، اور اس کے علاوہ دیگر ائمہ مجتہدین کے فقہ اور عصر حاضر کے علماء کی آراء کی بنیاد پر کی جائے۔

اجتہاد آج بھی ممکن ہے تمام تر امکانی پہلوؤں کے ساتھ، اس میں کوئی مشکل نہیں شرط یہ ہے کہ ہم ان اوہام اور خیالات کو دفن کر دیں اور اس پردے کو چاک کر دیں جو ہماری عقلوں اور دلوں پر ماضی کی ناکامیوں اور سستی اور کاہلی کے سبب پڑ گیا ہے اور اس غلط گمان کی وجہ سے بھی کہ اس تک پہنچنا ممکن نہیں جہاں تک پچھلے لوگ پہنچے تھے۔ یہاں تک کہ اجتہاد کو ایک نوعیت کا امر محال سمجھ لیا گیا ہے اور اب فضاؤں تک کو مسخر کر لینے اور نت نئے عجیب وغریب آلات کی ایجاد کے بعد بھی کوئی چیز ہے جو محال سمجھی جا سکے؟

اجتہاد کی شرائط کی تکمیل اب کوئی مشکل کام نہیں جب کہ مختلف علوم مدون کئے جا چکے ہیں اور ان میں تصنیف شدہ کتابوں کی بڑی تعداد سامنے آ چکی ہے اور اس میں شامل ہر خارجی چیز کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ اور ہر مخفی پہلو کھول کر واضح کر دیا گیا ہے۔ اور دیکھئے یہی علماء تھے ہر زمانے میں جو اجتہاد کا عمل جاری رکھے ہوئے تھے اور پہلے کے اقوال کے مابین ترجیح کا عمل انجام دیتے تھے اور حتی کہ مذاہب اسی طرح منضبط ہوئے اور احکام اسی طرح تحریر کئے گئے۔ علماء مالکیہ میں علامہ عبدالسلام اپنی کتاب ”شرح مختصر ابن حاجب“ کے باب القضاء میں فرماتے ہیں ”اجتہاد کے رتبے کا حصول ممکن ہے، فتویٰ اور قضاء (عدالتی امور) میں یہ شرط ہے۔ یہ اس وقت رہے گا جس وقت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انقطاع علم کی خبر دی ہے۔ اور ہم ابھی اس زمانے تک نہیں پہنچے ہیں جس میں انقطاع علم ہوگا۔ ورنہ یہ لازم آئے گا

کہ امت غلطی پر جمع ہوئی ہے اور یہ بات باطل ہے'' علامہ سیوطی اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ دیکھئے انہوں نے کیسے وضاحت سے کہہ دیا کہ اجتہاد کا رتبہ حاصل کرنا متعذر نہیں ہے، اور یہ کہ یہ رتبہ ان کے زمانے تک باقی تھا اور یہ کہ اس کے نہ ہونے سے یہ لازم آئے گا کہ امت باطل پر جمع ہوئی ہے، اور یہ محال ہے کہ امت باطل یا گمراہی پر جمع ہو جائے۔ ❶

شیخ مراغی اسلام میں اجتہاد کی حیثیت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں ان حضرات کی رائے کا جو اجتہاد کو اب محال قرار دیتے ہیں، احترام کرنے کے ساتھ ان کی رائے سے اختلاف بھی کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ مصر کے بعض دینی اداروں کے علماء ایسے ہیں جن میں اجتہاد کی شرائط پائی جاتی ہیں اور ان پر دوسرے کی تقلید (محض) حرام ہے۔

ساتویں بحث......اجتہاد میں حق تک پہنچنے والا

اصولی علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خالص عقلی امور ❷ اور اصولی مسائل ❸ میں غور وفکر کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ حق اور درست بات تک ضرور پہنچے کیونکہ ان مسائل میں حق ایک ہی ہوتا ہے متعدد نہیں ہوتے، اور اس میں حق تک پہنچنے والا فقط ایک ہی معین شخص ہوتا ہے ورنہ دو متضاد چیزوں کا بیک وقت اجتماع (اجتماع نقیضین) لازم آئے گا جو کہ باطل ہوتا ہے جو شخص حق کو پائے وہ درست اور جو نہ پا سکے بلکہ غلطی کرے وہ گناہگار ہوتا ہے۔

پھر گناہ کی نوعیت بھی مختلف ہوتی ہے اگر غلطی ان امور میں ہو جن کا تعلق اللہ اور اس کے رسول پر ایمان سے ہے تو وہ غلطی کرنے والا کافر ہوتا ہے، بصورت دیگر وہ فاسق اور بدعتی ہوتا ہے، کیونکہ وہ حق کے راستے سے روگردانی کر چکا ہوتا ہے اور گمراہ ہو چکا ہوتا ہے۔ جیسے مثلاً اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا قائل نہ ہونا اور خلق قرآن کا قائل ہونا۔ ❹

ان قطعی مسائل سے وہ مسائل بھی ملحق ہیں جو دین کا بدیہی طبعاً لازمی حصہ ہونے کے سبب معلوم ہوتے ہیں جیسے پانچ نمازوں زکوٰۃ، حج اور رمضان کے روزوں کی فرضیت، اور قتل، زنا، شراب نوشی اور چوری وغیرہ کی حرمت اور اس طرح کے دیگر امور جن کا دین خدا کا قطعی حصہ معلوم ہونا یقینی امر ہے لہٰذا ان امور کے بارے میں اجتہاد کرنے والا ہر شخص مصیب (حق کو پانے والا) نہیں شمار ہوگا بلکہ حق صرف اور صرف ایک ہے متعدد نہیں، اور وہ وہ ہے جو ہمیں معلوم ہے اور جو دین کا حصہ ہے، اور اس بات کا مخالف خطا کار اور گناہ گار ہوگا رہے فقہی ظنی مسائل یعنی وہ احکام جن کے بارے میں قطعی دلائل نہ ہوں تو وہ محل اجتہاد ہیں (یعنی اجتہاد ان ہی میں ہو سکتا ہے) اور اس میں خطا کرنے والے مجتہد پر گناہ نہیں البتہ اصولیوں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ہر مجتہد حق کو پانے والا ہے یا حق کو پانے والا صرف ایک ہوگا۔ اس بارے میں اس اختلاف کا منشا و راصل یہ ہے کہ کیا ہر مسئلے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معین حکم ہے جو مجتہد کے اجتہاد سے قبل ہی تھا یا اس کا کوئی معین حکم نہیں اس کا حکم وہی ہے جس تک مجتہد اپنے اجتہاد سے پہنچے امام اشعری، امام غزالی اور علامہ قاضی باقلانی کی رائے یہ ہے کہ کسی مسئلے

---

❶...... الرد علی من اخلد الی الارض ص ۲۴۴۔ ❷...... قضایا عقلیہ (عقلی امور) وہ امور جن کی حقیقت غور وفکر کرنے والے کے لئے عقل کی رو سے ہی درست ثابت ہوتی ہو شریعتوں کے آنے سے قبل ہی۔ جیسے ایسی ذات باری کا ثبوت جو میں نے تخلیق کی ہو اس کی صفات کا رسولوں کی بعثت کا ثبوت اور ان کی معجزات کے ذریعے تصدیق دنیا کا حادث ہونا اللہ کی رؤیت کا جائز ہونا اعمال اور قرآن کا مخلوق ہونا اور موحدین کا جہنم سے باہر آ جانا وغیرہ کہ ان امور کا درست عقل ادراک کر سکتی ہے۔ ❸ مسائل اصولیہ وہ مسائل جن کے دلائل قطعی ہوتے ہیں اور وہ اصول اور مقاصد شریعت پر مبنی ہوتے ہیں جیسے اجماع اور قیاس اور خبر واحد کا حجت ہونا، اس میں مخالف شخص (جو یہ نظریہ نہ رکھتا ہو) گناہ گار ہوگا۔ ❹ المستصفی ج ۲ ص ۱۰۵ الاحکام للآمدی ۳ ص ۱۴۶ شرح المحلی علی جمع الجوامع ج ۲ ص ۳۱۸ شرح العضد علی مختصر ابن الحاجب ج ۲ ص ۲۹۳ مسلم الثبوت ج ۲ ص ۳۲۸ کشف الاسرار ج ۴ ص ۱۱۳۷ التلویح ج ۲ ص ۱۱۸ الملل والنحل ج ۱ ص ۲۰۱ ارشاد الفحول ص ۲۲۸۔

کے بارے میں مجتہد کے اجتہاد سے پہلے خدا کا کوئی معین حکم نہیں ہوتا اللہ کا حکم وہی ہوتا ہے جس تک مجتہد اپنے اجتہاد سے پہنچے چنانچہ حکم ظن (گمان) کے تابع ہے، جو کچھ مجتہد کے ظن (گمان) پر غالب ہو جائے وہ حکم خدا ہوگا۔ اس بات کا مفہوم یہ ہوا کہ ہر مجتہد حق تک پہنچے والا ہے کیونکہ اس نے اپنے ذمہ لازم کام ادا کر دیا ہے۔

جمہور علماء اور شیعہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اجتہاد سے قبل ہی ہر حکم کے بارے میں متعین حکم ہے، لہٰذا جو اس تک پہنچ جائے وہ حق تک پہنچے والا ہے اور جو اس تک نہ پہنچے وہ خاطی (غلطی کا مرتکب) ہے، چنانچہ حق تک

پہنچنے والا ایک ہے اور اسے دو اجر ملیں گے، اور اس کے علاوہ باقی غلطی کے مرتکب ہیں اور ان کے لئے صرف ایک اجر ہے❶ پھر ان حضرات میں بھی اختلاف ہے فقہاء اور متکلمین کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم جو حق اور اللہ کے ہاں معین ہے اس کی کوئی دلیل اور کوئی نشانی نہیں ہوتی، اس کی مثال ایسے مدفون خزانے کی ہے جو کھودنے والے کو بالکل اچانک بغیر کسی علامت اور نشانی کے مل جاتا ہے۔

لیکن یہ رائے غیر معقول ہے، کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ایسے حکم کا مکلف بنا دیں جس کی کوئی دلیل نہ ہو۔ اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کی ظنی (تخمینی) نشانیاں بنائی ہیں، لیکن مجتہد دلیل کو پانے کا مکلف نہیں ہوتا ہے کیونکہ دلیل مخفی اور بہت گہری ہوتی ہے۔ جو باوجود کوشش کے اسے نہ پا سکے وہ معذور ہوگا اور اسے اجر بھی ملے گا کوشش کرنے کا۔ اور یہی قول صحیح ہے اور دلیل اس کی حدیث نبوی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حاکم کوئی فیصلہ کرے اور حق تک پہنچے کی کوشش کرے اور حق کو پالے تو اسے دو ثواب ملیں گے، اور اگر فیصلہ کرے اور حق تک پہنچے کی کوشش کرے پھر بھی غلطی کرے تو اسے ایک اجر ملے گا۔

آٹھویں بحث......اجتہاد کا طریقہ

جب کوئی نئی بات پیش آئے یا انسان مجتہدین کی آراء میں سے راجح رائے نکالنا چاہے تو اس مجتہد عالم کو چاہئے کہ وہ موضوع سے متعلق لغت، آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ سلف صالحین کے اقوال اور قیاس کی ممکنہ وجوہ سب یکجا کرے، یعنی اس خاص واقعے کے بارے میں تمام شرائط اجتہاد اس مجتہد میں پائی جائیں پھر ان دلائل پر وہ شخص بلا کسی خاص مذہب سے وابستگی یا تعصب کے مندرجہ ذیل طریقے کے مطابق غور وخوض کرے:

سب سے پہلے کتاب اللہ کے نصوص میں غور وخوض کرے اگر کوئی نص یا ظاہری دلیل وہاں سے مل جاتی ہے تو اس کے مطابق عمل کرے اور اس واقعے کے بارے میں اس کے مطابق فیصلہ دیدے، اور اگر کتاب اللہ میں ایسی کوئی بات نہ ملے تو سنت نبویہ میں غور وخوض کرے اگر اس میں کوئی خبر، سنت عملی یا سنت تقریری ملے تو اس کو لے لے اور اس کے مطابق فیصلہ دے۔❷ پھر اس کے بعد اجماع علماء میں غور کرے پھر اس کے بعد قیاس میں غور کرے❸ پھر اس کے بعد اس رائے کے مطابق غور کر کے جو شریعت اسلامیہ کی روح اور مقاصد سے مطابقت رکھے❹ اس طریقے سے اجتہاد کے طریقے کی حدود متعین ہوتی ہیں کہ یا تو ظاہر نصوص کے مطابق فیصلہ ہوا گر وہ واقعہ پر منطبق ہوں یا پھر نص

---

❶..... اللمع لشیرازی ص ۷۱، المستصفی ج ۲ ص ۱۰۶ الاحکام للآمدی ج ۳ ص ۱۴۸ شرح الاسنوی ج ۳ ص ۲۵۱ شرح المحلی علی جمع الجوامع ج ۳ ص ۳۱۸ شرح لعضد علی مختصر المنتہی ج ۲ ص ۲،۳ التقریر والتحبیر ج ۳ ص ۳۰۶ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ج ۲، ص ۳۷۲، اور بعد کے صفحات کشف الاسرار ج ۴ ص ۱۱۳۸ التلویح علی التوضیح ج ۲ ص ۱۱۸ ارشاد الفحول ص ۲۳۰ الملل والنحل علامہ شہرستانی ج ۲ ص ۲۰۳۔❷ سنت کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ خبر یعنی قولی حدیث ۲ سنت عملی یعنی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہو ۳۔ سنت تقریری: وہ کام جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا آپ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی گویا رضامندی خاموشی سے فرمائی۔ از مترجم۔❸ الرسالۃ للشافعی ص ۵۰۸، الملل والنحل۔ الشہرستانی ج ۲ ص ۱۹۸ المنخول للغزالی ص ۴۶۲۔❹ اعلام الموقعین ج ۱ ص ۶۲، ارشاد الفحول ص ۲۲۷

سے حاصل ہونے والے امر عقلی یعنی قیاس سے وہ فیصلہ اخذ کیا جائے یا پھر درپیش معاملات کو ان اصول وقواعد پر پرکھ کر دیکھا جائے جو قرآن وسنت کی متفرق دلیلوں سے ماخوذ ہیں جیسے استحسان مصالح مرسلہ، عرف اور سد ذرائع وغیرہ۔❶

نویں بحث......اجتہاد کا کالعدم اور اس کا متغیر ہونا

اور زمانے کی تبدیلی سے احکام کا بدل جانا

۱۔اجتہاد کا متغیر ہونا...... مجتہد کے لئے اپنا اجتہاد بدل دینا جائز ہے، چنانچہ وہ پہلے کہی ہوئی بات سے رجوع کر سکتا ہے۔ کیونکہ اجتہاد کی بنیاد دلیل ہوتی ہے اور مجتہد کو جب بھی دلیل ملے اس پر اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے کیونکہ اس صورت میں وہ بات ظاہر ہو جاتی ہے جو زیادہ قابل عمل ہے اس کے مقابلے میں جو اس نے پہلے اختیار کیا تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ یہ دوسرا قول زیادہ حق اور صواب کے قریب ہے❷ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو خط حضرت ابوموسیٰ اشعری کے نام جو ان کے قاضی تھے کوفہ میں جو خط لکھا تھا اس میں ہے کہ اور تمہیں وہ فیصلہ جو تم نے آج کیا ہو اور تم نے اس میں اپنی پوری کوشش کی ہو اور تم نے اپنے طور پر صحیح راستہ اپنایا ہو، حق کی طرف لوٹنے سے نہ روک دے، کیونکہ حق پہلے ہی سے ہوتا ہے اور حق کی طرف لوٹ جانا باطل پڑے رہنے سے بہت بہتر ہے۔

۲۔اجتہاد کا کالعدم ہونا، ٹوٹ جانا...... جب کوئی مجتہد کسی واقعے کے بارے میں کوئی فتویٰ دے یا حاکم دو جھگڑنے والوں کے مابین کسی جھگڑے میں کوئی فیصلہ دے دے۔

پھر ان دونوں کا اجتہاد بدل جائے اور ان دونوں کی رائے اس کے برخلاف ہو جائے جیسے پہلے تھی تو کون سے اجتہاد پر عمل کیا جائے گا؟ پہلے والے اجتہاد پر یا بعد والے اجتہاد پر؟ اور کیا پچھلا اجتہاد کالعدم ہو جائے گا۔ اس بات کے جواب سے پہلے اجتہاد کے ٹوٹنے (کالعدم ہونے نقض اجتہاد) اور اس کے بدلنے (تغیر اجتہاد) کے درمیان فرق ہے اور وہ یہ کہ تغیر ایک نظریاتی چیز ہے جو پچھلے اجتہاد سے رجوع کرنے کی بنیاد کے تعین کرنے کو کہتے ہیں جب کہ نقض اجتہاد کا دائرہ کار عملی زندگی سے ہوتا ہے یعنی فتویٰ تنازعات اور جھگڑوں وغیرہ سے اس کا تعلق ہوتا ہے۔❸

علماء اصول نے نقض اجتہاد کے بارے میں مجتہد اور حاکم کے درمیان فرق کیا ہے❹ اور وہ یہ کہ مجتہد اگر ایک چیز کے بارے میں ایک رائے رکھتا ہے بعد میں اس کا خیال بدل جاتا ہے تو مجتہد پر لازم ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کو کالعدم کر دے اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج اور اثرات کو بھی۔ اس کی مثال جیسے کسی مجتہد کی رائے یہ ہو کہ خلع فسخ نکاح ہے طلاق نہیں، چنانچہ اس نے ایسی عورت سے دوبارہ نکاح کر لیا جس سے تین مرتبہ خلع کا معاملہ کر چکا تھا۔ بعد میں مجتہد کی رائے یہ قائم ہوگئی کہ خلع فسخ نہیں طلاق ہے تو اس صورت میں مجتہد پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرے، اس کو بطور بیوی رکھنا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اجتہاد ثانی پر عمل درآمد کرتے ہوئے اس کو ایسا کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کو یقین ہو چکا ہے کہ پہلا اجتہاد غلط تھا اور دوسرا صحیح ہے اور اپنے ظن کے مطابق اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ اور حاکم اگر کسی معین

---

❶ ... تاریخ الفقہ الاسلامی۔ السا نیس ص ۳۱۔ ❷ ارشاد الفحول ص ۲۳۲ ❸ اجتہاد کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں (۱) نظریاتی (۲) اور دوسری عملی۔ اگر صرف تھیوری کہ نظریاتی تبدیلی واقع ہو تو اسے تغیر اور اگر نظریاتی اور عملی دونوں طور پہ ہو تو اسے نقض اجتہاد سے تعبیر کرتے ہیں۔ از مترجم

❹ المستصفی ج ۲ ص ۱۲۰ الاحکام للآمدی ج ۳ ص ۱۵۸ مسلم الثبوت ج ۲ ص ۳۴۵ فواتح الرحموت ج ۲ ص ۳۹۵ التقریر والتحریر ج ۳ ص ۳۳۵ شرح المحلی علی جمع الجوامع ج ۲ ص ۳۲۰ المدخل علی مذہب احمد ص ۱۹۰ ارشاد الفحول ص ۲۳۶۔

بات کے بارے میں اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ دے پھر اس کا اجتہاد بدل جائے اس سے ملتے جلتے واقعے میں تو اگر کا حکم کسی دلیل قطعی جونص یا اجماع یا قیاس جلی ❶ میں سے ہو، کے خلاف ہو تو وہ کالعدم ہوگا بالاتفاق علماء خواہ حاکم کی طرف سے ہو یا کسی اور مجتہد کی طرف سے ایسا ہوا ہو کیونکہ یہ اجتہاد دلیل کے خلاف ہے۔ اور اگر حاکم کا حکم اجتہادیات کے بارے میں ہو یا دلائل ظنیہ سے متعلق ہو تو اس کا پہلا حکم کالعدم نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کا کالعدم قرار دینا احکام شرعیہ میں خلل اندازی اور ان کی بے استقراری کا سبب بنے گا اور حاکم کے فیصلوں پر بے اعتباری کا بھی۔ اور یہ اس مصلحت کے خلاف ہے جس کے لئے حاکم کا تقرر ہوتا ہے اور وہ ہے جھگڑوں کا فیصلہ کرنا۔ اور اگر حاکم کے حکم کو توڑ دینے کی اجازت دیدی جائے تو احکام کے لئے کوئی قاعدہ مستقل طور پر نہیں متعین کیا جاسکے گا۔ اور فیصلہ ہوجانے کے باوجود جھگڑے ویسے ہی قائم رہیں گے۔ اور یہ جھگڑوں تنازعات اور فساد پھیلنے اور عناد کے برقرار رہنے کا سبب بنے گا اور ظاہر ہے کہ یہ سب امور ان حکمتوں کے منافی ہیں جن کی غرض سے حکام کا تقرر کیا جاتا ہے جیسا کہ علامہ قرافی نے اس بات کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے ❷ اور اس بارے میں راہنما بات وہی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا قول مروی ہے جو انہوں نے جب کہا تھا جب انہوں نے ایک وراثت کے مسئلے کے بارے میں دو حکم دیے تھے کہ یہ حکم اس بنیاد پر ہے جو ہم نے فیصلہ دیا تھا اور یہ اس بنیاد پر ہے جو ہم فیصلہ دیں گے۔

۳۔ احکام کا بدل جانا زمانے کے بدل جانے سے...... احکام کا بدل جانا زمانے کے بدل جانے کے ساتھ ایسی بات ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے، یہ بات مشہور و معروف ہے اور یہ ہوتا ہے عرف کے یا لوگوں کے مفادات کے بدل جانے سے یا ضرورت کی رعایت ولحاظ کرتے ہوئے یا اخلاق کے خراب ہوجانے کے سبب سے یا دینی جذبہ وحمیت کمزور پڑ جانے کے سبب سے۔ یا زمانے کی ترقی اور نئی تبدیلیوں کے واقع ہونے کی وجہ سے یہ تغیر و تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کے پیش نظر حکم شرعی کا بدل دینا بھی ضروری ہوتا ہے تاکہ مصلحت کا تحقق ہو سکے اور فساد کو دور کیا جاسکے اور حق اور بھلائی کو ثابت کیا جاسکے۔ اور یہ بات تغیر احکام کے اصول کو مصالح مرسلہ کے نظریے کے زیادہ قریب کر دیتی ہے بہ نسبت نظریہ عرف کے اور یہ بات پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ وہ احکام جو تبدیلی اور تغیر کے قابل ہوتے ہیں وہ احکام ہیں جو قیاس یا مصالح مرسلہ کے ذریعے مستنبط ہوں۔ اور یہ کام معاملات، دستوری اور انتظامی احکام، اور تعذیبی تعزیرات کے دائرے میں انجام دیا جائے گا جو کہ اظہار حق جلب مصالح (حصول فوائد) اور مفاسد کے دور کرنے کے اصولوں کے ساتھ ساتھ چلتا ہے ہاں ان کے علاوہ جو بنیادی احکام ہیں جو کسی تشریعی مقصد کے حصول کے لئے ہیں یا عام نظم انسانی کی خاطر شریعت کی طرف سے مقرر کئے گئے ہیں تو وہ ایسے امور ہیں جو کسی قسم کی تبدیلی یا ترقی قبول نہیں کرتے ہیں۔

جیسے اصول عقیدہ وعبادات اور اخلاق اور آپس کے معاملات کے اصول جیسے محرم رشتہ داروں کی حرمت اور باہمی طے کئے جانے والے معاملات میں رضامندی کا اصول اور عقد کرنے والے کا اپنے وعدے اور عہد کا پورا کرنا اور اس نقصان کے تاوان کی اجازت جو دوسرے سے پہنچے اور امن واستقرار کا تحقق اور جرائم کی بیخ کنی اور عام انسانی حقوق کا تحفظ اور شخصی ذمہ داری کا اصول اور عدالت اور شوریٰ کے اصول کا احترام وغیرہ کہ یہ سب مسلمہ اسلامی اصول ہیں جن میں کسی قسم کا تغیر اور تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

دسویں بحث...... بحث وتمحیص کا خاکہ

ابواب فقہ میں میری گفتگو کا اسلوب یہ ہے کہ میں نے فقہ کو بنیادی طور پر چھ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

۱..... عبادات، اور وہ امور جن کا تعلق عبادات سے ہے جیسے نذر قسم اور قربانی وغیرہ یعنی وہ امور جن کا تعلق خالص اللہ سے ہوتا ہے اور وہ

❶..... اس کا تعارف اوپر گذر چکا ہے۔ ❷ الفروق ج ۲ ص ۱۰۴۔

اللہ اور بندے کی درمیان ہوتے ہیں۔

۲.....اہم فقہی نظریات۔

۳..... معاملات۔تمدنی معاملات اوران کے متعلق امور،یعنی وہ امور جن کا تعلق انسانوں کے آپس کے تعلقات سے ہوتا ہے۔

۴.....ملکیت اور ساتھ متعلق زمینوں کے احکام مردہ زمین کے زندہ کرنے کے احکام ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانے کے حقوق زمین میں سرمایہ کاری کے معاملات کانوں،قدرتی کنوؤں (تیل کے کنویں) کے احکام،تیمم،تقسیم،غصب،لقطہ، مفقود اور شفعہ وغیرہ کے احکام۔

۵.....وہ احکام جن کا تعلق حکومت سے ہوتا ہے(یعنی فقہ عام) جس میں حدود جنایات، جہاد، معاہدے، عدالتی امور، اثبات کے طریقے،امامت کبری کے احکام یا حکومت کے نظام کے احکام وغیرہ۔ان احکام کو احکام سلطانیہ کہتے ہیں۔

۶.....شخصی احوال طلاق، نکاح اور ان کے متعلق امور، میراث وصیت وقف کے احکام وغیرہ۔اہلیت اور ولایت پر گفتگو میں نے نظریات فقہیہ کی بحث میں کی ہے،ان دونوں کی تفصیل کہیں کہیں احوال شخصیہ کے مباحث کے ذیل میں بھی آ گئی ہے۔

گیارہویں بحث......پیمانہ جات کا چارٹ❶

۱.....لمبائی ناپنے کے پیمانے:

قصبہ:......برابر ہے ۶ ذراع یا ۲۹۶، ۳ میٹر کے۔❷

جریب......برابر ہے ۱۰۰ قصبہ کے یا ۳۶۰۰ ہاشمی ذراع یا مربع فٹ یا مربع گز کے یا ۱۳۶۶۴۱۶ء مربع میٹر کے۔

اور قدم (فٹ) ۳۰۴ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔اور آج کل گز ۴۳، ۹۱ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے ذراع ہاشمی ۳۲ ۱ اصبع (انگلی) یا قیراط کا ہوتا ہے، اور اصبع (انگلی۔انگلی کا پور) ۹۲۵ء ۱ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔

ذراع مصری عتیق❸ ۲، ۶ ۴ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔فقہ میں ذراع سے مراد ذراع ہاشمی ہوتا ہے جو کہ ۶۱۲ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔باع (دونوں ہاتھ کھول کر مخالف سمتوں میں پھیلانے کے برابر لمبائی) ۴ ذراع ہوتی ہے اور مرحلہ ۱۲ ساعت (گھنٹے) کا ہوتا ہے۔

لمبائی ناپنے میں لفظ قفیر ۱۱۰ (ایک بٹہ دس) جریب ہوتا ہے یا ۶، ۶، ۱۳ مربع میٹر ہوتا ہے اور غلوۃ (غلوہ سہم) ۴۰۰ ذراع یا ۸، ۱۸۴ میٹر کا ہوتا ہے۔اور فرسخ ۳ میل یا ۵۵۴۴ میٹر یا ۱۲۰۰۰ خطوۃ (قدم کا ہوتا ہے جو تقریبا ڈیڑھ ساعت (گھنٹہ) بنتا ہے۔

برید عربی ۴ فرسخ کا ہوتا ہے جو ۱۲۲۱۷۶ میٹر یا ۲۲۱۱۷۲ کلو میٹر یا تقریبا ۶ ساعت (گھنٹے) کے برابر ہوتا ہے۔❹ مسافر کے لئے قصر کی مسافت ۴ برد ہے اور ۴ برد سولہ (۱۶) فرسخ بنتے ہیں جو کہ ۷۰۳، ۸۸ کلو میٹر کے برابر ہوتے ہیں،احناف کے ہاں تقریبا ۸۶ کلو میٹر کی مسافت بنتی ہے،اور بعض نے ۸۳ کلو میٹر کی مقدار قرار دی ہے فدان مصری ۶۵ تقریبا ۴۲۰۰ مربع میٹر یا ۳۳۳ مربع قصبہ کے برابر ہوتا ہے۔اور فدان قدیم ۵۹۲۹ مربع میٹر کا ہوتا ہے اور دونم ۱۰۰۰ مربع میٹر کا ہوتا ہے۔

---

❶..... دیکھئے الخراج فی الدولة الاسلامية داكتر ضياء الدين الريس طبع اول ص ۲۶۱-۳۵۳ النظم الاسلامية داكتر صبحی صالح ص ۴۰۹-۴۲۹. الايضاح والتبيان فی معرفة المكيال والميزان ابن رفعه الانصاری۔ ❷ حالیہ قصبہ ۷۵، ۲۳ مربع میٹر کا ہوتا ہے گرام اور میٹر کے ناپ میں بھی کبھی حنفیہ وشافعیہ وغیرہ میں فرق ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اوقیہ اور مرحلہ کی پیمائش اور اندازے میں اختلاف ہے۔ ❸ مصنفین کتب اس کے مختلف نام ذکر کرتے ہیں۔چنانچہ اس کو ذراع تغیر، ذراع عامہ، ذراع قیاس، ذراع ید، ذراع آدمی یا ذراع صحیح کے ناموں سے ذکر کرتے ہیں۔❹ بعض لوگ فرسخ کو ۵۰۷۶ میٹر کا مانتے ہیں اس صورت میں آٹھ فرسخ ۶۸۰ ۴ کلومیٹر بنیں گے۔

۲......ماپنے کے پیمانے

صاع شرعی یا صاع بغدادی ۴ مد کا سوا پانچ رطل کا ہوتا ہے، یعنی چار بڑے پیالوں کے برابر، جس کا وزن ۶۸۵ء۷ درہم یا ۲ء۵۷ میٹریا ۲۱۷۶ گرام بنتا ہے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ، فقہاء حجاز اور صاحبین رحمہم اللہ علیہم کی رائے ہے اور وہ اس لئے کہ ان کے ہاں مد ۳، رطل عراقی کے برابر ہوتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ اور عراق کے فقہاء کے ہاں صاع شرعی آٹھ رطل کا ہوتا ہے اور وہ اس لئے کہ ایک مد دو رطل کا ہوتا ہے، اس حساب سے ۳۸۰۰ گرام کا بنا۔ دوسرے اندازے کے مطابق، جو کہ مشہور ہے صاع ۲۱۵۱ گرام کا ہوتا ہے علامہ نووی فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ صاع چھ سو پچاسی اور خمسۃ الباع درہم (۶۸۵ء۵۷) کا ہوتا ہے اور رطل ایک سو اٹھائیس اور اربعۃ الباع درہم (۱۲۸ء۴۷) کا ہوتا ہے۔ اور اعتبار صاع نبوی کا ہے اگر وہ مل جائے یا اس کے برابر کا اگر نہ ملے تو فطرہ دینے والے کو چاہئے کہ اتنا دے جس سے اسے یقین ہو جائے کہ وہ ایک صاع سے کم نہیں ہے۔ اور مصری ماپنے کے پیمانوں کے اعتبار سے صاع دو قدح بنتے ہیں۔

مد ۳/۱۰۱ رطل یا ۶۷۵ گرام یا ۶۸۸ ملی لیٹر کے برابر ہوتا ہے رطل شرعی یا رطل بغدادی ۷ ۸۴ ۱۲ درہم ہوتا ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ ۱۳۰ درہم ہوتا ہے، رطل بغدادی ۴۰۸ گرام کا اور رطل مصری ۱۴۴ درہم یعنی ۴۵۰ گرام کا ہوتا ہے تقریباً۔

درہم عراقی ۳ء۱۷ گرام ہوتا ہے اور حالیہ درہم مصری ۱۲ء۳ گرام کا ہوتا ہے۔ اور درہم عربی ۲ء۹۷۵ گرام کا ہوتا ہے۔ قفیز ۱۲ صاع یا آٹھ مکوک کا ہوتا ہے، مکوک ڈیڑھ صاع کا ہوتا ہے قفیز ۳۳ لیٹر یا ۱۲۸ بغدادی رطل کے برابر ہوتا ہے۔ اور یہ تین کیلجہ کے برابر بھی ہوتا ہے۔ ایک کیلجہ آدھے صاع کا ہوتا ہے 'منا' دو رطل کا ہوتا ہے۔

الفرق پیتل کا تابنے کا ایک برتن ہوتا ہے جس میں ۱۶ رطل آتے ہیں جس کا مطلب ہوا (دس) کلو یا ۶ قسط، ایک قسط آدھے صاع کا ہوتا ہے۔

اعدی یہ مد کے علاوہ ایک پیمانہ ہے جو شام اور مصر کا ہے اور ۲۲ء۵ صاع کا ہوتا ہے۔

جریب...... ۴۸ صاع یا ۱۹۲ مد کا ہوتا ہے۔ اور وسق ۶۰ (ساٹھ) صاع کا ہوتا ہے۔ اور پانچ اوسق جو زکوۃ کا نصاب ہوتا ہے وہ احناف کے علاوہ جمہور علماء کے ہاں ۳۰۰ (تین سو) صاع یا ۶۵۳ کلوگرام کا ہوتا ہے اس اعتبار سے کہ صاع کو ۲۱۷۵ گرام یا ۱۲۰۰ (بارہ سو) مد یا موجودہ رائج مصری وزن کے اعتبار سے ۴ اردب اور دو کیلہ مصری یا ۵۰ کیلہ مصری (پرانا وزن) کے برابر ہوگا۔

اور کیلہ ۲۴ مد کا ہوتا ہے، اور موجودہ اردب مصری ۹۶ قدح (بڑا پیالہ۔ وزن کا نام) یا ۲۸۸ مد یا ۱۹۸ لیٹر کا ہوتا ہے (۱) اور یہ ۱۵۶ کلو گرام یا ۱۹۲ رطل یا ۲۷ صاع کے برابر بھی ہوتا ہے۔ اور کیلہ مصری ۶ صاع یا ۳۲ رطل کا ہوتا ہے۔

اردب مصری یا اردب عربی ۲۴ صاع یا ۶۴ منا یا ۱۲۸ رطل یا ۶ ویبہ یا ۶۶ لیٹر کے برابر ہوتا ہے۔ اور ویبہ ۲۴ مد یا ۶ صاع کا ہوتا ہے۔ اور یہی موجودہ مصری کیلہ ہے۔

اور کر، جو سب سے بڑا ماپنے کا عربی پیمانہ ہے، ۷۲۰ صاع، یا ۶۰ قفیز یا ۱۰ اردب یا ۳۸۴۰ عراقی رطل یا ۱۵۶۰ کلوگرام کا ہوتا ہے۔

۳......تولنے اور نقدی کے پیمانے:

دینار...... ایک مثقال سونے کو کہتے ہیں جو ۴ء۲۵ گرام (۲) یا ۴ء۲۵ جو کے متوسط دانوں کے برابر ہتا ہے۔ اور جو کا معتدل دانہ

---

(۱)...... دائرۃ المعارف الاسلامیہ نے صاع کو تین لیٹر کے برابر گردانا ہے اس کے مطابق وسق ۱۸۰ لیٹر کا ہوگا لیکن زیادہ تحقیقی بات یہ ہے کہ صاع ۲ء۷۵ لیٹر کا ہوتا ہے۔ (۲) فیصل اسلامک بینک سوڈان نے اسے ۴ء۴۵۷ گرام کا قرار دیا ہے۔

۰٫۰۵۹ (صفر اعشاریہ صفر پانچ نو) گرام سونے کے برابر ہوتا ہے۔اور مثقال یا دینار ۲۰ قیراط کا ہوتا ہے۔اور مثقال عجمی ۴۸۰ گرام کا ہوتا ہے اور مثقال عراقی ۵ گرام کا❶ اور قیراط کا وزن، اگر مثقال کو ۲۰ قیراط کے برابر سمجھا جائے، ۰٫۲۱۲۵ گرام چاندی ہوگا۔اور یہ وہ وزن ہے جو حضرت معاویہؓ نے مصر میں بڑھانا چاہا تھا۔اور اگر ایک مثقال کو ۲۲ قیراط کے برابر سمجھا جائے تو قیراط ۰٫۲۴۷۵ گرام چاندی وزن کا ہوگا درہم عربی ایک مثقال (یعنی دینار) کا ۱۰/۷ ہوتا ہے یعنی ۲٫۹۷۵ گرام یا ٦ دانق یا ۵/۲۔۵۰ دانہ جو جو متوسط ہو۔اور دس درہم ۷ مثقال سونا یا ۱۴۰ قیراط ہوتا ہے، اور اوقیہ سونے کا ۴۰ درہم ہوتا ہے۔دانق دو قیراط یا ۵/۲۔۸ دانہ جو متوسط یا ٦/ادرہم ۰٫۴۹۵ گرام چاندی کے برابر ہوتا ہے۔اور طسوج دو دانے جو یا نصف قیراط یا ۰٫۱۲۳۷ گرام کا ہوتا ہے اور قیراط دو طسوج کا ہوتا ہے۔اور حبہ ۰٫۰٦۱۸ گرام چاندی یا ۰٫۰۵۰٦ گرام کا ہوتا ہے تو دو فلس (پیسول) کا۔اور نواۃ (کھجور کی گٹھلی ۵ درہم وزن کی ہوتی ہے۔اور فلس ۰٫۰۳ گرام چاندی کو کہتے ہیں اور قنطار شرعی ۱۲۰۰ اوقیہ یا ۸۴۰۰ ❷ دینار یا ۸۰۰۰۰ درہم کو کہتے ہیں۔اور اوقیہ سات مثقال کا ہوتا ہے جو کہ ۱۱۹ گرام چاندی کو کہتے ہیں اور موجودہ قنطار ۱۰۰ شامی رطل کا ہوتا ہے۔اور شامی رطل ۲٫۵٦۴ کلو کا ہوتا ہے، انگور اور کھجور کا نصاب جو کہ خمسۃ اوسق۔(پانچ اوسق) ہوتا ہے ۵٫۲ قنطار کشمش یا ٦۵۳ کلو یا ۵۰ کیلہ مصری کے ہم وزن ہوتا ہے۔

نوٹ.....صحیح ترین اندازہ جس پر میں نے اعتماد کیا ہے وہ یہ ہے کہ دینار ۴٫۲۵ گرام اور درہم ۲٫۹۷۵ گرام کا ہوتا ہے۔چاندی کا نصاب زکوۃ میں ۵۹۵ گرام اور سونے کا نصاب ۸۵ گرام ہے۔اور صاع شوافع کے ہاں ۲۱۷٦ گرام کا ہوتا ہے۔اس تفصیل کے مطابق پانچ اوسق تقریباً (٦۵۲٫۸ کلو=۲۱۷٦ گرام×۳۰۰ صاع) ٦۵۳ کلو کا ہوگا۔ان اوزان اور پیمانوں کے لکھنے میں میں نے مشہور اقوال کو بنیاد بنایا ہے۔اگرچہ کبھی دوسرے مذہب کے اندازوں کے اعتبار سے بھی میں نے یہ بیان کر دیا ہے۔

بارہویں بحث.....عبادات، دوفریقی معاملے فسخ کئے جانے والے معاملے اور ترک کیے جانے والی چیزوں میں نیت اور سبب کی بحث

یہ بحث مشروع نیت یعنی قصد وارادے اور نیت غیر مشروع یعنی برے ارادے، ان کے احکام اور احوال کی بحث ہے جو کہ عبادت کے دائرے یعنی طہارت روزے زکوۃ حج وغیرہ اور معاملات یعنی خرید وفروخت، شادی، تحفہ، کفالت، حوالہ وغیرہ کے متعلق ہے، اسی طرح فسوخ (وہ معاملات جو فسخ کے معنی ومفہوم رکھتے ہیں) یعنی طلاق جو کہ تعلق ازدواجی کو ختم کرنے کا نام ہے، اور ترک (یعنی وہ چیزیں جن کا چھوڑنا ضروری ہے) یعنی مکروہ اور حرام چیزوں کا ترک، ونجاست کا ترک (اس کو دور) کرنا، غصب شدہ چیز کا واپس لوٹانا، عاریت پر لی ہوئی چیز کا لوٹانا تحفوں کا پہنچانا وغیرہ وہ امور جن کی صحت نیت پر موقوف نہیں ہوتی، اور مباحات وعادات جیسے کھانا پینا ہم بستری وغیرہ وہ امور جن پر ثواب نیت کرنے کی صورت میں ملتا ہے، اور ان کے انجام دینے میں کسی کو کوئی مشقت نہیں ہوتی، بلکہ یہ بذات خود مرغوب کام رہتے ہیں جن میں انسان لذت محسوس کرتا ہے اور ان کو اپنی ذاتی اور طبعی فطری خواہش کے تحت انجام دیتا ہے، گویا زندگی کے تمام شعبوں میں انجام دے جانے والے

---

❶ اس تفصیل کی بنا پر بیس مثقال سونے کا نصاب مثقال عجمی کے اعتبار سے ۹٦ گرام کا اور مثقال عراقی کے اعتبار سے ۱۰۰ گرام کا ہوگا۔اور اندازہ کرنے کے لئے سونے کے سکے یا اس کے قائم مقام دوسری چیز کا اپنانا ضروری ہے۔یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ زکوۃ کے نصاب کا سونے اور چاندی کے مارکیٹ میں موجود ریٹ کے اعتبار سے اندازہ کرنا ضروری ہے کیونکہ موجودہ نقدی کی قوت خرید کا اندازہ شرعاً لازم ہے اور یہ بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ شریعت نے زکوۃ کے لیے جو متبادل مقداریں مقرر کی ہیں جو بیس دینار اور دوسو درہم چاندی ہیں اور یہ دونوں ایک چیز ہیں اور ایک قیمت ہیں۔❷ لسان العرب میں ہے کہ عرب کے ہاں یہ معروف معمول ہے کہ قنطار ۴ ہزار دینار کا ہوتا ہے۔

اعمال خواہ طبعی ہوں یا عبادت کے معنی ومفہوم کے حاصل ہوں یا کچھ اور کیفیت کے حامل ہوں ان میں نیت اور ارادے کے اثرات وغیرہ سے بحث اس عنوان کے تحت کی جائے گی۔

اس بحث کی اہمیت اور اس کا خاکہ...... اسلامی شریعت اس لحاظ سے ایک ممتاز حیثیت کی حامل ہے کہ یہ دین اور دنیا دونوں کے امور ومعاملات پر مشتمل ہے اور یہ ایک روحانی اور تمدنی معاشرتی نظام ہے۔حق باعتبار عدالتی مؤید کے ہونے یا نہ ہونے کی دو قسمیں رکھتا ہے۔ حق دیانی،حق قضائی۔

۱...... حق دیانی وہ ہے جو قضاء،عدالتی معاملات کے دائرہ کار میں نہیں آتا ہے،انسان اس بارے میں صرف اللہ کے آگے جواب دہ ہوتا ہے۔

۲...... حق قضائی وہ ہے جو قضاء اور عدالتی امور کے دائرہ کار میں آتا ہے اور صاحب حق کے لئے عدالت کے سامنے اس کو ثابت کرنا ممکن ہوتا ہے۔ان دونوں قسم کے احکام میں فرق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ احکام دیانت (حق دیانی) نیت،واقعی معاملے اور حقیقت سے تعلق رکھتے ہیں جب کہ احکام قضائیہ صرف ظاہر امر سے تعلق رکھتے ہیں اور اس میں نیت اور امر واقعہ کا لحاظ نہیں رکھا جاتا ہے۔چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو غلطی سے طلاق دیدی اور طلاق واقع کرنے کا رادہ نہیں تھا تو قاضی کے پاس معاملہ جانے کی صورت میں قاضی ظاہر معاملہ کو دیکھ کر طلاق کے واقع ہونے کا حکم لگا دے گا۔کیونکہ حقیقت حال کی پڑتال اس کے لئے ممکن نہیں۔جب کہ حکم دیانت کے تحت مفتی طلاق کے واقع نہ ہونے کا حکم دے گا۔اور انسان اس پر اپنے اور اللہ کے معاملے کے طور پر عمل کر سکتا ہے دنیاوی اعتبار سے نہیں۔

لہٰذا حق دیانت کا اعتبار نیت کے لحاظ سے ہوتا ہے اور نیت دیانت کی بنیاد ہے[1] اور یہ وہ ہمیشہ رہنے والا ابدی حق ہے جو بدلتا نہیں،اور یہ ہی ثواب وعقاب کی بنیاد ہے بندے اور اللہ کے درمیان۔کیونکہ اسلام ہر چیز سے پہلے ہی دین حق معین ہے اللہ کے ہاں۔اور دین کے معنویت ہر چیز میں اسلام کا جوہر ہے۔اور وہ اس بات کی پابند ہے کہ وہ خالص اللہ ہی کے لئے ہو۔

اور انسانوں کے وضع کردہ قوانین میں نیتوں،پوشیدہ باتوں اور دل کی اندرونی کیفیات کو مدنظر نہیں رکھا جاتا۔اور ان میں حرام اور حلال کے دینی معنی ومفہوم کے نظریئے کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔بلکہ مقصود واعتبار صرف ظاہری امور کا ہوتا ہے اور باہمی معاملات کے قائم رکھنے کے ساتھ زندگی کی کیفیت وصورت حال کی نگرانی مفقود ہوتی ہے۔اور معاشرے اور ملک میں رائج نظام کے مطابق ان امور کا نظم وضبط مطلوب ہوتا ہے اسلامی ممالک میں انسانی وضع کردہ قوانین کے نفاذ سے جو نقصانات پہنچے ہیں ان میں دینی جذبے اور رجحان کی کمزوری دین کے برتر ہونے کی فکر میں واضح کمی اور اللہ تعالیٰ کی بندوں پر ان کے پوشیدہ اور اعلانیہ اعمال کی نگرانی اور نگہبانی کے خیال میں کمی،اور حقوق کے حصول اور ان سے دستبرداری جیسے امور میں تقویٰ کا فقدان وغیرہ جیسے امور جنہوں نے نیت کے خصوصی خیال رکھنے کی کیفیت کو بالکل کمزور کر دیا ہے۔لیکن ہمارے معاشروں میں اس جیسی صورتحال کا ظہور جو ہمارے معاشروں میں بڑی پسندیدہ بھی ہے،ہمیں ایک مسلسل عمل نصیحت سے باز نہیں رکھ سکتا جو ہم اسلام کے پلیٹ فارم سے کریں گے اور جو اسلام کی اقدار اور اس کے احکام کے ساتھ ہو۔ کیونکہ یہی وہ نظام زریں ہیں جو بہترین ہمیشہ باقی رہنے والا اور انسانیت کے لئے زیادہ فائدہ مند ہے تاکہ لوگوں کی تحریک کی درستگی،اور انحراف اور غلطیوں سے بچ نکلنے کا سامان ہو سکے۔اور اس لئے بھی کہ یہ ہی وہ بنیاد ہے جس کی بنیاد پر انسان کا عام لوگوں کے درمیان اور اللہ کے ہاں بروز قیامت محاسبہ کیا جا سکتا ہے۔

---

[1]...... بیہقی اور طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نقل کی ہے جو کہ نیة المؤمن خیر من عملہ (مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے) لیکن یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں ذکر کیا ہے۔حافظ مناوی فرماتے ہیں: حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کے کئی طرق ہیں جن سے اس کے ضعف کی تلافی ہو جاتی ہے۔

اسلام کے احکام شرعیہ کے دائرے سے تعلق رکھنے والے ذخیرہ اور سرمایے کا اہم جز جس کا مکلف لوگوں کو پابند کیا گیا ہے وہ ہے صحیح نیت۔ چنانچہ اعمال کے صحیح ہونے کا معیار یہی ہے لہٰذا جہاں نیت صحیح ہوگی وہاں عمل صحیح ہوگا۔ اور جہاں نیت خراب ہوگی وہاں عمل خراب ہوگا۔ اور مکلف لوگوں کے اعمال شرعاً معتبر نہیں ہونگے اور نہ ہی ان کے انجام دینے پر ثواب مرتب ہوگا مگر نیت کے ذریعے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ مشہور حدیث انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی ان احادیث میں سے شمار کی گئی ہے جن پر اسلام کا مدار ہے، چنانچہ یہ دین کے اصولوں میں ایک اصول ہے۔ اور اسی پر اسلام کے اکثر احکام کا دارومدار ہے، اور یہ نصف اسلام ہے۔ امام ابوداؤد صاحب سنن ابی داؤد فرماتے ہیں یہ حدیث آدھا دین ہے، کیونکہ دین کا ایک ظاہر ہوتا ہے جو کہ عمل ہے اور ایک باطن ہوتا ہے جو کہ نیت ہے۔ اور اس حدیث کو ایک تہائی علم بھی قرار دیا گیا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث میں ایک تہائی علم موجود ہے امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ اس کے ایک تہائی علم ہونے کا سبب یہ ہے کہ انسان کی کوشش اور حصول دل سے زبان سے اور اپنے اعضاء سے ہوتی ہے، اور نیت ان تینوں میں سے ایک سے تعلق رکھتی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث فقہ کے ستر ابواب سے تعلق رکھتی ہے اور اسی وجہ سے علماء کرام نے اپنی اپنی تصنیفات وکتب اس حدیث سے ہی شروع کی ہیں اور سبب اس کا یہ تھا کہ طالب علم کو یہ تنبیہ کر دی جائے کہ وہ اپنی نیت کو خالص اللہ کے لئے کرلے علم کے طلب کرنے میں، نیک کام کرنے میں اور اپنی ذات، اپنی امت اور اپنے مسلک کو فائدہ پہنچانے کے عمل میں۔ اور اسی بناء پر علماء نے فرمایا ہے کہ الامور بمقاصدھا (کاموں کا تعلق ان کے مقاصد سے ہوتا ہے) کا قاعدہ ایک تہائی علم کا درجہ رکھتا ہے۔ اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ الاعمال بالنیات والی حدیث ایک تہائی اسلام ہے، امام ابوداؤد فرماتے تھے: میں نے سند احادیث میں غور کیا تو وہ چار ہزار احادیث ہیں۔ پھر میں نے دوبارہ غور کیا تو ان ۴ ہزار احادیث کا مدار صرف چار حدیثوں پر نکلا۔

۱..... حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث ''الحلال بیّن والحرام بیّن''۔

۲..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ''انما الاعمال بالنیات''۔

۳..... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ''ان اللہ طیب لا یقبل الا طیباً''

۴..... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی حدیث ''من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ'' وہ فرماتے ہیں ان میں سے ہر حدیث علم کا ایک چوتھائی حصہ رکھتی ہے۔ ❶

ان سب باتوں کی بنا پر نیت کی بحث دین کے بنیادی مباحث میں سے ہے اور ہر انسان کے لئے لازم علم کے اصول میں سے ہے، کیونکہ اس بحث میں نصیحت بھی ہے بیان حقائق بھی ہیں اور امور وقواعد کا ضبط بھی نیت کے ضوابط کی تعیین وتشکیل عبادات اور قربانی دینے والوں کے لئے صحیح اور درست راستہ ہموار کر دیتی ہے ان کی عبادات اور قربانیوں کے لئے، اور ہر انسان کے لئے حلال اور حرام میں تمیز کرنے کا طریقہ اور ثواب وعقاب لازم کرنے والے امور میں فرق کرنے کا طریقہ واضح کر دیتی ہے۔ اور اس کے لئے یہ واضح کر دیتی ہے کہ اس پر کم از کم کتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

کیونکہ کوئی عبادت بغیر نیت کے درست نہیں ہوتی۔ اور عقد کرنے یا اسے فسخ کرنے جیسے تصرفات کا حکم بھی نیت کی وجہ سے متاثر ہوتا ہے کیونکہ یا تو وہ جائز اور صحیح کی قبیل میں سے ہوگا اگر نیت مشروع ہے اور یا باطل اور غلط ہوگا اگر نیت گندی اور بری یعنی غیر مشروع ہے اسی طرح وہ تصرف نیت کے ہونے یا نہ ہونے کی بناء پر اس کا اثر مرتب کرنے والا ہوگا یا نہیں۔ تو معاملات اور تصرفات میں مقاصد اور معانی کا اعتبار ہوگا یا الفاظ اور ظاہری صورت کا اعتبار ہوگا؟ اور کیا ایک برا باعث اور سبب عقد کو فاسد کرتا ہے یا نہیں؟ اور اس طرح یہ

❶..... الاشباہ والنظائر، از علامہ سیوطی ص ۸۔

بحث ذرائع کے اصول کے بارے میں بتائے گی کہ سد ذریعہ ہونا ہے یا فتح ذریعہ (سد ذریعہ اور فتح ذریعہ اصول فقہ کی اصطلاحات ہیں ان کا بیان آگے آئے گا)۔

میں نیت پر اپنی اس بحث میں ان مندرجہ ذیل باتوں پر گفتگو کروں گا۔

۱.....نیت کی حقیقت، اس کی تعریف۔

۲.....نیت کا حکم، یعنی وجوب اس کے واجب کرنے کے دلائل۔ اور اس سے متعلق قواعد شریعت۔

۳.....نیت کی جگہ۔

۴.....نیت کا زمانہ یا اس کا وقت۔

۵.....نیت کی کیفیت۔

۶.....نیت میں شک کا عمل دخل اس کا بدل جانا اور دو عباتوں کو ایک نیت سے کرنا۔

۷.....نیت کا مقصود اور اس کے اجزائے ترکیبی۔

۸.....نیت کی شرائط۔

۹.....عبادات میں نیت۔

۱۰.....معاملات (عقود) میں نیت۔

۱۱.....فسوخ میں نیت۔

۱۲.....تروک (چھوڑے جانے والی چیزیں) میں نیت۔

۱۳.....مباحات اور عادات میں نیت۔

۱۴.....دیگر امور میں نیت۔

یہ تفصیل اس بات کے ساتھ پیش نظر رہے کہ محدثین اور فقہاء نے نیت پر گفتگو کی ہے لیکن متفرق جگہوں پر مسائل پر گفتگو کے دوران اور ابواب فقہیہ کی گہرائیوں میں اور نیت اور اس کے احکام سے متعلق کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گذری سوائے ایک "کتاب نھایۃ الاحکام فی بیان مالللنیۃ من احکام" کے جو احمد بک حسینی کی تصنیف ہے جو سنہ ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۹۰۳ء میں مطبع امیریہ مصر میں چھپی تھی، تاہم یہ کتاب دو باتوں کی وجہ سے محدود ہے ایک تو یہ کہ یہ صرف شافعی مذہب کے اوپر لکھی گئی ہے اور فقط بعض عبادات تک محدود ہے۔ لہٰذا میں اپنے اوپر لازم سمجھتا ہوں کہ مندرجہ بالا خاکے کے اعتبار سے نیت سے متعلق تمام امور پر بحث کروں تاکہ پڑھنے والوں کے لئے یہ اہم نظریہ بھی کھل کر سامنے آئے جو عبادات، معاملات احوال شخصیہ، قابل ترک امور (تروک) اور مباحات سب کے امور کو شامل ہے میں اللہ سے صحیح بات کی مدد مانگتا ہوں وہی توفیق دینے والا ہے۔

۱۔ نیت کی حقیقت یا اس کی تعریف.....نیت لغت میں کہتے ہیں کسی چیز کے ارادے اور اس پر عزم کر لینے کو❶ ازہری کہتے ہیں عرب میں بولا جاتا تھا نواك الله، یعنی اللہ تمہاری حفاظت فرمائے اور عرب یہ بھی کہتے تھے نواك الله یعنی اللہ تمہارے سفر میں تمہارے ساتھ رہے اور تمہاری حفاظت فرمائے۔ بالفاظ دیگر نیت ارادے کو کہتے ہیں قصد کا مطلب ہے دل کا کسی کام کو سوچ لینا اور اس پر عزم کر لینا بلا کسی تردد کے۔ نیت اور ارادہ فعل مترادف الفاظ ہیں۔ یہ دونوں موجودہ فعل (فعل حال) اور فعل مستقبل دونوں کو شامل ہوتے ہیں۔ بعض ماہرین لغت نے نیت اور عزم میں فرق کیا ہے کہ نیت موجودہ فعل کے ارادے کو اور عزم مستقبل میں انجام دینے والے فعل کے ارادے کو کہتے ہیں۔

❶.....المجموع للنووی ج ۱ ص ۳۲۰ الاشباہ والنظائر۔ لابن نجیم ص ۲۴. طبع دار الفکر دمشق

لیکن یہ فرق اس وجہ سے قابل اعتراض ہے کہ کتب لغت میں نیت کے معنی میں یہ فرق نہیں بتایا گیا ہے۔

شریعت میں نیت کہتے کسی فرض عمل یا اس کے علاوہ کسی عمل کے انجام دینے کے قلبی عزم کو۔ یا دل کے عزم کو جو کسی فرض عمل پر ہو یا نفلی عمل پر اور یوں بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ارادہ جو فعل سے حال میں یا مستقبل میں انجام دینے سے متعلق ہو۔ اسی بناء پر کسی بھی سمجھدار جاگنے والے با اختیار شخص سے صادر ہونے والا فعل نیت سے خالی نہیں ہوسکتا ہے۔ خواہ عبادات کی قبیل سے ہو یا عادات کی قبیل سے۔ اور یہی وہ فعل ہوتا ہے جس سے احکام شرعیہ تکلیفیہ یعنی وجوب، حرمت، ندب، کراہت اور اباحت وغیرہ متعلق ہوتے ہیں۔ اور نیت سے خالی فعل غافل کا فعل قرار پاتا ہے اور لغو ہوتا ہے اور شریعت کا کوئی حکم اس سے متعلق نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر فعل کسی ایسے شخص سے صادر ہو جو عاقل نہ ہو لیکن جاگا ہوا شخص ہو اس طرح کہ وہ مجنون ہو یا بھولنے والا یا غلطی کرنے والا ہو یا اس کے ساتھ جبر کیا گیا ہو تو وہ عمل لغو قرار پائے گا اور اس فعل سے اوپر ذکر کردہ کوئی حکم شرعی تکلیفی متعلق نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے انجام دینے والے کا قصد، ارادہ اور نیت نہیں پائی جارہی۔ اور وہ شرعاً معتبر نہیں ہوگا اور نہ ہی اس سے طلب فعل یا تخییر فعل متعلق ہوگا۔ اور اگر فعل افعال عادیہ میں سے ہو جیسے اکل، شرب، قیام قعود (بیٹھنا) کسی چیز کا تھامنا، چلنا سونا وغیرہ اور اس کا سمجھدار ذی عقل جاگنے والے شخص سے صدور بغیر نیت کے ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ مباح ہوگا۔ البتہ شرط یہ ہے کہ اس فعل کے ساتھ کوئی ایسی بات یا امر درپیش نہ ہو جائے جو اس کے کرنے یا نہ کرنے کا تقاضا کرتا ہو۔ اور اس فعل کا حکم یہ ہے کہ شرعاً ایسا فعل (فعل عادی) معتبر ہوتا ہے۔ اور رہی بات ان احکام کی یعنی بھول کر وضو کرنے والے کے وضو کا باطل ہونا اور پاگل یا بچے کی تلف کردہ چیزوں کے تاوان کا لازم ہونا، اور قتل کا، یا کسی عضو کے تلف کرنے کا یا کوئی وصف انسانی مثلاً سماعت، بصارت، تھامنے کی قدرت یا حرکت کی قدرت وغیرہ کا زائل کردینا اگر خطا یا شبہ عمد کے طور پر ہو تو ان امور کا تاوان بطور دیت لازم ہونا باوجود اس کے کہ کرنے والے کی نیت یہ کرنے کی نہیں تھی اور اس جیسے دیگر امور تو ان کا تعلق تکلیف شرعی سے نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق احکام وضعیہ سے ہے یعنی کسی چیز کا دوسری چیز کے لئے سبب یا شرط، یا مانع ہونا یا اس کا صحیح یا فاسد یا عزیمت یا رخصت ہونا وغیرہ کہ یہ سب احکام وضعیہ ہیں [1] اور ان میں فی الحقیقت یہ حکم کیا گیا ہوتا ہے کہ کون سی چیز دوسری چیز کے لئے سبب بن رہی ہے مثلاً تلف کردینا سبب ہے عوض یا تاوان کا علی الاطلاق خواہ بچے سے تلف کا عمل ہوا ہو یا بڑے سے پاگل سے یا ذی ہوش شخص سے۔ تو یہاں تلف کا سبب ضمان ہونا احکام وضعیہ سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ احکام تکلیفیہ سے۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ روزوں میں نیت سے مراد عزم یا ارادہ کلیہ ہوتا ہے یہ نیت کے عام معنی ہیں۔ یعنی روزہ رات ہی سے نیت کر لینے سے صحیح ہو جاتا ہے نیت کا روزے کی ابتداء کے ساتھ ہونا ضروری نہیں۔ یعنی طلوع فجر کے ساتھ۔ لہٰذا اگر نیت کی پھر کچھ کھایا پھر روزہ رکھا تو اس کا روزہ صحیح ہو جائے گا۔ ہاں روزے کے علاوہ دیگر عبادات میں جن کے صحیح ہونے کے لئے نیت کا فعل کی ابتداء کے ساتھ ملا ہوا ہونا مطلوب ہوتا ہے تو ان میں واقعتاً قصد کا پایا جانا ضروری ہے یعنی ارادہ جو فعل کی ابتداء سے ملا ہوا ہو۔ تو اس میں معتبر نیت ہے واقعی ارادہ۔ یعنی وہ نیت جو ارادے کے نافذ کرنے کے عمل کی ابتداء سے ملی ہوئی ہو اور نیت سے یہی چیز مراد ہوتی ہے شوافع کے ہاں جب وہ اسے ارکان عبادت میں شمار کرتے ہیں۔ یعنی وضو، غسل، تیمم، نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ میں۔ اور انہی کی طرح کنایات عقود (معاملات) اور فسوخ میں بھی۔ چنانچہ ان امور میں بھی واقعتاً ارادے کا پایا جانا ضروری ہے یعنی نیت کا جو لفظ کنائی (کنایۃ بولے جانے والے لفظ) کے ملی ہوئی ہو یا کتابت (لکھائی) یا اشارے سے ملی ہوئی ہو اگر گونگا لکھ رہا ہو یا اشارہ کر رہا ہو اور اشارہ بھی ایسا جسے سمجھدار آدمی سمجھ سکے۔

اسی طرح اقرار اور طلاق میں استثناء کرنا اور طلاق میں لفظ ان شاء اللہ کے ذریعے تعلیق کرنا (یعنی طلاق کو ان پر معلق کرنا) تو ان جیسے امور میں نیت بمعنی واقعی ارادہ مستثنیٰ منہ بول کر فارغ ہونے سے پہلے ضروری ہے۔

---

[1] احکام وضعیہ کی تعریف چوتھی بحث کے تحت اصطلاحات فقہیہ کی بحث کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

یعنی نیت کا اس کلام سے مل جانا جو آپس میں متصل ہے۔❶

حقیقت نیت بیان کرنے کے بارے میں خلاصہ کلام اس سے ظاہر ہو جاتا ہے جو آگے بات آرہی ہے، حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ جان لو نیت لغت میں قصد اور ارادے کی ایک قسم کا نام ہے۔ اگرچہ ان الفاظ (نیت قصد اور ارادہ) میں کچھ فرق بھی کیا گیا ہے مگر یہ موقع ان کے بیان کا نہیں۔ علماء کے کلام میں نیت دو معنی میں استعمال ہوئی ہے۔

۱..... عبادات کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنا۔ جیسے ظہر کی نماز کو مثلاً عصر سے ممتاز کرنا اور رمضان کو دیگر روزوں سے ممتاز کرنا۔ یا عبادات کو عبادات سے ممتاز کرنا جیسے غسل جنابت کو غسل صفائی یا غسل ٹھنڈک سے علیحدہ کرنا وغیرہ فقہاء کے کلام میں زیادہ تر یہی نیت پائی جاتی ہے۔

۲..... دوسرے معنی ہیں عمل سے مقصود جو ہے اسے ممتاز کرنا۔ یعنی کیا وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ہے یا اللہ اور اس کے علاوہ کسی اور کے لئے ہے۔ اور نیت اس معنی میں وہ ہے جسے اہل تصوف وعرفان اپنی کتابوں میں اخلاص اور اس کے متعلقات کے تحت بیان کرتے ہیں۔ اور نیت کا یہ تصور متقدمین کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ شیخ ابوبکر بن ابوالدنیا نے ایک کتاب تصنیف فرمائی تھی جس کا نام کتاب الاخلاص والنیۃ تھا اس میں نیت سے مراد ان کی یہی معنی ومفہوم تھے۔ اور نیت کے یہی معنی ومفہوم ہیں جن کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں کبھی لفظ نیت کے ساتھ اور کبھی لفظ ارادۃ کے ساتھ اور کبھی دوسرے قریب المعنی الفاظ کے ساتھ ہوا ہے اور اس کا ذکر بکثرت قرآن کریم میں بھی لفظ نیت کے بغیر دیگر قریب المعنی الفاظ کے ذریعے ہوا ہے۔

جن حضرات نے نیت ارادہ اور قصد اور اس جیسے الفاظ کے درمیان فرق کیا ہے ان کا خیال یہ تھا کہ نیت کا لفظ پہلے معنی ومفہوم کے لئے استعمال ہوتا ہے جو فقہاء اپنے کلام میں ذکر کرتے ہیں چنانچہ بعض حضرات فرماتے ہیں نیت فعل کرنے والے کے فعل کے ساتھ خاص ہے اور ارادہ اس کے ساتھ خاص نہیں جیسے انسان اللہ سے چاہتا ہے (ارادہ کرتا ہے) کہ وہ اس کی مغفرت کردے لیکن وہ اس کی نیت نہیں کرتا۔ اور ہم ذکر کر چکے ہیں کہ نیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور سلف کی کلام میں اسی معنی میں زیادہ تر استعمال ہوئی ہے، چنانچہ نیت اس صورت میں ارادے کے معنی میں ہے، اسی لئے قرآن کریم اس کی تعبیر اکثر ارادے کے لفظ سے کرتا ہے۔

۲۔ نیت کا حکم اس کے واجب کرنے کے دلائل اور اس کے متعلق شرعی قواعد..... نیت کا حکم جمہور فقہاء، ماسوا احناف، کے ہاں یہ ہے کہ ❷ جس چیز کا وجود اس پر موقوف ہے نیت اس کے لئے واجب ہوتی ہے جیسے وضو اور غسل، ماسوا میت کے غسل اور تیمم کے، اسی طرح یہ لازم ہے نماز کی تمام اقسام زکوٰۃ، روزوں، حج اور عمرہ وغیرہ کے لئے بھی۔ اور نیت مستحب ہے ان چیزوں میں جن کی صحت نیت پر موقوف نہیں جیسے غصب شدہ چیز کی واپسی اور مباحات جیسے اکل وشرب اور قابل ترک چیزیں (تروک) جیسے حرام اور مکروہ چیزوں کو چھوڑنا جیسے زنا شراب اور دیگر حرام چیزوں کا ترک اور جوئے سے پاک لہو ولعب کا ترک کرنا یعنی وہ لہو جس میں دونوں فریقین یا دونوں میں سے ایک کی طرف سے کوئی اجر ومعاوضہ نہ ہو کہ ایسا لہو ضیاع وقت اور لایعنی بے مقصد کاموں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوتا ہے تو ان سے بچنا اور ان کا ترک نیت پر موقوف نہیں لہٰذا ان کے ترک کے لئے نیت مستحب ہے لازم نہیں۔❸

احناف کی رائے یہ ہے کہ مسائل نماز یعنی وضو غسل وغیرہ میں نیت مستحب ہے حصول ثواب کے لئے اور نماز کے لئے شرط ہے جیسا کہ

---

❶ مصنف کا مقصد یہ ہے کہ وہ امور جن میں نیت امام شافعی کے ہاں شرط ہے ان امور کی انجام دہی کے وقت نیت کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ اس کام پر وہ حکم مرتب نہ ہوگا جو ہونا چاہئے۔ عقود سے مراد وہ معاملہ ہوتا ہے جو دو یا زائد فریق کے درمیان ہو اس میں بیع نکاح تجارت، شرکت وغیرہ سب داخل ہیں اور فسوخ سے مراد وہ معاملات ہیں جن میں کسی عقد کو تحلیل کرنا ہوتا ہے جیسے فسخ بیع نکاح کا (از مترجم) ❷الشرح الکبیر للدردیر، ج ۱ ص ۹۳۔ المجموع للنووی ج ۱ ص ۳۶۱، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۷ المہذب ج ۱ ص ۱۴، المغنی ج ۱ ص ۱۱۰ کشاف القناع ج ۱ ص ۹۴، ۱۰۱۔ احکام النیۃ للحسینی ص ۱۰، ۶ ، ۱۰ ❸الدر المختار ج ۱ ص ۹۱ البدائع ج ۱ ص ۱۰ ، تبیین الحقائق ج ۱ ص ۹۹۔

مالکیہ اور حنابلہ نے قرار دیا ہے اس پر مزید گفتگو عبادات میں نیت کی بحث میں آئے گی۔ یہ بات علم میں رہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نیت نماز کے لئے واجب ہے تاکہ عبادت عادت سے ممتاز ہو سکے اور تاکہ نماز میں خالص اللہ کے لئے اخلاص متحقق ہو سکے، کیونکہ نماز عبادت ہے اور عبادت کہتے ہیں عمل کو اخلاص سے کرنا کہ عبادت خالص اللہ کے لئے ہو جائے۔

نیت کے ایجاب (واجب کرنے) کے بہت سارے دلائل ہیں۔ ان میں سے ایک دلیل یہ آیت ہے **وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ** (اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس کے لئے مخلص ہو کر، سورۃ البینۃ آیت نمبر ۵) علامہ ماوردی فرماتے ہیں کہ اخلاص سے مراد ان کے کلام میں نیت ہوتی ہے۔ اور ان میں سے ایک دلیل یہ حدیث ہے جو امام بخاری مسلم اور باقی صحاح ستہ اور امام احمد سب کے ہاں حدیث صحیح ہے اور جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جو بقول علامہ نووی عظیم حدیث ہے اور ان احادیث میں سے ایک ہے جن پر اسلام کا مدار ہے بلکہ ان سب میں عظیم تر ہے جو کہ بیالیس احادیث ہیں، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: بے شک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہ ہے جس کی اس نے نیت کی، چنانچہ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا کے لئے ہے کہ جس کو حاصل کرلے یا عورت کی طرف ہے جس سے وہ شادی کرنا چاہے تو اس کی ہجرت اس طرف ہوگی جس طرف اس نے ہجرت کی۔

اس حدیث میں اعمال سے مراد طاعات اور اعمال شرعیہ ہیں نہ کہ مباح اعمال اور یہ حدیث عبادات میں نیت کے شرط ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ انما کا لفظ حصر (کسی چیز کو کسی چیز میں محصور کرنا) کے لئے آیا ہے جو کہ مذکور کے اثبات اور ماسوا کی نفی کے معنی دیتا ہے، اور یہاں مراد صورت عمل نہیں، کیونکہ صورت عمل تو بلا نیت بھی پائی جاتی ہے مراد یہ ہے کہ عمل کا حکم نیت کے بغیر ثابت نہیں ہوگا۔ یعنی اعمال شرعیہ کا بدون نیت اعتبار نہیں ہوگا جیسے وضو، غسل، تیمم، نماز، زکوۃ، روزہ حج اور اعتکاف اور دیگر تمام عبادات۔ ہاں نجاست کا دور کرنا اس کے لئے نیت ضروری نہیں، کیونکہ یہ تروک (قابل ترک چیزیں) سے تعلق رکھتا ہے اور تروک کے لئے نیت ضروری نہیں۔ اور **انما الاعمال بالنیات** میں ترکیب نحوی کے لحاظ سے ایک لفظ محذوف ہے علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کون سا لفظ ہے احناف کے علاوہ جمہور علماء جنہوں نے نیت شرط قرار دی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یا صحۃ الاعمال کا لفظ ہے یا تصحیح الاعمال یا قبول الاعمال کا لفظ ہے، اور محذوف لفظ شامل کر کے عبارت اس طرح ہوگی: صحۃ الاعمال بالنیات، اس صورت میں نیت صحت کی شرط ہوگی۔ وسائل عبادات یعنی وضو اور غسل وغیرہ اور مقاصد یعنی اصل عبادات نماز روزہ حج وغیرہ اس کے بغیر درست نہیں ہوں گے۔

احناف جو مسائل میں نیت کو شرط قرار نہیں دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مراد ہے کمال اعمال اور اس صورت میں محذوف عبارت اس طرح ہوگی: کمال الاعمال بالنیات، چنانچہ نیت ان کے ہاں شرط کمال ہے یعنی حصول ثواب کے لئے فقط نہ کہ اس عمل کی صحت اس پر موقوف ہے حدیث کے یہ الفاظ **وانما لکل امرئ ما نوی** دو باتوں پر دلالت کرتی ہیں۔

۱..... علامہ خطابی کے بقول ایک معنی اس سے حاصل ہوتے ہیں جو اول معنی سے مختلف ہیں، اور وہ ہیں عمل کی تعیین نیت کے ذریعے، یعنی یہ الفاظ **انما الاعمال بالنیات** کی تکرار کے طور پر نہیں بلکہ ان سے ایک معنی سمجھ میں آتے ہیں جو پہلے الفاظ سے حاصل ہونے والے معنی سے مختلف ہیں۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ ان الفاظ کے ذکر کرنے کا فائدہ یہ بیان کرنا ہے کہ نیت شدہ عبادت کی تعیین اس کی صحت کے لئے ضروری ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص کے ذمہ کوئی قضاء نماز ہے تو اس کے لئے صرف قضا نماز کی نیت کر لینا کافی نہیں ہے، اس کے لئے اس نماز کی بحیثیت ظہر یا عصر یا کوئی اور تعیین ضروری ہے، اگر یہ الفاظ نہ ہوتے تو پہلے الفاظ کا تقاضا یہ ہوتا کہ نیت بلا تعیین درست ہے یا کم از کم اس بات کا وہم پیدا ہوتا۔

۲..... دوسرے معنی اس سے یہ حاصل ہوتے ہیں کہ عبادات میں نیابت درست نہیں اور نہ ہی نیت میں وکیل بنانا درست ہے۔ البتہ اس سے زکوٰۃ تقسیم کرنا اور قربانی کا ذبح کرنا مستثنیٰ ہے کہ ان دونوں میں توکیل فی النیۃ (نیت میں بھی وکیل بنانا) درست ہے باوجود (نیت پر قدرت رکھنے کے، اسی طرح قرض ادا کرنے میں وکیل بنانا درست ہے۔ ❶

اس حدیث کا آخری حصہ اس کے سبب کو بھی بیان کر دیتا ہے۔ امام طبرانی نے اپنی کتاب معجم کبیر میں اپنی سند سے جس کے راوی سب ثقہ ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ہم میں ایک شخص تھے جنہوں نے ایک ام قیس نامی عورت کو پیغام دیا، انہوں نے شادی سے انکار کر دیا جب تک کہ وہ شخص ہجرت نہ کرلیں، انہوں نے ہجرت کر لی اور اس خاتون سے شادی کر لی، تو ہم ان کو مہاجر ام قیس (ام قیس کی طرف ہجرت کرنے والے) کہا کرتے تھے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث چند امور پر دلالت کرتی ہے جن میں سے چند یہ ہیں:۔

الف..... کوئی عمل اس وقت شرعی نہیں ہو سکتا۔ بایں معنی کہ اس پر ثواب یا عقاب ملے جب تک کہ نیت نہ ہو۔

ب..... جس چیز کی نیت کی جا رہی ہے اس کی تعیین اور دوسرے سے تمیز کرنا نیت کے لئے شرط ہے چنانچہ صرف نماز کی نیت کر لینا کافی نہیں بلکہ باتفاق علماء نماز کی تعیین کہ وہ ظہر ہے یا عصر یا کوئی اور مثلاً ضروری ہے۔

ج..... جس شخص نے نیک عمل کی نیت کی اور وہ عمل انجام دینے سے کوئی بڑا عذر مانع ہو گیا جیسے مرض یا موت وغیرہ تو اس کو اس نیت کی وجہ سے ثواب دیا جائے گا کیونکہ نیکی کا ارادہ کرنے والا اگر اس پر عمل نہ کر سکے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور برائی کا ارادہ کرنے والا اگر اس کا ارتکاب نہ کرے تو اس کے لیے برائی نہیں لکھی جاتی۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں جس شخص نے معصیت کا عزم کر لیا اور اسے نہیں کیا یا اسے زبان سے نہیں کہا تو وہ اس پر گناہ گار نہیں ہوگا ❷ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ نے میری امت کی سوچی ہوئی باتوں (خیالات سے گناہ اٹھالیا ہے جب کہ وہ اسے کہہ نہ دیں یا عمل نہ کرلیں۔

د..... عبادت اور اعمال شرعیہ میں اخلاص آخرت میں اجر و ثواب کے حصول کے لئے بنیاد ہے اور دنیا میں فلاح اور کامیابی کے لئے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ علامہ زیلعی نے صراحت کی ہے کہ نمازی کے لئے نماز میں اخلاص ضروری ہے۔

ھ..... ہر عمل نافع یا مباح یا کسی غلط فعل کا ترک کرنا اچھی نیت اور حکم الٰہی کے امتثال کے ارادے سے ایسی عبادت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جس پر اللہ کی طرف ثواب عطا فرمایا جائے۔

و..... اگر فعل کی نیت لوگوں کو راضی کرنا یا حصول شہرت اور دکھاوا یا دنیوی منفعت کا حصول ہو جیسے ام قیس کی طرف ھجرت کرنے والے صاحب کا معاملہ تھا تو اس کام کے انجام دینے والے کے لئے آخرت میں کوئی اجر و ثواب نہیں۔

منوی (نیت شدہ چیز) کی تعیین اور عدم تعیین کے بارے میں احناف کی رائے احناف نے منوی کی تعیین کے بارے میں کچھ تفصیل بیان کی ہے ❸ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

۱..... اگر منوی عبادت: ہو تو اگر اس کا وقت ادا کی جانے والی عبادت کے لئے ظرف ہو بایں معنی کہ وہ عبادت خود اور اس کے علاوہ دوسری عبادت اس وقت کے دوران ادا کی جا سکتی ہو جسے واجب موسع کہتے ہیں، تو تعیین منوی ضروری ہے جیسے نماز، اب اگر ظہر کی نیت کرے اور اسے آج کے دن کے لفظ ساتھ اس کی تعیین کر دے۔ مثلاً آج کی ظہر تو نماز صحیح ہو جائے گی اور نماز کی تعیین کی علامت یہ ہے کہ جیسے ہی نمازی سے

---

❶..... المجموع ج ۱ ص ۳۱۱ شرح الاربعين للنووی ص ۵.۷، شرح الاربعين لابن دقيق العيد ص ۱۳۔۱۴۔ ❷ الاشباه والنظائر۔ للسيوطی ص ۲۹۔ ❸ الاشباه والنظائر۔ لابن نجيم، ص ۲۵ طبع دار الفکر، دمشق

پوچھا جائے کہ تم کون سی نماز ادا کر رہے ہو تو وہ بلا تامل جواب دیدے۔ اور وقت کے تنگ ہونے سے تعیین نماز ساقط نہیں ہوگی۔ کیونکہ وقت میں بہرحال گنجائش ہے۔

۲.....اور اگر وہ عبادت ظرف نہ ہو معیار ہو بایں معنی کہ اس عبادت کے وقت میں دوسری اس جیسی عبادت کی ادائیگی ممکن نہ ہو جیسے رمضان کے روزے، اور ایسے واجب کو "واجب مضیق" کہتے ہیں، تو اس کے لئے تعیین ضروری نہیں ہے اگر روزے دار تندرست اور اپنے شہر میں قیام پذیر ہے تو مطلق نیت سے روزہ ہو جائے گا اور نفل کی نیت سے بھی فرض ہی ہوگا، کیونکہ متعین چیز میں تعیین کرنا لغویات ہے۔ اور اگر وہ شخص مریض ہے تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ جو بھی نیت کرے روزہ رمضان ہی کا ہو۔ خواہ کسی دوسرے واجب کی نیت کرے یا نفل کی۔ اور مسافر اگر کسی دوسرے واجب کی نیت کرے تو جس کی نیت کی ہے وہ ادا ہوگا نہ کہ رمضان کا روزہ۔ اور اگر نفلی روزے کی نیت کرے تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں صحیح یہ ہے کہ وہ رمضان ہی کا روزہ ہوگا۔

۳.....اور اگر عبادت کا وقت مشکل ہو جسے واجب ذوالشبہین کہتے ہیں جیسے وقت حج کیونکہ وہ واجب مضیق کے مشابہ ہے اس اعتبار سے کہ سال میں ایک ہی مرتبہ ہوتا ہے اور واجب موسع کے مشابہ ہے اس اعتبار سے کہ اس کے ارکان وافعال سارے زمانہ حج پر محیط نہیں ہوتے، تو اس صورت میں مطلق نیت سے حج درست ہوگا باعتبار معیار ہونے کے اور نفل کی نیت کرنے کی صورت میں جو نیت کی اس طرح ہی ادا ہوگا باعتبار اس کے ظرف (واجب موسع) ہونے کے۔

کلی شرعی قواعد متعلقہ نیت.....فقہاء نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس کا بیان ابھی گذرا، سے تین کلی قواعد اخذ کئے ہیں، ان قواعد کو مجتہدین اور ائمہ مذاہب نے اپنے مذاہب کے اصول کی تشکیل کے لئے بنیاد بنایا ہے اور ان سے فروع فقہیہ بھی اخذ کی ہیں[1] اور وہ تین قواعد یہ ہیں۔

۱..... لاثواب الابالنیۃ (بلانیت ثواب نہیں ہوتا)۔

۲.....الامور بمقاصدھا (امور کا اعتبار ان کے مقاصد سے ہے)

۳..... العبرۃ فی العقود للمقاصد والمعانی لا للالفاظ والمبانی (عقود یعنی معاملات میں اعتبار مقاصد اور مفاہیم کا ہوگا الفاظ اور ساخت کا نہیں)۔

پہلا قاعدہ: لاثواب الا بالنیۃ (بلانیت ثواب نہیں ہوتا).....نیت عبادات میں شرط ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا یا تو اجماع امت کی وجہ سے یا اس آیت کی وجہ سے وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ (اور انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ عبادت کریں اللہ کی دین کو خالص اس کے لئے کرتے ہوئے۔ سورۃ البینۃ آیت ۵) علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلی بات (کہ یہ اجماع امت کی وجہ سے شرط ہے) زیادہ درست ہے، کیونکہ اس آیت میں عبادت کے معنی توحید کے ہیں، اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کو اس پر عطف کر کے بیان کیا گیا ہے، لہٰذا نیت وضو، غسل، مسح علی الخفین نجاست حقیقیہ کو دور کرنے کے لئے کپڑے، بدن یا جگہ سے یا غالباً برتنوں سے صحت فعل کے لئے ضروری نہیں۔ ہاں تیمم کے لئے اس لئے شرط ہے کہ اس کے معنی خود ہی اس پر دلالت کرتے ہیں (کہ وہ بذات خود کوئی صفائی یا پاکی دینے والا عمل نہیں، ارادے اور نیت سے اس میں یہ بات پیدا ہوتی ہے) اور میت کے غسل کے لئے نیت اس لیے

---

[1].....پانچ اصولی قواعد ہیں جن کے گرد ساری فقہ گھومتی ہے وہ یہ ہیں۔
۱۔ الامور بمقاصدھا (امور کا اعتبار ان کے مقاصد سے ہے) ۲۔ الضرر یزال (ضرر کو دور کیا جاتا ہے) ۳۔ العادۃ محکمۃ (عادت فیصلہ کن ہوتی ہے) ۴۔ الیقین لایزول بالشک (یقین شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا)۔ ۵۔ المشقۃ تجلب التیسیر (مشقت آسانی کو کھینچتی ہے)۔

لئے ضروری نہیں کہ اس پر نماز کی ادائیگی درست ہو جائے یا اس کے لئے طہارت کا حصول ہو جائے، یہ شرط اس لئے ہے کہ مکلفین کے ذمے سے فرض ساقط ہو جائے۔❶

نیت جمہور علماء کے ہاں وسائل اور مقاصد دونوں کے لئے ضروری ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اور احناف کے ہاں وسائل میں یہ شرط کمال ہے جیسے وضو اور غسل، اور مقاصد میں شرط صحت ہے جیسے نماز روزہ زکوۃ حج وغیرہ اس قاعدے کے معنی یہ ہیں کہ تمام شرعی اعمال پر ثواب صرف نیت کی وجہ سے ہی ہوگا علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں کہ ثواب (بدلے) دو قسم کے ہیں اخروی، یعنی آخرت میں ملنے والا، اور وہ ثواب (اجر) اور عتاب کا مستحق ہونا ہے اور دینوی، اور وہ ہے صحت وار فساد۔ اور کبھی صرف اخروی مراد ہوتا ہے بالا جماع، کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ ثواب اور عتاب نیت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے لہٰذا دوسری قسم یعنی دینوی قسم کا ارادہ خود بخود ممنوع ہو گیا کیونکہ پہلی نوعیت پر کلام کرنے سے ہی بات پوری ہو جاتی ہے۔

دوسری قسم کے ذکر کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔

دوسرا قاعدہ: الامور بمقاصدھا (امور کا اعتبار ان کے مقاصد سے ہے) ..... اس قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اعمال اور تصرفات قولی اور فعلی کے احکام جو ان پر مرتب ہوتے ہوں، اس مقصود کے پابند ہیں جو وہ شخص چاہتا ہے۔ ظاہر قول و عمل سے ان کا تعلق نہیں ہوتا۔ اس قاعدے کی بنیاد جیسا کہ میں نے بیان کیا **انما الاعمال بالنیات** والی حدیث ہے اور اس کے علاوہ اس کی ہم معنی احادیث جنہیں علامہ سیوطی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔❷

اس قاعدے کی مثالیں درج ذیل ہیں:

قتل کا حکم باعتبار زیادتی کے ارادے یا نیت کے مختلف ہوتا ہے۔ اگر قاتل نے عمداً قتل کیا ہے تو اس پر قصاص واجب ہے۔ اور اگر خطاء قتل کیا ہے تو اس پر دیت لازم ہے۔ اور نماز اگر اخلاص سے ادا کی گئی ہو تو نمازی کو ثواب ملے گا اور اس کی نماز قبول ہوگی۔ اور اگر ریا کاری مقصود ہو تو اس کے چہرے پر ماری جائے گی۔ اور اگر کسی نے پڑی ہوئی چیز لینے اور قبضہ کرنے کی غرض سے اٹھائی تو وہ گنہگار اور غاصب ہوگا اور جو مالک تک پہنچانے اور حفاظت کی غرض سے اٹھائے تو اس کے لئے اٹھانا جائز ہوگا اور وہ امین ہوگا۔ اس چیز کے ضائع ہونے پر وہ ضامن نہیں ہوگا اگرچہ اس کی زیادتی یا حفاظت میں کوتاہی کے سبب وہ ضائع نہ ہوئی ہو۔ اور اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا: اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ تو اگر طلاق کا ارادہ ہو تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ علامہ قاضی خان نے اپنی فتاوی میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ احناف کے ہاں❸ انگور کا اس ایسے شخص کو فروخت کرنا جو شراب کشید کرتا ہو اگر محض تجارت کی غرض سے ہو تو جائز ہے اور اگر وہ شراب بنانے کی غرض سے ہو تو اسے بیچنا حرام ہے❹ اور انگور کی کاشتکاری میں بھی یہی تفصیل ہے اور اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زائد تعلق توڑے رکھنا ارادے پر منحصر ہے اگر مسلمان کو چھوڑنا مقصود ہے تو حرام ہوگا ورنہ نہیں۔ اور عورت کا شوہر کے علاوہ کسی اور کے لیے تین دن سے زائد سوگ نیت پر منحصر ہے، اگر زینت اور خوشنمائی میت کی وجہ سے چھوڑ رکھی تو یہ حرام ہوگا ورنہ نہیں، اور اگر نمازی قرآن کی کوئی آیت کسی بات کے جواب کے طور پر پڑھے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اسی طرح اگر نمازی کسی خوشخبری کی بات پر لفظ الحمدللہ شکر کی نیت سے کہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اسی طرح اگر کسی بری خبر پر لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہے یا کسی کی موت کی خبر پر انا للہ وانا الیہ راجعون اس خبر کے ردعمل کے طور پر کہے تو نماز باطل

---

❶ الاشباہ والنظائر. ص ۱۴، طبع دار الفکر۔ دمشق۔ ❷ الاشباہ والنظائر، السیوطی ص ۷۔ ❸ الاشباہ والنظائر، السیوطی ص ۲۲۔ ❹ شوافع فرماتے ہیں جمہور، انگور کی فروخت شراب اور نبیذ بنانے والے کے ہاتھ درست نہیں حرام ہے یعنی اس کے بنانے والے کو جانتا ہو یا غالب گمان ہو کہ بنانے کا اور اسی طرح اسلحہ کی فروخت ڈاکو اور باغی کے لئے۔ کیونکہ یہ شرعاً ممنوع ہے لیکن بیع اس معانت کی وجہ سے باطل نہیں ہوگی۔ مغنی المحتاج ۲۲۔ ۳۷۔ ۳۸

ہوجائے گی۔اور اگر کوئی شخص بادشاہ کو تعظیم اور آداب پیش کرنے کی غرض سے سجدہ کرے عبادت مقصود نہ ہو تو وہ کافر نہیں ہوگا (سخت گناہ گار ضرور ہوگا) کیونکہ ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تھا۔اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں سجدہ کیا تھا۔اور پیٹ بھر کر کھانے کے باوجود محض شہوانی نفس کی خاطر اور کھانا حرام ہے اور اگر مقصود روزے کے لئے تقویت کا حصول یا مہمان کی ہم نشینی میں کھانا ہے تو حرام نہیں ہوگا۔اور کافر اگر کسی مسلمان کو ڈھال بنالے اور دوسرا مسلمان اس کو مارے تو اگر مقصود مسلمان کا قتل ہے تو یہ حرام ہوگا اور اگر مقصود کافر کا قتل ہے تو حرام نہیں ہوگا۔اور اگر کتاب کو حفاظت کی غرض سے تکیہ بنا کر رکھا تو مکروہ نہیں ہوگا ورنہ مکروہ ہوگا اور مسجد میں درخت لگانے سے مقصود اگر سایہ کرنا ہے تو مکروہ نہیں اور اگر کوئی اور منفعت حاصل کرنی مقصود ہے تو مکروہ ہوگا۔اسی طرح اگر اللہ کے نام کو سکے (درھم وغیرہ) پر کندہ کرنے سے مقصود نشانی اور علامت ہے تو درست ہے اور اگر مقصود اہانت وغیرہ ہے تو حرام ہے۔اور کسی ایسے ڈبے وغیرہ پر بیٹھنا جس میں قرآن کریم ہو اگر حفاظت کی غرض سے یہ کام ہو تو درست ہے ورنہ مکروہ ہے۔اور یہی تفصیل تمام عقود و معاملات میں ہے یعنی خرید وفروخت،ھبہ،وقف،قرض،ضمانت،دوسرے کو بری کرنے،حوالہ خرید وفروخت کو کالعدم کرنے میں اور قضا کے تفویض کرنے میں کسی چیز کے اقرار میں اجارہ کرایہ داری وغیرہ) وصیت،طلاق،خلع،رجوع (طلاق کے بعد) ایلاء،ظہار،لعان قسموں میں،تہمت لگانے میں،اور امان دینے وغیرہ کے معاملات میں اگر کنایہ الفاظ استعمال کئے جائیں اور مراد وہ ہو جو صریح الفاظ سے ہوتی ہے تو یہ معاملات وقوع پذیر ہوں گے ورنہ نہیں۔❶

تیسرا قاعدہ: العبرۃ فی العقود للمقاصد والمعانی لاللالفاظ والمبانی:...... (معاملات میں اعتبار مقاصد اور معانی کا ہوتا ہے الفاظ اور جملوں کی ساخت کا نہیں) یہ قاعدہ دوسرے قاعدے کے مقابلے میں مخصوص اور محدود ہے،کیونکہ یہ صرف معاملات (دوفریق یا زیادہ کے مابین انجام پانے والا کام) سے متعلق ہے اور پہلا قاعدہ (قاعدہ نمبر دو) عام قاعدہ ہے جو تمام تصرفات اور امور کو شامل ہے۔اس قاعدے کا مفہوم یہ ہے کہ معاملے کے الفاظ ایک عقد کو دوسرے عقد کی حیثیت دیدیتے ہیں اگر دونوں فریق ان الفاظ سے دوسرے معنی اور مفہوم کا ارادہ کرلیں۔چنانچہ تحفہ بشرط عوض کا عقد مثلاً ان الفاظ سے کہ میں نے تمہیں یہ چیز تحفے میں دی بشرطیکہ تم مجھے اس کے عوض یہ دے دو یہ عقد عقد ہبہ نہیں رہتا عقد بیع بن جاتا ہے۔کیونکہ یہ اسی کے معنی دیتا ہے،لہٰذا اس کے احکام خرید فروخت کے ہوں گے۔اور عقد حوالہ اس شرط کے ساتھ کہ قرض خواہ محیل (حوالہ کرنے والے) اور محال علیہ (جس کے ذریعے حوالہ کیا گیا ہے) دونوں سے مطالبہ کرسکے گا درحقیقت عقد کفالت ہے۔اور اعادہ عاریت پر لین دین) بشرط معاوضہ عقد اجارہ ہوتا ہے۔اور بیع وفا احناف کے ہاں رہن کے احکام کے اطلاق کے قابل ہے کیونکہ فریقین کا مقصود یہی ہوتا ہے۔بیع وفاء اسے کہتے ہیں کہ پیسوں کے ضرورت مند شخص کا کسی کو اس شرط کے ساتھ اپنی زمین بیچ دینا کہ جب وہ (ضرورت مند فروخت کرنے والا) شخص پیسے واپس دیدے گا تو زمین واپس لے لے گا (یہ درحقیقت رہن ہی کا معاملہ ہوتا ہے اس لئے اس پر رہن کے احکام جاری ہوں گے)۔

لیکن احناف اور شوافع کے ہاں اس قاعدے پر عمل اس صورت میں ہوگا جب عقد میں صراحتاً یا ضمناً قصد ظاہر ہو❷ اور اگر عقد میں کوئی ایسی چیز نہیں جو نیت اور قصد پر صراحتاً (دلالت کرے تو اس قاعدے "**المعتبر فی أوامر اللہ المعنی والمعتبر فی امور العباد الاسم واللفظ**" (اللہ کی احکام میں معنی کا اعتبار ہے اور بندوں کے معاملات میں نام اور لفظ کا اعتبار ہے کہ مطابق عمل ہوگا۔یعنی اس صورت میں اصول یہ ہوگا کہ عقدو (معاملات) میں الفاظ کا اعتبار ہے نیتوں اور مقصود کا اعتبار نہیں۔کیونکہ شرعاً غیر مباح سبب اور غرض کی نیت تو ایسی چیز ہے جو پوشیدہ ہے اس کا جان لینا ممکن نہیں۔چنانچہ اس کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ پر چھوڑا جائے گا اور اس کا مرتکب قابل سزا ہوگا جب تک وہ اپنی

❶ الاشباہ والنظائر۔ ابن نجیم، ص ۲۳۔ الاشباہ للسیوطی ص ۹۔۱۰۔❷ حاشیہ الحموی علی الاشباہ والنظائر۔ ابن نجیم ج ۲ ص ۱۲، مغنی محتاج شرح المحتاج ج ۲ ص ۳۷ الاشباہ والنظائر۔ السیوطی۔ ص ۱۴۸۔۱۴۹

اپنی غلط نیت کی وجہ سے گناہ گار ہے۔ اور اس بناء پر ہر عقد کے احکام اس کے صیغے اور الفاظ سے اور الفاظ سے ملے ہوئے الفاظ وغیرہ سے جانے جائیں گے۔ چنانچہ اس کی صحت اور فساد صیغے اور الفاظ ہی وجہ سے ہوگی دیگر خارجی امور کی وجہ سے نہیں خواہ نیت کی واضح علامات بھی پائی جائیں یا ان کے واقعی اور ٹھوس نتائج بھی سامنے ہوں (پھر بھی ان خارجی امور کو اس عقد کی صحت اور فساد میں دخل نہیں ہوگا)۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شوافع اور احناف سد ذرائع کے اصول کو مدت سے تعلق والی بیع اور بیع عینہ وغیرہ میں لاگو نہیں کرتے، جیسے ایک شخص کوئی چیز دس درہم کی ایک مہینے کی مدت کے لئے بیچے پھر اس چیز کو خریدار سے دوبارہ پانچ درہم میں ایک مہینے کی مدت سے قبل خرید لے تو امام شافعی صورت عقد کی طرف دیکھتے ہوئے معاملہ ظاہر پر رکھتے ہیں اور جائز قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بر ذرائع کے اصول کے تحت نہیں بلکہ ایک دوسری بنیاد پر اس بیع کو غلط اور فاسد قرار دیتے ہیں اور وہ یہ کہ جب قیمت وصول نہیں ہوئی تو پہلی بیع مکمل نہیں ہوئی تو اس لحاظ سے دوسری بیع بھی درست نہیں کہ وہ شخص ایسی چیز کو فروخت کر رہا ہے جو اس کی ملکیت نہیں ہے امام احمد اور امام مالک اس جیسی بیوع میں سد ذریعہ کے اصول کو اپناتے ہیں اور اس کے تحت اس جیسی بیوع کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ سود لینے کا ایک ذریعہ ہیں وہ ایسے کہ بعد میں واجب دس کے بدلے پانچ حاصل کر لئے خرید وفروخت کی ظاہری شکل اختیار کر کے۔ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں شریعت کے احکام ظاہر پر چلتے ہیں اس معاملے میں جہاں بولنے والے کے اس معنی ومفہوم کے قصد وارادے کا علم ہو جائے یا اس سے کوئی ارادہ ظاہر نہ ہو جو اس کے ظاہر کلام کے تقاضوں کے خلاف ہو۔ اور نیت ومقاصد کا اعتبار وہاں کیا جائے گا جہاں الفاظ اور صیغوں کے برخلاف کوئی اور چیز مقصود ہو[1] اور یہ بات واضح اور روشن ترحق ہے میرے نزدیک تاکہ سود کے متعلق حیلے بازی کے باب کو بند کیا جا سکے۔ اور اس اصول کے پیش نظر برا مقصد یا غیر مشروع ارادہ بیع کے فساد اور بطلان کا واضح سبب بن سکے گا۔

۳: نیت کا محل (اس کی جگہ اور مقام)...... نیت سے متعلق تیسری بحث یہ ہے۔ نیت کا محل باتفاق علماء ہر مقام میں دل ہے اور وہ بھی وجوباً یعنی محض زبان سے تلفظ کافی نہیں اور نہ ہی زبان سے تلفظ شرط ہے اصل فعل دل کا ہے تاہم جمہور علماء ماسوا مالکیہ کے نیت کی زبان سے ادائیگی کے مسنون ہونے کے قائل ہیں اور وہ اس لئے کہ اس سے استحضار نیت کے لئے دل کی مساعدت ہو جاتی ہے اور زبان سے تلفظ یاد دلانے کے لئے مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اور مالکیہ کے ہاں اولیٰ یہ ہے کہ اسکو زبان سے نہ کہا جائے[2] کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے نیت کا زبان سے کہنا منقول نہیں اور اسی طرح ائمہ اربعہ سے بھی یہ منقول نہیں۔ عبادات میں نیت کو دل کا قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ نیت نام ہے اخلاص کا اور اخلاص صرف قلب سے ہی ممکن ہے یا یہ کہہ لیا جائے نیت کی حقیقت تو مطلقاً ارادہ ہے چنانچہ اگر دل سے ارادہ کرلے اور زبان سے کہہ لے تو جمہور کے ہاں کامل کام انجام دینے والا قرار پائے گا۔ اور اگر صرف زبان سے تلفظ کیا اور دل سے نیت نہیں کی تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ اور اگر دل سے نیت کرے اور زبان سے تلفظ نہ کرے تو یہ اس کے لئے درست ہوگا۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں نیت اس چیز کی طرف دل کے متوجہ ہونے کا نام ہے جسے وہ اپنے موافق اور موزوں سمجھے خواہ حصول نفع کے لئے یا دفع ضرر کے لئے حال میں یا مستقبل میں۔ اور شریعت نے نیت کی تخصیص ان معانی میں کر دی ہے کہ نیت وہ ارادہ ہے جو کسی کام کی طرف ہو اس کے بارے میں ہو اللہ کی رضاء کے حصول اور اس کے حکم کی تعمیل کی غرض سے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ محل نیت کے بارے میں گفتگو کے اندر دو بنیادی اصول ہیں پہلا اصول یہ ہے کہ صرف زبان سے نیت کا تلفظ کافی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (اور ان کو

---

[1] ... الفروق للقرافی ۲ ج ص ۳۲، اعلام الموقعین ج ۳ ص ۱۱۷۔ ۱۲۰ ج ۳ ص ۴۰۰۔ [2] الاشباہ والنظائر۔ ابن نجیم ص ۴۲۔ ۵۱، القوانین الفقہیہ ص ۵۷ الشرح الکبیر للدردیر وحاشیۃ الاسوقی، ج اص ۲۳۳ ۵۲ الاشباہ والنظائر۔ سیوطی ص ۲۶۔ ۳۰، کشاف القناع عن متن القناع ج اص ۳۶۵، طبع مکۃ المکرمۃ۔ احکام النیۃ، الشیخ الحسینی، ص ۱۰۔ ۹، ۱۲، ۹۷، ۱۲۷

حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔سورۃ البینۃ آیت نمبر ۵) اور اخلاص زبان میں نہیں ہوتا، یہ تو دل کا فعل ہے جو کہ نیت ہوتی ہے۔اور وہ اس طرح کہ کام انجام دینے والا اپنے عمل سے صرف ذات باری تعالیٰ کا ارادہ کرے اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی۔

اس اصول سے یہ ضوابط نکلتے ہیں:

الف اگر زبان اور دل میں فرق ہو تو اعتبار اس کا ہوگا جو دل میں ہے چنانچہ اگر دل میں نیت وضو کی ہے اور زبان سے یہ کہے کہ مقصود ٹھنڈک کا حصول ہے تو وضو درست ہو جائے گا اس کے برعکس صورتحال میں درست نہیں ہوگا اس طرح حکم ہے اس صورت میں کہ دل سے نیت ظہر کی اور زبان سے عصر کہہ دیا اور دل سے نیت حج کی کی اور زبان سے عمرہ کہہ دیا یا بالعکس، تو اس صورت میں دل کی نیت کردہ بات درست ہو گی زبان سے کہی ہوئی نہیں بعض کتب احناف جیسے ''قنیہ'' اور ''مجتبیٰ'' میں ہے کہ جو شخص اپنے دل کو اتنا حاضر نہیں رکھ پاتا کہ وہ دل سے ارادہ کرے یا وہ بار بار نیت میں گڈمڈ کر دیتا ہو تو اس کے لئے صرف زبان سے کہہ دینا کافی ہے، کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۔ ......سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۶

(واللہ کسی جان پر) اس کی برداشت سے زیادہ دباؤ نہیں ڈالتا۔

ب......اگر زبان سے بلا قصد قسم کے الفاظ صادر ہو گئے تو جمہور کے ہاں، احناف کے علاوہ قسم منعقد نہیں ہوگی، اور یہ یمین لغو شمار ہوگی اس کے توڑنے کی صورت میں کفارہ لازم نہیں ہوگا اور یہی حکم جب ہے جب اس نے کسی چیز کے ارادے سے قسم کھائی اور زبان سے کسی اور چیز کے بارے میں الفاظ نکل گئے۔اور احناف فرماتے ہیں کہ ❶ کفارے کے احکام لاگو ہوں گے، کیونکہ یمین لغو یعنی وہ لغو قسم جس کا کوئی حکم نہیں ہوتا اور نہ ہی کفارہ ہوتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کسی چیز کے ماضی یا حال کے بارے میں کوئی حکم لگائے اس گمان پر کہ جو وہ کہہ رہا ہے وہی صحیح ہے مگر معاملہ اس کے برعکس ہو نفی میں یا اثبات میں❷ جیسے کوئی قسم کھائے بخدا میں اس گھر میں کبھی داخل نہیں ہوا اس کے گمان میں ہو کہ واقعتاً وہ داخل نہیں ہوا ہے جب کہ معاملہ برعکس ہو (کہ وہ داخل ہوا ہو) یا کوئی دوا اڑتے ہوئے پرندے کے بارے میں قسم کھائے کہ وہ کوا ہے اور قریب آنے پر معلوم ہو کہ وہ کبوتر ہے تو اس قسم کی قسم یمین لغو کہلاتی ہے۔اور جمہور کے ہاں یمین لغو وہ قسم ہے جو قسم کھانے والے کی زبان پر بلا قصد وارادہ قسم آ جائے خواہ ماضی کے بارے میں یا حال و مستقبل کے بارے میں جیسے کوئی بلا ارادہ قسم ''لا واللہ'' یا ''بلیٰ واللہ'' کے الفاظ کہے یا قرآن پڑھ رہا ہو اور اس کی زبان پر لفظ قسم چڑھ جائے۔حاصل کلام ہے کہ احناف کے ہاں مستقبل میں لغو کا امکان نہیں، مستقبل کے کسی کام کے بارے میں قسم کھالینا یمین منعقد کہلائے گی اور قسم کھانے والے کے حانث ہونے کی صورت میں اس پر کفارہ لازم ہوگا۔خواہ قسم کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔یمین لغو تو صرف ماضی یا حال سے تعلق رکھتی ہے اور وہ ایسے کہ قسم کھانے والے کا گمان ہوتا ہے کہ کام ویسا ہی ہوا ہے جیسے اس نے قسم کھا کر بتایا ہے جب کہ حقیقت اس کے برخلاف ہو۔یہ فرق صرف قسم کے بارے میں ہے۔باقی طلاق عتاق (غلام کی آزادی) ایلاء وغیرہ میں قسم قضاءً (عدالتی قوانین کے پیش نظر) واقع ہوگی دیانۃً (اللہ اور بندے کے مابین واقع نہیں ہوگی یعنی فی الحقیقت کوئی چیز وقوع پذیر نہیں ہوگی اور اللہ اور بندے کے مابین معاملہ درست سمجھا جائے گا تاہم اس کی بات کو ظاہری طور پر اور قضاءً درست نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ اب اس سے دوسرے کا حق متعلق ہو گیا۔

ج......اگر طلاق اور عتاق سے وہ معنی مراد نہیں لئے جو شریعت کے ہاں مراد ہوتے ہیں جب طلاق سے مراد بندشوں سے آزادی لے لی یا لفظ طلاق کے ساتھ ایسی بات شامل کرنے کا ارادہ کر لے جس سے طلاق وغیرہ کا حکم رفع ہو جاتا ہو تو اس سے قضاءً یہ بات قبول نہیں کی جائے گی اور اللہ اور بندے کے مابین معاملے کے طور پر اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی اور وہ اپنے قصد وارادے کے مطابق عمل کرے گا۔

❶......الاشباہ والنظائر۔ ابن نجیم ص ۷۔ ❷ البدائع ج ۳ ص ۳۔

علامہ فورانی الابانۃ میں فرماتے ہیں: اصول یہ ہے کہ جو شخص کوئی بات کرے اور وہ بات اس کی قابل قبول ہو تو اگر وہ اس کی نیت کرلے تو بندے اور اللہ کے مابین تصدیق کی جائے گی لیکن حکم اور فیصلے میں تصدیق نہیں ہوگی۔ اس کی مثال جیسے کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تمہیں طلاق ہے (انت طالق) پھر کہے میری مراد تھی بندشوں سے طلاق، اور اس کی اس بات کا کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو اس کی بات فیصلے میں قبول نہیں ہوگی تاہم دیانۃ تصدیق کی جائے گی ہاں اگر قرینہ ہو جیسے وہ بندھی ہوئی تھی تو اس نے اس کو کھولا اور یہ الفاظ کہے تو اس کی بات ظاہراً بھی قبول ہوگی کیونکہ قرینہ موجود ہے۔

محل نیت کے بارے میں گفتگو میں دوسرا اصول یہ ہے کہ تمام عبادات میں نیت قلبی کے ساتھ تلفظ ضروری نہیں لہٰذا زبان کا اعتبار نہیں اور اس اصول پر یہ ضوابط مرتب ہوتے ہیں۔

الف..... اگر انسان کسی جگہ کو مسجد بنانے کی نیت سے آباد کرے تو اس کی محض نیت سے وہ مسجد بن جاتی ہے، زبان سے تلفظ ضروری نہیں۔

ب..... کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ فلاں شخص کو سلام نہیں کرے گا پھر اس نے کہیں ایک جماعت کو سلام کیا جس میں وہ شخص بھی تھا لیکن اس نے اپنی نیت میں اس کو مستثنیٰ کردیا تو وہ حانث نہیں ہوگا بخلاف اس صورت کے کہ شخص نے قسم کھائی میں خلاف شخص کے پاس نہیں جاؤں گا پھر وہ ایک جماعت کے پاس جن میں وہ شخص بھی تھا اور اپنے دل میں اسے مستثنیٰ کرکے دوسروں کے پاس جانے کی نیت کی تو صحیح قول کے مطابق شوافع کے ہاں وہ حانث ہوگا، اور احناف کے ہاں اگر وہ شخص اسی گھر کا ساکن بھی ہے جہاں وہ ان لوگوں پاس گیا ہے تو حانث ہوگا ورنہ نہیں۔

اس اصول سے چند مسائل مستثنیٰ ہیں:

ان میں سے نذر، طلاق عتاق اور وقف ہیں، ان کی اگر صرف دل میں نیت کی اور تلفظ نہ کیا تو نذر اور وقف منعقد نہیں ہوں گے اور طلاق وعتاق محض نیت سے واقع نہیں ہوں گے بلکہ تلفظ ضروری ہوگا۔ ان مستثنیٰ مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق (تمہیں طلاق ہے) پھر وہ بولا میری نیت تھی ان شاء اللہ (اگر اللہ چاہے) تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی امام رافعی فرماتے ہیں کہ مشہور قول یہ ہے کہ اس کی تصدیق دیانۃ بھی نہیں کی جائے گی۔ ان مستثنیٰ مسائل میں سے حدیث نفس (نفسانی خیال) بھی ہے کہ اس پر اس وقت مؤاخذہ نہیں ہوگا جب تک وہ اسے کہہ نہ دے یا اس پر عمل نہ کرلے، یا جو شخص برائی کا پختہ ارادہ کرلے پھر اس کا ارتکاب نہ کرے یا اسے بولے نہیں تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔ کیونکہ صحاح ستہ کے مؤلفین حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کے نفسانی خیال کو ان سے رفع کردیا ہے۔ (ان کی اس خیال پر پکڑ نہیں ہوگی) جب تک وہ اسے کہہ نہ دیں یا اس پر عمل نہ کرلیں۔

علامہ سبکی اور دیگر علماء نے دل میں پیدا ہونے والے ارادہ معصیت کی پانچ قسمیں بتائی ہیں۔

۱۔ ہاجس..... وہ خیال جو دل میں ڈالا جائے اور اس پر بالا جماع مؤاخذہ نہیں ہوگا کیونکہ یہ اس کا فعل نہیں ہے، یہ تو ایسی چیز ہے جو اس پر آگئے ہے اس میں نہ اس کا اختیار ہے نہ اس نے وہ کام کیا ہے۔

۲۔ خاطر..... دل میں رہنے والا وہ خیال جو انسان دور کرنے پر قادر ہو جیسے ھا جس کے آتے ہی اسے پھیر دینا ممکن ہوتا ہے اس طرح اس کو بھی دل میں رہنے دینا یا اسے دور کردینا ممکن ہوتا ہے اور یہ بھی وہ ہے جس پر مؤاخذہ نہیں۔

۳۔ حدیث نفس..... یعنی دل میں پھرنے والا وہ خیال جس میں انسان کسی کام کے بارے میں تردد رکھتا ہو، کہ فلاں کام کروں یا نہ

کروں۔ اس میں بھی گناہ نہیں ہے اس حدیث کے پیش نظر جو گذری کیونکہ جب حدیث نفس مرفوع ہے اس پر مؤاخذہ نہیں تو اس سے پہلے کے دور بطریقہ اولی مرفوع ہوں گے۔

خیال اور ارادے کے یہ تین درجے اگر نیکی کے بارے میں بھی ہوں تو بھی ان پر کوئی اجر نہیں ملتا کیونکہ اس میں انسان کا قصد نہیں پایا جاتا۔

۴۔ الھم:...... ھــــم کہتے ہیں دل کے کسی کام کے کرنے کے قصد کو ترجیح دے دینے کو اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نیکی کا ہم (قصد کر لینا) باعث اجر ہے اس پر ایک نیکی ملتی ہے اور برائی کا ھــم گناہ لازم نہیں کرتا ❶ بلکہ یہ ملاحظہ کیا جائے کہ اگر اس نے اس کو اللہ کے لئے چھوڑ دیا تو ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر اسے کر لیا تو صرف ایک گناہ لکھا جائے گا اور اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ہم کرنے کے بعد عمل کر لینے سے صرف عمل کا گناہ لکھا جائے گا کیونکہ ھم السیۃ مرفوع ہے۔

۵۔ عزم:...... عزم کہتے ہیں قصد کے قوی ہونے اور اس پر ڈٹ جانے کو اور محققین کی رائے یہ ہے کہ عزم کر لینے پر مؤاخذہ ہوگا۔

۴..... نیت سے متعلق چوتھی بحث نیت کا زمانہ یا اس کا وقت ہے اس بارے میں عام اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ نیت کا وقت عبادت بدنیہ کی ابتداء میں ہے ماسوا چند مخصوص حالات کے جن کا ذکر میں کروں گا ❷ یعنی کسی بھی بدنی عبادت کی ابتداء جس فعل سے ہوتی ہے اس فعل کے انجام اور ارتکاب کا وقت نیت کا زمانہ ہے (مثلاً تکبیر تحریمہ، صف میں قبلہ رخ کھڑا ہونا وغیرہ نماز کی ابتداء ہیں، اور یہی محل نیت ہیں)۔

چنانچہ وضو کی نیت کا محل (مقام) چہرہ دھوتے وقت ہے، احناف فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ نیت وضو کی سنتوں سے قبل ہاتھ گٹوں تک دھوتے وقت ہو جائے تاکہ چہرہ دھونے سے قبل کی سنتوں کا ثواب بھی حاصل ہو سکے۔ اور نیت کا وقت ہے استنجاء سے قبل، تاکہ اس کا سارا فعل (استنجاء وضو) قربت خداوندی شمار ہو مالکیہ فرماتے ہیں نیت کا محل چہرہ ہے ایک روایت میں ہے اول طہارت شوافع فرماتے ہیں چہرے کا کوئی بھی حصہ پہلی دفعہ دھوتے وقت ہی اس فعل سے نیت کا ملنا ضروری ہے تاکہ وہ پہلے فرض سے مل سکے جیسے نماز اور مستحب یہ ہے کہ وہ ہاتھ دھونے سے قبل نیت کر لے تاکہ نیت طہارت کے فرض اور سنت دونوں قسم کے اعمال کو شامل ہو اور دونوں عمل کی انجام دہی پر اسے ثواب ملے جیسا کہ احناف کا قول ہے۔ اور طہارت سے نیت کا متقدم ہونا اس صورت میں جائز ہے جب وہ تھوڑے سے وقت پہلے ہو اور اگر زیادہ دیر پہلے ہو تو یہ اس کے لئے درست نہیں ہوگا۔ اور نیت کا طہارت کے آخر تک ساتھ ساتھ رہنا مستحب ہے تاکہ اس کے افعال نیت سے جڑے رہیں، اور اگر حکم نیت ساتھ رہے تو یہ بھی جائز ہے اور حکم نیت کے ساتھ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیت توڑنے کی نیت نہ کرے۔ حنابلہ فرماتے ہیں نیت کا وقت اول واجب کی ابتداء کے وقت ہے اور وہ ہے وضو میں بسم اللہ کا پڑھنا شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں وضو کرنے والے شخص کے لئے نیت کو اعضاء وضو پر متفرق کرنا درست ہے وہ اس طرح کہ ہر عضو کے دھوتے وقت رفع حدث کی نیت کرے، کیونکہ وضو کے افعال کو متفرق کرنا جائز ہے اسی طرح نیت وضو کو افعال وضو پر متفرق کرنا بھی جائز ہے ماسوا ابن رشد کے، مالکیہ کے ہاں معتبر بات یہ ہے کہ نیت کا اعضاء پر متفرق کرنا درست نہیں ہے اس طرح کہ ایک عضو کے دھوتے وقت نیت کرے اور وضو کا مکمل کرنا مقصود نہ ہو پھر اس کے دل میں خیال پیدا ہو اور وہ دوسرا عضو دھو لے اور اسی طرح سارا وضو کرے تو یہ درست نہیں ہوگا ہاں اگر وضو کے اعضاء پر نیت کو متفرق کرتا رہا اور ساتھ علی الفور وضو کو مکمل کرنے کی نیت بھی تھی تو یہ درست ہوگا اور احناف کے ہاں غسل وضو کی طرح ہے سنتوں میں کیونکہ غسل کی ابتداء میں نیت کر لینا ان کے

---

❶ بخاری ومسلم نے یہ حدیث حضرت ابن عباس سے ان الفاظ میں نقل کی ہے بے شک اللہ نے نیکیاں اور برائیاں لکھی ہیں پھر انہیں بیان کیا ہے، چنانچہ جو شخص نیکی کا قصد کرے اور اسے انجام نہ دے تو اللہ اس قصد کے سبب ایک نیکی لکھتے ہیں اور اگر قصد کے بعد عمل بھی کر لے تو اللہ دس نیکیاں بنا کر لکھتے ہیں سات سو گنا تک بڑھا دیتے ہیں اور کئی گنا بڑھا دیتے ہیں اور جو برائی کا قصد کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو اللہ ایک نیکی لکھتے ہیں اور اگر قصد کر کے عمل کرے تو ایک گناہ لکھا جاتا ہے۔ ❷ الاشباہ والنظائر، ابن نجیم ص ۴۳ الاشباہ السیوطی ص ۲۱، احکام النیۃ الحسنی ص ۷، ۹، ۱۲۲، ۱۲۵۔

ہاں فقط سنت ہے تاکہ غسل کرنے والے کا فعل قربت خداوندی ہو اور اس پر ایسے ہی ثواب ملے جیسے وضو کے معاملے میں بیان ہوا، جمہور علماء نیت کو غسل کے لئے بھی واجب قرار دیتے ہیں جیسے وضو کے لئے واجب قرار دیتے ہیں اور یہ قول اسی حدیث کے سبب جو گذری یعنی ''**انما الاعمال بالنیات**'' اور نیت بدن کے پہلے جزو کو دھوتے وقت ہی ہونی چاہئے اس طرح کہ فرض غسل یا رفع جنابت یا رفع حدث اکبر یا کسی ایسے کام کے جائز کرنے کی نیت کرے جو جنابت کی وجہ سے اس پر ممنوع ہو چکا ہے اور تیمّم میں نیت باتفاق مذاہب اربعہ فرض ہے اور زیادہ قابل اعتماد اور راجح بات یہ ہے کہ یہ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں شرط ہے اور احناف کے ہاں مٹی پر ہاتھ لگاتے وقت نیت ہونی چاہئے۔ اور شوافع نیت کا اس انتقال مٹی سے متصل ہونا ضروری قرار دیتے ہیں جو چہرے پر ہاتھ پھیرتے وقت ہوتا ہے کیونکہ یہ پہلا رکن ہے اور نیت کا چہرے کے کچھ حصے کے مسح ہونے تک پایا جانا ضروری ہے صحیح قول کے مطابق اور مالکیہ اور حنابلہ صرف چہرے پر ہاتھ پھیرتے وقت نیت کو واجب قرار دیتے ہیں اور نماز کی نیت میں یہ تفصیل ہے کہ یہ تکبیر اولی (تکبیر احرام) کے وقت ہونی چاہئے اور احناف نیت کا نماز سے ایسے متصل ہونا ضروری قرار دیتے ہیں ❶ کہ کوئی اجنبی فاصلہ حائل نہ ہو نیت اور تکبیر کے مابین، اور اجنبی فاصلے سے مراد ہے ایسا عمل جو نماز کے مناسب نہ ہو جیسے کھانا پینا وغیرہ۔ اور مالکیہ تکبیر احرام کے وقت نیت کا استحضار ضروری قرار دیتے ہیں یا اس سے کچھ پہلے تک بھی ❷ اور شوافع نے نیت کا نماز کے فعل سے ملنا ضروری قرار دیا ہے اور وہ اگر نماز سے کچھ وقت قبل ہو تو یہ عزم کہلائے گا ❸ حنابلہ فرماتے ہیں کہ ❹ افضل یہ ہے کہ نیت تکبیر سے ملی ہوئی ہو۔ اور اگر نیت تکبیر سے کچھ دیر قبل فرض نماز کی ادائیگی کے لئے وقت داخل ہونے کے بعد بغیر نیت کے فسخ کئے ہوئے اور یہ عمل اس شخص کے اسلام کی بقاء کے ساتھ ہو یعنی وہ مرتد نہ ہوا ہو تو اس صورت میں نماز درست ہو جائے گی کیونکہ نیت کا نماز سے کچھ دیر قبل ہونا نماز کو منوی (نیت کی گئی) ہونے کی حیثیت سے نہیں نکالتا اور نہ ہی نیت کنندہ کے نیت کرنے والے مخلص ہونے کی حیثیت کو ختم کرتا ہے اور ساتھ یہ بات بھی ہے کہ نیت نماز کی شرائط میں سے ہے چنانچہ دیگر شرائط کی طرح اس کا بھی پہلے ہونا درست ہے۔ اور بالکل ساتھ ہونے کی شرط لگانے میں مشقت ودشواری ہے چنانچہ یہ اس آیت **وَمَاجَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ** (اور اس نے تمہارے اوپر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ سورۃ الحج آیت ۷۸) کے پیش نظر یہ شرط ساقط ہوگی اور دوسری بات یہ ہے کہ نماز کا اول حصہ نماز کا جز ہوتا ہے چنانچہ صرف اس میں نیت کا ہونا ایسا ہی کافی ہوگا جیسا کہ تمام نماز میں نیت کا ہونا ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے نیت کا تکبیر احرام سے متصل ہونا واجب ہے لیکن شافع نیت کو تکبیر سے ملا ہوا ہونا اور مکمل تکبیر کا اس سے ملا ہوا ہونا لازم قرار دیتے ہیں کیونکہ تکبیر نماز کے افعال میں سے پہلا فعل ہے چنانچہ اس سے نیت کا ملا ہوا ہونا ضروری ہے جیسے حج اور دیگر عبادات کا حکم ہے۔ اور باقی مذاہب نے نیت کا تکبیر سے کچھ پہلے ہونا جائز قرار دیا ہے ہاں اگر نیت مؤخر ہو یا کافی وقت پہلے ہو تو نماز بالاتفاق باطل ہوگی۔ اسی طرح امام شافعی امامت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص تکبیر تحریمہ کہے امام ہو یا منفرد (اکیلا) تو وہ تکبیر کے وقت نیت کرے گا نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد امام شافعی کے شاگرد حضرات فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا مقصود اس بات سے یہ نہیں ہے کہ نیت کا تکبیر سے پہلے ہونا درست نہیں ہے اور نہ اس کا مؤخر ہونا درست ہے بلکہ پہلے درست نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ درست نہیں کہ وہ تکبیر سے پہلے نیت کرے اور تکبیر سے پہلے ہی نیت ختم کرلے، اسی طرح بعد میں درست نہ ہونے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ تکبیر کے نیت کا برقرار رھنا غلط ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ تکبیر کے بعد اگر نیت کی تو یہ درست نہیں ہوگا۔ ہاں اگر تکبیر سے قبل نیت کی اور تکبیر کے آخر تک یہ نیت موجود رہی تو یہ درست ہوگا۔ اور اس طرح اگر تکبیر سے فراغت کے بعد اس کا یاد رہنا برقرار رہا تو یہ اس کے لئے درست ہوگا، کیونکہ اس نے اپنے اوپر واجب کام کا اکثر حصہ انجام دے دیا۔ چنانچہ یہ اس کے لئے نقصان دہ نہیں ہوگا۔ احناف فرماتے ہیں کہ امامت کی نیت اس وقت ہونی چاہئے جب کوئی امام کی

---

❶ تبیین الحقائق للزیلعی، ج ص ۹۹۔ ❷ الشرح الصغیر وحاشیۃ الصاوی ج ۱ ص ۳۰۵، طبع دار المعارف مصر۔
❸ حاشیۃ الباجوری ج ص ۱۵۱-۳۰۔ ❹ کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۱ ص ۳۶۰، غایۃ المنتہی ج ۱ ص ۱۱۵-۵۴

اقتداء کررہا ہواس سے پہلے نہیں جیسے کہ جماعت کی نیت کا وقت مقتدی کی نماز کا اول حصہ ہے (کہ مقتدہ کو اس وقت نیت کرنی چاہئے) فتح القدیر میں امام کی اقتداء کے صحیح ہونے کے بارے میں ہونی والی بحث میں ہے اور افضل یہ ہے کہ مقتدی نیت کرے امام کے شروع کرنے کے وقت وہ عبادات جن کی ابتداء کا وقت نیت ہونا مستثنیٰ ہے وہ یہ ہیں:

۱۔صوم......اس میں اول وقت سے پہلے نیت کا ہونا جائز ہے کیونکہ اول وقت کا دھیان رکھنا مشکل ہوتا ہے، چنانچہ اگر فجر کے وقت نیت کی تو شوافع کے صحیح قول کے مطابق درست نہیں ہوگا، اور احناف نے اس بارے میں کچھ تفصیل کی ہے ان کی رائے یہ ہے کہ روزہ اگر رمضان کا ہو (اداء روزہ قضا نہیں) تو وہ ایسی نیت کے ساتھ بھی درست ہے جو متقدم ہو (پہلے ہو) اور گذشتہ دن کے غروب شمس کے وقت سے ہی ہو اسی طرح اس نیت کے ساتھ بھی درست ہے جو طلوع فجر سے متصل ہو اور اصل یہی ہے اس طرح ایسی نیت کے ساتھ بھی ہو جائے گا جو روزہ شروع ہونے کے بعد ہوئی ہو نصف نہار شرعی تک اور یہ اس لئے کہ روزے داروں کے لئے سہولت ہو سکے۔ اور اگر رمضان کے ادا روزے نہ ہوں یعنی قضاء رمضان، نذر یا کفارے کے روزے ہوں تو ایسی نیت کے ساتھ درست ہیں جو متقدم ہو اگر گذشتہ دن کے غروب شمس سے طلوع فجر کے دوران کسی بھی وقت ہو اور ایسی نیت کے ساتھ بھی درست ہیں جو طلوع فجر سے متصل ہو کیونکہ اصل یہ ہے کہ نیت اول عبادت سے متصل ہو اور اگر روزے نفلی ہوں تو ان میں وہی تفصیل ہے جو رمضان کے اداء روزں کے بارے میں ہے۔

۲۔حج......اس میں نیت اداء سے قبل ہوتی ہے یعنی مناسک حج کی ادائیگی سے قبل بوقت احرام، اور وہ ایسے ہوتی ہے کہ نیت یا تو تلبیہ کے ساتھ ہو یا ایسی چیز کے ساتھ ہو جو تلبیہ کے قائم مقام ہو جیسے سوق ھدی (جانور کا ہنکانا) احناف کے ہاں۔ مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ احرام اس نیت کے ساتھ درست ہو جاتا ہے جو حج سے متعلق کسی قول و فعل سے متصل ہو جیسے تلبیہ اور راستے پر چلنا اس کی طرف متوجہ ہونا، لیکن ان کے ہاں راجح بات یہ ہے کہ محض نیت سے بھی منعقد ہو جاتا ہے شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ احرام نیت کر لینے سے ہو جاتا ہے، چنانچہ اگر کوئی صرف نیت پر اکتفاء کرے اور تلبیہ نہ کہے تو یہ اس کے لئے جائز ہوگا اور بلانیت تلبیہ کہہ دیا تو اس کا احرام نہیں ہوگا۔ اور نیت کا تلبیہ سے ملا ہوا ہونا شرط نہیں ہے، کیونکہ یہ اذکار میں سے لہٰذا، باقی اذکار کی طرح یہ حج میں واجب نہیں ہوگی چنانچہ جمہور کے ہاں احرام نیت کر لینے سے منعقد ہو جاتا ہے، احناف کے ہاں محض نیت کر لینے سے منعقد نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی ایسے قول یا فعل سے متصل ہو جو احرام کے خواص میں سے ہو۔ اور شوافع کے ہاں صحیح تر بات یہ ہے کہ تمتع کی نیت کا وقت اس وقت تک ہے جب تک انسان عمرے سے فارغ نہیں ہو لیتا۔

۳۔زکوٰۃ اور صدقہ فطر......ان دونوں میں بھی فقیر کو ادا کرنے سے قبل نیت کا ہونا درست ہے روزوں پر قیاس کرتے ہوئے۔ اور نیت کا ایسے وقت ہونا کافی ہے جس وقت انسان مال میں سے مقدار واجب الگ کر رہا ہو یا اس الگ مال کو اپنے وکیل کو دے رہا ہو کہ یہ فقراء کو دیدو یا وکیل کو دینے کے بعد نیت کرے اور اس کے تقسیم کئے جانے سے قبل بھی نیت کر لینا درست ہے۔ اور یہ زکوٰۃ دہندگان کی آسانی کے لئے ہے حالانکہ اصول کا تقاضا یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی جائز نہ ہو ما سوا اس صورت کے کہ نیت زکوٰۃ ادائیگی زکوٰۃ سے متصل ہو۔ اور کیا ادا کردینے کے بعد نیت کر لینا درست ہے احناف کی رائے یہ ہے کہ اگر وہ مال اس فقیر کے ہاتھ میں ہو تو درست ہے اور اگر ختم ہو چکا ہو تو درست نہیں۔ اور کفارہ بھی زکوٰۃ کے حکم میں ہے نیت کا اس کے وجوب سے قبل ہونا درست ہے اور مستحقین کو اس کی ادائیگی سے قبل بھی نیت درست ہے۔

۴۔جمع بین الصلاتین کی نیت......دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کی نیت پہلی نماز میں ہوگی ساتھ یہ بھی بات ہے کہ دوسری نماز ہی درحقیقت جمع کی گئی ہوتی ہے اب اگر پہلی نماز کو اول عبادت سمجھ لیا جائے تو شوافع کے ہاں اس کی ابتداء سے تاخیر کرتے ہوئے نیت کر لینا جائز ہے کیونکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ نیت دوران عبادت اور فراغت عبادت کے ساتھ دونوں صورتوں میں درست ہے۔

۵۔قربانی کی نیت......اس کا ذبح کرنے سے پہلے ہونا درست ہے اور شوافع کے ہاں صحیح قول کے مطابق نیت کا ذبح سے متصل ہونا واجب نہیں ہے،اور دوسرے صحیح قول کے مطابق وکیل کو قربانی کے لئے دیتے وقت نیت قربانی جائز ہے۔

۶۔قسم کے اندر استثنائی الفاظ کی ادائیگی سے استثناء کی نیت......قسم سے فارغ ہونے سے قبل نیت استثناء ضروری ہے اور ساتھ یہ کہ نفس استثناء میں بھی نیت ضروری ہے۔

نیت کا بقاء عمل میں شرط نہ ہونا......نیت بقاء عمل میں شرط نہیں کیونکہ ایسا کرنے میں حرج ہے،اور اسی طرح ہر جز میں عبادت کی نیت ضروری نہیں ہے،جو کچھ انسان کررہا ہو اس میں فی الجملہ نیت ضروری ہے،اور اسی بنیاد پر عبادتوں کے اول ہی میں نیت کر لینا کافی ہے ہر فعل کی ادائیگی کے لئے نیت کا ہونا ضروری نہیں۔اور یہ اس لئے کہ نیت کو ہر فعل کے لئے بھی سمجھ لیا جائے گا اگر وہ ابتداء میں ہو جیسے وضو اور نماز اور حج،چنانچہ حج میں طواف،سعی اور وقوف عرفہ میں ہر ایک کے لئے باقاعدہ نیت کرنا ضروری نہیں تاہم یہ بات مدنظر رہے کہ نماز میں ارکان نماز کے لئے متفرق طور پر نیت کرنا درست نہیں ہاں یہ وضو میں درست ہے شوافع کے ہاں صحیح تر قول کے مطابق جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں اور حج کے بارے میں زیادہ کامل بات یہ ہے کہ حج کی نیت کر لینے سے طواف سعی اور وقوف عرفہ کے انجام دیتے وقت ان کی نیت خود بخود شمار ہو گی ہاں طواف نذر یا نفلی طواف کے لئے نیت شرط ہے کیونکہ یہ دونوں کسی دوسری عبادت کے تحت نہیں انجام دیے جاتے بلکہ یہ علیحدہ عبادت ہیں اور اسی اصول کی بنیاد پر یہ بات بطور لطیفہ کہی جاتی ہے ہمارے ہاں ایک عبادت ایسی ہے جس کے فرض کے لئے نیت شرط نہیں لیکن نفل کے لئے شرط ہے اور وہ طواف ہے اور اس کی کوئی دوسری مثال نہیں۔

حنابلہ کی عبارت اس بارے میں یہ ہے کہ حکم نیت کا برقرار رہنا واجب ہے حقیقت نیت کا نہیں اور برقرار رہنے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ شخص اس نیت کے قطع کرنے کا ارادہ نہ کرے،ہاں اگر نیت کر کے ذہن سے بات نکل جائے کہ نیت کی تھی تو یہ نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں ڈالے گی اور احناف رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر حاجی ایام نحر میں نفل کی نیت سے طواف کر لے تو فرض طواف،طواف زیارت ادا ہوگا اور اگر لوگوں کے جانے کے بعد نفل کی نیت سے طواف کیا تو وہ طواف وداع ادا ہوگا اور اگر حاجی کسی اپنے قرض دار کے پیچھے پیچھے اس کو پکڑنے کی غرض سے مطاف میں گھوما تو یہ طواف نہیں شمار ہوگا۔اور اگر عرفات میں کسی قرض دار کے انتظار میں کھڑا رہا تو یہ وقوف شمار ہو جائے گا کیونکہ طواف مستقل نیکی ہے بخلاف وقوف عرفات کے۔❶

۵۔کیفیت نیت......نیت کے متعلق پانچویں بحث کیفیت نیت ہے،کسی بھی عبادت کا اس کے ارکان وافعال کی نیت پائے جانے کے ساتھ ساتھ یہ تقاضا بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے علاوہ دیگر چیزوں سے ممتاز ہو،خواہ یہ چیزیں اسی کی نوع کی عبادت ہوں یا محض جنس عبادت ہوں یا عبادت کے علاوہ عادی افعال ہوں کیونکہ عبادت میں نیت کا مقصود اس عبادت کو عادات سے ممتاز کرنا بن جائے گا یا بعض عبادتوں کو بعض سے ممتاز کرنا ہوتا ہے،جیسے وضو ایک عبادت ہے۔اگر اس سے مقصود عبادت تک پہنچنا ہو جیسے نماز اور طواف وغیرہ جو وضو کے بغیر انجام نہیں دی جاتیں،اور وضو یعنی ہاتھ پاؤں دھونا عادتاً بھی ہوتا ہے جب محض ٹھنڈک یا صفائی کے حصول کے لئے اگر یہ کام ہو چنانچہ اگر اعضاء وضو دھونے میں مقصود نماز کے پڑھنے کو جائز کرنا ہو یا فرض غسل کی انجام دہی ہو تو وضو درست ہو جائے گا۔اور نماز اگرچہ عادات میں سے نہیں ہے بلکہ یہ خالص عبادت ہے تاہم اس کی دو قسمیں ہیں (۱) فرض (۲) سنت اور فرض بھی دو طرح کے ہیں (۱) عینی (۲) کفائی (کفایت) پہلی کی مثال پنج وقتہ نمازیں،دوسری کی مثال نماز جنازہ۔اور سنت کہتے ہیں فرائض کی تابع نمازیں وتر،عیدین،سورج وچاند کے گرہن کی نمازیں، نماز استقاء تراویح اور عام نوافل ہو تو فرض کے لئے اس کے ادا کرنے کی نیت کے ساتھ اسے اس کے نام کے ساتھ متعین کرنا ضروری ہے تاکہ

❶ ......الاشباہ والنظائر ابن نجیم ص ۴۵ الاشباہ للسیوطی ص ۳،احکام النیۃ للحسینی ص ۲۴،۱۲۶۔۲۶،المغنی ج ۱ ص ۴۶۷۔

وہ باقی فرائض سے ممتاز ہوسکے اور اس کے فرض ہونے کو پیش نظر رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ وہ سنتوں سے ممتاز ہوسکے اور بعض فقہاء نے نیت میں نماز کے فرض یا سنت ہونے کے بارے میں تعرض کرنے کو شرط نہیں قرار دیا ہے کیونکہ نام سے متعین کرنے کو وہ کافی سمجھتے ہیں اس لئے کہ نام سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ عبادت فرض ہی ہے اور نماز کی سنتوں اور دیگر مؤکدہ سنتوں یعنی جو مطلق نفل نہیں ہیں کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اداء کرنے کی نیت کے ساتھ اس کی تعیین بھی اس طرح کردی جائے کہ یہ فلاں نماز کی سنت ہے یا فلاں سنت مؤکدہ (عید کی نماز وغیرہ) ہے یا صلوٰۃ کسوف وغیرہ ہے۔ ہاں عام نوافل (نفل مطلق) میں صرف ادائیگی کی نیت کافی ہے کیونکہ وقت اور سبب کے ساتھ مقید نہ ہونے کے سبب وہ دوسرے سے بذات خود ہی ممتاز ہوتی ہے اور دوسروں کو مال بلاعوض دینا کبھی زکوٰۃ کے طور پر ہوتا ہے کبھی صرف صدقہ ہوتا ہے اور کبھی ہدیہ تحفہ وغیرہ لہٰذا دینے کی نیت کے ساتھ اس دینے کی کسی وصف شرعی کے ساتھ تعیین ضروری ہے مثلاً زکوٰۃ تاکہ دیگر دینے وغیرہ سے یہ ممتاز ہوسکے۔ ہاں اس میں فرض وغیرہ ہونے کی تعیین نیت میں ضروری نہیں کیونکہ زکوٰۃ کا لفظ شرعاً فرض ہی کے لئے وضع شدہ ہے۔

اور روزہ کش چیزوں سے بچنا کبھی روزوں کی غرض سے ہوتا ہے اور کبھی پرہیز اور علاج کی غرض سے ہوتا ہے لہٰذا روزہ کش چیزوں سے بچنے کی نیت ساتھ ضروری ہے کہ اس بات کی بھی تعیین ہو یہ بچنا روزے کے لئے ہیں تاکہ اسے عام عادت یا پرہیز وغیرہ سے ممتاز کیا جاسکے۔ پھر روزے بھی نماز کی طرح فرض اور سنت دونوں طرح کے ہیں چنانچہ روزوں کی نیت کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے بارے میں یہ تعیین کردہ جائے کہ وہ رمضان کا ہے اگر رمضان کا روزہ کسی دوسرے مہینے میں رکھا جارہا ہو یا اس کی قضاء کی جارہی ہو یا کفارہ قسم یا کفارہ ظہار یا کفارہ قتل یا ماہ رمضان میں ہم بستری کا کفارہ یا حج میں خوشبو استعمال کرلینے کا کفارہ ہے وغیرہ یہ تعیین ضروری ہے اور ان امور کی تعیین کرتے وقت ان کے فرض ہونے کا ملحوظ خاطر رہنا اس لئے ضروری نہیں کہ یہ امور فرض ہی ہیں نفل یا سنت کے طور پر یہ امور انجام نہیں دیئے جاتے۔ چنانچہ یہ بذات خود متعین ہیں سنتوں کے ساتھ خلط ملط نہیں ہوں گے۔

حرم شریف کا قصد کبھی احرام کی غرض سے ہوتا ہے اور کبھی ایسے ہی عادۃ ہوتا ہے جیسے تجارت وغیرہ کے لئے لہٰذا حرم شریف جانے کے قصد کے لئے ضروری ہے کہ یہ بات ملحوظ رہے ہو کہ یہ قصد احرام باندھ لینے کی غرض سے ہے یا تو حج کا احرام اگر وقت حج کا ہو یعنی اشہر حج ہوں یا عمرے کی نیت ہو یا مطلق نیت ہو اس صورت میں حج اور عمرے میں سے جس کے لئے چاہے وہ احرام کو کرسکتا ہے اگر حج کا وقت ہو اور نہ عمرہ متعین ہوگا۔ اور اگر اس نے پہلے حج یا عمرہ نہیں کررکھا ہو تو فرضیت کی نیت کرنا شرط بھی نہیں ہوگا کیونکہ احرام خود بخود ان دونوں میں ایک کا ہو جائے گا❶ اور تعیین کی شرط کی دلیل **انما لکل امری مانوی** والی حدیث ہے کیونکہ یہ تعیین کے شرط ہونے کی واضح دلیل ہے جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں۔ میں یہاں عبادات میں کیفیت نیت کی کچھ مثالیں پیش کرتا ہوں چنانچہ وضو میں کیفیت نیت کی مثال یہ ہے کہ وضو کرنے والا حدث کے دور کرنے یا نماز کے پڑھنے کی یا صرف وضو کرنے کی یا امر خداوندی کی تعمیل کی نیت کرے یا ایسی چیز کو جائز کرنے کی نیت کرے جو بلا وضو نہ ہوتی ہو جیسے نماز طواف، قرآن کا چھونا وغیرہ یا جنابت دور کرنے کی یا فرض غسل کی نیت کرے یا فرض شدہ غسل کی نیت کرے جب وہ جسم کے کسی بھی حصے کو پہلی بار تر کرے مثلاً سر یا کوئی اور عضو۔ اور اگر اسے کوئی دوسرا شخص وضو کرائے تو اس صورت میں وضو کرنے والے کی نیت کا اعتبار ہے کرانے والے کی نہیں کیونکہ وضو کے ادائیگی کا مکلف وضو کرنے والا ہے اور وہ لوگ جن کا حدث مستقل رہتا ہو یعنی معذورین جیسے مستحاضہ (وہ عورت جیسے مسلسل خون آتا ہو) وہ شخص جیسے مسلسل پیشاب کے قطرے آتے ہوں اور ان جیسے دوسرے لوگ نماز کے جائز ہونے کی نیت کریں گے حدث کے دور کرنے کی نہیں کیونکہ حدث کا رفع ہونا ان لوگوں سے ممکن ہے۔❷

---

❶ نہایۃ الاحکام فی مانیۃ من الاحکام، احمد الحسینی ص ۱۰ اور بعد کے صفحات ❷ البدائع ج ۱ ص ۲۱، الدر المختار ج ۱ ص ۹۸ اور ص ۱۰۴ اور بعد کے صفحات المجموع شرح المذہب ج ۱ ص ۳۶۱، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۷، ۴۷ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۷ اور ص ۴۲ اور بعد کے صفحات الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۱۴ ص ۱۲۲ اور بعد کے صفحات کشاف القناع ج ۱ ص ۹۴ ص ۱۰۳ اور ما بعدھا المغنی ج ۱ ص ۱۳۲ ص ۱۱۹۔

اور تیمم کے بارے احناف کے ہاں تین میں ایک کی نیت کرے ا۔ یا تو حدث سے طہارت حاصل کرنے کی نیت کرے ۲۔ یا نماز کے جائز کر لینے کی نیت کرے، یا ۳۔ ایسی عبادت مقصودہ کی نیت کرے جو طہارت کے بغیر درست نہ ہوتی ہو جیسے نماز، سجدہ تلاوت یا جنازہ، اور اس میں فرض کی نیت کرنا شرط نہیں کیونکہ ان کے ہاں یہ وسائل میں سے ہے۔ مالکیہ کے ہاں تیمم کی نیت یا تو نماز کے جائز ہونے کی کرے یا ایسی چیز کے جائز ہونے کی کرے جو حدث کی وجہ سے منع ہوگئی ہو یا چہرے پر ہاتھ پھیرتے وقت فرض تیمم کی نیت کرے۔ اور اگر اس نے صرف رفع حدث کی نیت کی تو اس کا تیمم باطل ہوگا کیونکہ تیمم حدث کو رفع نہیں کرتا ان کے مشہور قول کے مطابق۔ ہاں اگر فرض تیمم کی نیت کرے تو یہ اس کے لئے درست ہوگا۔ شوافع کے ہاں تیمم کے لئے ضروری ہے کہ نماز کے جائز ہونے وغیرہ کی نیت کرے چنانچہ صحیح تر قول کے مطابق فرض تیمم یا فرض طہارت یا طہارت عن الحدث یا طہارت عن الجنابۃ کی نیت درست نہیں ہوگی کیونکہ تیمم ان کے ہاں حدث کو رفع نہیں کرتا۔ اور حنابلہ کے ہاں اس چیز کے جائز کرنے کی نیت کرے جو تیمم کے بغیر جائز نہیں جیسے نماز وغیرہ یعنی طواف قرآن کا چھونا وغیرہ یعنی ان کے ہاں بھی شافعیہ ہی کی طرح تفصیل ہے۔ ❶

اور غسل کے اندر غسل کرنے والا اپنے بدن کے پہلے وضو کو دھوتے وقت فرض غسل کی نیت کرے گا یا جنابت دور کرنے کی یا حدث اکبر دور کرنے کی یا ایسی چیز کے جائز کرنے کی نیت کرے جو غسل کے بغیر جائز نہ ہو جیسے نماز یا طواف کو جائز کرنے کی نیت کرے جو کہ غسل پر موقوف ہیں، اگر اس نے اس چیز کے جائز کرنے کی نیت کی جس کی ضرورت نہ ہو جیسے عید کا غسل تو یہ صحیح نہ ہوگا اور نیت فرض کے اول حصے سے متصل ہوگی جو بدن کا وہ حصہ ہوگا جس پر پہلی دفعہ پانی پڑے خواہ بدن کے اوپر کے حصے کا ہو یا نچلے حصے کا۔ کیونکہ بدن دھونے میں ترتیب ضروری نہیں ❷ اور احناف کے ہاں غسل اور وضو میں نیت فرضیت شرط نہیں کیونکہ ان دونوں میں نیت شرط نہیں۔

اور نماز کے بارے میں احناف فرماتے ہیں اگر نمازی اکیلا نماز ادا کر رہا ہوں تو وہ فرض یا واجب کی نوعیت متعین کر دے اور اگر نفل ادا کر رہا ہو تو محض نیت نماز کافی ہے۔ اور اگر نمازی امام ہو تو وہ بھی متعین کرے گا جیسا کہ پہلے گذر اور مرد کے لئے مردوں کی امامت کی نیت ضروری نہیں ان کے لئے اس شخص کی اقتداء درست ہے خواہ اس نے امامت کی نیت نہ کی ہو تاہم مرد کے لئے عورتوں کی امامت کی نیت ان کی اقتداء درست ہونے کے لئے ضروری ہے۔ اور اگر نمازی مقتدی ہو تو بھی وہ متعین کرے گا۔ جیسا کہ پہلے گذرا البتہ اس کے لئے امام کی اقتداء کی نیت ضروری ہے چنانچہ وہ نیت کرے گا اس وقت کی فرض نماز کی اور اس امام کی اقتداء کی یا امام کی نماز کے تابع اپنی نماز شروع کرنے کی نیت کرے یا اپنی نماز میں امام کی اقتداء کی نیت کرے۔ مالکیہ فرماتے ہیں فرائض اور پانچ سنتوں میں تعیین ضروری ہے۔ اور پانچ سنتیں یہ ہیں:
(۱) وتر (۲) عید (۳) کسوف (۴) خسوف (۵) استسقاء ❸ اور فجر کی سنتوں میں بھی تعیین ضروری ہے۔ ان کے علاوہ نوافل جیسے چاشت کی نماز و فرائض کی سنتیں اور تہجد وغیرہ ان میں مطلق نیت نفل کافی ہے۔ اور مطلق نفل کی نیت کرنے سے وہ نفل اگر چاشت کے وقت میں ہوتی زوال سے قبل تو چاشت کی طرف سے ہو جائے گی اور اگر ظہر کی فرض نماز سے قبل ہو یا بعد میں ہو تو اس کی سنتوں کی طرف سے ہو جائے گی اور مسجد میں داخل ہوتے وقت پڑھی گئی نفل تحیۃ المسجد کی طرف سے ہو جائے گی۔ اور رات میں ادا کی گئی نفل تہجد کی طرف سے ہو جائے گی۔

---

❶ فتح القدیر ج ا ص ۸۶، ۸۹، البدائع ج ا ص ۵۲ ،۲۵ تبیین الحقائق ج ا ص ۳۸ الشرح الکبیر ج ا ص ۱۵۴ القوانین الفقہیۃ ص ۳۰، المہذب ج ا ص ۳۲، مغنی المحتاج ج ا ص ۹۸ المغنی ج ا ص ۱۵۲ کشاف القناع عن متن الاقناع ج ا ص ۱۷۳۔ ❷ فتح القدیر ج ا ص ۳۱، اللباب شرح الکتاب ج ا ص ۲۰، الشرح الصغیر ج ا ص ۱۶۶ بدایۃ المجتہد ج ا ص ۴۲ مغنی المحتاج ج ا ص ۷۲ اور بعد کے صفحات، المغنی ج ا ص ۲۱۸ کشاف القناع ج ا ص ۱۷۳ اور بعد کے صفحات۔ ❸ البدائع ج ا ص ۱۲۷، الدر المختار ج ا ص ۴۰۱ تبیین الحقائق ج ا ص ۹۹ فتح القدیر ج ا ص ۱۸۵، الاشباہ والنظائر ابن نجیم ص ۳۲ اور بعد کے صفحات۔

اور وتر سے قبل ادا کی گئی نفل عشاء کی سنتوں کی طرف سے ہو جائے گی اور ادا یا قضا یا رکعات کی تعداد کی نیت ضروری نہیں چنانچہ قضا بنیت ادا اور برعکس درست ہے، اور انفرادی پڑھنے یا مقتدی کے طور پر پڑھنے کی نیت ضروری ہے، اور امامت کی نیت (یعنی امام بننے کی) جمعہ اور جمع بین الصلاتین جو مقدم کرنے کے طور پر ہو بارش یا کسی خوف یا خلیفہ بنانے کی غرض سے ہو کے علاوہ دیگر چیزوں کے لئے ضروری نہیں۔ کیونکہ ان دونوں کے لئے امام شرط ہے ❶ اور شوافع یہ فرماتے ہیں کہ ❷ اگر نماز فرض ہو تو اگر وہ فرض کفایہ ہے جیسے نماز جنازہ یا قضاء جیسے فوت شدہ نماز کی ادائیگی یا لوٹائی جانے والی نماز یا نذر تو تین چیزیں لازم ہیں۔

۱۔ نیۃ الفرضیۃ ...... فرضیت کی نیت یعنی اس بات کا لحاظ نیت میں رکھنا ضروری ہوگا کہ نماز فرض ہے تا کہ وہ نفل یا دوہرائی جانے والی نماز سے ممتاز ہو سکے۔ چنانچہ فرض کی نیت اس طرح ہوگی میں ظہر ادا کر رہا ہوں جو اس وقت فرض ہے اللہ کے لئے تو اس میں (ادوی) میں ادا کر رہا ہوں کا لفظ اصل فعل اور اداء دونوں معنی کو شامل ہوگا۔

۲۔ قصد ...... یعنی فعل کے صادر کرنے کا قصد وارادہ اور وہ اس طرح کہ وہ نماز کے فعل کا ارادہ کرے تا کہ وہ دیگر افعال سے ممتاز ہو جائے۔

۳۔ تعیین ...... یعنی کہ فرض کی نوعیت کی تعیین کہ مثلاً وہ فجر کی ہے یا ظہر کی اور وہ اس طرح کہ وہ شخص ظہر کی فرض نماز کے صادر کرنے کی نیت کرے اور شرط یہ ہے کہ یہ سب کچھ تکبیر احرام (نماز کی پہلی تکبیر) کے تمام اجزاء سے مل کر ہوں، اور یہ مقارنت (ملنا) اجمالی ہو تفصیلی ہونا ضروری نہیں (یعنی یہ امور جو اوپر ذکر ہوئے ان کا نماز کی تکبیر اول کے ساتھ اتصال بایں معنی ضروری ہے کہ اجمالی طور پر یہ سارے امور مختصر ہوں تفصیلاً ضروری نہیں) اور یہ اس طرح ہوگا کہ نمازی نماز کے ارکان کا استحضار کرے یعنی کہ وہ تمام ارکان ایک ہی زمانے میں ذہن میں حاضر ہوں بایں معنی کہ نمازی اپنے ذہن میں نماز کی ذات اور صفات، جن کا پیش نظر رہنا ضروری ہوتا ہے جیسے نماز کا مثلاً ظہر کا ہونا اور فرض ہونا وغیرہ، کو حاضر کرے پھر اس معلوم ومعین فی الذھن چیز کا قصد وارادہ کرے ایسا ارادہ جو کہ تکبیر تحریمہ کی ابتداء سے متصل ہو اور یہ ارادہ تکبیر کی ادائیگی کے آخر تک موجود رہے اور اس مقارنت (یعنی تکبیر تحریمہ کی ابتداء سے اس ارادے کی مقارنت کے لئے عام مقارنت عرفی کافی ہے یعنی نمازی کو نماز کا استحضار رکھنے والا اس سے غفلت نہ برتنے والا سمجھا جا سکے اور علامہ نووی نے ذکر کیا ہے کہ یہ قول ہی مختار ہے۔ اور ان کے ہاں استحضار عرفی اور مقارنت عرفی سے یہی حکم مراد ہوتا ہے جو ہم نے بیان کیا، یعنی نمازی تکبیر تحریمہ کہنے سے قبل فعل نماز یعنی اس کے افعال، اقوال اول تا آخر کا استحضار کرے خواہ اجمالی طور پر سہی۔ یہ رائے زیادہ قابل اعتماد و ترجیح ہے اور مقارنت ایسے ہو کہ یہ استحضار جو ذہن میں ہے تکبیر تحریمہ کے دوران تکبیر تحریمہ سے متصل (مقاران) ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر ادا کی جانے والی نماز پنج وقتہ نمازوں میں سے کوئی ایک ہو تو اس صورت میں نمازی پر تین نیتیں ضروری ہیں:

۱..... فعل نماز کی نیت ۲..... فرضیت کی نیت ۳..... تعیین کی نیت

چنانچہ نمازی کو یوں کہنا چاہئے نیت کرتا ہوں نماز ظہر ادا کرنے کی یا یوں نیت کرے میں نیت کرتا ہوں فرض نماز عصر ادا کرنے کی یا فرض نماز مغرب کی وغیرہ چنانچہ اس میں فعل نماز کی نیت اس لئے کہ وہ افعال عادیہ سے ممتاز ہو جائے اور ظہر کی نیت اس لئے کہ وہ دیگر فرض نمازوں عصر، عشاء وغیرہ سے ممتاز ہو جائے اور فرض کی نیت اس لئے کہ وہ نفل سے ممتاز ہو جائے ہاں رکعات کی تعداد کی نیت، دن کی تعیین کی نیت شرط نہیں نہ ادا نماز میں اور نہ قضاء میں اور نہ ہی اللہ کی طرف منسوب کرنا ضروری ہے ❸ (یعنی یہ کہنا ضروری نہیں کہ واسطے اللہ تعالیٰ کے) اور نہ ہی

---

❶ ..... الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ج ۱ ص ۲۳۳، ۵۲۰ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۱۶، القوانین الفقہیۃ ص ۵۷ ❷ المجموع شرح المہذب ج ۳، ص ۲۴۳-۲۵۲ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۴۸-۱۵۰، ۱۵۲، ۱۵۳، ۲۵۳ حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۱۴۹ ❸ یہ احناف اور مالکیہ کی بھی رائے جیسا کہ ہم نے بیان کیا نیز حنابلہ بھی اسی کے قائل ہیں الاشباہ والنظائر۔ ابن نجیم ص ۳۲-۳۵، کشاف القناع ج ۱ ص ۳۶۵، غایۃ المنتہی ج ۱ ص ۱۱۶۔

ارکان نماز کا ذکر ضروری ہے اور نہ ہی قبلہ رخ ہونے کا ذکر ضروری ہے۔ اسی طرح اکثر حضرات کے ہاں صحیح قول کے مطابق ادا نماز یا قضا نماز کا تعین بھی شرط نہیں۔ یہ سب امور محض مسنون ہیں واجب نہیں۔ چنانچہ اللہ کی طرف نسبت کرنا واجب نہیں کیونکہ تو انجام وہی تو ہے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے، ہاں مستحب ضرور ہے تاکہ اخلاص کے معنی ومفہوم متحقق ہو جائیں، اور قبلہ رخ ہونے اور رکعتوں کی تعداد کی نیت مستحب ہے تاکہ اختلافی مسائل سے باہر نکلا جاسکے چنانچہ اگر تعداد رکعات کی نیت میں غلطی کر دی تو نماز نہیں ہوگی جیسے نماز ظہر کی تین یا پانچ رکعات۔ کی نیت کر لینا۔ اسی طرح قضا یا ادا کی نیت کر لینا مستحب ہے تاکہ ان دونوں میں امتیاز ہو سکے، اور شوافع کے ہاں صحیح ترین بات یہ ہے کہ عذر کی حالت میں قضا کی نیت سے ادا اور ادا کی نیت سے قضا نماز ہو سکتی ہے اور عذر کی مثال جیسے بادلوں کے سبب یا کسی اور وجہ سے وقت کا اندازہ نہ ہو سکے چنانچہ وقت کے نکل جانے کا گمان کر کے بنیت قضا نماز پڑھی پھر معلوم ہوا کہ وقت نکلا نہیں تھا باقی تھا یا اس کے برعکس معاملہ ہوا کہ وقت کے باقی رہنے کا سمجھ کر نماز پڑھی پھر معلوم ہوا کہ وقت نکل چکا تھا تو ان دونوں صورتوں میں نماز درست ہے۔ مالکیہ نے ذکر کیا ہے کہ قضا بہ نیت اداء اور برعکس صورت میں نماز مطلقاً بلا تفصیل وشرط درست ہوتی ہے، حنابلہ کے ہاں بھی یہ درست ہے اگر نمازی پر بعد میں ظاہر ہوا کہ معاملہ اس کے گمان کے برخلاف ہوا ہے۔ اور احناف رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ ادا بہ نیت قضا اور برعکس دونوں صورتیں نماز اور حج دونوں میں درست ہیں۔ اور اگر نفل نماز ایک معین وقت والی ہو جیسے نماز سے متصل سنتیں، یا وہ کسی سبب سے ادا کی جاتی ہو جیسے استسقاء کی نماز، تو اس صورت میں دو چیزیں واجب ہیں:

(۱)..... قصد فعل (۲)..... نیت تعیین۔

جیسے سنت ظہر، یا عید الفطر یا عید الاضحیٰ وغیرہ ہونے کی نیت کرے۔ ہاں نفلیت کی نیت شرط نہیں ہے صحیح قول کے مطابق۔ اور نفل مطلق یعنی وہ جو وقت یا سبب کی قید سے آزاد ہوتی ہے جیسے تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو اس میں محض نیت فعل نماز کافی ہے باقی دو کی ضرورت نہیں۔ اور امام کے لئے نیت امامت ضروری نہیں صرف مستحب ہے تاکہ وہ فضیلت جماعت حاصل کر سکے۔ اگر وہ نیت نہ کرے تو وہ فضیلت اسے حاصل نہیں ہوگی کیونکہ انسان کو اس کے عمل میں سے وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرے۔ مذہب شافعیہ میں نیت امامت چار حلقوں میں ضروری ہے، (۱) جمعہ میں۔ (۲) وہ نماز جس کو برسات وغیرہ کی وجہ سے جمع تقدیم کے ذریعے متقدم کیا جائے۔ (۳) وقت اندر جماعت کے ساتھ لوٹائی جانے والی نماز۔ (۴) اور وہ نماز جسے کسی نے جماعت کے ساتھ پڑھنے کی نذر مانی ہو یہ اس لئے کہ وہ گناہ سے بچ سکے۔

اسی طرح مالکیہ فرماتے ہیں کہ امامت کی نیت صرف ان چار چیزوں میں واجب ہے۔ (۱) جمعہ (۲) جمع بین الصلاتین۔ (۳) خوف۔ اور (۴) دوسرے کو نماز میں خلیفہ مقرر کرنے کی صورت میں کیونکہ اس میں امام کا ہونا شرط ہے۔ علامہ ابن رشد رحمہ اللہ نے پانچویں چیز نماز جنازہ کہی ہے۔

اور مقتدی کے لئے اقتداء کی نیت کرنا شرط ہے اور وہ اس طرح کہ مقتدی تکبیر تحریمہ کے ساتھ اقتداء، ائتمام، یا موجود امام کے ساتھ یا محراب میں موجود شخص کے ساتھ جماعت کی ادائیگی کی نیت کرنے یا اسی طرح کے دیگر امور کی نیت کرے۔ کیونکہ دوسرے کے تابع ہونا (تبعیت) ایک عمل ہے چنانچہ یہ نیت کا محتاج ہے۔ کیونکہ آدمی کے لئے وہی ہوتا ہے جس کی وہ نیت کرے اور مطلقاً نیت اقتداء کافی نہیں یعنی بلا نسبت بروئے امام اقتداء کافی ہے لہٰذا اگر بلا نیت متابعت کی یا شک کے ساتھ کی تو اگر اس کے انتظار کی یہ کیفیت دیر تک برقرار رہی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ ❶ اگر نماز فرض ہو تو دو چیزیں شرط ہیں:

۱۔ نوعیت نماز کی تعیین کہ وہ ظہر ہے یا عصر ہے اور دوسری چیز ہے۔

---

❶ المغنی ج ۱ ص ۴۶۹،۴۶۶، ۴۰۲ ج ص ۲۳۱ کشاف القناع ج ۱ ص ۳۶۴۔۳۰۰

۲..... فعل کا ارادہ اور فرضیت کی نیت شرط نہیں ہے۔

یعنی اسی طرح کہنا کہ میں نماز ظہر فرض ادا کر رہا ہوں ضروری نہیں۔اور قضاء شدہ نماز کو اگر وہ ان میں متعین کر لے کہ یہ مثلاً آج کی نماز ظہر ہے تو نیت کی ضرورت نہیں اور نہ ہی نیت ادا کی ضرورت ہے اور قضا بنیت ادا اور اس کا برعکس درست ہے اگر اس کے گمان کے برخلاف اس پر بات ظاہر ہو۔اور اگر نماز نفل ہے تو اس کی تعیین ضروری ہے اگر وہ معین ہو یا کسی وقت سے مؤقت ہو جیسے کسوف اور استسقاء تراویح اور وتر،اور فرض نمازوں کی تابع سنتیاں۔اور اگر نفل مطلق ہو تو نیت کی تعیین ضروری نہیں ہے جیسے رات کی نماز، تو اس صورت میں صرف نماز کی نیت کافی ہے دوسری چیز کی ضرورت نہیں، کیونکہ اس میں تعیین نہیں ہے۔تو یہ حضرات اس مسئلے میں شوافع کے ہمنوا ہیں۔

روزے کے بارے میں احناف کی رائے یہ ہے کہ ❶ رمضان اور اس کی طرح روزے جیسے وہ نذر جس کا زمانہ متعین کیا ہوا ہو، مطلق نیت سے درست ہو جاتے ہیں اور نفل کی یا کسی دوسرے واجب کی نیت سے بھی درست ہو جاتے ہیں۔اور رمضان کے روزے کی رات سے نیت کر لینا ضروری نہیں جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں اور سحری کرنا ان حضرات کے ہاں نیت ہے۔اور مالکیہ کے ہاں نیت کا یہ وصف ضروری ہے ❷ کہ وہ معین ہو رات سے ہو اور یقینی ہو اور شوافع کے ہاں رمضان کی نیت کی تکمیل اس طرح ہوگی کہ ❸ وہ نیت کرے کہ میں آئندہ کل کا ماہ رمضان کا فرض روزہ جو اس سال کا ہے اللہ کی رضا کے لئے رکھ رہا ہوں اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ تعیین کی نیت میں فرضیت کا ذکر ضروری نہیں حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ ❹ جس کے دل میں یہ خیال ہو کہ وہ کل کا روزہ رکھ رہا ہے تو وہ شخص نیت کنندہ کہلائے گا اور نیت کی تعیین واجب ہے یعنی کہ وہ اس کا خیال بھی رکھے کہ وہ کل رمضان کا یا قضا یا نذر کا یا کفارے کا روزہ رکھ رہا ہے، اور تعیین کے ساتھ فرضیت کی نیت ضروری نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ماسوا احناف کے جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ نیت کا رات سے ہونا ضروری ہے جیسا کہ شوافع کے علاوہ جمہور اس پر متفق ہیں کہ روزے یا سحری کی نیت سے کھانا پینا نیت شمار ہوگا ماسوا اس صورت کے کہ وہ شخص روزہ نہ رکھنے کی نیت کرے۔شوافع کے ہاں روزے کی تمام صورتوں میں سحری نیت کے قائم مقام نہیں ماسوا اس کے کہ سحری کے وقت اس کے دل میں روزہ کا خیال آئے اور وہ اس کی نیت کرے یعنی ایسے کہ یا تو وہ سحری روزے کی نیت سے کرے یا فجر کے وقت اس لئے کھانے سے رک جائے کہ اس کا روزہ نہ ٹوٹ جائے یہ دونوں صورتیں نیت صوم شمار ہوں گے۔

اور اعتکاف میں نیت بالاتفاق شرط ہے، شوافع کی بیان کردہ تعریف کے مطابق اعتکاف کہتے ہیں ''کسی شخص کے مسجد میں نیت کے ساتھ ٹھہرنے کو'' اور نیت کے ضروری ہونے کی وجہ وہ حدیث ہے جو گذری ''انما الاعمال بالنیات'' اور دوسری بات یہ ہے کہ اعتکاف عبادت محض ہے لہٰذا یہ بلا نیت درست نہ ہوگی جیسے دیگر عبادات نماز روزہ وغیرہ بلا نیت درست نہیں ہوتیں شافعیہ مزید یہ فرماتے ہیں کہ اگر اعتکاف فرض ہو تو اس شخص فرض کی تعیین کی نیت لازم ہوگی تاکہ اسے نفلی طواف سے ممتاز کیا جا سکے۔اور احناف اور مالکیہ کے ہاں اس کے لئے روزہ بھی شرط ہے ❺ اور دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو دار قطنی اور بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ اعتکاف بغیر روزے کے نہیں ہوتا تاہم یہ حدیث ضعیف ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں روزہ شرط نہیں ماسوا اس کے کہ وہ اس کی نذر مان لے، اور اعتکاف کی نیت یہ ہے کہ وہ کہے میں اس مسجد میں اعتکاف کی نیت کرتا ہوں جب تک اس میں رہوں اور زکوۃ کے بارے میں فقہاء متفق ہیں کہ نیت اداء

---

❶ مراقی الفلاح ص ۱۰۶ الاشباہ والنظائر۔ ابن نجیم ص ۳۳۔❷القوانین الفقہیہ ص ۱۱۷ ،بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۸۳۔
❸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۲۵۔❹کشاف القناع ج ۲ ص ۳۶۷۔❺ فتح القدیر ج ۲ ص ۱۰۶، الدرالمختار ج ۲ ص ۱۷۷۔ الشرح الصغیر وحاشیۃ الصاوی ج ۱ ص ۷۲۵، المہذب ج ۱ ص ۱۹۰۔۱۹۲، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۵۳ کشاف القناع ج ۲ ص [illegible] المغنی ج ۳ ص ۱۸۴۔۱۸۶۔

زکوٰۃ میں شرط ہے اور دینے والا یہ نیت کرے گا کہ یہ میرے مال کی زکوٰۃ ہے فرض کا ذکر کرنا شرط نہیں ہے، کیونکہ زکوٰۃ صرف فرض ہی ہوتی ہے، اسی طرح ان الفاظ سے بھی نیت کر سکتا ہے "یہ میرے مال کا فرض صدقہ ہے" یا "یہ میرے مال کا وہ صدقہ ہے جو فرض کیا گیا ہے" یا "فرض شدہ صدقہ یا فرض صدقہ" وغیرہ کے الفاظ استعمال کرے گا۔ مالکیہ کے ہاں امام وقت یا اس کے قائم مقام کی نیت زکوٰۃ نکالنے والے کی نیت کی طرف سے جائز ہو سکتی ہے۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ نیت یہ کرے کہ "یہ اس کی زکوٰۃ ہے" یا یہ نیت "یہ اس شخص کی زکوٰۃ ہے" جس کی طرف سے زکوٰۃ نکالی جارہی ہے یعنی بچہ یا پاگل شخص اور نیت کا محل (جگہ) دل ہے کیونکہ اعتقادات (افکار عقائد) کا محل (جگہ) دل ہوتا ہے[1] اور حج وعمرے میں نیت ضروری ہے اور وہ ہے حالت احرام میں ہونے یعنی صرف حج، صرف عمرے یا دونوں کی نیت، اور ایسے کہ یوں کہے "میں حج یا عمرے کی نیت کرتا ہوں اور اس کا احترام اللہ کے لئے کرتا ہوں اور اگر حج یا عمرہ دوسرے کی طرف سے کرے تو یوں کہے میں حج/عمرے کی نیت فلاں کی طرف سے کرتا ہوں اور اس کا احترام اللہ کے لئے کرتا ہوں پھر احرام کی دو رکعتیں پڑھ کر تلبیہ پڑھے، جمہور کے ہاں احرام صرف نیت سے ہو جاتا ہے، احناف کے ہاں محض نیت سے نہیں ہوتا جب تک خصوصیات احرام میں سے کسی قول یا عمل کے ساتھ وہ متصل نہ ہو جائے جیسے تلبیہ یا تجرد، اور احناف کے ہاں نیت کا بولنا مسنون ہے مثلاً حج افراد کرنے والا یہ کہے **اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی وتقبل منی** اور عمرہ کرنے والا کہے گا **اللھم انی ارید العمرۃ فیسر ھا لی وتقبلھا منی** اور حج قران کرنے والا کہے گا: **اللھم انی ارید الحج والعمرۃ فیسر ھمالی وتقبلھما منی**[2]

اور قربانی کی نیت شوافع اور حنابلہ کی رائے کے مطابق جانور کے ذبح کرنے کے وقت ہونی چاہئے، کیونکہ ذبح فی نفسہ نیکی اور قربت ہے، اور ذبح کرنے والے کے لیے دل میں نیت کر لینا کافی ہے، اور نیت کا زبان سے تلفظ کرنا شرط نہیں ہے کیونکہ نیت دل کا فعل ہے اور زبان سے اس کا کہنا اس کی دلیل ہوتی ہے۔[3]

۶۔ نیت سے متعلق چھٹی بحث: نیت میں شک کا واقع ہونا اور اس کا بدل دینا اور دو عبادتوں کو ایک نیت سے جمع کرنا..... نیت میں شک کا وقوع: شوافع اور حنابلہ نے خاص اہتمام سے نیت کے معاملے اور اس میں عبادات کے اندر وقوع شک کے مسئلے میں گفتگو کی ہے[4] چنانچہ ان حضرات نے یہ قرار دیا ہے کہ اصل نیت یا شرط نیت میں شک کا وقوع عبادت کو باطل کر دیتا ہے لہٰذا جب نمازی کو شک درپیش ہو کہ اس نے ظہر کی نماز کی نیت کی ہے یا عصر کی تو دونوں میں سے کوئی بھی نماز ادا نہیں ہوگی جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی کتاب الام میں تصریح فرمائی ہے۔ اور اگر کسی طہارت حاصل کرنے والے کی دوران طہارت نیت میں شک واقع ہو جائے تو اس پر از سر نو اس عمل طہارت کو شروع کرنا لازم ہوگا کیونکہ یہاں عبادت کی شرط میں شک واقع ہوا ہے جب کہ وہ اس شرط عبادت کو انجام دے رہا ہے چنانچہ یہ طہارت جو شرط عبادت یعنی نماز ہے نماز کی طرح یہ بھی درست نہیں ہوگی۔ اور شوافع یہ فرماتے ہیں کہ نیت پوری نماز میں شرط ہے چنانچہ اگر دوران نماز اس کو یہ شک ہو کہ وہ اس کو انجام دے رہا ہے یا نہیں تو اس کی وجہ سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اور نماز اس صورت میں باطل ہوگی جب وہ شک کے ساتھ اتنی مقدار میں کوئی عمل انجام دے جسے مستقل عمل کے طور پر شمار نہ کیا جاتا ہو اور اگر اتنی مقدار تک انجام دے جسے مستقل عمل سمجھا جا سکتا ہو جیسے رکوع سجدہ رکوع یا سجدے سے اٹھنا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ یعنی مقصود یہ ہے کہ اگر نماز میں

---

[1] فتح القدیر ج ۱ ص ۴۹۳، البدائع ج ۲ ص ۴۰، المجموع ج ۶ ص ۱۸۲، الشرح الصغیر ج ۱ ص ۶۶۶ تا ۶۷۰، المغنی ج ۲ ص ۶۳۸ وما بعد۔ [2] القوانین الفقہیہ ص ۱۳۱، البدائع ج ۲ ص ۱۶۱، الشرح الصغیر ج ۲ ص ۱۶۔۲۵، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۷۶، المجموع ج ۷ ص ۲۲۶، المغنی ج ۳ ص ۲۸۱ وما بعد۔ [3] البدائع ج ۵ ص ۷۱، القوانین الفقہیہ ص ۱۸۷، مغنی المحتاج ج ۴ ص ۲۸۹ کشاف القناع ج ۳، ص ۲۔ [4] احکام النیۃ للحینی ص ۴۸۔۵۱، ۶۲، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۴۷، ۱۴۹ وما بعد، ۲۵۲ وما بعد کے صفحات۔ المغنی ج ۱ ص ۱۴۲۔۴۶۷، غایۃ المنتہی ج ۱ ص ۱۱۶، کشاف القناع ج ۱ ص ۳۱۹۔

شک کا دورانیہ ایک رکن فعلی کی مدت کے برابر ہو تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اور اگر کوئی رکن فعلی انجام نہیں دیا اور دورانیہ شک مختصر ہوا تو مشہور قول کے مطابق نماز باطل نہیں ہوگی۔ ہاں اگر مسافر نیت قصر میں شک کرے پھر اسے یاد آ جائے کہ اس نے مسافت سفر کی دوری پر قصر کی نیت نہیں کی بلکہ قریب سے کی ہے تو اس پر قصر کے بجائے اتمام (نماز کا پورا پڑھنا) لازم ہے، کیونکہ یہ لحظہ اگر چہ تھوڑا سا ہے مگر وہ مسافر کے حق میں نماز میں سے ہی شمار ہوگا، وجود اس کے کہ قصر کی نیت واقع نہیں ہوئی ہے، اور جب کہ نماز کا کچھ حصہ قصر کی نیت کے نہ ہونے کی حالت میں ادا ہوا تو اتمام ہی غالب ہو گیا کیونکہ اتمام ہی اصل ہے❶ اور جس کی نیت اصلاً شرط نہ ہو تو وہاں شک کا وقوع جواز کے لئے مانع نہیں ہوتا۔ اور نیت کا دوران نماز استحضار شرط نہیں ہے، چنانچہ اگر ظہر کی ایک رکعت پڑھی اور دوسری رکعت میں اسے یہ خیال رہا کہ یہ عصر کی نماز ہے پھر تیسری میں یاد آیا کہ یہ ظہر ہی کی نماز ہے تو اس کی ظہر کی نماز درست ہوگی۔ اور اس کا عصر کا خیال آ جانا اس کے لئے مضر نہیں ہوگا کیونکہ جس چیز کی نیت اصلاً واجب نہیں تو اس میں خطا کا وقوع مضر نہیں۔ اور اصل نیت میں شک واقع ہو اور نماز کو اس حالت شک ہی میں ادا کرے تو نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اصل نیت اگر چہ شرط نہیں مگر حکم نیت کا برقرار رہنا شرط ہے۔❷

اور شرط نیت میں شکل اصل نیت میں شک کے حکم میں ہے، چنانچہ اگر کسی شخص کی دو نمازیں فوت ہو گئیں اور اس نے ان دونوں کو جان کر ایک کی نیت کر کے اسے شروع کر دیا پھر اسے شک ہو گیا اور اسے یہ نہیں معلوم ہو رہا کہ اس نے کون سی نماز کی نیت کی ہے اور اسی حالت میں اس نے نماز ادا کر لی تو یہ نماز ان دونوں میں سے کسی کی طرف سے بھی ادا نہیں ہوگی جب تک کہ وہ یقینی طور پر یا ظن غالب کے طور پر یہ نہ ادراک کر لے کہ کون سی نماز کی اس نے نیت کی تھی۔❸

اسی طرح حنابلہ فرماتے ہیں کہ اگر دوران نماز اسے شک ہوا کہ اس نے نیت کی ہے یا نہیں یا تکبیر تحریمہ میں شک واقع ہوا تو وہ اسے از سر نو انجام دے گا جیسا کہ شوافع کا قول ہے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ جس چیز میں شک واقع ہو وہ کالعدم ہو جائے پھر اگر اسے یاد آیا کہ اس نے نیت کی تھی یا اس نے نیت قطع کرنے سے قبل تکبیر تحریمہ کہہ لی تھی تو اس صورت میں اسے نماز مکمل کر لینی چاہئے کیونکہ نماز کو باطل کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی، ہاں اگر شک کی کیفیت کے دوران ہی کوئی عمل انجام دیا تو نماز باطل ہو جائے گی جیسا کہ شوافع فرماتے ہیں۔

تغییر نیت......فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نمازی اگر ایک فرض کی نیت باندھے پھر اس نیت کو بدل کر دوسرے فرض کے لئے کر دے تو دونوں فرض باطل ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس نے پہلے فرض کی نیت قطع کر دی اور دوسرے فرض کی نیت تکبیر تحریمہ کے وقت نہیں کی۔ اور اگر فرض کو نفل میں تبدیل کرنا چاہئے تو راجح تر بات شوافع کے ہاں یہ ہے کہ وہ نفل میں بدل جائے گا کیونکہ فرض کی نیت نفل کی نیت کو متضمن (اپنے اندر شامل کئے ہوئے) ہوتی ہے اور دلیل اس کی یہ ہے اگر کوئی فرض کی تکبیر تحریمہ کہے پھر اس پر یہ ظاہر ہو کہ ابھی اس فرض کا وقت داخل نہیں ہوا ہے تو اس کی نماز نفل میں بدل جاتی ہے اور فرض ادا نہیں ہوتا اور یہاں نفل کو باطل کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی۔

---

❶......اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ جب سفر پر روانہ ہونے والے شخص نے اپنے آپ کو مسافر سمجھتے ہوئے قصر کی نیت باندھی حالانکہ مسافر سفر طے نہ کرنے کے سبب اس کی نیت قصر درست نہیں ہوئی تھی پھر بعد میں اسے اس بات کا علم ہوا تو اس نے اسی وقت اتمام کی نیت کر لی تو یہ نماز درست ہوگی کیونکہ اصل تو اتمام ہے نہ کہ قصر جب اس کی نیت قصر درست ہی نہ ہوئی تو اتمام جو کہ اصل ہے وہ خود بخود لوٹ آئے گا اور نماز پر اسی کا حکم غالب ہوگا۔ از مترجم۔ ❷ یہ بات نیت کی چوتھی بحث میں گذر چکی ہے کہ نماز کے اندر اصل نیت کا برقرار رہنا شرط نہیں حکم نیت کا برقرار رہنا شرط ہے اور حکم نیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیت کے ساتھ ایک فعل شروع کرے اور اس نیت کو قطع کرنے کا ارادہ نہ کیا ہو یہاں پر بھی جب حکم نیت یعنی اصل نیت کے تسلسل میں جب شک واقع ہوا تو نماز باطل ہوگئی۔ از مترجم۔ ❸ مقصود اس گفتگو کا یہ ہے کہ اصل نیت میں شک ہو یعنی نیت کرنے یا نہ کرنے میں یا شرط نیت میں شک ہو یعنی نماز کی نیت تو کی مگر تعیین میں شک ہے جو کہ شرط نیت ہے تو ان دونوں میں سے کوئی سی بھی صورت پائی جائے حکم دونوں کا ایک ہے اور وہ ہے نماز کا بطلان ہاں اگر شک ایسی چیز میں ہے جو لازم یا شرط نہیں مثلاً نیت کا پوری نماز میں استحضار تو اس میں شک کا وقوع مضر نہیں۔ واللہ اعلم۔ از مترجم

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نیت کو فسخ کرنے، یا اس میں تردد کرنے، یا اس کے کالعدم کرنے کے ارادے یا نماز سے نکلنے کے ارادے یا اس کو باطل کرنے یا نماز کے اداشدہ افعال کو کالعدم کردینے یا شک کے واقع ہونے کہ نیت کی ہے یا نہیں یا دوسری نماز کی طرف منتقل ہوجانے سے نماز باطل ہوجاتی ہے۔ ❶

دو عبادتوں کو ایک نیت سے جمع کرنا: احناف فرماتے ہیں کہ ❷ دو عبادتوں کو جمع کرنا یا تو وسائل میں ہوگا یا مقاصد میں اگر وسائل میں یہ عمل ہوا ہو تو دونوں صحیح اور درست ہوں گے۔ جیسے جنب جمعہ کے دن جمعہ کے لئے اور جنابت کے دور کرنے کے لئے غسل کرے تو جنابت بھی مرتفع ہوجائے گی اور غسل جمعہ کا ثواب بھی مل جائے گا اور اسی طرح اگر جمعہ اور عید کے لئے ایک غسل کیا تو دونوں کا ثواب حاصل ہوجائے گا۔ اور اگر یہ عمل مقاصد میں ہو تو وہ شخص یا تو دو فرضوں کی نیت کرے گا یا دو نفلوں کی یا ایک فرض اور ایک نفل کی۔ اگر دو فرضوں کی نیت کی تو اگر نماز کے بارے میں یہ کیا ہے تو دونوں نمازیں درست نہیں ہوں گی لہٰذا اگر دو فرض نمازوں کی نیت کی مثلاً ظہر اور عصر تو بالاتفاق دونوں درست نہیں ہوں گی۔ اور اگر روزے میں قضا اور کفارے دونوں کی نیت کی تو وہ صرف قضا کی طرف سے ادا ہوگا اور مال دینے میں اگر زکوٰۃ اور کفارہ ظہار کی نیت کی تو دونوں میں سے جس کی طرف سے چاہے شمار کرسکتا ہے۔ اور اگر زکوٰۃ اور کفارہ قسم کی نیت کی تو وہ زکوٰۃ کی طرف سے ادا ہوگا۔ اور اگر فرض نماز اور نماز جنازہ دونوں کی نیت کی تو وہ صرف فرض نماز کی طرف ادا شمار ہوگی اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر دو فرضوں کی نیت کی تو دونوں میں سے جو قوی ہوگا وہ اسی کی طرف سے شمار ہوگا۔ چنانچہ قضا کا روزہ کفارے کے روزے سے زیادہ قوی ہوتا ہے، اور اگر دونوں فرض قوت میں برابر ہوں تو اگر روزے کا معاملہ ہو تو اس شخص کو اختیار ہے کہ وہ جس کی طرف سے چاہے شمار کرلے جیسے کفارہ ظہار اور کفارہ قسم۔ اسی طرح زکوٰۃ اور کفارہ ظہار یاں زکوٰۃ کی کفارہ قسم کے ساتھ اگر نیت کرے تو زکوٰۃ زیادہ قوی ہے اس بناء پر زکوٰۃ کی طرف سے شمار ہوگی اور نماز کے معاملے میں بھی قوی کو ترجیح دی جائے گی چنانچہ فرض نماز نماز جنازہ پر مقدم ہوگی۔

اور اگر فرض اور نفل دونوں کی نیت کی تو اگر مثلاً ظہر اور نفل کی نیت کی تو فرض کی طرف شمار ہوگی اور نفل باطل ہوگی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کی طرف سے ادا نہیں ہوگی۔ اور اگر زکوٰۃ اور نفلی صدقے کی نیت کرے تو وہ زکوٰۃ کی طرف سے شمار ہوگی، اور امام محمد کے ہاں نفلی صدقے کی طرف شمار ہوگی۔ اور اگر نفل اور نماز جنازہ کی نیت کرے تو وہ نفل کی طرف سے شمار ہوگی۔

اور اگر دو نفلی عبادتوں کی نیت کرے جیسے فجر کی دو سنتوں سے سنتوں اور تحیۃ المسجد کی نیت کرے تو ان دونوں کی طرف سے درست ہوگی۔

اور حج کے اندر متعدد عبادتوں کی نیت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس نے نذر اور نفل کا احرام باندھا تو وہ نفل شمار ہوگا اسی طرح اگر فرض اور نفل کی نیت کی تو امام ابو یوسف اور صحیح تر قول کے مطابق امام محمد کے ہاں بھی نفل کی طرف سے شمار ہوگی۔ اور اگر دو حجوں کا احرام ایک ساتھ باندھا یا یکے بعد دیگرے باندھا تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے ہاں دونوں لازم ہوں گے اور امام محمد کے ہاں دونوں کی ایک ساتھ نیت کی صورت میں دونوں میں سے ایک لازم ہوگا اور یکے بعد دیگرے کی صورت میں صرف پہلا لازم ہوگا اور اگر ایک عبادت کی نیت کی پھر اس دوران دوسری عبادت کی طرف منتقل ہونے کی نیت کی تو اگر تکبیر دوسری عبادت کی طرف منتقل ہونے کی نیت کے ساتھ کی تو وہ خارج شمار ہوگا جیسے کہ وہ پہلی عبادت کی تجدید کی نیت کرے اور تکبیر کہے۔ علامہ سیوطی نے ذکر کیا ہے کہ ❶ اگر ایک نفل کے ساتھ دوسری نفل کی نیت کرے تو دونوں درست نہیں ہوں گی۔ لیکن اگر یوم عرفہ اور پیر کے دن کے روزے کی نیت کرے تو یہ درست ہے تاہم اگر دو سنتوں کی نیت کی تو اگر ایک دوسری میں داخل نہ ہوتی ہو جیسے چاشت کی نوافل اور سنت فجر کی قضا تو دونوں کو ایک کردینے کی صورت میں وہ دونوں منعقد نہیں ہوں گی۔ اور اگر ان

❶ كشاف القناع عن متن الاقناع ج ١ ص ٣٧٠ المغني لابن قدامه ج اص ٤٦٨، فتح القدير ج ١ ص ٣٨٥ ❷ الاشباه والنظائر ابن نجيم ص ٣٩ ❸ الاشباه والنظائر للسيوطي ص ٢٠

میں سے ایک دوسری میں داخل ہو سکتی ہو جیسے تحیۃ المسجد اور سنت ظہر مثلاً تو یہ دونوں درست ہو جائے گی کیونکہ تحیۃ المسجد کا حصول ضمناً ممکن ہے۔اور تحیۃ کی طرح شیخ ابن حجر اور ان کے شیخ علامہ عراقی کی رائے کے مطابق فرض روزے کے ساتھ یوم عرفہ یا عاشوراء یا نویں محرم یا شوال کے چھ روزوں یا ایام بیض یا ہر ماہ پیر اور جمعرات کے روزے کی نیت کر لینا درست ہے۔

اور عبادت کے علاوہ امور میں اگر دوسری چیز کی نیت کرے جیسے اپنی بیوی سے کہے انت علی حرام (تو مجھ پر حرام ہے) اور طلاق اور ظہار دونوں کی نیت کرے یا دو بیویوں سے کہے (انتما علی حرام (تم دونوں مجھ پر حرام ہو) اور ایک کی طلاق اور ایک کے ظہار کی نیت کرے تو احناف کی رائے کے مطابق دونوں میں زیادہ سخت اور شدت کے حامل لفظ کی طرف سے شمار ہوگا جو کہ طلاق ہے کیونکہ ایک لفظ دو معاملوں پر محمول نہیں کیا جا سکتا ہے۔اور شوافع کے ہاں صحیح تر بات یہ ہے کہ دونوں الفاظ میں اسے اختیار ہے جس کو وہ چن لے وہ واقع شمار ہوگا❶ اس بارے میں امام شافعی کی رائے کی مزید تفصیل المقصود بالنیہ کی بحث میں آئے گی

۷۔ساتویں بحث: نیت سے مقصود، اور اس کے اجزاء.....علامہ ابن نجیم اور علامہ سیوطی نے نیت کے مقصود اور ہدف کی بڑی مکمل وضاحت فرمائی ہے❷ چنانچہ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ نیت سے اہم ترین مقصود عبادت کو عادت سے ممتاز کرنا ہے اور عبادتوں کے رتبے ایک دوسرے سے ممتاز کرنا ہے جیسے وضو اور غسل جو صفائی ٹھنڈک اور عبادت تینوں حیثیتوں میں گردش کرتے ہیں اور باعث افطار امور و اشیاء سے رک جانا کبھی پرہیز کی غرض سے ہوتا ہے اور کبھی عدم ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے اور مسجد میں ٹھہرے رہنا کبھی آرام کی غرض سے ہوتا ہے اور مال کا دینا کبھی تحفۃً ہوتا ہے اور کسی اور دنیوی غرض کے تحت ہوتا ہے اور کبھی بحیثیت عبادت کے ہوتا ہے جیسے زکوۃ،صدقہ اور کفارہ۔جانور کا ذبح کبھی کھانے کی غرض سے ہوتا ہے تو مباح یا مستحب ہوتا ہے اور کبھی قربانی کی غرض سے ہوتا ہے تو عبادت شمار ہوتا ہے اور کبھی کسی رہنما کی تعظیم کی غرض سے قربانی ہوتی ہے تو یہ حرام ہوتی ہے۔تو نیت کو اسی لیے مشروع کیا گیا کہ قربت (عبادت) کو دوسری چیزوں سے ممتاز کیا جا سکے اسی طرح تقرب الی اللہ کبھی فرض کے ذریعے ہوتا ہے اور کبھی واجب کے اور کبھی نفل کے ذریعے چنانچہ نیت کو ان کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنے کے لئے بھی مشروع کیا گیا ہے چنانچہ وضو،غسل،نماز روزہ وغیرہ کبھی فرض ہوتے ہیں اور کبھی نذر اور کبھی نفل اور تیمم کبھی حدث سے ہوتا ہے اور کبھی جنابت سے جبکہ صورتاً یہ ایک ہی ہوتا ہے یعنی چہرے اور ہاتھ پر۔

اس تفصیل سے یہ امور سامنے آتے ہیں۔

۱.....جو چیز یا کام عادتاً نہ ہوتا ہو یا دوسرے سے التباس نہ ہوتا ہو تو اس میں اس فعل کے ارادے کے علاوہ کوئی اور بات شرط نہیں جیسے اللہ پر ایمان معرفت خداوندی،خوف،امید،نیت،قرأت قرآن اور اذکار وغیرہ کیونکہ یہ امور ممتاز ہوتے ہیں کسی سے ملتبس نہیں ہوتے۔لہٰذا اگر انسان ایمان کا یا قراءت کا ارادہ کرتے تو اس کو ثواب دیا جاتا ہے خواہ وہ تقرب کا ارادہ کرے یا نہ کرے۔ہاں ان کے علاوہ امور میں محض فعل کا ارادہ کر لینا کافی نہیں بلکہ زائد نیت ضروری ہے جیسے مثلاً مسجد میں داخل ہونے میں تقرب کی نیت کرے وغیرہ تا کہ اسے ثواب ملے۔

۲۔....تعیین صرف اس میں شرط ہے جو دوسرے سے ملتبس ہوتا ہو نہ کہ اس میں جو ملتبس نہ ہوتا ہو۔کیونکہ فرمان نبوی ہے بے شک ہر شخص کے لئے وہ ہے جس کی وہ نیت کرے تو یہ تعیین کی شرط لگانے میں بالکل ظاہر و واضح ہے۔چنانچہ فرائض میں تعیین شرط ہے کیونکہ ظہر اور عصر صورۃ اور فعلاً ایک طرح انجام دی جاتی ہے چنانچہ ان میں امتیاز بغیر تعیین کے نہیں ہوتا اس طرح وہ نوافل جو مطلقہ نہیں ہیں جیسے رواتب (فرائض کی سنتیں) ان کا تعیین ان کو فرض نماز کی طرف منسوب کر کے ہوتا ہے مثلاً ظہر کی طرف منسوب کر کے پہلے کی یا بعد کی سنتوں کے ذریعے تعیین ہو۔

❶ الاشباہ والنظائر۔السیوطی ص ۲۱،الاشباہ، والنظائر، ابن نجم ص ۴۲۔❷ الاشباہ و النظائر ابن نجیم۔ص ۲۴۔ للسیوطی ص ۱۰۔۲۱۔

اس کے بعد علامہ سیوطی نے تین قواعد ذکر کئے ہیں، وہ یہ ہیں:

الف.....جس چیز سے تعرض نہ اجمالاً اور نہ تفصیلاً ضروری ہو اس میں وقوع خطا مضر نہیں، یعنی اس کی تعیین میں خطا کا وقوع مضر نہیں جیسے نماز کی جگہ اور اس کا وقت۔

ب.....اور جس چیز کی تعیین شرط ہے اس میں وقوع خطا مضر ہے۔ جیسے روزے کے بجائے نماز کی نیت کر لینے کی خطا یا ظہر میں عصر کی نیت کر لینا۔

ج.....جس چیز سے تعرض اجمالاً واجب ہو اس کی تعیین تفصیلاً واجب نہ ہو اس میں تعیین کر لینے کے بعد اگر خطا کا وقوع ہو تو یہ مضر ہوگا مثلاً رکعات کی تعداد کہ اس سے اجمالاً تعرض ہوتا ہے جو نیت نماز کے ذیل میں ہو جاتا ہے اور اس کی تفصیلاً تعیین میں خطا واقع ہو جائے تو وہ مضر ہوگی مثلاً ظہر کی تین یا پانچ رکعات کی نیت کر لی تو نماز ظل ہو جائے گی۔

۳.....فرضیت اور لفظ نماز سے تعرض کرنے کا شرط ہونا❶ یہ دونوں امور کہ فرضیت اور صلاۃ کے لفظ سے تعرض اس امر کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتے ہیں جس کے لئے نیت مشروع کی گئی ہے اور وہ تمیز (یعنی باہم متشابہ لیکن اصلاً مختلف چیزوں میں امتیاز دینا) ہے، چنانچہ فرضیت کی صفت بیان کرنی اس لئے ضروری ہے کہ نفل سے امتیاز ہو سکے۔ اور صحیح تر قول کے مطابق لفظ صلاۃ سے بھی تعرض ضروری ہے تاکہ روزے وغیرہ جیسے فرائض سے امتیاز ہو سکے۔ اسی طرح صحیح تر قول کے مطابق فرضیت سے تعرض غسل میں ضروری ہے وضو میں نہیں کیونکہ غسل کبھی عادۃ ہوتا ہے اور وضو عادۃً نہیں صرف بطور عبادت ہوتا ہے۔ اور زکوٰۃ کے بارے میں صحیح تر بات یہ ہے کہ اگر صدقے کے لفظ سے اس کی ادائیگی ہو تو فرضیت سے تعرض یعنی اس کا ذکر ضروری ہوگا اور زکوٰۃ کے لفظ سے مال ادا کرے تو فرضیت کا ذکر (اس سے تعرض) ضروری نہیں ہوگا کیونکہ صدقہ کبھی فرض ہوتا ہے اور کبھی نفل ہوتا ہے تو محض صدقے کی نیت کافی نہیں اور زکوٰۃ صرف فرض ہی ہوتی ہے، کیونکہ یہ اس فریضے کا نام ہے جو مال سے متعلق ہوتا ہے لہٰذا اسے لفظ فرض سے مقید کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اس طرح حج اور عمرے میں فرضیت سے بلا اختلاف تعرض شرط نہیں ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ عبادات جن میں نیت واجب ہوتی ہے ان کی بہ نسبت فرضیت کی نیت کے وجوب کے چار قسمیں ہیں:

۱۔ حج، عمرہ، زکوٰۃ بلفظ زکوٰۃ اور جماعت، ان میں نیت فرضیت ضروری نہیں۔

۲۔ نماز، جمعہ کی نماز، غسل اور زکوٰۃ بلفظ صدقہ ان میں صحیح تر قول کے مطابق نیت فرضیت واجب ہے۔

۳۔ وضو اور روزہ اس میں صحیح قول کے مطابق شرط نہیں۔

۴۔ تیمم، اس میں صرف نیت فرضیت کافی نہیں، بلکہ نقصان دہ ہے، چنانچہ اگر فرضیت تیمم کی نیت کر لے تو یہ کافی نہیں۔

۵۔ قضاء اور اداء کی نیت کا شرط نہ ہونا نمازوں میں یہ بھی اس تفصیل سے مستفاد ہوتا ہے جو اوپر گذری اور یہی تفصیل نماز جمعہ کے بارے میں بھی ہے اور روزے کے بارے میں جس بات کی ترجیح سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ قضاء کی نیت اس میں ضروری ہے، اور حج اور عمرے کے بارے میں تو بلاشبہ یہ دونوں شرط نہیں۔ کیونکہ اگر وہ قضاء حج سے ادا مراد لے لے تو یہ اس کے لئے مضر نہیں اور وہ قضا ہی کی طرف سے ہوگا اور اگر اس پر کسی حج کی قضا لازم ہو جو اس نے اپنے بچپنے میں فاسد کر دیا ہو اور بعد میں وہ بالغ ہوا ہو تو اگر وہ قضاء کی نیت سے حج کرے تو وہ حج اسلام یعنی فرض حج کی طرف سے شمار ہوگا۔

۵۔ اخلاص۔ یہ تمییز کے اصول پر مترتب ہونے والا نتیجہ ہے، لہٰذا نیابت یا وکیل بنانا اس کام میں ممکن ہے جو نیابت کو قبول کرتا ہو اور وہ

---

❶ فرضیت اور صلاۃ سے تعرض کا مطلب یہ ہے کہ کیا نیت نماز میں اس کے فرض ہونے یا نماز ہونے کا ذکر بھی کیا جائے گا یا نہیں، مثلاً نیت نماز وغیرہ میں یوں کہنا ضروری ہوگا فرض نماز کی نیت کرتا ہوں یا نہیں۔ اس بات کی تفصیل اس عنوان کے تحت مصنف نے بیان کی ہے اس میں نماز کے علاوہ دیگر عبادت کا بھی بیان ہے۔

ہے وہ چیز جو فعل سے متصل ہو جیسے زکوۃ کی تقسیم جانور کی قربانی اور کسی انتقال کئے ہوئے شخص کی طرف سے روزہ رکھنا اور حج، کیونکہ مقصود عبادت کے سر اور راز کا جانچنا ہوتا ہے وہ اس طرح کہ مکلف شخص اس کی نیت عبادت سے کرے اور بذات خود کرے۔اور نیت میں دو چیزوں کو شریک کرنے کا ضابطہ ان مندرجہ ذیل اقسام سے واضح ہوتا ہے جنہیں ہم نے جمع بین العبادتین بہ نیت واحدہ کی بحث میں ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

ا۔عبادت کے ساتھ ایسی چیز کی نیت کرے جو عبادت نہ ہو تو یہ عمل عبادت کو باطل کر دیتا ہے جیسے کوئی قربانی اللہ اور غیر اللہ دونوں کے لئے کرے۔تو غیر اللہ کا ملا دینا ذبیحہ کی حرمت کا موجب بن جاتا ہے،اور اسی سے ملتی جلتی صورت یہ ہے جیسے کوئی شخص نماز کے لئے کئی مرتبہ تکبیر تحریمہ کہے اور ہر تکبیر سے مقصود نماز کا الگ شروع کرنا ہو تو ہر طاق عدد میں کہی ہوئی تکبیر سے وہ نماز میں داخل شمار ہوگا اور ہر جفت عدد میں کہی ہوئی تکبیر سے وہ خارج نماز شمار ہوگا، کیونکہ جو نماز شروع کرے پھر دوسری نماز کی نیت اس دوران کر لے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے (لہٰذا جب دوسری بار اللہ اکبر کہنے سے الگ نماز کی نیت کی تو پہلی نیت باطل ہوگئی پھر تیسری مرتبہ تکبیر تحریمہ سے نماز شروع ہوئی اور چوتھی سے باطل ہوگئی وعلی ھذا القیاس) وجہ اس کی یہ ہے کہ دوسری تکبیر بہ نیت علیحدہ نماز پہلی کے قطع کرنے کی متضمن ہوتی ہے۔اور اگر دو تکبیریں کہیں اور دونوں کے درمیان نماز سے نکلنے کی نیت کی تو نیت کر لینے سے وہ خارج ہو جائے گا۔اور دوسری تکبیر سے وہ دوسری نماز میں داخل سمجھا جائے گا اور اگر متعدد تکبیرات بلا نیت خروج و دخول کہیں تو نماز میں دخول پہلی تکبیر سے حاصل سمجھا جائے گا اور باقی تکبیرات محض تکرار اور یاد دہانی شمار ہوں گی۔اور کبھی کبھی عبادت کے ساتھ غیر عبادت کی نیت کر لینے سے عبادت کا لعدم نہیں ہوتی جیسے کوئی شخص وضو یا غسل سے ٹھنڈک کے حصول کا ارادہ کرے تو صحیح تر بات یہ ہے کہ وضو درست ہو جائے گا کیونکہ ٹھنڈک کا حصول تو ہوتا ہی ہے خواہ ارادہ ہو یا نہ ہو۔تو اس کا ارادہ حصول ٹھنڈک عبادت کو غیر عبادت کے ساتھ شریک کرنے کا باعث نہیں بنے گا اور نہ ہی اخلاص کو ترک کرنے کا سبب بنے گا۔یہ تو عبادت ہی کا ارادہ سمجھا جائے گا اس کیفیت کے ساتھ جس کے ساتھ وہ عبادت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ وضو کے ساتھ ٹھنڈک کا از خود حصول لازم ہے۔

۲۔دوسری شکل عبادت کے ساتھ دوسری چیز کو شریک کرنے کی یہ ہے کہ فرض عبادت کے ساتھ کوئی مستحب یا مندوب عبادت کو شامل کر لے،اور اس کی کئی صورتیں ہیں:

الف ..... یہ کہ وہ شامل شدہ عبادت بطلان کی متقاضی نہیں اور دونوں ایک ساتھ حاصل ہو سکتی ہوں۔جیسے کوئی نماز کی تکبیر تحریمہ کہے اور اس سے فرض اور تحیۃ المسجد دونوں کا ارادہ کرلے تو یہ نیت درست ہے اور دونوں کا حصول ایک ساتھ ہو جائے گا۔اسی طرح اگر کوئی شخص غسل کرنے میں غسل جنابت اور غسل جمعہ دونوں کی نیت کرے تو صحیح قول کے مطابق دونوں حاصل ہو جائیں گے۔

اور اگر نماز سلام پھیرتے وقت نماز کا سلام اور حاضرین پر سلام دونوں کی نیت کی تو دونوں حاصل ہو جائیں گے۔اور اگر فرض حج کرے اور نفلی عمرے کو اس کے ساتھ متصل کر دے یا برعکس کام کرے تو دونوں حاصل ہو جائیں گے اور اگر یوم عرفہ کے روزے میں قضاء، نذر یا کفارے کی نیت کی تو دونوں کا حصول ایک ساتھ ہو جائے گا۔

ب..... یہ کہ دو عبادتوں میں سے فقط فرض عبادت کا حصول ہو اور دوسری نفل عبادت کی نیت کالعدم ہو جائے۔جیسے کوئی حج سے حج فرض اور حج نفل کا ایک ساتھ ارادہ کرے تو صرف حج فرض ادا ہوگا، کیونکہ اگر وہ صرف ایک نیت نفل سے بھی کرتا تو بھی فرض ہی ادا ہوتا اور اگر کوئی شخص رمضان کی راتوں میں قضا نماز پڑھے اور تراویح کی نیت اس کے ساتھ کر لے تو صرف قضا نماز ادا ہوگی تراویح نہیں۔

ج..... یہ دو عبادتوں میں سے فقط نفل عبادت ہی ادا ہو جیسے کوئی پانچ درہم کسی کو دے اور زکوۃ اور نفلی صدقے دونوں کی نیت کرے تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی صرف نفلی صدقہ ہوگا۔اور اگر کوئی امام خطبہ دے اور نیت خطبہ جمعہ اور خطبہ کسوف ہو تو خطبہ جمعہ ادا نہیں ہوگا، کیونکہ یہ فرض اور نفل

میں باہم شرکت پیدا کرنا ہے۔

د..... یہ ہے کہ دو عباتوں میں دونوں باطل ہوں ایک بھی درست نہ ہو، جیسے مسبوق (نماز میں بعد میں شریک ہونے والا) امام کے حالت رکوع میں ہونے کے دوران تکبیر کہے اور نیت کرے تکبیر تحریمہ اور تکبیر انتقال (ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے وقت کہی جانے والی) دونوں کی کہ رکوع میں جھکنے کی بھی نیت ہو تو نماز اصلا درست نہیں ہوگی کیونکہ دو چیزوں میں شرکت پائی گئی۔ اور اگر اپنی نماز سے فرض اور سنت دونوں کی نیت کرلی تو نماز بالاصل درست نہیں ہوگی۔

۳..... تیسری شکل عبادت کے ساتھ دوسری عبادت کو شریک کرنے کی یہ ہے کہ انسان ایک فرض کے ساتھ دوسرے فرض کی نیت کرے۔ یہ صورتحال حج اور عمرے اور وضو اور غسل میں درپیش ہوتی ہے، اور صحیح تر قول کے مطابق ایک عمل سے دونوں چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں۔

۴..... چوتھی شکل ہے ایک نفل کے ساتھ دوسری نفل کی نیت کرلینا۔ تو اس صورت میں دونوں کا حصول نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ دو سنتیں جب ایک دوسرے میں داخل نہ ہوسکیں تو دونوں کو ایک ساتھ انجام دینے کی صورت میں وہ درست نہیں ہوتیں۔ جیسے چاشت کی سنت اور فجر کی سنتوں کی قضاء۔

اور اگر ایک نفل دوسری میں داخل ہوسکتی ہو جیسے تحیۃ المسجد اور سنت ظہر مثلاً تو دونوں درست ہو جائیں گی۔ اس قاعدے اور ضابطے سے یہ امور مستثنیٰ ہیں کہ جیسے کوئی جمعہ اور عید کے لئے غسل کرے تو دونوں حاصل ہو جائیں گے۔ اور اس طرح دو خطبے عید اور کسوف دونوں کے لئے کہے تو یہ صحیح ہے۔ اور اسی طرح اگر یوم عرفہ اور پیر کے دن روزہ رکھنے نیت ایک ساتھ کی تو روزہ درست ہوگا۔

۵..... پانچویں شکل یہ ہے کہ غیر عبادت کے ساتھ کوئی دوسری چیز جمع کردے جو حکم میں مختلف ہوں، جیسے کوئی اپنی بیوی سے کہے انت علی حرام (تو مجھ پر حرام ہے) اور طلاق اور ظہار دونوں کی نیت کرے تو صحیح بات یہ ہے کہ اسے دونوں میں اختیار دیا جائے گا، جس کو وہ اختیار کرلے وہ لاگو ہوگا خلاصہ کلام یہ ہے کہ نیت کے اجزاء یہ ہیں۔ (۱) ارادہ (۲) پانچوں فرائض غسل، زکوۃ بلفظ صدقہ وغیرہ میں فرضیت کا ذکر (۳) اور دوسرے سے مل جانے اور ملتبس ہوجانے کی صورت میں تعیین اور (۴) اخلاص۔ لہٰذا نیت میں وکیل بنادینا درست نہیں ماسوا اس چیز کے جو نیابت قبول کرلے یعنی وہ چیز جو نفس سے مقارن (متصل) ہو۔ اور اصول یہ ہے کہ عبادت میں نیت میں شراکت درست نہیں ماسوا چند مستثنیٰ امور کے۔

۸۔ نیت سے متعلق آٹھویں بحث: نیت کی شرائط

..... عبادات میں نیت کی کچھ عام شرائط ہیں اور ہر عبادت کے متعلق کچھ خاص شرائط ہیں عام شرائط نیت تو یہ ہیں۔ ❶

۱۔ اسلام..... وہ نیت جو باعث ثواب اور باعث صحت فعل ہوتی ہے وہ صرف مسلمان کی ہی درست ہے چنانچہ کافر کی عبادت درست نہیں، لہٰذا کافر کا تیمم اور وضو دونوں لغو ہوتے ہیں جمہور علماء کے ہاں، اور احناف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا وضو اور غسل صحیح ہو جاتے ہیں کیونکہ نیت ان کے ہاں تیمم کی شرائط میں سے ہے وضو کی شرائط میں سے نہیں چنانچہ وہ اگر غسل اور وضو کے بعد اسلام لے آئے تو وہ اس وضو و غسل سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور احناف کے ہاں کافر کا کفارہ صحیح نہیں۔ لہٰذا اس کی قسم منعقد نہیں ہوتی کیونکہ فرمان الٰہی ہے: اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ (بے شک ان کی قسمیں نہیں ہیں سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۲) اور یہ آیت وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ (اور اگر وہ اپنی قسمیں توڑیں سورۃ توبہ آیت ۱۲)

❶..... الاشباه والنظائر للسيوطي ص ۳۱.۲۸ الاشباه والنظائر ابن نجيم ص ۵۲. غاية المنتهى ج ۱ ص ۱۱۵

یعنی اپنے ظاہری عہد و پیمان، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کافر کا وہ کفارہ جو عبادت کی قبیل سے نہ ہو جیسے روزہ، وہ اس کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے جیسے غلام کا آزاد کرنا اور مساکین کو کھانا کھلانا۔ اور اس کی طرف سے ان چیزوں کی نیت ضروری ہے، کیونکہ ان امور میں غالب پہلو تاوان ہونے کا ہے، نیت کا مقصد اس کو دوسرے امور سے امتیاز دینا ہے نہ کہ حصول قربت۔ اور یہ دونوں (قرضوں) سے زیادہ مشابہ ہے۔ اور مسلمان شخص کی اہل کتاب بیوی کا غسل حیض درست ہے تاکہ اس سے ہم بستری بلاخلاف علماء درست ہو سکے امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں اس کی طرف سے اس امر کی نیت شرط ہے۔ تاہم مرتد کا نہ تو غسل درست ہے اور نہ ہی کچھ اور، ہاں اگر مرتد حالت ارتداد میں زکوٰۃ نکالے تو وہ درست ہو جائے گی اور اس کی طرف سے شمار ہوگی۔

۲۔ **تمیز**......نیت کی دوسری شرط ہے تمیز (امتیاز) کا پایا جانا، چنانچہ بالاتفاق تمیز نہ کر سکنے والے بچے کی عبادت درست نہیں اور نہ ہی پاگل کی عبادت درست ہے۔ تاہم شوافع رحمہ اللہ کے ہاں ولی کے لئے بچے کو طواف کے لئے وضو کرانا جب کہ وہ اس کی طرف سے احرام باندھے، درست ہے۔ اور پاگل عورت کے شوہر کے لئے اسے غسل حیض دینا درست ہے اور صحیح قول کے مطابق وہ خود نیت بھی کرے۔ اور اس شرط سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بچے یا پاگل کا عمد (جان بوجھ کر انجام دینا) خطا (بھول وچوک) شمار ہوگا خواہ بچہ تمیز کر سکتا ہو یا نہیں یہ، احناف کے ہاں ہے، کہ مجنون اور تمیز نہ کر سکنے والے بچے کا عمد خطا ہی شمار ہوگا تاہم تمیز کر سکنے والے بچے کا عمد عمد ہی شمار ہوگا صحیح تر قول کے مطابق۔ اور نشے میں گرفتار شخص کا وضو ٹوٹ جاتا ہے اور نشہ آ جانے کے سبب اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ وہ تمیز نہیں کر سکتا ہے، لیکن شوافع فرماتے ہیں کہ اس کے حدث کا فیصلہ اس وقت تک نہیں دیا جائے گا اور اس کی نماز اس وقت تک باطل نہیں ہوگی اور اس کے افعال بھی اس وقت تک باطل وکالعدم شمار نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ نشے میں بالکل ڈوبا ہوا نہ ہو مدہوشی کی کیفیت کے بعد۔

۳۔ **نیت کی جانے والی چیز کا علم**......چنانچہ جو شخص نماز کی فرضیت کا علم نہ رکھتا ہو تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی، اس طرح اگر کوئی جانتا ہو کہ بعض نمازیں فرض ہیں مگر جس کو وہ ادا کر رہا ہے اس کی فرضیت کا اسے علم نہ ہو تو بھی یہی حکم ہوگا، ہاں حج میں یہ شرط نہیں، وہ نماز سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ اس میں منوی (نیت شدہ چیز) کی تعیین شرط نہیں بلکہ احرام مطلق نیت سے ہو جاتا ہے پھر اس کی تعیین کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس چیز کا احرام باندھا تھا جس کا احرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا تھا اور اسے درست سمجھا تھا۔ پھر بعد از احرام اگر کوئی فعل شروع کرنے سے قبل حج یا عمرے کا تعین کر دیا تو ویسا ہی ہوگا جیسے اس نے تعیین کی ورنہ شروع کر دینے کی صورت میں عمرہ ہی متعین ہوگا۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس شرط پر تفریع کرتے ہوئے یہ مسئلہ بھی ذکر کیا ہے کہ اگر کسی نے لفظ طلاق ایسی زبان کا استعمال کیا جس کے معنی سے وہ واقف نہیں اور یوں کہے کہ اس کے عربی معنی مراد لے رہا ہوں تو صحیح تر قول کے مطابق طلاق واقع نہیں ہوگی۔

۴۔ **نیت اور نیت کردہ چیز کے درمیان کوئی منافی نیت کام انجام نہ دے**......اور وہ اس طرح کہ وہ نیت کو حکماً برقرار رکھے۔ چنانچہ اس اصول کے پیش نظر عبادات جیسے روزہ، نماز، حج، اور تیمم وغیرہ، معاذ اللہ مرتد ہو جانے کی صورت میں دوران انجام دہی کالعدم ہو جائیں گی۔ اس طرح صحبت نبوی مرتد ہو جانے سے باطل ہو جائے گی اگر اسی کیفیت پر مر جائے، اور اگر مرتد ہونے کے بعد دوبارہ مسلمان ہو گیا تو حیات نبوی میں مسلمان ہونے کی صورت میں شرف صحابیت ملے گا بصورت دیگر اس شرف کے لوٹ آنے میں اعتراض واشکال ہے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ وضو اور غسل ارتداد سے باطل نہیں ہوتے، کیونکہ ان کے افعال ایک دوسرے سے جڑے ہوئے (یعنی مرتبط) نہیں ہوتے ہاں ارتداد کے دوران انجام دیئے ہوئے افعال وضو شمار نہیں ہو سکیں گے۔ اور ارتداد عمل ثواب اور ایمان سابق سب کو ضائع اور سوخت کر دیتا ہے، خواہ وہ دوبارہ اسلام کی طرف لوٹے یا نہیں۔

منافی نیت یہ امر بھی ہے کہ انسان اپنے عمل کو قطع کرنے کی نیت کر لے، چنانچہ اگر کوئی ایمان کے قطع کرنے کی نیت کر لے تو وہ فی الفور

مرتد بن جائے گا۔اور اگر نماز سے فراغت کے بعد قطع نماز کی نیت کرے تو بالاتفاق یہ نماز باطل نہیں ہوگی اور یہی حکم ہے تمام عبادات کا ہاں اگر ادائیگی نماز کے دوران اسے قطع کرنے کی نیت کرے تو نماز بلا اختلاف باطل ہوجائے گی کیونکہ یہ ایمان کے مشابہ ہے تاہم علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز باطل نہیں ہوگی جب تک کہ وہ تکبیر کہہ کر دوسری نماز شروع کرنے کا ارادہ نہ کرلے،تو تکبیر پہلی نماز کی قاطع بنے گی نیت محض قاطع نہیں بنے گی۔اور طہارت کو اثناء طہارت قطع کرنے کی نیت کرے تو جو افعال وہ کر چکا ہے وہ باطل نہیں ہوں گے صحیح قول کے مطابق لیکن باقی افعال کی صحت کے لئے از سر نو نیت کرنا ضروری ہے،اور اگر روزہ یا اعتکاف توڑنے کی نیت کرلے تو وہ باطل نہیں ہوں گے صحیح قول کے مطابق۔کیونکہ نماز تمام عبادات میں تعلق ومناجات ربی کے لئے ممتاز ومنفرد ہے لہٰذا اس میں قطع نیت مؤثر ہوگا۔اور اگر کسی نے فجر کے بعد فرض روزہ شروع کردیا پھر اسے قطع کرکے نفلی روزہ رکھنے کی نیت کی تو وہ روزہ باطل نہیں ہوگا۔کیونکہ روزے اور زکوٰۃ میں فرض اور نفل ایک جنس کے ہوتے ہیں۔ہاں اگر نماز فرض کی نیت سے شروع کی پھر نماز میں نیت بدل دی اور نفل کی نیت کرلی تو اس کی نماز نفل بن جائے گی۔اور اگر نماز کے کسی منافی کام کی نیت کی تو نماز باطل نہیں ہوگی۔اور حالت روزے میں کھانے یا ہم بستری کی نیت کی تو یہ اس کے روزے پہ اثر انداز نہیں ہوگی اور اگر روزے کی رات کو نیت کی پھر فجر سے قبل سے نیت قطع کردی تو اس کا حکم ساقط ہوجائے گا کیونکہ نیت کا چھوڑ دینا ضد نیت ہے۔

اور اگر کہیں اقامت پذیر ہونے سے سفر قطع کرنے کی نیت کی تو وہ مقیم بن جائے گا۔اور مسافر کا سفر احناف کی رائے کے مطابق پانچ شرائط سے ختم ہوتا ہے۔

۱.....چلنے سے رک جانے پر۔چنانچہ اگر وہ سواری پر چلتے ہوئی اقامت کی نیت کرے تو وہ معتبر نہیں ہوگی۔

۲.....جگہ کا اقامت کی صلاحیت والا ہونا۔چنانچہ اگر سمندر یا جزیرے میں اقامت کی نیت کی تو وہ درست نہیں ہوگی۔

۳.....استقلال رائے چنانچہ تابع کی رائے کا اعتبار نہیں

۴.....مدت۔یعنی اگر وہ آدھے مہینے کے قیام کی نیت کرے چنانچہ آدھے مہینے سے کم مدت کی صورت میں وہ قصر کرے گا۔

۵۔جگہ کا ایک ہونا لہٰذا اگر دو جگہ آدھے مہینے ٹھہرنے کی نیت کی جیسے مکہ اور منی تو وہ مقیم نہیں کہلائے گا اور وہ ایسا شمار ہوگا کہ اس نے اقامت کی نیت ایسی جگہ کی ہے جو موضع اقامت نہیں۔[1]

نیت قطع صلاۃ سے قریب مسئلہ ہے قلب (تحویل یعنی پھیر دینے بدل دینے) کا اور وہ ہے ایک نماز سے دوسری نماز کی طرف منتقل ہونا اور یہ احناف کے ہاں محض نیت سے نہیں ہوتا بلکہ تکبیر تحریمہ کہنے سے ہوتا ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ دوسری نماز پہلی سے متغائر ہو جیسے کوئی ظہر شروع کرنے کے بعد عصر شروع کردے تو ظہر کی نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

اور یہ قلب (تحویل) اس صورت میں صرف نیت سے نہیں ہوتی جب آدمی نیت کو زبان سے نہ کہے اگر زبان سے نیت کا تلفظ کردیا تو پہلی والی نماز مطلقاً باطل ہوجائے گی۔علامہ ماوردی فرماتے ہیں کہ نماز باطل ہوجاتی ہے ایک فرض سے دوسرے فرض کی طرف منتقل ہونے سے یا ایک مسنون نفل سے دوسری مسنون نفل کی طرف منتقل ہونے سے جیسے وتر سے سنت فجر کی طرف منتقل ہونا یا نفل سے فرض کی طرف منتقل ہونے سے یا فرض سے نفل کی طرف منتقل ہونے سے ماسوا اس کے کہ کسی عذر کی وجہ سے ہو جیسے کسی نے فرض کی نیت انفراداً باندھی پھر جماعت کھڑی ہوگئی تو جماعت پالینے کے لئے وہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے تو وہ نماز صحیح قول کے مطابق نفل بن جائے گی۔

منافی نیت میں سے یہ بھی ہے نیت میں تردد ہوا اور جزم ویقین نہ ہو چنانچہ اگر شعبان کی ۳۰ ویں رات کو، جو یوم شک کہلاتا ہے یہ نیت کی کہ اگر کل رمضان ہوا تو میرا روزہ ہوگا ورنہ نہیں تو اس کی یہ نیت صحیح نہیں اس کے برخلاف اگر رمضان کی ۳۰ ویں شب کو ایسا ہو تو درست ہوگا

[1] الدر المختار مع الحاشیۃ ج ۱ ص ۷۳

وجہ اس کی یہ ہے کہ اصل حکم کا تسلسل ہوگا اور اسی طرح اگر وہ متردد ہو کہ نماز توڑوں یا نہیں یا نماز کے بطلان کو کسی چیز پر معلق کر دیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اور اگر کسی کو تردد ہو کہ اس نے قصر کی نیت کی ہے یا نہیں یا یہ کہ وہ اتمام کرے یا نہیں تو وہ قصر نہیں کرے گا۔ اس شق کے دیگر مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ نیت کے بعد مشیت (انشاء اللہ وغیرہ) کہنا اگر مقصود تعلق ہے تو نیت باطل اور اگر مقصود حصول برکت ہو تو نیت درست ہو گی۔ اور بلا نیت تبرک یا تعلق ویسے ہی کہہ دیا تو بھی نیت باطل ہوگی، کیونکہ اصلاً وہ لفظ تعلیق (معلق کرنا ایک چیز کو دوسرے پر موقوف کرنا) کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے کہا میں کل روزہ رکھوں گا ان شاء اللہ تو یہ نیت صحیح نہیں ہوگی۔ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ایسی چیز کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کئے جو نیت سے تعلق رکھتے ہیں جیسے روزہ اور نماز وغیرہ تو نیت باطل نہیں ہوگی اور اگر ایسے امور ہوں جن کا تعلق اقوال سے ہو جیسے طلاق اور عتاق تو باطل ہو جائے گا (یعنی وہ چیز جس کے ساتھ مشیت (لفظ انشاء اللہ) استعمال کیا ہے وہ باطل ہو جائے گی کا اس کا حکم لاگو نہیں ہوگا چند صورتیں ایسی جن میں تردد اور تعلیق کے باوجود نیت درست ہو جاتی ہے ان کو علامہ سیوطیؒ نے ذکر کیا ہے تردد کی صورتوں میں سے ایک یہ ہے کہ کسی شخص کو سادہ پانی اور عرق گلاب میں اشتباہ ہو گیا معلوم نہیں ہو رہا کہ کون سا ان میں سے پانی ہے اور کون سا عرق تو وہ غور وفکر نہیں کرے گا بلکہ دونوں سے ایک ایک مرتبہ وضو کرے گا اور یہاں نیت میں تردد ضرورت کی وجہ سے قابل معافی ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ ہے کہ کسی پر کوئی واجب روزہ ذمے میں ہو لیکن اس کو یہ نہیں یاد کہ رمضان کا ہے یا نذر کا یا کفارے کا روزہ ہے اور وہ واجب روزے کی نیت کر لیتا ہے تو یہ اس کے لئے جائز ہے اس طرح اگر کوئی شخص بھول گیا کہ اس کے ذمے کونسی ایک قضاء نماز ہے فجر کی یا ظہر کی یا کوئی اور اور اس نے پانچ کی پانچ دوہرائیں تو یہ اس کے لئے جائز ہے اور نیت کے جزم اور یقین سے نہ ہونے پر وہ معذور شمار ہوگا ضرورت کی خاطر۔

تعلیق (کسی کام کا دوسرے پر معلق کرنا) کی صورتوں میں سے جو باوجود تعلق کے درست ہوتی ہیں نماز سے متعلق ایک مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص اگر اپنے امام کے بارے میں نہیں جانتا کہ وہ مسافر ہے یا نہیں اور وہ یہ سوچ لیتا ہے کہ اگر اس نے قصر کی تو میں قصر کروں گا ورنہ میں بھی اس کی طرح اتمام کروں گا آخر میں ظاہر ہوا کہ وہ مسافر ہے اور قصر کر رہا ہے تو یہ شخص بھی قصر کرے گا اور حج سے متعلق ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی احرام باندھنے والا یہ کہے کہ "اگر زید نے احرام باندھا تو میرا بھی احرام ہے ورنہ نہیں" تو اگر زید نے احرام باندھا ہوا ہوگا تو اس کا احرام بھی ہو جائے گا ورنہ نہیں ہوگا ہاں اگر مستقبل پر معلق کرتے ہوئے اس نے یہ کہا جب زید احرام باندھ لے یا یہ کہا جب مہینہ شروع ہوگا تو میں محرم ہوں گا تو یہ درست نہیں ہوگا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس کے ذمے ایک قضاء نماز ہے جس کی ادائیگی کے بارے میں اسے شک ہو گیا کہ ادا کی ہے یا نہیں تو اس نے کہا اگر وہ فوت شدہ ہو تو فرض ورنہ نفلی نماز ہوگی بعد میں ظاہر ہوا کہ اس کے ذمے وہ نماز واقعی تھی تو یہ اس کے لئے جائز ہو جائے گی۔ ایک مسئلہ روزے سے متعلق یہ ہے کہ شعبان کی ۳۰ ویں کو نیت کرے کہ اگر کل رمضان ہوا تو فرض ورنہ نفل روزہ ہوگا تو یہ درست ہے اور روزہ ہو جائے گا۔ ایک مسئلہ زکوٰۃ سے متعلق یہ ہے کہ زکوٰۃ نکالتے وقت یہ نیت کی کہ اگر اس کا کچھ غائب مال اگر باقی ہے تو یہ اس کی طرف سے ہے ورنہ حاضر مال کی طرف سے ہے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ غائب مال باقی بچ گیا ہے ضائع نہیں ہوا تو زکوٰۃ اس کی طرف سے ہو جائے گی یا اگر بعد میں معلوم ہوا کہ غائب باقی نہیں بچا ضائع ہو گیا ہے تو زکوٰۃ موجودہ حال کی طرف سے ہو جائے گی۔ ایک مسئلہ جمعے سے متعلق ہے کہ اگر نماز کے آخر وقت میں نیت باندھی کہ اگر وقت باقی ہو تو جمعہ ہو جائے ورنہ ظہر ہوگی، بعد میں وقت کا باقی رہنا معلوم ہوا تو ایک قول کے مطابق جمعہ درست ہو جائے گا اور ایک قول کے مطابق درست نہیں ہوگا۔ منافی نیت میں یہ بھی ہے کہ منوی (نیت شدہ چیز) پر قدرت نہ ہو یا تو عقلاً یا شرعاً یا عادتاً پہلی کی مثال وضو کرتے وقت نیت کی کہ میں نماز پڑھوں گا اور نہیں پڑھوں گا تو یہ عقلاً ممکن نہیں۔ دوسری کی مثال وضو کرتے وقت ناپاک زمین نماز کے ادا کرنے کی نیت کی تو یہ نیت درست نہیں ہوگی تیسری کی مثال سال کے شروع میں وضو سے عید کی نماز کی نیت کرنا (یعنی عید کے زمانے سے بہت پہلے عید کی نیت کرنا) یا کسی دور دراز علاقے میں طواف کی نیت سے وضو کرنا کہ عادۃً ایسا ممکن نہیں کہ انسان اس وضو سے یہ امور انجام دے سکے تو اس بارے میں صحیح تر بات یہ ہے کہ وضو درست ہو جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ درست نہیں ہوگا۔

یہ وہ شرائط ہیں جوعمومی ہیں اور عبادات سے تعلق رکھتی ہیں، ان شرائط کوفقہاء نے بیان طہارت میں بھی ذکر کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں نیت وضو کے لئے شرط ہے کہ نیت کرنے والا مسلمان ہو اس میں صفت تمیز پائی جائے منوی (نیت شدہ چیز) کا علم ہو اور نیت کی منافی کام کا ارتکاب نہ کرے اس طرح کہ نیت کے حکم کا تسلسل رہے، لہٰذا وہ مثلاً وضو سے غیر وضو کی طرف نہ لوٹے، اور یہ کہ نیت معلق نہ ہو چنانچہ اگر اس نے ان شاء اللہ تعالیٰ کہا اور تعلیق کا ارادہ کرلیا یا مطلقاً بلا ارادہ کہا تو نیت صحیح نہیں ہوگی اور اگر حصول برکت کی نیت سے کہا تو نیت صحیح ہوجائے گی۔ احناف رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر فقہاء نے دائمی حدث کے مریضوں کے لئے وقت نماز کے داخل ہونے کی شرط بھی عائد کی ہے جیسے سلسل البول (پیشاب کے قطرے کا مریض) اور مستحاضہ (مسلسل) خون آنے کے مرض کی شکار عورت) کیونکہ ان کی طہارت عذر اور ضرورت کی طہارت ہوتی ہے لہٰذا وہ وقت کے ساتھ مقید رہے گی جیسے تیمم [1] اور ان شرائط کوفقہاء نے نماز کی نیت کے لئے ضروری قرار دیا ہے اور ایک اضافی چیز یہ ضروری قرار دی ہے کہ نیت تکبیر تحریمہ سے متصل ہو۔ چنانچہ احناف رحمہ اللہ نے نیت کا تکبیر تحریمہ سے ایسا اتصال کہ ان دونوں کے مابین کسی اجنبی چیز سے فاصلہ نہ ہو ضروری قرار دیا ہے۔ اور شوافع نے نیت کا فعل نماز سے اتصال شرط قرار دیا ہے اسی طرح مالکیہ اور حنابلہ نے بھی یہ اتصال شرط قرار دیا ہے، تاہم ان حضرات نے نیت کا تکبیر تحریمہ پر ذرا سا مقدم ہونا جائز قرار دیا ہے اور فقہاء کا اس فرض کی نوعیت کی تعیین کو شرط قرار دینے پر اتفاق ہے جیسے نمازی ادا کررہا ہو جیسے ظہر اور عصر، یہ تعیین اس لئے ضروری ہے کہ فرائض بہت ہیں اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے فرض کی نیت سے ادا نہیں ہوسکتا اور سلام کے لئے نماز سے خارج ہونے کی نیت کرنا ضروری نہیں یہ صرف مستحب ہے شوافع اور مالکیہ کے نزدیک۔

فقہاء نے یہ شرائط روزوں کے بارے میں بھی ذکر کی ہیں اور اضافی طور پر یہ بھی قرار دیا ہے کہ نیت رات ہی سے ہو یہ احناف کے علاوہ جمہور علماء کی رائے ہے احناف کے ہاں یہ صرف افضل ہے واجب نہیں جمہور کے قول کی دلیل یہ ہی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے جو شخص فجر کے طلوع ہونے سے رات سے روزے کا ارادہ نہ کرے اس کا روزہ نہیں [2] جمہور فقہاء فرض روزوں میں تعیین نیت بھی لازمی قرار دی ہے البتہ احناف اسے شرط نہیں قرار دیتے ہیں، اور روزوں میں تعیین کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ گمان کرلے کہ وہ کل رمضان کا یا قضاء رمضان کا یا کفارہ رمضان یا نذر کا روزہ ہے، اسی طرح جمہور نے نیت کا بالجزم ہونا بھی شرط قرار دیا ہے، لہٰذا اگر لیلۃ الشک ۳۰ ویں شب شعبان میں اس نے نیت کی کہ اگر کل رمضان ہو تو میرا فرض روزہ ہے ورنہ نفل روزہ ہوگا تو یہ کسی کی طرف سے ادا نہیں ہوگا کیونکہ اس نے کسی ایک کی بالجزم نیت نہیں کی ہے وہ ایسے کہ اس نے رمضان کے روزے ہونے کو بالجزم بیان نہیں کیا ہے اور جو روزے کسی معین زمانے میں ہی ادا کئے جاتے ہوں ان کی نیت بالجزم احناف کے ہاں شرط نہیں، چنانچہ ان کے ہاں اس نیت سے روزہ درست ہوجائے گا۔ اور فرضیت صیام کی نیت بالاتفاق فقہاء شرط نہیں ہے بخلاف نماز کے کیونکہ بالغ آدمی سے رمضان کے صرف فرض روزوں کی ادائیگی ہی وقوع پذیر ہوتی ہے بخلاف نماز کے، کیونکہ لوٹائی ہوئی نماز نفل ہوتی ہے اور اسی طرح بالاتفاق سنت کی تعیین بھی ضروری نہیں ہے اور نہ ہی یہ تعیین ضروری ہے کہ یہ روزہ اداء ہے (قضاء نہیں یا بالعکس اور نہ ہی نسبت الی اللہ کہ روزے کو اللہ کی طرف منسوب کیا جائے) ضروری ہے، کیونکہ روزے کی نیت سے یہ امور متحقق ہوجاتے ہیں اور تعیین ان سب کی طرف سے ہوجاتی ہے اور جمہور علماء نے متعدد ایام ہونے کی صورت میں متعدد نیت ضروری قرار دی ہیں، چنانچہ رمضان کے ہر دن کے لئے علیحدہ نیت ضروری ہے، کیونکہ ایک دن کی عبادت کا دوسرے دن کی عبادت سے کوئی تعلق نہیں، مالکیہ فرماتے ہیں رمضان کی ابتداء میں ایک نیت کافی ہے، لہٰذا پورے مہینے کے روزے ایک نیت کے ساتھ درست ہیں۔

زکوٰۃ کے بارے نیت کی عام شرائط لاگو ہوتی ہیں، تاہم نیت کے فعل کے ساتھ اتصال کی کیفیت کے بارے میں اختلاف ہے احناف فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی ایسی نیت کے ساتھ ضروری ہے جو فقیر کو زکوٰۃ ادا کئے جانے کے فعل سے متصل ہو خواہ حکماً یہ مقارنت ہو جیسے

---

[1] مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۴۷ المغنی ج ۱ ص ۱۴۲۔ [2] دارقطنی نے اس حدیث کو ایسی سند کے ساتھ روایت کیا جس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

بلا نیت دے دی پھر نیت کر لی جب کہ وہ چیز اس شخص کے ہاتھ میں موجود ہو، یا وکیل کو مال دیتے وقت نیت کر لی اور وکیل نے بلا نیت آگے دیدی یا واجب مقدار کو مال سے الگ کرتے وقت زکوۃ کی نیت کر لی (ان تمام صورتوں میں زکوۃ کے فعل کے ساتھ نیت کا اتصال ومقارنت پائی جارہی ہے) مالکیہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ ادا کرنے کے لئے دیتے وقت نیت شرط ہے، اور مقدار واجب کو کل مال سے علیحدہ کرتے وقت نیت کر لینا بھی کافی ہے اور اسی کی نیت بھی جائز ہو جاتی ہے جو بخوشی اسے نہ دے جیسے بچے اور پاگل۔ اور امام یا اس کے قائم مقام کی نیت زکوۃ نکالنے والے کی نیت کی طرف سے ہو جاتی ہے۔ شوافع بھی احناف اور مالکیہ کی طرح فقیر کو دینے سے قبل نیت کے ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ یہ نیت زکوۃ کے مال کو علیحدہ کرتے وقت وکیل کو دینے سے پہلے یا بعد میں اور تقسیم سے قبل ہو۔ اس طرح مال زکوۃ کو الگ کرنے کے بعد تقسیم سے قبل بھی نیت درست ہے خواہ ان دونوں (مال الگ کرنے اور تقسیم) سے متصل نہ بھی اور نیت کا وکیل کو تفویض کر دینا بھی درست ہے اگر وہ اس کا اہل ہو یعنی مسلمان ہو اور مکلف ہو۔ بچے اور کافر کو مستحقین میں تقسیم کرنے کے لئے وکیل بنایا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ لوگ متعین کر دئے جائیں جن کو دی جائے گی۔ اور بچے، مجنون اور بے وقوف شخص کی طرف سے زکوۃ دیے جانے کی صورت میں ان کے ولی پر نیت کرنا لازم ہے وگرنہ وہ بلا نیت زکوۃ دینے کی صورت میں کوتاہی کرنے کے سبب ضامن نقصان ہوگا اور اگر زکوۃ نکالنے والے نے یہ مال امام وقت کو بلا نیت دیا تو امام نیت اس کے لئے کافی نہیں ہوگی جیسا کہ ظاہر مذہب سے معلوم ہوتا ہے، اور اگر زکوۃ نکالنے والے سے جبراً زکوۃ لی جائے تو جس وقت اس سے لیا جارہا ہے وہ اس وقت نیت کرلے بصورت دیگر لینے والے پر نیت کرنا لازم ہوگا۔ اور حنابلہ نے بھی نیت کا اداء سے کچھ وقت پہلے نیت کے ہونے کو جائز قرار دیا ہے جیسے کہ دیگر عبادات میں ہوتا ہے۔ اور اگر اس نے اپنے وکیل کو زکوۃ تقسیم کرنے کے لئے دی اور خود اس نے نیت کر لی اور وکیل نے نہیں کی تو یہ جائز ہے اگر اس کی نیت ادائیگی سے بہت زیادہ پہلے نہ ہو۔ (یعنی نیت اور فقیروں کو ادا کرنے میں بہت وقت نہ فاصل ہو جائے) اور اگر نیت بہت وقت پہلے ہو جائے تو اس صورت میں جائز ہے کہ زکوۃ دینے والا خود وکیل کو دیتے وقت نیت کرے اور وکیل آگے مستحقین کو دیتے وقت نیت کرے ہاں اگر امام وقت جبراً لے لے تو بلا نیت بھی درست ہو جائے گی کیونکہ نیت کے اس کے حق میں متعذر ہونے اس کے ذمے سے نیت کا وجوب ایسے ہی ساقط کر دیا جیسے بچے اور پاگل کے ذمے سے نیت ساقط ہے۔

اور انسان اگر اپنا سارا مال بطور صدقہ دیدے تو ماسوا احناف جمہور کے ہاں یہ زکوۃ کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں ہوگا کیونکہ اس شخص نے اس ادائیگی کے ذریعے فرض کی ادائیگی کی نیت نہیں کی تھی اور یہ ایسا ہی جیسے کہ وہ اگر اپنا کچھ مال صدقہ کرتا تو وہ زکوۃ کی طرف سے شمار نہیں ہوتا۔ اور دوسری مثال کے مطابق یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے انسان سو رکعت نفل پڑھے اور فرض کی نیت نہ کرے تو فرض ادا نہیں ہوتا۔ احناف کی رائے کے مطابق فریضہ زکوۃ استحساناً اس سے ساقط ہوگا اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ وہ کسی اور واجب کی ادائیگی کی نیت نہ کرے جیسے نذر وغیرہ۔ اور وجہ اس استحساناً ادا ہو جانے کی یہ ہے کہ واجب تو اس مال کا کچھ حصہ دینا ہے اور وہ تو متعین ہے لہٰذا تعیین کی مزید کوئی حاجت نہیں اور اسی بنیاد پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی شخص کا قرض کسی فقیر کے پاس ہو اور وہ اسے اس قرض سے آزاد کر دے (قرض معاف کر دے) تو جتنی رقم معاف کی ہے اس کی زکوۃ بھی ساقط ہو جائے گی خواہ زکوۃ کی ادائیگی کی نیت کرے یا نہ کرے، کیونکہ یہ بھی ضائع ہو جانے کے مترادف ہے۔

اور حج وعمرے میں یہ عمومی شرائط لاگو ہیں تاہم حج میں شرط ہے کہ احرام ایک معین وقت میں ہو اور وہ وقت حج کے تین مہینے (دو مہینے دس دن) شوال، ذوالقعدۃ، ذوالحجہ ہیں اور عمرہ کے لئے پورے سال میں احرام ہوسکتا ہے اور احناف کی رائے کے مطابق احرام کی خصوصیات میں سے کوئی فعل یا قول نیت احرام سے متصل ہو جیسے تلبیہ یا سلے ہوئے کپڑے اتار دینا جمہور نے یہ شرط نہیں رکھی ہے، ان کے ہاں احرام محض نیت سے ہو جاتا ہے لیکن نیت کے وقت تلبیہ نہ کہنے اور سلے ہوئے کپڑے نہ اتارنے وغیرہ کی صورت میں مالکیہ کے ہاں دم واجب ہوتا ہے، اور احرام کے لئے مردوں پر سلے ہوئے کپڑے اتار دینا، خوشبو سے بچنا اور دیگر ممنوعات احرام کا ترک لازم ہوتا ہے اور عورت کا احرام یہ ہے کہ وہ اپنا چہرہ کھول لے اور احرام کے لئے میقات سے ہونا بھی شرط ہے اور یہ جہت کی ایک معین اور معروف میقات ہے جو علماء اور عوام میں مشہور

ومعروف ہے جمہور فقہاء نے حج کو عمرے میں داخل کرنا یا بالعکس کرنے کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ یہ داخل کرنا طواف عمرہ شروع کرنے سے قبل ہو اور احناف کے طواف عمرہ کے چار شوط پورا ہونے سے قبل یہ ہو۔

اور عمرے کا حج پر داخل کرنا احناف کے ہاں درست نہیں۔ اور جمہور کے برخلاف حنابلہ نے حج کے احرام کو فسخ کر کے عمرہ کر لینے کی اجازت دی ہے یعنی حج کے احرم کی نیت کو عمرے کے احرام میں بدل دینے کی نیت کو انہوں نے جائز قرار دیا ہے۔

اور قربانی کے بارے میں شوافع اور حنابلہ نے یہ شرط قرار دیا ہے کہ قربانی ذبح کرنے کی نیت ہونی چاہئے کیونکہ قربانی بذات خود ایک عبادت ہے اور دل سے نیت کر لینا کافی ہے زبان سے نیت کرنا شرط نہیں ہے کیونکہ نیت دل کا عمل ہے اور زبان سے اس کا کہنا اس کی دلیل ہے، علامہ کاسانی حنفی رحمہ اللہ بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں کہ اضحیہ نیت سے ہی متعین ہوتا ہے، اور مذہب حنفی میں جانور خریدتے وقت نیت کافی ہے جیسا کہ میں اس بات کو آگے بالتفصیل بیان کروں گا۔

۹۔ نیت سے متعلق نویں بحث..... کیا نیت عبادات میں رکن ہے یا شرط ہے نیت پر بحث کرتے ہوئے ہم پہلے نیت کی شرائط محل نیت، کیفیت نیت اور وقت نیت وغیرہ پر گفتگو کر چکے ہیں اور نیت فی العبادت کے بارے میں صرف اس کی رکنیت یا شرطیت کی حیثیت پر گفتگو باقی ہے کہ عبادات میں نیت رکن ہے یا شرط ہے یہ بات بھی مدنظر رہے کہ رکن اور شرط دونوں فرض ہوتے ہیں لیکن شرط مشروط کی ذات سے خارج ہوتی ہے جیسے طہارت نماز کی شرط ہے اور نماز سے خارج الگ چیز ہے اور رکن احناف کی اصطلاح میں وہ چیز ہے جس پر کسی چیز کا وجود وما ھیت موقوف ہوتی ہے اور وہ اس چیز میں داخل ہوتی ہے اس کا جزء ہوتا ہے اور جمہور کے ہاں رکن وہ ہے جس پر کسی چیز کا وجود موقوف ہو خواہ وہ اس کا جز ہو جو اس میں داخل ہو یا وہ اس کا امر اساسی ہو چنانچہ رکوع اور سجود رکن میں جو نماز کی ماہیت میں داخل ہیں کیونکہ یہ نماز کے اجزاء میں سے دو جز ہیں اور عقد (دو افراد کے مابین ہونے والے معاملے) میں ایجاب وقبول احناف کی اصطلاح کے مطابق رکن ہیں اور ایجاب وقبول کے ساتھ دونوں عقد کرنے والے جس چیز پر عقد کیا جا رہا ہے وہ شامل ہوں گے اس قیمت یا معاوضہ معاوضے والے معاملات میں ایجاب وقبول دونوں عقد کرنے والے معقود علیہ کے ساتھ شامل ہوں گے اور یہ عقد کے ارکان شمار ہوں گے جمہور کی اصطلاح کے مطابق۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی عبارتیں عبادات کے اندر نیت کے حکم و بیان کرنے سے قبل ذکر کر دی جائیں، کیونکہ ان دونوں حضرات کی ذکر کردہ عبارتیں شرطیت اور رکنیت کے بارے میں دو متضاد جہتوں کی ترجمانی کرتی ہیں۔ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ❶ کہ نیت ہمارے ہاں تمام عبادات میں شرط ہے باتفاق تمام اصحاب (حنفیہ) کے رکن نہیں، ان حضرات کے ہاں اختلاف تکبیر تحریمہ کے بارے میں واقع ہوا ہے، اور قابل اعتماد بات یہ ہے کہ یہ نیت کی طرح شرط ہے اور ایک اس کے رکن ہونے کا قول بھی موجود ہے، اور اسی طرح حنابلہ اور مالکیہ کی رائے بھی یہ ہے کہ نیت عبادت میں شرط ہے رکن نہیں اگرچہ وہ داخل بھی ہے۔ ❷

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ❸ کہ اصحاب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ نیت عبادات میں رکن ہے یا شرط اکثر نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ وہ رکن ہے کیونکہ وہ داخل عبادت ہے اور یہ رکن کی حیثیت پر دلالت ہے اور شرط وہ ہوتی ہے جو اس فعل سے پہلے ہوتی ہے اور اس شرط کا اس فعل میں تسلسل سے پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔

میں ہر عبادت کے بارے میں علیحدہ علیحدہ طور پر نیت کا حکم بیان کرتا ہوں۔ ❹

۱۔ نیت کے شمول کے شرط ہونے کے بارے میں فقہاء کی دو رائے ہیں۔ ❺

---

❶ الاشباہ والنظائر ص ۵۵. ❷ القوانین الفقہیۃ ص ۵۵. غایۃ المنتہی ج ۱ ص ۱۵۱. ❸ الاشباہ والنظائر ص ۳۱. ❹ نیت کی تفصیل [illegible] ❺ البدائع ج [illegible]

احناف فرماتے ہیں وضو کرنے والے کے لیے نیت کے ساتھ ابتداء کرنا مسنون ہے تا کہ وہ ثواب حاصل کر سکے اور اس کا وقت استنجاء سے پہلے ہے تا کہ اس کا پورا فعل طہارت نیکی بن جائے۔ اور اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ حدث دور کرنے کی یا نماز قائم کرنے کی یا صرف وضو کی نیت کرے یا تعمیل حکم کی نیت کرے اور اس کا محل قلب (دل ہے) اور اگر اس کا زبان سے تلفظ کرے تا کہ دل و زبان کے فعل کو جمع کر سکے تو یہ مشائخ کے ہاں مستحب ہے۔

احناف کے اس نیت کے فرض نہ ہونے کے قول کے نتیجے میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے وضو کرنے والے کا اور پانی میں تیراکی کرنے یا صفائی کی یا کسی ڈوبتے ہوئے کو بچانے کی غرض سے گھسنے والے کا وضو درست ہو اور اس سے ملتی جلتی شکلوں میں بھی یہی بات ہو۔ اپنی اس رائے کی دلیل میں یہ حضرات یہ امور پیش کرتے ہیں۔

۱.....قرآن کریم میں اس پر نص نہیں ہے آیت وضو صرف تین اعضاء کے دھونے اور سر کے مسح کے بارے میں بتاتی ہے، اور نیت کو خبر آحاد کی بنیاد پر شرط قرار دینے کا قول نص قرآن پر زیادت (اضافہ) ہے اور زیادت علی الکتاب احناف کے ہاں نسخ ہوتا ہے جو کہ خبر آحاد کی بنیاد پر درست نہیں ہوتا۔

۲.....سنت میں اس پر نص نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو یہ چیز نہیں سکھائی باوجود اس کے کہ وہ اس سے ناواقف تھا، اور تیمم میں نیت اس لیے فرض ہے کہ وہ مٹی سے ہوتا ہے اور مٹی اصالتاً حدث دور کرنے والی چیز نہیں وہ تو پانی کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔

۳.....طہارت کی تمام انواع وغیرہ پر قیاس: وضو طہارت ہے جو پانی سے کیا جاتا ہے تو اس کے لئے نیت شرط نہیں جیسے نجاست کو زائل کرنے کے لئے نیت شرط نہیں، اور جیسے نماز کی دیگر شرائط میں نیت واجب نہیں جیسے ستر کا ڈھانپنا، اور اسی طرح جیسے ایک ذمی اہل کتاب عورت کے لئے غسل حیض کے لئے نیت ضروری نہیں تا کہ وہ اپنے مسلمان شوہر کے لئے حلال ہو جائے اسی طرح یہاں بھی نیت شرط نہیں ہونی چاہئے۔

۴۔وضو نماز کا وسیلہ ہے، بالذات مقصود نہیں اور نیت ایسی چیز ہے جو صرف مقاصد میں بطور شرط مطلوب ہوتی ہے وسائل میں نہیں۔

احناف کے علاوہ جمہور علماء فرماتے ہیں❶ کہ نیت وضو میں فرض ہے عبادت انجام دینے کے لئے یا قربت خداوندی کے ارادے سے چنانچہ وضو عبادت کے علاوہ کسی اور چیز کے لئے درست نہیں جیسے کھانا، پینا اور سونا وغیرہ، انہوں نے دلائل میں یہ باتیں ذکر کی ہیں:

۱.....حدیث نبوی جیسے محدثین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہ ہے جس کی اس نے نیت کی ہو اس کا مفہوم یہ ہے اعمال جو شرعاً معتبر ہوتے ہیں وہ نیت سے ہوتے ہیں اور وضو عمل ہے چنانچہ یہ شرعاً بلا نیت نہیں ہو سکتا۔

۲.....اخلاص کا عبادت میں متحقق ہونا، کیونکہ فرمان الٰہی ہے:

وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ ......سورۃ البینۃ آیت ۵

اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے۔

اور وضو ایسی عبادت ہے جس کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ اس وقت تک متحقق نہیں ہو سکتا جب تک اس میں نیت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے نہ کر لی جائے، کیونکہ اخلاص تو دل کا عمل ہے جو کہ نیت ہے۔

۳.....قیاس: جیسے نماز میں نیت شرط ہے ایسے ہی وضو میں بھی شرط ہے اور جیسے تیمم میں نماز کو جائز کرنے کے لئے نیت شرط ہے اسی

❶.....المجموع للنووی ج ۱ ص ۳۶۱ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۷ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۹۳ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۷ المغنی ج ۱ ص ۱۱۰، کشاف القناع ج ۱ ص ۹۴۔۱۰۱

طرح وضو میں بھی ہے۔

۴.....وضو مقصود کا وسیلہ ہے تو اس کے لئے بھی وہی حکم ہونا چاہئے جو مقصود کا ہوتا ہے کیونکہ فرمان الٰہی ہے:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ ......سورۃ المائدۃ آیت ۶

جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو دھولو اپنے چہرے......الخ

اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے لئے کھڑے ہونے کی صورت میں وضو مامور بہ ہے اور اس عبادت کی غرض سے تو مطلوب ہے اعضاء کا دھونا نماز کے لئے اور یہ معنی ہیں نیت کے۔

فریقین کے دلائل کا جائزہ لینے سے میرے سامنے یہ بات آتی ہے کہ نیت کو فرض قرار دیا جائے، کیونکہ احادیث آحاد نے بہت سے وہ احکام بتائے ہیں جو قرآن میں نہیں تھے، اور حدیث عمر جو نیت کے بارے میں ہے وہ ابتداء اگرچہ غریب (غیر معروف، ایک آدمی کی روایت کردہ) ہے لیکن بعد میں

یہ حدیث مشہور بن گئی تھی، چنانچہ وہ اتنی مشہور ہوگئی تھی کہ اسے حضرت عمر سے دوسو سے زیادہ افراد نے روایت کیا جن میں اکثر ائمہ تھے جن میں سے بڑے امام مالک، ثوری، اوزاعی ابن مبارک، لیث بن سعد، حماد بن زید، شعبہ اور ابن عیینہ رحمہم اللہ علیہم وغیرہ جیسے جلیل القدر ائمہ ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ پانی کا اعضاء پر بلاقصد لگ جانا یا بغرض حصول ٹھنڈک پانی کا اعضاء کو گیلا کر دینا وضو کے لئے دھونا نہیں کہلا سکتا کہ وہ اپنا مقصود شرعی (طہارت) ادا کردے اور مامور بہ چیز کو ایسے وقوع پذیر کردے جیسے اس کا حکم دیا گیا ہے، اور اس اصول پر الامور بمقاصدھا ائمہ کا اتفاق ہے کہ (امور مقاصد کے تحت ہوتے ہیں)۔

۲.....تیمم کے بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس میں نیت واجب ہے، اور مالکیہ اور شوافع کے ہاں تو یہ فرض ہے، اور احناف اور حنابلہ کے ہاں زیادہ قابل اعتماد قول یہ ہے کہ نیت تیمم کے لئے شرط ہے ❶ ان حضرات کی دلیل ایک تو پچھلی حدیث ہے **انما الاعمال بالنیات** اور احناف کا استدلال یہ ہے کہ مٹی درحقیقت تلویث (گندگی) کرتی ہے تو یہ پاکی کا سبب جب ہی بنے گی جب نیت کرلی جائے۔ان کی بات کا مقصد یہ ہے کہ مٹی حقیقت میں طہارت کا ذریعہ نہیں ہے، اسے بوقت ضرورت طہارت قرار دیا گیا ہے اور حاجت کا علم نیت کے ذریعے ہی ہوگا بخلاف وضو کے کہ وہ حقیقتاً ذریعہ پاکی وصفائی ہے تو اس کے طہارت کا ذریعہ بننے کے لئے حاجت کا تحقق ضروری نہیں ہے لہٰذا نیت بھی اس کے لئے ضروری نہیں ہوگی۔

۳.....غسل کے بارے میں بھی وضو کی طرح دو اقوال ہیں، احناف کے علاوہ جمہور علماء نے نیت کو غسل کے لئے لازم قرار دیا ہے جیسے وضو کے لئے لازم قرار دیا تھا، اور دلیل اس کی وہی حدیث ہے جو گذر چکی ہے یعنی حدیث **انما الاعمال بالنیات** احناف فرماتے ہیں کہ نیت کر کے شروع کرنا سنت ہے اس کے ذریعے اس شخص کا یہ فعل قربت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جس پر ثواب بھی ملتا ہے جیسے وضو ❷ اور میت کے غسل میں۔

حنابلہ نے یہ شرط قرار دی ہے کہ نہلانے والا نیت کرے، اور دلیل اسی حدیث **انما الاعمال بالنیات** سے لیتے ہیں۔

۴.....نماز کے بارے میں فقہاء بالاتفاق نیت واجب قرار دیتے ہیں تاکہ عبادت اور عادت میں امتیاز ہو سکے اور نماز میں اللہ کے لئے

---

❶.....البدائع ج ۱ ص ۵۲،۴۵ فتح القدیر ج ۱ ص ۸۹،۸۲ الشرح الکبیر للدردیر ج ۱ ص ۱۵۴ القوانین الفقہیۃ ص ۳۷ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۶۴ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۹۷ المہذب ج ۱ ص ۳۲ المغنی ج ۱ ص ۲۵۱ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۹۹ وما بعدہ ❷ الدر المختار ج ۱ ص ۱۴۰، الشرح الصغیر للدردیر ج ۱ ص ۱۶۲، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۷۲ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۶۳ المجموع ج ۱ ص ۳۰۳

اخلاص بھی متحقق ہو سکے کیونکہ نماز عبادت ہے اور عبادت نام ہے عمل کا بالکلیہ خالصتاً اللہ کے لئے انجام دینے کا فرمان خداوندی ہے:

وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ ......سورۃ البینۃ آیت نمبر ۵

اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ عبادت کریں اللہ کی دین کو خالص اس کے لئے کرتے ہوئے۔

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان حضرات (محدثین وفقہاء متقدمین) کے کلام میں اخلاص سے مراد نیت ہوتی ہے، اور پہلے گذری ہوئی حدیث **انما الاعمال بالنیات** نیت کے وجوب پر دلالت کرتی ہے بنا بلا نیت نماز کسی حال میں درست نہیں ہوگی۔ حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں نیت نماز کی شرائط میں سے ایک شرط ہے اور مالکیہ کے ہاں بھی راجح قول کے مطابق شرط ہے شوافع اور بعض مالکیہ حضرات کے ہاں یہ نماز کے ارکان میں سے ہے، کیونکہ یہ نماز کے کچھ حصے میں واجب ہے جو کہ نماز کی ابتداء ہے (یعنی ابتداء نماز تکبیر تحریمہ، میں یہ واجب ہے) پوری نماز میں واجب نہیں لہٰذا رکوع اور سجدے کی طرح یہ بھی رکن ہوگی ❶ اور کیا امام پر لازم ہے کہ وہ امامت کی نیت کرے تو بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ لازم نہیں دلیل اس کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ جس میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز شروع کرنے کے بعد کھڑے ہوئے تھے کچھ حضرات کی رائے یہ ہے کہ امام بوجھ اٹھانے والا ہوتا ہے لہٰذا نیت امامت ضروری ہے، کیونکہ امام مقتدیوں کے بعض افعال اپنے ذمے لے لیتا ہے (یعنی اس کی تبعیت میں ادا ہوتے ہیں مقتدیوں کو خود نہیں کرنے پڑتے) ❷ جمہور علماء امام کے لئے نیت امامت کو شرط نہیں قرار دیتے ہیں، صرف مستحب ہے۔

کہتے ہیں تا کہ جماعت کی فضلیت وثواب کا حصول ہو سکے، اگر وہ نیت نہیں کرے تو اسے ثواب نہیں ملے گا۔ کیونکہ انسان کو اسی عمل کا اجر ملتا ہے جس کی وہ نیت کرے۔ شوافع اور مالکیہ اس اصول سے ان نمازوں کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں جو جماعت سے ہی ادا کی جاتی ہے جیسے جمعہ، اور بارش کی وجہ سے جمع کی گئی دو نمازیں، لوٹائی گئی نماز، صلاۃ الخوف، اور کسی کو خلیفہ بنانے کی صورت میں ادا کی جانے والی نماز، ان صورتوں میں امام کے لئے نیت امامت ضروری ہے (کیونکہ ان تمام صورتوں میں جماعت سے ہی نماز ادا کی جاسکتی ہے انفرادا نہیں) احناف نے عورتوں کی اقتداء کی صورت کو اس اصول سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے خواتین کی امامت کی نیت امام کے لئے ضروری قرار دی ہے تا کہ عورتوں کا اس مرد کی اقتداء کا عمل صحیح ہو سکے (یعنی احناف اس صورت میں نیت امامت امام پر لازم قرار دیتے ہیں جب عورتیں اقتداء کر رہی ہوں اگر ان کی نیت نہیں کی تو ان کی اقتداء درست نہیں ہوگی)۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ امامت کی نیت مطلقاً شرط ہے لہٰذا امام پر لازم ہے کہ وہ یہ نیت کرے کہ وہ امام ہے اور مقتدی یہ نیت کرے کہ وہ مقتدی ہے بصورت دیگر نماز فاسد ہو جائے گی۔ تاہم اگر کوئی شخص نیت اکیلا باندھے اور دوسرا آ کر اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے لگے اور وہ شخص امامت کی نیت کرلے تو یہ صرف نفلوں میں درست ہے اور یہ حدیث ابن عباس پر عمل کرتے ہوئے جائز قرار پاتا ہے جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، میں ایک رات اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رہا، رات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نفلوں کے لئے بیدار ہوئے مشکیزے کے پاس گئے وضو کیا اور کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی، میں آپ کو یہ کرتا دیکھ کر کھڑا ہوا مشکیزے سے وضو کیا پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب جا کھڑا ہوا آپ نے اپنی کمر کے پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے دائیں جانب کھڑا کر دیا ❸ اور فرض نمازوں میں یہ تفصیل ہے کہ اگر نمازی کسی کا انتظار کر رہا ہو یعنی مثلاً وہ امام مسجد ہو تو وہ اکیلا نیت باندھ سکتا ہے اور یہ انتظار کر سکتا

---

❶ ...تبیین الحقائق ج ۱ ص ۹۹۔ الاشباہ ابن نجیم ص ۱۴ الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ج ۱ ص ۲۳۳، ۵۲۰، الشرح الصغیر ج ۱ ص ۳۰۵ المجموع ج ۳ ص ۱۲۸ الاشباہ للسیوطی ص ۱۱، ۳۶، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۴۸ حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۱۴۹ المغنی ج ۱ ص ۴۶۴ غایۃ المنتہی ج ۱ ص ۱۱۵ کشاف القناع ج ۱ ص ۳۱۴ بعد کی صفحات۔ ❷ الاشباہ والنظائر۔ ابن نجیم، ص ۱۵ القوانین الفقہیہ ص ۵۰، ۶۸ مغنی المحتاج ج ۲ ص ۲۵۲، ۲۵۱۔ کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۱ ص ۲۲۵۔ ❸ متفق علیہ۔

ہے کہ بعد میں آنے والے اس کے پیچھے نیت باندھ لیں گے۔ یہ صورت حنابلہ کے ہاں جائز ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلے نیت باندھی پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت جبارۃ رضی اللہ عنہ آئے۔ ان دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نیت باندھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو نماز پڑھائی اور ان کے اس فعل پر نکیر نہیں فرمائی۔ اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز فرض تھی، کیونکہ یہ واقعہ سفر کا ہے اور یہ حضرات مسافر تھے۔ اس کے علاوہ دوسری صورت حال میں یہ درست نہیں کہ اس شخص کی اقتداء کر لی جائے جس نے امامت کی نیت نہ کی ہو۔ اور مقتدی کی اقتداء کی نیت تو یہ باتفاق فقہاء شرط ہے لہٰذا کسی امام کی اقتداء بلانیت درست نہیں اس کا مفہوم یہ ہوا کہ مقتدی تکبیر تحریمہ کے ساتھ اقتداء کی جماعت کی یا ماموميت کی نیت کرے، اگر اس نے یہ نیت چھوڑ دی یا اس میں اسے شک ہو گیا اور اس نے امام کی افعال میں متابعت کر لی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی ہاں امام کی تعیین نام لے کر کرنی ضروری نہیں اگر اس نے تعیین کی اور اس سے غلطی ہو گئی تو شوافع کے ہاں نماز باطل ہو جائے گی۔ یہ البتہ ضروری ہے کہ کسی معین امام کی وصف امامت کے ساتھ تعیین کر دی جائے، چنانچہ اگر دو نماز پڑھتے ہوئے آدمیوں کی اقتداء کی دونوں میں ایک تعیین کے بغیر تو یہ درست نہیں ہوگا جب کہ امام کو معین نہ کر دے، کیونکہ تعیین شرط ہے۔ اور ایک سے زیادہ اماموں کی اقتداء درست نہیں، اگر دو اماموں کی اقتداء کی تو یہ جائز نہیں ہوگا، کیونکہ دونوں کی اتباع ایک ساتھ ممکن نہیں شوافع کے ہاں اقتداء کی نیت کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ متصل ہو احناف تکبیر تحریمہ سے مقدم ہونے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں بشرطیکہ تکبیر تحریمہ اور اس نیت کے درمیان کوئی اجنبی چیز حائل نہ ہو۔ اور احناف اور حنابلہ کے ہاں افضل یہ ہے کہ نیت اقتداء تکبیر تحریمہ سے متصل ہوتا کہ اختلاف سے بچا جا سکے، کیونکہ اختلاف سے بچنا (خروج من الخلاف،) یا یوں کہیں اختلافی حدود سے باہر رہتے ہوئے اتفاقی حدود میں رہنا بہر حال مستحب امر ہے۔ مالکیہ نے نیت اقتداء اور تکبیر تحریمہ میں مقارنت (اتصال) یا اس کا معمولی سا پہلے ہونا لازم قرار دیا ہے جیسے کہ وہ نماز کی نیت میں یہ قرار دیتے ہیں ہم اس بحث کو پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اذان کے بارے میں مشہور قول یہ ہے کہ اس میں نیت کی ضرورت نہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ اذان میں نیت کا ہونا ضروری ہے۔

خطبہ جمعہ کے بارے میں حنفیہ اور حنابلہ نیت کا یا خطبے کے ارادے کا ہونا شرط قرار دیتے ہیں، دلیل اس کی حدیث **انما الاعمال بالنیات** ہی ہے، لہٰذا اگر خطیب بلانیت خطبہ دے دے تو ان کے ہاں وہ خطبہ نہیں ہوگا مالکیہ نیت شرط قرار نہیں دیتے ہیں جیسا کہ شوافع بھی شرط نہیں قرار دیتے، ہاں ان کے ہاں شرط یہ ہے کہ کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جو اس خطبہ کی حیثیت بدل دیتا ہو ایسی صورت میں خطبہ نہیں ہوگا جیسے کوئی چھینک آجانے کی وجہ سے الحمد للہ کہے تو یہ خطبہ کے لئے کافی نہیں ہوگا❶ (کیونکہ یہاں قرینہ موجود ہے جو اس کی حیثیت کو واضح طور پر بدل رہا ہے) شوافع سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر دونوں کے لئے تکبیر تحریمہ کے ساتھ نیت بھی شرط قرار دیتے ہیں، ہاں نمازی سجدہ تلاوت کی صرف دل سے نیت کرے زبان سے جیسا کہ سجدہ سہو میں صرف دل سے نیت ہوتی ہے زبان سے نہیں مسافر کی نماز کے بارے میں حنابلہ اور شوافع دونوں جمع تقدیم کے لئے یہ شرط قرار دیتے ہیں کہ پہلی نماز کی تکبیر وتحریم کہتے وقت جمع کی نیت کرے دلیل اس کی وہی حدیث ہے جو بار بار گذر چکی ہے، شوافع کے ہاں صحیح تر قول یہ ہے کہ پہلی نماز کے دوران ہی جمع کی نیت کر سکتا ہے خواہ سلام کے وقت کرے۔ اسی طرح یہ دونوں مذاہب یہ بھی شرط قرار دیتے ہیں کہ جمع تاخیر کی صورت میں جمع کی یا تاخیر کی نیت پہلی نماز کا وقت نکلنے سے پہلے کر لے اگر چہ وہ وقت بقدر ایک رکعت کے ہی کیوں نہ ہو❷ یعنی اتنا وقت ہو کہ اگر نماز شروع کر دی جائے تو وہ ادا نماز شمار ہو قضا نہیں یہ شوافع کے ہاں ہے اور حنابلہ کے ہاں وقت اتنا

---

❶ ...... الدرالمختار ۱ ص ۲۷۵۔۲۷۰، مراقی الفلاح ص ۸۷، کشاف القناع ج ۲ ص ۳۴ تا ۳۷، الاشباہ والنظائر۔ ابن نجیم ص ۱۵۔ ❷ جمع بین الصلاتین (دو نمازوں کو جمع کرنا) کا مطلب یہ ہے کہ دو وقت کی نمازوں کو ایک وقت میں ادا کیا جائے مثلاً ظہر اور عصر کو جمع کر کے ایک وقت میں پڑھ لیا جائے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ جمع صرف صورتاً ہو سکتی ہے یعنی کہ صورت جمع ہو حقیقت میں جمع نہ ہو اور باقی ائمہ کے ہاں سفر اور بارش وغیرہ کی وجہ سے یہ جمع درست ہے یہ جمع اگر ایسے ہو کہ بعد میں آنے والی نماز کو مقدم کر کے پہلے پڑھ لیا جائے تو یہ جمع تقدیم کہلاتی ہے اور اگر پہلی نماز کو مؤخر کر کے بعد والی نماز کے وقت میں ادا کیا جائے تو یہ جمع تاخیر کہلاتی ہے۔ اس کی تفصیلات اور شرائط وغیرہ اپنے مقام پر آئیں گی۔

ہونا ضروری ہے کہ اس میں پہلے نماز ادا کی جا سکتی ہو، اگر وقت اتنا تنگ ہو جائے کہ اتنے وقت میں نماز کی ادائیگی ممکن نہ ہو تو جمع بین الصلاتین کی نیت درست نہیں ہوگی کیونکہ نماز کو اتنا مؤخر کرنا کہ اس کی ادائیگی کے لئے وقت تنگ پڑ جائے حرام ہے، اور اس صورت میں وہ تاخیر کرنے کی بناء پر گنہگار ہوگا۔ ❶

۵.....روزے کے بارے میں شوافع کے علاوہ جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ نیت صوم شرط ہے، کیونکہ رمضان یا غیر رمضان کے روزے عبادت ہیں، اور عبادت اس فعل کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے اختیار سے خالص اللہ کے لئے اس کے حکم کی بناء پر انجام دے، اور اخلاص اور اختیار بغیر نیت کے متحقق نہیں ہوتے، لہٰذا روزوں کی ادائیگی بغیر نیت کے درست نہیں تا کہ عبادت اور عادت میں امتیاز حاصل ہو سکے۔ شوافع فرماتے ہیں جیسے روزے میں روزہ توڑ دینے والی چیزوں سے بچنا رکن ہے اسی طرح نیت بھی رکن ہے، دلیل اس کی وہی حدیث **انما الاعمال بالنیات** ہے ❷ ہاں ادا یا قضاء کی نیت کرنا شوافع کے صحیح تر قول کے مطابق نماز، حج، زکوٰۃ، کفارات، اور نماز جنازہ میں شرط نہیں، اور جمعہ تو چونکہ قضاء ہوتا ہی نہیں ہے لہٰذا قضاء سے امتیاز دینے کے لئے ادا کی نیت کی اس میں ضرورت نہیں ہے، اور روزے کے بارے میں ان کے ہاں راجح قول یہ ہے قضاء کی صورت میں نیت قضاء ضروری ہے اس قول پر تمام مذاہب کا اتفاق ہے۔

۶.....اعتکاف، جو کہ شوافع کی تعریف کے مطابق مسجد میں کسی مخصوص شخص کا نیت کے ساتھ (کچھ عرصے) قیام پذیر رہنا ہے اس کے لئے بالاتفاق نیت شرط ہے، اعتکاف خواہ واجب ہو یا سنت ہو یا نفل ہو۔ چنانچہ اعتکاف بغیر نیت کے درست نہیں ہوتا دلیل اس کی وہی حدیث ہے جو گذر چکی، دوسری بات یہ ہے کہ اعتکاف عبادت محض ہے، لہٰذا یہ بلا نیت درست نہیں ہوگی جیسے نماز روزہ دیگر عبادات بلا نیت درست نہیں ہوتی ہیں۔ شوافع اس بات کا اضافہ کرتے ہیں کہ اگر اعتکاف فرض ہو جیسے نذر کا اعتکاف تو اس میں فرض ہونے کی تعیین ضروری ہے تا کہ اسے نفل اور عام مستحب سے امتیاز دیا جا سکے۔ ❸

۷.....زکوٰۃ کے بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ نیت زکوٰۃ کے ادا کرنے کے لئے شرط ہے، دلیل اس کی حدیث انما الاعمال بالنیات ہے، اور زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ایک عمل ہے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ نماز کی طرح ایک عبادت ہے تو اس میں بھی نیت ضروری ہے تا کہ فرض اور نفل میں امتیاز ہو سکے۔ ❹

۸.....حج اور عمرے کے بارے میں احناف کی رائے یہ ہے کہ حج کا احرام باندھنا (تلبیہ وغیرہ کہنا) اس کی نیت ہے اور اس کی درستگی اور صحت کے لئے شرط ہے فرض حج ہو یا نفل ہو۔ اور عمرے کا بھی یہی حکم ہے۔ اور عمرہ ان کے ہاں سنت ہے اور نذر مانا ہوا عمرہ ان کے ہاں فرض ہے، اور اگر کسی نے نذر مانی کہ وہ حجۃ الاسلام (اسلام کا حج) کرے گا تو اس پر فقط اسلام کا حج (یعنی حج فرض) ہی لازم ہوگا جیسے کوئی قربانی کی نذر مانے تو اس پر قربانی لازم ہوتی ہے۔ ان سب میں قضا بھی نیت کے اعتبار سے ادا کی طرح ہے۔ جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ احرام یعنی افعال شروع کرنے کی نیت حج اور عمرے میں رکن ہے، لہٰذا یہ دونوں بلا نیت منعقد نہیں ہوتے۔ اور احرام بلا نیت صحیح نہیں ہوتا۔ دلیل وہی

---

❶..... المجموع ج ۴ ص ۲۵۳ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۲۷۱۔ کشاف القناع ج ۲، ص ۳، المغنی ج ۲ ص ۲۷۳۔ ❷ الدرالمختار ج ۲ ص ۱۱۶ مراقی الفلاح ص ۱۰۵ القوانین الفقھیہ ص ۱۱۳، الاشباہ لابن نجیم ص ۱۶ و ۳۵ الاشباہ للسیوطی ص ۱۲ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۲۳، ۴۳۲ المھذب ج ۱ ص ۱۷۷ المغنی ج ۳ ص ۱۳۷ کشاف القناع ج ۲ ص ۳۵۹۔ ❸ فتح القدیر ج ۲ ص ۱۰۶ الدرالمختار ج ۲ ص ۱۷۷ الاشباہ ابن نجیم ص ۱۷ القوانین الفقھیہ ص ۲۵ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۷۲۵، المھذب ج ۱ ص ۱۹۰ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۵۳ المغنی ج ۳، ص ۱۸۴ کشاف القناع ج ۲ ص ۴۰۶۔ ❹ الاشباہ ابن نجیم ص ۱۲ البدائع ج ۲ ص ۴۰ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۶۶۶ القوانین الفقھیہ ص ۹۹۔ المجموع ج ۶ ص ۱۸۲ المغنی ج ۲ ص ۶۳۸۔

حدیث ہے جو بار بار گزر چکی ہے اور حج وعمرہ محض عبادت ہیں لہٰذا بلانیت یہ درست نہیں ہوں گے جیسے روزہ اور نماز ❶ اور نیت کی جگہ جیسا کہ ہم جان چکے ہیں دل ہے۔ اور احرام کہتے ہیں۔ دل سے نیت کر لینے کو، اکثر علماء کے ہاں افضل یہ ہے کہ وہ نیت کو زبان سے بھی ادا کرے امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا **لبيك بحج وعمرة** (میں لبیک کہتا ہوں حج اور عمرے (کی نیت) کے ساتھ) جمہور کے ہاں احرام صرف نیت کر لینے سے ہو جاتا ہے ❷ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں، احناف کے ہاں مجرد نیت سے منعقد نہیں ہوتا اس کی نیت کو کسی ایسے فعل یا قول سے ملانا ضروری ہے جو احرام کی خصوصیات میں سے ہو جیسے تلبیہ یا سلے ہوئے کپڑوں کو اتار دینا۔

۹۔ قسم...... اللہ کے نام کی قسم کھانا نیت پر موقوف نہیں، یہ قسم ہر حال میں منعقد ہو جاتی ہے خواہ جان بوجھ کر ہو، بھولے سے ہو، غلطی سے ہو یا جبراً ہو اور یہی صورتحال اس چیز کے بارے میں بھی ہے جس پر اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ اس چیز کو جس کیفیت سے بھی انجام دے وہ بہر حال نتیجہ خیز ضرور ہوگا (یعنی حانث ہو جائے گا) ❸ اور قسم دلانے کے بارے میں فقہاء فرماتے ہیں دعویٰ وغیرہ میں قسم دلانے میں قسم لینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا قسم کھانے والے کی نیت کا نہیں۔ اور وعدے وغیرہ کی صورت میں قسم دلانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ قسم کھانے والے کا اعتبار ہوگا اور بعض کی رائے ہے کہ قسم لینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ نیت کا اعتبار قسم لینے والے کا ہوگا اور قسم کھانے والے کی نیت قابل قبول نہیں ہوگی۔ کیونکہ خصم نے گویا یہ قسم فریق ثانی سے اس کے حق کے بدلے میں قبول کی ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: **اليمين على نية المستحلف** (قسم، قسم لینے والے کی نیت کے اعتبار سے ہوگی) اور ایک روایت میں ہے **يمينك على مايصدقك به صاحبك** (تمہاری قسم وہ ہے جس کی تصدیق تمہارا ساتھی کرے) ❹ احناف کے ہاں راجح یہ ہے کہ قسم میں اعتبار قسم لینے والے کا ہے ماسوا اس کے قسم طلاق یا عتاق کی ہو یا ان ہی طرح کی جیسی چیزوں کی ہو اس صورت میں قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا بشرطیکہ ظاہری صورتحال کے برخلاف اس کی نیت نہ ہو۔ خواہ قسم کھانے والا حق پر ہو یا ناحق ہو۔ اسی طرح اگر قسم اللہ کی نام کی کھائی جائے اور قسم کھانے والا مظلوم (حق پر) ہو تو بھی قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا، اور ظالم (ناحق) سے مراد ہے وہ شخص جو جھوٹی قسم کھا کر دوسرے کا حق مارنا چاہتا ہو۔ ❺

اور حنابلہ، ایک روایت امام ابوحنیفہ سے بھی ایسی ہی ہے فرماتے ہیں قسم کھانے والا اگر قسم میں تاویل سے کام لے یعنی ظاہر کے برخلاف کسی بات کا ارادہ کرے تو مظلوم ہونے کی صورت میں ایسا کرنا درست ہے اور ظالم (ناحق) ہونے کی صورت میں یہ باطل تاویل اس کے حق میں نہیں جائے گی۔ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ مذہب حنفی میں فتویٰ اس بات پر ہے کہ قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہے اگر وہ مظلوم ہو نہ کہ ظالم لیکن شرط یہ ہے کہ قسم اللہ تعالیٰ کی ہو۔ اور اگر طلاق یا عتاق وغیرہ کی قسم ہو تو قسم کھانے والے کی نیت کا مطلقاً اعتبار نہیں ہوگا جیسا کہ یہ

---

❶ الاشباہ لابن نجیم ص ۲۱ البدائع ج ۲ص ۱۶۱ فتح القدیر ج ۲ص ۱۳۴ الشرح الصغیر ج ۲ص ۲۵،۱۲ القوانین الفقہیہ ۱۳۱ مغنی المحتاج ص ۲۔۔۔ المجموع ج۷ ص ۲۲۲ کفایۃ المنتہی ج ۱ص ۳۶۵ المغنی ج۳،ص ۲۹۱،۲۱۱ ❷ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اردو میں احرام کا اطلاق ان دو چادروں پر ہوتا ہے جو حاجی عمرہ کرنے والا دوران حج یا عمرہ اپنے جسم پر باندھتا ہے۔ فقہی اصطلاح میں احرام کا مفہوم ہے حج یا عمرہ کی نیت کرتے ہوئے دوران حج ممنوع چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لینا یعنی فقہی مفہوم میں مصنف احرام کا اطلاق کرتے رہے ہیں دو چادروں پر اطلاق نہیں ہے۔ مترجم ❸ الاشباہ والنظائر۔ لابن نجیم ص ۱۹ ❹ بدایۃ المجتہد ج ۱ص ۴۰۳ البدائع ج ۳ص ۲۰ الاشباہ۔ ابن نجیم ص ۲۰۔۵۵، مغنی المحتاج ج ۴ص ۳۲۱، المغنی ج ۸ص ۷۲۷، ۷۶۳ شرح الکبیر مع الدسوقی ج ۲ص ۱۳۹ القوانین الفقہیہ ص ۱۶۲ ❺ یہ دونوں روایتیں مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہیں، اور امام احمد ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے دوسری روایت نقل کی ہے۔ (جامع الاصول ج ۱۲ص ۳۰۷)

بات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔شوافع کے ہاں یہ راجح ہے کہ قسم میں اعتبار قسم کھانے والے کی نیت کا ہے، کیونکہ قسم سے مقصود وہ معانی ہوتے ہیں جو کہ اصل مراد ہوں نہ کہ ظاہر لفظ۔

پھر فقہاء کا قسم کے بیان میں لفظ "محلوف علیہ" سے مقصود امر کی تفسیر میں اختلاف ہے، کہ قسموں کا اعتبار نیت پر ہوگا یا عرف پر یا صیغہ (لفظ) پر ہوگا❶ احناف کی رائے یہ ہے کہ قسم عرف وعادت پر مبنی ہوئی ہیں مقاصد اور نیتوں پر نہیں، کیونکہ قسم کھانے والے کا مقصود وہ چیز ہوتی ہے جو اس کے پیش نظر ہوتی ہے اور اس کے نزدیک متعارف ہوتی ہے، لہٰذا بات اس کی غرض تک محدود رہے گی۔ یہ احناف کے ہاں اکثر ہوتا ہے، کبھی کبھی ان کے ہاں قسموں کا مدار الفاظ پر بھی ہوتا ہے اغراض ومقاصد پر نہیں۔ چنانچہ مثلاً اگر کوئی کسی شخص سے ناراض ہوجائے اور قسم کھالے کہ وہ اس کے لئے ایک پیسے کی چیز نہیں خریدے گا پھر اس کے لئے سو روپے کی کوئی چیز خرید لے تو وہ حانث نہیں ہوگا، اور اگر وہ قسم کھالے کہ میں اس کو دس درہم میں تو فلاں چیز نہیں دوں گا پھر وہ اسے گیارہ یا نو درہم میں دیدے تو حانث نہیں ہوگا باوجود اس کے کہ دس میں نہ بیچنے سے مقصود یہ ہے کہ زیادہ میں بیچے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں مشہور قول یہ ہے کہ وہ قسمیں جن کے مطابق قسم کھانے والے کے خلاف عدالتی فیصلہ نہ کیا جاتا ہو (یعنی وہ قسمیں جن کے بارے میں کوئی عدالتی کاروائی نہ ہوتی ہو بلکہ وہ ایسے معاملے کے متعلق ہوں جو بندے اور اللہ کے درمیان ہوتا ہے یا انسان کی اپنی ذات سے متعلق کام ہوتا ہے، ہاں وہ امور جو ایک انسان کو دوسرے سے پیش آتے ہیں تو یہ وہ امور ہوتے ہیں جن میں قسم کھانے والے پر عدالتی فیصلہ نافذ ہوتا ہے) اور نذر ان دونوں میں اعتبار ہے نیت کا یعنی قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا دعوے وغیرہ کے علاوہ امور میں (یعنی دیوانی اور فوجداری کے معاملات میں) ان دعوے وغیرہ جیسے امور میں قسم لینے والے (کھلانے والے) کی نیت کا اعتبار ہوگا اگر قسم کھلانے والے کی نیت نہ ہو تو قرینہ حال وہ بھی نہ ہو تو عرف میں قسم کھانے سے مراد لیتے ہیں، اور اگر عرف لفظ بھی نہ ہو تو جو لغت سے سمجھ آئے وہی مراد ہوگا۔ اور وہ قسمیں جن کے کھانے والے پر ان کا نتیجہ بطور فیصلہ عدالت نافذ ہوتا ہے تو استفتاء (فتویٰ پوچھے جانے) کی صورت میں ان ضوابط کا بالترتیب لحاظ رکھنا ضروری ہے جو اوپر بیان ہو چکے ہیں (یعنی پہلے نیت پھر قرینہ حال پھر عرف لفظ پھر دلالت لغت) اور اگر ان قسموں میں استفتاء کے بجائے عدالتی کاروائی کا معاملہ ہو تو اس صورت میں صرف لفظ کا لحاظ ہوگا اوپر بیان کردہ ترتیب کا نہیں ہاں اگر اس کے دعویٰ نیت کا کوئی قرینہ یا عرف مؤید ہو تو اسکی بات تسلیم کرلی جائے گی۔ شوافع فرماتے ہیں کہ قسموں کا دارومدار حقیقت لغوی پر ہوتا ہے یعنی باعتبار لفظی صیغے کے ان کا حکم ہوتا ہے، کیونکہ اصل حقیقت اس بات کی زیادہ حق دار ہوتی ہے کہ اس کا ارادہ وقصد کیا جائے ہاں اگر کوئی نیت اس نے کی ہو تو اس نیت کا اعتبار ہوگا، چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ رؤوس (سری) نہیں کھائے گا پھر اس نے مچھلی کا سر کھایا تو جو حضرات عرف کا لحاظ رکھتے ہیں جیسے احناف تو ان کے ہاں وہ حانث نہیں ہوگا اور جو حضرات لغت کا اعتبار کرتے ہیں ان کے ہاں حانث ہوجائے گا اسی طرح ان کے ہاں وہ شخص جو قسم کھائے کہ وہ لحم (گوشت) نہیں کھائے گا پھر وہ شحم (گوشت پر چڑھی ہوئی چربی) کھالے تو وہ حانث ہوجائے گا کیونکہ لفظ کی دلالت اسی طرح ہے۔ اور شوافع کے علاوہ حضرات فرماتے ہیں کہ وہ حانث نہیں ہوگا۔

حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ ایمان (قسموں) میں قسم کھانے والے کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا اگر اس نے کسی ایسی چیز کی نیت کی جس کا وہ لفظ احتمال رکھتا ہو تو قسم اسی معنی میں شمار ہوگی، خواہ اس کی نیت کردہ چیز ظاہر لفظ کے موافق ہو یا مخالف ہو، کیونکہ حدیث میں انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی۔ اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی تو قسم کے سبب اور قسم پر ابھارنے اور آمادہ کرنے والے امور کو نیت معلوم کرنے کے لئے پیش نظر رکھا جائے گا۔ چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی کو اس گھر میں نہیں لائے گا اور اس کی قسم کا سبب گھر سے متعلق کسی بات پر غصہ ہو مثلاً یہ کہ اسے وہاں تکلیف پہنچتی ہو یا کسی کا زیر احسان ہوتا ہو تو اس صورت میں قسم صرف اس گھر کے

❶......الاشباہ۔ ابن نجیم، ص ۵۷ الاشباہ للسیوطی ص ۴۰، رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۲۹۲ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۳۹۸، الاعتصام للشاطبی ج ۲ ص ۱۴۱، مغنی المحتاج ج ۴ ص ۳۳۵، المغنی ج ۸، ص ۷۶۳۔

ساتھ خاص ہوگی، اور اگر قسم کا سبب وہ غصہ ہو جو اسے عورت کی وجہ سے ہو کہ اس نے کوئی قابل ایذاء حرکت کی ہو گھر کا اس معاملے سے کوئی واسطہ نہ ہوتو قسم کا تعلق عورت سے ہوگا کہ وہ اسے کسی بھی گھر میں ٹھہرائے وہ حانث ہو جائے گا۔

عدالت کے سامنے قسم: میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ عدالت کے سامنے قسم کھانے میں اعتبار اس قاضی کی نیت کا ہوگا جو قسم لے رہا ہو کیونکہ امام مسلم کی حضرت ابو ہریرۃ سے روایت کردہ حدیث میں ہے الیمین علی نیۃ المستحلف (قسم قسم لینے والے کی نیت کے اعتبار سے ہوگی) اور اس حدیث کو حاکم وقت کے بارے میں قرار دیا گیا ہے کیونکہ حاکم وقت ہی وہ ہوتا ہے جو ولایت استحلاف (قسم لینے کی قدرت وطاقت) رکھتا ہے، لہٰذا اگر اس صورت میں قسم کھانے والے کی نیت کو تسلیم کر لیا جائے تو قسم کا فائدہ باطل ہو جائے گا اور حقوق کا ضیاع لازم آئے گا، کیونکہ پھر تو ہر ایک اپنے مقصد کی نیت سے قسم کھائے گا۔ چنانچہ اگر قسم کھانے والا توریہ کرلے یعنی قاضی کی قسم دلانے پر ظاہر لفظ کے بجائے کوئی اور معنی دل میں سوچ لے یا تاویل کر لے یعنی قاضی کی نیت کے برخلاف سوچ لے یا کوئی استثناء کردے مثلاً قسم کھانے کے بعد انشاء اللہ کہہ دے یا لفظ کے ساتھ کوئی شرط بڑھا دے مثلاً یوں کہہ دے اگر میں گھر میں داخل ہوا یا کچھ اور اور یہ کہے اس طرح کہ قاضی اس کی اس استثناء یا شرط کو سن نہ سکے تو اس حرکت سے وہ شخص جھوٹی قسم کے گناہ سے بری الذمہ نہیں ہوگا، وہ گناہ گار ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر ہم اس صورت میں اسے گناہ گار قرار نہیں دیتے تو قسم کا مقصود ضائع ہو جاتا ہے، اور مقصود یہ ہے کہ قسم کھانے سے انسان گھبرائے اور غلط قسموں سے بچنے کی کوشش کرے۔ شوافع اور حنابلہ نے قسم کے قسم دلانے والے کی نیت کے اعتبار سے ہونے کے لیے شرطیں رکھی ہیں ❶ یہ کہ قاضی اسے طلاق یا عتاق کی قسم نہ دے ❷ یہ کہ قاضی قسم طلب کرنے میں ظلم و ناانصافی نہ برت رہا ہو۔

قسم میں توریہ کرنا۔ قسم کھانے والے شخص کے لئے اس قسم میں توریہ کر لینے کی اجازت ہے جو عدالتی معاملات میں نہ ہو اور جسے وہ اپنے اختیار سے کھا رہا ہو یا دوسرا شخص اس سے قسم لے رہا ہو لیکن وہ قسم اس پر لازم نہ ہوتی ہو اور توریہ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ایسے معنی مراد لے جو لفظ سے فوراً سمجھ نہیں آتے ہوں یا وہ اس میں ظاہر کے خلاف کسی بات کی نیت کر لے دلیل اس کی حدیث انما الاعمال بالنیات ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ بغیر قسم لئے جانے کے قسم کھانے والا اور وہ شخص جس کی قسم سے کسی کا حق وابستہ نہ ہو رہا ہو اس کی قسم کے بارے میں اس کی نیت قبول کی جائے گی اور اس کی بات تسلیم کی جائے گی اس بنیاد پر علامہ سیوطی نے تین قواعد ذکر کئے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱.....لفظ سے مقصود وہی ہوگا جو لفظ بولنے والا نیت کرے سوائے ایک جگہ کے وہ ہے قاضی کے سامنے قسم کھانے کا موقع کہ اس صورت میں قسم قاضی کی نیت کے اعتبار سے ہوگی بولنے والی کی نیت کے اعتبار سے نہیں۔

۲.....نیت مشروط کی طرح شمار کی جائے گی ایک مسئلے میں، اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو نماز کے بعد یہ شک ہوا کہ اس نے نماز پڑھی نہیں ہے بلکہ چھوڑ دی ہے یا طہارت کے چھوڑ دینے کے بارے میں شک ہوا تو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہوگا بخلاف اس کے کہ اگر کسی کو کسی رکن کے چھوڑ دینے کے بارے میں شک ہوا تو اعادہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ ارکان میں شک کثرت سے واقع ہوتا ہے بخلاف مشروط کے کہ ان میں شک بہت کم واقع ہوتا ہے، ہاں اگر کوئی روزے دار شخص دن گذر جانے (سورج غروب ہو جانے) کے بعد شک کرے تو یہ شک بے اثر ہوگا۔

۳.....قسم میں نیت عمومی معنی والے لفظ کو خصوصیت دے دیتی ہے لیکن خصوصیت والے معنی کو عمومیت نہیں دیتی پہلے کی مثال اگر کوئی قسم کھائے کہ بخدا میں کسی سے بات نہیں کرونگا اور نیت زید کی کرے تو یہ درست ہے اور دوسرے کی مثال جیسے کوئی شخص کسی کو پانی دیتے ہوئے احسان جتائے تو وہ شخص قسم کھالے کہ بخدا میں پیاس کی وجہ سے یہ پانی نہیں پیوں گا تو قسم صرف پیاس کی وجہ سے پانی پینے پر ہوگی ویسے ہی کھالینے یا پی لینے سے وہ شخص حانث نہیں ہوگا۔ وجہ اس اصول کی یہ ہے کہ نیت جب مؤثر ہوتی ہے کہ جب لفظ اس بات کا جس کی اس نے

❶..... مغنی المحتاج، ج ۴ ص ۴۷۵، کشاف القناع ج ۶، ص ۲۴۲۔ ❷ الاشباہ والنظائر للسیوطی ص ۴۰۔

نیت کی ہے احتمال اس جہت سے رکھتا ہو جو اس شخص کے لئے جائز ہو۔علامہ ابن نجیم اس قاعدے کے بارے میں فرماتے ہیں❶ کہ عام چیز کی تخصیص دیانۃ درست ہے قضاءً نہیں برخلاف امام خصاف کے کہ ان کے ہاں قضاءً بھی درست ہے، چنانچہ اگر کسی نے کہا ہر وہ عورت جس سے میں شادی کروں اسے طلاق ہے پھر وہ بولے کہ میری نیت تھی کہ فلاں ملک یا شہر کی عورتیں تو ظاہر مذہب کے مطابق یہ بات درست نہ ہو گی یہ خلاف خصاف کے اور میں سمجھتا ہوں کہ امام خصاف کے قول کو اس صورت میں اختیار کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں جب ایسی بات کہنے والا شخص ظالموں کے چنگل میں گرفتار ہو جائے اور جب اس کو کوئی ظالم شخص حلف طلاق دلوائے تو وہ عام کی تخصیص کی نیت سے قسم کھا لے۔اور کسی خاص کو نیت سے عام کر لینا تو یہ بات اب تک میری نظر سے نہیں گذری۔

۱۰۔قربانی.....قربانی بلا نیت درست نہیں، کیونکہ جانور کو کبھی صرف گوشت کے لئے ذبح کیا جاتا ہے اور کبھی حصول نیکی کے لئے ذبح کیا جاتا ہے، اور کوئی فعل بدون نیت کے نیکی نہیں بن سکتا ہے۔دلیل اس کی وہی حدیث ہے جو بار بار گذر چکی ہے **انما الاعمال بالنیات**۔ علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے عمل جو کہ نیکی ہے لہٰذا قربانی نیت کے بغیر متعین نہیں ہوگی اور ذبح کرنے سے اضحیہ متعین ہو جاتا ہے باتفاق علماء اور نذر سے بھی ہو جاتا ہے اگر وہ اسے نذر کے لئے متعین کر دے باتفاق علماء، اور امام ابوحنیفہ کے ہاں اضحیہ (قربانی) کی نیت سے خریدنے سے بھی جانور متعین ہو جاتا ہے شوافع اور حنابلہ نے شرط قرار دیا ہے کہ نیت جانور کو ذبح کرتے وقت ہو، کیونکہ ذبح کرنا بھی فی نفسہ نیکی ہے، اور یہ بھی کافی ہے کہ انسان دل میں نیت کر لے زبان سے نیت کا تلفظ ضروری نہیں ہے کیونکہ نیت تو دل کا فعل ہے اور زبان سے تلفظ اس کی دلیل ہے❷ مذہب مالکیہ میں پائے جانے والے اختلاف کے مطابق اضحیہ یا تو ذبح سے متعین ہوتا ہے یا ذبح سے کچھ دیر قبل کی جانے والی نیت سے اور مذہب مالکی میں معتمد اور مشہور قول یہ ہے کہ اضحیہ صرف ذبح سے ہی واجب ہوتا ہے نذر سے واجب نہیں ہوتا۔❸

۱۱۔شکار کرنا.....صید (شکار کرنا) کی تعریف یہ ہے کہ کسی مباح اور کسی کی بھی ملکیت میں نہ ہونے والی چیز کو قبضے میں لینا اس پر ہاتھ رکھنا۔اور یہ یا تو اس طرح ہوتا ہے کہ عملی طور پر انسان شکار پر قابض ہو کہ اسے پکڑ لے یا حکمی طور پر قابض ہو اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسا کام کرے جس سے شکار پرندہ جانور اور مچھلی وغیرہ بھاگ نہ سکے جیسے مچھلیوں کے لئے حوض بنا لینا جس میں آ کر وہ باہر نہ نکل سکیں یا جال ڈال دینا یا تربیت یافتہ شکاری جیسے کتے، چیتے اور ہوائی پرندے جن کو سدھا لیا گیا ہو۔ان سے کیا جانے والا شکار قبضہ حکمی کے تحت ہوتا ہے۔قبضہ حکمی نہ کہ قبضہ حقیقی کے لئے شرط ہے کہ انسان مالک بن جانے کا قصد کرے اور یہ **الامور بمقاصدھا** کے اصول پر عمل درآمد کے طور پر ہوگا لہٰذا اگر کسی نے جال نصب کیا اور اس میں شکار پھنس گیا تو اگر جال پھیلانے کا مقصد شکار پکڑنے کے بجائے اس کا سکھانا وغیرہ تھا تو وہ شکار اس کا ہوگا جو اسے پہلے پکڑ لے، کیونکہ جال لگانے والے کا مقصود شکار پکڑنا نہیں تھا، اور اگر اس نے جال شکار کی غرض سے لگایا ہو تو جو بھی شکار اس میں پھنسے وہ اس کی ملکیت ہوگا کوئی دوسرا اگر اسے لے تو وہ غاصب ہوگا اور اگر کسی پرندے نے کسی شخص کی زمین میں انڈا دیا تو جو اس کو اٹھا لے انڈا اسی کا ہوگا ماسوا اس کے کہ زمین والے نے زمین پر اس مقصد کے تحت کوئی انتظام کیا ہو کہ پرندہ وہاں آ کر انڈہ دے تو اس صورت میں انڈا اس شخص کا ہوگا اور اگر کسی گھر میں کوئی پرندہ گھس آیا اور گھر والے نے اس کو پکڑنے کے لئے گھر کا دروازہ بند کر دیا تو وہ اس کا مالک بن جائے گا اور اگر اس نے ویسے اتفاقاً بند کیا تو وہ مالک نہیں بنے گا، اور اسی طرح اگر کوئی پرندہ کسی گڑھے یا مٹکے میں گر گیا تو اس کے مالک بننے کا مدار اس پر ہے کہ اس نے شکار کی نیت کی ہو ورنہ اس کا مالک وہ ہوگا جو پہلے اسے اٹھا لے یا پکڑ لے۔❹

۱۲۔تلاوت قرآن.....قرآن کریم کی آیت سے ارادے اور قصد سے اس کی حیثیت قرآنی ختم کی جا سکتی ہے، چنانچہ جنبی اور حائضہ

❶..... الاشباه والنظائر. ابن نجيم ص ۱۸، ۵۲.❷البدائع ج ۵ ص ۷۱، القوانين الفقهيه ص ۱۸۷ مغنى المحتاج ج ۴ ص ۲۸۹ كشاف القناع ج ۳ ص ۲.❸ القوانين الفقهيه ص.۱۸۷، ۱۸۹، مطبعه النهضه. فاس.❹ البدائع ج ۶، ص ۱۹۳

کے لئے ذکر کی نیت سے قرآن کی وہ آیت جس میں ذکر ہو پڑھنا درست ہے اسی طرح دعائیہ آیتوں کو بھی بقصد دعا پڑھنا جائز ہے۔❶

۱۰.....نیت سے متعلق دسویں بحث

نیت کی عقود اور معاملات میں حیثیت، غیر مشروع نیت یا باعث کی عقود پر اثر اندازی کا دائرہ کار کی حدود۔

فقہاء کرام کے سبب (اصطلاحی سبب نہیں معروف معنوں میں بولا جانے والا سبب) کے بارے میں دو نظریئے ہیں، ایک نظریہ تو موضوعیت کی نظر یا بالفاظ دیگر ظاہری ارادے کو غالب رکھتا ہے اور دوسرا نظریہ وہ ہے جو نیتوں ذاتی اسباب اور پوشیدہ ارادے کو فوقیت دیتا ہے (اس پر مزید گفتگو انشاء اللہ عنقریب آئے گی) پہلا نظریہ تو مذہب حنفی اور شافعی کا ہے❷ یہ حضرات عقود میں ظاہری ارادے پر دار و مدار رکھتے ہیں پوشیدہ ارادے پر نہیں دوسرے لفظوں میں معاملات کے استقرار و دوام کے اصول کی حفاظت کے پیش نظر یہ حضرات سبب یا باعث کے نظریے کو نہیں لیتے ہیں اس پر دار و مدار نہیں رکھتے ہیں، کیونکہ ان کی فقہ اصول پسندی کے رجحان والی ہے جیسے فقہ جرمانی۔ جب کہ سبب اور باعث جو کہ لوگوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے خود بھی مختلف ہوتے ہیں، ایک ذاتی اور داخلی چیز ہیں جو معاملات میں تشویش پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ سبب اور باعث کا براہ راست عقود پر کوئی اثر نہیں ہوتا ماسوا اس کے کہ ہونے والے عقد کے الفاظ میں ہی کوئی تصریح کر دی گئی ہو جیسے گانے بجانے، نوحہ خوانی کرنے اور لہو و لعب وغیرہ کے لئے کرایہ داری کا معاملہ کرنا، تو یہ سب خالصتاً گناہ کے کام ہیں اور عقد میں ان کا نام لے کر تصریح کئے جانے کے سبب عقد متاثر ہوگا، لیکن اگر اصل عقد میں کوئی ایسی تصریح نہ ہو اس طرح کہ ظاہری ارادہ کسی غیر مشروع سبب یا باعث کو اپنے ضمن میں نہ لیا ہوا ہو تو وہ عقد صحیح ہوگا کیونکہ یہ عقد تمام اساسی ارکان جیسے ایجاب، قبول، اور محل عقد کا حکم کے لئے اہل ہونا یہ سب اساسی ارکان چونکہ پائے جا رہے ہیں اس لئے عقد صحیح ہوگا، دوسری وجہ یہ ہے کہ جس چیز پر عقد ہو رہا ہے اس سے معصیت کا کام لیا جانا ضروری نہیں ہے یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے معصیت کا کوئی کام نہ لیا جائے اور (چونکہ یہ حضرات احناف وشوافع دار و مدار ظاہر پر رکھتے ہیں لہٰذا) عقود کے باطل کرنے میں سبب یا باعث کا کوئی اثر و کردار نہیں ہوگا، مفہوم یہ ہے کہ ظاہری ارکان وغیرہ کی بنیاد پر عقد صحیح ہوگا کیونکہ عقد کے ارکان اور شرائط پوری ہیں نیت اور غیر مشروع قصد سے بحث کئے بغیر، لیکن یہ مکروہ اور حرام ہوگا کیونکہ نیت غیر مشروع ہے۔ اور اسی اصول کے پیش نظر احناف اور شوافع ان مندرجہ ذیل عقود کی ظاہر میں صحت کے قائل ہیں تاہم ان میں کراہت تحریمی یا شوافع کے مطابق حرمت پائی جائے گی کیونکہ حدیث میں ان کی ممانعت آئی ہے۔

ا۔ بیع عینہ.......ہ (یعنی وہ بیع جو صورتاً بیع ہو اور اسے سود کا ذریعہ بنا لیا جائے) جیسے کچھ سامان ادھار فروخت کیا سو درہم کے بدلے ایک معین مدت پر اس کے پیسے ملنے کے وعدے پر، پھر خریدار سے فی الفور ایک بیس درہم میں دوبارہ خرید لیا تو دونوں کے بیچ کا فرق سود ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس اصول کہ عقد میں غیر مشروع نیت کو نہیں دیکھا جائے گا، سے استثناء کرتے ہوئے اس عقد کو اس صورت میں فاسد قرار دیتے ہیں جب کہ دونوں فریقین کے درمیان کسی تیسرے شخص کا واسطہ نہ ہو جو قرض خواہ مالک اور مقروض خریدار کے درمیان آیا ہو۔ اور فاسد قرار دینے کی بنیاد ایک اور چیز ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلی بیع ثمن کے قبضے میں نہ ہونے کی وجہ سے مکمل نہیں ہوئی، اور ایک اور وجہ یہ ہے کہ دوبارہ خریدار سے خریدنا ایسی منقول چیز کی بیع ہے جو قبضے میں نہیں آئی ہے اور قبضے سے باہر چیز کی فروخت شرعاً بیع فاسد کے زمرے میں آتی ہے۔

---

❶..... الاشباہ والنظائر ص ۲۰ (ابن نجیم) ❷مختصر الطحاوی ص ۲۸۰ تکملہ فتح القدیر ج ۸ ص ۱۲۷ البدائع ج ۴ ص ۱۸۹ تبیین الحقائق ج ۲ ص ۱۲۵۔

۲۔ شراب کشیدہ کرنے والے کے ہاتھ انگور کی فروخت..... یعنی جس کو وہ انگور فروش جانتا ہو کہ وہ اس کی شراب بنا لے گا یا اس کا غالب گمان اس کے بارے میں یہ ہو اور اگر صرف شک ہو کہ وہ شراب بنائے گا یا محض وہم ہو تو بیع صرف مکروہ ہوگی، حرام یا فاسد نہیں۔

۳۔ اندرونی خلفشار اور فتنئہ فساد کے وقت اسلحے کی فروخت..... یا اس شخص کے ہاتھ فروخت جو مسلمانوں سے لڑے یا جنگجو ڈاکوؤں کے ہاتھ اسلحے کی فروخت اور اسی کے ہم مثل مسئلہ ہے سامان جوا بازی فروخت کرنے کا اور گھر کو بدکاری یا جوے بازی کے لئے کرائے پر دینا، اور لکڑی اس شخص کو فروخت کرنا جو اس سے لہو ولعب کے آلات بنائے اور شرابی تک شراب پہنچانے کا کرایہ داری کا معاملہ کرنا اور اس سے مشابہ دیگر مسائل۔

۴۔ حلالہ کرنے والے کی شادی..... محلل (حلال کرنے والا) وہ شخص ہوتا ہے جو اس عورت سے شادی کرے جسے طلاق بائن ہو چکی ہو یعنی بینونت کبریٰ جس کے باعث وہ اپنے شوہر پر حرام ہو چکی ہو، اور شادی کا مقصد اس عورت کے ساتھ ایک رات ہمبستر ہونے بعد اسے طلاق دے کر پہلے شوہر کے لئے حلال کرنا ہوتا کہ پہلا شوہر اس سے دوبارہ شادی کر سکے، یہ عقد بظاہر صحیح ہوتا ہے قرآن کی اس آیت فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (اور اگر وہ اسے طلاق دیدے تو وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ دوسرے شخص سے شادی نہ کر لے۔ البقرہ آیت ۲۳۰) کی روشنی میں، یہ بات مدنظر رہے کہ اس عقد نکاح میں اس غرض کی تصریح نہیں ہوتی ہے ان میں آپس میں یہ بات خفیہ طور پر پس پردہ طے ہوتی ہے عقد کی تکمیل سے پہلے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس رجحان اور نقطہ نظر کے علم بردار حضرات سبب یا باعث کو مدار حکم نہیں بناتے ہیں ماسوا اس صورت کے کہ وہ عقد کے صیغے (الفاظ) میں ہو اور ارادے سے تعبیر اس سبب کو متضمن ہو خواہ ضمناً (یعنی ارادے کے اظہار سے یہ سبب جو مانع وغیرہ وہ سمجھ آتا ہو خواہ ضمناً سہی) اور صیغہ عقد (عقد کے الفاظ) ایسے سبب کو متضمن نہ ہوں تو عقد کی حیثیت پر فرق نہیں پڑتا۔

دوسرا نقطہ نظر اور نظریہ مالکیہ، حنابلہ، ظاہریہ اور اہل تشیع کا ہے۔ ❶

یہ حضرات مقصد، نیت اور باعث کو پیش نظر رکھتے ہیں، چنانچہ یہ ایسے تصرف کو باطل قرار دیتے ہیں جو کسی غیر مشروع سبب یا نیت پر مبنی ہو لیکن شرط اس کی یہ ہے کہ فریقین میں سے دوسرا اس غیر مشروع سبب سے واقف ہو، یا اس کے لئے حالات اور قرائن کی مدد سے غلط اور ناجائز مقصد سے واقف ہونا ممکن ہو۔ جیسے دشمن کا مسلمان لشکر کے سپہ سالار کو ہدیہ بھیجنا اور حکام اور سرکاری عہدیداروں کو تحفہ تحائف دینا کیونکہ اس سے مقصود رشوت دینا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ تحفہ وتحائف حکومت وقت کی ملکیت ہوں گے اس طرح اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو مہر اس لئے معاف کرتے ہوئے ہبہ کر دیتی ہے کہ وہ شخص اس کو طلاق نہ دے بیوی ہی رہنے دے تو اگر شوہر بعد میں طلاق دیدیتا ہے تو بیوی کو وہ مہر واپس لینے کا حق ہوگا جو اس نے اس غرض سے دیا تھا کہ اس کا شوہر اسے طلاق نہ دے بلکہ بیوی کی حیثیت سے اس کا تعلق برقرار رکھے۔ ❷

یہ نظریہ اور نقطہ نظر تقریباً نظریہ سبب یا پوشیدہ ارادے کو مؤثر ماننے والے مسلک کو لیتے ہے جو لاطینی فقہ میں پایا جاتا ہے (یعنی اس نظریے کے حامل افراد کے مذہب میں تقریباً وہی رجحان اور طرز فکر پایا جاتا ہے جو فقہ لاطینی میں رہا ہے) اور اس نظریے کا سبب اخلاقی، ادبی اور دینی عوامل کا لحاظ رکھتا ہے (کہ ان کو لحاظ میں رکھے بغیر محض ظاہری اور سرسری اشیاء پر معاملات کی صحت وفساد نہیں رکھی جا سکتی ہے) لہٰذا اگر باعث (سبب) مشروع ہو تو عقد صحیح ہوگا اور اگر غیر مشروع ہو تو عقد باطل اور حرام ہوگا کیونکہ اس میں اثم وعدوان (گناہ وسرکشی) پر

---

❶..... مالکیہ کی کتب میں سے ملاحظہ کیجئے: بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۴۰ مواہب الجلیل ج ۴ ص ۴۰۴ الموافقات ج ۲ ص ۲۶۱، الفروق ج ۳ ص ۲۶۶، اور حنابلہ کے لئے ملاحظہ کیجئے المغنی ج ۴ ص ۲۲۲۔ ۲۲۲، اعلام الموقعین ج ۳ ص ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۲۱، ۱۳۱، ۱۴۸، غایۃ المنتہی ج ۲ ص ۱۸، ظاہریہ کے لئے: المحلی ج ۹ ص ۳۶، شیعہ جعفریہ کے لئے المختصر النافع فی فقہ الامامیہ ص ۱۴۰ شیعہ زیدیہ کے لئے المنتزع المختار ج ۳ ص ۱۹ اور بعد کے صفحے۔ ❷ القواعد لابن رجب ص ۳۲۲۔

اصرار پایا جاتا ہے۔ اور اسی بناء مالکیہ اور ان کے موافقین حضرات ان عقود ومعاملات کے بطلان کا نظریہ رکھتے ہیں جو اوپر بیان ہوئے اور مالکیہ اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے یہ قرار دیتے ہیں کہ کنیسہ بنانے کی غرض سے خریدنے والے کو زمین کی فروخت جائز نہیں، اسی طرح لکڑی فروخت کرنا اس کو جو صلیب بنائے یا غلام خریدنا تا کہ وہ گانے بجانے کا کام کرے یا ایسی کاپیوں اور کتابوں کو کرایہ پر لینا جن میں مثلاً نوح علیہ السلام کے فرامین وعبارتیں ہو اور ریشم کو ایسے شخص کے ہاتھ

فروخت کرنا جو اسے پہنے حرام ہے ❶ (یہ سب امور غیر مشروع) باعث کے پائے جانے کے سبب حرام ہیں اور پہلے بیان شدہ مسائل میں سے شراب کشیدہ کرنے والے کو انگور فروخت کرنا ناجائز ہونے دشمنوں کو اسلحہ فروخت کرنے کے عدم جواز اور اس جیسے دیگر مسائل کی وجہ یہ ہے کہ ان میں اعانت علی الحرام ہے یا ایسی چیز پر عقد ہو رہا ہے جو معصیت خداوندی کا سبب بنتی ہے لہٰذا یہ عقود درست نہیں ہوں گے۔ اور محلل (حلالہ کرنے والے) کا نکاح حلال نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ یہ نکاح کے بلند اور عالی مقام مقاصد کے منافی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ عقد ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے اور اس کا مقصود ایک خاندان کی تشکیل ہوتی ہے تا کہ نئی نسل پیدا ہو اور وہ اچھی عمدہ اور مطمئن صورتحال میں پلے بڑھے، اور یہ نکاح ایسی مطلقہ عورت کو پہلے شوہر کے لئے حلال کرنے کی غرض سے کیا گیا ہے اور یہ ایسی وقتی حالت کے لئے ہے جو کہ پریشان کن ہے تو یہ ایسی چیز کے حلال کرنے کا حیلہ ہے جو ہمیشہ کے لئے حرام ہو چکی ہے لہٰذا یہ ایک غیر مشروع قصد ہے۔ بیع عینہ اور بیع اجل کے فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بیع کو سودی معاملات کا حیلہ بنالیا جاتا ہے حقیقی مقصد خرید فروخت نہیں ہوتا ہے لہٰذا یہ شرعاً حرام عقد کا وسیلہ بنتا ہے اور ان ذرائع کی روک تھام کے قانون کی زد میں آتا ہے جو حرام تک لے جانے کے سبب بنتے ہیں اور اس بناء پر حرام ہوتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ نظریہ مقاصد اور نیتوں کو پیش نظر رکھتا ہے خواہ وہ عقد میں مذکور نہ بھی ہوں شرط صرف یہ ہے کہ دوسرے فریق کو اس کا علم بھی ہو یا حالات اور قرائن اس کے جان لینے کا سبب بنتے ہوں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ نیت عمل کی روح اور اصل ہوتی ہے۔ اس طرح یہ نظریہ اور رجحان نظریہ سبب کو لیتا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ سبب مشروع ہونا ضروری ہے، اگر سبب مشروع نہ ہو تو عقد درست نہیں ہوگا۔

وہ احوال جو غیر مشروع نیت یا برے باعث کے ساتھ نہ ہوں کیا ان میں عقد ایسی نیت کے ساتھ درست ہوگا جس میں سودے یا ڈیلنگ کو بدلنا مقصود ہو (یعنی اگر نیت تو غیر مشروع نہ ہو لیکن نیت سے مقصود عقد کی حیثیت کو بدلنا ہو تو کیا نیت اتنی مؤثر ہو سکتی ہے؟ مقصود یہ ہے کہ نیت سے ان عقود میں کیا جائز مقاصد حاصل کئے جا سکتے ہیں)۔ مالکیہ اور احناف کی رائے یہ ہے کہ صیغہ عقد (عقد کے الفاظ) میں نیت مؤثر ہوتی ہے، چنانچہ اسی بنیاد پر یہ مسئلہ ہے کہ نکاح (عقد زواج) ہر اس لفظ کے ساتھ درست ہے جو فی الفور تملیک کے معنی پر دلالت کرنے والا ہو جیسے تزویج نکاح تملیک (جعل (بنانا) ہبہ (تحفہ کرنا) عطیہ اور صدقہ وغیرہ لیکن شرط یہ ہے کہ نیت پائی جائے یا کوئی قرینہ ایسا موجود ہو جو یہ بتائے کہ لفظ سے مراد نکاح اور شادی ہی ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ گواہان بھی مقصود سمجھ سکیں، کیونکہ عقد زواج بھی دوسرے عقود کی طرح ہے جو فریقین کی رضامندی سے منعقد ہوتے ہیں، چنانچہ یہ ہر اس لفظ سے منعقد ہو سکتا ہے جو فریقین کی رضامندی اور ارادے پر دلالت کرے ❷ بیع (خرید وفروخت) اقالہ (بیع کو رضامندی سے ختم کرنا) اجارہ (کرایہ داری) اور ہبہ (تحفے کا لین دین) یہ امور نیت پر موقوف نہیں، چنانچہ اگر مزاحاً کوئی ہبہ کرے تو ہبہ درست ہو جائے گا، لیکن احناف فرماتے ہیں ❸ کہ اگر بیع ایسے صیغہ مضارع کے ساتھ کی گئی ہے جس کے ساتھ "س" کا "سوف" کا اضافہ نہیں (جو کہ مضارع (مستقبل) کے معنی میں قربت پیدا کرے اسے مستقبل قریب میں بدل دیتے ہیں) تو اس صورت میں وہ نیت پر موقوف ہوگی، اگر اس شخص نے نیت فی الفور کرنے کی کی ہو تو وہ بیع ہو جائے گی ورنہ وہ بیع نہیں ہوگی (وعدہ بیع یا پیشکش

---

❶..... مواهب الجليل للخطاب جلد ۴، ص ۲۵۴ طبع دار الفكر بيروت۔ ❷ فتح القدير ج ۲ ص ۳۴۶، الدر المختار مع الحاشية ج ۲ ص ۳۶۸، شرح الكبير للعلامة الدردير ج ۲ ص ۲۲۰، بداية المجتهد ج ۲ ص ۱۲۸، القوانين الفقهيه ص ۱۹۵۔ ❸ الاشباه والنظائر۔ ابن نجيم ص ۱۸، ۲۰۔

فروخت ہوگی) بخلاف صیغہ ماضی کے کہ اس میں بیع نیت پر موقوف نہیں ہوتی ہے اور وہ مضارع جو خالص مستقبل کے معنی میں ہو تو وہ امر (حکم) کی حیثیت رکھتا ہے اس سے بیع کسی طرح درست نہیں نہ نیت کے ساتھ نہ بلا نیت اور بیع ہزل (ہنسی مذاق) میں نہیں ہوتی ہے کیونکہ اس صورت میں بیع کے حکم پر اضافہ نہیں پائی جارہی ہوتی ہے۔

اقرار، وکالت، ایداع (دوسرے کے پاس امانت رکھوانا) اعارہ (عاریت رکھوانا) قذف دوسرے پر بدکرداری کا الزام لگانا) اور سرقہ (چوری)۔

تو یہ معاملات نیت پر موقوف نہیں ہوتے ہیں (یعنی ان میں نیت کے ہونے یا نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا ہے) اور قصاص قاتل کے ارادہ قتل پر موقوف ہے، لیکن احناف فرماتے ہیں کہ چونکہ ارادہ ایک دلی اور پوشیدہ فعل ہے اس کا جاننا ممکن نہیں لہٰذا آلہ قتل کو اس کے قائم مقام قرار دیا جائے گا لہٰذا اگر ایسی چیز سے قتل کیا گیا ہو جو عادۃً کاٹنے اور اجزاء کو ٹکڑے کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہو تو یہ قتل عمد کہلائے گا اور قصاص واجب ہوگا۔ اور اگر ایسی چیز سے قتل کیا جو عادتاً اجزاء کو علیحدہ نہ کردیتا ہو لیکن غالب طور پر قتل کردیتا ہو تو یہ شبہ عمد کہلائے گا، اس میں قصاص نہیں ہوگا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔

۱۱...... گیارہویں بحث متعلقہ نیت

نیت فسوخ میں، (یعنی وہ معاملات جن سے فسخ کا عمل ہوتا ہے) اقالہ (جو کہ عقد بیع کا فسخ ہوتا ہے) اور طلاق (جواز دواجی تعلق کے تحلیل کرنے کا سبب ہوتی ہے) اگر یہ دونوں صریح اور واضح الفاظ میں ہو تو یہ نیت پر موقوف نہیں ہوتے ہیں [1] چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بھولے سے غفلت میں یا غلطی سے طلاق دے دے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے حتیٰ کہ احناف نے تو یہ بھی قرار دیا ہے کہ قضاء (عدالتی حیثیت اور روسے) تصحیف شدہ (بدلے ہوئے بگڑے ہوئے) الفاظ سے بھی طلاق ہوجاتی ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ اس لفظ سے طلاق دینے کا ارادہ بھی کرے۔ اور الفاظ کنایات سے طلاق کا وقوع یعنی وہ الفاظ جو طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال رکھتے ہوں اور لوگوں میں متعارف نہ ہوں جیسے کوئی اپنی بیوی سے کہے الحقی باھلك (اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ) اذھبی (چلی جاؤ) اخرجی (نکل جاؤ) انت بائن (تم مجھ سے جدا ہو بائن ہو) انت بتة انت خلية (تم خالی ہو) برية (تم بری ہو) اعتدی (شمار کرو) استبرئی رحمك (اپنے رحم کو صاف کرلو) اور امرك بيدك (تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے) تو یہ سب الفاظ طلاق کے معنی یا دوسرے معنی دونوں کا احتمال رکھتے ہیں۔

چنانچہ قضاء حنابلہ اور حنفیہ کی رائے میں نیت طلاق یا ارادہ طلاق جس پر حالت دلالت کرے کے بغیر ان الفاظ سے طلاق نہیں ہوگی۔ اور وہ اس طرح کہ یہ الفاظ یا تو غصے کی حالت میں کہے جائیں۔ یا مذاکرہ طلاق (طلاق پر گفتگو) کے دوران ایسا ہو۔ مالکیہ اور شوافع کی رائے میں صرف نیت سے طلاق واقع ہوگی، دلالت حال کا کوئی اعتبار نہیں ہے، چنانچہ طلاق اسی وقت واقع ہوگی جب وہ نیت کرے، اگر وہ شخص کہے کہ میں نے نیت نہیں کی تھی تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اور اگر وہ شخص قسم دلانے پر قسم نہ اٹھانے کو تیار ہو تو (اسے جھوٹا سمجھتے ہوئے) طلاق کا حکم دے دیا جائے گا۔ شوافع نے نیت کنایت میں یہ شرط قرار دیا ہے کہ وہ ہر لفظ سے متصل ہو، لہٰذا اگر پہلے لفظ سے متصل ہو اور دوسرے لفظ سے پہلے اس کی نیت نہ رہی ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اگر شوہر یہ کہے کہ انت طلاق یا انت الطلاق یعنی مصدر کا لفظ استعمال کرے یا یوں کہے انت طالق طلاقاً (تجھے طلاق ہے طلاق دینا) تو احناف مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں اس کے ذریعے ایک رجعی طلاق واقع ہوگی اگر اس نے کوئی نیت نہ کی ہو۔ اور اگر تین کی نیت کی تو تین واقع ہوں گی، گویا یہ الفاظ ان کے ہاں صریح ہیں کیونکہ اس میں اس شخص نے مصدر کی تصریح کی، اور مصدر قلیل وکثیر دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے اور اس شخص نے اس چیز کی نیت کی جس کا یہ لفظ احتمال رکھتا ہے۔ احناف مزید یہ فرماتے ہیں کہ

[1]..... الاشباه والنظائر لابن نجيم ص ۱۸ اور بعد کے صفحات

مصدر کے لفظ میں ذو کی نیت درست نہیں، ماسوا اس کے کہ وہ بیوی باندی ہو (جس کی دو طلاقیں ہوتی ہیں) طلاق خلع ایلاء (بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم) اور ظہار (بیوی کو ماں کی پیٹھ یا پیٹ سے تشبیہ دینا) کو تفویض کرنے کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ جو ان میں سے صریح ہو تو اس کے لئے نیت شرط نہیں اور جو کنایہ ہو اس کے لئے نیت شرط ہے۔ اور رجعہ (طلاق کے بعد بیوی سے رجوع کرنا) تو عقد زواج کی طرح ہے، کیونکہ یہ اسی کو برقرار رکھے جانے کا عمل ہے لیکن اس کا صریح لفظ نیت کا محتاج نہیں اور کنایہ لفظ نیت کا محتاج ہوگا۔ شوافع رحمہ اللہ کی رائے راجح قول کے مطابق یہ ہے کہ انت طلاق یا انت اطلاق الفاظ صریحہ میں سے نہیں ہیں، یہ دونوں کنایہ الفاظ ہیں کیونکہ مصادر کا استعمال اعیان (اشیاء) میں توسعا (گنجائش پیدا کرنے کے لیے) ہوتا ہے اصلاً نہیں ہوتا، لہٰذا، اس میں نیت لازم ہوگی۔

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ تعریضاً قذف کرنا (یعنی ذومعنی بات کر کے کسی پر بدکاری کا الزام لگانا) جب موجب حد ہوگا جب الزام لگانے والا نیت کرے، گویا یہ کنایات طلاق کی طرح ہے، اور کنایہ لفظ نیت کے ساتھ ہو کہ حد واجب کرتا ہے صریح کی طرح۔

۱۲..... بارہویں بحث متعلقہ نیت

تروک (وہ چیزیں جن کا ترک کرنا مطلوب ہے) میں نیت۔

تروک سے مراد ہے مثلاً ترک ریا (ریاکاری کا چھوڑنا وغیرہ) جن سے شرعاً ممانعت آئی ہے، شرعاً یہ طے ہے کہ ممانعت کی ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لئے ممنوع چیز کے چھوڑنے کے لئے نیت ضروری نہیں، صرف ثواب کے حصول کے لئے نیت کا ہونا ضروری ہے اور وہ اس طرح کہ مثلاً انجام دہی سے رک جانا اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسی چیز نفس جس کا خواہشمند ہو اس کے کرنے پر قدرت ہو اس چیز سے خوف خداوندی کی بنیاد پر رک جانا تو نیت کر کے رکنے پر اس پر اجر ملے گا ورنہ اس چیز کے چھوڑے کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ چنانچہ نمازی کو دوران نماز زنا سے بچنے پر ثواب نہیں ملے گا اور نامرد شخص کو زنا سے بچنے پر ثواب نہیں ملے گا اور نہ نابینا شخص کو حرام چیزوں کے نہ دیکھنے پر اجر و ثواب ملے گا۔

فقہ اسلامی میں بعض اعمال ایسے ہیں جو تروک کے حکم میں ہیں، کیونکہ وہ دو حیثیتوں کے درمیان ہیں۔

۱..... وہ افعال ہیں اس حیثیت سے کہ وہ فعل ہیں اور تروک (جمع ترک) اس حیثیت سے کہ وہ اس سے قریب ہیں ایسے افعال کے بارے میں اکثر حضرات نے نیت کو شرط نہیں قرار دیا ہے کیونکہ ان میں تروک سے مشابہت پائی جاتی ہے جیسے نجاست کا دور کرنا، غصب شدہ چیز اور عاریتاً لی ہوئی چیز کا لوٹانا اور تحفے کا پہچانا وغیرہ کہ ان کی صحت شرعی نیت پر موقوف نہیں، تاہم ثواب نیکی کی نیت کرنے پر منحصر ہوگا۔ میت کا نہلانا تو حنابلہ کے علاوہ اکثر کے ہاں راجح بات یہ ہے کہ اس میں نیت شرط نہیں جیسے ان اعمال میں نہیں جو ترک سے ملحق ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ میت کو نہلانے سے مقصود صفائی کا حصول ہوتا ہے جیسے نجاست کے ازالے میں مقصود صفائی کا حصول ہوتا ہے، اور اسی طرح نماز سے باہر ہونے کی نیت کا معاملہ ہے کہ راجح بات یہ ہے کہ اس میں نیت شرط نہیں، کیونکہ نیت کا کسی کام کے انجام دینے کے لئے ضروری قرار پانا زیادہ مناسب ہے بہ نسبت اس کے کہ اسے کسی کام کے ترک کرنے کے لئے ضروری قرار دیا جائے (یعنی کسی کام کو انجام دیتے وقت نیت کا لازم ہونا کہ بلا نیت وہ کام نہ ہو یہ معقول اور قابل قبول بات ہے بہ نسبت اس کے کہ کسی کام کے چھوڑنے کے لئے اسے لازم قرار دیا جائے) تروک سے ملحق ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنے مویشیوں کو چارہ کھلائے اگر مقصود امتثال حکم خداوندی ہے تو وہ ثواب پائے گا اور اگر مقصود ان جانوروں کو ہلاکت سے بچا کر اپنی دولت و مال کی حفاظت کرنا ہے تو اسے ثواب نہیں ملے گا جیسا کہ علامہ قرافی رحمہ اللہ نے یہ بات ذکر کی ہے۔ تاہم اس اصول سے یہ مسئلہ مستثنیٰ ہے کہ مجاہد اگر اپنے گھوڑے کو سبیل اللہ میں لگا دے تو اگر وہ اسے پانی پلائے لیکن نیت نہ ہو تو بھی اسے

ثواب ملے گا پہلے بیان کردہ مسائل کی طرح بیوی کا مسئلہ بھی ہے کہ اگر قضاء شہوت میں نیت امتثال امر کی ہوتو اجر ملے گا ورنہ نہیں) اور اسی طرح رات کو گھر کے دروازے بند کرنے میں اور سوتے وقت روشنی گل کرنے میں اگر مقصود حکم خداوندی کا امتثال ہے تو ثواب ملے گا اور اگر کچھ اور مقصود ہے تو نہیں۔❶

۱۳......تیرہویں بحث: مباحات اور عادات میں نیت کا حکم

انسان سے دن رات صادر ہونے والے مباح اور عادی افعال کی صورت اس لحاظ سے مختلف ہوتی ہے کہ کسی مقصد کے تحت ان امور کی انجام دہی ہوئی ہے اگر ان سے مقصود نیکیوں کے انجام دینے کے لئے قوت کا حصول یا ان تک باآسانی رسائی اور ان کی باآسانی انجام دہی ہوتو یہ عبادت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں، اور اگر ان سے مقصود عبادت نہ ہوتو ان پر ثواب نہیں ملے گا۔ اور اس تفصیل کی بناء پر تمام مباحات جیسے کھانا، پینا سونا، کمائی کرنا، ہم بستری وغیرہ یہ سب تروک کی طرح ہیں، یعنی جیسے زنا کا ترک شراب کا ترک اور دیگر محرمات کا ترک اور اس حیثیت میں تروک کی طرح ہیں کہ یہ نیت کے محتاج نہیں ہوتے اور عبادت کا درجہ اس وقت تک حاصل نہیں کرتے ہیں جب تک ان سے عبادت مقصود نہ ہو جیسے کھانا پینا نیکیوں کی انجام دہی کے لئے قوت حاصل کرنے کی نیت سے اور ہم بستری اپنے اور بیوی کے پاکدامن اپنے اور گناہ سے بچنے اور نیک اولاد کے حصول کی غرض سے اور زنا اور شراب کا مثلاً امتثال امر کی خاطر ترک کرنا اور اسی طرح ہر وہ فعل جو بالارادہ عبادت بن سکتا ہے اس میں بالارادہ قصد ضروری ہے تاکہ وہ عبادت کا درجہ حاصل کرے اور اس پر ثواب مرتب ہو سکے۔ اور اسی بات کا اشارہ انما الاعمال بالنیات والی حدیث میں ملتا ہے۔ لہٰذا علامہ رملی رحمہ اللہ علیہ کے بقول نیت کا مباحات اور عادی امور کے انجام دیتے وقت استحضار کر لینا بہت مناسب ہے تاکہ اسے ان اعمال پر عبادت کا ثواب ملے، اور ان کاموں میں نیت کر لینے میں کوئی مشقت بھی نہیں ہے یہ تو خود اس کے نفس کو مرغوب اور لذت انگیز امور ہوتے ہیں، سبحان اللہ، اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے اور کتنی بڑی اس کی رحمت ہے کہ اپنے بندے کے لئے پاکیزہ چیزیں مباح کر دیں جن کو وہ خود پسند کرتا ہے اور ان کی خواہش رکھتا ہے پھر اس کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت بندے کو ان چیزوں پر بھی نیک نیت کر لینے پر ثواب عطا فرماتا ہے جیسے کہ وہ ان عبادتوں پر ثواب عطا کرتا ہے جن کا اس نے بندے سے تقاضا کیا ہے تو تمام تعریف اور احسان نوازی کا شکر یہ اسی کے لئے ہے، نہیں کوئی پالن ہار اس کے سوا اور اس کی بھلائی ہی درحقیقت خیر و بھلائی ہے۔

ہر مسلمان کے لئے یہ بہتر ہے کہ وہ مباح اور عادی افعال پر ثواب حاصل کرنے کے لئے صبح و شام یہ الفاظ کہے اے اللہ جو کچھ میں اس دن۔ یا اس رات اچھائی کروں تو وہ محض تیرے حکم کی تعمیل میں کروں گا، اور جو گناہ میں ترک کردوں تو وہ تیرے منع کرنے کے حکم کی تعمیل میں ترک کروں گا۔

۱۴۔ چودھویں بحث متعلقہ نیت: نیت دوسرے امور میں

جو امور ہم نے ذکر کئے ہیں ان کے علاوہ بھی کچھ امور ہیں: میں یہاں ان امور کے بارے میں نیت کے حکم کی طرف مختصر اشارہ کرتا ہوں۔❷

ا۔ جہاد...... بڑی عظیم عبادت ہے، اس کے لئے خلوص نیت ضروری ہے تاکہ وہ صحیح معنوں میں جہاد فی سبیل اللہ بن سکے۔

---

❶...... الاشباہ والنظائر، ابن نجیم ص ۲۱، الاشباہ للسیوطی ص ۱۱ شرح الاربعین النوویہ للنووی ص ۷۔۸، غایۃ المنتھی ج ۱ ص ۱۱۵۔ ❷ غایۃ المنتھی ج ۱ ص ۱۱۵۔

۲۔وصیت عتق......(غلام آزاد کرنا) کی طرح ہے اگر اس سے مقصود تقریب الی اللہ ہو تو اجر ملے گا ورنہ وہ صرف صحیح ہوگی لیکن اس پر ثواب نہیں ملے گا۔

۳۔وقف :......یہ اصلاح عبادت نہیں ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ وقف کافر کا بھی صحیح ہے اگر نیکی کی نیت ہو تو ثواب ملے گا ورنہ نہیں۔

۴۔شادی......یہ عبادت کے قریب قریب ہے، حتیٰ کہ شادی کرنا افضل ہے عبادت کی غرض سے مجرد رہنے سے اور یہ عام حالت اعتدال نفس میں سنت مؤکدہ ہے مذہب حنفی کے راجح قول کے مطابق لہٰذا حصول ثواب کے لئے نیت ضروری ہوگی اور وہ یہ ہوگی کہ انسان اپنے آپ کا اور اپنی بیوی کے پاک دامن اور گناہ سے بچتے رہنے کی نیت کرے اور اولاد کے حصول کا ارادہ کرے، اور رجعت (طلاق رجعی کے بعد بیوی سے رجوع کرنا) شادی کی طرح ہے، کیونکہ اس سے رشتہ ازدواج کو برقرار رکھا جاتا ہے، چنانچہ اگر صریح لفظ استعمال کیا جائے تو اس کے لئے نیت کی ضرورت نہیں اور جو کنایہ ہو اس کے لئے نیت ضروری ہوگی۔

۵۔قضاء :(عدالتی امور)......عبادات میں سے ہے اور اس پر ثواب کا ملنا نیت پر موقوف ہے۔

۶۔حدود، تعزیرات......اور وہ تمام امور جن کو حکام اور افسران بالا انجام دیتے ہیں اور گواہیاں لینا اور دینا ان سب میں اجر وثواب کا ملنا نیت پر موقوف ہے۔

۷۔تاوان یا نقصان کی تلافی......یہ نیت یا ارادے پر موقوف نہیں نقصان کی تلافی ایسے ہی ضروری ہے جیسے ضائع کر دینے کی صورت میں تلافی ضروری ہوتی ہے، خواہ یہ جان بوجھ کر ہوا ہو یا غلطی سے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا محض نیت کر لینے سے بھی کہیں تاوان واجب ہو سکتا ہے جب کہ فعل وقوع پذیر نہ ہوا ہو؟ احناف کی ایک مسئلے کے بارے میں رائے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہوتا ہے مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی احرام باندھا ہوا شخص اگر بدن کی ہیئت کے مطابق بنا ہوا کپڑا پہن لے پھر اسے اتار دے اور اس کا دوبارہ پہننے کا ارادہ ہو اور وہ اس کو پہن لے تو اسی پر متعدد جزا (بدلے، دم) لازم نہیں ہوں گے، اور اگر اس کا ارادہ دوبارہ پہننے کا نہیں تھا پھر بھی پہن لیا تو جزاء (بدلہ، دم) متعدد ہوں گے (جتنی بار پہنا اتنی بار دینا ہوگا) اسی طرح وہ شخص جس کے پاس کسی کا امانت کپڑا ہو اور وہ اس کو پہن لے پھر اتار دے لیکن دوبارہ پہن لینے کی نیت ہو تو اس کے ضائع ہونے کی صورت میں وہ تاوان سے بری الذمہ نہیں ہوگا۔

۸۔کفارات......خواہ غلام آزاد کرنے کی شکل میں ہوں یا روزے رکھنے کی شکل میں ہوں یا فقراء کو کھانا کھلانے کی شکل میں ہوں ان کے صحیح ہونے کے لئے نیت ضروری ہے۔

۹۔ضحایا (قربانی کے جانور)......ان کے لئے نیت ضروری ہے جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں تاہم احناف کی رائے میں خریداری کے وقت نیت ہونی چاہئے ذبح کے وقت نہیں اور اس پر یہ مسئلہ تفریع ہوتا ہے کہ اگر کسی نے کوئی جانور قربانی کی نیت سے خریدا اور دوسرے شخص نے بلا اجازت ذبح کر دیا تو اگر مالک کی طرف سے ذبح کیا تو اس پر کوئی تاوان نہیں، اور اگر اپنی طرف سے کیا تو اگر ذبح کرنے والے نے اس کو ذبح شدہ لے لیا اور مالک نے اس سے تاوان نہیں لیا تو قربانی اس کی طرف سے ہو جائے گی اور اگر مالک نے تاوان لیا تو قربانی اس (ذبح کرنے والے) کی طرف سے نہیں ہوگی۔ کیا اضحیہ (قربانی کا جانور) نیت سے متعین ہو جاتا ہے؟ احناف فرماتے ہیں اگر فقیر نے اضحیہ کی نیت سے خریدا تو متعین ہوگا اور وہ اسے فروخت نہیں کر سکتا، اور اگر کسی مالدار شخص نے خریدا تو متعین نہیں ہوگا۔ علامہ ابن نجیم نے الاشباہ والنظائر میں صحیح اس قول کو قرار دیا ہے کہ مطلقاً نیت سے متعین ہو جاتا ہے، ان کے علاوہ دوسرے حضرات کے ہاں مطلقاً متعین نہیں ہوتا

خواہ قربانی کے دنوں کے علاوہ دنوں میں، اور اس کو چاہئے کہ وہ اسے صدقہ کردے مذہب شافعی اور ایک قول مالکیہ کے ہاں بھی یہ ہے کہ خریدار کے یہ کہنے سے کہ ”یہ میرا قربانی کا جانور ہے“ وہ متعین ہو جاتا ہے اسی طرح اس طریقے سے کہنے سے بھی میں نے اسے قربانی کے لئے کر دیا اس صورت میں اس پر اس کو ذبح کرنا متعین ہوتا ہے کیونکہ اس جملے کے کہنے سے اس کی ملکیت اس جانور پر سے ختم ہو جاتی ہے، اور مالکیہ اضحیہ یا تو ذبح کرنے سے متعین ہوتا ہے یا ذبح کرنے سے قبل نیت کرنے سے یہ دونوں قول مذہب مالکی میں اس مسئلے کے بارے میں اختلاف اقوال کے سبب ہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور قابل اعتماد مشہور قول یہی ہے کہ اضحیہ صرف قربانی سے ہی متعین ہوتا ہے نذر مان لینے سے بھی متعین نہیں ہوتا ہے۔

اور اس بحث کے اختتام پر میں یہ کہوں گا کہ یہ سب کچھ نیت اس کی اہمیت اور احکام کا بیان گذرا چنانچہ نیت مسلمان کے دل کا وہ ریڈار اور قطب نما ہے جو اسے یا تو بھلائی کا رخ دکھاتی ہے یا برائی کا، مسلمان کے عمل کا دارومدار اس پر ہے عبادات اور معاملات کے شرعی اعمال کی کسوٹی ہے یا تو عمل شرعی کو یہ صحت سے ہمکنار کرتی ہے یا اسے باطل اور کالعدم کرتی ہے، اور یہی کسی عمل کے اخروی ثواب وعقاب کا سبب بنتی ہے یا تو ثواب اور ہمیشہ کی جنتوں کی کامیابی کا سبب بنتی ہے جیسے جہاد کی، مسلمانوں سے محبت کی اور صفاء قلب کی نیت، اور یا یہ سبب بنتی ہے عتاب وسزا کا جیسے حسد، کینہ، بغض، ریا کاری، شہرت اور دکھاوے کی نیتیں۔

چنانچہ جس کی نیت اچھی ہوئی۔ اس کے اندر کی حالت بہتر ہوئی تو وہ فضیلت کامیابی اور بھلائی سے دنیا اور آخرت میں ہمکنار ہوگا اور جس کی نیت بگڑی، اس کے اندر کی حالت خراب ہوئی تو نقصان اور برائی اور ناکامی دنیا اور آخرت میں اس کا نصیب بنے گی۔

القسم الاول: العبادات

پہلی قسم......عبادات کا بیان

يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو! سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۱

تمہید...... دین کے امور زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق احکام یعنی اعتقادات (عقائد) آداب، عبادات، معاملات اور عقوبات (سزاؤں) کی تفصیلات پر مشتمل ہوتے ہیں، اور ان پر ”فقہ اکبر“ کا اطلاق کیا جاتا ہے، اور چونکہ ہماری بحث اور گفتگو کا تعلق ان احکام شرعیہ کی فقہ سے ہے جو عملی ہیں لہٰذا ہم عقیدے اور اخلاقیات کی بحث نہیں چھیڑیں گے (کہ اول کا تعلق عملی احکام سے نہیں نظریاتی احکام سے ہے اور دوسرے کا تعلق شرعی احکام سے نہیں)۔

عبادات کی پانچ قسمیں ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد۔ ہماری بحث کے خاکے میں جہاد کی بحث عبادات کے ذیل میں نہیں ہے، اس کو ہم ان احکام کے ذیل میں بیان کیا ہے جن کا تعلق مملکت سے ہوتا ہے۔

معاملات کی پانچ قسمیں ہیں، معاوضات مالیہ (مالی معاوضوں کے معاملات) شادی بیاہ کے معاملات، باہمی تنازعات، امانتوں کے معاملات اور ترکے کے معاملات۔

عقوبات (سزائیں) کی پانچ قسمیں ہیں، قصاص، حد سرقہ (چوری کی حد) حد زنا، حد قذف (بدکاری کے الزام کی حد) اور حد ردت (مرتد بن) جانے کی سزا۔ [1]

[1]...... ردالمحتار ج ۱ ص ۷۳، ان حدود کے ساتھ حد شرب اور حد سکر (شراب نوشی اور نشہ کرنے کی حد) بھی شامل ہیں۔

عبادت:......ایک جامع اور وسیع مفہوم کا حامل نام ہے جو ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہو خواہ اقوال ہوں یا پوشیدہ اور ظاہری افعال واعمال ہوں ❶ اور دین اللہ کا مفہوم ہے اللہ کی عبادت، اطاعت اور اس کے آگے جھک جانا۔

چنانچہ نماز، زکوۃ، روزے، حج، سچ بات بولنا، امانت ادا کرنا والدین سے حسن سلوک کرنا صلہ رحمی کرنا، وعدے پورے کرنا، نیکی کا حکم کرنا برائی سے روکنا کفار اور منافقین سے جہاد کرنا، پڑوسی یتیم، مسکین اور مسافر سے اور جانوروں تک حسن سلوک اور خوش معاملگی کرنا، دعا، ذکر وتلاوت اور اس کے علاوہ نیکی کے دیگر کام سب عبادت میں سے شمار ہوں گے۔ اسی طرح اللہ اور رسول سے محبت، اللہ کا خوف وخشیت اور اس کی طرف رجوع، اور دین کو اس کے لئے خالص کرنا اس کے حکم کے آگے صبر کرنا، اس کی نعمتوں کا شکر بجالانا اور اس کے فیصلوں پر راضی رہنا، اس پر بھروسہ کرنا اس کی رحمت کی امید کرنا اور اس کے عذاب سے ڈرنا اور اس طرح کے دیگر ابواب خیر ان سب پر عبادت کا اطلاق ہوتا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ عبادات خداوندی درحقیقت وہ چیز ہے جو اس کے نزدیک پسندیدہ ہے اور وہ مقصود امر ہے جس کے لئے اللہ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا، اللہ فرماتا ہے:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ سورۃ ذاریات

اور میں نے انسانوں اور جنات کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

اور اس پیغام کو لے کر تمام انبیاء بھیجے گئے جیسے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ...... سورۃ الاعراف

اللہ کی عبادت کرو تمہارا اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

اور اسی طرح حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت شعیب علیہم السلام وغیرہ کو اپنی اقوام کی طرف اسی پیغام کے ساتھ بھیجا گیا۔

اور چونکہ تمام مخلوق اللہ کے بندے ہیں، نیکوکار بھی اور برے بھی مومن اور کافر بھی اہل جنت بھی اور اہل جہنم بھی۔ ان سب کا بندہ ہونا اللہ واحد وقہار کی عبادت کو مستلزم ہے (یعنی ان پر بندہ ہونے کے ناطے۔

اللہ کی عبادت لازم ہے) فرمان خداوندی ہے:

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝ سورۃ الانبیاء

بے شک یہ تمہاری امت ایک امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو میری عبادت کرو۔

دوسری آیت میں فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ سورۃ البقرۃ

اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے پیدا کیا تمہیں اور تم سے پہلے والوں کو تاکہ تمہیں تقویٰ حاصل ہو۔

اور فرمایا:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ سورۃ الذاریات

اور میں نے انسانوں اور جنات کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

اس بناء پر فقہاء کرام کا یہ طریقہ کار رہا ہے کہ وہ عبادات کو دوسری چیزوں سے پہلے بیان کیا کرتے تھے اس کی عظمت شان کی بناء پر کیونکہ انسانوں کی تخلیق اسی کے لئے ہوئی ہے اسی طرح فقہاء عبادات میں سے نماز کو پہلے بیان کرتے ہیں کیونکہ ایمان کے بعد اللہ کو سب سے پسندیدہ عمل یہی ہے اور اس لئے بھی کہ نماز دین کا ستون ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے قائم رکھا

❶ ..... العبودیۃ، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ص ۲۔

اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے اسے ڈھادیا اس نے دین کو ڈھادیا یہ حدیث بیہقی نے حضرت عمر سے روایت کی ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے یہ حدیث اس طرح بھی آئی ہے الصلاۃ عمود الدین یہ حدیث حسن ہے۔

خطة البحث (عبادات کی مباحث کا اجمالی خاکہ)

جہاد کے علاوہ عبادات پر گفتگو ان مندرجہ بحثوں پر مشتمل ہوگی۔

۱۔ الطہارۃ، ۲۔ الصلوۃ، ۳۔ الجنائز (جنازے کے احکام)، ۴۔ الزکوۃ، ۵۔ الصیام والاعتکاف، ۶۔ الحج، ۷۔ قسم اور نذر کا بیان، ۸۔ الاطعمة والاشربه (ماکولات اور مشروبات کا بیان) ۹۔ الصید والذبائح (شکار اور ذبح کا بیان) ۱۰۔ الضحایا والعقیقة والختان (قربانی، عقیقے اور ختنے کا بیان) ان امور پر بحث ان نو ابواب پر تقسیم ہوتی ہے۔

۱۔ الباب الاول.....الطہارات، مقدمات الصلوۃ اوالوسائل — پہلا باب.....پاکی کا بیان، نماز کے مقدمات یا وسائل واسباب

۲۔ الباب الثانی.....الصلوۃ واحکام الجنائز — دوسرا باب.....نماز اور جنازے کے احکام کا بیان

۳۔ الباب الثالث.....الصیام والاعتکاف — تیسرا باب.....روزوں اور اعتکاف کا بیان

۴۔ الباب الرابع.....الزکوۃ وانواعہا — چوتھا باب.....زکوۃ اور اس کی اقسام

۵۔ الباب الخامس.....الحج والعمرۃ — پانچواں باب.....حج اور عمرے کا بیان

۶۔ الباب السادس.....الایمان والنذور والکفارات — چھٹا باب.....قسم، نذر اور کفاروں کا بیان

۷۔ الباب السابع.....الحظر والاباحۃ اوالاطعمۃ والاشربۃ
ساتواں باب.....ممنوع اور مباح چیزوں کا بیان.....یا.....ماکولات اور مشروبات کا بیان

۸۔ الباب الثامن.....الضحایا والعقیقۃ والختان — آٹھواں باب.....قربانیوں، عقیقے اور ختنے کا بیان

۹۔ الباب التاسع.....الصید والذبائح — نواں باب.....شکار اور ذبح کرنے کا احکام

الباب الاوّل

الطہارات، الوسائل اَوْ مقدمات الصلاۃ

پہلا باب.....طہارات کا بیان، یعنی ذرائع طہارت یا نماز کے ابتدائی امور کا بیان

طہارت کی بحث ان مندرجہ ذیل سات فصلوں پر مشتمل ہوگی۔

۱۔ الفصل الاول..... پہلی فصل طہارت، اس کے معنی، اہمیت پاک کرنے والی چیزوں کی اقسام پانی کی اقسام مختلف جھوٹوں اور کنوؤں کا بیان اور پاک چیزوں کی قسمیں۔

۲۔ دوسری فصل.....نجاست، اس کی اقسام، قابل معافی مقدار کا بیان، نجاست پاک کرنے کا طریقہ اور غسالہ کا حکم

۳۔ تیسری فصل.....استنجاء اس کے معنی، حکم اور ذرائع، اور قضاء حاجت کے آداب۔

۴۔ چوتھی فصل.....وضو اور اس کے ذیل کے مباحث جو یہ ہیں:

پہلی بحث:.....وضو کے فرائض شرائط سنتیں نواقض (وضو توڑنے والی چیزیں معذور شخص کا وضو)

دوسری بحث.....مسواک، اس کی تعریف، حکم، کیفیت اور فوائد۔

تیسری بحث.....مسح علی الخفین (موزوں پر مسح) اس کا مفہوم، مشروعیت کیفیت، شرائط، مدت مسح، پگڑی پر مسح جورب پر مسح اور پٹیوں پر مسح۔

۵۔ پانچویں فصل.....غسل، اس کے فوائد و امتیازات، اس کے موجبات (واجب کرنے والی چیزیں فرائض سنتیں اور مکروہات، جنبی پر حرام چیزیں مسنون غسل، احکام مسجد اور حماموں کے احکام کے دو مباحث جو اس سے ملحق ذکر کئے گئے ہیں۔

۶۔ چھٹی فصل تیمم.....اس کی تعریف، مشروعیت اور حیثیت اس کے اسباب فرائض، کیفیت، شرائط، سنتیں اور مکروہات، نواقض اور دونوں ذرائع طہارت (یعنی پانی اور مٹی) کے نہ پانے والے کا حکم۔

۷۔ حیض، نفاس اور استحاضہ کا بیان اس کے ذیلی مباحث۔

پہلی بحث:.....حیض کی تعریف اور اس کی مدت۔

دوسری بحث.....نفاس کی تعریف اور اس کی مدت۔

تیسری بحث.....حیض، نفاس کے احکام اور حائضہ اور نفاس والی عورت پر حرام چیزوں کا بیان۔

چوتھی بحث.....استحاضہ اور اس کے احکام۔

پہلی فصل.....طہارت

فقہاء طہارت کی بحث کو نماز کی بحث پر مقدم رکھتے ہیں، کیونکہ طہارت نماز کی کنجی ہے اور نماز کے صحیح اور درست ہونے کے لئے شرط ہے اور شرط مشروط سے پہلے ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے نماز کی چابی پاکی ہے اور اس کی تحریم ابتداء تکبیر (اللہ اکبر کہنا) ہے اور اس کی تحلیل (اختتام) تسلیم (السلام علیکم) [1] دوسری حدیث میں ہے"پاکی ایمان کا حصہ ہے۔" [2]

اس فصل میں چھ مباحث ہیں:

۱۔ پہلی بحث:.....طہارت کے معنی اور اس کی اہمیت

۲۔ دوسری بحث:.....طہارت کے وجوب کی شرائط

۳۔ تیسری بحث.....پاک کرنے والی اشیاء کی قسمیں

۴۔ چوتھی بحث.....پانی کی اقسام

۵۔ پانچویں بحث.....کنوؤں اور جھوٹوں کا بیان

۶۔ چھٹی بحث.....پاک اشیاء کی اقسام

[1].....یہ حدیث حسن اور صحیح ہے ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت علی سے اسے روایت کیا نصب الرایۃ ج ۱ ص ۳۰۷۔ [2] یہ حدیث صحیح ہے مسلم نے روایت کی ہے طہور سے یہاں مراد فعل ہے طاء پر پیش ہے اس حدیث کے معنی میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ اس میں اجر ایمان کے آدھے اجر تک ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں ایمان سے مراد ہے نماز، کیونکہ فرمان خداوندی ہے وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ (اللہ تعالیٰ تمہارے ایمانوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ البقرۃ آیت ۱۴۳) اور طہارت چونکہ نماز کی صحت کے لئے شرط ہے اس لئے یہ نماز کے لئے شرط ایک حصہ قرار پائی۔ اور بظاہر یوں لگتا ہے کہ طہارت سے مراد طہارت معنوی ہے کیونکہ مسلمان جب طہارت کے ساتھ گندی صفات سے متصف ہو جیسے کبر، کینہ، حسد تو اس کا ایمان ضعیف ہوتا ہے اور جب اس کی روح صفائی حاصل کر لے اور اس کا نفس خالص ہو جائے تو اس کا ایمان کامل ہو جاتا ہے۔

ا۔ پہلی بحث.....طہارت کے معنی اور اس کی اہمیت

طہارت لغت کے مطابق صفائی ظاہری اور حسی میل کچیل جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ جیسی نجاستیں، اور معنوی میل کچیل جیسے عیوب اور گناہ، وغیرہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے ہیں اور تطہیر کا مطلب ہے تنظیف یعنی کسی جگہ کو صاف کر دینا اس جگہ نظافت پیدا کر دینا۔

اور شرعاً طہارت کہتے ہیں نجاست سے صفائی حاصل کرنے کو خواہ نجاست حقیقی ہو جسے خبث کہتے ہیں یا حکمی ہو جسے حدث کہتے ہیں۔ ❶

اور خبث حقیقت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو شرعاً ایک گندگی کی حامل چیز ہو جس کا طبعی وجود ہو۔ اور حدث ایک شرعی کیفیت ہے جو اعضاء میں سرایت کرتی ہے اور طہارت کو زائل کر دیتی ہے۔ علامہ نووی شافعی نے طہارت کی تعریف یوں کی ہے کہ حدث کا رفع کرنا یا نجاست کا دور کرنا یا وہ چیز جو ان دونوں (رفع حدث اور ازالہ نجاست) کے معنی میں ہو یا صورت میں ہو ❷ آخر کے ان کلمات سے جن سے انہوں نے احناف کی تعریف پر اضافہ کیا ہے ان کا مقصود ہے تیمم اور مسنون غسل کو تعریف میں شامل کرنا اسی طرح تجدید وضو اور اعضاء کا دوسری اور تیسری مرتبہ دھونے کا عمل حدث اور نجس دونوں صورتوں میں، اور کان کا مسح، اور کلی کرنا اور اس جیسے دیگر امور جو طہارت کے مستحبات میں سے ہیں ان کے علاوہ مستحاضہ اور سلس البول (مستقبل پیشاب کے قطرے آنے کا مریض) جیسے مریضوں کی طہارت کو تعریف طہارت میں شامل کرنا بھی مقصود ہے۔

طہارت کی تعریف مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں بھی ویسی ہی ہے جیسے احناف کے یہاں ہے ❸ چنانچہ وہ فرماتے ہیں طہارت شریعت میں کہتے ہیں۔

حدث یا نجاست میں سے نماز کو روکنے والی چیز کو پانی کے ذریعے دور کرنے کے عمل کو یا اس چیز کے جو مانع ہے، حکم کو مٹی کے ذریعے دور کرنے کے عمل کو۔

طہارت کی دو قسمیں.....طہارت کی تعریف سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ طہارت کی دو قسمیں ہیں، طہارت حدث، یہ خاص ہے بدن کے ساتھ اور دوسری ہے طہارت خبث، اور یہ بدن، کپڑے اور جگہ تینوں مقام پر ہو سکتی ہے طہارت حدث کی تین قسمیں ہیں، طہارت حدث کبریٰ (بڑی طہارت) اور وہ غسل ہے، طہارت صغریٰ جو کہ وضو ہے، اور ان دونوں طہارت کا بدل جب کہ ان دونوں کو اپنانے سے انسان معذور ہو اور وہ ہے تیمم۔ اور خبث (جسم والی گندگی) کی طہارت بھی تین قسم کی ہے غسل (دھونا) مسح (پونچھنا) نضح (چھڑکنا)۔ تو طہارت وضو، غسل، ازالہ نجاست اور تیمم اور تمام متعلقات کو شامل ہے۔

اہمیت طہارت.....اسلام میں طہارت کی بڑی اہمیت ہے خواہ حقیقی طہارت ہو جو کہ کپڑے بدن اور نماز کی جگہ کی گندگیوں سے پاکی سے عبارت ہے۔

خواہ طہارت حکمی ہو جو عبارت ہے اعضاء وضو کو حدث سے اور پورے ظاہری اعضاء بدن کو جنابت سے پاک کرنے سے۔ کیونکہ یہ طہارت دائمی طور پر شرط ہے نمازوں کے لئے جو کہ دن میں پانچ مرتبہ ہوتی ہیں، اور دوسری بات یہ ہے کہ نماز اللہ کے سامنے کھڑا ہونے کا نام ہے، تو اس کو طہارت کے ساتھ ادا کرنا اللہ کی تعظیم ہی شمار ہوگا اور حدث اور جنابت اگر چہ نظر آنے والی نجاست نہیں ہیں مگر یہ دونوں معنوی نجاست ہیں اور اس شخص کو گندا کر دیتی ہیں جس میں یہ سرایت کر جائیں تو ان دونوں قسموں کا یا ایک کا وجود اللہ کی تعظیم میں مخل ثابت

---

❶..... اللباب شرح الکتاب ج ۱ ص ۱۰، الدر المختار ج ۱ ۷۹۔ ❷ المجموع شرح المہذب ج ۱ ص ۱۲۳ مغنی المحتاج جلد ۱ ص ۱۶۔ ❸ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۵، الشرح الکبیر ج ۱ ص ۳۰، المغنی ج ۱ ص ۶۔

ہوتا ہے، اور صفائی کے اصول کے منافی ہے جو بار بار دھونے سے متحقق ہوتی ہے، چنانچہ طہارت کے ساتھ روح اور جسم دونوں ایک ساتھ پاک ہوتے ہیں۔

اور اسلام کی توجہ ایک مسلمان کے ہمیشہ دونوں مادی اور روحانی❶، رخوں سے پاک رہنے کے امر پر بذات خود مکمل اور پوری دلیل ہے اسلام کی صفائی اور ستھرائی کے عمل کے بارے میں صرف کی، اور اس بات کی بھی کہ اسلام ایک اعلیٰ مثال اور نمونہ ہے زینت اور صفائی کا اور عوام وخواص کی صحت کی حفاظت کا اور جسمانی ڈھانچے کی عمدہ شکل بہترین مظہر اور مضبوط بنیادوں پر تعمیر کا اور ماحول اور معاشرے کو امراض کے کمزوری کے اور بڑھاپے کے پھیلنے سے روکنے کا بڑا موثر ذریعہ ہے کیونکہ گرد وغبار، مٹی کوڑا کرکٹ اور جراثیم کی آماجگاہ بننے والے ظاہری اعضاء کا روزانہ دھونا اور پورے جسم کا کبھی کبھی اور ہر جنابت کے بعد دھونا انسان کو کسی بھی گندگی اور غلاظت میں ملوث ہونے اور لتھڑنے سے محفوظ رکھنے کے لئے کافی ہے اور طبی طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وبائی اور دیگر امراض سے بچنے کا سب سے کامیاب اور موثر علاج صفائی ہے، اور پرہیز تو ظاہر ہے کہ علاج سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ نے پاکی حاصل کرنے والوں کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ سورۃ البقرۃ

اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے خوب توبہ کرنے والوں کو اور خوب صفائی رکھنے والوں کو۔

اور اللہ تعالیٰ نے اہل قباء کی اپنے ان الفاظ میں تعریف فرمائی:

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ سورۃ التوبہ

اور اس بستی میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک ہونا پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

مسلمان پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان صفائی اور ستھرائی میں ایک روشن نمونہ بن کر رہے اور ظاہر اور باطن دونوں کو پاک وصاف رکھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک جماعت سے ارشاد فرمایا تھا کہ تم لوگ اپنے بھائیوں کے پاس آ رہے ہو تو اپنے کجاوے ٹھیک رکھو، اپنے لباس اچھے کرو یہاں تک کہ تم لوگوں میں نمونہ بن جاؤ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا اس شخص کو جو فحاشی اختیار کرنے والا ہو اور نہ اس کو جو متفحش ہو۔

۲۔ دوسری بحث......طہارت کے وجوب کی شرائط

جسم کپڑے یا جگہ کو جو بھی نجاست لگ جائے اسے پاک کر دینا ضروری ہے، دلیل اس کی قرآن کی یہ آیت ہے:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ سورۃ المدثر

اور اپنے کپڑوں کو آپ پاک رکھیے۔

اور یہ آیت:

اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ سورۃ البقرۃ

یہ کہ پاک رکھو میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے ٹھہرنے والوں کے لئے اور رکوع اور سجدے کرنے والوں کے لئے۔

اور جب کپڑوں اور جگہ کا دھونا لازم ٹھہرا تو بدن کو پاک کرنا بطریق اولیٰ لازم ہوگا کیونکہ یہ نمازی پر زیادہ ضروری ہے۔

---

❶...... یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ظاہری طہارت، طہارت باطن ہی کے ساتھ نافع ہوتی ہے جو کہ عبارت ہے اخلاص للہ، دھوکے، حسد، کینہ، کھوٹ وغیرہ جیسے عیوب سے پاک ہونے اور قلب کو غیر اللہ سے بالکل پاک کر دینا عالم وجود میں تو انسان اللہ کی عبادت کرے اس کی ذات کی خاطر اس کی طرف محتاج ہو کر نہ کہ کسی نفع کے سبب کی وجہ سے۔

طہارت ہر اس شخص پر لازم ہے جس پر نماز فرض ہے اور یہ وجوب دس شرائط کے ساتھ ہے۔❶

ا۔ پہلی شرط اسلام کا ہونا...... دوسرے قول کے مطابق دعوت اسلام کا پہنچ جانا، پہلے قول کی بناء پر کافر پر طہارت واجب نہیں ہوگی، اور دوسرے قول کے پیش نظر اس پر طہارت لازم ہوگی، اور یہ اختلاف دراصل اس مشہور اصولی اختلاف پر مبنی ہے جو معروف ہے اور وہ یہ کہ کفار شریعت کے مخاطب ہیں یا نہیں، جمہور علماء کے ہاں کفار عبادات کی فروع کے مکلف ہیں یعنی وہ بروز قیامت ترک ایمان کے علاوہ اضافی طور پر اس بات پر بھی پکڑے جائیں گے کہ انہوں نے عبادات ترک کی ہیں چنانچہ وہ دو سزاؤں کے مستحق ہوں گے۔❷

۱...... ایمان کے ترک کرنے کی سزا۔

۲...... فروع دینی کے ترک کرنے کی سزا۔

اور احناف کے ہاں کفار فروع شریعت کے مخاطب نہیں ہیں، چنانچہ بروز آخرت وہ ایک سزا کے مستحق ہوں گے اور وہ ہے ترک ایمان کی سزا فقط، اور اختلاف صرف اخروی سزا کے بارے میں ہے فریقین کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ دنیاوی احکام میں اس اختلاف کا کوئی نتیجہ سامنے نہیں آتا۔ چنانچہ کافر جب تک کافر ہے اس کی عبادت صحیح نہیں ہے اور جب کفار اسلام لے آئیں تو ان سے قضا کا مطالبہ بھی نہیں کیا جائے گا اور اسی بناء پر یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ کافر سے ادا شدہ نماز درست شمار نہیں کی جائے گی۔ اور مرتد اگر اسلام لے آئے تو دوران ارتداد اس کی قضاء شدہ نمازوں کی قضا اس پر لازم نہیں ہوگی جمہور علماء کے ہاں اور شوافع کے ہاں قضا لازم ہوگی۔

۲۔ دوسری شرط...... عقل کا ہونا، چنانچہ پاگل اور مدہوش شخص پر طہارت واجب نہیں ماسوا اس کے کہ انہیں وقت نماز کے اندر اندر افاقہ ہو جائے، ہاں نشے میں مدہوش شخص سے طہارت ساقط نہیں ہوگی۔

۳۔ تیسری شرط...... بالغ ہونا، اس کی پانچ علامتیں ہیں:

۱...... احتلام ہونا ۲...... زیر ناف بالوں کا نکلنا ۳...... حیض آنا

۴...... جماع کے نتیجے میں حاملہ ہو جانا ۵۔ مقررہ عمر تک پہنچ جانا۔

اور وہ عمر ہے پندرہ سال ایک روایت ہے سترہ سال کی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اٹھارہ سال ہے چنانچہ بچے پر طہارت واجب نہیں تاہم سات سال کی عمر سے اسے یہ سکھانا شروع کر دینا چاہئے اور دس سال کی عمر میں اس پر تنبیہ بھی کرنی چاہئے۔ اگر بچے نے نماز پڑھی پھر نماز کے بقیہ وقت میں وہ بالغ ہو گیا یا دوران نماز بالغ ہو گیا تو مالکیہ کے ہاں اس پر اعادہ لازم ہے اور شوافع کے ہاں اعادہ لازم نہیں ہے۔

۴۔ چوتھی شرط:...... حیض ونفاس کے خون کا رک جانا۔

۵۔ پانچویں شرط...... نماز کے وقت کا داخل ہو جانا۔

۶۔ چھٹی شرط:...... سویا ہوا نہ ہونا۔

۷۔ ساتویں شرط...... بھول نہ جانا۔

۸۔ آٹھویں شرط: اکراہ (جبر) کا نہ ہونا...... یعنی کوئی زبردستی اسے طہارت سے روکا ہوا نہ ہو ورنہ طہارت لازم نہیں ہوگی تاہم سویا ہوا شخص، بھولا ہوا شخص اور جبر کا شکار شخص بالاجماع فوت شدہ نماز کا اعادہ کریں گے۔

---

❶...... اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابوداؤد، حاکم اور بیہقی نے سہل بن الحنظلیہ سے روایت کیا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔❷ القوانین الفقھیۃ ابن جزی المالکی ص ۱۹ اور بعد کے صفحات

۹۔نویں شرط: پانی کا ہونا یا پاک مٹی کا ہونا.....لہٰذا اگر کسی کو دونوں چیزیں دستیاب نہ ہوں تو ایک قول یہ ہے کہ ایسا شخص نماز پڑھے بھی اور بعد میں اعادہ کرے، اور ایک قول یہ ہے کہ اعادہ نہ کرے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ نماز نہ پڑھے بعد میں قضا دہرا لے یہ بات مزید وضاحت سے انشاء اللہ تیمم کے بیان کے آخر میں ذکر کروں گا۔

۱۰۔دسویں شرط یہ ہے کہ بقدر امکان فعل طہارت انجام دینے کی قدرت ہو.....یعنی جتنی اس شخص کی قدرت ہے اور جتنا اس کے لئے ممکن ہے وہ طہارت کے افعال انجام دے سکے۔

۳۔تیسری بحث.....پاک کرنے والی اشیاء کی اقسام

یہ بات دلیل قطعی سے، جس پر سب کا اتفاق ہے، ثابت ہے کہ طہارت شرعاً واجب ہے اور طہارت میں سے وضو، غسل جنابت، غسل حیض ونفاس کا کرنا پانی کے ذریعے لازم ہے، اور ان دونوں، وضو اور غسل کی طرف سے تیمم کافی ہوجاتا ہے اگر پانی موجود نہ ہو یا اس کے استعمال سے ضرر ہوتا ہو، اور نجاست کا ازالہ کرنا پانی کے ذریعے یہ بھی طہارت کا حصہ ہے اور لازم ہے۔

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پاک پانی یا ماء مطلق سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے ماءِ مطلق اس کو کہتے ہیں جسے عرف عام میں ”ماء“(پانی) کہا جاتا ہو، آگے پیچھے کوئی اضافی لفظ کسی اضافی وصف کے لئے نہ لگایا جاتا ہو جیسے ماءِ مستعمل (کہ اس میں ماء کے ساتھ لفظ مستعمل کی قید لگی ہوئی ہے) یا اضافت نہ ہوتی (یعنی مضاف اور مضاف الیہ نہ ہو) جیسے ماء الورد (گلاب کا پانی) ہیں ماء کو الورد کی طرف مضاف کیا گیا ہے ایک اضافی معنی بتانے کے لئے کہ یہ پانی تو ہے مگر عام پانی نہیں گلاب کا پانی ہے قرآن میں اللہ فرماتا ہے:

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ سورۃ الفرقان

اور اتارا ہم نے آسمان سے پاک پانی۔

اور یہ

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ......سورۃ الانفال

اور اتار رہا تھا تم پر پانی آسمان سے تاکہ تم کو پاک کردے اس سے۔

اسی طرح فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کاغذ یا پتھر سے حالت استنجاء میں پونچھ کر بھی طہارت حاصل کی جاسکتی ہے، یعنی دونوں راستوں سے نکلنی والی نجاست کو صرف پونچھ کر بھی طہارت حاصل ہوجاتی ہے بشرطیکہ نکلنے والا بول وبراز بہت زیادہ نہ پھیل جائے۔

فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ مٹی سے طہارت حکمی حاصل کی جاسکتی ہے یعنی تیمم کے ذریعے اور اسی طرح اس شراب کی طہارت پر بھی اتفاق ہے جو شراب سے سرکہ بن جائے باقی طاہر یعنی پاک کرنے والی چیزوں کے بارے میں اختلاف ہے، پاک کرنے والی چیزوں کے بارے میں فقہاء کی آراء مندرجہ ذیل ہیں:

احناف فرماتے ہیں ❶ کہ نجاست کا مقام نجاست سے ازالہ ان چیزوں کے ذریعے درست ہے۔

۱۔عام پانی.....اگرچہ وہ استعمال شدہ ہو، اس سے طہارت حقیقی اور حکمی (یعنی حدث اور جنابت) حاصل کی جاسکتی ہے۔ماء مطلق کی مثال جیسے آسمان سے برسا ہوا پانی، دریاؤں، کنوں، چشموں اور وادیوں کا پانی جن میں سیلاب کا پانی جمع ہوجاتا ہے۔دلیل اس کی یہ ہے کہ

---

❶..... البدائع ج ۱ ص ۸۳ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۳۳ الدرالمختار ج ۱ ص ۲۸۴۔۲۰۲، تبیین الحقائق ج ۱ ص ۶۹، اللباب شرح الكتاب ج ۱ ص ۴۲، مراقی الفلاح ص ۲۷۔۲۸

اللہ تعالیٰ نے پانی کو "طہور" (پاک کرنے والا) کہا ہے اپنے اس فرمان میں:

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۝ سورۃ الفرقان آیت نمبر ۴۸

اور ہم نے آسمان سے پاک پانی اتارا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

الماء طهور لاينجسه شيء الا ماغير لونه اوطعمه اوريحه

پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرسکتی سوائے اس کے جو اس کا رنگ، بو اور مزہ بدل دے۔

اور طہور کہتے اس کو جو خود پاک ہو اور دوسرے کو پاک کردے۔ ❶

۲۔ دوسری چیز...... پاک سیال چیزیں، اور مائعات وہ ہیں جو نچوڑے جانے سے نچڑ سکیں یا کم از کم اتنے انیق (تیلے) ہوں کہ نجاست کو زائل کرسکیں۔ ایسے مائعات سے نجاست حکمیہ تو زائل نہیں ہوتی یعنی حدث اس سے دور نہیں کیا جاسکتا ہے، وضو اور غسل نہیں ہوسکتا ہے، یہ تو احناف اور غیر احناف کا بالاتفاق مسئلہ ہے، کیونکہ حدث حکمی صرف پانی کے ساتھ خاص ہے نص قرآنی کی رو سے، اور وہ لوگوں کے لئے باآسانی دستیاب بھی ہوتا ہے۔ احناف کے ہاں ایسے مائعات سے طہارت حقیقیہ حاصل ہوسکتی ہے، طہارت حقیقیہ کا مطلب ہے نجاست حقیقیہ کا بدن اور کپڑے سے دور کرنا، یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ مائعات ظاہری کی مثال جیسے گلاب کا دیگر پھولوں کا کشیدہ عرق، سرکہ، درخت اور پھلوں کا عرق جیسے انار وغیرہ کا، اور لوبیا کا پانی یعنی وہ پانی جس میں لوبیا ڈال کر اتنا پکایا گیا ہو کہ وہ ٹھنڈا ہونے پر تھوڑا گاڑھا ہوجائے۔ ❷

اور اس طرح کی وہ مائع اور سیال چیزیں جن کو نچوڑے جانے پر نچڑ جائیں، یہاں تک کہ تھوک کا بھی یہی حکم ہے، چنانچہ انگلی پر اگر نجاست لگی ہو اور عورت کے پستان پر اگر لگی ہو تو بچے کو دودھ پلاتے وقت بچہ جب تین مرتبہ اس کو چاٹ لے تو وہ پاک ہوجاتا ہے اسی طرح شراب نوشی کرنے والے شخص کا منہ تھوک کے بار بار منہ میں لانے اور نگلنے سے منہ پاک ہوجاتا ہے۔ اور اگر وہ چیز ایسی ہو جاتی گاڑھی ہو کہ نچوڑے جانے پر نچڑ نہ سکے جیسے شہد، گھی، چربی، تیل اور دودھ اگرچہ اس میں سے مکھن نکلا ہوا ہو اور سالن اور اس طرح کے دیگر گاڑھے سیال مائعات تو ان سے طہارت حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ اس قسم کے سیال مادوں سے نجاست کے ازالے کا تحقق ممکن نہیں نظر آتا ہے۔ کیونکہ ازالہ نجاست تو ایسے ہوتا ہے کہ نجاست کے اجزاء ازالہ کرنے والی چیز (مائع) کے اجزاء کے ساتھ آہستہ آہستہ نکلتے ہیں، اور یہ طریقہ کار اس قسم کے سیال مادوں میں ممکن ہے جو نچوڑے جانے پر نچڑ سکتے ہوں، چنانچہ ایسے پتلے مائعات نجاست کے اجزاء زائل کرنے میں پانی کی طرح ہوں گے کیونکہ مائع پتلا ہونے کے سبب نجاست کے اندر داخل ہوکر اس کے اجزاء کے ساتھ مل جاتا ہے اور نچوڑے جانے پر نجاست کے اجزاء کو بھی ساتھ کھینچ لاتا ہے۔ امام محمد، امام زفر اور احناف رحمہم اللہ علیہم کے علاوہ دیگر فقہاء پانی کے علاوہ دیگر مائعات سے نجاست کے زائل ہونے کو جائز نہیں سمجھتے ہیں ❸ وجہ اس کی یہ ہے کہ پانی کا طاہر ہونا از روئے شریعت معلوم ہوا ہے اور شریعت نے پانی کے علاوہ کسی چیز کے طہارت حاصل کرنے کو نہیں بیان کیا تو پانی کے علاوہ دیگر اشیاء پانی سے ملحق نہیں کی جاسکتی ہیں۔

طہارت ایسے پانی سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے جس میں کوئی پاک چیز مل جائے اور اس کے اوصاف میں سے ایک وصف کو متغیر کردے۔ ❹

---

❶ ...... یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے ابن ماجہ نے حضرت ابوطعمہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے ان الماء طهور لاينجسه شيء الاماغلب على ريحه وطعمه ولونه یہ حدیث ضعیف ہے نصب الرایۃ (ج ۱ ص ۹۴) ❷ ہاں اگر پانی کا رنگ بغیر پکائے محض رکھے رکھے بدل جائے تو اس سے وضو درست ہے۔ ❸ القوانين الفقهية ص ۳۵، بداية المجتهد ج ۱ ص ۸۰ المغني ج ۱ ص ۱۱، مغنى المحتاج ج ۱ ص ۱۷۔ ❹ اور اگر اس کے تینوں اوصاف یا دو اوصاف تبدیل ہوگئے تو اس پانی سے وضو درست نہیں ہوگا لیکن صحیح قول اس بارے میں یہ ہے کہ درست ہوگا۔

جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی جس میں اشنان (ایک قسم کی گھاس) صابن یا زعفران مل جائے (اور اس کا رنگ یا بو یا مزہ تبدیل کر دے) بشرطیکہ اس پانی کی رقت اور سیلان باقی رہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اس پانی پر پانی کا اطلاق اس حالت میں بھی کیا جاتا ہے (یعنی چیزوں کے مل جانے کے باوجود) اور ان اشیاء سے جو پانی میں مل جاتی ہیں احتراز ممکن نہیں جیسے مٹی، پتے اور درخت وغیرہ، ہاں اگر مٹی غالب ہو یا صابن اور اشنان ملا پانی گاڑھا ہو جائے یا زعفران کا پانی رنگ بن جائے تو اس سے طہارت کا حصول درست نہیں ہوگا۔

۳۔ تیسری چیز دلک...... (ملنا) دلک کہتے ہیں نجاست لگی ہوئی چیز کو زمین پر قوت سے رگڑنا ایسے کہ نجاست کا اثر یا اس کا جسم زائل ہو جائے۔ اور دلک (ملنا۔ رگڑنا) کی طرح حت بھی ہے (کھرچنا) یعنی لکڑی یا ہاتھ سے کھرچنا، اور اس طریقے سے چمڑے کے موزے اور جوتے پاک ہو جاتے ہیں جن پر جسم والی نجاست لگی ہوئی ہو، خواہ خشک ہو یا تر نجاست ہو۔ اور جِرم (جسم) سے مراد ہے ہر وہ چیز ہے جس کا خشک ہونے کے بعد جسم رہ جائے جیسے پاخانہ، گوبر خون، منی، پیشاب اور وہ شراب جس میں مٹی وغیرہ مل جائے یہ بات مدنظر رہے کہ جسم والی نجاست میں گیلی چیز بھی شامل ہے مختار اور صحیح قول کے مطابق، یہی صحیح اور مختار قول ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ابتلاء عام ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے، جب تم میں سے کوئی مسجد آئے تو اپنے جوتوں کو پلٹ کر دیکھے، اگر کوئی گندگی نظر آئے تو اسے زمین سے پونچھ دے پھر ان میں نماز پڑھ لے ❶ اور اگر نجاست جسم والی نہ ہو تو اسے تین مرتبہ پانی سے دھونا ضروری ہے خواہ وہ خشک بھی ہو جائے، اور دھوتے وقت ہر مرتبہ اتنا نچوڑنا ضروری ہے کہ قطرے ٹپکنا بند ہو جائیں، اور چمڑے کے موزے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی نمی ختم ہو جائے، خشک ہونا اس کے لئے ضروری نہیں ہے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں جوتا رگڑنے سے جب صاف ہوگا جب خشک ہو، گیلا ہونے کی صورت میں وہ پاک نہیں ہوگا، کیونکہ روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑوں پر سے منی کو خشک ہونے کی صورت میں کھرچ دیا کرتی تھیں اور اس کو دھو دیا کرتی تھیں اگر وہ تر (گیلی) ہوتی ❷ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جوتا رگڑنے سے پاک نہیں ہوتا خواہ گیلا ہو یا خشک ہو۔ کیونکہ نجاست اس میں بھی ایسے ہی گھس جاتی ہے جیسے کپڑے اور بدن میں لگتی ہے لہٰذا اس کے (رگڑ لینے سے وہ پاک نہیں ہوگا) حنابلہ فرماتے ہیں کہ رگڑنے سے معمولی نجاست صاف و پاک ہو سکتی ہے، زیادہ ہونے کی صورت میں اس کا دھونا لازم ہے۔ ❸

۴۔ چوتھی چیز...... گندگی کو پونچھ کر صاف کرنا جس سے اس کا اثر ختم ہو جائے اس طریقے سے وہ چیزیں پاک ہوتی ہیں جن کی سطح پالش شدہ اور چکنی ہوتی ہے اور ان میں مسام نہیں ہوتے، جیسے تلوار آئینہ اور شیشہ وغیرہ اور چکنا برتن، ناخن، ہڈی چینی کے برتن اور چاندی کی غیر نقش شدہ پلیٹیں وغیرہ ذلک۔ وجہ یہ ہے کہ اس قسم کی چیزوں میں نجاست سرایت نہیں کرتی اور سطح پر لگی ہوئی نجاست پونچھ دینے سے صاف ہو جاتی ہے۔ یہ روایات صحیح طور پر ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کفار سے جہاد کرتے اور تلواریں پونچھ کر نمازیں پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور اسی بناء پر پچھنے لگی ہوئی جگہ کو تین صاف گیلے کپڑے کے ٹکڑوں سے پونچھ کر پاک کیا جا سکتا ہے۔ مالکیہ کی رائے بھی یہ ہے کہ جو چیزیں دھونے سے خراب ہو جائیں ان پر لگی ہوئی نجاست کو پونچھ کر صاف کیا جا سکتا ہے جیسے تلوار، جوتا، اور چمڑے کا موزہ۔ ❹

---

❶..... یہ روایت احمد، ابوداؤد، حاکم، اور ابن حبان نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کی ہے، اس کے موصول یا مرسل ہونے میں اختلاف ہے، امام ابوحاتم نے العلل میں اس کے موصول ہونے کو ترجیح دی ہے (نیل الاوطار ج ۱ ص ۴۴) ❷ اس حدیث کو دار قطنی نے اپنی مسند میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور یہ سند اصرف عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے دوسرے حضرات سے مرسلاً منقول ہے۔ اور یہ جو حدیث بیان کی جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا فاغسلیہ رطباء وافرکیہ ان کان یابسا تو یہ حدیث غریب ہے اور یہ حدیث ایسی ہے جو پہچانی نہیں جاتی (نصب الرایة ج ۱ ص ۲۰۹) ❸ نیل الاوطار ج ۱ ص ۴۴ القوانین الفقهية ص ۳۴، كشاف القناع ج ۱ ص ۲۱۸ المغنی ج ۲ ص ۸۳۔ ❹ القوانين الفقهية ص ۳۴۔۳۵۔

۵۔ پانچویں چیز......دھوپ یا ہوا سے خشک ہوجانا یا نجاست کا اثر ختم ہوجانا۔ زمین اور زمین پر موجود ہر چیز جو اس میں گڑی ہوئی ہو جیسے درخت، چارہ اور پتھر (ٹائل وغیرہ) یہ چیزیں اس طریقے کے تحت پاک ہوجاتی ہیں (یعنی ان پر لگی نجاست اگر خشک ہوجائے یا اس کا اثر زائل ہوجائے تو۔ یہ چیزیں پاک ہوجاتی ہیں) (صرف نماز کے لئے تیمم کے لئے نہیں، یعنی ایسی زمین خود پاک ہوتی ہے لیکن پاک کرنے والی نہیں ہوتی۔ ہاں وہ چیزیں جو زمین میں گڑی ہوئی نہ ہوں جیسے چٹائی، دری، کپڑا، بدن اور ہر وہ چیز جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوجاتی ہو تو وہ صرف دھونے سے ہی پاک ہوگی۔ اور زمین کی پاکی اس کا خشک ہونا ہے، کیونکہ یہ قاعدہ ہے **ذکاۃ الارض یبسھا** (زمین کی پاکی اس کا خشک ہونا ہے) ❶ اور حضرت ابن عمر کی یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسجد میں رات کو سویا کرتا تھا اور میں مکمل جوان آدمی تھا، اور کتے مسجد میں آتے جاتے اور پیشاب بھی کردیا کرتے تھے لیکن لوگ ان سب چیزوں پر پانی بہایا نہیں کرتے تھے ❷ زمین کے پاک ہوجانے کے اس مسئلے میں تیمّم اور نماز میں اس لئے فرق کیا جاتا ہے کہ نماز کے لئے مطلوب جگہ کا پاک ہونا ہے اور تیمّم کے لئے مٹی کا پاک کرنے والا ہونا، اور خشکی سے طہارت حاصل ہوتی ہے طہوریت نہیں اور طہارت کا ہونا طہوریت کو مستلزم نہیں اور تیمم میں مٹی کی طہوریت شرط ہے جیسے پانی میں طہوریت پانی شرط ہے۔

احناف کے علاوہ علماء کے ہاں زمین خشک ہونے سے پاک نہیں ہوتی ہے اس کو نجاست لگ جانے کی صورت میں پانی سے دھونا ضروری ہے۔

چنانچہ ناپاک زمین اور حمام کے ٹب، دیواریں اور حوض اور اس جیسی چیزیں پانی کے ان پر سے بکثرت بہہ جانے کی وجہ سے پاک ہوجاتی ہیں، یعنی برسات وغیرہ کی وجہ سے زیادہ پانی کے ان پر سے گذر جانے کے سبب جسم نجاست ختم ہوجانے کی وجہ سے یہ چیزیں پاک ہوجاتی ہیں جیسا کہ اس اعرابی کی حدیث میں ہے جس نے مسجد میں پیشاب کردیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ایک ڈول پانی بہانے کا حکم دیا تھا۔ ❸

۶۔ چھٹی چیز......اس لمبے کپڑے کو پہن کر مسلسل چلنا جو پاک اور ناپاک دونوں طرح کی زمینوں پر سے گزرتا ہو۔ یعنی اگر کسی نے طویل کپڑا پہن رکھا ہے اور وہ اس کو پہن کر جا رہا ہے اور اس کا کپڑا زمین پر گھسٹ رہا ہے تو اس گھسٹنے کے سبب وہ کپڑا پاک کہلائے گا کیونکہ زمین کا بعض حصہ دوسرے بعض حصے کو پاک کردیتا ہے، دلیل اس کی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔

وہ فرماتی ہیں کہ میں اپنا دامن لمبا رکھتی تھی اور کبھی گندی جگہ سے گذرنا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس (کپڑے) کو بعد میں آنے والی زمین پاک کردے گی ❹ مالکیہ اور حنابلہ احناف کے ساتھ اس مسئلے کے بارے میں متفق ہیں امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ جب ہے کہ وہ خشک نجاست پر سے گذرے اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ نجاست بہت معمولی سی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ اس کا دھونا لازم ہوگا۔ ❺

۷۔ ساتویں چیز: فرک (کھرچنا) اس طریقے سے انسان کی منی کو پاک کیا جاتا ہے جب وہ کپڑے سے لگ کر خشک ہوجائے اور کھرچنے کے بعد اس کے نشان کے باقی رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جیسے اگر اس کو دھو لینے کے بعد اس کا نشان برقرار رہے تو کوئی فرق نہیں

---

❶ ...... اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ یہ جملہ حدیث مرفوع ہے احناف نے اس کو اختیار کیا ہے، اور یہ جملہ ابوجعفر محمد باقر سے منقول ہے، اور مراد اس کے خشک ہونے سے پاک ہونا ہے (اسنی المطالب، للحوت البیروتی ص ۱۱۲) ❷ روایت ابوداؤد کی ہے (معالم السنن للخطابی ج ۱ ص ۱۱۷) ❸ صحاح ستہ کے حضرات نے ماسوا امام مسلم کے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دیہاتی آیا اور اس نے مسجد میں پیشاب کردیا تو لوگ اسے پکڑنے اٹھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوڑ دو اسے اور ایک ڈول پانی بہادو تم لوگ آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو مشکل میں ڈالنے والے بنا کر نہیں "سجل" یا "ذنوب" کے لفظ کے معنی ہیں بڑا عظیم الشان ڈول (نیل الاوطار ج ۱ ص ۴۱) ❹ روایت ابوداؤد۔ ❺ معالم السنن للخطابی ج ۱ ص ۱۱۸ القوانین الفقہیة ص ۳۵، کشاف القناع ج ۱ ص ۲۱۸۔

پڑتا شرط یہ ہے کہ عضو خاص کا سرا پاک ہو اس طرح کہ اس شخص نے پانی سے استنجا کیا ہوا ہو، کاغذ یا پتھر سے نہیں، کیونکہ پتھر وغیرہ اس پیشاب کو ختم نہیں کرتے ہیں جو عضو کے سرے پر پھیل چکا ہوتا ہے، ہاں اگر پیشاب پھیلا نہ ہو اور منی باہر نکل کر اس پر لگی بھی نہ ہو تو وہ بھی کھرچنے سے پاک ہو جائے گی۔ کیونکہ حشفہ کے اندر پیشاب پر سے اس کا گذرنا مضر نہیں ہے۔ اور اس مسئلے میں مرد اور عورت کی منی میں فرق نہیں۔ اگر منی تر ہو یا آدمی کے علاوہ کسی اور کی منی ہو یا آدمی نے کاغذ یا پتھر وغیرہ سے استنجاء کیا ہوا ہو تو وہ منی کھرچنے سے پاک نہیں ہوگی۔ اس کو دھونا ضروری ہوگا۔ اور یہ اس حدیث کے مطابق ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر سے منی کو دھو دیا کرتی تھیں ❶ اور دار قطنی کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کردہ روایت میں ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی کھرچ دیا کرتی تھی اگر وہ خشک ہوتی اور دھو دیا کرتی تھی اگر وہ تر ہوتی۔ ❷

اور یہ بات پیش نظر رہے کہ ترتیب مطہرات میں دلک اور فرک کو ایک چیز گردانا جا سکتا ہے۔ ❸

مالکیہ احناف کے ہمنوا ہیں منی کو ناپاک قرار دینے میں، شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ آدمی کی منی پاک ہے۔ دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہی حدیث ہے جو دار قطنی نے روایت کی ہے اور جو پہلے گذری، اور دوسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے اس کو اذخر ❹ سے پونچھ کر دور کر لو یا کسی کپڑے کے ٹکڑے سے کیونکہ یہ بمنزلہ ناک کی رینٹ اور تھوک کے ہے۔ ❺

دراصل اس اختلاف کا سبب دو چیزیں ہیں ایک تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اضطراب ہے کبھی وہ اسے دھوتی ہیں اور کبھی کھرچ لیتی ہیں، اور دوسری چیز یہ ہے کہ منی دو حیثیتوں کے بیچ میں زیر گردش ہے کہ یا تو وہ ان چیزوں کے مشابہ ہے جو جسم سے خارج ہوتی ہیں (پیشاب پاخانہ وغیرہ) یا ان پاک چیزوں سے مشابہ ہے جو جسم سے نکلتی ہیں جیسے دودھ وغیرہ۔

میرا میلان منی کی پاکی کے قول کی طرف ہے مقصود لوگوں پر آسانی کرنا ہے، ہاں کپڑے کو گھن کی وجہ سے دھولیا جائے گا نجاست کی وجہ سے نہیں کیونکہ حضرت عائشہ کی پہلی حدیث صحیح ہے جس میں وہ صرف منی کھرچنے پر اکتفاء کرتی ہیں اگرچہ یہ حنفیہ کی دلیل اس بارے میں بھی ہے کہ نجاست کو پانی کے علاوہ اشیاء سے بھی دور کیا جا سکتا ہے۔ ❻

۸۔ آٹھویں چیز:......دھننا، اور اس طریقے سے روئی پاک ہوتی ہے اور نجاست کا اثر چلا جاتا ہے اگر کم ہو۔

۹۔ نویں چیز......تقویر یعنی گندی چیز کے گندگی والے حصے کو علیحدہ کر دینا اس طریقے سے جما ہوا ناپاک گھی چربی وغیرہ پاک ہوتی ہیں جیسے ناپاک گھی اور شیرہ وغیرہ، دلیل اس کی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کی

حدیث ہے کہ ایک چوہا ایک مرتبہ گھی میں گر پڑا اور اس میں مر گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اور اس کے آس پاس کے گھی کو نکال کر پھینک دو اور باقی کھالو(۷) یہ مسئلہ متفق علیہ ہے اگر گھی جما ہوا ہو تو نجاست پھینک دی جائے گی اور اس کے اردگرد کا گھی بھی خاص طور پر اور اگر نجاست کسی مائع چیز میں گر جائے جیسے تیل، پگھلا ہوا گھی تو جمہور کے ہاں پاک نہیں ہوگا(۸) اور

---

❶..... روایت بخاری مسلم۔ ابن جوزی فرماتے ہیں اس حدیث میں دلیل نہیں کیونکہ دھونا ناپاکی کی وجہ سے نہیں تھا گھن کی وجہ سے تھا (نصب الرایة ج ۱ ص ۲۰۹۔۲۱۰) ❷ اس حدیث کا حوالہ گذر چکا ہے۔ اور ہم یہ پہلے جان چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منی کو گیلا ہونے کی صورت میں دھونے کا اور خشک ہونے کی صورت میں کھرچنے کا حکم فرمایا تھا۔ یہ والی حدیث غریب ہے، بیہقی فرماتے ہیں دونوں حدیثوں میں منافات نہیں۔ نصب الرایہ حوالہ گزشتہ۔ ❸ القوانین الفقهیه ص ۳۴، بدایة المجتهد ج ص ۷۹، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۸۰ کشاف القناع ج ۱ ص ۲۲۴۔ ❹ اذخر: ایک خوشبودار گھاس ہے جو گھروں میں چھتوں میں لکڑی پر ڈالی جاتی ہے۔ ❺ اس کو سعید بن منصور اور دار قطنی نے روایت کیا ہے۔ ❻ المجموع ج ۲ ص ۵۶۰ بدایة المجتهد ج ۱ ص ۷۹، نیل الاوطار ج ۱ ص ۵۵ ❼ روایت بخاری احمد اور نسائی نے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں فی سمن جامد سبل السلام ج ۳ ص ۸۔ ❽ القوانین الفقهیة ص ۳۵، المغنی ج ۱ ص ۳۷ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۵۹۔

احناف کے ہاں پاک ہو جائے گا اس طرح کہ اسی کی مقدار پانی اس پر تین مرتبہ بہا دیا جائے یا اسے ایک سوراخ دار برتن میں رکھا جائے اور پھر اس میں پانی ڈالا جائے تو تیل اوپر آ جائے گا تو اس کو نکال لیا جائے یا اس سوراخ کو کھول دیا جائے یہاں تک کہ پانی باہر نکل جائے اور تراشنا تقویر کی (نکال پھینکنا) کی طرح ہے اور ٹھوس چیزیں بھی پاک ہو جاتی ہیں ماسوا ان کے جن میں نجاست سرایت کر جائے، چنانچہ اگر برتن ہو تو وہ ایسے پاک ہوگا کہ پانی اس پر بہایا جائے اور وہ اس پر اتنا ڈالا جائے کہ پورے برتن کو وہ پانی ڈھانپ لے اور اگر وہ چیز ایسی ہے جو پکائی جاتی ہو جیسے گوشت، گندم، مرغی وغیرہ تو یہ اس وقت پاک ہوں گی جب یہ کچی حالت میں پاک کر لی جائیں، اور اگر اسے نجاست سمیت آگ پر جوش دیدیا گیا تو پھر وہ کبھی پاک نہیں ہو سکتی کیونکہ نجاست اس کے اندر سرایت کر چکی ہے، اور اسی بنا پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر جانور کے سر یا اس کی اوجھڑی کو پاک اور صاف کئے جانے سے قبل جوش دے لیا گیا تو وہ کبھی پاک نہیں ہوگی اور اگر مرغی کو پیٹ کی آلائشیں نکال لینے سے قبل اس کے پر اکھاڑنے کی غرض سے گرم پانی میں جوش دیدیا گیا تو وہ کبھی پاک نہ ہو سکے گی۔ مالکیہ حنابلہ احناف کے ساتھ اس بارے میں متفق ہیں کہ وہ گوشت جو نجاست کے ساتھ پکایا جائے پاک نہیں ہو سکتا البتہ مالکیہ مزید یہ کہتے ہیں نجس چیز کے ساتھ ابالا ہوا انڈا نجس چیز کے ساتھ نمک لگایا ہوا زیتون اور وہ پکی ہوئی مٹی یا ٹھیکری جس کے اندر

تک نجاست سرایت کر چکی ہو یہ چیزیں کبھی پاک نہیں ہو سکتی ہیں۔ ہاں اگر پکے ہوئے گوشت میں پکنے کے بعد نجاست گری تو وہ مالکیہ کے ہاں پاک ہو سکتا ہے اس طرح اس سالن وغیرہ کو دھو دیا جائے جس سے نجاست لگی ہو بشرطیکہ نجاست بہت دیر اس میں نہ رہی ہو۔ شوافع فرماتے ہیں وہ جامد چیزیں جن میں نجاست سرایت کر جائے وہ پاک ہو سکتی ہیں چنانچہ اگر گوشت کو نجس چیز میں پکایا جائے یا گندم میں نجاست سرایت کر جائے یا چھری کو نجاست میں بجھایا جائے تو وہ پانی بہا دینے سے پاک ہو جائیں گی ماسوا اس کچی اینٹ کے جو ٹھوس نجاست کے ساتھ گوندھی گئی ہو کہ وہ پاک نہیں ہو سکتی ہے۔

۱۰۔ دسویں چیز...... نجس چیز کو تقسیم کر دینا اس طرح کہ نجس اجزاء کو اوپری چیز سے علیحدہ کر دینا اور مثلی چیز کی تقسیم جیسے گندم اور جو اگر نجس ہو جائیں ان کو شرکاء یا خریداروں کے درمیان تقسیم کرنا۔ چنانچہ اگر گدھا اس گندم پر پیشاب کر دے جیسے وہ روند رہا ہو پھر اسے تقسیم کر دیا جائے یا کچھ کو دھو دیا جائے یا کچھ حصہ تحفے میں دے دیا جائے یا کھا لیا جائے یا بیچ دیا جائے تو بقیہ اور استعمال شدہ دونوں پاک شمار ہوں گے اور اسی طرح حکم ہے اس نجس چیز کا جس کو کسی ایسے شخص کو ہبہ کر دیا جائے جو اس کو نجس نہیں سمجھتا ہو تو وہ اس کے حق میں پاک شمار ہوگی تقویر، تقسیم اور ہبہ حقیقت میں مطہرات نہیں ہیں ان کو سہولت اور آسانی کی خاطر تساھلاً پاک قرار دیا جاتا ہے۔

۱۱۔ گیارھویں چیز...... استحالہ (ماھیت کا بدل جانا) یعنی نجس چیز کا بذات خود یا کسی واسطے کی وجہ سے حقیقت و ماہیت بدل لینا، جیسے ہرن کا خون مشک بن جائے اور شراب جب خود سرکہ بن جائے یا کسی چیز کے ڈال دینے سے سرکہ بن جائے اور مردہ چیز جب نمک بن جائے یا کتا اگر شورزدہ چیز میں گر جائے نمک کی کان میں گر جائے، اور گوبر جب جل کر راکھ بن جائے اور ناپاک تیل کا صابن بنا لیا جائے، اور گندی نالی کی مٹی اور کیچڑ جب خشک ہو جائے اور اس کا اثر جاتا رہا اور نجاست کو اگر زمین میں دفن کر دیا جائے اور طویل عرصہ گذرنے کی وجہ سے اس کا اثر جاتا رہے۔ تو ان تمام صورتوں میں حقیقت بدل جانے کی وجہ سے یہ چیزیں پاک شمار ہوں گی۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل نہیں۔ وجہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی یہ ہے کہ نجاست جب استحالہ کر چکی اور اس کی حقیقت اور اوصاف بدل چکے تو یہ نجاست نہیں رہا کیونکہ یہ نام ہے ایک ذات کا جو موصوف ہے بعض صفتوں سے اور جب وصف بدل گیا تو یہ چیز بھی منعدم ہو جائے گی (مفہوم اس بات کا یہ ہے کہ نجاست ایک معنوی چیز ہے اور صفت کی وجہ سے اس کا تعین ہوتا ہے کہ وہ نجس ہے یا نہیں، جب اس کی وہ صفت ہی ختم ہو جائے تو وہ معنی (نجاست) نہیں رہیں گے) اور یہ چیزیں حکم کے اعتبار سے اس شراب کی طرح ہوگی جو سرکہ بن جانے کے

بعد بالاتفاق پاک شمار ہوتی ہے۔شراب اور اس کا مٹکا اس وقت پاک شمار ہوگا جب وہ خود بخود سرکہ بن جائے یا اسے دھوپ سے سائے یا سائے سے دھوپ میں منتقل کرنے سے یہ احناف کے علاوہ دیگر علماء کے ہاں ہے (۱) کیونکہ شراب کی نجاست اس کی نشہ آور شدت کے سبب تھی جو ختم ہو چکی اور کوئی نجاست اس نے پیچھے چھوڑی بھی نہیں ہے، اسی طرح مالکیہ کے ہاں شراب سرکہ بنائے جانے پر پاک ہو جاتی ہے۔شوافع اور حنابلہ کے ہاں شراب کو کسی چیز کے ذریعے سرکہ بنانے سے وہ پاک نہیں ہوگی جیسے پیاز یا خمیری روٹی ڈال کر اسے سرکہ بنا دیا جائے تو وہ پاک نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں ڈالی ہوئی چیز اس سے پہلی مرتبہ ملتے ہی نجس ہو جائے گی اور جو چیز موجود (یعنی شراب) وہ تو ہے ہی نجس لہٰذا نجاست استحالے سے پاک نہیں ہوگی، اور نہ ہی وہ پاک ہوتی ہے آگ سے۔ چنانچہ نجس گوبر کی راکھ نجس ہوگی اور ناپاک تیل سے بنا ہوا صابن نجس ہوگا۔اور نجاست کا دھواں اور اس کی گرد وغبار نجس ہوگی اور نجس پانی کے وہ بخارات جو چکنے جسم رکھنے والی چیز یا کسی اور چیز پر لگیں وہ ناپاک ہوں گے وہ مٹی جو گدھے یا خچر وغیرہ وہ جانور جن کا گوشت کھانا حرام ہے کی لید کو ساتھ ملا کر گوندھی جائے وہ بھی نجس ہے خواہ اس کو آگ میں جلایا بھی جائے جیسے ٹھیکری، اور اگر کتا کسی شوریدہ جگہ گر جائے اور نمک بن جائے یا صابن کے کارخانے میں جا گرے اور صابن بن جائے تو وہ نجس ہوگا۔تاہم مالکیہ نے مشہور قول کے مطابق نجس چیز کی راکھ اور دھویں کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہوئے اس کو پاک قرار دیا ہے۔اور یہ قول زیادہ قابل اعتماد ہے۔

حنابلہ نے شراب کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے رہنے سے سرکہ بننے کی صورت میں یہ شرط رکھی ہے کہ یہ کام سرکہ بنانے کی نیت سے نہ ہو لہٰذا اگر اس کے اِدھر اُدھر منتقل کرنے سے ارادہ سرکہ بنانا ہو تو شراب پاک نہیں ہوگی کیونکہ شراب کو سرکہ بنانا حرام ہے۔لہٰذا اس حرام عمل کے نتیجے میں شراب کی طہارت حاصل نہیں ہوگی۔

شوافع فرماتے ہیں (۲) کہ نجس چیزوں میں کوئی چیز بھی استحالے سے پاک نہیں ہوتی ماسوا تین چیزوں کے:

۱..... شراب مع اپنے برتن کے اگر وہ خود سرکہ بنے۔

۲..... کتے اور سور کے علاوہ جانوروں کی کھال جو ان کے مرنے کی وجہ سے ناپاک ہو یہ کھال دباغت کی وجہ سے اندر اور باہر سے پاک ہو جاتی ہے۔

۳..... وہ چیز جو زندہ شکل اختیار کرلے (حیوان بن جائے) جیسے مردار میں اگر کیڑے پڑ جائیں تو وہ کیڑے پاک ہوں گے کیونکہ ان میں حیات (زندگی) متحقق ہو گئی ہے۔

۱۲۔ بارہویں چیز..... ناپاک کھالوں کی دباغت، ناپاک یا مردہ کھالوں کی دباغت کھالوں کو پاک کر دیتی ہے ماسوا انسان اور سور کی کھال کے اور ماسوا ان جانوروں کی کھالوں کے جنہیں دباغت دینا ممکن نہیں جیسے چھوٹے سانپ کی کھال اور چوہے کی کھال۔دلیل اس کی یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس کھال کو دباغت دے دی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے" (۳) اور روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں کسی قوم کے گھر کے پاس سے گذرے تو آپ نے ان سے پانی طلب فرمایا اور پوچھا کیا تمہارے پاس پانی ہے تو ایک عورت بولی نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاں ایک مشکیزے میں جو مردار جانور کی کھال کا ہے کچھ پانی ہے آپ نے فرمایا کیا تو نے اسے دباغت نہیں دی تھی وہ بولی ہاں یارسول اللہ دی تھی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دباغت ہی اس کو پاک کرنے والی

(۱)..... القوانين الفقهيه ص ۳۴ بداية المجتهد ج ۱، ص ۴۶۱ الشرح الصغير ج ۱ ص ۴۶۔ الشرح الكبير ج ۱ ص ۵۷۔۵۹ المنتقى على المؤطا ج ۳ ص ۱۵۳۔ (۲) الحضرمية ص ۲۳۔ (۳) یہ روایت حضرت ابن عباس سے نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور حضرت ابن عمر سے دارقطنی نے نقل کی ہے یہ حدیث حسن ہے اور مسلم نے یہ ان الفاظ سے روایت کی ہے۔ اذا دبغ صارا ديمًا.

ہے❶ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ دباغت مردے کی نجاست کو دور کر دیتی ہے یعنی رطوبات اور خون وغیرہ کو تو دباغت بھی گویا ایسی ہے جیسے گندے کپڑے کو دھو دیا جاتا ہے۔

احناف کے ہاں دباغت اگر ایسی چیز سے دی جائے جو سڑنے اور گلنے سے روک دیتی ہو تو وہ دباغت مطہر (پاک کرنے والی) ہوگی خواہ وہ حکمی دباغت ہوں جیسے مٹی مل دینا یا دھوپ لگانا کہ مقصود ان دونوں سے حاصل ہو جاتا ہے اور ہر وہ چیز جو دباغت سے پاک ہو جاتی ہے وہ ذبح کر دینے سے بھی پاک ہو جاتی ہے اور صحیح قول کے مطابق دباغت کتے اور ہاتھی دونوں کی کھالوں کو پاک کر دیتی ہے اور انسانی کھال کو اس اصول سے اس لئے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے کہ انسان کو اللہ نے تکریم عطاء کی ہے اور سور کی کھال اسی لئے مستثنیٰ ہے کہ وہ نجس العین ہوتا ہے اور ان سے ملحق وہ جانور ہیں جن کی کھالوں کی دباغت ممکن نہیں جیسے چھوٹا چوہا۔ اور مردار کی کھال پر بال وغیرہ جو ہوتے ہیں وہ پاک ہوتے ہیں اور سانپ کی کینچلی پاک ہوتی ہے۔

دباغت شوافع کے ہاں بھی مطہر ہے❷ چنانچہ ہر کھال جو موت کی وجہ سے ناپاک ہو چکی ہو اس کا ظاہر دباغت کی وجہ سے پاک ہو جاتا ہے اور اسی طرح باطن بھی مشہور قول کے مطابق اگرچہ وہ جانور غیر ماکول اللحم (وہ جانور جن کو کھانا حرام ہے) ہو دلیل وہی دو حدیثیں ہیں جو پہلے گذریں ساتھ حضرت ابن عباس والی حدیث بھی جو حاشیے میں گذری لیکن شرط صرف یہ ہے کہ دباغت ایسی چیز کے ساتھ ہو جو اکھاڑنے والی ہو اور اس کا اطلاق ہوتا ہے کھال کی اضافی چیزیں یعنی نمی، رطوبت وغیرہ جن کے رہنے سے کھال خراب ہوتی ہے اور ان کو صاف کر دینے سے کھال اچھی ہوتی ہے کو حریف (تیز ذائقہ، تیزابی کیفیت رکھنے والی چیز) سے صاف کرنے پر اور حریف کا مطلب ہے **مایحرف الفم** جو منہ کو پھیر دے یعنی اس کی تیزی اور چرچراہٹ زبان کو جھلسا دے، اور حریف کی مثال جیسے قرظ، سلم کے پتے جو اخروٹ کے درخت سے مشابہ ہوتا ہے اس سے دباغت دی جاتی ہے اور بلوط کے درخت کے پتے، انار کے چھلکے اور شب (شب پھٹکری کی طرح کا ایک معدنی نمک ہوتا ہے وغیرہ کہ یہ چیزیں تیزابیت کی کیفیت والی ہوتی ہیں اور ان سے کھال کی دباغت اچھی طرح ہوتی ہے۔ اور دباغت جس چیز سے دی جا رہی ہے وہ خواہ پاک ہو یا ناپاک جیسے پرندوں کی بیٹ اس سے دباغت ہو جاتی ہے۔ لیکن دھوپ لگانے، مٹی ملنے، سکھا لینے یا نمک لگانے وغیرہ جن سے کھال کی رطوبات اور نمی وغیرہ سے صاف کرنے پر اکھڑتی نہیں ہیں، سے دباغت درست نہیں ہوتی خواہ کھال سوکھ جائے اور اس کی بدبو ختم بھی ہو جائے، کیونکہ کھال کے فضلات (اضافی چیزیں) ختم نہیں ہوئی ہیں وہ محض خشک ہوگئی ہیں۔ اور ثبوت اس کا یہ ہے کہ کھال کو دوبارہ اگر پانی میں ڈالا جائے تو بدبو دوبارہ لوٹ آئے گی۔ اور شوافع کے ہاں دباغت سے کتے، سور سے پیدا شدہ، یا ان دونوں سے پیدا شدہ، یا دونوں میں ایک کے کسی حلال جانور کے ساتھ ملا کر دوغلی نسل پیدا کی گئی ہو بہر حال اس جانور کی کھال کی دباغت جائز نہیں ہوگی۔ اسی طرح دباغت سے مردار کی کھال کے بال وغیرہ پاک نہیں ہو سکتے، تاہم تھوڑا ساتھ معاف ہے بوجہ مشقت اور حرج کے۔

مالکیہ اور حنابلہ بھی مشہور قول کے مطابق❸ یہ فرماتے ہیں کہ ناپاک کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی ہے، دلیل اس کی عبداللہ بن علیم

---

❶ ... اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی نے سلمہ بن المحبق سے اور ابن حبان نے اپنی صحیح ابن حبان میں امام محمد نے اپنی مسند میں اور ترمذی نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے ان حضرات نے ایک راوی جون بن قتادہ کی وجہ سے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے جیسا کہ نصب الرایۃ ج اص ۱۱۷ میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک باندی کو صدقے کی ایک بکری ملی وہ کچھ دنوں بعد مر گئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر گذر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تم نے اس کی کھال اتار کر دباغت دے کر اسے استعمال میں کیوں نہ لے لی تمہیں کچھ فائدہ ہی ملتا۔ وہ لوگ بولے یہ مردار ہے؟ آپ نے فرمایا اس کا کھانا حرام ہے یہ حدیث ابن ماجہ کے علاوہ حضرات صحاح ستہ نے روایت کی ہے۔ ❷ مغنی المحتاج. ج اص ۸۲، المهذب ج ا ص ۴۸. ❸ الشرح الصغير ج ا ص ۵۱، بداية المجتهد ج ا ص ۷۶، غاية المنتهى ج ا ص ۱۴، المغني ج ا ص ۶۶-۶۷

کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنی وفات سے ایک ماہ قبل یہ لکھوا کر بھیجا تھا کہ مردار کی نہ کھال سے نفع حاصل کرو اور نہ اس کے پٹھوں وغیرہ سے ❶ چنانچہ یہ حدیث پہلے کی احادیث کی ناسخ ہے کیونکہ یہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری عمر کی فرمائی ہوئی بات ہے، اور حدیث کے الفاظ اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ پہلے اس کے استعمال کی اجازت تھی اور یہ بعد کی حدیث ہے۔

علامہ دردیر مالکی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث ان الفاظ میں ملتی ہے کہ جو کھال دباغت دیدی جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے تو اس سے مراد طہارت لغوی ہے طہارت شرعی مراد نہیں۔ مذہب مالکی کے مشہور قول کے مطابق، اور اس صورت میں اس کھال پر نماز درست نہیں ہے۔

مالکیہ کے دباغت شدہ کھال کے بارے میں مشہور قول کہ وہ نجس ہے، کی بناء پر یہ مسئلہ متفرع ہے کہ کھال کو دباغت کے بعد خشک چیزوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے سیال اور تر چیزوں میں نہیں، جیسے کہ نماز کے علاوہ اسے پہنا جا سکتا ہے اور مسجد کے علاوہ اسے کہیں بچھونا بنایا جا سکتا ہے مائع اور سیال چیزوں میں اس کا استعمال درست نہیں ہے جیسے گھی، شہد، تیل، اور ہر قسم کے روغنیات اور کسی خاص قسم کا پانی (عام سادہ پانی نہیں) جیسے گلاب کا عرق اور تر روٹی خشک ہونے سے قبل اور پنیر وغیرہ کہ یہ چیزیں ایسی کھال میں نہیں رکھی جا سکتی ہیں اور اگر کھال میں رکھی گئیں تو نجس ہو جائیں گی اس اصول سے یہ حضرات سور کی کھال کو مستثنیٰ کرتے ہیں کہ وہ کسی حال میں پاک نہیں ہوگی، دباغت دی جائے یا نہیں، اور نہ ہی خشک چیز میں اس کا استعمال درست ہے اور نہ تر چیز میں۔ اور یہی حکم انسانی کھال کا ہے، کیونکہ انسان مشرف ومکرم ہے۔ بال جانور کا اون وغیرہ مالکیہ کے ہاں جانور کی موت سے ناپاک نہیں ہوتا۔

اور حنابلہ کے ہاں ناپاک دباغت شدہ کھال سے فائدہ حاصل کرنے کے بارے میں دو روایتیں منقول ہیں:

۱..... پہلی یہ کہ یہ استعمال جائز نہیں دلیل وہی حدیث حضرت عکیم ہے اسی طرح امام کی یہ حدیث مردار کی کسی چیز سے فائدہ مت اٹھاؤ جو انہوں نے اپنی کتاب "تاریخ" میں نقل کی ہے۔

۲..... دوسری روایت جو کہ راجح ہے یہ منقول ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، دلیل اس کی وہی حدیث جو گذر چکی "کہ کیوں نہ تم نے اس کی کھال اتار لی کہ تمہیں فائدہ ہو جاتا" دوسری بات یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب فارس کو فتح کیا تو ان کے پالانوں اور ان کے اسلحے اور ان کے ذبح شدہ مردار جانوروں سے فائدہ اٹھایا۔ دوسری بات یہ کہ اس فائدہ اٹھانے میں کوئی ضرر ونقصان نہیں یہ تو ایسی ہی ہے جیسے کتے سے شکار کھیلنا اور خچر اور گدھے کی سواری کرنا اور مردار جانوروں کے اون، بال مختلف جانوروں کے بال اور پشم اور پر حنابلہ کے ہاں پاک ہیں۔

میری نظر میں احناف اور شوافع کی رائے راجح ہے کہ دباغت پاک کرنے والی ہوتی ہے، کیونکہ حدیث ابن عکیم میں اختلاف اور اضطراب دونوں ہیں، امام حازمی الناسخ والمنسوخ میں فرماتے ہیں کہ: انصاف کا راستہ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ابن عکیم کی حدیث نسخ پر دلالت کرنے میں ظاہر وباہر ہے اگر وہ صحیح ہوتو، لیکن اس میں بہت اضطراب ہے صحت میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کے برابر نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو اختیار کرنا وجوہ ترجیح کی وجہ سے اولیٰ ہے حضرت ابن عکیم والی حدیث کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اس سے مراد دباغت سے پہلے نفع حاصل کرنے کی صورت ہے اور اس وقت اس کو "اہاب" بولا جاتا ہے دباغت کے بعد سے جلد بولا جاتا ہے اس وقت اسے "اہاب" نہیں بولا جاتا جیسا کہ اہل لغت میں یہ مشہور ومعروف ہے اور اس طرح دونوں حکموں پر عمل

---

❶ اس حدیث کو پانچوں حضرات (امام احمد اور چاروں اصحاب سنن) نے روایت کیا ہے، امام شافعی، بیہقی اور ابن حبان نے بھی اس کو روایت کیا ہے امام ترمذی نے اسے حدیث حسن کہا ہے... دارقطنی نے روایت کیا ہے... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہینہ والوں کو لکھا میں نے تمہیں مردار جانوروں کی کھالوں کے بارے میں رخصت دی تھی جب تمہیں میرا یہ خط پہنچے تو مردار کی کھال اور پٹھوں سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۶۳۔

بھی ہو جائے گا، یہ طریقہ کار ہے تضاد دور کرنے کا❶ اور آخر میں یہ بات بھی پیش رہے کہ سرکہ بنالینا اور دباغت یہ دونوں استحالہ یا انقلاب ماہیت کے ذیل میں آتے ہیں۔

۱۳: تیرہویں چیز :شرعی طریقہ......ذبح، ذبح شدہ جانور کو پاک کرنے کے لئے یعنی شرعی ذبح شدہ جانور کو پاک کر دیتا ہے، اور ذبح کہتے ہیں مسلمان یا کتابی (یہودی یا نصرانی) کے کسی بھی جانور کے ذبح کرنے کو خواہ وہ حرام ہی ہو چنانچہ مذہب حنفی کے صحیح اور راجح ترین قول کے مطابق ذبح کرنے سے حرام جانور کا سب کچھ پاک ہو جاتا ہے ماسوا گوشت اور چربی کے، کیونکہ ہر وہ جانور جس کی کھال دباغت سے پاک ہو سکتی ہے اس کی کھال ذبح کرنے سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔ دلیل اس کی حدیث نبوی ہے کہ کھال کی دباغت اس کا ذبح کرنا ہے❷ اس حدیث میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دباغت کو ذکاۃ (ذبح) سے ملحق کر دیا اور کھال چونکہ دباغت سے پاک ہو جاتی ہے لہٰذا اسے ذبح کرنے سے بھی پاک ہونا چاہئے، کیونکہ ذبح کرنا دباغت ہی کی طرح ہے بہتے خون اور رطوبات کے دور کرنے میں تو ذبح کرنا پاکی کا سبب ایسے ہی ہے جیسے دباغت پاکی کا سبب ہے۔ ہاں آدمی اور سور اس اصول سے مستثنیٰ ہیں اور مجوسی کا فعل ذبح ذبح شرعی نہیں، کیونکہ وہ اہل ذبح میں سے نہیں ہوتا، تو اس کا ذبح کرنا طہارت کے لئے مفید نہ ہوگا؛ ورنہ دباغت ہی ضروری ہوگی۔ اور ہر وہ چیز جس میں خون سرایت نہیں کرتا ہے جانور کی موت سے وہ چیزیں ناپاک بھی نہیں ہوتیں، جیسے بال، ٹوٹا ہوا پر، سینگ، کھر، اور ہڈی اگر اس پر چربی نہ ہو اور پٹھا صحیح قول کے مطابق نجس ہے، اور مشک کا نافہ بھی مشک کی طرح پاک ہے اور حلال جانور کو ذبح کرنے سے اس کی تمام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں۔

ماسوا بہتے خون کے، یہ تمام مذاہب کا متفقہ مسئلہ ہے مالکیہ کا مشہور قول یہ ہے❸ کہ اگر حرام جانور (جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا) ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت چربی اور کھال پاک ہو جاتی ہے سوائے آدمی اور سور کے آدمی کا اس لئے نہیں کہ وہ محترم اور مکرم ہے اور سور اس لئے کہ وہ نجس العین ہے تاہم علامہ صاوی اور دردیر فرماتے ہیں کہ مشہور قول مذہب کا یہی ہے کہ ذبح کرنا گدھے، گھوڑے، خچر، کتے اور سور جیسے حرام گوشت جانوروں میں مؤثر اور مطہر نہیں ہوگا۔ ہاں وحشی درندے اور وحشی (جنگلی) پرندے ذبح کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں۔

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں❹ کہ حلال گوشت جانور کے علاوہ کسی اور حرام گوشت جانور کو ذبح کے ذریعے پاک نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ذبح کا اثر دراصل یہ ہوتا ہے کہ وہ گوشت کو مباح کر دیتا ہے اور کھال گوشت کے تابع ہوتی ہے چنانچہ ذبح کرنا جب گوشت میں مؤثر نہیں ہوا تو گوشت کے علاوہ بھی کسی چیز میں مؤثر نہیں ہو سکتا ہے جیسے مجوسی شخص کا ذبح یا غیر مشروع ذبح مؤثر نہیں ہوتا۔ اور ذبح کو دباغت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے، کیونکہ دباغت گندگی اور تمام رطوبات کو دور کر دیتی ہے اور کھال کو اتنا صاف اور اچھا کر دیتی ہے کہ وہ ہمیشہ اس حالت پر برقرار رہ سکتی ہے اور اس میں تغیر واقع نہیں ہوتا جب کہ ذبح سے یہ کیفیت حاصل نہیں ہوتی ہے چنانچہ صرف ذبح کر لینے سے دباغت سے کفایت نہیں ہو سکتی ہے، یہ رائے میرے نزدیک راجح ہے کیونکہ ذبح کا قیاس دباغت پر تعبدیات (عبادت کے معاملات) میں قیاس ہے جو کہ درست نہیں ہوتا۔

۱۴۔ چودہویں چیز......آگ چند جگہوں پر طہارت کا فائدہ دیتی ہے جب اس کے ذریعے نجاست کا استحالہ (حقیقت و ماہیت بدلنا) کیا جائے یا نجاست کا اثر اس کے سبب زائل ہو جائے جیسے نئے مٹی کے برتن کو آگ میں پکا دینا اور لید کا راکھ بن جانا اور بکری کی سری

---

❶...نیل الاوطار ج ۱ ص ۶۵۔ ❷ نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مردار جانوروں کی کھالوں کے بارے میں پوچھا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی دباغت ان کی پاکی ہے اسی طرح دارقطنی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہر کھال کی دباغت اس کی پاکی ہے دارقطنی کہتے ہیں کہ سند میں سب راوی ثقہ ہیں۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۶۳ ابن حبان طبرانی اور بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ❸ بدایۃ المجتھد ج ۱ ص ۴۲۷ القوانین الفقھیۃ ص ۱۸۱ حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ج ۱ ص ۴۵۔ ❹ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۵۸ المغنی ج ۱ ص ۷۱ غایۃ المنتھی ج ۱ ص ۱۴۔

کے خون کو جلا دینا اور اسی طرح آگ میں جوش دے دینے سے بھی پاکی حاصل ہو جاتی ہے جیسے چربی یا گوشت کو تین مرتبہ جوش دے دینا، علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں، یہ گمان نہ کیا جائے کہ جس چیز میں آگ چلی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے جیسا کہ مجھے بعض لوگوں کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ اس مغالطے میں مبتلا ہیں، مراد یہ ہے کہ نجاست اگر آگ کی وجہ سے استحالہ کر لے یا اس کا اثر زائل ہو جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نجاست کا آگ میں جلانا طہارت کا سبب ہے۔

احناف کے علاوہ دیگر فقہاء کے ہاں آگ مطہر نہیں ہے جیسا کہ ہم یہ بات بحث استحالہ میں ذکر کر چکے ہیں، چنانچہ نجس چیز کا دھواں اور راکھ ناپاک ہیں تاہم مالکیہ نے مشہور قول کے مطابق نجس چیز کی راکھ کو اور نجس چیز کے دھوئیں اور نجس ایندھن کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور ان چیزوں کو آگ میں جلنے کے سبب پاک قرار دیا ہے۔

۱۵۔ پندرہویں چیز:.....ناپاک کنویں سے پانی نکالنا یا کنویں کے پانی کا زمین میں اتر جانا (کنواں سوکھنا) اتنی مقدار جتنا اس کا نکالنا واجب تھا، یہ پاکی کا سبب ہے۔کنویں کا سوکھ جانا بھی ایسے ہی مطہر ہے جیسے پانی کا نکالنا۔نزح: پانی کے نکالنے کا مفہوم ہے جتنے ڈول نکالنا واجب ہے اتنے ڈول نکال لئے جائیں یا کنویں میں آدمی یا کوئی اور جانور نکال لینے کے بعد پورے پانی کا نکال لینا۔یہ عمل کنویں کو پاک کر دیتا ہے۔جب کنویں میں سے پورا پانی نکالنا لازم ہو تو پانی کے تمام سوتوں کو بند کر دینا مناسب ہے اگر ممکن ہو پھر اس کے بعد سارا پانی نکالا جائے اور اگر ممکن نہ ہو کہ پانی کے راستے بند کئے جاسکیں، کیونکہ پانی بہت زیادہ نکل رہا ہو تو اس صورت میں مندرجہ ذیل تفصیل کے مطابق پانی نکالا جائے گا۔❶

الف.....اگر کنویں میں کوئی جانور گر گیا ہو تو اگر وہ نجس العین ہو جیسے سور تو تمام پانی نکالنا ضروری ہوگا۔اور احناف کے ہاں صحیح قول یہ ہے کہ کتا نجس العین نہیں ہے۔اور اگر گرنے والا نجس العین نہ ہو تو اگر آدمی گرا ہو تو کنواں ناپاک نہیں ہوگا، اور بقیہ حیوانات میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہو جیسے خونخوار پرندے اور درندے تو صحیح قول یہ ہے کہ کنواں نجس ہو جائے گا اور اگر گدھا یا خچر گرے تو صحیح یہ ہے کہ پانی مشکوک ہو جائے گا۔

ب.....اور اگر گرنے والا جانور ایسا ہو کہ جس کا گوشت کھایا جاتا ہو تو اگر وہ مرا ہوا نکلے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور اگر وہ پھولا یا پھٹا ہوا نکلا تو سارا پانی نکالا جائے گا۔اور اگر وہ پھولا یا پھٹا ہوا نہ نکلے تو ظاہر الروایہ کے مطابق وہ تین قسموں پر ہوگا چوہے اور اس جیسے چھوٹے جانور ہونے کی صورت میں بیس سے تیس ڈول نکالے جائیں گے ڈول کے چھوٹے یا بڑے ہونے کے لحاظ سے اور مرغی جیسے جانور نکلنے کی صورت میں چالیس سے پچاس ڈول نکالے جائیں گے۔اور آدمی اور اس کے ڈیل ڈول کے دوسرے جانور نکلنے کی صورت میں کنویں کا سارا پانی نکالا جائے گا، اور یہ اس صورت میں ہے کہ اس آدمی پر یقینی طور پر نجاست ہو حقیقی یا حکمی یا اس نے وضو یا غسل کی نیت کی ہو۔ان کی دلیل اس بارے میں صحابہ کرام کا فعل ہے اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نبوی مروی نہیں ہے۔

۱۶۔ سولہویں چیز.....پانی کا ایک جانب سے آنا اور دوسری جانب سے نکل جانا۔یہ چھوٹے حوض کے بارے میں ہے کہ اگر تین مرتبہ اس میں سے اس طرح پانی نکل جائے تو یہ اس کو تین مرتبہ دھونے (پاک) کرنے کے مترادف ہوگا یہ حمام کے حوض اور برتنوں کے پاک کرنے کا طریقہ ہے کیونکہ نجاست کے اثر کے زائل ہونے سے پانی ماء جاری (بہتے پانی) کی طرح ہو جاتا ہے اور نجاست کے اس میں رہنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔اس بنا پر یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ اگر کسی نامی یا بڑے برتن میں پانی ناپاک ہو جائے تو اس کی ایک جانب سے پاک پانی اتنا ڈال دینے سے کہ دوسری طرف سے وہ بہہ کر نکل جائے، وہ پانی پاک ہو جائے گا۔

---

❶ تحفة الفقهاء ج ا ص ۱۰۱ طبع دار الفكر دمشق مع تحريج وتحقيق احاديث از مؤلف بسيع پروفيسر منتصر كتانى.

۱۷۔ سترہویں چیز..... کھدائی، یعنی زمین کو ایسے کھودنا کہ اس کا اوپری حصہ پلٹ کر نیچے چلا جائے یہ زمین کو پاک کر دیتا ہے۔

۱۸۔ اٹھارویں چیز..... کپڑے یا بدن کے ایک حصے کو دھونا، یہ پورے بدن کو دھونے کے بدلے میں کافی ہوتا ہے اگر انسان اپنے بدن یا کپڑے کی وہ جگہ بھول جائے جو ناپاک ہوئی تھی اور خواہ یہ دھونا بلا کوشش وتلاش (تحری) کے ہی کیوں نہ ہو احناف کے ہاں یہی بات زیادہ راجح ہے۔ (یہ تو احناف کی رائے کے مطابق مطہرات (پاک کرنے والی اشیاء) کی اقسام ہیں یہ کل اٹھارہ چیزیں ہوئیں، دیگر فقہاء کی آراء کا بیان آگے آرہا ہے)

مطہرات کے بارے میں غیر حنفی حضرات کی آراء..... احناف کے ہاں مطہرات کی بحث کے ذیل میں ہم نے دیگر مذاہب کی آراء سے بھی واقفیت حاصل کر لی تھی، میں یہاں ان آراء کو مستقل طور پر مختصراً بیان کرتا ہوں۔

مالکیہ کا مذہب:..... مالکیہ کے ہاں مطہرات مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

۱۔ عام مطلق پاک پانی سے دھونا..... یہ ہر اس چیز کے لئے ہے جہاں صرف پونچھنا اور پانی کا چھڑکنا کافی نہ ہو اور پانی کا صرف گذار دینا کافی نہیں ہے بلکہ عین نجاست (جسم نجاست) اور اس کے اثر دونوں کا بالکل ختم ہونا ضروری ہے اور نجاست کا پانی کے علاوہ کسی اور مائع چیز سے دور کرنا درست نہیں ہے۔

۲۔ گیلے کپڑے سے پونچھ دینا..... یہ اس چیز کے بارے میں ہے جو دھونے سے خراب ہو جائے جیسے تلوار جوتا اور چمڑے کا موزہ۔

۳۔ تیسری چیز..... کپڑے یا چٹائی پر چھڑکاؤ، اگر اس کی نجاست میں شک ہو تو وہ چھڑکاؤ بلا نیت درست ہے جیسے دھونا۔ اور چھڑکنے کا مطلب ہے ہاتھ سے چھڑکنا یا کسی اور ذریعے سے جیسے منہ سے چھڑکاؤ یا بارش کا ایک مرتبہ چھڑکاؤ اس مشکوک جگہ پر اور یہ چھڑکاؤ عام سادہ پانی (ماء مطلق) سے ہونا چاہئے چنانچہ کسی جگہ کے نجس ہونے کے شک کی صورت میں اس جگہ کا چھڑکاؤ لازم ہے دھونا لازم نہیں ہاں اگر دھولے تو بہتر ہے۔ ہاں بدن کا کوئی حصہ مشکوک ہو کہ نجس ہے یا نہیں تو اس پر چھڑکاؤ درست نہیں اس کا دھونا ایسا ہی ضروری ہے جیسے نجاست کے لگنے کے یقین کی صورت میں دھونا ضروری ہوتا ہے۔

۴۔ چوتھی چیز..... پاک مٹی تیمم کے لئے یعنی طہارت حکمی کے لئے ذریعہ ہے۔

۵۔ پانچویں چیز..... رگڑنا، یہ ذریعہ طہارت ہے موزے، جوتے وغیرہ کو جانوروں کی لید اور ان کے پیشاب وغیرہ لگ جانے کی صورت میں پاک کرنے کے لئے یعنی وہ راستے جن پر جانوروں کی لید اور پیشاب وغیرہ بہت زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ جانوروں کی آمد ورفت ان جگہوں پر بہت ہوتی ہے اور ان سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جانوروں کے علاوہ دوسرے ذی روح جیسے انسان، کتا، بلی وغیرہ تو کپڑے یا بدن پر ان کے فضلات میں سے کوئی چیز اگر لگ جائے تو وہ معاف نہیں ہے اسی طرح اگر جانوروں کی لید اور پیشاب وغیرہ جوتوں کے بجائے کپڑے اور بدن پر لگ جائے تو وہ بھی قابل معافی نہیں ہے۔

۶۔ بار بار چلنا یا گذرنا..... عورت کا وہ لمبا کپڑا جو خشک ناپاک زمین پر گھسٹ رہا ہو اس پر اگر گرد وغبار لگ جائے تو اس کے چلتے رہنے سے اور اس کپڑے کے گھسٹتے رہنے سے وہ کپڑا پاک ہو جائے گا۔ شرط یہ ہے کہ عورت نے یہ کپڑا تکبر کی غرض سے لمبا نہ کیا ہوا ہو، ستر پوشی کی غرض سے لمبا رکھا ہو۔ اور تر نجاست کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور پاکی اس صورت میں حاصل ہوگی کہ وہ عورت موزے نہ

---

❶..... القوانين الفقهية ص ۳۴. الشرح الصغير ج ۱ ص ۶۴۔ ۸۲ بداية المجتهد ج ۱ ص ۸۲ الشرح الكبير ج ۱ ص ۵۲

پہنی ہوئی ہوا گر اس نے موزے پہن رکھے ہوں تو یہ رخصت نہیں ہوگی۔اسی طرح اس شخص کا بھی حکم ہے جو گیلے پیر کے ساتھ خشک نجاست پر چلے تو بعد والی خشک زمین (جس پر اس کے پاؤں خشک حالت میں پڑیں) اس کو پاک کر دے گی ان دونوں صورتوں میں ان لوگوں کو اپنی اسی حالت میں نماز پڑھ لینے کی اجازت ہے ان پر دھونا ضروری نہیں ہے۔اور بارش کا کیچڑ پاک شمار ہوگا اس کا لگنا معاف ہے اگر نجاست غالب نہ ہو یا نجاست کا جسم اس میں برقرار نہ ہو۔

۷۔ساتویں چیز.....تقویر (کاٹ کر نکالنا) یہ جامد اور ٹھوس چیزوں کے پاک کرنے کا طریقہ ہے، جیسے چوہا اگر جمے ہوئے گھی میں گر جائے تو چوہا اور اس کے آس پاس کا گھی نکال دیا جائے تو وہ پاک ہو جائے گا امام سحنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ زیادہ عرصے رہا تو یہ حکم نہ ہوگا۔اور اگر چوہا پگھلے ہوئے گھی میں گر کر مر جائے تو سارا گھی پھینک دیا جائے گا، اور اسی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ نجاست اگر پانی کے علاوہ کسی اور سیال مادے میں گری تو وہ ناپاک ہو جائے گا چاہے وہ متغیر ہو یا نہ ہو۔

۸۔آٹھویں چیز:......پانی کا نکالنا، جب کوئی جانور کنویں میں گر جائے پانی متغیر ہو جائے تو پورے پانی کا نکالنا واجب ہے، اور اگر پانی متغیر نہ ہوا ہو تو مستحب یہ ہے کہ پانی، گرنے والے جانور، اور کنویں میں موجود پانی، دونوں کے برابر نکالا جائے یعنی پورا پانی نکالا جائے اور اضافی طور پر جانور کے بقدر (ہم وزن) پانی نکالا جائے۔

۹۔نویں چیز:......ناپاکی کی جگہ کو دھونا۔اگر بدن اور کپڑے کی نجاست کی جگہ الگ اور ممتاز ہو تو اکیلا اس جگہ کو دھویا جائے گا بصورت دیگر پورے کو دھونا ہوگا۔

۱۰۔دسویں چیز:......استحالہ: (حقیقت و ماہیت کا بدل جانا) شراب اگر خود سرکہ بن جائے یا اسے سرکہ بنا دیا جائے تو وہ پاک ہو جائے گی، اور مردار کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی ہے۔اور قابل اعتماد اور راجح قول یہ ہے کہ نجس چیز کی راکھ اور اس کا دھواں پاک ہے۔

۱۱۔گیارہویں چیز:......شرعی طریقے سے ذبح کرنا، یہ غیر ماکول اللحم (حرام گوشت جانور) کو پاک کر دیتا ہے ماسوا آدمی اور سور کے اور علامہ دردیر رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق مشہور قول مذہب کا یہ ہے کہ حرام گوشت جانوروں کو ذبح کرنا اس کے لئے مطہر نہیں ہوگا جیسے گھوڑے، خچر، گدھے، کتے اور سور۔اور اگر کسی شخص نے نماز ادا کی اور ادائیگی کے بعد دیکھا کہ اس کے کپڑے یا بدن پر نجاست لگی ہوئی ہے جس کا اسے علم نہیں تھا یا اسے علم تھا لیکن وہ اسے بھول گیا تھا تو ان مالکی حضرات کے ہاں نماز درست ہو جائے گی تو نجاست کا ازالہ اس وقت ضروری سمجھتے ہیں جب انسان کو یاد ہو اور اس کا زائل کرنا ممکن ہو اور قدرت میں ہو۔

مائع اور جامد اور دیگر چیزوں کو پاک کرنے والی اشیا شوافع کے ہاں چار ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔❶

۱۔عام سادہ پانی......(ماء مطلق) یعنی وہ پانی جس پر پانی کا اطلاق کیا جاتا ہو بلا کسی اضافی قید کے جیسے ماء الورد (گلاب کا پانی) یا کسی وصفی قید کا اضافہ بھی نہ ہو جیسے ماء دافق (اچھلنے والا پانی منی کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے)۔اس پانی ماء مطلق کی چند قسمیں ہیں۔اب جو آسمان سے اترا ہوا ہو جیسے بارش، برف اور اولوں کا پانی۔

۲۔زمین سے نکلنے والا پانی......یہ چار طرح کا ہے چشموں کا، کنواں کا، نہروں کا اور دریاؤں اور سمندروں کا۔گندگی دور کرنے کے لئے اور حدث دافع کرنے کے لئے اور دیگر چیزوں کے لئے پانی ضروری ہے جیسے وضو کی تجدید وغیرہ۔اور وہ بچہ جو دو سال سے کم کا ہو اور صرف

❶ ......تحفة الطلاب شیخ زکریا الانصاری ص ۴ المجموع شرح المهذب ج ۱ ص ۱۸۸، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۷، ص ۸۴

دودھ پیتا ہو کچھ کھاتا نہ ہو اس کی قئے اور پیشاب پر صرف چھڑکاؤ کافی ہے دلیل اس کی وہ صحیح احادیث ہیں جو اس بارے میں وارد ہیں جن میں سے ایک یہ ہے بچی کا پیشاب دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب پر چھڑکاؤ کیا جائے گا❶ اس فرق کے قائل صرف شافعی اور حنبلی حضرات ہیں، مالکیہ نرینہ اور زنانہ بچوں میں فرق نہیں کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ چھڑکاؤ صرف اس صورت میں ہے کہ چیز مشکوک ہو کر نجس ہے یا نہیں اور احناف کی طرح وہ بہر صورت دھونا لازم قرار دیتے ہیں بچہ ہو یا بچی، اور اس سلسلے میں وہ بچی کو بچے پر ہی قیاس کرتے ہوئے یہ قرار دیتے ہیں❷ اور میرا میلان شوافع اور حنابلہ کی رائے کی طرف ہے کیونکہ اس تفریق کی تصریح موجود ہے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ بچے کا پیشاب قوت سے نکلتا ہے اوچھل جاتا ہے یا یہ کہ بچے کو زیادہ گود میں لیا جاتا ہے تو اس کو دھونے میں مشقت زیادہ ہے، یا یہ اس کا مزاج گرم ہونے کی بناء پر اس کا پیشاب نسبتاً رقیق (پتلا) ہوتا ہے بخلاف بچی کے۔

۲۔ دوسری چیز...... پاک مٹی جس کو پہلے کسی فرض کی ادائیگی مثلاً تیمم وغیرہ میں استعمال نہ کیا گیا ہو اور کسی چیز سے وہ خلط ملط بھی نہ ہو دلیل یہ آیت ہے:

فتیمموا صعیدًا طیبا ......سو تم قصد کرو پاک مٹی کا۔

صعیداً طیباً سے تراباً طاھراً پاک مٹی مراد ہے۔

۳۔ تیسری چیز...... دابغ (دباغت کرنے والا) اور اس کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو کھال کے فضلات اور بدبو وغیرہ کو بالکل اکھاڑ پھینکے اور ایسا کر دے کہ کھال کو اگر بعد میں پانی میں ڈالا جائے تو بدبو اور سرانڈ دوبارہ اس میں نہ آئے مثلاً قرظ (ایک خاص درخت کے پتے جو تیزابی خاصیت رکھتے ہیں) اور شب (ایک معدنی نمک) اور دابغ کے نجس ہونے سے بھی فرق نہیں پڑتا جیسے پرندوں کی بیٹیں۔

۴۔ سرکہ بن جانا...... یعنی شراب کا سرکہ بن جانا اس میں کسی چیز کے ڈالے بغیر خواہ اسے دھوپ سے سائے اور سائے سے دھوپ میں رکھنے سے وہ سرکہ بنے۔ اور اگر اس کے سرکہ بننے کے دوران کوئی چیز اس میں پڑ گئی خواہ وہ اس عمل میں مؤثر نہ بھی ہو یا اس میں کوئی نجس چیز گر پڑی اور سرکہ بننے سے قبل نکال لی گئی تو یہ اس کے لئے مطہر نہیں ہوگا، یعنی اب وہ سرکہ بننے سے پاک نہیں ہوگی۔

ان چار مطہرات سے حاصل ہونے والی طہارتیں چار ہیں:

۱......وضو ۲......غسل ۳......تیمم ۴......نجاست کا ازالہ۔

اس میں استحالہ (حقیقت و ماہیت کی تبدیلی) بھی شامل ہے۔ چکنی اور چمکدار سطح رکھنے والی چیزیں اگر ناپاک ہوں تو وہ محض پونچھنے سے پاک نہیں ہوں گی، ان کا دھونا ضروری ہے، جیسے کہ جوتا صرف رگڑنے سے پاک نہیں ہوگا جب تک اسے دھو نہ دیا جائے، اور پانی بڑھ جانے سے پاک ہو جاتا ہے خواہ وہ دو قلوں (مٹکوں) کے برابر نہ بھی ہو، اور ناپاک زمین پر زیادہ پانی پڑنے سے وہ پاک ہو جاتی ہے حنابلہ کے ہاں مطہرات زیادہ شوافع کی ہی تفصیل کے مطابق ہیں❸ ماسوا دباغت کے مسئلے کہ ان کے ہاں دباغت مطہر نہیں ہوتی ہے چنانچہ مطہرات ان کے ہاں پانی، مٹی اور اسی طرح پتھروں سے استنجاء اور سرکہ بن جانا ہیں۔ چنانچہ ناپاک زمین پانی کے پڑنے سے یعنی نجاست پر پانی اس طرح پڑنے سے کہ پانی نجاست کو بلا تفصیل تعداد (دو مرتبہ یا تین مرتبہ ڈھانپ لے اور نجاست کا جسم باقی نہ رہے اور رنگ اور بو کا اثر نہ رہے۔ یہ

---

❶...... یہ حدیث ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے ابوسمح سے روایت کی ہے صحاح ستہ نے ام قیس بنت محصن سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کے پیشاب پر چھڑکاؤ کیا ابن ماجہ نے ام کرز سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بچے کے پیشاب پر چھڑکاؤ ہوگا اور بچی کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۴۵۔ ❷ بدایۃ المجتھد ج ۱ ص ۸۲، نیل الاوطار ج ۱ ص ۴۷، کشاف القناع ج ۱ ص ۲۱۷۔ ❸ کشاف القناع عن متن الاقناع ج ۱ ص ۲۲، ۲۱۳، ۲۱۸ المغنی ج ۱ ص ۳۵، ۳۹، ج ۲ ص ۹۸

اس وقت ہے کہ اس نجاست کے اور جسم اس کے رنگ و بو کے ازالے یا دونوں میں سے (جسم اور وصف (رنگ و بو) ایک کے ازالے سے عاجز نہ ہو جائے (یعنی اگر جسم نجاست یا رنگ و بو کا بالکل ختم کرنا ممکن نہ ہو تو ان کا بالکل ختم کرنا ضروری نہ رہے گا) اور ناپاک زمین دھوپ یا ہوا کے چلنے سے یا خشک ہو جانے سے پاک نہیں ہوتی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیہاتی شخص کے پیشاب کو دھونے کا حکم دیا تھا، اگر یہ چیزیں پاکی کے لئے کافی ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی پر اکتفاء فرماتے اور استحالہ (حقیقت و ماہیت بدل جائے) سے نجاست پاک نہیں ہوسکتی ہے چنانچہ اگر لید کو جلایا جائے اور وہ راکھ بن جائے یا کتا نمک کی کان میں گر جائے اور نمک بن جائے تو وہ پاک نہیں ہوگا، دلیل اس کی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گندگی کھانے والے جانوروں اور ان کے فضلات (پیشاب) سے بچنے کا حکم دیا ہے ❶ کیونکہ یہ جانور گندگی اور نجاست ہوتے ہیں۔ اگر یہ استحالے سے پاک ہو جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے منع نہ فرماتے۔ اور نجاست آگ سے بھی پاک نہیں ہوسکتی ہے لہٰذا گوبر کی راکھ نجس ہوگی اور ناپاک تیل سے بنا ہوا صابن نجس ہوگا نجاست کا دھواں اور گرد و غبار نجس ہوگا اسی طرح ناپاک پانی کے بخارات جو سخت اور چکنی سطح والی چیزوں پر آ جائیں وہ ناپاک ہوں گے۔ اور پہاڑ کی وہ مٹی جس میں گدھے اور خچر وغیرہ کی لید اور گوبر ملے ہوئے ہوں اور دیگر ان جانوروں کے فضلات جو حرام گوشت ہیں، نجس ہوگی خواہ اس کو جلا لیا جائے جیسے ٹھیکری، اس طرح اگر کتا نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے یا صابن کے کڑھاؤ میں گر کر صابن بن جائے تو وہ صابن اور نمک نجس ہی ہوگا۔ ❷

اس اصول، کہ استحالہ مطہر نہیں ہے سے یہ مستثنیٰ ہیں: وہ چیز جس سے انسان پیدا ہو، یعنی وہ منی جس سے انسان پیدا ہو پاک ہے، شراب جو خود بخود سرکہ بن جائے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ سرکہ بنانے کی نیت کے بغیر منتقل کرنے سے وہ سرکہ بنے تو وہ پاک ہے۔ ہاں اس کا سرکہ بنانا حرام ہے، اگر اس کا سرکہ بنایا گیا خواہ اس کو محض ایک جگہ سے دوسری جگہ سرکہ بنانے کی غرض سے منتقل کرنے سے ہی وہ سرکہ بنے (یعنی کسی چیز کے ملائے بغیر ہی وہ سرکہ بن جائے) پھر بھی وہ پاک نہیں ہوگی۔ دلیل اس کی وہ روایت ہے جو مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شراب کے بارے میں دریافت کیا گیا جو سرکہ بنائی جائے تو آپ نے فرمایا نہیں اسی طرح شراب کا مٹکہ، اس کا برتن بھی اسی کے تابع ہو کر پاک ہوگا۔

اور روغن اگر ناپاک ہو جائے تو وہ دھونے سے پاک نہیں ہوگا کیونکہ پانی کا اس کے تمام اجزاء تک پہنچنا ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طرح مٹی کا وہ برتن بھی اندر کی طرف سے پاک نہیں ہوسکتا جس میں نجاست سرایت کر گئی ہو اور نہ ہی وہ گوندھا ہوا آٹا جس میں نجاست سرایت کر گئی ہو کیونکہ اس کا دھونا ممکن نہیں۔ اور وہ گوشت بھی پاک نہیں ہوسکتا ہے جو ناپاک ہو جائے اور نہ وہ برتن جس میں نجاست سرایت کر جائے اور نہ وہ چھری جس کو نجاست میں بجھایا گیا ہو۔ جما ہوا گھی اور اس جیسی جامد چیزیں ان میں نجاست کے گر جانے کی صورت میں وہ نجاست اور آس پاس کی تھوڑی سی وہ جامد چیز نکال دینے سے پاک ہو جاتی ہے۔ اور سیال چیز میں اگر نجاست کچھ دیر رہ چکی ہو تو وہ پاک نہیں ہوسکتی ہے جیسے چوہا اس میں گر کر مر جائے ہاں اگر چوہا گر کر زندہ نکل آئے تو وہ چیز پاک رہتی ہے۔

جس چیز میں نجاست پڑ جائے اس کا اس وقت تک دھونا ضروری ہے۔

اگر بدن، کپڑے یا چھوٹی سی جگہ جیسے چھوٹا سا گھر، میں نجاست کی جگہ معلوم نہ رہے تو اس پورے کا دھونا واجب ہے، محض گمان کا ہونا کافی نہیں کیونکہ پاک چیز نجاست کی وجہ سے مشتبہ ہو چکی ہے لہٰذا، پورے (نجس اور مشکوک) سے بچنا ضروری ہوگا یہاں تک کہ پاکی کا یقین ہو جائے وجہ اس کی یہ ہے کہ نجاست کا ہونا یقینی ہے لہٰذا وہ نجاست یقینی طہارت سے ہی دور ہوگی (یعنی جب نجاست کا ہونا یقینی ہے تو وہ محض

---

❶ امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے، امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن غریب قرار دیا ہے۔ ❷ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ میں یہ ثابت کیا ہے کہ نجاست کا استحالہ اس کی گندگی اور اس کے جسم کو ختم کر دیتا ہے، چنانچہ نجاست کا حکم باقی نہیں رہتا ہے اور وہ چیز پاک ہوتی ہے۔

گمان کی بنیاد پر کچھ جگہ دھو لینے سے پاک نہیں ہوگی جب تک کہ یقینی طور پر طہارت کا حصول نہ ہو جائے اور یقینی طور پر حصول جب ہی ہو سکتا ہے جب پوری جگہ عضو کو ہی دھولیا جائے۔ اور اگر مکان نجاست کسی بڑی جگہ میں بھول گیا جیسے بڑا صحرا یا بڑا گھر تو ایسا ہونا مضر نہیں، مقصود یہ ہے کہ مشقت اور حرج سے بچا جا سکے۔

وہ بچہ جو کھانا اپنی رغبت سے نہ کھاتا ہو اس کے پیشاب اور قے کی جگہ پر پانی کا چھڑکاؤ کافی ہوگا، اگر چہ یہ پیشاب بھی بڑے آدمی کے پیشاب کی طرح ناپاک ہوتا ہے، اور بچی اور ہیجڑے کے پیشاب کا دھونا ضروری ہے۔ اور جوتا رگڑنے سے پاک نہیں ہوتا ہے اس کا دھونا ضروری ہوتا ہے جیسے اس عورت کے دامن کا دھونا بھی ضروری ہے جو چلنے سے زمین پر لگ کر نجس ہو گیا ہو جیسے کہ بدن اور کپڑے کا دھونا ضروری ہوتا ہے، تاہم تھوڑی سی نجاست جو موزے یا جوتے کے تلے میں لگ جائے اس کو رگڑنے سے وہ قابل معافی ہوتی ہے یہ درحقیقت حدیث ابو ہریرہ پر عمل کرتے ہوئے جس میں وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کوئی کسی گندی چیز کو اپنی چپل سے روند دے تو ان چپلوں کی پاکی مٹی میں ہے۔ ❶

اور نجس زمین دھوپ، ہوا اور خشک ہو جانے سے پاک نہیں ہوتی ہے گذشتہ حدیث پر عمل درآمد کرتے ہوئے کہ اس (دیہاتی) کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہادو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شافعیہ اور حنابلہ نے مطہرات (پاک کرنے والی اشیاء) میں ان پر نظر رکھی ہے جن سے شریعت کی مراد مکمل ترین طریقے سے حاصل ہوتی ہے، اور احناف نے مطہرات کے بارے میں توسع سے کام لیا ہے، اور اس بارے میں مالکیہ کہیں کہیں ان کے قریب ہیں۔ لوگوں کی ضرورتیں، ان کے عرف وغیرہ مکمل طور پر مذہب حنفی پر عمل کرنے کی۔

تائید کرتے ہیں، اور اس بناء پر ناپاک زمین اور کپڑے پھیلانے کی الگنی جو ناپاک ہو، جمہور کے ہاں دھوپ اور ہوا سے خشک ہونے پر پاک نہیں ہوگی اور احناف کے ہاں پاک ہو جائے گی۔

اور موکیت یا نصب شدہ نشستوں (وہ نشستیں یا بنچیں جو زمین میں یا دیوار میں نصب ہوں) کی پاکی کا طریقہ یہ ہے کہ نجاست پر پانی بہادیا جائے، اور ناپاک جوتا اور موزہ زمین پر رگڑنے سے ان حضرات کے ہاں پاک ہوگا جو اس کے قائل ہیں، کیونکہ ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے جوتے سے کسی گندگی کو روند دے تو مٹی اس کے لئے پاکی ہے۔ اس طرح آئینہ، چھری تلوار، شیشہ اور ہر ٹھوس چکنی سطح والی چیز اس طرح کے پونچھے جانے سے پاک ہو جائے گی کہ جس سے نجاست کا اثر ختم ہو جائے یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس فعل کے مطابق ہوگا جس میں وہ اپنی تلواروں سے خون پونچھ کر صاف کیا کرتے تھے۔

واشنگ مشینوں میں دھلے ہوئے کپڑے پانی میں ڈوبے ہوئے ہونے کی صورت میں پاک ہوں گے، کیونکہ ان مشینوں میں بار بار پانی بھرا جاتا ہے اور کپڑے کے نچوڑنے کا سسٹم (ڈرائیر) بھی اس طرح کام کرتا ہے کہ تیز گھومنے سے کپڑے نچڑ جاتے ہیں۔ کسی کپڑے یا جگہ کے ناپاک ہونے کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جائے گا جب تک وہاں عین نجاست (نجاست کا جسم) نظر نہ آ جائے چنانچہ اگر کسی شخص پر پانی وغیرہ گرے یا اس کے کپڑوں کو رات کو کوئی گیلی چیز لگ جائے تو اس کو پاک قرار دیا جائے گا اس کی نجاست کے بارے میں دریافت نہیں کیا جائے گا اور نجاست کا حکم بھی تب لگایا جائے گا جب ظن غالب ہو (محض خیال کی بنیاد پر نہیں)

---

❶ ..... اس حدیث کو احمد ابوداؤد نے محمد بن عجلان کے واسطے سے روایت کیا ہے اور یہ ثقہ تھے اور حضرت ام سلمہ والی حدیث سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ خشک راستے پہ چل لینا پاک کرنے والا ہے تاہم اس حدیث نے نجاست کے کم یا زیادہ ہونے کی تحدید نہیں کی ہے۔

۴۔ چوتھی بحث...... پانی کی اقسام

پانی تین قسم کے ہوتے ہیں

۱..... پاک کرنے والا۔

۲..... صرف پاک، جو خود پاک ہو لیکن دوسرے کو پاک نہ کر سکے۔

۳..... ناپاک پانی۔

۱۔ پہلی قسم:...... الماء الطہور، پاک کرنے والا پانی یا مطلق پانی یہ وہ پانی ہوتا ہے جو بذات خود پاک ہوتا ہے اور دوسرے کو بھی پاک کرتا ہے، اور یہ وہ پانی ہے جو آسمان سے برسا ہو، زمین سے نکلا ہو جب تک وہ اپنی اصل خلقت اور اصلیت پر باقی ہو یعنی اس کے تین اوصاف (۱۔ رنگ، ۲۔ بو، ۳۔ مزہ) میں سے کوئی ایک وصف بھی نہ بدلا ہو بدلا ہو مگر ایسی چیز ملی ہو جس سے پانی کی طہوریت (پاک کر دینے کی صفت) ختم نہ ہوئی ہو جیسے مٹی، نمک یا پودے وغیرہ پانی میں مل جائیں۔ اور وہ پانی مستعمل استعمال شدہ بھی نہ ہو ماء مطلق کی مثال بارش کا، وادیوں کا، چشموں کا، کنوؤں کا، دریاؤں، نہروں، سمندروں کا، اور اولوں اور برف کا اور اس طرح کے دیگر ذرائع آب کا پانی خواہ میٹھا ہو یا نمکین وہ ماء مطلق کے تحت آتا ہے، اس میں وہ پانی بھی شامل ہے جو کسی حیوان کی ہیئت اختیار کر لے یا نمک بن جائے یا پھوار اور بخارات کی شکل میں ہو کیونکہ یہ بھی حقیقت پانی ہے۔ تاہم احناف فرماتے ہیں کہ وہ پانی جو نمک بن جائے تو وہ نمک بننے سے پہلے طہور (پاک کرنے والا) ہوگا لیکن نمک بن کر دوبارہ اگر پگھل کر پانی بن جائے تو وہ صرف طاہر ہوگا مطہر نہیں، لہٰذا وہ رفع حدث کے لئے نافع نہیں ہوگا ہاں خبث (نجاست) دور کر دے گا۔

یہ پانی جو ماء مطلق (مطلق یعنی بلا قید جس کی صفت بیان کرنے کے لئے کوئی لفظ اس کے ساتھ نہ بولا جائے مثلاً ماء الورد، (گلاب کا پانی) کہلاتا ہے بالاجماع خود بھی پاک ہوتا ہے اور دوسرے کو بھی پاک کرنے والا ہوتا ہے (یعنی طاہر و مطہر اس بات پر پوری امت کا اجماع ہے۔ اس پانی کو نجاست کے دور کرنے کے لئے اور وضو اور غسل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ دلیل اس کی قرآن کی یہ آیت ہے:

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ سورۃ الفرقان

اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پاک کرنے والا۔

اور دوسری آیت:

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ...... سورۃ الانفال

اور تم پر نازل کرتا ہے پانی آسمان سے تاکہ تمہیں پاک کر دے اس سے۔

اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سمندر کے بارے میں فرمان:

هو الطهور ماء ه والحل ميتة❶

اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔

---

❶..... اس حدیث کو سات صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے وہ یہ ہیں، ابو ہریرہ، جابر بن عبداللہ، علی بن ابی طالب، انس بن مالک، عبداللہ بن عمرو، فراسی، اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو چاروں اصحاب سنن نے روایت کیا ہے یہ حدیث اگر چہ اس میں علل ہیں مگر دوسری روایات سے یہ مؤید ہو جاتی ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۹۵۔

اوراسی طرح یہ فرمان:

الماء طهور لاينجسه شيءٌ الا ماغلب على ريحه وطعمه ولونه❶

(پانی پاک ہوتا ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتے ماسوا اس کے جو اس کی بو، مزے یا رنگ پر غالب آجائے)۔

ماءطہور کی بحث دومزید باتوں کے جان لینے کا تقاضا کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہیں:

الف:۔ وہ تغیر جو طہوریت (پاک کردینا) پر اثر انداز نہیں ہوتا فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ پانی کو متغیر کرنے والی وہ چیزیں جو غالب حالات میں پانی کے ساتھ ہوتی ہیں وہ پانی کی صفت طہارت (پاکی) اور صفت طہوریت (پاک کرنا) ختم نہیں کرتی ہیں، چنانچہ پانی کے تمام یا بعض اوصاف کا دیر تک رہنے کی بناء پر متغیر ہونا اس کی طہارت اور طہوریت کے لئے مؤثر نہیں ہوتا (یعنی اس کی صفت طہارت اور طہوریت دونوں برقرار رہتی ہیں) کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے اسی طرح پاک مٹی کے مل جانے سے کائی کے پیدا ہوجانے سے اور پانی کے راستے اور اس کے ذخیرہ گاہ میں ہونے والی اشیاء خس وخاشاک کے ہونے سے بھی پانی کی ان دونوں مذکورہ صفات پر فرق نہیں پڑتا، اسی طرح مندرجہ ذیل چیزوں سے بھی یہ تغیر مؤثر نہیں ہوتا، پانی کا ایسی چیز سے مل جانا جس سے وہ الگ کیا جاسکتا ہو جیسے عود، دھن خواہ یہ دونوں خوشبو پیدا کردیں، بخور بھی ان میں شامل ہے اور وہ مردار جانور جو پانی کے کنارے پر پڑا ہو اور پانی اس کے بدبو سے متغیر ہو رہا ہو، پانی کا اپنے برتن کی قلعی اور صفائی اور دباغت کرنے والی چیز سے متغیر ہونا، جیسے تارکول اور قرظ (کہ اگر ان سے پانی کے برتن، مشکیزے وغیرہ کو دباغت دی گئی ہو قلعی کی گئی ہو اور پانی اس برتن میں رکھنے سے پانی میں کوئی تبدیلی ہوجائے تو وہ مؤثر نہ ہوگی) اور پانی کا بعض کانوں میں متغیر ہونا جیسے نمک یا گندھک کی کان کا پانی، کہ ان سب بیان کردہ صورتوں میں پانی کا متغیر ہونا اس کی طہوریت کے لئے مضر نہیں۔ اسی طرح وہ چیز جس سے بچنا ممکن نہ ہو اس کی وجہ سے پانی کا متغیر ہونا اس کے لئے مضر نہیں جیسے تنکوں اور پتوں کا پانی میں گرنا۔ فقہاء کی اس سلسلے میں مزید آراء اور تفصیلات ہیں اور کچھ حدود وقیود ہیں، جن کا بیان مندرجہ ذیل ہے۔

احناف فرماتے ہیں❷ کہ طہارت ایسے پانی سے جائز ہے جس میں کوئی ٹھوس چیز مل جائے اور اس کے تینوں اوصاف یا ایک وصف کو متغیر کردے بشرطیکہ یہ تغیر پکائے جانے کے سبب نہ ہو جیسے سیلاب کا پانی جس میں مٹی، پتے اور درخت وغیرہ مل جاتے ہیں بشرطیکہ اس کا پتلا پن غالب رہے، اور اگر مٹی غالب ہوجائے (یعنی پانی کیچڑ کی طرح سے ہوجائے) تو اس سے طہارت جائز نہیں ہوگی اسی طرح وہ پانی جس میں زعفران دودھ، صابن یا اشنان وغیرہ مل جائیں اس کا استعمال بھی جائز ہے بشرطیکہ پانی کا پتلا پن اور سیلان باقی رہے۔ وجہ اس جواز کی یہ ہے کہ ایسے پانی پر پانی کا اطلاق برقرار رہتا ہے، اور ان پانی سے مل جانے والی چیزوں سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ اور اگر پانی اپنی طبیعت سے باہر نکل گیا یا اس کا نیا نام پڑ گیا جیسے صابن کا پانی گاڑھا ہوگیا یا زعفران کا پانی رنگ بن گیا تو اس سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

مالکیہ فرماتے ہیں❸ وہ پانی جو دیر تک ٹھہرے رہنے سے متغیر ہوجائے یا کسی چیز کے اس پر گذرنے اور چلنے سے یا اس میں پیدا ہونے والی چیزوں مثلاً کائی، کیڑے اور زندہ مچھلی وغیرہ سے وہ پانی متغیر ہو تو یہ نقصان دہ نہیں اسی طرح وہ چیز جو پانی سے عام طور پر الگ نہیں ہوتی ہے یا صرف پانی کے ساتھ ہے (یعنی صرف پاس پڑا ہے پانی کے اندر نہیں ہے اس سے پیدا ہونے والا تغیر بھی مضر نہیں ہے، اور پانی میں ڈالی گئی مٹی کے سبب پیدا ہونے والا تغیر بھی مضر نہیں ہوگا صحیح قول کے مطابق اور نہ ہی نمک اور دیگر زمین سے حاصل ہونے والی دیگر اشیاء جیسے پیتل، تانبا،

---

❶ یہ حدیث ابن ماجہ نے ابوامامہ سے روایت کی ہے یہ حدیث ضعیف السند ہے نصب الرایہ ج ا ص ۹۴، تاہم امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے، اور اس کی صحیح اسناد بھی ہیں جسے ابن قطان نے ذکر کیا ہے اس حدیث کے بارے میں امام احمد فرماتے تھے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔❷ فتح القدير ج ا ص ۴۸، اللباب شرح الكتاب ج ا ص ۲۶، مراقی الفلاح ص ۳۔❸الشرح الصغير ج ا ص ۳۰۔۳۶، القوانين الفقهيه ص ۳۰، بداية المجتهد ج ا ص ۲۲، الشرح الكبير ج ا ص ۳۵۔۳۹۔

گندھک، لوہا کے بالقصد ڈالنے سے پیدا ہونے والا تغیر مضر ہوگا اسی طرح پاک دباغت دینے والی چیز کے ملنے سے بھی پانی طہوریت سے خارج نہیں ہوتا جیسے کولتار اور ایسے ہی وہ چیزیں جن سے بچنا ممکن نہ ہو ان کا گرنا بھی پانی کے لئے مضر نہیں ہے جیسے تنکے درخت کے پتے جو ہوا سے کنوؤں اور تالابوں میں گر جاتے ہیں اور پانی لانے لے جانے کے لئے تیار کی گئی کھالیں جیسے مشکیزہ اور ڈول وغیرہ جن سے پانی نکالا جاتا ہے ان کو اگر دباغت دی جاچکی ہو تو ان میں رکھے ہوئے پانی سے انتفاع درست ہے خواہ جس پاک چیز کے ذریعے ان کھالوں کو دباغت دی گئی ہے ان کا اثر پانی میں بھی آجائے جیسے قرظ (ایک خاص قسم کے درخت کے پتے) اور کولتار اور شب (پھٹکری کی طرح کا معدنی نمک) اور پاس پڑی ہوئی چیز سے پیدا ہونے والا تغیر بھی مضر نہیں ہے، کیونکہ پانی پاس پڑی ہوئی چیز کی کیفیت اور صفت سے متاثر ہوتا ہے، اور پاس پڑی ہوئی چیز کی مثال مردار جانور کا لاشہ جو پانی سے باہر اس کے قریب پڑا ہوا ہو اور اس کی بدبو سے پانی متاثر ہو رہا ہو۔ اور پانی نکالنے والی اشیاء سے پڑنے والا تغیر مضر نہیں، جیسے ڈول اور اس کی رسی یا وہ چیز جس سے برتن کو دھونی دی گئی ہو دباغت نہیں، یا اسے پانی میں پھینک دیا گیا ہو اور وہ تہہ میں جا کر بیٹھ گئی ہو اور پانی اس سے متغیر ہو جائے (یعنی ایسی چیز جو ڈول وغیرہ پر مل دی گئی ہو جیسے کولتار وغیرہ کہ اسے پانی میں استعمال کئے جانے والے برتنوں پر ملا جاتا ہے تاکہ وہ محفوظ ہیں، اسی طرح کی چیزیں اگر برتن پر لگی ہو یا پانی میں گر جائیں تو وہ متغیر نہیں کرتیں) وجہ اس کی یہ ہے کہ عرب کولتار کو بہت استعمال کیا کرتے تھے پانی وغیرہ نکالنے کے برتنوں میں، تو اس سے پڑنے والا تغیر ایسا ہی ہے جیسا کہ پانی کے ٹھہرے رہنے سے تغیر واقع ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر پانی میں تغیر پیدا کرنے والی چیز میں شک ہو کہ کیا اس نوعیت کی ہے کہ جس سے تغیر پیدا ہونے سے پانی کے احکام بدل جاتے ہیں جیسے شہد اور خون یا اس نوعیت کی ہے کہ جس سے پیدا ہونے والے تغیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا جیسے گندھک یا پانی کا دیر تک ٹھہرا رہنا، تو بھی یہ تغیر مضر نہیں ہوگا اور اس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہوگا۔ اور ایسے ہی پانی میں واقع ہونے والا تغیر بھی مضر نہیں جس میں شک ہو کہ اس میں تھوک مل گیا ہے یا نہیں جیسے کسی نے منہ میں پانی لے لیا پھر شک ہوا کہ پانی میں تھوک شاید مل گیا ہو تو یہ شک مضر نہیں اور پانی پاک ہی شمار ہوگا۔

پانی میں پیدا ہونے والا وہ تغیر جو اس چیز سے پیدا ہوا ہو جو پانی سے الگ تھلگ ہوتی ہے اور پاک بھی ہو ایسا تغیر مضر ہوگا اور پانی طاہر نہ رہے گا۔ جیسے دودھ، گھی، شہد اور گھاس (حشیش، خاص قسم کی گھاس) وغیرہ، تو اگر ان میں سے کوئی چیز پانی میں مل جائے اور اس کے ساتھ جڑ جائے جیسے وہ پھول جو پانی کی سطح پر پڑے ہوں یا وہ تیل جو پانی سے بالکل ملا ہوا ہو اور پانی کے تین اوصاف میں سے کوئی وصف متغیر ہو جائے رنگ، بو اور مزے میں سے تو ایسے پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ پانی بذات خود پاک ہوگا لیکن دوسرے کو پاک نہیں کر سکے گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر پانی سے کوئی پاک چیز مل جائے اور اس کے تین اوصاف میں سے کسی کو تبدیل نہ کرے تو وہ پانی ماء مطلق (عام پانی) ہے جو طہور (پاک کرنے والا) ہے اور اگر ان تین اوصاف میں سے کوئی وصف تبدیل ہو جائے تو مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ کے ہاں پانی خود پاک ہوگا لیکن مطہر نہیں ہوگا اور احناف کے ہاں طاہر اور مطہر دونوں ہوگا اگر اسے پکا نہ لیا جائے یا وہ پانی کے اجزاء پر غالب نہ ہو جائے، مالکیہ مٹی سے ملحق کرتے ہیں۔ زمین کے تمام اجزاء جیسے گندھک، لوہا، پیتل تانبہ وغیرہ کہ یہ چیزیں پانی کی طہوریت کو سلب نہیں کرتی ہیں اگر یہ پانی کے اوصاف میں سے ایک کو تبدیل کر دیں خواہ انہیں پانی میں قصداً ڈالا گیا ہو۔

شوافع فرماتے ہیں❶ کہ ایسی پاک چیز سے پیدا ہونے والا معمولی تغیر جو پانی کو مطلق پانی کہنے سے مانع نہ ہو وہ مؤثر اور مغیر نہیں ہوتا خواہ یہ مشکوک بھی ہو کہ تغیر تھوڑا ہے یا زیادہ کیونکہ پانی کا ایسی چیزوں سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طرح عرصے تک ایک جگہ ٹھہرا رہنے سے پیدا ہونے والا تغیر بھی مضر نہیں خواہ یہ تغیر بہت زیادہ کیوں نہ ہو جائے مٹی اور کائی، پانی کے راستے اور اس کی ذخیرہ گاہ میں موجود چیزیں جیسے گندھک ہڑتال (ایک بوٹی) اور چونا وغیرہ سے پیدا ہونے والا تغیر مضر نہیں ہوتا کیونکہ پانی کا ان چیزوں سے بچنا ممکن نہیں ہوتا اس طرح پانی کے

---

❶..... مغني المحتاج ج ١ ص ١٩، المهذب ج ١ ص ٥.

نمک سے متغیر ہونا مضر نہیں، ہاں پہاڑی نمک سے پیدا ہونے والا تغیر مضر ہے اگر وہ پانی کے راستے یا ذخیرہ گاہ میں نہ ہو۔ اور وہ نمک جو پانی سے بنا ہو وہ طہارت سے مانع نہیں ہوا کیونکہ وہ فی الاصل پانی ہی تھا تو وہ اولے کی طرح ہو گیا کہ جب وہ پانی میں پگھل جائے تو پانی کے حکم میں ہوتا ہے اسی طرح یہ نمک بھی پانی کے حکم میں ہوگا۔ اس طرح وہ تغیر جو درخت کے پتے بکھرنے اور اڑتے پھرنے اور پانی میں گر جانے سے پیدا ہونے والا تغیر بھی مضر نہیں ہوتا، کیونکہ پانی کا ان سے بچنا ممکن نہیں ہوتا اور اسی طرح وہ تغیر بھی مضر نہیں جو پاک چیز کے ساتھ پڑا رہنے کی وجہ سے پیدا ہو جیسے لکڑی اور تیل خواہ یہ خوشبودار ہی کیوں نہ ہوں اور سخت کافور (خوشبودار گھاس) یا مٹی خواہ وہ استعمال شدہ ہو اور پانی میں ڈالی گئی ہو صحیح قول کے مطابق (یعنی وہ مٹی جس سے تیمم کیا جا چکا ہو اور اسے پانی میں ڈال دینے سے پانی متغیر نہیں ہوگا) کیونکہ پانی میں مٹی کے علاوہ چیزوں کا ملنا خوشگواری کے لئے ہے اور مٹی کا ملنا اس کے گدلے پن کا سبب ہوتا ہے جو پانی کے نام کے اس پر اطلاق سے مانع نہیں ہوتا (یعنی ان چیزوں کی ملاوٹ سے پانی کا نام بدل نہیں جاتا ہے وہی رہتا ہے جو دلیل ہے کہ پانی میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے)

حنابلہ کا مذہب شافعیہ کی طرح ہی ہے اس بارے میں کہ پانی کا طویل عرصے تک ٹھہرے رہنے سے پیدا ہونے والا تغیر مؤثر نہیں ❶ یعنی وہ پانی جو طویل عرصے تک اپنی ذخیرہ گاہ میں رہنے کے سبب بدبودار ہو جائے ❷ اسی طرح راستے یا جگہ سے پیدا ہونے والا تغیر یا ساتھ پڑی ہوئی چیز سے پیدا ہونے والا تغیر یا اس مردار کی بدبو سے پیدا ہونے والا تغیر کہ ان چیزوں سے احتراز ممکن نہیں، اور پانی کے نمک سے پیدا ہونے والا تغیر۔ پانی کے نمک سے مراد یہ ہے کہ پانی کو بے آباد ویران زمین میں چھوڑ دیا جائے پھر وہ نمک بن جائے کیونکہ اس نمک سے پیدا ہونے والا تغیر درحقیقت پانی سے ہی پیدا ہوا ہے، اور یہ ایسا ہی شمار ہوگا جیسے اولوں کا پانی میں پگھل جانا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ متغیر پانی جس سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں چار قسم کا ہے:

۱.....وہ پانی جس کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی جگہ (جہاں وہ ذخیرہ ہو) اس کی طرف منسوب کر کے بیان کیا جائے جیسے ماء النہر (دریا کا پانی) ماء البیر (کنویں کا پانی) وغیرہ۔

۲.....وہ چیز جس سے بچنا ممکن نہ ہو جیسے کائی اور خز (ہرے کانٹے) اور ہر وہ چیز جو پانی میں اگتی ہو اس طرح درخت کے وہ پتے جو پانی میں گر جائیں یا ہوا اڑا کر انہیں گرا دے، اور وہ کچرا، لکڑی اور تنکے، جو سیلاب میں بہہ کر آ جاتے ہیں اور پانی میں رہ جاتے ہیں اور وہ چیزیں جو پانی کی تہہ میں ہوں جیسے گندھک تارکول وغیرہ جب پانی ان پر چلے اور متغیر ہو جائے یا اس زمین میں یہ چیزیں ہوں جس میں پانی کھڑا ہو۔

۳.....وہ چیز جو پانی کے ہم معنی ہو طہارت اور طہوریت دونوں صفتوں میں۔ جیسے مٹی اگر پانی کو متغیر کر دے تو اس کی طہوریت سے مانع نہیں ہوگی، کیونکہ یہ بھی پانی کی طرح طاہر اور مطہر ہے۔

لیکن اگر پانی اتنا گاڑھا ہو جائے کہ وہ اعضاء پر بہہ نہ سکے تو اس سے طہارت نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ اب صرف مٹی رہ گئی ہے پانی نہیں رہا اور مٹی کے پانی میں گرنے یا ڈالے جانے میں کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح سمندری پانی کا اور پہاڑی نمک ان دونوں میں بھی فرق نہیں ہے، کیونکہ یہ آخری (معدنی نمک) ایسی چیز ہے جو ضروری اور لازم نہیں ہوتی اور پانی سے بنی ہوئی بھی نہیں ہوتی (یعنی یہ کوئی ایسی ناگزیر چیز نہیں کہ جس کے ہونا ضروری ہو یا پانی کے ساتھ لازماً پائی جائے) تو یہ زعفران وغیرہ کی طرح شمار ہوگا۔

۴.....وہ چیز جس کے ساتھ ہونے سے پانی متغیر ہوا اس سے ملے بغیر، جیسے ہر قسم کا تیل اور کولتار، تارکول اور موم اور ٹھوس پاک چیزیں جیسے لکڑی، کافور (خاص قسم کی خوشبودار گھاس) اور عنبر، بشرطیکہ یہ پانی میں ریزہ ریزہ نہ ہوں اور نہ اس کے ساتھ بہیں کیونکہ یہ تغیر ساتھ ہونے سے آیا ہے مل جانے (خلط ملط ہونے) سے نہیں یہ مشابہ ہے اس سے کہ پانی ایک طرف پڑی ہوئی کسی چیز کی بو سے متغیر ہو جائے تو وہ تغیر

---

❶..... کشف القناع ج ۱ ص ۲۵، المغنی ج ۱ ص ۱۳۔ ❷ کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ ایسے پانی سے وضو فرمایا جس میں ناگوار مہک پیدا ہو گئی تھی۔

مؤثر نہیں ہوتا، اور اس مسئلے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس پانی سے وضو جائز ہے جس میں کوئی پاک چیز مل جائے جب تک کہ وہ اس کو متغیر نہ کردے۔ چنانچہ اگر لوبیا، چنا، گلاب اور زعفران وغیرہ اگر پانی میں گر جائیں اور بہت تھوڑے سے ہوں اور ان کا رنگ مزہ، اور بہت زیادہ بو نہ ہو تو ایسے پانی سے وضو کرنا جائز ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زوجہ محترمہ نے ایسے برتن سے وضو فرمایا تھا جس میں گوندھے ہوئے آٹے کا اثر تھا۔

ب...... دوسری بحث ماء طہور سے متعلق وہ طہور (پاک کرنے والا) پانی جس کا استعمال احناف کے ہاں مکروہ تنزیہی ہے:

ایک پانی ایسا ہے جو طاہر اور مطہر ہے تاہم دوسرے پانی کے ہوتے ہوئے اس کا استعمال صحیح قول کے مطابق مکروہ تنزیہی ہے احناف کے ہاں ❶ اور وہ قلیل پانی ہے جس سے کسی حیوان نے پی لیا ہو جیسے گھریلو بلی نہ کہ جنگلی بلی کہ اس کا جھوٹا نجس ہوتا ہے اور اس طرح آزاد پھرنے والی مرغی جو گندگی وغیرہ کھاتی پھرتی ہو اور چیر پھاڑ کرنے والے پرندے، سانپ اور چوہے وغیرہ، کیونکہ یہ سب جانور گندگی سے بچتے نہیں ہیں۔ یہ عمل استحسان کے مطابق ہے تاکہ لوگوں پر سہولت ہو جائے وہ کیونکہ بلی انسانوں سے بہت مخالطت رکھتی ہے اور ان کے ہاں آتی جاتی رہتی ہے۔ اور چیر پھاڑ کرنے والے پرندوں کا مسئلہ یہ ہے کہ ان سے بچنا ممکن نہیں ہوتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کے جھوٹے کو طاہر قرار دیا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ نجس نہیں ہے وہ تم پر آتے جاتے رہنے والوں میں سے ہے ❷ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پانی کا برتن بلی کے آگے جھکا دیتے وہ پیتی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بچے ہوئے پانی سے وضو فرماتے ❸ تاہم ایسے پانی کی کراہت اس وقت نہیں رہتی جب اس کے علاوہ کوئی اور پانی دستیاب نہ ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بلی کے منہ اور اس کے جھوٹے کی طہارت کے قائل ہیں۔

۲۔ دوسری قسم...... وہ پاک پانی جو دوسرے کو پاک نہ کرے۔ اس کا حکم احناف کے ہاں یہ ہے کہ وہ نجاست کو دور کر دیتا ہے یعنی کپڑے اور بدن پر لگی ہوئی نجاست کو یہ دور کر دیتا ہے لیکن حدث کو زائل نہیں کر سکتا ہے۔ چنانچہ وضو اور غسل اس سے درست نہیں ہوتے۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔

ا...... وہ پانی جس کے ساتھ کوئی پاک چیز مل جائے اور اس کے اوصاف میں کسی ایک کو تبدیل کر دے اور اس کی طہوریت کو ختم کر دے اور احناف کے ہاں طہوریت کو سلب کرنے والی چیز پانی کے علاوہ کسی چیز کا پانی پر غالب ہو جانا یا تو جامد چیزوں کے مل جانے سے یا مائعات کے مل جانے سے ❹ ٹھوس چیزوں میں غلبہ اس طرح ہوگا کہ پانی اپنی رقت (پتلے پن) اور بہاؤ کی صفت سے نکل جائے۔ یا پانی کے اوصاف اس ٹھوس چیز کو پکانے سے ختم ہو جائیں، یعنی پانی کا پتلا پن بہاؤ سیراب کرنا اور نشوونما (پودوں وغیرہ کی) جیسے چنا اور دال، اور ایسی چیز پانی میں ملے جس سے مقصود صفائی کا حصول نہ ہو جیسے صابن اور اشنان (مخصوص قسم کی گھاس) دلیل اس کی یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے برتن سے غسل فرمایا جس میں گوندھے ہوئے آٹے کا اثر تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت جنابت میں غسل فرماتے تھے اور اپنے سر مبارک کو خطمی سے دھوتے تھے، خطمی ایک قسم کے پتے ہوتے ہیں جنہیں پیس کر سر پر لگایا جاتا ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شخص کو جو احرام باندھا ہوا تھا اور اسے اس کی اونٹنی نے کچل کر ہلاک کر دیا تھا۔ بیری کے پتوں کے جوش شدہ پانی سے غسل دینے کا حکم فرمایا تھا۔ اور قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کو جس وقت وہ اسلام لائے بیری اور پانی سے غسل کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ ❺

---

❶...... مراقی الفلاح ص ۳۔ ❷ اس کو پانچوں (من هم الخمسة) حضرات نے حضرت کبشہ بنت کلب بن مالک سے روایت کیا ہے) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے امام بیہقی نے بھی اسے روایت کیا ہے اس حدیث کو بخاری، عقیلی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور دار قطنی نے صحیح قرار دیا ہے، نیل الاوطار ج ا ص ۲۵۔ ❸ حوالہ سابقہ بر روایت دارقطنی۔ ❹ مراقی الفلاح ص ۳۔۴ فتح القدیر ج ا ص ۴۸۔ ❺ نصب الرایہ ج ا ص ۱۰۴، نیل الاوطار ج ا ص ۲۳۹، پہلی حدیث کو نسائی ابن ماجہ اور اثرم نے روایت کیا ہے اور دوسری حدیث کو امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

وہ سیال چیز جس کا کوئی وصف نہ ہو(یعنی اس کا کوئی رنگ، جومزہ وغیرہ نہ ہو) جیسے ماء مستعمل (استعمال شدہ پانی، وضو وغیرہ میں) اور عرق گلاب جس میں خوشبو نہ رہی ہو، ایسے پانی میں غلبہ کے اعتبار ایسے ہوگا کہ وہ یا تو وزن میں بڑھ جائے جیسے دورطل مستعمل پانی ایک رطل ماء مطلق میں مل جائے، یہ غلبہ ایسے ہوگا کہ وہ مائع اور سیال چیز جس کے تین اوصاف (رنگ، بو، مزہ) میں دو وصف پانی میں ظاہر ہو جائیں جیسے سرکہ کہ جس کا رنگ، بو، مزہ ہو وہ اگر پانی میں مل جائے تو اس کے جو بھی دو وصف پانی پر غالب آ جائیں پانی کی طہوریت برقرار نہیں رہے گی اور وضو وغیرہ اس سے درست نہیں ہوگا، اور ایک وصف کے ظہور سے کوئی فرق نہیں پڑیگا کہ یہ اس ملنے والی چیز کی قلت کی طرف اشارہ ہے (کہ وہ قلیل مقدار میں ملی ہے جب ہی ایک وصف متاثر ہوا ہے) اسی طرح اگر کسی سیال مادے کے دو وصف ہوں تو ایک وصف کے ظاہر ہونے کو غلبہ سمجھا جائے گا جیسے دودھ کہ اس میں صرف رنگ اور مزہ ہوتا ہے اور بو نہیں ہوتی (یا سفید سرکہ وغیرہ)

وہ پانی جس کی طہوریت مشکوک ہوتی ہے احناف کے ہاں، یہ وہ پانی ہوتا ہے جس میں سے گدھے یا خچر نے پی لیا ہوتا ہے یہ بذات خود تو طاہر ہوتا ہے، تاہم اس کی قوت طہوریت (ازالہ حدث) مشکوک ہوتی ہے، اگر کسی کے پاس پاک پانی نہ ہو تو وہ اس پانی سے وضو کرے اور تیمم بھی کرلے۔ وجہ اس بات کی یہ ہے کہ اس کی اباحت اور حرمت کے دلائل

میں تعارض ہے یا یوں کہہ لیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس کی نجاست اور طہوریت میں اختلاف رہا ہے۔❶

مالکیہ فرماتے ہیں❷ کہ طہوریت کو ختم کرنے والی چیز جس کے نتیجے میں پانی نہ رفع حدث کرسکتا ہے اور نہ ازالہ نجاست، وہ یہ ہے کہ ہر وہ پاک چیز جو عام طور پہ پانی سے الگ ہوتی ہو وہ پانی میں مل جائے اور اس کے اوصاف (رنگ۔ بو۔ مزہ) میں سے کسی ایک وصف کو تبدیل کر دے لیکن وہ زمین کے اجزاء میں سے نہ ہو اور نہ وہ پانی کے برتن کو دباغت دینے والا کوئی مادہ ہو اور نہ ایسی چیز ہو کہ جس سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے ایسی پاک چیز کی مثال جو پانی سے الگ اور علیحدہ ہی ہوتی ہے صابن عرق گلاب، زعفران، دودھ، شہد، وہ کشمش جسے پانی میں بھگو دیا گیا ہو، لیموں، مویشیوں کی لید، جلتی ہوئی چیز کا دھواں، گھاس یا درخت کے پتے یا تنکے جو ایسے کنویں میں گریں جس کا ڈھانکنا آسان ہو، وہ کولتار جو پانی میں تہ نشین ہو اور برتن کو اس کے ذریعے دباغت بھی نہ دی گئی ہو، وہ کائی جو پانی میں پکالی گئی ہو اور مردہ مچھلی ہے کہ ان چیزوں کا پانی میں مل جانا اور اس کے ایک وصف کو تبدیل کر دینا پانی کی طہوریت (پاک کردینے کی صفت) ختم کر کے اسے صرف طاہر بنا دیتا ہے۔ اور اس متغیر پانی کے حکم میں وہ پانی بھی ہوتا ہے جو پانی نکالنے کے برتن یا ڈول وغیرہ سے متغیر ہو جائے بشرطیکہ وہ ڈول یا برتن زمین کی جنس سے نہ ہو جیسے چمڑے اور لکڑی کا برتن، یا کتان (سن، ایک قسم کا مضبوط ریشہ) یا پٹ سن، غالباً برصغیر میں ستلی جس چیز سے بنتی ہے وہ ریشہ یا چھال کی بنی ہوئی رسی اگر تغیر کم ہو یا قطران (کولتار) کو دباغت کے لئے استعمال کیا گیا تھا تو اس صورت میں وہ مضر نہیں ہوگا اور طہوریت متاثر نہیں ہوگی۔

شوافع فرماتے ہیں❸ کہ پانی کی طہوریت کو سلب کرنے والی چیز جو اسے رفع حدث اور ازالہ نجاست کے قابل نہیں رہنے دیتی ہے وہ ہر وہ پاک ملنے والی چیز ہے جس کی پانی کو حاجت نہ ہوتی ہو (یعنی پانی کی وہ ضرورت نہ ہو، پانی کی نقل وحمل اور ترسیل وغیرہ کے لئے) اور وہ پانی میں مل کر پانی کے اوصاف میں سے ایک وصف کو اتنا متغیر کردے کہ پانی کا نام اس پر نہ بولا جاسکتا ہو۔ شرط یہ ہے کہ پانی کو متغیر کرنے والی چیز مٹی نہ ہو اور نہ پانی کا نمک ہو اور یہ دونوں چیزیں خواہ بالقصد بھی ڈال دی جائیں پانی متغیر نہیں شمار ہوگا۔ متغیر کرنے والی چیزوں کی مثال جیسے زعفران، درخت کا عرق مٹی، پہاڑی نمک، چھوہارہ آٹا، پانی میں ڈالی گئی کائی پانی میں بھیگی ہوئی کتان (سن، ایک قسم کا مضبوط ریشہ) یا ملیٹھی کے درخت کی جڑ اور کولتار جو دباغت کے لئے نہ ہو، اور وہ پانی جس میں بیری یا صابن وغیرہ ملائے گئے ہوں تو ایسے پانی سے وضو درست نہیں جس میں یہ مندرجہ بالا چیزیں مل گئی ہوں اس کی مثال جیسے لوبیا کا یا گوشت کا پانی اور یہ تغیر خواہ حسی ہو (یعنی حواس سے محسوس کیا جاسکتا ہو) یا

---

❶..... فتح القدیر اور هدایة ج ۱ ص ۷۸۔❷شرح الکبیر ج ۱ ص ۳۷، الشرح الصغیر ج ۱ ص ۳۱، القوانین الفقهیة ص ۳۰، بدایة المجتهد ج ۱ ص ۲۶۔❸ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۸ المهذب ج ۱ ص ۵۔

محض مقرر کردہ ہو (یعنی دیکھنے سے معلوم ہو جانے پر محض اندازے یا جان لینے کی بنا پر وہ مقرر کر لیا گیا ہو) چنانچہ اگر پانی میں کوئی ایسا مائع گر جائے جو اوصاف میں اس کے بالکل موافق ہو، جیسے گلاب کا پانی جس کی خوشبو ختم ہو چکی ہو، اور اس کے گرنے سے کوئی تغیر پیدا نہ ہو تو اگر ہم اندازہ کریں کہ ایسے مائع کی جگہ اگر کوئی دوسری چیز (جو ایسا تغیر پیدا کرتی ہو) جو معتدل ہو، رکھی جائے تو وہ اوصاف کو بدل دے تو وہ پانی مطہر نہیں رہے گا جیسے اس کا رنگ، انار کا ذائقہ اور لاذن (ایک قسم کی خوشبو) کی بو (یعنی ہم اگر اندازہ کریں کہ یہ پانی کے ہم وصف چیز جو اس میں ملی ہے وہ اتنی تھی کہ جس سے رنگ، بو یا مزہ تبدیل ہو سکتا تھا تو یہ ملنا مغیر (تبدیل کرنے والا) شمار ہوگا، اور یہ اندازہ جو لگایا جائے گا یہ ایک معتدل چیز کے برابر لگایا جائے گا، یعنی ایسی چیز جس میں خود یہ اوصاف معتدل ہوں اور وہ پانی پر اثر بھی معتدل طور پر کرتی ہو) حنابلہ فرماتے ہیں کہ ❶ پانی کی طہوریت (دوسرے کو پاک کرنا) کی صفت کو چند چیزیں ختم کر دیتی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ چیز جو کسی تدبیر اور طریقے سے نکالی گئی ہو جیسے گلاب، پھولوں، اور خربوزے کا عرق اگر اس کے اجزاء پانی پر غالب آ جائیں تو وہ پانی کو مطہر نہیں رہنے دیتے۔ دوسرا یہ ہے کہ وہ پاک چیز جو پانی کا نام بدل دے کہ وہ یا تو رنگ یا سرکہ وغیرہ کے طور پر جانا جائے۔

اور ان میں ایک یہ ہے کہ وہ پاک چیز جو پانی کے اوصاف کو بہت بدل دے اس طرح کہ وہ اس پاک چیز کے ساتھ پکا دیا گیا ہو جیسے لوبیا اور چنے کا پانی یا پکایا نہ گیا ہو جیسے زعفران اور معدنی نمک، یا کسی ذی ہوش انسان نے اس میں کائی یا پتے وغیرہ پھینک دیے ہوں تو ان سب صورتوں میں وہ پانی ماء مطلق نہیں رہے گا اس سے وضو درست نہیں ہوگا۔

مشتبہ پانی ان کے ہاں وہ ہوتا ہے کہ پاک پانی یا کپڑے مشتبہ ہوں کہ کونسا پاک ہے اور کون سا ناپاک ہے تو اس صورت وہ شخص تحری کرے گا (کوشش کرے گا) اور غور وفکر کر کے، جیسے کہ قبلہ مشکوک ہونے کی صورت میں کرنے کا حکم ہے، ان میں سے ایک کپڑے میں نماز ادا کر لے گا اور دونوں پانیوں میں سے ایک سے وضو کر لے گا جس کے بارے میں اسے کسی علامت وغیرہ کے ذریعے یقین ہو کہ وہ پاک ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ پاک ہونا نماز کی شرائط میں سے ایک شرط ہے اور اس کے برتنے اور استعمال کرنے کا حلال ہونا کوشش کے ذریعے جان لینا ممکن ہے، چنانچہ اشتباہ کی صورت میں ایک کو معین کرنا ضروری قرار پایا۔ اور اگر کوئی باخبر شخص یا کوئی فقیہ جو اس کی نظر میں قابل اعتماد ہو اسے ناپاکی کے بارے میں بتائے تو وہ اعتماد کرے۔

۲۔ ماء طاہر غیر طہور کی دوسری قسم ہے ماء مستعمل قلیل..... قلیل پانی وہ ہے جو دو قلہ پانی سے دو رطل سے زیادہ کم ہو اور دو قلہ تقریباً پانچ سو بغدادی رطل یا ۷/ ۳۔۴۴۶ رطل مصری ❷ یا ۸۱ شامی رطل کے برابر ہوتا ہے اور شامی رطل ڈھائی کلو کا ہوتا ہے اس طرح دو قلہ ۱۹۵،۱۱۲ کلوگرام کے ہوئے جو برابر ہیں ۱۰ ٹنکہ کے بعض کہتے ہیں ۱۵ ٹنکہ کے یا ۲۷۰ لیٹر کے۔ اور کسی مربع جگہ ان کی پیمائش سوا ذراع (۱۰۴) طول عرض اور عمق کے اعتبار سے ہوگی اور گول کھدی ہوئی جگہ میں دو ذراع قطر اور دو ذراع گہرائی کے برابر ہوں گے۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ ڈھائی ذراع گہرا (عمق) اور ایک ذراع قطر کا ہو۔

احناف کے ہاں ماء مستعمل وہ ہوتا ہے ❸ جو حدث کے رفع کرنے (وضو یا غسل) کے لئے استعمال ہوا ہو یا ثواب کی نیت سے استعمال ہوا ہو جیسے ایک وضو ہوتے ہوئے پھر دوبارہ وضو کر لینا قربت کی نیت سے یا نماز جنازہ یا مسجد میں داخل ہونے یا قرآن چھونے اور پڑھنے کی نیت سے۔ اور جسم سے جدا ہوتے ہی پانی مستعمل قرار پائے گا۔ اور مستعمل وہ ہے جو جسم سے ٹکرایا ہو سارا پانی نہیں، اور ان کے ہاں اس کا حکم یہ ہے کہ یہ طاہر ہے مطہر نہیں (یعنی خود پاک ہے اور دوسرے کو پاک نہیں کر سکتا ہے، یعنی وضو وغیرہ اس سے دوبارہ نہیں کیا جا سکتا ہے تاہم

❶..... المغنی ج ۱ ص ۱۴، کشف القناع ج ۱ ص ۳۰۔ ❷ رطل بغدادی ۷/ ۴۔۱۲۸ درہم کا ہوتا ہے اور رطل مصری ۱۴۴ درہم کا، اور درہم ۳،۱۷ گرام کا ہوتا ہے۔ ❸ البدائع ج ۱ ص ۶۹، الدرالمختار مع الی شیبۃ ج ۱ ص ۱۸۲ فتح القدیر ج ۱ ص ۵۸، ۶۱۔

نجاست کپڑے اور بدن سے دور کی جا سکتی ہے راجح قول کے مطابق مالکیہ کے ہاں ماء مستعمل وہ ❶ وہ پانی ہے جو یا تو حدث رفع کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہو یعنی وضو اور غسل میں استعمال ہوا ہو یا نجاست دور کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہو، خواہ غسل واجب ہو جیسے غسل میت یا واجب نہ ہو جیسے وضو پر وضو کرنا اور جمعہ اور عید کے غسل، اور وضو میں دوسری اور تیسری مرتبہ دھونا اگر پانی دھونے سے متغیر نہ ہوتا ہو۔ اور رفع حدث میں مستعمل وہ ہوتا ہے جو اعضاء سے ٹپک جائے یا ان سے متصل ہو یا ان سے جدا ہو لیکن جدا ہونے والا بہت کم ہو یا اس میں دھویا گیا ہو، اگر اس میں ڈبو کر پانی لیا گیا اور اعضا باہر دھوئے گئے تو وہ ماء مستعمل نہ ہوگا۔ اور ماء مستعمل پاک ہے لیکن مطہر نہیں۔ اور راجح قول کے مطابق اس کا دوبارہ استعمال نجاستوں کے ازالے میں یا برتن وغیرہ دھونے میں مکروہ نہیں، تاہم اس کا استعمال حدث رفع کرنے میں یا مندوب و مستحب غسلوں میں دوسرا پانی ہوتے ہوئے بھی اس کو استعمال کرنا مکروہ ہے اگر وہ کم ہو، اور کراہت کی علت یہ ہے کہ نفوس انسانی ایسے پانی کو ناپسند کرتے ہیں اور شوافع کے ہاں ماء مستعمل ہے ❷ جو حدث کو دور کرتے وقت پہلے فرض غسل (دھونے) کے وقت قلیل پانی استعمال ہوتا ہے۔

جیسے (اعضاء کا تین مرتبہ دھونا مسنون ہونا اور) ایک مرتبہ دھونا کہ یہ فرض ہوتا ہے اور قول جدید کے مطابق صحیح تر بات یہ ہے کہ طہارت کی غیر فرض صورتوں میں استعمال ہونے والا پانی طہور ہوتا ہے، جیسے دوسری اور تیسری مرتبہ اعضاء کے دھونے میں استعمال ہونے والا پانی، اور فرضیت طہات سے مراد ہے فرض خواہ صورۃ بھی ہو جیسے بچے کا وضو۔ کیونکہ بچے کی نماز کے لئے اس پر وضو کرنا ضروری ہے۔ ماء مستعمل میں وہ قلیل پانی بھی داخل ہے جس میں کوئی شخص ہاتھ دھونے کے لئے پانی نکالنے کی غرض سے ہاتھ ڈبوئے کہ وہ پانی نکال کر باہر دھوئے گا لیکن اس نے نیت ہاتھ ڈبونے (چلو بھرنے) کی نہ کی ہو تو یہ پانی مستعمل ہوگا۔ لیکن اگر اس نے اس نیت کے ساتھ ہاتھ ڈبوئے تو وہ پانی طہور ہوگا۔ ماء مستعمل میں وہ پانی بھی داخل ہے جو سر یا موزے کے مسح کے بدلے میں دھونے کی صورت میں گرے یا اس کافرہ عورت کے غسل کا پانی جو اپنے مسلمان شوہر کے لئے حلال ہونا چاہتی ہو (حیض سے پاک ہو کر) اور میت کے غسل کا پانی اور اس مجنونہ عورت کے غسل کا پانی جو اپنے مسلمان شوہر کے لئے حلال ہونا چاہتی ہے اور یہ پانی جب مستعمل قرار پائے گا جب یہ عضو سے جدا ہو جائے وہ ماء مستعمل جسے نجاست کے ازالے کے لئے استعمال کیا جائے اس کے لئے تین شرطیں ہیں۔

۱.....نجاست کی جگہ پانی اس وقت ڈالا جائے جب کہ وہ قلیل ہو صحیح قول کے مطابق اگر نجاست زیادہ ہو تو نہیں تا کہ پانی ناپاک نہ ہو جائے جب زیادہ نجاست ہو، کیونکہ پانی محض نجاست کے اس میں پڑ جانے سے ہی ناپاک ہو جاتا ہے۔

۲.....کہ وہ پانی اس جگہ سے طاہر ہی جدا ہو بایں معنی کہ اس کے اوصاف میں سے کوئی بھی تبدیل نہ ہوا ہو اور جگہ بھی پاک ہو چکی ہو۔

۳.....کپڑے نے جتنا پانی لیا ہے اور جتنا میل اس میں چھوڑا ہے اس اعتبار سے کپڑے کا وزن نہ بڑھے اگر پانی متغیر ہو گیا یا اس کا وزن بڑھ گیا یا وہ جگہ ہی پاک نہ ہوئی اس طرح کہ نجاست کا رنگ اور بو دونوں باقی ہوں یا صرف اس کا مزہ باقی ہو اور اس کا دور کرنا مشکل بھی نہ ہو تو وہ پانی نجس ہو جائے گا، کیونکہ یہ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ نجاست کا اصل جسم باقی ہے۔

ماء مستعمل کا حکم یہ ہے کہ وہ خود پاک ہوتا ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں ہوتا ہے مذہب جدید کے مطابق، چنانچہ اس سے وضو اور غسل درست نہیں اور نہ نجاست اسی سے زائل ہو سکے گی کیونکہ سلف صالحین اس پانی سے احتراز نہیں کرتے تھے اور نہ اپنے اوپر سے ٹپکنے والے پانی سے احتراز کرتے تھے، صحیحین میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرض الموت میں عیادت فرمائی اور وضو فرمایا اور ان پر اپنے وضو کا پانی بہا دیا۔ اور صحابہ پانی کی قلت کے وجود ماء مستعمل کو استعمال ثانی کے لئے جمع نہیں کرتے تھے اور نہ اس کو پینے کے لئے

---

❶..... الشرح الصغير ج ا ص ۲۷، الشرح الكبير مع بدايته المجتهد ج ا ص ۲۶ الدسوقي ج ا ص ۴۱، القوانين الفقهيه ص ۳۱. ❷ پانی بول کر مٹی سے احتراز کیا ہے کہ مٹی پر دوبارہ تیمم جائز ہے کیونکہ یہ اعضا سے متصل نہیں ہوتی ہے۔

رکھتے تھے، کیونکہ یہ طبعاً قابل گھن پانی تھا اور قلیل ماء مستعمل جو پانی میں گر جائے قابل معافی ہے اور ماء مستعمل اگر جمع کر لیا جائے اور وہ دو قلہ کے برابر ہو جائے تو وہ پاک شمار ہوگا صحیح قول کے مطابق۔

حنابلہ کے ہاں ماء مستعمل وہ ہے ❶ جسے حدث اکبر (جنابت) یا اصغر (وضو) کے رفع کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہو یا نجاست کے زائل کرنے کے لئے آخری مرتبہ جو دھونا ہوتا ہے اس میں استعمال شدہ پانی، یعنی ساتویں مرتبہ دھوتے وقت استعمال ہونے والا پانی ❷ جیسا کہ مذہب کا مختار ہے شرط یہ ہے کہ پانی کے اوصاف تبدیل نہ ہوں۔

اور ماء مستعمل میں وہ پانی بھی داخل ہے جو غسل میت کا ہو کیونکہ یہ غسل تعبدی ہے حدث کا غسل نہیں ہے، اور پانی اس وقت بھی مستعمل ہوگا اگر جنبی یا وضو کرنے والا کم پانی میں رفع حدث کی نیت کر لیں اگر رفع حدث کی نیت نہیں کی یا صرف چلو بھرنے کی نیت کی یا غبار دور کرنے کی نیت کی یا ٹھنڈک کے حصول کی نیت کی یا محض کھیل کود کشف کی نیت کی تو وہ پانی طہور ہی رہے گا۔ ماء مستعمل میں سے یہ بھی ہے کہ وہ کم پانی جس میں ڈوب جائے یا دھو لے اس سے رات کی نیند لے اٹھنے والا اور وہ شخص مسلمان عاقل اور بالغ ہو بچہ، مجنون اور کافر نہ ہو۔ اور ہاتھ بھی اپنا پورا ڈبوئے گٹوں تک اور اگر ہاتھ کے علاوہ چہرہ وغیرہ ڈبویا تو پانی مستعمل نہیں ہوگا۔

پانی مستعمل اس وقت ہوگا جب وہ محل استعمال سے جدا ہو جائے، اور وہ قلیل ماء مستعمل معاف ہے جو پانی میں گر جائے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بڑے بڑے پیالوں سے وضو کیا کرتے تھے اور لگن (تسلے) سے نہایا کرتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک برتن سے غسل فرمایا تھا جس میں آپ دونوں کے ہاتھ ادھر اُدھر ہو رہے تھے اور دونوں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے ”میرے لئے رہنے دو“ اور اس طرح کی کیفیت میں پانی میں پڑنے والی چھینٹوں سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ ہاں اگر گرنے والا پانی زیادہ ہو اور بڑھ جائے تو اس سے طہارت حاصل کرنا صحیح قول کے مطابق درست نہیں، اور یہ شوافع کا بھی مذہب ہے جسے میں پہلے بیان کر چکا ہوں، اور جو پانی مستحب طہارتوں میں استعمال ہوا ہو جیسے تجدید وضو، وضو میں دوسری اور تیسری مرتبہ کا دھونا، جمعہ اور عیدین کے غسل وغیرہ تو ان کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ یہ ماء مستعمل ہے رفع حدث کے سلسلے میں، کیونکہ اس سے حاصل ہونے والی طہارت مشروع طہارت ہے اور دوسری روایت جو راجح ہے وہ یہ ہے کہ یہ طہور ہے طہارت کو مانع نہیں کیونکہ نماز اس کے لئے ممنوع نہیں تھی تو یہ ایسے ہو گیا جیسے کوئی ٹھنڈک کے حصول کے لئے وضو کرے۔ اور علماء کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ ٹھنڈک اور صفائی کی غرض سے استعمال شدہ پانی طاہر، مطہر اور غیر مکروہ ہوتا ہے اور کم پانی مستعمل نہیں بنتا ہے اگر وضو کرنے والا اپنے ہاتھ دھوتے وقت اس سے چلو بھرے کیونکہ وضو کرنے والے کا مقصود چلو بھرنا ہے ہاتھ دھونا نہیں اور دوسری بات یہ کہ سعید بن عثمان کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن سے ایک چلو بھرا دائیں ہاتھ سے اور اسے اپنے دائیں ہاتھ پر بہایا اور اسے گٹوں تک تین مرتبہ دھویا۔

ماء مستعمل کا حکم یہ ہے کہ وہ نہ رفع حدث کر سکتا ہے اور نہ ازالہ نجاست، جیسے کہ شوافع کا قول ابھی گذرا۔

اور ماء مستعمل کو جمع کر دیا جائے اور اس کے دو قلے بن جائیں تو اس بارے میں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ماء مستعمل ہی ہوگا اور دوسری یہ کہ وہ پاک ہے اور مطہر ہے کیونکہ حدیث ہے کہ جب پانی دو قلہ (بڑا مٹکا) ہے تو وہ گندگی نہیں اٹھاتا (گندہ نہیں ہوتا) ❸ اور اگر ماء مستعمل اور غیر مستعمل جمع ہو کر دو قلہ بن گئے تو سارا کا سارا طہور ہو جائے گا۔

---

❶ کشف القناع ج ۱ ص ۳۱، المغنی ج ۱ ص ۱۵، ص ۱۸، ۲۲، ۱۲۴ ❷ چوتھی مرتبہ دھونا یہ وضو میں پاک ہوتا ہے، پہلی تین مستعمل، اور نجاست کے زوال کے بعد آٹھویں بار دھونا یہ پاک ہوتا ہے پہلے سات مستعمل ہوتے ہیں، حنابلہ کے ہاں نجاست دور کرنے کے لئے سات مرتبہ دھونا شرط ہے۔ ❸ اس حدیث کو پانچ ائمہ اور امام شافعی، ابن خزیمہ، ابن حبان حاکم، دار قطنی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے اور حاکم نے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۰۔

۳۔ ماء طاہر غیر طہور کی تیسری قسم ہے نباتات کا پانی...... یعنی پھول پھل وغیرہ کے عرق جیسے گلاب کا پھول کا، خربوزے وغیرہ جیسے پھلوں کا عرق طاہر ہے لیکن مطہر نہیں ہے۔

۳۔ پانی کی تیسری قسم، ناپاک پانی الماء المتنجس...... یہ وہ پانی ہوتا ہے جس کے اندر ایسی نجاست گر جائے جو قابل معافی نہ ہو جیسے تھوڑا سا گوبر اور پانی بھی ٹھہرا ہوا اور کم ہو۔ اور قلیل پانی ناپ کے اعتبار سے احناف کے وہ ہے❶ جو دس ضرب دس عام ذراع سے کم ہو یعنی عام باشندوں کی ذراع (انگلیوں کے سرے سے کہنی تک) سے کم ہو ایسا پانی ناپاک ہو جائے گا خواہ اس میں نجاست کا اثر نہ بھی آئے۔ اور اگر دس ضرب دس ذراع کا مربع حوض یا چھتیس ذراع قطر کا گول حوض ہو اور اس کی گہرائی اتنی ہو کہ اس میں سے چلو بھرنے سے زمین نہ نظر آ سکتی ہو، صحیح قول کے مطابق، تو اتنی مقدار میں پانی جب ناپاک ہوگا کہ جب اس میں نجاست کا اثر ظاہر ہو جائے۔ اور ماء جاری بہتا ہوا پانی جب نجس ہوگا جب اس میں نجاست کا اثر ظاہر ہو جائے، اور نجاست کا اثر اس کا مزہ (ذائقہ) یا رنگ یا بو ہے۔ اس تفصیل کے مطابق پانی کی دو قسمیں ہوئیں۔

۱...... وہ پانی جو پاک اور مطہر ہو اور کم ہو اور اس میں اتنی نجاست گرے جو اس کے کسی وصف کو تبدیل نہ کر سکے۔

۲...... وہ پانی جو طہور ہو اور اس میں اتنی نجاست گرے کہ اس کے تین اوصاف میں سے ایک متغیر ہو جائے، علماء کا اس دوسری قسم کی نجاست جس میں پانی کے تین اوصاف میں سے ایک بدل جائے یعنی رنگ، بو، مزہ کے بارے میں اتفاق ہے اس طرح شوافع اور حنابلہ احناف کے ساتھ پہلی قسم کی نجاست کے بارے میں متفق ہیں، سوا اس کے جو شوافع کے ہاں معاف ہیں جیسے ان حشرات الارض اور مخلوقات کے جسم جن میں خون نہیں ہوتا جیسے مکھی شہد کی مکھی اگر یہ خود گریں یا انہیں ہوا گرا دے۔ مالکیہ راجح روایت کے مطابق پہلی قسم کی طہارت کے قائل ہیں یعنی وہ کم پانی جس میں نجاست گرے اور اس کے اوصاف میں سے کوئی وصف تبدیل نہ ہو، تاہم ان کے ہاں یہ مکروہ ہے تا کہ اختلاف کی رعایت رکھی جا سکے❷ (یعنی چونکہ دوسرے ائمہ کے ہاں یہ ناپاک ہے اس لئے ان کے اختلاف کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسے پانی کا استعمال مکروہ ہے) ناپاک پانی کے بارے میں فقہاء کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا یا طہارت وصفائی وغیرہ کے لئے استعمال کرنا درست نہیں ہے صرف جانور کو پلانے یا کھیتی وغیرہ کو سیراب کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے یا بامر مجبوری پیاس بجھانے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

پانی کی قلت وکثرت:...... فقہاء کا قلت وکثرت کی حدود کے یقین میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ کے ہاں کثرت کا معیار یہ ہے کہ پانی اتنا ہو کہ اگر اس کی ایک طرف کو حرکت دی جائے تو دوسری طرف حرکت نہ پہنچے❸ اور قلیل پانی وہ ہوتا ہے جو دس ضرب دس ذراع سے کم کے حوض وغیرہ میں: جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ مالکیہ کے ہاں کثیر کی کوئی حد نہیں ہے اور وہ قلیل پانی جو مکروہ ہوتا ہے وہ وہ پانی ہے جو وضو یا غسل کے برتن کی مقدار میں یا اس سے کم ہو اگر اس میں نجاست جا پڑے اور اسے متغیر نہ کرے تو ایسے پانی کا حدث کے رفع کرنے یا نجاست کے ازالے کے لئے استعمال مکروہ ہے اور ایسی چیز میں استعمال جو طہارت پر موقوف ہو جیسے طہارت مسنونہ اور مستحبہ ہاں عادی امور میں اس کا استعمال مباح ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں کثیر اور قلیل میں حد فاصل دو قلہ (بڑا مٹکا) ہیں❹ جو ہجر کے قلہ میں سے ہو یعنی پانچ قربہ کا ہوتا ہے اور ہر قربہ سو عراقی رطل کا ہوتا ہے اس طرح دو قلہ (دو بڑے مٹکے) پانچ سو عراقی رطل کے ہوئے۔ چنانچہ پانی کی مقدار اگر دو قلے کے برابر ہو

---

❶...... مراقی الفلاح ص ۴۔ ❷ الشرح الکبیر مع الدسوقی ج ۱ ص ۳۷، ص ۴۳۔ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۳۱، ص ۳۶، القوانین، الفقهیه ص ۳۰، بدایة المجتهد ج ۱ ص ۲۳، المهذب ج ۱ ص ۵، ۸، مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۲۱، المغنی ج ۱ ص ۲۲۔۲۷ غایة المنتهی ج ۱ ص ۹، کشف القناع ج ۱ ص ۳۷، ۳۹، ۴۲، ۴۴ اور بعد کے صفحے ۲۔ ❸ فتح القدیر ج ۱ ص ۵۵۔

❹ القلہ: مٹکے کو کہتے ہیں اور اس کو قلہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے معنی اٹھائی جانے والی چیز اور مٹکے کو ہاتھوں سے اٹھایا جاتا ہے۔

اور اس میں نجاست گر جائے ٹھوس ہو یا سیال، مائع اور اس کا ذائقہ، رنگ اور بو تبدیل نہ ہو تو وہ پاک اور مطہر ہوگا کیونکہ حدیث ہے کہ جب پانی دو قلہ کے برابر ہو تو وہ گندگی نہیں اٹھاتا (یعنی گندا نہیں ہوتا) حاکم نے اس حدیث کو شیخین کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ اور ابو داود وغیرہ کی روایت میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے فانه لاینجس (کہ وہ ناپاک نہیں ہوتا) اور یہی مراد ہے آپ کی اس بات سے "کہ وہ گندگی نہیں اٹھاتا" یعنی کہ وہ نجس چیز کو دور کر دیتا ہے اور اس کا اثر قبول نہیں کرتا۔ اور اگر نجاست کسی ایسے مائع سیال میں گر جائے جو پانی نہ ہو خواہ وہ دو قلہ کی مقدار میں ہو تو وہ محض نجس چیز سے ملتے ہی نجس ہو جائے گا کیونکہ پانی کا نجاست سے بچانا مشکل ہوتا ہے بخلاف دوسری چیزوں کے خواہ وہ بہت ہوں۔ اور اگر ماء کثیر کے اوصاف میں سے کوئی وصف متغیر ہو جائے خواہ معمولی سا تغیر ہو تو وہ نجس ہو جائے گا دلیل اس کی اجماع امت ہے جو ان دو حدیثوں حدیث قلتین (کہ دو قلہ پانی ناپاک نہیں ہوتا) اور حدیث ترمذی اور ابن حبان کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی ہے۔ ❶ کو خاص کر دیتا ہے (یعنی محدود کر دیتا ہے) جب کہ یہ دونوں عام ہیں۔ امام ابن منذر فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ پانی خواہ کم ہو یا زیادہ اگر اس میں پڑنے والی نجاست اس کے رنگ بو یا مزے کو تبدیل کر دے تو وہ نجس شمار ہوگا جب تک وہ ایسا رہے اور ابو امامہ الباہلی نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پانی پاک ہوتا ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی ہے مگر وہ جو اس کے رنگ بو، اور مزے پر غالب آجائے اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے تاہم یہ حدیث ضعیف ہے ❷ میں شوافع اور حنابلہ کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں کہ وہ حدیث قلتین کو بنیاد بناتے ہیں جو کہ حدیث صحیح ہے، اگر چہ احناف نے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے کہ اس میں اضطراب ہے اور تعارض ہے روایات سے، ایک روایت میں ثلاث قلال، تین قلہ کا لفظ ہے اور ایک روایت میں قلة، ایک قلہ کا لفظ ہے، اور وہ یہ بھی علت نکالتے ہیں کہ قلہ کی مقدار نامعلوم ہے تاہم شوافع ان باتوں کا جواب دے چکے ہیں۔ ❸

۵۔ پانچویں بحث.....کنووں اور جھوٹوں کا حکم

طہارت سے متعلق پانچویں بحث کنووں اور جھوٹوں (پس خوردہ) کے متعلق ہے اس میں دو مباحث ہیں۔

المبحث الاول (پہلی بحث) حکم الاسار، جھوٹوں (پس خوردہ جات) کا حکم..... آسار جمع ہے سور کی، اور سور کہتے ہیں بقیہ اور فضلہ کو، اور اصطلاح میں برتن اور حوض میں پانی پینے والے کا بچا کچھا پانی، پھر اسے استعارۃ پس خوردہ (کھانے کے بعد بچا کچھا کھانا) علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں اور مویشیوں کا جھوٹا پاک ہے اور ان کے علاوہ کے جھوٹے پر بہت اختلاف ہے۔

احناف کے ہاں جھوٹے کا حکم پینے والے کے لعاب کے پانی یا مشروع میں مل جانے کے سبب سے ہوتا ہے ❹ چنانچہ پینے والے کے لعاب کے پاک یا ناپاک ہونے کے لحاظ سے اس میں بھی فرق ہوگا۔ چنانچہ آدمی اور حلال گوشت جانوروں کا جھوٹا پاک ہوگا اور کتے کا جھوٹا ناپاک ہوگا۔ اور جھوٹا کبھی مکروہ بھی ہوتا ہے یا مشکوک بھی ہوتا ہے تو اس تفصیل کے مطابق پس خوردہ کی امام ابوحنیفہ کے ہاں چار قسمیں ہوئیں۔ (۱) طاہر (۲) مکروہ (۳) مشکوک (۴) اور نجس۔ یہ اقسام آنے والی تفصیل سے مزید واضح ہو جائیں گی۔

۱۔ **وہ جھوٹا جو طاہر اور مطہر ہو بلا کراہت**..... یہ وہ جھوٹا ہے جس میں سے آدمی نے پیا ہو یا حلال گوشت جانور (جن جانوروں کا گوشت حلال ہے) نے پیا ہو جیسے اونٹ گائے بکری اور گھوڑا بھی صحیح قول کے مطابق اور ان کی طرح کے دیگر مویشی بشرطیکہ وہ گندگی خور نہ ہوں اور نہ دوران جگالی وہ یہ کریں اگر وہ جگالی کرنے والے جانور رہوں۔ وجہ اس حکم کی یہ ہے کہ وہ تھوک جو پانی پینے کے دوران اس پانی میں مل گیا ہے

❶ ..... ملاحظہ کیجئے نصب الرایہ ج ۱ ص ۹۵، ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ خاص کر دی گئی ہے حدیث قلتین کے ذریعے اور یہ دونوں جو حدیثیں بیان ہوئیں، مخصوص کر دی گئی ہیں اس اجماع کے ذریعے کہ نجاست سے متغیر پانی ناپاک ہوتا ہے، پانی کم ہو یا زیادہ۔ ❷ نصب الرأیة ج ۱ ص ۹۴۔ ❸ سبل السلام۔ ج ۱ ص ۱۹۔ ❹ الدر المختار مع الشامیة، ج ۱ ص ۲۰۵۔ فتح القدیر ج ۱ ص ۷۴ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۱۔

وہ تھوک پاک گوشت سے پیدا ہونے کی وجہ سے پاک ہے۔ اور انسان کے چھوٹے یا بڑے، مسلمان یا کفر، جنبی یا حائض ہونے میں کوئی فرق نہیں، ہر حال میں اس کا جھوٹا پاک ہے ہاں اگر کافر نے شراب پی رکھی ہو تو اس کا منہ ناپاک ہوگا اور وہ اگر شراب نوشی کے بعد فی الفور پانی پیئے تو اس کا جھوٹا نجس ہوگا۔ ہاں اگر اتنی دیر ٹھہر کر پانی پیا کہ جتنی دیر میں اس کا منہ اس کے تھوک کے اندر باہر ہونے سے پاک ہو گیا تو اس کا جھوٹا نجس نہیں ہوگا❶ آدمی کا جھوٹا مطلقاً پاک ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت ابوہریرہ نے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھ سے کبھی اس حالت میں ملتے ہیں کہ میں جنبی ہوتا ہوں تو آپ کے ساتھ بیٹھنا مجھے اچھا نہیں لگتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سبحان اللہ! مسلمان گندہ نہیں ہوتا❷ مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ میں حالت حیض میں پانی پیتی پھر" میں اسے آپ کو پکڑا دیتی آپ میرے منہ کی جگہ اپنا منہ رکھ پانی نوش فرماتے۔" بخاری نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دودھ نوش فرمایا آپ کی داہنی طرف ایک بدو اور باہنی طرف حضرت ابوبکر بیٹھے تھے، آپ نے اس بدو کو وہ دیا اور فرمایا دایاں پھر بایاں۔

۲۔ وہ جھوٹا جو پاک ہو اور دوسرے پانی کے ہونے ہوئے اس کا استعمال مکروہ تنزیہی ہو۔ اور وہ ہے بلی اور ہر طرف گھومنے پھرنے والی مرغی کا جھوٹا❸ اور گندگی کھانے والے اونٹ اور گائے کا یعنی وہ جس کی حالت کا پتہ نہ ہو اور گندگی وغلاظت کھاتی پھرتی ہو۔ اور چیر پھاڑ کرنے والے پرندے جیسے باز، گدھ، شکرا، چیل اور کوا، اور گھریلو جانور جیسے سانپ اور چوہے اگر نجاست ان کے منہ پر نہ لگی ہوئی ہو، کیونکہ یہ جانور گھروں میں آنے والے ہیں، یا یہ آسانی ضرورت کی خاطر ہے اور ان سے نہ بچنے❹

کے امکان کی وجہ سے ہے، اور اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلی کے لئے وضو کے برتن کو جھکا دیا کرتے اور وہ اس میں سے پانی پی لیتی پھر آپ اس سے وضو فرماتے۔❹

۳.....وہ جھوٹا جس کی طہوریت (پاک کردینے کی صفت) میں شک ہو طاہر (پاک) ہونے میں نہیں، اور وہ خچر اور گدھے کا جھوٹا ہے چنانچہ اس سے وضو اور غسل بھی کرے پھر تیمم بھی کرلے دونوں میں سے جسے چاہے مقدم کردے اور یہ عمل احتیاطاً کرے ایک نماز کے لئے، اور شک کا سبب اس کے گوشت کی حرمت اور اباحت کے بارے میں وارد دلائل ہیں یا صحابہ کا اس کے بارے میں اختلاف اس کا سبب ہے یا ضرورت اور عام حاجت کے تحقق کے بارے میں واقع تردد اس شک کا سبب ہے کہ یہ دونوں چیزیں نجاست کے حکم ساقط کردیتی ہیں، اور سبب اس تردد کا یہ ہے کہ اس جانور کو گھوروں میں باندھا جاتا ہے اور یہ استعمال کے برتنوں میں پیتا ہے اور لوگوں کا اس سے میل جول زیادہ ہوتا ہے اس پر سواری وغیرہ کرنے میں، تو احناف کا مسلک یہ ہے کہ خچر اور گدھے کا جھوٹا پاک تو قطعاً ہے شک صرف اس کے طہور (پاک کرنے والا) ہونے میں ہے۔

اس کی حلت اور حرمت میں واقع تعارض تو اس وجہ سے ہے کہ اس کے گوشت کے حرام ہونے کے بارے میں دو حدیث وارد ہوئی ہیں۔

۱.....حدیث ابجر بن غالب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرض کیا یا رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے ہاں قحط وخشک سالی کا دور دور ہے اور میرے پاس اپنے گھر والوں کو کھلانے کے لئے صرف موٹ گدھے ہی ہیں اور آپ گدھوں کو حرام کرچکے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم

---

❶.... اس کی مثل یہ مسئلہ ہے کہ کافر کے عضو پر نجاست لگی اس نے وہ منہ سے چاٹ لی حتیٰ کہ اس کا اثر ختم ہو گیا یا بچے نے ماں کی چھاتی پر قے کردی پھر اس نے دودھ پیا حتیٰ کہ الٹی کا اثر جاتا رہا تو دونوں صورتوں میں وہ جگہیں پاک ہوں گی۔ ❷ یہ حدیث مسلم نے روایت کی ہے، اور انہوں نے یہ روایت بھی کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت حنیفہ سے ملاقات ہوئی آپ نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے ہاتھ کھینچ لیا اور بولے کہ میں جنبی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن ناپاک نہیں ہوتا۔ ❸ جلالہ اس مرغی کو کہتے ہیں جو باہر گندگی کھاتی پھرتی ہے گھر میں بند مرغی جو دانہ کھاتی ہو اس کا جھوٹا پاک ہے۔ ❹ دار قطنی نے اس کو دو طریقوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے۔ نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۳۳

اپنے خانہ کو اپنے موٹ گدھے کھلاؤ۔ ❶

۲.....حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے گدھا کھالیا ہے آپ خاموش رہے اس نے دوبارہ آ کر کہا میں نے گدھا کھالیا ہے آپ خاموش رہے پھر اس نے تیسری مرتبہ آ کر کہا میں نے گدھے تو ختم ہی کر دیئے آپ نے ایک آواز لگانے والے کو حکم دیا کہ وہ آواز لگائے کہ بے شک اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کو گدھوں کے گوشت سے منع کرتے ہیں، اور ایک روایت میں ہے کیونکہ وہ گندگی ہے چنانچہ دیگچیاں الٹ دی گئیں۔ حالانکہ ان میں گوشت ابل رہا تھا ❷ اور صحابہ کا طہارت اور نجاست میں اختلاف اس طرح ہے کہ حضرت ابن عمر سے اس کی نجاست اور حضرت ابن عباسؓ سے اس کی طہارت منقول ہے۔

حق بات یہ ہے کہ حضرت انس والی حدیث اصح ہے اور گدھوں کا گوشت بلاشبہ حرام ہے اور جب حلال کرنے والے اور حرام کرنے والے میں تعارض ہوتا ہے تو حرام کرنے والے کو مقدم رکھا جاتا ہے جو دو حدیثوں میں ایسا ہو یا صحابہ کے دو مختلف اجتہادوں میں ایسا ہو زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ شک کی دلیل ضرورت میں درپیش تردد ہے کیونکہ گدھے گھروں اور میدانوں میں باندھے جاتے ہیں۔ تاہم یہ ضرورت جو ہے اور بلی کی صورتحال میں درپیش ضرورت سے کم تر ہے کیونکہ وہ دونوں تو تنگ کر ڈالنے والوں میں ہیں بہ نسبت گدھے اور خچر کے، لہٰذا اس کی طہوریت میں شک واقع ہو گیا چنانچہ یہ لعاب دہن کی وجہ سے نجس ہونا چاہیے اور ضرورت کے درپیش ہونے کی وجہ سے اسے پاک ہونا چاہئے، چنانچہ یہ شک جھوٹے میں پیدا ہوا۔ یہ تفصیل ہے شک پیدا ہونے کی وجہ نہیں کہ اس کی حرمت میں یقین نہیں یا صحابہ کا اس کے جھوٹے میں اختلاف ہے۔

۴.....وہ جھوٹا جو نجاست غلیظ کے درجے کا نجس ہو۔ اس کا استعمال کسی صورت جائز نہیں ماسوا ضرورت کے جیسے مردار کا کھانا یہ جھوٹا وہ ہے جس میں سے کتے یا سور یا درندوں جیسے شیر، چیتے، بھیڑیئے، بندر اور بجو وغیرہ نے پیا ہو، کتا تو اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو وہ اس کو سات مرتبہ دھولے ❸ جب برتن منہ ڈالنے سے گندہ ہو سکتا ہے تو پانی بطریق اولی منہ ڈالنے سے ناپاک ہوگا اور سور اس لئے کہ وہ نجس العین ہے قرآن میں ہے فانه رجس (سو وہ گندگی ہے، سورۃ الانعام آیت ۱۴۵) اور درندوں کا حکم اس لئے ہے کہ ان کا گوشت نجس ہوتا ہے، اور پانی سے ملنے والا ان کا تھوک اس گوشت سے پیدا ہوا ہے لہٰذا پانی ناپاک ہوا۔

مالکیہ فرماتے ہیں ❹ کہ تفصیل یہ ہے:

۱.....انسان کے جھوٹے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ مسلمان ہے اور شراب نوش نہیں تو اس کا جھوٹا طاہر و مطہر ہے بالا جماع۔ اور اگر وہ کافر ہے یا مسلمان شراب نوش ہے تو اگر اس کے منہ میں نجاست ہے تو اس کا جھوٹا اس پانی کے حکم میں ہوگا جس میں نجاست مل جائے اور اگر اس کے منہ میں نجاست نہ ہو تو وہ طاہر اور مطہر ہوگا یہ رائے جمہور علماء کی بھی ہے۔ تاہم مالکیہ کے ہاں وہ مسلمان جو شراب نوش ہو اور کافر جس کے منہ کے بارے میں شک ہو اس کا جھوٹا مکروہ ہے اور یہ اس کے حکم میں ہے جس میں کوئی اپنا ہاتھ ڈال دے اور وہ متغیر بھی نہ ہو۔

۲.....اس کا جھوٹا جو نجاست استعمال کرے۔ جیسے بلی اور چوہا، اگر ان کے منہ میں نجاست دیکھ جائے تو جھوٹے کا حکم وہی ہوگا جو

---

❶.....ابوداؤد نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ ❷ روایت بخاری۔ ❸ یہ روایت احمد اور بخاری و مسلم نے حضرت ابوھریرۃ سے روایت کی ہے امام احمد و مسلم سے روایت ہے تم میں سے جس کے برتن میں کتا منہ ڈال دے اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اسے سات مرتبہ دھوئے جن میں پہلی مرتبہ مٹی سے دھوئے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۶۔ ❹ القوانين الفقهيه ص ۳۱، بداية المجتهد ج ۱ ص ۲۷۔ ۳۰ الشرح الصغير ج ۱ ص ۴۳ الشرح الكبير ج ۱ ص ۴۳۔ ۴۴۔

اس پانی کا ہوتا ہے جس میں نجاست مل جاتی ہے اور اگر ان کے منہ کا پاک ہونا محقق ہو جائے تو ان کا جھوٹا پاک ہوگا۔ اور اگر معلوم نہ ہو تو جس سے بچنا مشکل ہو وہ قابل معافی ہے تاہم مکروہ ہے اور جس چیز سے بچنا ممکن ہو اس کی طہارت کے بارے میں دو قول ہیں ❶ راجح قول طہارت کا ہے۔

۳..... جانوروں اور درندوں کا جھوٹا پاک ہے لیکن وہ جانور جو گندگی سے نہ بچتا ہو اس کا جھوٹا مکروہ ہے جیسے پرندے کا۔

۴..... کتے اور سور کا جھوٹا ناپاک ہے، اور اس برتن کا سات مرتبہ دھونا ضروری ہے جس میں کتے نے منہ ڈالا ہو عبادت کے طور پر ضروری ہے اور وہ برتن جس میں سور نے منہ ڈالا اس کے سات مرتبہ دھونے کے بارے میں دو قول ہیں۔

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں ❷ کہ تفصیل یوں ہے۔

ا۔ آدمی کا جھوٹا پاک ہے مسلمان ہو یا کافر یہ علماء کا متفق علیہ مسئلہ ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مسلمان گندہ نہیں ہوتا۔

۲..... حلال گوشت جانور کا جھوٹا پاک ہے ابن منذر کہتے ہیں کہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا جھوٹا پاک ہے اس کا پینا اور اسی سے وضو کرنا جائز ہے۔

۳..... بلی، چوہے، نیولے اور دیگر زمین پر رینگنے والے جانور جیسے سانپ اور چھپکلی وغیرہ کا جھوٹا پاک ہے اس کا پینا اور اس سے وضو کرنا درست ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ علیہم میں سے اکثر اہل علم کے ہاں یہ مکروہ نہیں ہے ماسوا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کہ وہ بلی کے جھوٹے سے وضو کو مکروہ قرار دیتے ہیں تاہم اگر کسی نے وضو کر لیا تو درست ہو جائے گا۔

۴..... تمام حیوانات یعنی خچر، گھوڑے، گدھے اور درندے جن کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہیں، ان کا جھوٹا طاہر ہے۔ یہ روایت حنابلہ کے ہاں راجح ہے، دلیل اس کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا ہم گدھوں کے چھوڑے ہوئے پانی سے وضو کر لیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اور ان سب سے بھی جنہیں درندے پی کر چھوڑ دیں ❸ دوسری بات یہ ہے کہ یہ ایسے حیوانات ہیں جن سے انتفاع بغیر ضرورت کے درست ہے چنانچہ یہ بکری کی طرح پاک ہوں گے۔ اور کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم خچر اور گدھے پر سواری فرماتے تھے اگر ان کا جھوٹا نجس ہوتا تو آپ ضرور بیان فرماتے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کو ساتھ رکھنے والے کے لئے اس سے تحرز مشکل ہوتا ہے تو یہ بلی کی مشابہ ہوا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خیبر کے دن گدھوں کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ گندگی ہیں تو اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے کھانے کا حرام ہونا بتانا تھا۔

۵..... کتے، سور اور ان دونوں کے ملاپ سے یا ان میں سے کسی ایک کے دوسرے جانور سے ملاپ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے جانور کا جھوٹا ناپاک ہے دلیل اس کی یہ حدیث ہے کہ جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اس کو سات مرتبہ دھو جن میں سے پہلی مرتبہ مٹی سے دھو ❹ اور خنزیر بھی کتے کی طرح ہوگا حکم میں کیونکہ یہ تو کتے سے بدتر ہوتا ہے اور ملاپ سے پیدا ہونے والا جانور کا حکم اس کے اصل کا حکم ہوگا کیونکہ اپنے ماں باپ میں جو زیادہ بدتر ہو نجاست میں اس کے تابع ہوگا یہ مذہب راجح ہے، مالکیہ کا یہ قول کہ دھونے کا حکم عبادت

---

❶ ..... قرۃ نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس برتن کی پاکی جس میں بلی منہ ڈال دے ایک یا دو مرتبہ دھونا ہے" اور قرۃ محدثین کے ہاں ثقہ ہیں اور امام مالک نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلاشبہ وہ نجس نہیں ہے، وہ تو تم پر آنے جانے والوں میں سے ہے۔" ❷ المجموع ج ۱ ص ۲۲۷ المغنی ج ۱ ص ۴۲۔ ۵۱ مغنی المحتاج ج ۸ ص ۸۳، کشف القناع ج ۱ ص ۲۲۱۔
❸ یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت کی ہے۔ ❹ روایت مسلم، اور ایک اور روایت جسے ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے یہ الفاظ ہیں ان میں سے پہلی یا آخری مرتبہ مٹی سے ہو اور ابوداؤد کی روایت میں ہے ساتویں مٹی سے ہو یعنی "ساتویں بار مٹی کے ساتھ ہو۔"

کے طور پر ہے تو یہ ناقابل فہم ہے کیونکہ اصل تو نجاست کا دھودینا ہے دلیل یہ ہے کہ ہر قسم کے دھونے میں یہی بات مقصود ہوتی ہے۔اور اگر حکم محض تعبدی عبادت کے طور پر دیا جانے والا حکم) ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پانی بہانے کا حکم نہیں دیتے،اور دھونے کا حکم صرف منہ ڈالنے کی جگہ پر نہیں ہوتا،کیونکہ یہ لفظ تو پورے برتن کے بارے میں ہے(خاص حصے کے بارے میں تو نہیں)

۲۔المطلب الثانی (دوسری مبحث) کنوؤں کا حکم......ناپاک کنوؤں کے بارے میں گفتگو اس پانی کے بارے میں ہونے والی گفتگو کی طرح ہے جس میں نجاست مل جائے۔ان دونوں معاملوں میں جمہور کے ہاں کوئی فرق نہیں ہے،احناف نے بعض صورتوں میں فرق کیا ہے۔

مالکیہ فرماتے ہیں❶ کہ اگر ناپاک جانور کنویں میں گر جائے اور پانی کو متغیر کردے تو تمام کنویں کا پانی نکالنا واجب ہے،اور اگر اسے متغیر نہ کیا ہو تو پانی اور جانور دونوں کے بقدر پانی نکالنا مستحب ہے۔

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں❷ کہ ٹھہرا ہوا اور چلتا ہوا پانی دونوں قلیل اور کثیر کے فرق میں برابر ہیں،چنانچہ دو قلہ سے کم پانی جو قلیل ہوتا ہے وہ مؤثر نجس چیز سے ملتے ہی ناپاک ہو جاتا ہے خواہ پانی متغیر نہ ہو اور کثیر پانی جو کہ دو قلہ یا زیادہ ہوتا ہے تو یہ پانی نجاست سے ملنے سے ناپاک نہیں ہوتا خواہ ٹھوس نجاست ہو یا مائع نجاست ہو اور اگر وہ نجاست پانی کو متغیر کردے تو وہ پانی نجس ہو جائے گا۔اور اس بناء پر شوافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر نجس پانی کو پاک کرنے کا ارادہ ہو تو دیکھا جائے گا کہ نجاست کیسی ہے اگر نجاست تغیر کی وجہ سے ہو اور پانی دو قلہ سے زیادہ ہو تو وہ تغیر کے خود بخود ختم ہو جانے سے یا اس میں دوسرا پانی ملا دینے سے یا اس میں سے کچھ پانی نکال دینے سے وہ پاک ہو جاتا ہے کیونکہ نجاست تغیر کی وجہ سے تھی اور تغیر اب ختم ہو گیا۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ بارش کے پانی کی ذخیرہ گاہیں اور تالاب جن میں بہت پانی جمع ہوتا ہے وہ کسی چیز سے نجس نہیں ہوتے۔جب تک کہ پانی متغیر نہ ہو جائے۔یعنی پانی کا رنگ،بو،یا مزہ متغیر نہ ہو جائے اگر ان کا پانی کسی نجاست کے سبب متغیر ہو جائے جیسے انسان کا پیشاب یا اس کا پتلا پاخانہ تو تمام پانی نکالا جائے گا۔ان دونوں حضرات نے نکالے جانے والے پانی کی کوئی مقدار متعین نہیں کی،حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ ان سے ایک بچے کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کنویں میں پیشاب کردیا تھا تو آپ نے کنواں خالی کرنے کا حکم دیا اسی طرح کی روایت حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی ہے۔امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا اس کنویں کے بارے میں جس میں کسی انسان نے پیشاب کردیا،انہوں نے فرمایا کہ اتنا نکالا جائے کہ وہ ان پر غالب آجائے میں نے پوچھا اس کی کیا حد ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس کی کوئی حد متعین نہیں کی ہے۔گویا حنابلہ بھی کنویں کا سارا پانی نکالنے کے بارے میں مالکیہ کے ہمنوا ہیں۔

احناف جمہور کے ساتھ اس مسئلے میں متفق ہیں❸ کہ زیادہ پانی (ماء کثیر) جو کہ دس ضرب دس کا مربع حوض ہو❹ وہ اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں نجاست کا اثر نہ ظاہر ہو جائے اور قلیل پانی نجس ہو جاتا ہے خواہ اس کے اوصاف متغیر نہ ہوں ان حضرات نے استحسان کے اصول کے تحت کنویں کے کم پانی کی صورت میں کچھ معین مقداریں ذکر کی ہیں جن کا نکال دینا کافی ہوتا ہے،اور وہ مقداریں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱.....کنویں میں گرنے والے کے زندہ ہونے کی صورت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر آدمی یا کوئی جانور کنویں میں گر جائے اور زندہ ہو تو اس میں یہ حکم ہے کہ انسان یا حلال گوشت جانور کے کنویں میں گرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا اگر وہ زندہ نکل آئے اور اس کے بدن پر کوئی

---

❶.....القوانین الفقهیه ص ۳۵۔ ❷ المجموع شرح المهذب ج ۱ ص ۱۷۸۔۱۸۴ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۲۱۔۲۴ المغنی ج ۱ ص ۳۹۔۴۱۔ ❸ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۸۔۳۰ الدرالمختار وردالمحتار ج ۱ ص ۱۹۴، فتح القدیر ج ۱ ص ۶۸، مراقی الفلاح ص ۵ اللباب شرح الکتاب ج ۱ ص ۳۰۔۳۳۔ ❹ یعنی دس ذراع لمبائی میں اور دس ذراع چوڑائی میں ہو اگر مربع حوض ہے۔

نجاست نہ ہو، اور اگر اس پر نجاست ہو تو پانی نجاست کی وجہ سے ناپاک ہو جائے گا اور اگر اس میں سور گر پڑے یا کتے کا لعاب گر جائے تو کنواں ناپاک ہو جائے گا اور باقی تمام حیوانات جو غیر ماکول اللحم ہیں (حرام گوشت ہیں) جیسے خچر، گدھے، اور چیر پھاڑ کرنے والے پرندے اور وحشی جانور

وغیرہ، ان کا لعاب اگر کنویں میں گر جائے تو صحیح قول کے مطابق پانی کا حکم بھی ان جانوروں کے طاہر مکروہ اور نجس ہونے کے اعتبار سے ہوگا۔ چنانچہ نجس اور مشکوک پانی ہونے کی صورت میں کنویں کا پانی نکالنا واجب ہوگا اور مکروہ ہونے کی صورت میں چند ڈول نکال دینا مستحب ہوگا جیسا کہ اس کی تفصیل آنے والی ہے نجس درندے یا چیر پھاڑ کرنے والے جنگلی جانور ہیں جیسے شیر اور بھیڑیا۔ اور مکروہ ہیں چیر پھاڑ کرنے والے پرندے جیسے گدھے اور عقاب، اور مشکوک فیہ خچر اور گدھے ہیں تو اس تفصیل کے مطابق نجس یعنی جنگلی جانور اور درندوں کا لعاب اور مشکوک یعنی خچر اور گدھے کا لعاب کنویں میں گر جانے سے پانی نکالنا واجب ہوگا اور مکروہ یعنی چیر پھاڑ کرنے والے پرندوں کے لعاب گرنے سے کچھ ڈول نکالنا مستحب ہوں گے۔

حنابلہ فرماتے ہیں ❶ کہ اگر چوہا یا بلی یا ان کے جیسے جانور کسی مائع یا پانی میں گر کر زندہ نکل آئیں تو پانی پاک ہوگا۔

۲.....دوسری صورت مقدار کے تعین کی۔ انسان یا جانور کی کنویں میں موت کی صورت۔

الف.....اگر انسان کنویں میں مر جائے تو احناف کے ہاں کنواں ناپاک ہو جائے گا کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک مجمع کے سامنے زمزم کے کنویں کا سارا پانی نکال دینے کا حکم دیا تھا جب کہ اس میں ایک زنجی گر کر مر گیا تھا ❷ یہ مسئلہ ان غیر احناف کی رائے کے خلاف ہے ❸ جو انسان کے کنویں میں مر جانے کی صورت میں کنویں کو پاک قرار دیتے ہیں خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "مؤمن نجس نہیں ہوتا۔" ❹

ب.....اگر جانور خشکی کا ہو پانی کا نہ ہو جیسے بکری، کتا، مرغی بلی اور چوہا اور یہ کنویں میں مر جائے تو کنواں ناپاک ہو جائے گا۔

ج.....ایسے جانور (یا حشرات الارض) جن میں بہتا خون نہیں ہوتا جیسے مکھی، جھینگر، گبریلا، بھڑ، پسو، بچھو یا وہ جانور جو سمندری ہوں جیسے مچھلی، مینڈک، مگرمچھ، کیکڑا، پانی کا کتا اور پانی کا سور ان کے پانی میں مر جانے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کے پینے کے پانی میں اگر مکھی گر پڑے تو وہ اس کو ڈبوئے پھر اس کو نکال لے اس کے ایک پر میں بیماری ہوتی ہے اور دوسرے میں شفا، یہ بخاری کی روایت ہے ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں اور وہ اپنے اس پر سے اپنا بچاؤ کرتی ہے جس میں بیماری ہے ❺ اور یہ بھی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سلمان ہر وہ کھانا اور پینے کی چیز جس میں ایسا جانور گر جائے جس میں خون نہیں ہوتا اور وہ اس میں مر جائے تو اس کھانے کا کھانا اور اس پینے والی چیز کا پینا اور اس سے وضو کرنا حلال ہے۔

۳.....تیسری صورت تعیین مقدار کی نجاست کے پانی میں گر جانے کی حالت:

الف:.....چھوٹا کنواں نجاست گر جانے سے ناپاک ہو جاتا ہے خواہ نجاست بہت قلیل ہی کیوں نہ ہو جیسے خون کا ایک قطرہ یا شراب کا ایک قطرہ، پیشاب، پاخانہ وغیرہ نجاست کے نکال لینے کے بعد پورا کنواں خالی کیا جانا ضروری ہے پانی نکالنے کے ساتھ کنواں، ڈول، اشاء اور ریل (چرخی) اور پانی نکالنے والے کا ہاتھ سب کچھ پاک ہو جائے گا۔

---

❶..... المغنی ج ۱ ص ۵۲۔ ❷..... نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۲۹۔ ❸..... المغنی ج ۱ ص ۴۲۔ ❹ اس کو صحاح ستہ کے مصنفین میں سے ماسوا بخاری اور ترمذی کے سب نے حضرت حذیفہ سے روایت کیا ہے ان الفاظ کے ساتھ "ان المسلم لاینجس "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا المسلم لاینجس حیا ولا میتا (مسلم زندہ یا مردہ ناپاک نہیں ہوتا) نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۰، ۵۶۔ ❺ یہ حدیث احمد، بخاری، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۰، ۵۶

ب:.....کنواں اونٹ اور بکری کی مینگنی، گھوڑے، گدھے اور خچر کی لید اور گائے کے گوبر کے گرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا ماسوا اس کے کہ دیکھنے والا اس کو بہت سمجھے یا کوئی ڈول مینگنی وغیرہ سے خالی نہ آئے اور قلیل وہ ہے جسے دیکھنے والا قلیل سمجھے اس مسئلے کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو پتھر اور ایک لید استنجاء کے لئے لاکر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر لے لئے اور لید کو پھینک کر فرمایا کہ یہ گندگی ہے❶ کنواں کبوتر چڑیا اور ان جیسے وہ پرندے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کی بیٹ سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا۔ تاہم مرغے، بطخ اور مرغابی کی بیٹ کا حکم یہ نہیں ان پرندوں کی بیٹ کے گرنے سے کنویں کے ناپاک نہ ہونے کا حکم استحسانا ہے، کیونکہ ابن مسعود نے کبوتر کی بیٹ کو اپنے ہاتھ سے اپنے اوپر سے صاف کر دیا تھا اور صحیح قول یہ ہے کہ کنواں ان پرندوں کی بیٹ سے بھی ناپاک نہیں ہوتا ہے جن کا گوشت کھانا حرام ہے جیسے چیر پھاڑ کرنے والے پرندے کیونکہ ان سے بچنا ممکن نہیں ہوتا یعنی کنواں ان بیٹوں وغیرہ سے نہیں بچ سکتا ہے شوافع فرماتے ہیں کہ تمام درندوں اور پرندوں کا فضلہ نجس و ناپاک ہوتا ہے کیونکہ اسے رجس قرار دیا گیا ہے اور رجس نجس چیز کو کہتے ہیں۔

مالکیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں❷ کہ حلال جانوروں کا گوبر اور ان کا پیشاب پاک ہے اور حرام جانوروں کا گوبر اور پیشاب نجس ہے پانی کی وہ مقدار جس کا نکالنا واجب ہے۔

ا.....کنویں کا پورا پانی نکالنا یا دو سو ڈول نکالنا جب پورے پانی کا نکالنا ممکن نہ ہو ان صورتوں میں واجب ہے۔

کنویں میں انسان یا بڑا جانور مر جائے جیسے خچر، گدھا کتا بکری وغیرہ۔ یا کوئی جانور کنویں میں پھول پھٹ جائے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، یا چوہا، بلی سے ڈر کر بھاگے اور کنویں میں گر جائے یا وہ زخمی حالت میں گر جائے خواہ زندہ نکال لیا جائے یا بلی کتے سے ڈر کر بھاگے یا زخمی ہو کیونکہ بلی اور چوہا اس حالت میں پیشاب کر دیتے ہیں، اور پیشاب اور خون سیال نجاست ہیں۔

۲.....چالیس سے ساٹھ ڈول نکالے جائیں گے اگر وہ جانور متوسط حجم کا ہو جیسے کبوتر، مرغے اور بلی۔ جامع صغیر کی ذکر کردہ روایت کے مطابق اظہر (زیادہ ظاہر اور صحیح) قول یہ ہے کہ چالیس یا پچاس ڈول نکالے جائیں گے، اور اگر اس متوسط حجم کے دو جانور گر جائیں تو پورے کنویں کا پانی نکالا جائے گا۔ چالیس ڈول واجب اور پچاس مستحب کا درجہ رکھتے ہیں۔

۳.....کنویں میں سے بیس سے تیس ڈول، ڈول کے چھوٹے یا بڑے ہونے کے لحاظ سے❸ نکالے جائیں گے اگر اس میں چھوٹا جانور مر جائے جیسے چڑیا، چوہا اور چھپکلی وغیرہ بیس کا نکالنا واجب اور تیس کا نکالنا مستحب ہے۔ یعنی اگر گرنے والا جانور بڑا ہے اور کنواں بھی بڑا ہے تو دس ڈول مستحب ہیں اور اگر دونوں چیزیں چھوٹی ہیں تو استحباب اس سے کم میں ہوگا اور اگر ایک بڑا اور ایک چھوٹا ہو تو پانچ مستحب ہوں اور دوسرے پانچ پہلے کے مقابلے میں کم استحباب کے حامل ہوں گے (مفہوم یہ ہے کہ اگر کنواں اور گرنے والا جانور دونوں بڑے ہوں تو اس صورت میں دس اضافی ڈول نکالنا مستحب ہوں گے بیس واجب ڈول کے علاوہ اور اگر کنواں اور گرنے والا جانور دونوں چھوٹے ہوں تو دس سے کم ڈول میں بھی استحباب حاصل ہو جائے گا اور اگر کنواں بڑا اور جانور چھوٹا ہے یا برعکس معاملہ ہے تو اس صورت میں بڑے کا لحاظ رکھتے ہوئے استحباب زیادہ نکالنے میں ہے اور چھوٹے کا لحاظ رکھتے ہوئے استحاب کم میں حاصل ہو جاتا ہے تو ان دس ڈولوں میں سے پانچ کو کنویں اور پانچ کو جانور کے مقابلے میں سمجھتے ہوئے یہ فرض کر لیں گے کہ پانچ تو مستحب اس لئے ہیں کہ مثلاً کنواں بڑا ہے اور بقیہ پانچ پہلے پانچ سے کم درجے کے مستحب ہوں گے۔

---

❶.....یہ حدیث احمد بخاری، ترمذی، نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ نیل الاوطار ج ا ص ۹۸۔ ❷القوانین الفقھیہ ص ۳۳۔ ❸یہ اس کے مطابق ہے جو ھدایہ میں ہے اور قدوری میں بحسب کبرا لحیوان وصغرہ مذکور ہے یعنی جانور کے بڑے یا چھوٹے ہونے کے لحاظ سے یہ کمی و بیشی ہوگی۔

اس تفصیل کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے چوہے کے بارے جو کنویں میں گرتے ہی نکال لیا جائے یہ فرمایا تھا کہ کنویں سے بیس ڈول نکالے جائیں گے۔اور حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے مرغی کے بارے میں جو کنویں میں مرجائے یہ فرمایا تھا کہ کنویں سے چالیس ڈول نکالے جائیں گے۔[1]

ڈول کا حجم......ڈول کے حجم میں معتبر ایسے کنویں کا ڈول ہے، جس کے ساتھ معاملہ پیش آیا ہے اگر اس کنویں کا ڈول نہ ہو تو ایسا ڈول ہو جس میں ایک صاع یعنی قریب ڈھائی کلو یا پونے تین لیٹر پانی آجائے اور اس معیار کے مطابق ڈول نہ ہونے کی صورت میں یعنی اس سے چھوٹا یا بڑا ڈول ہونے کی صورت میں اسی ڈول کے مطابق جو اوپر مذکور ہوا یعنی ڈھائی کلو یا پونے تین لیٹر والا حساب کیا جائے گا، لہٰذا اگر کسی نے واجب مقدار ایک ہی بہت بڑے ڈول سے نکالی تو مذہب حنفی کی ظاہر روایت کے مطابق یہ اس کے لئے جائز ہوگا کیونکہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔اور ڈول کا اکثر حصہ بھرا ہوا ہونا کافی ہے جیسا کہ کنویں میں موجود کل پانی کا نکال دینا کافی ہے خواہ وہ مقدار واجب سے کم ہی کیوں نہ ہو کنویں کو پاک کرنا اس طرح بھی ممکن ہے کہ کوئی نالی بنادی جائے یا راستہ کھود دیا جائے جس سے پانی نکل جائے۔اور اگر کہیں پانی میں مرا ہوا جانور پایا جائے تو اس کی موت کا حکم ایک دن اور ایک رات قبل سے لگایا جائے گا اگر وہ پھولا ہوا نہ ہو اور تین دن رات کا حکم لگایا جائے گا اگر وہ پھولا ہوا ہو۔چنانچہ اس مدت کی وہ نمازیں جن کا وضو اس پانی سے کیا گیا ہو یا کپڑے دھوئے گئے ہوں اور وہ چیز جس کو وہ پانی لگا ہو اس کے متعلق تین دن رات کا حکم جاری ہوگا۔

۶۔چھٹی بحث......پاک چیزوں کی اقسام، طہارت کی چھٹی بحث

دنیا میں موجود تمام چیزیں یا جمادات ہیں، یا ذی روح ہیں یا فضلات ہیں اور اشیاء کے بارے میں یہ اصول ہے کہ اصلاً وہ پاک شمار ہوں گی جب تک کہ ان کی نجاست کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہو جائے، فقہاء اشیاء کی طہارت کے بارے میں قریب قریب ایک ہی رائے رکھتے ہیں چنانچہ ان کا اس پر اتفاق ہے کہ جمادات یعنی ہر وہ جسم جس میں زندگی نہ پائی جائے اور نہ وہ کسی زندہ چیز سے جدا ہوئی چیز ہو[2] پاک ہیں ماسوا نشہ آور اشیاء کے، لہٰذا زمین کے تمام اجزاء ٹھوس شکل میں ہوں یا بہتی شکل میں (سیال شکل میں) اور ان سے پیدا ہونے والی تمام اشیاء طاہر ہیں۔جمادات میں سے معدنیات ہیں جیسے سونا چاندی، لوہا وغیرہ، اور تمام انواع نباتات خواہ وہ زہریلی ہوں یا نشیلی ہوں جیسے حشیش، افیون اور بھنگ اور مائعات میں سے پانی ہمہ اقسام کا تیل گنے کا شیرہ، پھولوں کے عرقیات، خوشبو اور سرکہ وغیرہ ہیں۔اور اس پر بھی فقہاء کا اتفاق ہے کہ ہر خشک چیز پاک ہے اور مشک کا نافہ مشک کی طرح پاک ہے اور زباد اور عنبر پاک ہیں، زباد ایک خوشبودار مادہ ہے جو بلی سے بڑے ایک جانور سے حاصل کیا جاتا ہے اور عنبر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک سمندری جانور کا فضلہ ہوتا ہے۔اور حلال جانور کے بال پاک ہوتے ہیں اور خود بخود سرکہ بن جانے والی شراب پاک ہوتی ہے۔اسی طرح فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ جانور جسے شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے وہ پاک ہوتا ہے اور مچھلی اور ٹڈی کے مردار (جسے شرعی طریقے پر ذبح نہ کیا گیا ہو) کی حالت پر بھی اتفاق ہے۔انسان کی میت کی طہارت پر بھی اتفاق ہے خواہ وہ کافر ہو، سوا احناف کے کہ وہ اس کی نجاست کے قائل ہیں دلیل اس کی پاکی کی یہ آیت ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ......سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۷۰

اور تحقیق ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔

اور ان کو عزت بخشے جانے کا تقاضا ہے کہ وہ پاک شمار ہوں خواہ مردہ بھی اور حدیث میں ہے کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا یعنی غالب اور اکثر

---

[1]......دو روایتوں کے لئے ملاحظہ کیجئے نصب الرایۃ. ج ۱ ص ۱۲۸۔ [2] اور وہ چیز جو کسی زندہ چیز سے الگ ہوئی ہو جیسے انڈہ، گھی، شہد تو یہ جمادات میں سے نہیں ہیں کیونکہ یہ زندہ سے الگ ہوئی ہوئی اشیاء ہیں اور یہ پاک ہیں۔

احوال ہیں، اور قرآن کی اس آیت اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (بلاشبہ مشرک ناپاک ہیں، سورۃ التوبہ آیت ۲۸) تو اس سے مراد عقیدے کی گندگی اور ناپاکی ہے یا مراد ہے کہ ان سے ایسے اجتناب کرنا ہے جیسے کہ وہ نجس ہوں، ظاہری نجاست مراد نہیں۔

اشیاء کے بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے، احناف فرماتے ہیں❶ کہ سور کے علاوہ کسی بھی حیوان کی وہ چیزیں جن میں خون نہیں دوڑتا ہے مردہ کی ہوں یا زندہ کی حلال جانور کی ہوں یا حرام جانور کی، حتیٰ کہ کتا بھی، پاک ہوں گی جیسے بال کترا ہو رواں، اور سخت انفحہ❷ چونچ، پھٹا ہوا کھر، مشہور قول کے مطابق پٹھے، سینگ، کھر، ہڈی جس پر چربی نہ ہو یہ سب پاک ہیں، مردار کی چربی نجس ہوتی ہے اور ہڈی پاک ہوتی ہے، چنانچہ جب اس پر سے ناپاک چیز چربی ہٹ جائے گی تو نجاست بھی دور ہو جائے گی۔ ہڈی بذات خود پاک ہے، دلیل وہ روایت ہے جو دار قطنی نے نقل کی ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار جانور کا تو صرف گوشت حرام کیا ہے کھال، بال اور ان کے بارے میں کوئی حرج نہیں اس کے اندر انسان کے وہ بال بھی داخل ہیں جو اکھاڑے ہوئے نہ ہوں اور انسان کی ہڈیاں اور دانت بھی مطلقاً بلا تفصیل وقیود پاک ہیں، ہاں اکھاڑا ہوا بال ناپاک ہے کیونکہ زندہ ذی روح سے جدا کی ہوئی چیز اس کے مردے کا حکم رکھتی ہے۔ زندہ ذی روح کے آنسو، پسینہ، تھوک اور رینٹ، طہارت اور نجاست کے اعتبار سے جھوٹے (پس خوردہ) کی طرح ہیں اور مذہب کا مختار مسئلہ یہ ہے کہ خچر اور گدھے کا لعاب پاک ہے اور چیر پھاڑ کرنے والے پرندوں گھریلو چھوٹے جانور جیسے چوہا، بچھو اور بلی وغیرہ ان کا جھوٹا مکروہ ہے اور سور، کتے اور تمام وحشی جانوروں کا جھوٹا ناپاک ہے۔ انسان کا تھوک اس کے پسینے کی طرح پاک ہے ماسوا شراب پینے کی صورت میں کہ اس حالت میں اس کا منہ ناپاک ہوتا ہے۔ اور اس شخص کا منہ دھو لینے اور پانی پی لینے سے فی الفور پاک ہو جاتا ہے یا تین مرتبہ تھوک نگل لینے سے بھی پاک ہو جاتا ہے شرمگاہ کی رطوبت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پاک ہے صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں پاک نہیں، شرمگاہ کی رطوبت سے وہ رطوبت مراد ہے جو بچے کی ولادت سے بچے کے ساتھ نکلتی ہے، اور خلہ کی رطوبت جب وہ اپنی ماں کے پیٹ سے نکلے پاک ہے اسی طرح انڈا بھی لہٰذا اس سے کپڑا اور پانی ناپاک نہیں ہوتا تاہم اس سے وضو کرنا مکروہ ہے اور خشکی کے وہ جانور اور حشرات جن میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا جیسے مکھی، گھن، چیونٹی، بچھو، بھڑ اور پسوان کا مردار پاک ہوتا ہے۔ وہ پرندے جن کا گوشت حلال ہے اور وہ ہواؤں میں بیٹ کر دیتے ہیں جیسے کبوتر چڑیا اور عقعق (کوے کی شکل کا پرندہ) اور ان جیسے دیگر پرندوں کی بیٹ پاک ہوتی ہے۔ کیونکہ لوگ کبوتروں کو مسجد حرام اور دیگر مساجد میں رکھا کرتے تھے، باوجود اس کے ان کا بیٹ کرنا ان کو معلوم تھا اگر ان کی بیٹیں نجس ہوتیں تو لوگ ایسا نہ کرتے کیونکہ مساجد کو پاک رکھنے کا حکم قرآن کی اس آیت سے نکلتا ہے اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ (کہ پاک رکھو میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے، سورۃ البقرۃ آیت ۱۲۵) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک کبوتری نے ان پر بیٹ کر دی انہوں نے اسے پونچھ دیا اور نماز ادا کر لی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے چڑیا کے بارے میں اس طرح کی بات منقول ہے۔ اسی طرح وہ پرندے جن کا گوشت حلال نہیں جیسے شکرا، باز، چیل وغیرہ ان کی بیٹ امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں پاک ہے کیونکہ ضرورت یقینی ہے، یہ پرندے ہواؤں میں بیٹ کرتے پھرتے ہیں اور ان سے کپڑوں اور برتنوں کا بچانا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ مچھلی کا خون امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے ہاں پاک ہے، کیونکہ امت کا اجماع ہے کہ اس کو اس کے خون سمیت پکا کر کھایا جاتا ہے، اور دوسری بات یہ کہ یہ حقیقت میں خون نہیں ہوتا ہے، وہ تو پانی کی طرح کی چیز ہوتی ہے جو خون کے رنگ کی ہوتی ہے، کیونکہ خون والا جانور پانی میں نہیں رہ سکتا ہے وہ خون جو رگوں میں اور گوشت میں ذبح کرنے کے

---

❶..... مراقی الفلاح ص ۲۶، ۲۸ الدر المختار ج ۱ ص ۱۵۴، ۱۸۸، ۱۹۳، ۲۹۵، ۳۲۳ البدائع ج ۱ ص ۶۱، ۶۵۔ ❷انفحہ ایک مادہ ہے جو دودھ پیتے بچھڑے کے پیٹ سے نکالا جاتا ہے، پھر اس کو پانی میں نچوڑ لیا جاتا ہے اور پنیر میں ڈال کر اسے سخت بنایا جاتا ہے، سخت انفحہ کی طہارت پر سب کا اتفاق ہے، اور سیال انفحہ اور مردار کے تھن میں موجود دودھ کے بارے میں اختلاف ہے امام صاحب کے ہاں پاک ہیں صاحبین رحمہما اللہ کے ہاں نہیں اور زیادہ ظاہر صاحبین کا قول ہے جیسا کہ علامہ شامی نے وضاحت کی ہے۔

بعد بھی ہوتا ہے پاک ہے، کیونکہ یہ خون بہتا ہوا نہیں ہوتا۔لہٰذا اس کا گوشت کے ساتھ کھالینا درست ہے۔اور اگر کوئی ناپاک گیلا کپڑا کسی خشک کپڑے کے ساتھ لپیٹ دیا جائے اور وہ گیلا کپڑا اتنا گیلا ہو کہ نچوڑے جانے سے اس میں سے کچھ نہ نکلے تو وہ خشک کپڑا پاک ہوگا۔اس طرح وہ گیلا کپڑا ابھی ناپاک نہیں ہوتا جو خشک ناپاک زمین پر بچھا دیا جائے زمین اس سے نم ہوجائے لیکن زمین کا اس پر کوئی اثر نہ پڑے،اور کپڑا اس ہوا سے بھی ناپاک نہیں ہوتا جو کسی نجاست پر سے گذر کر آئے اور اس کپڑے سے لگ کر گذر رہی ہو ماسوا اس کے کہ نجاست کا اثر کپڑے پر ظاہر ہوجائے۔

مالکیہ فرماتے ہیں❶ کہ ہر ذی روح خواہ وہ کتا ہو یا سور وہ پاک ہے خواہ اس نے نجاست کھائی ہوئی ہو۔اسی طرح اس کا پسینہ آنسو، رینٹ،اور تھوک جو معدے سے نہ نکلا ہوا ہو وہ پاک ہے(معدے سے نکلا ہوا تھوک جو زرد رنگ کا ہوتا ہے ناپاک ہوتا ہے)اسی طرح انڈا بھی پاک ہوتا ہے،ماسوا سڑے ہوئے اور بعد از موت نکلے ہوئے انڈے کے سڑا ہوا انڈا وہ ہوتا ہے۔جس میں بدبو آجاتی ہے یا وہ رنگ بدل کر نیلا پڑ جائے وغیرہ یا خون بن جائے بخلاف مروق انڈے کے اور مروق انڈا وہ ہوتا ہے جس کی زردی اس کی سفیدی سے مل جائے مگر اس میں بدبو نہ ہو اور جانور میں سے نکلنے والا انڈا، رینٹ، آنسو اور تھوک جو بغیر شرعی طریقے سے ذبح کئے ہوئے اس کی موت کے بعد نکلا ہو وہ نجس ہوتا ہے اگر جانور کا مردہ جسم نجس ہو۔

پاک چیزوں میں سے بلغم بھی ہے،یعنی اسی طرح دماغ سے نکلنے والی وہ رطوبات جو آدمی یا کسی اور کے دماغ سے نکلیں وہ بھی پاک ہوتی ہیں۔معدے سے نکلنے والا صفراوی پانی بھی ان حضرات کے ہاں پاک ہوتا ہے کیونکہ ان حضرات کے ہاں معدہ پاک ہوتا ہے جب تک کہ اس میں کوئی تغیر نہ پیدا ہو جیسے وہ قے جو متغیر حالت میں ہو۔پاک اشیاء میں سے انسان کا لاشہ بھی ہے خواہ وہ کافر ہو یہی صحیح قول ہے اور زمین کے حشرات جن میں بہتا خون نہیں ہوتا ان کے مرے ہوئے جسم پاک ہیں جیسے بچھو،ایک قسم کی ٹڈی، گبریلا ٹڈی، پسو وغیرہ، بخلاف چیچڑی اور چھپکلی اور سحالی یعنی وہ حشرات جن میں خون اور تھوڑا بہت گوشت ہوتا ہے یہ نجس و ناپاک ہوں گے تاہم ٹڈی کا مردہ پاک ہونے کے باوجود ٹڈی وہی کھانا جائز ہے جو باقاعدہ طور پر ذبح کا طریقہ اپنا کر کھائی جائے(خود بخود مری ہوئی ٹڈی نہیں)ہاں پھلوں کا کیڑا اور مش(دودھ اور نمک)تو ان کو مطلقاً بغیر شرعی طریقے پر حلال کئے جانے کے کھایا جا سکتا ہے،اور اور اس سے زائد چیچڑی معاف ہیں، کیونکہ اس میں حرج لاحق ہوتا ہے، پاک اشیاء میں سمندری جانوروں کا مردار بھی شامل ہے خواہ مچھلی ہو یا کچھوا اور خواہ وہ خشکی پر اپنی زندگی گذار لیتا ہو جیسے مگرمچھ، مینڈک اور سمندری کچھوا، اور خواہ وہ سمندری جانور سور یا انسانی شکل کا بھی ہو۔پاک اشیاء میں وہ تمام جانور داخل ہیں جنہیں ذبح نحر یا عقر(زخمی کرنا، کونچیں کاٹنا)کے ذریعے حلال کیا جائے ماسوا ان جانوروں کے جو حرام ہیں۔حرام جانور جیسے گھوڑے خچر اور گدھے حلال کئے جانے سے پاک نہیں ہوتے مذہب کے مشہور قول کے مطابق جیسا کہ علامہ دردیر اور علامہ صاوی نے قرار دیا ہے❷ اسی طرح کتا اور سور بھی حلال کئے جانے کے عمل سے پاک نہیں ہوتے ہیں،وہ مردار اور نجس رہتے ہیں خواہ انہیں ذبح کر دیا جائے۔

پاک اشیاء میں بال، رواں، اور اون شامل ہیں خواہ یہ چیزیں سور کی کیوں نہ ہوں اسی طرح بالوں کا رواں جو قصبہ کو دونوں طرف سے ڈھانپے ہوئے ہوتا ہے۔پاک اشیاء میں تمام جمادات شامل ہیں ماسوا نشہ آور چیزوں کے جیسا کہ یہ بات میں ان اشیاء کے بیان کے ذیل میں ذکر کر چکا ہوں کہ جن کی طہارت پر اتفاق ہے نشہ آور اشیاء ناپاک ہیں خواہ وہ شراب ہو یا کشمش کا بھگویا ہوا پانی یا کھجور کا پانی(جس میں

---

❶..... الشرح الكبير، ج ۱ ص ۴۸ الشرح الصغير ج ۱ ص ۴۳، بداية المجتهد ج ۱ ص ۷۴۔❷ وہ جانور جن کا کھانا مکروہ ہے جیسے درندے اور بلی تو اگر ان کو گوشت کھانے کے لئے ذبح کیا گیا ہے تو اس کی کھال تبعاً پاک ہوگی اور اگر صرف کھال کے حصول کے لئے ذبح کیا تو کھال پاک ہوگی اور اس کا گوشت حلال نہیں ہوگا کیونکہ یہ اس صورت میں مردار ہوگا یہ فرق اس بناء پر ہے کہ عمل ذبح میں تقسیم و تبعیض راجح قول کے مطابق درست ہے۔ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۴۹۔(اس کی مزید تفصیل ذبح کے بیان میں آئے گی)

کھجور بھگوئی گئی ہو) البتہ خشک نشہ آور اشیاء یعنی حشیش، افیون اور سیکران وغیرہ پاک ہیں کیونکہ یہ جمادات میں سے ہیں تاہم ان کا کھانا پینا حرام ہے کیونکہ یہ عقل کو مدہوش کر دیتی ہیں، لیکن ظاہری بدن پر ان کا استعمال درست ہے۔ پاک اشیاء میں سے انسانی دودھ ہے خواہ کافر ہی کا کیوں نہ ہو اور حلال جانوروں کا دودھ بھی ہے خواہ مکروہ ہو جیسے بلی اور درندے، اور حرام جانوروں کا دودھ جیسے گھوڑے گدھے اور خچر کا تو وہ ناپاک ہے پاک اشیاء میں سے حلال جانوروں کا فضلہ بھی ہے یعنی لید، گوبر، مینگنی، پیشاب، مرغی کی بیٹ، کبوتر اور دیگر پرندوں کی بیٹ پاک ہے بشرطیکہ یہ گندگی استعمال نہ کرتے ہوں، اگر انہوں نے گندگی کو کھانے یا پینے میں استعمال کیا تو ان کا فضلہ نجس ہوگا۔ چوہے کا کھانا مباح ہے لہٰذا اس کا فضلہ پاک ہے اگر نجاست سے ملا ہوا نہ ہو خواہ مشکوک طور پر ہی کیونکہ چوہا عام طور پر گندگی کھاتا ہے جیسے مرغی بخلاف کبوتر کے کہ اس کی بیٹ کے ناپاک ہونے کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جائے گا جب اس کے نجاست کے استعمال کرنے کا یقین یا ظن غالب نہ ہو۔

پاک اشیاء میں اس جانور کا پِتّا داخل ہے، جس کو ذبح کیا گیا ہو اور اس کا گوشت کھانا مباح یا مکروہ ہو، حرام نہ ہو پتے سے مراد وہ پیلا پانی ہے جو حیوان کے جسم میں جمی ہوئی حالت میں ہوتا ہے اس طرح قلس بھی پاک اشیاء میں داخل ہے، اور قلس اس پانی کو کہتے ہیں جو معدہ بھر جانے کی صورت میں باہر آجاتا ہے۔ اور الٹی پاک ہے جب تک کہ کھانے کی حالت متغیر ہو کر کھٹاس وغیرہ میں نہ بدل جائے، اگر معدے میں موجود کھانے کی حالت بدل گئی تو الٹی ناپاک ہوگی۔ مشک اور اس کا نافہ پاک اشیاء میں داخل ہیں اسی طرح شراب اگر کسی کے کرنے سے سرکہ بن جائے یا متحجر (ٹھوس) بن جائے یا خود بخود سرکہ بن جائے یا ٹھوس شکل اختیار کر لے وہ پاک ہوگی اس کے ساتھ اس کا برتن بھی پاک ہو جائے گا۔ اور وہ کھیتی جس کو ناپاک پانی سے سیراب کیا جاتا ہو وہ پاک ہے لیکن اس میں اگنے والی چیزوں پر لگی ہوئی نجاست کو صاف کر لینا چاہئے۔ پاک اشیاء میں ناپاک چیز کی راکھ بھی شامل ہے جیسے گوبر اور لید اور ناپاک ایندھن۔ کیونکہ یہ چیزیں آگ میں جل جانے کی وجہ سے پاک ہو جاتی ہیں۔ اور صحیح قول کے مطابق ناپاک چیز کا دھواں پاک ہوتا ہے پاک اشیاء میں وہ خون شامل ہے جو بہتا ہوا نہ ہو، یعنی ذبح شدہ جانور سے بہہ کر نہ نکلا ہو۔ مراد اس سے وہ خون ہے جو رگوں وغیرہ میں لوتھڑوں کی شکل میں موجود ہوتا ہے یا دل میں موجود ہوتا ہے یا گوشت کاٹتے وقت اس میں سے ٹپکتا ہے۔ شوافع فرماتے ہیں کہ تمام حیوانات پاک ہیں۔ ماسوا کتے، سور اور خون کے۔ کیونکہ وہ خون ذبح کرنے کے دوران پیٹ میں گیا ہوتا ہے اور دم مسفوح ہوتا ہے کیونکہ یہ ذبح شدہ جانور کا ایک حصہ اور جز ہی شمار ہوتا ہے اور ذبح شدہ جانور اور اس کے تمام اجزاء پاک ہوتے ہیں ہاں جو گردن کٹنے کی جگہ پر لگا ہوا خون ہوتا ہے وہ بہتے ہوئے خون کا بقیہ ہی ہوتا ہے اور وہ ناپاک ہوتا ہے۔ اس طرح ذبح شدہ جانور کا وہ خون جو اس کے پیٹ میں سے کھال اتارنے کے بعد نکلتا ہے وہ بھی ناپاک ہوتا ہے۔

اور ان سے پیدا شدہ جانور کے۔ اور جمادات سب کی سب پاک ہیں ماسوا نشہ آور چیزوں کے۔ علقہ (جما ہوا خون) مضغہ (چھوٹا سا گوشت کا ٹکڑا) اور شرمگاہ کی رطوبت، وہ سفید سا پانی جو منی اور مذی کی درمیانی شکل کا ہوتا ہے، ہر پاک حیوان کی خواہ اس کا گوشت کھانا حلال نہ ہو انسان کی ہوں یہ چیزیں یا کسی اور ذی روح کی، حلال ہیں۔ پاک اشیاء میں حلال جانوروں کا دودھ خواہ وہ نر جانور ہو اور چھوٹا ہو اور مردہ ہو اور جانور کے نیچے کا انفحہ [1] اگر اس کے ذبح کرنے کے بعد لیا جائے پاک ہے اور اس جانور کے بچے نے دودھ کے علاوہ کچھ نہ پیا ہو دودھ خواہ پاک ہو یا نجس۔ اور ہر جانور کے اندر سے مترشح ہونے والی چیزیں پاک ہیں جیسے پسینہ، تھوک، رینٹ، اور بلغم، ماسوا اس چیز کے جس کے معدے سے نکلنے کا یقین ہو۔ زخم اور پھوڑے کا وہ پانی جو متغیر نہ ہوا ہو وہ بھی پاک ہے پاک جانور کا انڈا اگرچہ مردار جانور سے نکلا ہو بشرطیکہ انڈا سخت ہو اور خواہ وہ ایسے پرندے سے نکلا ہو جس کا کھانا حلال نہ ہو اور خواہ انڈا خون میں تبدیل ہو جائے اور قز کا انڈا بھی پاک ہے، بزر القز وہ انڈا جس میں ریشم کے کیڑے ہوتے ہیں (ابریشم وغیرہ شاید) سمندری جانور کا مردار جسم بھی پاک اشیاء میں داخل ہے خواہ اس کو مچھلی نہ بھی

---

[1] ..... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۸۰، شرح الباجوری ج ۱ ص ۱۰۵، ۱۰۸، شرح الحضر متیہ ص ۲۲، المھذب ج ۱ ص ۱۱، المجموع ج ۲ ص ۵۷۶۔

کہا جاتا ہو ماسوا مگر مچھ مینڈک اور سانپ کے کہ ان کا مردہ لاشہ ناپاک ہے۔ مردار ٹڈی پاک ہے، ٹڈی کے علاوہ دیگر خشکی کے حشرات جن میں بہتا خون نہیں ہوتا ہے جیسے مکھی، چیونٹی اور پسو وغیرہ تو ان کے مردار جسم ناپاک ہیں۔ پاک اشیاء میں مشک اور اس کا نافہ جو جانور کی زندگی میں ہی نکال لیا گیا ہو یا اس کو ذبح کرنے کے بعد نکالا گیا ہو اور زباد، ایک قسم کی خوشبو جو ایک بلی سے تھوڑے بڑے جانور سے نکلتی ہے، بھی پاک اشیاء میں ہے، البتہ خشکی کی بلی کے بال جو اس میں ہوتے ہیں وہ پاک نہیں۔ اور عنبر، جو کہ مشہور خوشبو ہے اور ایک سمندری جانور کا گوبر ہے یا اس سے نکلنے والی کوئی چیز ہے، بھی پاک اشیاء میں ہے خواہ اس کو مچھلی نے نگل بھی لیا ہو (اور بعد میں وہ شکار شدہ مچھلی کے پیٹ سے نکلے) بشرطیکہ اس کی حقیقت و ماہیت تبدیل نہ ہوئی ہو۔ پاک چیزوں میں بالا جماع بال، اون، رواں اور حلال جانور کے اون وغیرہ شامل ہیں خواہ ان کو اکھاڑا گیا ہو ذبح کرنے کے بعد یہ چیزیں حاصل ہوتی ہے یا اس کی زندگی میں، ہاں اگر کی موت کے بعد حاصل شدہ ان میں سے کوئی چیز نجس ہوگی۔ جیسے کہ حرام جانور سے حاصل شدہ بال اس کے مزدار کی طرح نجس ہوتے ہیں۔ نجاست کا معمولی سا دھواں قابل معافی ہے کتے اور سور کے علاوہ جانوروں کے ناپاک بال اتنی مقدار میں قابل معافی ہیں جس کو عرفاً کم سمجھا جا سکے جیسا کہ سواری کے جانور کے زیادہ بال بھی معاف ہیں کیونکہ ان سے بچنا دشوار ہے۔ مچھلی کا فضلہ جو پانی میں گرا ہوا ہو قابل معافی ہے اگر پانی متغیر نہ ہو جائے۔ نجاست کا وہ قلیل دھواں جو ناپاک چیز کو جلانے والی آگ کے ساتھ بلند ہو رہا ہو قابل معافی ہے ہاں وہ بخارات جو جانوروں کے باڑے کی بخاست سے اٹھ رہے ہوں اور پچھلی طرف سے نکلنے والی ہوا پاک ہے۔ پھل درخت اور وہ کھیتی جو نجاست سے پیدا ہوئی ہو یا نجس پانی سے سیراب کی گئی ہو وہ پاک ہے تاہم کھیتی کے اوپری حصے کو پاک کیا جانا ضروری ہے تا کہ اس پر لگی ہوئی نجاست صاف ہو جائے۔

حنابلہ فرماتے ہیں❶ کہ پاک اشیاء یہ ہیں ذبح شدہ حلال جانور کی رگوں سے نکلنے والا خون اور گوشت میں موجود خون، کیونکہ ایسے خون سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔ مچھلی کا خون اور پیشاب، کیونکہ اگر مچھلی کا خون نجس ہوتا تو اس خون کا پہلے ذبح کر کے بہا کر نکالنا ضروری ہوتا دوسری بات یہ کہ وہ پانی بن جاتا ہے اور یہ کہ اس کو کلیجی کی طرح سمجھا جائے گا۔ شہید کا خون جو اس پر لگا ہوا ہو خواہ کتنا ہی ہو۔ کھٹمل، چیچڑی، پسو، مکھی اور ان جیسے حشرات کا خون یعنی جن میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا۔ کلیجی اور تلی حلال جانور کی، کیونکہ حدیث میں ہے ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال ہیں ریشم کا کیڑا اور اس کا خول، مشک اور نافہ، اور عنبر (یہ ایک ٹھوس مادہ ہوتا ہے اس میں کوئی ذائقہ اور خوشبو نہیں ہوتی جب تک اس کو پیسا یا جلایا نہ جائے، یہ مشہور ہے کہ یہ ایک سمندری جانور کا فضلہ ہوتا ہے) کیونکہ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ عنبر ایسی چیز ہوتی ہے جسے سمندر باہر نکال پھینکتا ہے، یہ ایک مشہور و معروف خوشبو ہے منہ سے نکلنے والی رال، اور ڈکار پاک ہیں ڈکار اس لئے کہ اس میں پیٹ کی کوئی صفت ظاہر نہیں ہوتی (یعنی پیلا پن وغیرہ) اور اس سے بچنا بھی ممکن نہیں ہے۔ بلغم بھی پاک ہے خواہ پیلا کیوں نہ ہو اور خواہ سر کی طرف سے اترا ہو سینے سے نکلا ہو یا معدے سے نکلا ہوا ہو۔ کیونکہ مسلم کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران نماز اس کو پونچھ دینے کا اشارہ فرمایا تھا۔ حلال گوشت والے جانوروں کا پیشاب پاک ہے اور علقہ وہ خون کا لوتھڑا جس سے انسان یا پاک حیوان کی تخلیق ہوتی ہے (یعنی رحم میں منی کی دوسرے مرحلے کی شکل) ناپاک ہے، کیونکہ یہ شرمگاہ سے نکلنے والا خون ہے اور سڑا ہوا انڈہ یا خونی بن جانے والا انڈہ بھی ناپاک ہے کیونکہ خون بن جانے والا انڈہ وعلقہ (خون کے لوتھڑے) کے حکم میں ہوتا ہے۔ حلال گوشت والے جانوروں کا خون، پسینہ، تھوک اور ناک کی رینٹ پاک ہیں اس طرح بلی اور چوہے اور اس طرح کے چھوٹے جانوروں کی بھی یہ چیزیں پاک ہیں بشرطیکہ وہ جانور نجاست سے پیدا شدہ نہ ہو۔

پاک چیزوں میں سمندری حیوانات کا مردار بھی ہے خواہ اس کو مچھلی نہ کہا جاتا ہو، ماسوا مگر مچھ، مینڈک اور سانپ کے، کیونکہ یہ نجس ہیں جیسا کہ شوافع کا قول بھی یہی ہے، اسی طرح خشکی کے حشرات جن میں بہتا خون نہیں ہوتا ہے ان کا مردار ناپاک ہے جیسے مکھی چیونٹی اور پسو،

---

❶..... كشف القناع عن متن الاقناع ج ۱ ص ۲۱۹۔۲۲۰ غاية المنتهى، ج ۱ ص ۱۴۔

ماسوائے ٹڈی کے کہ اس کا مردار ناپاک نہیں ہوتا۔ یہ تفصیل شوافع کے مطابق ہے۔ پاک اشیاء میں ان حضرات کے ہاں بال اور اس جیسی دوسری چیزیں (اون، رواں وغیرہ) ہر اس حیوان کی جس کا گوشت حلال ہو، شامل ہیں خواہ مردار کی ہو یا زندہ جانور کی ہو اور حرام گوشت والے جانوروں میں ان کی پاک ہیں جو بلی کے برابر یا اس سے چھوٹے ہوں اور وہ نجاست سے پیدا ہوئے نہ ہوں، تاہم بالوں کی اور رویں کی جڑیں مطلقاً ناپاک ہیں بلا تفصیل کے۔

دوسری فصل......نجاست

اس میں پانچ مباحث ہیں:

ا۔ پہلی بحث: نجاست کی اقسام کا اجمالی بیان اور ان کے ازالہ کرنے کا ذکر:

نجاست طہارت کے مقابلے میں بولا جاتا ہے اور نجس (نون اور جیم پر زبر) طاہر کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، اور انجاس جمع ہے نجس (نون پر زبر اور جیم کے نیچے زیر)، کی اور اس کا اطلاق گندگی کے جسم پر کیا جاتا ہے، یعنی وہ چیز جس کو شرعاً گندہ سمجھا گیا ہو۔ اس کا اطلاق نجس حکمی اور حقیقی دونوں پر ہوتا ہے، اور خبث صرف نجاست حقیقی کو کہتے ہیں اور حدث صرف نجاست حکمی کو۔ نجس (جیم کے زبر کے ساتھ) اسم واقع ہوتا ہے اور نجس (جیم کے زبر کے ساتھ) صفت۔

نجاست کی دو قسمیں ہیں:

ا......حقیقی ۲......حکمی

نجاست حقیقی لغت میں گندی چیز کو کہتے ہیں جیسے خون، پیشاب اور پاخانہ، اور شرعاً اس چیز کو کہتے ہیں جو نماز کے صحیح ہونے سے مانع ہو وہاں جہاں کوئی رخصت نہ ہو (یعنی وہ چیز جس کے ہونے سے نماز درست نہ ہو سکتی ہو اور وہاں کوئی ایسی بات بھی نہ ہو جو رخصت کا سبب بنے)

نجاست حکمی ایک اعتباری چیز ہے (یعنی محض ذہنی اور تصوراتی چیز ہے جس کا خارجی اور مادی وجود نہیں بالفاظ دیگر وہ ایک کیفیت ہے جو جسم پر طاری ہو کر نماز سے مانع ہوتی ہے وہاں جہاں کوئی رخصت کی باعث چیز نہ ہو اس میں حدث اصغر، جو وضو سے ختم ہوتا ہے، اور حدث اکبر یعنی جنابت، جو غسل سے ختم ہوتا ہے دونوں شامل ہیں۔

نجاست حقیقی کی کئی اقسام ہیں۔ وہ تو مغلظ ہوتی ہے یا مخففہ جامد ہوتی ہے مائع، نظر آنے والی ہوتی ہے یا نہ نظر آنے والی۔

وہ نجاست جو قابل معافی نہیں ہوتی (تفصیل آگے آئے گی) اس کے کپڑوں، بدن اور نماز کی جگہ سے دور کرنے کا حکم یہ ہے کہ یہ جمہور فقہاء کے ہاں واجب ہے ماسوا مالکیہ کے، دلیل ان فقہاء کی یہ آیت ہے **وثیابک فطھر** (اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو، سورۃ المدثر آیت نمبر ۴) مذہب مالکیہ میں دو مشہور قول اس بارے میں پائے جاتے ہیں[1] ایک واجب ہونے کا اور ایک سنت ہونے کا۔ اور یہ اس وقت ہے کہ جب انسان کو یاد ہو، قدرت ہو اور ازالہ ممکن ہو۔ اور زیادہ مشہور اور قابل اعتماد قول یہ ہے کہ یہ مسنون ہے۔ تاہم مذہب کی فروعات (ذیلی مسائل) کی بنیاد وجوب کے قول پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے جان بوجھ کر اس کو دور کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود نجاست کے ساتھ نماز پڑھی تو وہ اپنی نماز لوٹائے گا اور یہ اعادہ اس پر واجب ہوگا کیونکہ نماز باطل ہوگئی ہے۔ اور مشہور قول کے مطابق جس میں نجاست کا ازالہ صرف مسنون قرار دیا گیا ہے، نماز کا اعادہ محض مستحب ہوگا اگر اسے نجاست یاد تھی اور وہ ازالے پر قادر تھا۔ اور دونوں قولوں کے مطابق بھول جانے والے پر اور نجاست کے لگے ہونے سے ناواقف شخص پر اعادہ کرنا مستحب ہے اور اس پر بھی جو نجاست دور کرنے سے عاجز ہو۔

---

[1]......الشرح الکبیر ج ا ص ۶۵ الشرح الصغیر ج ا ص ۶۴ فتح العلی المالک ج ا ص ۱۱۱۔

اس بحث (نجاست کی اقسام اور ان کے ازالے کا حکم) میں دو مطالب ہیں۔

ا۔ المطلب الاول، پہلا بیان:.......وہ نجاسات جن میں اتفاق ہے اور وہ جن میں اختلاف ہے:

ا.....وہ نجاستیں جن پر فقہاء کا اتفاق ہے:

فقہاء کا ان مندرجہ ذیل نجاستوں پر اتفاق ہے۔ ❶

الف.....سور کا گوشت، خواہ اس کو شرعی طریقے سے ذبح کیوں نہ کر دیا جائے، کیونکہ یہ قرآن کے نص سے نجس العین قرار پاتا ہے، لہٰذا اس کا گوشت اور اس کے تمام اجزاء بدن یعنی بال، ہڈی، کھال، خواہ دباغت شدہ ہو سب ناپاک ہیں اور مالکیہ کے ہاں معتمد بات یہ ہے کہ زندہ سور اس کا پسینہ، آنسو، ناک کی رینٹ اور تھوک پاک ہے۔

ب.....خون انسان کا (شہید کے علاوہ) اور خشکی کے جانوروں کا خون، جو اس سے نکلا ہو زندہ یا مردہ حالت میں اگر مسفوح (بہتا ہوا) ہو اور زیادہ ہو تو وہ ناپاک ہے شہید کا وہ خون جو اس کے جسم پر ہو مچھلی کا خون کلیجی اور تلی اور دل کا خون اور جانور کے گوشت میں موجود وہ خون جو اس کے ذبح کر دیئے جانے کے بعد ہوتا ہے، اگر وہ بہتا ہوا نہ ہو چیچڑی کا خون پسو کا خون اور کھٹمل کا خون خواہ وہ زیادہ کیوں نہ ہو احناف کے ہاں اس حکم سے خارج ہیں (یعنی خون کے ناپاک ہونے کے حکم سے بہتا ہوا خون ناپاک ہے مالکیہ اور شوافع کے ہاں اگر مچھلی مکھی اور چیچڑی سے بہتا خون نکلے تو وہ بھی ناپاک ہوگا۔ اس کا اختلاف کا نتیجہ اس صورت میں نکلے گا کہ فسیخ (نمک لگائی ہوئی مچھلی) کا کیا حکم ہے، کہ یہ مچھلیاں ایک دوسرے کے اوپر رکھی جاتی ہے اور خون نکل کر ایک دوسرے میں جاتا ہے، شوافع کے ہاں ایسی مچھلیاں نہیں کھائی جاسکتی ہیں اور مالکیہ کے ہاں راجح یہ ہے کہ صرف سب سے اوپر کی تہ والی مچھلی اور وہ مچھلی جس کے بارے میں شک ہو کہ یہ سب سے اوپری تہ کی ہے یا اور کسی تہ کی کھائی جاسکتی ہے احناف اور مالکیہ میں سے ابن عربی کے ہاں ایسی مچھلی کے کھانے کی اجازت ہے کیونکہ مچھلی میں سے نکلنے والی چیز خون نہیں بلکہ خون نما رطوبت ہے اور اس صورت میں یہ پاک شمار ہوگی۔ ❷

ج.....آدمی کا پیشاب اس کی قے ❸ اور اس کا پاخانہ ناپاک ہے سوائے دودھ پیتے بچے کے کہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں کے اس کے نجس ہونے کے باوجود صرف اس پر چھڑکاؤ کر دینا کافی ہے اسی طرح حرام گوشت والے جانوروں کا پیشاب پاخانہ اور قے ناپاک ہے ماسوا پرندوں کی بیٹوں، چوہے اور چمگاڈر کے پیشاب کے کہ احناف کے ہاں یہ ناپاک نہیں، کیونکہ چوہے سے بچنا ممکن نہیں اور چمگاڈر فضا میں ہی پیشاب کر دیتا ہے، ان کے دونوں کے پیشاب صرف کپڑوں پر لگ جانے اور کھانے میں گر جانے کی صورت میں معاف ہیں برتنوں میں محفوظ پانی کے سلسلے میں یہ معاف نہیں اس طرح جانور جگالی میں جو نکالتے ہیں وہ ناپاک ہے۔

د.....شراب، اکثر فقہاء کے ہاں ناپاک ہے، کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَ الْأَنْصَابُ وَ الْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ......سورۃ المائدہ، آیت ۹۰

بے شک شراب، جوا اور تیروں سے فال نکالنا گندگی ہے اور شیطان کے کاموں میں سے ہے۔

اور بعض محدثین اس کی طہارت کے قائل ہیں، اور خمر شراب کا اطلاق ہر نشہ آور مائع چیز پر ہوتا ہے جمہور علماء کے ہاں اور احناف کے ہاں معتمد قول بھی یہی ہے۔

---

❷...... فتح القدیر ج ۱ص ۱۳۵ اللباب شرح الکتاب ج ۱ ص ۵۵، مراقی الفلاح ص ۲۵،۵ القوانین الفقهیه ص ۳۴، بدایة المجتهد ج ۱ص ۷۳ الشرح الصغیر ج ۱ص ۴۹ مغنی المحتاج ج ۱ص ۷۷، المهذب ج ۱ص ۴۲، کشاف القناع ج ۱ص ۲۱۳ المغنی ج ۱ص ۵۲ الشرح الصغیر ج ۱ص ۴۹۔۵۵۔ ❷ الشرح الکبیر للدردیر وحاشیة الاسوقی ج ۱ص ۵۷۔ ❸ قے احناف کے ہاں اگر منہ بھر کر ہو کہ اس کو روکنا مشکل ہو تو وہ نجاست غلیظہ شمار ہوگی۔

ہ..... پیپ، یہ بگڑا ہوا خون ہوتا ہے اس میں خون نہیں ملا ہوا ہوتا ہے یہ نجس اس لئے ہے کہ یہ خون ہوتا ہے جس کی ماہیت بدل چکی ہوتی ہے، اور صدید کا بھی یہی حکم ہے یعنی وہ مادہ جو پتلا ہوتا ہے اور اس میں خون کی ملاوٹ بھی ہوتی ہے، کم مقدار میں یہ دونوں ہوں تو معاف ہیں نجس اس صورت میں ہیں جب یہ زیادہ مقدار میں ہوں۔

و..... مذی اور ودی، مذی وہ سفید پتلا سا پانی ہوتا ہے جو شہوت کے وقت یا ہمبستری کے خیال کے وقت نکلتا ہے لیکن منی کی طرح اچھل کر نہیں یہ نجس ہے اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کے مطابق اس کے نکلنے کی صورت میں شرمگاہ کو دھونا اور وضو دوبارہ کرنا لازم ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے بہت مذی ہوتی تھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود پوچھنے میں جھجھک محسوس کی میں نے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو پوچھنے کے لئے کہا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے فرمایا: اس میں وضو لازم ہے اور مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنی شرمگاہ دھوئے اور وضو کرلے۔❶

اور ودی وہ گندا اور گاڑھا سا پانی ہوتا ہے جو پیشاب کے بعد نکلتا ہے یا کوئی بھاری چیز اٹھانے کی صورت میں نکلتا ہے یہ ناپاک ہے اس لئے کہ یہ یا تو پیشاب کے بعد نکلتا ہے یا اس کے ساتھ نکلتا ہے تو اس کا بھی حکم پیشاب کا ہی ہوگا❷ پیشاب کے بعد نکلنے والی پتھری یا کنکری جو پیشاب کے بعد نکلتی ہے اگر طبیب یہ کہے کہ یہ پیشاب سے بنی ہوئی ہے تو وہ ناپاک ہوگی ورنہ وہ صرف عارض طور پر ناپاک ہوگی دھونے سے پاک ہوجائے گی۔❸

ز..... خشکی کے وہ جانور جن میں بہتا خون ہوتا ہے ان کے مردار جسم کا گوشت، خواہ وہ حلال گوشت والے ہوں یا حرام گوشت والے ہوں جیسے کتا، بکری، بلی، چڑیا وغیرہ، اسی طرح مردار جانور کی بلا دباغت کھال، یہ تفصیل احناف کے ہاں ہے دوسرے فقہاء کے ہاں انسان کے علاوہ تمام جانوروں کے مردار کے تمام اجزا یعنی ہڈی، بال اون اور رواں وغیرہ سب ناپاک ہیں، کیونکہ ان سب میں زندگی ہوتی ہے (اور مرنے سے ان سب میں سے زندگی ختم ہوجاتی ہے)۔

ح..... حرام گوشت والے جانوروں کے گوشت اور دودھ ناپاک ہیں دودھ گوشت ہی سے پیدا ہونے کی وجہ سے گوشت ہی کا حکم رہے گا۔

ط..... زندہ کی زندگی میں اس سے جدا ہونے والا جز جیسے ہاتھ کولہا وغیرہ، ماسوا بال اور اس طرح کی چیزیں جیسے اون رواں اور چھوٹے بال کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جانور سے اس کی زندگی میں کٹ کر جدا ہونے والی چیز مردار ہوتی ہے۔❹

۲..... وہ نجاستیں جن میں فقہاء کا اختلاف ہے:

فقہاء کا بعض چیزوں کی نجاست کے بارے میں اختلاف ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ کتا..... احناف کے ہاں صحیح قول یہ ہے کہ کتا نجس العین نہیں ہے، کیونکہ اس سے شکار اور نگرانی جیسے فوائد حاصل کئے جاتے ہیں۔ اور سور نجس العین ہے، کیونکہ قرآن کریم کی اس آیت "فانہ رجس" (پس وہ گندگی ہے، سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۴۵) میں ضمیر غائب ہ

---

❶..... یہ حدیث بخاری و مسلم نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے احمد و ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ وہ شخص اپنی شرمگاہ اور کپورے دھوئے اور وضو کرلے۔ نیل الاوطار ج ا ص ۵۱۔ ❷ یہ بات پیش نظر رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات یعنی خون، پیپ، قے، پیشاب، پاخانہ، مذی اور ودی وغیرہ پاک تھے کیونکہ برکت حبشی عورت نے آپ کا بول پی لیا تھا تو آپ نے فرمایا آگ تیرے پیٹ میں داخل نہیں ہوگی یہ حدیث دار قطنی نے صحیح قرار دی ہے اور ابوطیب نامی شخص نے آپ علیہ السلام کو پچھنے لگانے کے بعد آپ کا خون پی لیا تھا تو آپ نے اس سے فرمایا جس کے خون سے میرا خون مل گیا اس کو آگ نہیں چھوئے گی۔❸مغنی المحتاج ج ا ص ۷۹۔❹ یہ حدیث حاکم نے روایت کی ہے اور اسے شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے، اور یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی نے بھی ذکر کی ہے اور اسے ابوواقد اللیثی رضی اللہ عنہ سے روایت شدہ حدیث حسن قرار دیا ہے۔ سبل السلام ج ا ص ۲۸۔

جو لفظ فانہ میں ہے وہ لفظ خنزیر کی طرف لوٹتی ہے، کیونکہ عبارت میں وہی قریب ہے، کتے کا صرف منہ تھوک اور گونا پاک ہے ان چیزوں پر باقی جسم کو قیاس کرتے ہوئے ناپاک نہیں کہا جا سکتا ہے کتے کے برتن میں منہ مارنے کی صورت میں برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے گا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو وہ اس کو سات مرتبہ دھوئے امام احمد و مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں تم میں سے اس شخص کے برتن کے پاک ہونے کا طریقہ جس کے برتن میں کتا منہ مار دے یہ ہے کہ وہ اسے سات مرتبہ دھوئے جن میں پہلی مرتبہ وہ مٹی استعمال کرے ❶ مالکیہ فرماتے ہیں ❷ کہ کتا ہر حالت میں پاک ہے خواہ وہ ایسا کتا ہو جس کے پالنے کی اجازت ہے جیسے چوکیداری اور مویشیوں کی نگرانی کا کتا یا کوئی اور ہو۔ صرف منہ مارنے کی صورت میں، کسی اور چیز کے ڈالنے کی صورت میں نہیں جیسے وہ اپنی ٹانگ یا زبان بلا حرکت دیئے برتن میں ڈال دیئے یا اس کا لعاب گر جائے، سات مرتبہ دھونے کا حکم ہے وہ بھی تعبداً ❸ یہ بات ان کے مشہور قول کے مطابق ہے۔

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں ❹ کہ کتا اور سور اور ان کے ملاپ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے جانور، اور ان کا پسینہ سب نجس ہے اس سے ناپاک ہوئی ہوئی چیز کو سات مرتبہ دھویا جائے گا جن میں پہلی مرتبہ میں مٹی سے دھویا جائے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ جب منہ کی نجاست کا گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا جو کہ اس کے جسم میں سب سے صاف چیز ہے۔ ❺

منہ سے بار بار زبان باہر نکالنے کی وجہ سے، تو باقی جسم بطریق اولی ناپاک ہوگا۔ ایک دوسری حدیث میں جس کو دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا ہے یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ ایک گھر کے لوگوں نے دعوت دی آپ نے قبول فرمائی، دوسرے گھر کے لوگوں نے دعوت دی تو آپ نے قبول نہیں فرمائی، آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ان کے ہاں کتا ہے آپ سے لوگوں نے عرض کیا کہ پہلے گھر والوں کے ہاں بلی ہے آپ نے فرمایا بلی ناپاک نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ کتا نجس ہے۔

۲۔ سمندری جانور کا مردار اور ان کا مردار جن میں بہتا خون نہیں ہوتا..... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ سمندری جانور کا مردار اگر مچھلی اور اس طرح کی مخلوق ہو تو وہ پاک ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال ہیں مچھلی اور ٹڈی اور کلیجی اور تلی ❻ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے ❼ فقہاء کا اس کے مردار کے بارے میں اختلاف ہے جس میں بہتا خون نہ ہو، ان حضرات کی مردار کے بارے میں مطلق عبارات یہ ہیں: احناف فرماتے ہیں ❽ کہ پانی میں رہنے والی مخلوقات کے پانی میں مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا جیسے مچھلی مینڈک اور کیکڑا لیکن بہتے خون والے جانور کا گوشت اور دباغت سے قبل اس کی کھال ناپاک ہے اور جن میں بہتا خون نہیں ہوتا اگر وہ پانی میں گر جائیں تو پانی ناپاک نہیں ہوتا جیسے کھٹمل، مکھی، بھڑ، بچھو وغیرہ دلیل اس کی وہ حدیث ہے جس میں مکھی کا ذکر ہے کہ جب تم میں سے کسی کے پانی میں مکھی گر جائے تو وہ اس کو ڈبو

---

❶..... فتح القدیر ج ۱ ص ۶۴، ردالمحتار لابن عابدین ج ۱ ص ۱۹۱، ۲۰۰ البدائع ج ۱ ص ۶۳ ❷ احمد بخاری اور مسلم کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متفقہ روایت ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۶، سبل السلام ج ۱ ص ۲۲ ❸ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۸۳، الشرح الصغیر ج ۱ ص ۴۳ ❹ تعبداً کا مطلب ہوتا ہے وہ حکم جس کی بظاہر علت سمجھ نہ آئے لیکن شریعت کے حکم کی تعمیل میں اس کو انجام دیا جاتا ہو۔ عقلاً اس کی وجہ کا ادراک نہیں کیا جا سکتا ہو جیسے نماز میں قہقہہ لگانے کی صورت میں احناف کے ہاں نماز اور وضو دونوں ٹوٹ جاتے ہیں کہ اس میں وضو کا ٹوٹنا عقل کے برخلاف ہے۔ ❺ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۷۸، کشف القناع ج ۱ ص ۲۸، المغنی ج ۱ ص ۵۲ ❻ یہ حدیث امام احمد اور دارقطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے البتہ اس میں ضعف ہے سبل السلام ج ۱ ص ۲۵۔ نیل الاوطار ج ۸، ص ۱۵۰ ❼ اس حدیث کو چاروں سنن (ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ) کے حضرات اور ابن ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے، الفاظ ابن ابی شیبہ کے ہیں، ابن خزیمہ اور ترمذی نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے نقل کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا ہے سبل السلام ج ۱ ص ۱۴ ❽ فتح القدیر، ج ۱ ص ۵۷، البدائع ج ۱ ص ۶۲، مراقی الفلاح ص ۲۵۔

دے پھر اسے نکال دے کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفا ہے❶ اس سے واضح ہوتا ہے کہ پانی کے جانوروں کا مردہ جسم اور ان کا مردہ جسم جن میں خون نہیں ہوتا حنفیہ کے ہاں پاک ہیں، ان کے ہم مثل مالکیہ کا قول بھی ہے❷ کہ سمندر کا مردار اور جن میں بہتا خون نہیں ہوتا ان کا مردار پاک ہے شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں❸ کہ مچھلی اور ٹڈی اور مچھلی کی طرح کے دیگر سمندری حیوانات کا مردار پاک ہے تاہم وہ جن میں بہتا خون نہیں ہوتا جیسے مکھی، کھٹمل، گبریلا، بچھو، اور گھن وغیرہ تو ان کا مردار شوافع کے ہاں ناپاک ہے حنابلہ کے ہاں پاک ہے۔ سمندری جانوروں میں سے وہ جو خشکی پر رہتے ہیں جیسے مینڈک، مگرمچھ، اور سانپ ان کا مردار شوافع اور حنابلہ کے ہاں ناپاک ہے تاہم شوافع فرماتے ہیں کہ مردہ کیڑے جیسے سرکے اور سیب کے کیڑے خود تو نجس ہیں لیکن وہ ان چیزوں کو ناپاک نہیں کریں گے کیونکہ ان سے بچنا ممکن نہیں اور ان کا ان چیزوں کے ساتھ کھالینا بھی درست ہے کیونکہ ان کو الگ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ حنابلہ فرماتے ہیں جس کا بہتا ہوا خون نہ ہو اگر وہ پاک چیزوں سے پیدا ہوا ہے تو وہ پاک ہوگا زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں اور اگر وہ نجاست سے پیدا ہوا ہو جیسے گھاس کا کیڑا اور اس کا گھن وغیرہ کہ (یہ کھاد وغیرہ سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے) یہ ناپاک ہیں زندہ اور مردہ دونوں صورتوں میں، کیونکہ وہ نجاست سے پیدا شدہ ہوتا ہے لہٰذا وہ سور اور کتے کی طرح نجس العین ہوا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پانی کے جانور اور وہ جن میں بہتا خون نہیں ہوتا ہے ان کا مردار فقہاء کے ہاں پاک ہے، ماسوا شوافع کے کہ وہ حضرات ان کے مردار جن میں بہتا خون نہیں ہوتا، کی ناپاکی کے قائل ہیں دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے **حرمت علیکم المیتۃ** (تم پر حرام کیا گیا ہے مردار کو سورۃ المائدہ آیت نمبر ۳) اور مردار امام شافعی کے ہاں وہ ہوتا ہے جس کی زندگی شرعی طریقہ ذبح کے بغیر ختم ہو جیسے مجوسی (آتش پرست) کا ذبح شدہ اور محرم (احرام باندھے ہوئے شخص کا) ذبح شدہ ہڈی کے ذریعے ذبح شدہ اور حرام گوشت والا جانور جب اس کو ذبح کر دیا جائے۔

مالکیہ فرماتے ہیں وہ تمام جانور جن کو ذبح کیا جائے ذبح کے ذریعے نحر کے ذریعے یا عقر (جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر) اور وہ حلال گوشت والے جانور ہوں تو وہ پاک ہیں اور وہ جانور جو حرام ہیں جیسے گدھے خچر اور گھوڑے تو ذبح کرنا ان میں مؤثر نہیں ہوتا یعنی وہ ذبح سے پاک نہیں ہوتے اسی طرح کتے اور سور میں بھی ذبح کا عمل مؤثر نہیں ہوتا۔ تو ان مذکورہ جانوروں کا مردار ناپاک ہے۔

۳۔ مردار کے وہ ٹھوس اجزاء جن میں خون نہیں ہوتا..... جیسے ہڈی سینگ اور دانت اسی طرح ہاتھی دانت، کھر، پاؤں کے کھر کا اوپری حصہ (موزہ نما) کھر کا نچلا حصہ، پٹھے اور سخت انفحہ❹ کہ یہ سب اشیاء احناف کے ہاں پاک ہیں❺ کیونکہ یہ اشیاء مردار نہیں ہوتیں، کیونکہ مردار شرعاً حیوان کا وہ حصہ ہوتا ہے جس سے زندگی دور کی گئی ہو، لیکن انسان کے فعل سے نہیں اور نہ غیر مشروع کسی کام کے سبب ان میں سے زندگی کا ازالہ نہ ہوا ہو (یعنی اس زندگی کا ازالہ ایسے اسباب کے تحت نہ ہوا ہو جو شرعاً حلال کرنے کے اسباب ہیں یعنی کسی مسلمان یا اہل کتاب کے ذبح کا عمل) جبکہ ان مذکورہ اشیاء میں زندگی نہیں ہوتی لہٰذا یہ اشیاء مردار نہیں ہوتیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مردار جانوروں کی نجاست ان رطوبتوں اور بہتے خون کی وجہ سے ہوتی ہے جو ان میں موجود ہوتی ہیں، جب کہ ان اشیاء میں ان چیزوں کا وجود نہیں ہوتا۔

اسی بناء پر ان اشیاء میں سے جو چیز جانور کی زندگی میں اس سے علیحدہ ہو وہ پاک شمار ہوگی۔ وہ انفحہ جو سیال ہو اور مردار سے نکلا ہوا دودھ

---

❶..... بروایت بخاری از حضرت ابوہریرۃ امام شافعی نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چیز کے غوطے دینے کا حکم نہیں دے سکتے جو اس میں مرجانے کے سبب ناپاک ہو یہ تو ناپاک کر دینے کے مترادف ہے ابوداؤد نے سند حسن کے ساتھ ان الفاظ کو بھی ذکر کیا ہے کہ وہ اس پر سے بچاؤ کرتے ہے جس میں بیماری ہو۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۱۵۔ ❷ھدایۃ المجتھد ج ۱ ص ۷۴ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۴۴، ۴۵، ۴۹، القوانین الفقھیہ ص ۳۴۔ ❸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۷۸، المھذب ج ۱ ص ۴۷ المغنی ج ۱ ص ۴۲۔۴۴ کشاف القناع ج ۱ ص ۲۲۳۔ ❹انفحہ کے بارے میں گذرا کہ یہ بچھڑے کے پیٹ سے نکلنے والی ایک چیز ہے جس سے پنیر بنایا جاتا ہے۔ ❺ البدائع ج ۱ ص ۶۳۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پاک ہے۔ دلیل فرمان الٰہی ہے:

وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيكُمْ مِّمَّا فِي بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾

بے شک مویشیوں میں تمہارے لئے ایک نمونہ عبرت ہے ہم تمہیں ان کے پیٹ میں سے خون اور گوبر کے درمیان سے

خالص دودھ نکال کر دیتے ہیں جو پینے والوں کے لئے بڑا رچتا ہوا ہے۔ سورۃ النحل، آیت ٦٦

صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں نجس ہیں صاحبین کا قول زیادہ واضح اور راجح ہے کیونکہ دودھ اگر چہ بذات خود پاک تھا لیکن ناپاک چیز کے ساتھ کی وجہ سے ناپاک ہو گیا۔ احناف کے علاوہ جمہور علماء فرماتے ہیں ❶ کہ مردار کے تمام اجزاء ناپاک ہیں ان میں انفخہ اور دودھ بھی داخل ہیں ماسوا اس کے کہ یہ دونوں اگر دودھ پیتے بچے سے نکلیں تو وہ پاک ہیں شوافع کے ہاں۔ کیونکہ ان سب اجزاء میں حیات پائی جاتی ہے۔ تاہم حنابلہ فرماتے ہیں کہ مردار کا اون اور بال پاک ہیں کیونکہ دارقطنی کی بیان کردہ روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مردار کی کھال کا کوئی حرج نہیں اگر اس کو دباغت دے دی جائے اور اس کا اون اور بال سے بھی کوئی حرج نہیں اگر ان کو دھولیا جائے تاہم یہ حدیث ضعیف ہے مالکیہ نے اس اصول سے (کہ مردار کے تمام اجزاء ناپاک ہیں) یہ چیزیں مستثنیٰ قرار دی ہیں پرندوں کے پروں کا رواں اور بال وہ حضرات ان کی طہارت کے قائل ہیں کیونکہ ان کو مردار شمار نہیں کیا جاتا ہے۔ تاہم ہڈی کا حکم ایسا نہیں کیونکہ وہ مردار شمار ہوتی ہے بعض مالکیہ نے مردار ہاتھی کے دانت کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے اس طرح مردار یا زندہ پرندے کے پر کی بیچ کی ڈنڈی کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے۔ یعنی وہ ڈنڈی جو پر کے بیچ میں ہوتی ہے اور جس کی دونوں جانب بال یا رواں لگا ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شوافع کے علاوہ تمام فقہاء مردار کے بال اون اور پروں کو پاک قرار دیتے ہیں۔

۴۔ **مردار جانور کی کھال**...... مالکیہ اور حنابلہ حضرات کے مشہور قول کے مطابق ❷ مردار کی کھال ناپاک ہے دباغت شدہ ہو یا نہیں کیونکہ یہ مردار کا ایک جز ہے، چنانچہ یہ بھی حرام ہی ہوگی۔ دلیل فرمان خداوندی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ...... سورۃ المائدہ آیت ۳

تم پر حرام کیا گیا ہے مردار کو۔

چنانچہ یہ دباغت سے پاک نہیں ہوگی جیسے گوشت دباغت سے پاک نہیں ہوتا ہے اور دوسری بات یہ کہ احادیث نبویہ بھی اس کی ممانعت بتلاتی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور مردار کی کسی چیز سے نفع مت حاصل کرو ❸ اور ان میں سے ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل جہینہ کو ارسال کردہ خط ہے جس میں یہ تھا کہ میں نے تمہیں مردار کی کھالوں کی اجازت دے دی تھی جب میرا یہ خط تمہیں ملے تو تم مردار کی کھال اور پٹھوں سے فائدہ اٹھانا بند کر دو ❹ اور دوسرے الفاظ میں یہ حدیث ایسے منقول ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط آپ کی

---

❶ ...... الشرح الصغير ج ١ ص ٤٤، ٤٩، الشرح الكبير ج ١ ص ٥٥، مغني المحتاج ج ١ ص ٧٨. المغني ج ١ ص ٥٢، ٧٢، ٧٤، ٧٩. ❷ الشرح الصغير ج ١ ص ٥١، المغني ج ١ ص ٦٦، بداية المجتهد ج ١ ص ٧٦. ❸ یہ حدیث ابوبکر شافعی نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بواسط ابوالزبیر نقل کی ہے اور ان کی سند حسن ہے۔ ❹ احمد اور ابوداؤد نے یہ حدیث عبداللہ بن عکیم سے روایت کی ہے امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے لیکن تحقیق بات یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند منقطع ہے اور اس کی سند اور متن میں اضطراب ہے اور بعض جگہ یہ مطلق آئی ہے اور بعض جگہ مقیداً آئی ہے کہ اس میں ایک مہینہ یا دو مہینہ کی قید مذکور ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام احمد نے آخر میں اس حدیث کو ترک کر دیا تھا کیونکہ محدثین کا اس کی سند میں اضطراب پایا جاتا ہے بعض حضرات نے اس حدیث اور دیگر صحیح احادیث میں جن سے دباغت کا ذریعہ تطہیر ہونا ثابت ہوتا ہے تطبیق ایسے دی ہے کہ یہ حدیث ''رھاب'' کے بارے میں ہے یعنی وہ کھال جو دباغت شدہ نہ ہو کیونکہ اہاب اس کھال کو کہتے ہیں جو دباغت شدہ نہ ہو۔

وفات سے دو ماہ یا ایک ماہ قبل ہمارے پاس پہنچا اس سے یہ دلیل ملتی ہے کہ پہلے کے احکام کے لئے ناسخ ہے کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر کی بات ہے، مالکیہ نے اس حدیث ہر وہ کھال جو دباغت شدہ ہو تو وہ پاک ہو جاتی ہے کی مشہور قول کے مطابق یہ تاویل بیان کی ہے کہ اس سے مراد طہارت لغوی ہے طہارت شرعی مراد نہیں۔

اسی طرح یہ مسئلہ بھی ان حضرات کے ہاں ہے کہ اگر غیر ماکول الحم (حرام گوشت والے جانور) کو ذبح کر دیا جائے تو اس کی کھال ناپاک رہے گی دباغت دی جائے یا نہیں۔ احناف اور شوافع فرماتے ہیں❶ کہ موت کی وجہ سے ناپاک شدہ کھال، جیسے حرام گوشت والے اس جانور کی کھال جسے ذبح کر دیا گیا ہو دباغت سے پاک ہو جاتی ہے دلیل اس کی حدیث نبوی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **ایما اھاب دبغ فقد طھر** (ہر وہ کھال جسے دباغت دیدی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے❷ مسلم نے اس حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ **اذا دبغ الاھاب فقد طھر** (جب کھال کی کو دباغت دیدی جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے) یہ قول راجح ہے کیونکہ یہ حدیث صحیح حدیث ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ دباغت نجاستوں کو اور رطوبتوں کو کاٹتی اور دور کر دیتی ہے، اس بات کی تائید بخاری و مسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت میمونہ کی ایک باندی کو صدقے میں بکری ملی کچھ دنوں بعد وہ مرگئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر گذر ہوا آپ نے فرمایا **ھلا اخذتم اھا بھا فد بغتموہ فانتفعتم بہ** (کہ تم نے اس کی کھال لے کر دباغت کیوں نہ دیدی کہ کوئی فائدہ حاصل کر لیتے) وہ لوگ بولے وہ مردار ہے آپ نے فرمایا کہ **انما حرم اکلھا** (حرام تو صرف اس کا کھانا ہے) اور دوسری جگہ یہ الفاظ آئے ہیں **یطھرھا الماء والقرظ** (اس کو پانی اور قرظ (ایک درخت کے پتے) پاک کر دیتا ہے علامہ نووی نے شرح مسلم میں فرمایا ہے کہ دباغت ہر اس چیز سے جائز ہے جو کھال کے فضلات اور رطوبتوں کو صاف کر دے اور کھال کو اچھا کر دے اور اس کو خراب نہ ہونے دے جیسے شث (ایک خاص قسم کے درخت کے پتے) اور قرظ (اخروٹ کے پتوں کے مشابہ پتے) انار کے چھلکے اور دیگر پاک ادویات (اور کیمیکل) دباغت دھوپ سے حاصل نہیں ہو سکتی ماسوا احناف کے کہ ان کے ہاں دھوپ سے دباغت دینا درست ہے اور نہ مٹی، راکھ اور نمک سے حاصل ہو سکتی ہے صحیح قول کے مطابق اس گفتگو کا مفہوم یہ ہوا کہ احناف اس حقیقی دباغت کو بھی جائز قرار دیتے ہیں جو کیمیاوی (تیزابی اثر والی) چیزوں سے ہو اور اس حکمی دباغت کو بھی روا رکھتے ہیں جو گندگیوں کو دور کر سکتی ہو جیسے مٹی میں لتھیڑنا اور دھوپ میں سوکھانا۔ کیونکہ یہ دونوں قسم کی چیزیں نجاست کو اکھیڑنے والی کھال کو خشک کر کے پاک کر دینے والی ہیں جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔

۵۔ دودھ پیتے بچے کا پیشاب جو دودھ کے علاوہ کچھ نہ پیتا ہو......شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں❸ کہ وہ بچہ جو دو سال سے کم کا ہو اور دودھ کے علاوہ کچھ نہ لیتا ہو اس کے پیشاب اور قے سے ناپاک شدہ چیز پر صرف پانی کا چھڑکاؤ کافی ہے۔ یہ بات مدنظر رہے کہ دودھ کے علاوہ کچھ اور نہ کھا لینے کی شرط میں تحنیک کے لئے تالو میں لگائی کھجور داخل نہیں (یعنی بچے کی پیدائش کے فوری بعد جو کھجور وغیرہ کو بالکل باریک مسل کر بچے کے تالو میں لگانے کا عمل اس اصول سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس عمل تحنیک کا مقصد بچے کو کھلانا نہیں ہوتا۔ صرف حصول برکت مقصد ہوتا ہے) بچی اور ہیجڑہ بچے کا پیشاب اس حکم میں داخل نہیں، ان دونوں کا پیشاب ہونے کی صورت میں اس کا دھو لینا ضروری ہوگا کہ اس پر پانی بہا دیا جائے، تاکہ اس اصول کے مطابق طہارت کا حصول ہو سکے جو تمام نجاستوں کے بارے میں نافذ ہے بچے کو اس اصول سے مستثنیٰ قرار دینے کی وجہ اس کو بہت زیادہ ہاتھوں پر اٹھایا جانا ہے جو کہ شیخین کی اس بیان کردہ حدیث سے معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ام قیس

---

❶...... البدائع ج ۱ ص ۸۵، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۸۲۔❷ اس حدیث کو دو صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔ ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ پہلی روایت امام نسائی ترمذی اور ابن ماجہ نے ذکر کی ہے، اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے دوسری روایت امام دارقطنی نے ذکر کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہیں نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۱۵۔❸ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۸۴، کشف القناع ج ۱ ص ۲۱۷ المھذب ج ۱ ص ۴۹

بنت محصن فرماتی ہیں کہ وہ اپنا بچہ جو ابھی کچھ کھانا شروع نہیں ہوا تھا لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے بچے کو گود میں بٹھلایا تو اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور اس پر چھڑک دیا اس کو دھویا نہیں ایک روایت امام ترمذی سے بھی منقول ہے جس کو انہوں نے حسن قرار دیا ہے کہ **یغسل من بول الجاریة ویرش من بول الغلام** ❶ (بچی کا پیشاب دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب پر صرف چھڑکا ؤ ہوگا) اور ان دونوں میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ بچے کا اٹھایا جانا بچی کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے تو اس کے پیشاب کے بارے میں تخفیف برتی گئی اور دوسری وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ بچے کا پیشاب بچی کے مقابلے میں پتلا ہوتا ہے تو وہ اس جگہ پر ایسے نہیں چپک جاتا جیسے بچی کا پیشاب چپک جاتا ہے اور بچی کے ساتھ ہیجڑے کو بھی گردان لیا گیا ہے۔ یہ رائے زیادہ راجح ہے کیونکہ وہ حدیث جو اس بارے میں آئی ہے وہ صحیح ہے اور خاص ہے تو اس کو فوقیت حاصل ہوگی اس حدیث پر جس میں پیشاب سے بچنے کا حکم ہے اور وہ عام ہے۔

احناف اور مالکیہ یہ فرماتے ہیں ❷ کہ بچی اور بچے دونوں کا پیشاب اور قے ناپاک ہے اور ان کا دھونا واجب ہے، ان حضرات کی دلیل وہ عمومی احادیث ہیں جن میں پیشاب سے بچنے کا حکم ہے جیسے **استنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر منه** ❸ (پیشاب سے بچو، کہ قبر کا عذاب عام طور پر اس کی وجہ سے ہوتا ہے) تاہم مالکیہ نے یہ تخفیف فرمائی ہے کہ دودھ پلانے والی عورت کے کپڑوں اور جسم پر لگ جانے والا پیشاب پاخانہ معاف ہے خواہ وہ عورت ماں ہو یا کوئی اور ہو ہاں شرط یہ ہے کہ وہ نجاست کے دور کرنے کی کوشش کرتی ہو بے احتیاطی کرنے والی عورت کے لئے یہ حکم نہیں ہے اور اگر پیشاب پاخانہ زیادہ لگ جائے تو اس صورت میں اس نجاست کا دھونا مستحب ہے۔

۶۔ حلال گوشت والے جانوروں کا پیشاب فضلات اور گوبر کا حکم...... اس بارے میں دو فقہی نظریات پائے جاتے ہیں، ایک تو ان اشیاء کی پاکی کا قائل ہے اور دوسرا نظریہ ان اشیاء کی ناپاکی کا ہے، پہلا قول مالکیہ اور حنابلہ کا ہے اور دوسرا حنفیہ اور شوافع کا ہے مالکیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں ❹ کہ وہ تمام حیوانات جن کا گوشت حلال ہے جیسے اونٹ گائے بکری، مرغی، کبوتر اور تمام پرندے ان کا پیشاب، فضلہ اور گوبر وغیرہ سب پاک ہیں۔ مالکیہ نے اس جانور کی ان اشیاء کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو گندگی خور ہو کہ ایسے جانور کا فضلہ ناپاک ہوا۔ اسی طرح وہ جانور جو مکروہ ہیں (یعنی جن کا گوشت کھانا مالکیہ کے ہاں مکروہ ہے) ان کی یہ چیزیں مکروہ ہیں گویا اس تفصیل کے مطابق جانوروں کی یہ اشیاء ان کے گوشت کے تابع ہیں۔

تو حرام گوشت والے جانوروں کی یہ اشیاء نجس ہیں حلال کا پیشاب پاک ہے اور مکروہ جانور کی یہ اشیاء مکروہ ہیں۔ ان حضرات کی دلیل وہ واقعہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرنیین کو اونٹوں کے پیشاب اور دودھ پینے کی اجازت دی تھی ❺ اور دوسری بات یہ ہے کہ بکریوں

---

❶ ......ملاحظہ کیجئے نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۲۶۔ ۱۲۷ دونوں حدیثوں کے لئے۔ ❷ بدایة المجتهد ج ۱ ص ۷۷، ۸۲ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۴۳ مر اقی الفلاح ص ۲۵، اللباب شرح الکتاب ج ۱ ص ۵۵، فتح القدیر ج ۱ ص ۱۴۰ الدارلمختار ج ۱ ص ۲۹۳۔ ❸ یہ حدیث تین صحابہ سے منقول ہے (۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ (۲) حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ (۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پہلی حدیث دارقطنی کی روایت کردہ ہے اور ''مرسل'' ہے دوسری حدیث دارقطنی نے مستدرک میں حاکم نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ شیخین کی شرط کے مطابق صحیح اور میں اس میں کوئی علت نہیں جانتا اور دونوں حضرات (بخاری ومسلم) نے اسے روایت نہیں کیا ہے اور تیسری حدیث طبرانی بیہقی، دارقطنی اور حاکم کی روایت کردہ ہے۔ نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۲۸۔ ❹ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۴۷، بدایة المجتهد ج ۱ ص ۷۷، القوانین الفقهیه ص ۳۳، کشف القناع ج ۱ ص ۲۲۰۔ ❺ بخاری ومسلم اور امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عکل یا عرینہ قبیلے کا ایک گروہ مدینہ آیا انہیں وہاں کی فضاء ناموافق ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دودھ والی اونٹنیوں کے بارے میں حکم دیا اور ان سے کہا کہ وہ مدینہ سے باہر جائیں اور ان اونٹنیوں کے دودھ اور پیشاب پئیں حدیث میں وارد لفظ ''اجتووھا'' کا مطلب ہے ناگوار سمجھنا کسی جگہ ٹھہرنے سے اجتناب کرنا خواہ وہ جگہ اچھی ہو امام خطابی فرماتے ہیں یہ لفظ کس وقت بولا جاتا ہے جب کہیں ٹھہرنا نقصان دہ ثابت ہو اور یہی معنی یہاں مراد لینا بہتر ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۴۸۔

کے بارے میں نماز پڑھنے کی اجازت ان کی مینگنیوں اور پیشاب کی پاکی کی دلیل ہے❶ شوافع اور احناف فرماتے ہیں❷ کہ پیشاب، قے، اور گوبر وغیرہ انسان کی ہوں یا حیوان کی مطلقاً نجس ہیں، دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بدو کے پیشاب پر پانی بہانے کا حکم ہے جس نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا تھا❸ اور یہ بھی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں سے متعلق فرمایا تھا **اما احدھما فکان لایستنزہ من البول**❹ (ان میں سے ایک تو پیشاب سے نہیں بچا کرتا تھا) اور وہ حدیث بھی دلیل ہے جو گذر چکی کہ **استنزھوا من البول** (پیشاب سے بچو) اور یہ حدیث بھی جو گذر چکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو استنجاء کے لئے دو پتھر خشک اور گوبر پیش کیا گیا آپ نے پتھر لے لئے اور گوبر کو واپس کرتے ہوئے فرمایا **ھذا رکس** (یہ رکس ہے) اور رکس نجس چیز کو کہتے ہیں اور قے، خواہ وہ پیٹ میں متغیر نہ بھی ہوئی ہو نجس ہے کیونکہ وہ ان فضلات میں سے ہے جو اپنی ہیئت تبدیل کر چکے ہوتے ہیں جیسے پیشاب اسی طرح معدے سے اوپر آنے والا بلغم بھی نجس ہے بخلاف سر یا حلق کے سینے سے ملے ہوئے حصے یا سینے ہی سے نکلنے والے بلغم کے کہ وہ پاک ہوتا ہے۔ عرنیین والی حدیث جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیشاب پینے کا حکم دیا تھا تو وہ دواء کے طور پر تھا اور ناپاک چیز کا بطور دواء استعمال جب پاک چیز دستیاب نہ ہو، درست ہے۔ احناف نے اس معاملے میں مزید تفصیل یہ کی ہے کہ حلال گوشت جانوروں کا پیشاب نجاست خفیفہ میں داخل ہے تو نجاست خفیفہ کے ایک چوتھائی کپڑے پر لگے ہوئے ہونے کی صورت میں نماز ہو جاتی ہے، یہ شیخین امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی رائے ہے۔ گھوڑے کی لید اور گائے کا گوبر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نجاست غلیظہ میں سے ہیں جیسے حرام گوشت والے جانوروں کی لید اور گوبر نجاست غلیظہ ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوبر کو واپس کر دیا اور اسے رجس یا رکس (نجاست) کہا تھا۔ صاحبین کے ہاں یہ دونوں گائے اور گھوڑے کی لید نجاست خفیفہ ہیں۔ چنانچہ ان سے نجس شدہ کپڑے میں نماز اس وقت تک منع نہیں ہوگی جب تک وہ زیادہ مقدار میں لگی ہوئی نہ ہو (یعنی چوتھائی کپڑے سے زیادہ نہ ہو) کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور اس بارے میں ضرورت بھی متحقق ہے کہ راستوں میں یہ اکثر ہوتی ہے صاحبین کی رائے زیادہ واضح ہے کیونکہ راستوں میں ان کے پڑے ہونے کی وجہ سے عموم بلوی (مشکل کا بڑے پیمانے پر پایا جانا) اور کثیر مقدار کا پیمانہ یہ ہے کہ لوگ اسے کثیر سمجھتے ہوں جیسے کہ وہ چوتھائی کپڑے سے زائد ہو وغیرہ۔

اس بناء پر حرام گوشت جانوروں کا پیشاب کتے کا گوشت درندوں کا تھوک اور پاخانہ جیسے چیتے سور اور درندہ مرغی، بطخ اور مرغابی کی بیٹ بدبودار ہونے کی وجہ سے بالاتفاق نجاست غلیظہ شمار ہوں گی اور بمقدار ایک درہم کے معاف ہیں۔

اور گھوڑے، حلال گوشت جانوروں کا پیشاب اور حرام گوشت پرندے جیسے باز، اور چیل وغیرہ کی بیٹ صحیح قول کے مطابق بوجہ عموم ضرورت نجاست خفیفہ میں شمار ہوں گے اور ان میں سے کپڑے پر ایک چوتھائی سے کم مقدار یا جسم کے اعضاء میں ایک چوتھائی عضو سے کم پر لگی ہوئی نجاست معاف ہے، اور چوتھائی اور اس سے زائدہ مقدار کثیر ہونے کی بناء پر معاف نہیں ہوں گی۔ حلال گوشت وہ پرندے جو ہوا میں بیٹ کر دیتے ہیں جیسے کبوتر وغیرہ تو ان کی بیٹ احناف کے ہاں پاک ہے عموم بلوی کی وجہ سے کہ راستے اور گھروں میں ان کی بیٹ بہت ہوتی ہے۔ اسی طرح امام محمد نے آخر میں حلال گوشت جانوروں کے پیشاب کو پاک قرار دیا تھا اور گھوڑے کا پیشاب بھی اس حکم کے تحت ہے اور گوبر

---

❶ ..... علامہ ابن تیمیہ گذشتہ حدیث کے آخر میں فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیا کرو چنانچہ یہ حدیث احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **صلوا فی مرابض الغنم ولا تصلوا فی أعطان الابل** (بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیا کرو اونٹوں کے باڑے میں مت پڑھو) بعض نے کہا ہے کہ اس ممانعت کی وجہ اونٹوں میں پایا جانے والا نفور ہے (بھاگ جانا بدکنا) کہ ممکن ہے کہ دوران نماز وہ بدک جائیں اور نمازی کی ہلاکت کا سبب بن جائیں۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۳۷۔ ❷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۷۹ المھذب ج ۱ ص ۴۶ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۴۲ مراقی الفلاح ص ۲۵ الدر المختار ج ۱ ص ۲۹۷، ۹۵۔ ❸ یہ روایت بخاری مسلم اور امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۴۳ نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۱۲۔ ❹ روایت شیخین (بخاری ومسلم) از حضرت ابن عباس نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۱۴۔

کے زیادہ ہونے کو بھی مانع طہارت نہیں قرار دیا تھا وجہ اس کی لوگوں کا اس چیز میں ابتلاء عام تھا کہ گھروں اور راستوں میں یہ بکثرت پایا جاتا ہے اور یہ ابتلا عام انہوں نے جب دیکھا کہ جب وہ رے میں خلیفہ کے ساتھ گئے تھے۔ مشائخ نے اس پر بخارا کی مٹی کو بھی قیاس کیا تھا کیونکہ وہاں لوگوں اور جانوروں کا راستہ ایک تھا❶ یہ رائے امام مالک اور امام احمد کی رائے کے موافق ہے شوافع فرماتے ہیں❷ کہ پرندوں کی بیٹیں اگر زیادہ ہو جائیں تو معاف ہیں کہ ان سے بچنا مشکل ہے میری رائے یہ ہے کہ ان امور میں آسان رائے کو اختیار کیا جائے جب تک کہ نجاست معمولی درجے اور مقدار میں ہو۔

۷۔ منی (مادہ منویہ)......یعنی ہم بستری وغیرہ کے وقت شہوت کے ساتھ نکلنے والا مادہ، انسان کی منی کی پاکی اور ناپاکی کے بارے میں دورائے پائی جاتی ہیں۔ا انسان کے علاوہ مخلوقات کی منی احناف اور مالکیہ کے ہاں پاک ہے اور حنابلہ کے ہاں جانوروں میں سے حلال گوشت جانوروں کی منی پاک ہے۔ اور شوافع کے صحیح ترین قول کے مطابق کتے سور اور ان کے ملاپ سے پیدا شدہ جانوروں کے علاوہ سب کی منی پاک ہے۔ انسان کی منی کے بارے میں احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں❸ کہ منی ناپاک ہے اس سے پڑنے والے نشان کو دھونا واجب ہے، تاہم احناف کے ہاں دھونا صرف گیلی منی کا ضروری ہے، اگر وہ خشک ہو تو صرف اس کا کھرچ لینا کافی ہوگا۔

مالکیہ منی کو مطلقاً ناپاک قرار دیتے ہیں خواہ وہ حلال گوشت جانور کی ہی کیوں نہ ہو، یہ ناپاک قرار دینا گھن اور اس کی ماہیت کے فاسد چیز میں بدل جانے کی وجہ سے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اصلاً خون ہوتی ہے، اور اصل کی ایک مقدار معاف ہونے سے فرع کی مقدار کا معاف ہونا ضروری نہیں یعنی قلیل مقدار میں خون کا قابل معافی ہونا اس بات کا متقاضی نہیں کہ منی، جو اصلاً خون کی بدلی ہوئی شکل ہے کی بھی کچھ مقدار معاف ہو، کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ فرع کے لئے وہ حکم ہوتا ہے جو اصل کے لئے نہیں ہوتا ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ: كنت افرك المنى من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان يابسا واغسله اذا كان رطبا❹ (میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی کھرچ دیا کرتی تھی اگر وہ خشک ہوا اور اس کو دھو دیا کرتی تھی اگر وہ گیلی ہوتی) بخاری اور مسلم کی روایت کردہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ وہ (حضرت عائشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی دھو دیا کرتی تھیں اور آپ تشریف لے جاتے اور نماز ادا کرتے اور فرماتیں کہ میں پانی کی تری آپ کے کپڑے پر دیکھ رہی ہوتی اور دوسری طرف یہ کہ یہ بدن سے نکلنے والی دیگر چیزوں سے مشابہ ہے جو کہ کے ناپاک ہونے کی دلیل ہے۔

شوافع ظاہر قول کے مطابق اور حنابلہ فرماتے ہیں❺ کہ منی پاک ہے اور اس کا دھونا یا کھرچنا اس وقت مستحب ہے اگر آدمی کی منی ہو دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی کھرچ دیا کرتی تھیں اور آپ ان میں نماز ادا کیا کرتے تھے❻ ایک روایت میں ہے کنت احكه من ثوبه وهو يصلى فيه❼ (میں آپ کے کپڑوں سے منی کھرچ دیا کرتی تھی

❶......الدر المختار ج ۱ ص ۲۹۵، اللباب شرح الكتاب ج ۱ ص ۵۶۔❷ مغنى المحتاج ج ۱ ص ۱۸۸۔❸ الدر المختار ج ۱ ص ۲۸۷ اللباب شرح الكتاب ج ۱ ص ۵۵ مراقى الفلاح ص ۲۶ بداية المجتهد ج ۱ ۷۹ الشرح الصغير ج ۱ ص ۵۴ الشرح الكبير ج ۱ ص ۵۶۔❹ یہ حدیث دار قطنی نے اپنی سنن اور بزار نے اپنی مسند میں روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنداً اس کو صرف عبداللہ بن زبیر نے نقل کیا ہے اور یہ حدیث ''اغسليه ان كان رطبا وافركيه ان كان يابسا'' تو یہ روایت غریب ہے نامعلوم اور غیر معروف حدیث ہے نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۰۹ خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے بعض میں ''غسل'' (دھونے) کا ذکر ہے اور بعض میں ''فيصلى فيه'' (اس کپڑے میں نماز ادا کرتے تھے) کے الفاظ ہیں۔❺ مغنى المحتاج ج ۱ ص ۷۹۔۸۰ كشف القناع ج ۱ ص ۲۲۴ المهذب ج ۱ ص ۴۸۔❻ صحاح ستہ کے حضرات نے یہ حدیث ذکر کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں كنت افرك المنى من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم يذهب فيصلى فيه. نيل الاوطار ج ۱ ص ۵۳۔❼ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔

اور آپ اس کپڑے میں نماز ادا کرتے تھے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے:

امسحه عنك باذخرة اوخرقة فانما هو بمنزلة المخاط والبصاق❶

منی کو اپنے اوپر سے اذخر گھاس سے یا کپڑے کے ٹکڑے سے پونچھ لیا کرو یہ تو تھوک اور رینٹ کی طرح ہوتی ہے۔

اور یہ پیشاب اور منی سے مختلف ہے کیونکہ یہ انسان کی تخلیق کی بنیاد ہے۔

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے منی کی نجاست کو راجح قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ منی ناپاک ہے اور اس کو ان چیزوں سے پاک کر لینا درست ہے❷ یعنی دھونے سے پونچھنے سے یا کھرچ دینے سے۔ میں منی کے پاک ہونے کے قول کو راجح قرار دیتا ہوں تا کہ انسان کی بنیاد کے ناپاک ہونے کا قول لازم نہ آ جائے دوسری بات لوگوں پر سہولت وآسانی کرنا بھی مقصود ہے، تاہم منی سے سے پڑ جانے والا نشان اتباع سنت کی غرض سے دھو دینا مستحب ہے۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ منی کے پاک ہونے کا حکم اس بات سے مشروط ہے کہ اس سے پہلے مذی نہ نکلی ہو جو کہ عام طور پر شہوت ہونے کی صورت میں نکلتی ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ عضو تناسل کو پانی سے دھویا ہوا ہو اور اگر اس کو صرف کاغذ سے پونچھے جانے کے سبب پیشاب کا اثر باقی ہو جیسا کہ آج کل عام طور پر ہوتا ہے تو نکلنے والی منی پیشاب سے مل جانے کے سبب ناپاک ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ کوئی لباس جماع وغیرہ کے لئے خاص کر دینا چاہیے جو اس وقت پہنا جائے تا کہ اختلافی حدود سے باہر رہا جا سکے۔

۸۔ زخم کا پانی......احناف اور مالکیہ نے نجاسات میں ان چیزوں کو شمار کیا ہے❸ (۱) قیح، پکی پیپ (۲) صدید، کچی پیپ جس میں خون کی آمیزش ہو (۳) دانوں کا پانی عام سفید سا پانی جو دانوں سے نکلتا ہے۔ یعنی وہ پانی جو سوزش والے دانے، خارش یا کھجلی کے سبب نکلتا ہے۔ تاہم قلیل مقدار میں قیح اور صدید معاف ہے جیسے خون۔

شوافع اور حنابلہ بھی باقی ائمہ کی طرح پیپ کی نجاست کے قائل ہیں تاہم حنابلہ فرماتے ہیں کہ معمولی خون اور اس سے پیدا ہونے والی چیزیں یعنی قیح اور صدید (کچی اور پکی پیپ) دانوں کا پانی، یہ کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ میں اور غیر سیال اشیاء میں قابل معافی ہیں کیونکہ عام طور پر انسان ان سے محفوظ نہیں رہتا اور ان سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے جیسے استنجاء میں پتھر استعمال کرنے سے پڑنے والا نشان کہ اس سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ ہاں مائع اور مطعوم (کھانے پینے کی چیزیں) میں یہ قابل معافی نہیں ہیں۔ قابل معافی قلیل مقدار وہ ہے جس کے ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا یعنی جو فی نفسہ زیادہ نہیں ہوتی ہے پیپ کی خون کے مقابلے میں زیادہ مقدار قابل معافی ہے اور قابل معافی مقدار اس صورت میں قابل معافی ہے جب وہ حلال گوشت جانور اور انسان میں سے نجاست کے راستے سے نہ نکلی ہو اگر وہ نجاست کے راستے سے نکلی ہو تو وہ قابل معافی نہیں۔

شوافع کے ہاں قطعی حکم یہ ہے کہ چھوٹے پھوڑے پھنسیوں کا خون پسو کا خون، مکھی کا فضلہ، زخم اور چھلی ہوئی جگہ (یا جلی ہوئی جگہ) کا پانی، آبلہ، جس میں ہوا ہو یا صحیح قول کے مطابق ہوا نہ بھی ہو کا پانی اور پچھنے لگانے کی جگہ کا خون کم ہو یا زیادہ یہ سب قابل معافی ہیں۔ اور اظہر قول یہ ہے کہ اجنبی خون، یعنی انسان کا وہ خون جو اس کے جسم سے نکل چکا ہو پھر اس کے جسم پر لگ جائے قابل معافی ہے اگر قلیل مقدار میں ہو۔

۹۔ مردہ آدمی اور رزال......مطہرات (پاک کرنے والی چیزوں) کے بیان میں ہم انسانی میت کے بارے میں دو قول جان

---

❶ ......سعید بن منصور نے یہ روایت نقل کی ہے۔ اور دار قطنی نے اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے۔ ❷ نیل الاوطار ج ۱ ص ۵۵. ❸ البدائع ج ۱ ص ۶۰ الدر المختار ج ۱ ص ۲۸۴ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۵۶ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۵۵ القوانین الفقہیۃ ص ۳۳۔

چکے ہیں۔❶

احناف کا قول یہ ہے کہ بعض صحابہ جیسے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر، کے فتوے کے مطابق وہ نجس ہے جیسے دیگر مردہ اجسام نجس ہوتے ہیں۔

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ وہ پاک ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان المسلم لاینجس (مسلمان گندہ ناپاک نہیں ہوتا) اور رال (سونے والے کے منہ سے بہنے والا لعاب) پاک ہے جیسا کہ شوافع اور حنابلہ نے اس کی تصریح کی ہے❷ تاہم مالکیہ اور شوافع فرماتے ہیں کہ اگر معدے سے نکلی ہوئی رال ہو، جس کی پہچان یہ ہے کہ وہ بدبودار اور پیلا ہو تو معدے سے نکلنے والے بلغم کی طرح نجس ہوگی اور اگر معدے سے نکلی ہوئی نہ ہو یا شک ہو کہ معدے سے نکلی ہے یا نہیں تو وہ رال پاک ہے۔ مالکیہ نے قلس کو بھی پاک شمار کیا ہے، قلس اس کو کہتے ہیں جو معدے کے بھرے ہوئے ہونے کی صورت میں معدے سے نکل آتا ہے، یہ اس وقت پاک شمار ہوگا جب تک کہ یہ اتنا متغیر نہ ہو جائے کہ یہ پاخانے کے اوصاف میں سے کسی کے مشابہ ہو جائے ایسی صورت میں یہ نجس ہوگا۔

۲......المطلب الثانی......دوسری بحث: نجاست حقیقیہ کی اقسام کا بیان

نجاست حقیقیہ کی احناف کے ہاں کئی طرح کی تقسیم ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ التقسیم الاول، پہلی تقسیم......نجاست مغلظہ یا غلیظہ اور نجاست مخففہ یا خفیفہ۔❸

نجاست مغلظہ یا غلیظ: وہ نجاست ہے جس کا نجس ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو جیسے دم مسفوح (بہتا خون) یا خانہ حرام گوشت جانوروں کا پیشاب خواہ وہ ایسے چھوٹے بچے کا ہو جو ٹھوس غذا نہ کھاتا ہو، شراب❹ ان پرندوں کی بیٹ جو ھواؤں میں بیٹ نہیں کرتے ہیں جیسے مرغی بطخ اور مرغابی، مردار کا گوشت اور اس کی کچی کھال (غیر دباغت شدہ) کتے کا گو درندوں کا گو اور تھوک، منہ بھر کر الٹی اور ہر وہ فضلہ جو انسان کے جسم سے نکلتے وقت انسان کا وضو ختم کر دیتا ہو جیسے پاخانہ پیشاب، منی، مذی خون وغیرہ یہ سب نجاست مغلظہ یا غلیظہ کہلاتی ہیں یہ نجاست لگ جانے کی صورت میں نماز میں اس کی ایک درہم یا اس سے کم مقدار قابل معافی ہے اور درہم سے مراد ہے بڑے مثقال والا درہم جس کی پیائش صحیح قول کے مطابق ہتھیلی کی چوڑائی جتنی ہو وجہ اس کی معافی کی یہ ہے کہ قلیل مقدار سے بچنا ممکن نہیں ہوتا ہے اور قلیل کی مقدار کو درہم سے پیائش کرنا دراصل مقام استنجاء کے اعتبار سے ہے (کہ جتنا وہ ہوتا ہے اتنی ہی نجاست غلیظہ معاف ہے) چنانچہ اگر ایک درہم سے زائد نجاست ہو تو وہ قابل معافی نہیں ہوگی۔

نجاست مخففہ یا خفیفہ وہ ہے جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جو قطعی نہ ہو جیسے حلال گوشت جانوروں کا پیشاب گھوڑا بھی انہی میں داخل ہے حرام گوشت والے پرندوں کی بیٹ۔ اونٹ اور بکری کی مینگنیاں اور گھوڑے، گدھے او خچر کی لید اور گائے کا گو بر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نجاست غلیظہ ہیں جب کہ صاحبین کے ہاں یہ نجاست خفیفہ ہیں صاحبین کی رائے ظاہر ترین ہے۔ کیونکہ راستوں پر ان نجاستوں کی کثرت کے سبب عموم بلوی (مصیبت و پریشانی کا ابتلاء عام) ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے تو آخر میں ان اشیاء کی طہارت کا فتویٰ دے دیا تھا اور فرمایا تھا کہ لید مانع طہارت نہیں خواہ وہ زیادہ مقدار میں لگی ہوئی ہو موجودہ زمانے میں پکے راستوں پر یہ نجاستیں خفیفہ ہی شمار کی جانی چاہئیں۔

---

❶......فتح القدیر ج ۱ ص ۶۷ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۴۴ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۷۸ کشف القناع ج ۱ ص ۲۲۲۔ المھذب ج ۱ ص ۴۷۔❷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۷۹، کشاف القناع ج ۱ ص ۲۲۰۔❸العنایہ بہامش فتح القدیر ج ۱ ص ۱۴۰۔۱۴۴ الدر المختار ج ۱ ص ۲۹۳۔ ۲۹۷ اللباب ج ۱ ص ۵۵ ❹ شراب کے علاوہ دوسرے حرام مشروبات تو ظاہر الروایہ کے مطابق وہ نجاست غلیظہ ہیں اور صاحبین کے قول کی مطابق وہ نجاست خفیفہ ہیں کیونکہ ائمہ کا ان میں اختلاف ہے۔ ردالمحتار ج ۱ ص ۲۹۵

نجاست خفیفہ نماز میں پورے کپڑے کے ایک چوتھائی پر لگی ہوئی ہونے کی صورت میں معاف ہے اگر کپڑے پر لگی ہوئی ہو اور بدن پر لگے ہونے کی صورت میں جس عضو پر لگی ہو اس کی چوتھائی مقدار معاف ہے اس اندازہ وغیرہ کی تعیین میں لوگوں کی آسانی مطلوب ہے خصوصاً ان عام لوگوں کی جن کی کوئی رائے وغیرہ نہیں ہوتی۔

دوسری تقسیم، نجاست کو جامد اور مائع کی طرف تقسیم کرنا..... نجاست جامدہ جیسے مردار جانور کی لاش، اور پاخانہ وغیرہ نجاست مائع جیسے پیشاب خون، اور مذی۔

تیسری تقسیم، نجاست کو مرئیہ (نظر آنے والی) اور غیر مرئیہ (نہ نظر آنے والی) کی طرف تقسیم کرنا❶..... نجاست مرئیہ (نظر آنے والی) جسے نجاست عینیہ بھی کہتے ہیں وہ نجاست ہوتی ہے جو سوکھ جانے کے بعد آنکھوں سے نظر آسکے جیسے پاخانہ اور خون۔ اس نجاست کی پاکی ایسے حاصل ہوتی ہے کہ اس کا جسم زائل کر دیا جائے خواہ ایک مرتبہ ہی میں وہ زائل ہو جائے۔

صحیح قول کے طابق کیونکہ نجاست اپنی جگہ اپنے جسم کے ساتھ سرایت کر گئی ہے لہٰذا اس کا ازالہ بھی اس کے جسم کو دور کر دینے سے ہو جائے گا نجاست غیر مرئیہ (نہ نظر آنے والی) یا غیر عینیہ وہ ہے جو خشک ہونے کے بعد نظر نہ آئے جیسے پیشاب وغیرہ یعنی جس کا حاسۂ بصر سے دیکھ لینا ممکن نہ ہو (حاسۂ شامہ (سونگھنے) وغیرہ کے ذریعے اس کا ادراک دوسری بات ہے) اس کی پاکی کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو اس وقت تک دھویا جائے کہ دھونے والے کو یہ گمان ہو جائے کہ جگہ پاک ہو چکی ہے اور وسوسہ والے شخص کے لئے اس کی مقدار تین مرتبہ متعین کی گئی ہے۔ کیونکہ بار بار کرنے سے نجاست کا دور ہو جانا یقینی ہے۔ اور اگر نجاست کے زوال کا یقین نہ ہوا ہو تو غالب گمان کا اعتبار ہے۔ جیسے قبلہ کی جہت تلاش کرنے کے بارے میں غالب ظن کا اعتبار ہے۔ اور دھوتے وقت ہر مرتبہ نچوڑنا ضروری ہے ظاہر روایت کے مطابق کیونکہ نچوڑنے ہی سے نجاست نکالی جا سکتی ہے۔

احناف کے علاوہ فقہاء کے ہاں نجاست کی اقسام..... یہ جو تقسیمیں اوپر بیان ہوئیں احناف کے علاوہ دیگر فقہاء کے ہاں بھی معروف ہیں مالکیہ نے ایک اور تقسیم کا اضافہ کیا ہے اور وہ تقسیم ہے وہ نجاست جس کے اوپر مذہب میں اتفاق ہو اور وہ نجاست جس کے اوپر مذہب میں اتفاق ہو اور وہ نجاست جس کے اوپر مذہب میں اختلاف ہوا❷ یعنی مذہب مالکی میں اتفاق یا اختلاف ہو وہ نجاست جس پر مذہب میں اتفاق ہے وہ اٹھارہ ہیں۔ بڑے انسان (بالغ) کا پیشاب پاخانہ، مذی، ودی، مردار کا گوشت سور کا گوشت اور ہڈیاں اور سور کی کھال مطلقاً مردار کی غیر دباغت شدہ کھال، زندہ کے جسم سے اس کی زندگی میں کاٹ کر علیحدہ کی گئی چیز سوائے بالوں اور اس جیسی دیگر چیزوں کے مادہ سور کا دودھ، نشہ آور چیز، حرام گوشت والے جانور کا پیشاب، پاخانہ، اور منی، زیادہ خون اور زیادہ پیپ۔ اور صحیح قول یہ ہے کہ ہر جاندار خواہ کتا ہو یا سور پاک ہے اور اس کا پسینہ بھی پاک ہے۔

وہ نجاست جس پر مذہب میں اختلاف ہے وہ بھی اٹھارہ ہیں چھوٹے بچے کا پیشاب جو ٹھوس غذا نہ کھاتا ہو مکروہ گوشت والے جانور کا پیشاب مردار کی دباغت شدہ کھال، حرام گوشت والے ذبح شدہ جانور کی کھال اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں مردار کی راکھ، ہاتھی دانت مچھلی کا خون، مکھی کا خون، تھوڑا سا حیض کا خون، تھوڑی سی پیپ کتے کا تھوک سور کے علاوہ حرام گوشت جانوروں کا دودھ نجاست استعمال کرنے والے جانور کا دودھ نجاست استعمال کرنے والے جانور کا پسینہ سور کے بال اور سرکہ بنی ہوئی شراب۔

ان تقسیم شدہ نجاستوں میں باہمی فرق ان کی پاکی کے طریقے اور ان کی قابل معافی مقدار کے بارے میں ظاہر ہوتا ہے (کہ شدید قسم

---

❶..... فتح القدیر ج ۱ ص ۱۴۵ الدر المختار ج ۱ ص ۳۰۷،۳۳ اللباب ج ۱ ص ۵۷ مراقی الفلاح ص ۲۶. ❷القوانین الفقهیه ص ۳۴.

والی نجاست میں شدت اور خفیف قسم کی نجاست کے بارے میں خفت برتی گئی ہے)۔

۲۔المبحث الثانی، دوسری بحث.....نجاست کی قابل معافی مقدار کا بیان

فقہاء کرام نے نجاستوں کی قابل معافی مقدار کی مختلف تعیین وتقدیر (اندازے) بیان کئے ہیں، میری رائے میں ان تمام کو اپنانے میں کوئی حرج نہیں مشقت سے بچنے اور آسانی کی رعایت کے خاطر ایسا کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے ہر مذہب کے اہم بیان کردہ اندازے اور مقداریں مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔احناف کا مذہب❶.....احناف کے ہاں قابل معافی مقدار نجاست کے غلیظہ یا خفیفہ ہونے کے اعتبار سے کم یا زیادہ ہوگی۔یعنی نجاست خواہ مخففہ ہو یا مغلظہ، اس کی قلیل مقدار معاف ہے کثیر مقدار نہیں نجاست غلیظ جو جامد (ٹھوس) حالت میں ہو اس کی قلیل مقدار ایک درہم یعنی ۲۹۷۵ گرام سے کم متعین کی گئی ہے یعنی جو بیس قیراط ہو۔اور مائع نجاست کی مقدار ہتھیلی کی گڑھے سے کم متعین کی گئی ہے (یعنی مائع نجاست کا پھیلاؤ اگر اتنا ہے کہ ہاتھ پورا کھول دینے کی صورت میں ہتھیلی کے گڑھے جو میرے (مترجم کے) اندازے کے مطابق تقریباً دو ڈھائی قطر کا (کم وبیش) بنتا ہے سے کم ہو، تو یہ معاف ہے) اور مشہور قول کے مطابق نجاست کی اس قلیل مقدار کے ساتھ نماز کی ادائیگی مکروہ تحریمی ہوگی باوجود اس کے کہ وہ قابل معافی ہے۔کپڑوں میں نجاست خفیفہ کی قلیل مقدار اس طرح متعین کی گئی ہے کہ وہ چوتھائی مقدار سے کم ہو اور بدن میں اس طرح متعین کی گئی ہے کہ وہ اس عضو کے چوتھائی حصے سے کم ہو جس پر نجاست لگی ہے مثلاً ہاتھ پاؤں وغیرہ اسی طرح معمولی مقدار کے پیشاب یا بلی اور چوہے کے پاخانے کے کھانے کی اشیاء اور کپڑوں پر لگے ہونے کو قابل معافی گردانا گیا ہے اور پانی میں گرنے والی وہ معمولی چھینٹیں جو کوئی چیز دھوتے وقت دھلائی کے پانی سے اڑیں اور پانی میں ان کی پڑنے کی جگہ معلوم نہ ہو اور پیشاب کی انتہائی معمولی چھینٹیں جیسے سوئی کے سرا ہوتا ہے خواہ بدن اور کپڑا اس سے بھر کیوں نہ جائے ہاں اگر تھوڑے پانی میں یہ چیزیں گر پڑیں تو اس کو ناپاک کر دیں گی کیونکہ پانی کی پاکی کی زیادہ تاکید کی گئی ہے اسی طرح وہ خون جو قصاب پر پڑ جاتا ہے اور اس مکھی کا نشان جو نجاست سے اٹھ کر دوسری جگہ جا بیٹھے اسی طرح گدھے کی لید گائے کا گوبر اور ہاتھی کا گوبر بھی ضرورت اور ابتلاء عام کے وقت ایسی ہی رخصت اور اجازت کا حامل ہوگا۔

میت کے نہلاتے وقت اس کے غسالہ (نہاتے وقت جسم پر ڈالا جانے والا پانی جو جسم پر سے اتر کر بہ جائے) کی چھینٹیں جو اس کو نہلانے کے دوران پڑیں اور جن سے بچنا ممکن نہ ہو قابل معافی ہیں۔جیسا کہ راستے کی مٹی اور کیچڑ قابل معافی ہے ضرورت کی خاطر، ماسوا اس کے کہ ٹھوس نجاست اس میں پڑی نظر آئے تو وہ قابل معافی نہیں۔وہ خون جو ذبح شدہ حیوان کی رگوں میں باقی ہو وہ قابل معافی ہے کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے اسی طرح کلیجی تلی اور دل میں موجود خون بھی معاف ہے کیونکہ یہ دم مسفوح نہیں ہے۔اور وہ خون جو وضو نہیں توڑتا وہ بھی معاف ہے (یعنی اتنی مقدار میں نکلنے والا خون جو بہہ نہ سکے، کیونکہ نہ بہنے والا خون جو نکل کر وہیں جمارہے وضو نہیں توڑتا ہے) کھٹمل پسو اور جوں کا خون خواہ کتنا ہی کیوں نہ ہو معاف ہے، مچھلی کا خون صحیح قول کے مطابق، اور خچر اور گدھے کا تھوک بھی قابل معافی ہے۔

مذہب کا قول اس لعاب (تھوک) کی پاکی کا ہے اور شہید پر لگا ہوا خون اس کے حق میں معاف ہے خواہ کتنا ہی کیوں نہ لگا ہوا ہو۔نجس چیز کے بخارات، غبار اور راکھ ضرورت کے تحت قابل معافی ہیں تاکہ ہر دور میں پکائے جانے والی روٹیوں کو ناپاک نہ کہا جا سکے (یعنی ہر دور میں تندور میں روٹیاں پکتی رہی ہیں جن میں بلا تمیز لکڑیاں استعمال ہوتی ہیں، اگر ناپاک چیز کے غبار اور راکھ کو ناپاک قرار دیا جائے تو ان چیزوں کا ناپاک ہونا لازم آئے گا جو کہ بداھتاً غلط ہے) اونٹ اور بکری کی وہ مینگنیاں جو کنویں یا برتن میں گر جائیں وہ قابل معافی ہیں بشرطیکہ وہ بہت

---

❶.....فتح القدیر ج ۱ ص ۱۴۰۔۱۴۶ الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ج ۱ ص ۲۹۵۔۳۰۹ مراقی الفلاح ص ۲۵ اور مابعد کے صفحات۔

زیادہ نہ ہوں یا ایسا نہ ہو کہ ان کے ٹوٹ کر بکھر جانے کے سبب پانی کی رنگت بدل جائے، قلیل اس کو کہیں گے جس کو دیکھنے والا قلیل سمجھے اور کثیر وہ ہے جس کو دیکھنے والا کثیر سمجھے۔حلال گوشت والے پرندے جو ہوا میں بیٹ کرتے ہوں ان کی بیٹ پاک شمار ہوگی اور اگر وہ ہوا میں بیٹ نہ کرتے ہوں تو ان کی بیٹ نجاست خفیفہ شمار ہوگی جیسا کہ پہلے گذرا۔تو اس تفصیل کے مطابق معافی کا سبب یا تو ضرورت ہے یا ابتلائے عام ہے یا نجاست سے بچنے کا دشوار ہونا ہے (یعنی یہ تین اسباب کسی نجاست کے معاف کردینے کا عام طور پر سبب بنتے ہیں)

۲۔ **مذہب مالکیہ** ❶...... مالکیہ کے ہاں خشکی کے جانور کا معمولی مقدار کا خون، قلیل مقدار میں پیپ (کچی اور پکی دونوں) قابل معافی ہے۔اور قلیل مقدار ان کے ہاں درہم بغلی (خچر کا درہم) ہے، اور درہم بغلی وہ کالا سا دائرہ ہوتا ہے جو خچر کے ہاتھ پر (ذراع پر) ہوتا ہے اتنی یا اس سے کم مقدار قابل معافی ہے خواہ یہ خون وغیرہ خود اس شخص کا اپنا ہو یا دوسرے کا لگا ہوا ہو، انسان کا ہو یا حیوان کا اور حیوان میں سے خواہ سور کا ہو، کپڑے پر لگا ہوا ہو یا بدن پر یا جگہ پر بہرصورت وہ قابل معافی ہوگا۔اور وہ نجاست جس سے بچنا مشکل ہو وہ نماز اور مسجد میں داخل ہونے کے لئے قابل معافی ہے کھانے پینے کی چیزوں وغیرہ کے حق میں قابل معافی نہیں ایسی نجاست اگر کھانے کی یا پینے کی چیز میں گر جائے تو اس کو ناپاک کردے گی اس کا کھانا یا پینا جائز نہیں ہوگا۔وہ نجاستیں جن کی معافی ان سے بچنے کے دشوار اور قابل مشقت ہونے کی وجہ سے ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

سلس الحدث......وہ نجاست جو بلا اختیار جسم سے نکل آتی ہو جیسے پیشاب مذی، منی اور پاخانہ جو خود بخود نکل آئے قابل معافی ہوگا اگر یہ روزانہ ہونے لگے خواہ ایک مرتبہ کیوں نہ ہو (یعنی اگر روزانہ ایسا ہونے لگے خواہ ایک مرتبہ روزانہ ایسا ہو تو یہ نجاست قابل معافی ہوگی) اسی طرح بواسیر کے زخم کی نمی اگر بدن یا کپڑے سے روزانہ لگنے لگے خواہ ایک بار ہی تو وہ قابل معافی ہے ہاں اگر یہ نمی ہاتھ یا کپڑے کے ٹکڑے پر لگ جائے تو وہ قابل معافی نہیں اس کا دھونا ضروری ہوگا ہاں اگر بواسیر کے زخم کو بار بار اوپر چڑھانا پڑے تو ہاتھ وغیرہ پر لگنے والی نمی معاف ہوگی یعنی اگر دو سے زائد مرتبہ روزانہ بواسیر کو اوپر چڑھانا پڑے تو وہ لگنے والی نمی قابل معافی ہے بصورت دیگر ہاتھ کو دھونا ضروری ہوگا کیونکہ بدن اور پہنے ہوئے کپڑوں کے مقابلے میں ہاتھ کا دھونا باعث مشقت نہیں ہوتا۔دودھ پلانے والی وہ عورت جو نجاست سے بچنے کا اہتمام کرتی ہو اس کو لگنے والا پیشاب یا پاخانہ معاف ہے خواہ وہ بچہ اس کا اپنا نہ بھی ہو بخلاف بے احتیاطی کرنے والی عورت کے کہ اس کی یہ چیز یں قابل معافی نہیں۔اسی طرح قصائی جانوروں کے باڑے کی دیکھ بھال کرنے والا اور وہ معالج جو زخموں کا علاج کرتا ہو ان سب کا بھی یہی حکم ہے کہ احتیاط کرنے کے باوجود لگ جانے والی نجاست قابل معافی ہے تاہم ایسے لوگوں کے لئے نماز کے لئے علیحدہ لباس مختص کردینا بہتر ہے۔وہ شخص جو جانوروں کی دیکھ بھال اور نگرانی پر مامور ہو اس کے کپڑوں بدن یا جگہ نماز سے لگ جانے والے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کے پیشاب اور لید وغیرہ قابل معافی ہیں کیونکہ اس شخص کے لئے ان غلاظتوں سے بچنا دشوار ہے مکھی اور ناموس (چیونٹی کی شکل کا ایک مٹیالا سا حشرات الارض) جو نجاست پر سے گذر کر آئیں ان کے منہ اور پاؤں کے نشانات جو ان کے اڑنے اور بدن اور کپڑوں پر یہ نجاست گرانے کے سبب پڑتے ہیں قابل معافی ہیں کیونکہ ایسی چیزوں سے بچنا ممکن نہیں ہوتا ہے۔

گدائی کا نشان جس کا ازالہ دشوار ہو قابل معافی ہے ❷ پچھنے لگائے جانے کی جگہ پر موجود نشان کا کپڑے کے ٹکڑے وغیرہ سے پونچھا جانا کافی ہے یہاں تک کہ وہ زخم ٹھیک ہو جائے تو اس کو دھونا ضروری ہوگا کیونکہ اس کے ٹھیک ہونے سے پہلے اس کا دھونا مشقت کا باعث ہے، اس زخم کے ٹھیک ہو جانے پر وجوبا یا استحبابی طور پر دھویا جائے گا دونوں روایت موجود ہیں بہنے والی پیپ کے پھوڑے کے نشانات (یعنی پیپ

❶...... القوانین الفقهیه ص ۳۳، الشرح الکبیر ج ۱ ص ۵۶، ۵۸، ۷۱۔۸۱، و ص ۱۱۲ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۷۱، ۷۹۔

❷فتح العلی المالک للشیخ علیش ج ۱ ص ۱۱۲۔

وغیرہ) معاف ہے اگر وہ زیادہ ہوں خواہ خود وہ بہہ جائیں یا دبانے سے پیپ نکلے کیونکہ ان کی کثرت اضطرار کا سبب بننے کا اندیشہ رکھتی ہے جیسے کھجلی اور خارش۔ اور اگر ایک دانہ ہو تو وہ مواد جو خود بہہ کر نکلے یا ضرورت کے پیش نظر دبائے جانے سے نکلے تو وہ معاف ہے اور اگر بلا ضرورت دبانے سے مواد نکلا تو وہ بقدر ایک درہم کے معاف ہوگا اس سے زائد نہیں۔ پسو کا خون اگر ایک درہم سے کم ہو اس سے زیادہ معاف نہیں ہے اسی طرح پسو وغیرہ کا فضلہ معاف ہے خواہ وہ کتنا ہی کیوں نہ ہو مردہ کھٹمل اگر قلیل تعداد میں ہوں یعنی تین یا کم تو وہ معاف ہیں۔ منہ سے بہنے والی رال اگر معدے سے آتی ہو اس طرح کہ وہ پیلی اور بدبودار ہو تو اگر مستقل طور پر ہو تو معاف ہے اور اگر مستقل طور پر نہ ہو تو وہ نجس شمار ہوگی۔ بارش کا کیچڑ اور اس کا نجاست ملا پانی بھی معاف ہے اگر وہ کپڑوں یا پاؤں پر لگ جائے جب تک وہ راستے میں گیلا ہو خواہ بارش کے رکنے کے بعد ہو۔ بشرطیکہ نجاست کیچڑ پر غالب نہ ہو بایں معنی کہ وہ یقینی یا ظن غالب کی بنیاد پر غالب ہو۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ انسان کو کسی چیز میں ملے بغیر عین نجاست نہ لگ جائے (یعنی نجاست بغیر کسی چیز میں ملے ہوئے ٹھوس شکل میں موجود ہو اور وہ لگ جائے تو وہ بھی معاف نہیں ہے) اور یہ بھی شرط ہے کہ یہ کیچڑ لگنے میں اس کے اپنے فعل کا دخل نہ ہو اگر ان تینوں صورتوں میں سے کوئی بھی پائی گئی تو وہ نجاست (یا کیچڑ) قابل معافی نہیں ہوگی اور دھونا واجب ہوگا اس طرح راستے خشک ہو جانے کے بعد یہ سہولت بھی ختم ہو جائے گی کیونکہ مشقت کا سبب ختم ہو چکا ہے۔

پتھر یا کاغذ سے استنجاء کیے جانے کی صورت میں مرد کے لئے اس کا بچنے والا نشان قابل معافی ہے اگر وہ عام صورت سے زائد نہ ہو ہاں اگر بہت زیادہ پھیلا ہوا ہو (یعنی نجاست عام طور پر جتنی پھیلتی ہے اس سے زائد پھیلی ہوئی ہو) تو اس صورت میں اس کو پانی سے دھونا ضروری ہوگا، عام طور پر پھیلا ہوا ہونے کی صورت میں قابل معافی ہے عورت کے پیشاب کرنے کی صورت میں پانی سے استنجاء کرنا ضروری ہے جیسا کہ اس پر مفصل گفتگو استنجاء کی بحث میں آئے گی۔

۳۔ شوافع کا مذہب ❶..... شوافع کے ہاں نجاسات میں سے صرف مندرجہ ذیل چیزیں قابل معافی ہیں۔

وہ نجاست جس کو عام معتدل انسانی آنکھ محسوس نہ کر سکے جیسے معمولی سا خون اور پیشاب کی بہت معمولی چھینٹ پھوڑوں پھنسیوں، دانوں، زخموں کا معمولی خون، معمولی سی پیپ (پکی پیپ اور کچی پیپ) پسو، کھٹمل مچھر اور کھٹمل اور اس طرح کے وہ حشرات جن میں خون نہیں ہوتا ہے ❷ اور پچھنے لگائے جانے اور فصد کھلوانے کی جگہ مکھی کے پاخانے کا نشان چمگادڑ کا پیشاب اور سلس البول (مسلسل پیشاب کے قطرے کا مریض) استحاضہ کا خون، زخموں اور آبلوں کا پانی خواہ اس آبلے میں ہوا ہو یا صحیح قول کے مطابق ہوا نہ ہو (یعنی وہ بالکل بھرا ہوا نہ ہو) ان چیزوں کا قابل معافی ہونا اس وجہ سے ہے کہ ان سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن اگر دانہ پھوڑا یا پھوڑا اس کو پھوڑ کے نچوڑا یا اچھالا یا جس میں یہ قابل معافی مقدار نجاست ہو تو قلیل مقدار میں ہونے کی صورت میں قابل معافی ہے کثیر ہونے کی صورت میں نہیں کیونکہ اس مقدار میں نجاست سے بچنا ممکن نہیں ہوتا ہے، تاہم پسو وغیرہ کی کھال (اس میں موجود مواد نکل جانے کے بعد اس کے پر اناگ وغیرہ پر مشتمل اس کا ڈھانچہ) قابل معافی نہیں ہوگی۔ اسی طرح ظاہر قول کے مطابق دوسرے اجنبی کا خون کی قلیل مقدار لگ جانے کی صورت میں قابل معافی ہے کتے اور سور کے علاوہ اجنبی کا۔ اجنبی خون میں وہ بھی شامل ہے جو انسان کے جسم سے نکل کر دوبارہ اس کے جسم سے لگ گیا ہو اس کی قلیل مقدار کے قابل معافی ہونے کا سبب مسامحت ہے کتے کا خون اور اس جیسے دیگر خون قابل معافی نہیں کیونکہ ان کا حکم سخت ہے۔ قلیل اور کثیر کی تحدید عرف کے ذریعے ہوتی ہے قصائی کے کپڑوں سے لگ جانے والا خون اور گوشت پر لگا ہوا خون قابل معافی ہے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ اس قسم کے

---

❶ المجموع ج ۱ ص ۲۲۲، ۲۹۲ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۸۱، ۱۹۱، ۱۹۴ شرح الباجوری ج ۱ ص ۱۰۴ حاشیة الشرقاوی علی تحفة الطلاب ج ۱ ص ۱۳۳ شرح الحضرمیة لابن حجر ص ۴۰ وما بعدھا۔ ❷ یعنی چیونٹی، مچھر، مکھی وغیرہ جن میں بہنے والا خون نہیں۔

تمام خون اس وقت قابل معافی ہیں جب تک وہ کسی دوسری چیز سے مل نہ گئے ہوں اگر وہ کسی دوسری چیز سے مل جائیں خواہ وہ دوسری چیز خود اس شخص کے بدن کی کسی دوسری جگہ کا خون کیوں نہ ہو تو وہ قابل معافی نہیں ہوں گے۔ استنجاء کے لئے استعمال شدہ پتھروں کے اثرات نشانات جو صفائی کے دوران پڑیں اس شخص کے حق میں قابل معافی ہیں دوسرے کے حق میں نہیں حتی کہ اگر وہ جگہ پسینہ آلود ہونے کی وجہ سے نشان گیلا پڑ جائے اور پھیل جائے اور استنجاء کی جگہ سے باہر نہ نکلے تو بھی معاف ہے۔ ❶

راستے پر پڑی وہ مٹی اور کیچڑ جس کی نجاست یقینی ہو اور اس سے بچنا ممکن نہ ہو تو وہ معاف ہے سردیوں کے زمانے میں گرمیوں کے زمانے میں معاف نہیں، شرط یہ ہے کہ یہ نجاست کپڑوں کے نچلے حصے اور ٹانگوں پر لگی ہوئی ہو آستین اور ہاتھ پر لگی ہوئی نہ ہو۔ شرط یہ ہے کہ نجاست کا جسم اس پر لگا ہو انظر نہ آتا ہو اور انسان اپنے لباس کو گندگی سے بچانے کی کوشش کرے اس طرح کہ وہ اپنا دامن ڈھیلا نہ چھوڑ دے اور اس کو نجاست چلنے پھرنے یا سواری کے دوران لگے نہ کہ زمین پر گر جانے کے سبب کہ ایسی صورت میں وہ قابل معافی نہیں ہوگی۔ تو وہ قلیل مقدار جو قابل معافی ہوتی ہے اس کا ضابطہ یہ قرار پایا کہ جو چیز کرنے والے کی غفلت اس کے کسی چیز پر گر جانے یا منہ کے بل گر پڑنے کے سبب وقوع پذیر نہ ہوئی ہو وہ قابل معافی ہوگی اور اگر کسی چیز کو ان مندرجہ بالا اسباب کی طرف منسوب کیا جائے تو اس صورت میں وہ قابل معافی نہیں ہوگی۔ اور اگر کیچڑ کا ناپاک ہونا یقینی نہ ہو صرف اس کے نجاست کے ساتھ خلط ملط ہونے کا شبہ ہو جیسا کہ آج کل عام طور پر سڑکوں کی صورت حال ہے تو وہ اور اس کے ہم مثل شراب فروشوں بچوں، قصائیوں اور ان کفار کے کپڑے جو نجاست کے استعمال کے اپنے دین میں قائل ہوں (یعنی جو چیز ہمارے ہاں نجس ہے وہ ان کے دین کے مطابق پاک ہو یا استعمال کی اجازت ہو) ان لوگوں کے کپڑے وغیرہ صحیح قول کے مطابق پاک قرار پائیں گے اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے۔ اور اگر کیچڑ کی نجاست کا گمان نہ ہو تو وہ قطعاً پاک شمار ہوگی جیسے اس پرنالے کا پانی جس کی نجاست کا محض گمان ہو پاک شمار ہوتا ہے اسی طرح پھل سرکے اور پنیر کے کیڑے جو ان اشیاء میں ہی پیدا ہوئے ہوں اور ان میں مر چکے ہوں وہ معاف ہیں بشرطیکہ ایسا نہ ہوا ہو کہ انہیں باہر نکالا گیا ہو پھر ان کے مر جانے کے بعد انہیں اندر ڈال دیا گیا ہو اور نہ ایسا ہو کہ یہ کیڑے ان اشیاء کے اندر تغیر پیدا کر دیں۔ اسی طرح پنیر بنانے کے لئے استعمال کیا جانے والا انفحہ ادویات اور خوشبویات میں استعمال کیا جانے والا الکحل نجاست کا دھواں ناپاک پانی کے وہ بخارات جو آگ پر گرم کئے جانے کے سبب پیدا ہوئے ہوں قلیل مقدار میں ہونے کی صورت میں اور وہ روٹی جو گرم کی جائے یا دبائی جائے ناپاک راکھ میں خواہ اس کے ساتھ وہ راکھ بھی تھوڑی سی لگ جائے اس طرح وہ گیلے کپڑے جو ناپاک راکھ سے بنی ہوئی دیوار پر پھیلائے جائیں یہ سب قابل معافی ہیں ان پر لگ جانے والی معمولی نجاست قابل معافی ہوتی ہے اسی طرح وہ مردہ حشرات الارض جن میں خون نہیں ہوتا جیسے مکھی، شہد کی مکھی اور چیونٹی اگر یہ خود بخود سیال چیز میں جا گریں اور وہ سیال چیز متغیر نہ ہو تو یہ قابل معافی ہیں۔ پرندوں کی بیٹیں جو فرش اور زمین پر گری ہوئی ہوں معاف ہیں اگر ان سے بچنا ممکن نہیں ہو اور نہ ان پر چلنے والا ان پر جان بوجھ کر چلے اور دونوں جانب (بیٹ اور اس پر پڑنے والی چیز) میں کوئی جانب گیلی نہ ہو۔ صرف ضرورت کے وقت یہ شرائط بھی لازم نہ رہے گی۔ جیسے مثلاً گزرنے کا ایک ہی راستہ متعین ہو۔ ناپاک بالوں کی معمولی مقدار معاف ہے جیسے ایک یا دو بال اگر کتے، سور یا ان دونوں

---

❶.... مراد ہے وہ خون جو انسان کے اپنے جسم سے نکل کر دوبارہ اس کے جسم سے لگ گیا ہو اگر وہ کسی دوسرے شخص کا خون ہو اور یہ شخص اس کو لے کر اپنے کپڑوں یا بدن پر لگا لے تو یہ صورت قابل معافی نہیں ہے، کیونکہ اس شخص کی تعدی پائی جا رہی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ نجاست میں لت پت ہونا حرام ہے (از مصنف)

نوٹ: از مترجم: مصنف نے حاشیے میں یہ بات ذکر کی ہے تاہم یہ بات ناقابل فہم ہے کیونکہ مصنف کی عبارت سے یہ خود سمجھ آ رہا ہے کہ اجنبی خون سے کسی کا بھی (اس شخص کے علاوہ) اس شخص کے علاوہ خون مراد ہے جب ہی اس کی تصریح کی کہ وہ خون کتے اور سور کے علاوہ کسی کا بھی ہو مزید آگے جو وضاحت کی کہ اجنبی خون میں وہ خون بھی ہے جو خود اس کا ہو اور اس سے الگ ہو کر پھر اسے لگ گیا ہو اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اجنبی خون سے خود اس کا نہیں دوسرے کا خون مراد ہے۔ واللہ اعلم۔ از مترجم۔

کے ملاپ سے پیدا شدہ جانور کے نہ ہوں کہ اس صورت میں قلیل بال بھی قابل معافی نہیں۔ سواری کے جانور کے زیادہ بال بھی معاف ہیں کیونکہ ان سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ قابل معافی چیزوں میں گودوانے سے پڑنے والا نشان بھی ہے❶ اور مچھلی کا گو بھی اگر وہ پانی کو متغیر نہ کردے اور وہ خون بھی جو گوشت یا ہڈی پر لگا ہوا ہو اور سونے والے کی وہ رال جو معدے سے نکل کر آتی ہو صرف اس کے حق میں اسی طرح جگالی کرنے والے جانور کے ہنکانے والے اس کے سائس اور اس طرح کے لوگوں کو لگ جانے والی جگالی کا مواد جو وہ جانور جگالی کے لئے اپنے منہ میں نکالے ہوئے ہوں جیسے اونٹ وغیرہ اسی طرح ان جانوروں کی لید اور گوبر اور پیشاب جو اناج کو کھلیان میں کچلتے ہوں یہ سب قابل معافی ہے۔ اس طرح چوہے کی مینگنی جو بیت الخلا کی پانی کی ذخیرہ گاہوں میں قلیل مقدار میں گر جائے اور پانی کے اوصاف کو تبدیل نہ کردے اور دودھ دوہے جانے والے جانور کے تھنوں کی نجاست اور اس کی مینگنیاں اگر دودھ دوہنے کے دوران دودھ میں گر جائیں تو وہ قابل معافی ہیں اسی طرح جانوروں کے اون، گوبر وغیرہ کے جو مٹی میں ملائے جا چکے ہوں شہد کے چھتے پر پڑنے والے نشانات اور اثرات اور بچے کے منہ کی نجاست کا اثر ونشان اس کو دودھ پلاتے اور چومتے وقت پڑ جائے قابل معافی ہے۔ ان تمام چیزوں سے لگنے والی معمولی نجاست معاف ہے۔

۴۔ **حنابلہ کا مذہب❷**...... حنابلہ فرماتے ہیں کہ قلیل مقدار میں نجاست قابل معافی نہیں ہے خواہ اس کو انسانی آنکھ نہ دیکھ سکتی ہو جیسے وہ نجاست جو مکھی وغیرہ کے پیروں میں لگ کر آ جاتی ہے دلیل اس آیت کا عوم ہے ثیابك فطهر (اور اپنے کپڑوں کو آپ پاک رکھئے المدثر آیت نمبر ۴) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول امرنا ان نغسل الانجاس سبعاً (ہمیں نجاستوں کو سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے) اور اس جیسے دیگر دلائل اس کے مؤید ہیں۔ تاہم غیر سیال چیز اور کھانے پینے کے علاوہ چیزوں میں قلیل مقدار میں خون، پیپ دانوں کا مواد اور زخم کا پانی معاف ہیں کیونکہ ان سے بچنا بہت دشوار ہے۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب یہ پاک حیوان کی ہوں اور اس کی زندگی میں ہو انسان کی ہو یا حلال گوشت جانور کی ہو جیسے اونٹ اور گائے یا مکروہ گوشت والے جانور کی ہو جیسے بلی وغیرہ۔ شرط یہ ہے کہ وہ پیشاب پاخانے کے راستے سے نہ نکلی ہوئی ہو۔ اور اگر یہ نجاستیں سیال چیز یا کھانے کی چیز میں گر جائیں یا نجس حیوان کی ہوں جیسے کتا اور سور، گدھا اور خچر، یا پیشاب پاخانے کے راستے سے نکلی ہوئی ہوں حتیٰ کہ حیض ونفاس اور استحاضہ کا خون بھی تو وہ قابل معافی نہیں ہوں گی استنجاء کا

---

❶...... گودنے کے لئے استعمال ہونے والے لفظ وشم کے معنی بیان کرتے ہوئے مصنف فرماتے ہیں کہ کال کو سوئی سے اس طرح گودنا کہ خون نکل آئے پھر اس میں نیلا رنگ وغیرہ بھر دینا کہ وہ تل کی طرح نظر آئے یا یہ کہ گودنے سے خون جم کر خود بخود تل سا بن جائے اس کو وشم کہتے ہیں یہ بخاری ومسلم کی روایت کردہ حدیث کی رو سے حرام ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة والواشرة والمستوشرة والنامصة والمتنصمة اس طرح کے تل کا ختم کرنا اس صورت میں واجب ہے کہ اس کے دور کرنے کے نتیجے میں ایسا ضرر نہ لاحق ہوتا ہو جو تیمم کو مباح کردے اگر ایسے ضرر کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کا ازالہ ضروری نہیں ہوگا اور توبہ کر لینے کے بعد اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اور یہ جب ہے کہ اس نے یہ کام اپنی رضا مندی سے بلوغت کے بعد کیا ہو اگر نہ اس پر اس کا دور کرنا لازم نہیں ہوگا مغنی المحتاج ج ا ص ۱۹۱ احناف فرماتے ہیں کہ گودی ہوئی جگہ محض دھو دینے سے پاک ہو جائے گی کیونکہ اس نشان کا دور کرنا مشقت کا باعث ہے۔ ردالمختار ج ا ص ۳۰۵۔ ❷ مقام کے اعتبار سے نجاست غلیظہ تین موقعوں پر قابل معافی قرار پائی ہے۔

۱...... استنجاء کی جگہ پتھروں کے ذریعے (یا پانی کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعے) کیا جانے والا استنجا اگر اچھی طرح اس میں صفائی کی جائے اور مطلوبہ تعداد پوری ہو تو اس کا بقیہ اثر ونشان معاف ہے اس میں کسی کا ہمارے علم کے مطابق اختلاف نہیں۔

۲...... جوتے اور چپل کا تلا اگر اس پر نجاست لگ جائے تو اس کو زمین پر اتنا رگڑنے سے کہ نجاست کا جسم بالکل ختم ہو جائے وہ پاک ہوگا یا نہیں اس بارے میں تین روایات ہیں ایک یہ ہے کہ یہ رگڑنا کافی ہوگا اور اس میں نماز درست ہوگی اور ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ روایت ہی راجح ہے جیسا کہ ابن قدامہ نے تصریح کی ہے۔

نشان جو اچھی طرح صاف کرنے اور مطلوبہ تعداد پوری کرنے کے بعد رہ جائے وہ قابل معافی ہے❶ اسی طرح رستے کا وہ کیچڑ جس کی نجاست یقینی ہو اس کی قلیل مقدار بھی معاف ہے کیونکہ اس سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ پیشاب کے قطرے مسلسل آنے والے کے لئے بہت اہتمام کے باوجود لگ جانے والے چند قطرے معاف ہیں کیونکہ مشقت اس میں بہت ہوتی ہے۔ نجاست کے معمولی سے دھوئیں غبار اور بخارات بھی معاف ہیں اگر پاک چیز میں ان کا وصف نہ ظاہر ہو جائے کیونکہ ان سے احتراز مشکل ہوتا ہے۔ وہ قلیل مقدار میں نجس پانی جو ایسے پانی کے سبب نجس ہوا ہو جو خود قلیل مقدار کی وجہ سے معاف تھا وہ بھی قابل معافی ہے۔ اسی طرح چکنی سطح والی چیز پر لگ جانے والا زیادہ خون اور اس طرح کی ناپاک چیزیں جیسے قے پیپ وغیرہ ان کو پونچھے جانے کے بعد رہ جانے والا اثر معاف ہے کیونکہ وہ بہت معمولی اثر ہوتا ہے جو پونچھے جانے کے بعد باقی رہ جاتا ہے ان حضرات نے ان چیزوں کو پاک اشیاء میں شمار کیا ہے، حلال گوشت والے جانور کی رگوں میں رہ جانے والا خون، کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے مچھلی کا خون، شہید کا اس پر موجود خون خواہ وہ زیادہ مقدار میں ہی کیوں نہ ہو کھٹمل چیچڑی پسو اور مکھی اور اس طرح کے دیگر حشرات الارض جن میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا ہے کا خون بھی پاک ہے حلال جانور کی کلیجی اور تلی بھی پاک ہے دلیل وہی مشہور حدیث ہے احل لنا میتتان ودمان ریشم کا کیڑا اور اس کا خول مشک اور اس کا نافہ یعنی ہرن کی ناف اور عنبر یہ سب پاک ہیں عنبر کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بروایت بخاری فرمایا العنبر شیء دسرہ البحر (عنبر ایسی چیز ہے جس کو سمندر نے نکال پھینکا ہے۔ سوتے وقت منہ سے نکلنے والی رال بھی پاک ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ ڈکار بھی پاک ہے کیونکہ اس میں اپنے مقام کا کوئی وصف ظاہر نہیں ہوتا ہے اور اس سے بچنا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ بلغم خواہ نیلا ہو سر سے ہو سینے سے ہو یا معدے سے پاک ہے۔ دلیل اس کی حدیث ابوہریرہ ہے جو مسلم نے روایت کی ہے کہ:

فاذا تنخع احدکم فلینخع عن یسارہ او تحت قدمہ فان لم یجد فلیقل ھکذا فتفل فی ثوبہ ثم مسح بعض بعض

جب تم میں سے کوئی کھنکارے تو اپنی بائیں طرف کھنکار دے یا اپنے پاؤں تلے کھنکار کر تھوک دے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو یوں کرے کہ اپنے کپڑے کے کونے اس کو تھوک دے اور اسے مسل دے۔

تو اگر بلغم نجس ہوتا تو اس کو دوران نماز کپڑے میں پونچھنے کا حکم کبھی نہ دیتے مچھلی اور اس طرح کے دیگر کھائے جانے والے جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔

۳۔ المبحث الثالث..... تیسری بحث

نجاست حقیقیہ کو پانی سے دھونے کے طریقے کا بیان..... جن جگہوں سے نجاست حقیقیہ کو دور کیا جاتا ہے وہ تین ہیں۔

(۱) بدن (۲) کپڑے (۳) نماز کی جگہیں۔ ہم پاک کرنے والی اشیاء کی بحث میں پڑھ چکے ہیں کہ طہور پانی نجاست کے دور کرنے کا اصل ذریعہ ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء کو حیض والے کپڑے صاف کرنے کا طریقہ بتاتے ہوئے کہا تھا تحتہ، ثم تقرصہ بالماء❷ (اس کو کھرچ دے پھر اس کو پانی سے اچھی طرح دھولے) اور ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ احناف کے ہاں نجاست حقیقیہ حکمیہ نہیں کے ازالے کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ اس کو پانی کے علاوہ دیگر مائعات سے پاک کیا جا سکتا ہے جیسے گلاب کا عرق سرکہ، پھلوں کا عرق اور نباتات کا عرق اور یہ کہ پاکی کا یہ عمل دیگر بہت سی پاک کرنے والی چیزوں کے ذریعے ممکن ہے جو کہ احناف کے ہاں تعداد میں اکیس (۲۱) ہیں جن میں سے بعض کے بارے میں دوسرے حضرات احناف سے متفق ہیں اور بعض کے بارے میں مخالف ہیں۔

---

❶ المغنی ج ۱ ص ۳۰ ج ۲ ص ۹۔۸۳ کشف القناع عن متن الاقناع ج ۱ ص ۲۱۹، ۲۲۱ ❷ کسی کی ٹوٹی ہوئی ہڈی دوسری ناپاک ہڈی سے باندھا جائے اس کو توڑنے سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہونے کی صورت میں اس ناپاک ہڈی کا تیمم کرنا ضروری نہیں نماز اس حالت میں درست ہوگی مغنی ج ۲ ص ۸۳۔

پانی سے صاف کرنے کا طریقہ اور اس کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔[1]

ا۔**تعداد**...... احناف نے نجاست غیر مرئیہ (نظر نہ آنے والی نجاست) جسے نجاست غیر عینیہ بھی کہتے ہیں کے لئے تین مرتبہ دھونا شرط قرار دیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر نجاست غیر مرئیہ ہو جیسے پیشاب اور کتے کا تھوک تو اس کے دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ اتنا دھویا جائے کہ دھونے والے کا غالب گمان یہ ہو جائے کہ وہ چیز پاک ہو چکی ہے۔اور وہ تین مرتبہ سے کم دھونے سے پاک نہیں ہوگا تین مرتبہ کی تعداد متعین کرنے کا اگر چہ وہ نجاست کتے ہی کی ہو، سبب یہ ہے کہ غالب گمان اسی وقت حاصل ہوتا ہے، لہٰذا سبب ظاہر کو اصل (حصول طہارت) کے قائم مقام آسانی کی خاطر بنا دیا گیا۔ان حضرات کی دلیل دو حدیثیں ہیں:

ا...... **يغسل الاناء من ولوغ الكلب ثلثاً**[2]

برتن کو کتے کے منہ ڈالنے کی وجہ سے تین مرتبہ دھویا جائے گا۔

۲...... **اذااستيقظ احد كم من نومه فليغسل يده ثلاثا قبل ان يدخلها فى انائه**[3]

جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنے ہاتھ برتن میں ڈالنے سے قبل تین مرتبہ دھولے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ دھونے کا حکم دیا اگر چہ وہاں نہ نظر آنے والی چیز تھی کتے کے منہ ڈالنے پر سات مرتبہ دھونے کا حکم ابتداء اسلام میں تھا تا کہ لوگوں کی کتوں کو مانوس و مالوف کرنے کی عادت ختم ہو جیسے کہ شراب کے حرام کئے جانے کے وقت مٹکوں کے توڑنے کا اور شراب کے برتنوں میں پانی نہ پینے کا حکم دیا گیا تھا۔

اور نجاست اگر مرئی ہو جیسے خون اور اس طرح کی چیزیں تو اس کی پاکی کا طریقہ یہ ہے کہ ان نجاستوں کے جسم کو دور کر دیا جائے خواہ ایک مرتبہ دھونے سے یہ زائل ہوں۔ہاں اگر اس کا کوئی اثر ونشان ایسا رہ جائے کہ جس کا دور کرنا مشکل ہو جیسے رنگ یا بو تو اس کے رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا اور راجح قول کے مطابق نجاست کو اس وقت تک دھویا جائے گا کہ پانی صاف نکلنے لگے دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حائضہ عورت کو خون کا نشان نہ نکلنے کی صورت میں یہ فرمانا ہے **يكفيك الماء ولايضرك اثره**[4] (تمہارے لئے پانی کافی ہے اس کا نشان نقصان دہ نہیں ہے۔مشقت کا تحقق اس وقت بھی شمار ہوگا جب اس کے اثر کو دور کرنے کے لئے سادہ پانی کے بجائے صابن کے پانی یا گرم پانی کی حاجت پڑے (یعنی سادہ پانی سے نجاست کا اثر دور نہ ہو سکتا ہو اور اس کو دور کرنے کے لئے سادہ پانی کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت پڑے تو یہ مشقت شمار ہوگی یعنی صابن یا گرم پانی استعمال کرنے کی ضرورت نہیں صرف سادہ پانی سے جتنا ازالہ ہو سکے وہ کر لینا کافی

---

[1] ملاحظہ کیجئے احناف کے لئے البدائع ج ا ص ۸۷۔۸۹ الدر المختار ج ا ص ۳۰۳۔۳۱۰، فتح القدير ج ا ص ۱۴۵ اللباب ج ا ص ۵۷ مراقی الفلاح ص ۲۶ مالکیہ کے لئے بداية المجتهد ج ا ص ۸۳ الشرح الصغير ج ا ص ۸۱۔۸۲ القوانين الفقهية ص ۳۵ شوافع کیے لئے المجموع ج ا ص ۱۸۸ مغنی المحتاج ج ا ص ۸۳۔۸۵ المهذب ج ا ص ۴۸ حنابلہ کے لئے المغنی ج ا ص ۵۲۔۵۸ كشف القناع عن متن الاقناع ج ا ص ۲۰۸، ۲۱۳۔ [2] یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دو طریقوں سے منقول ہے ایک دارقطنی کی روایت سے اس کی سند میں ایک متروک شخص ہے دارقطنی کی دوسری روایت کی سند صحیح ہے دوسرے طریقے سے یہ جو منقول ہے وہ ہے ابن عدی کا ان کی کتاب الکامل میں اور ابن جوزی کی اس واسطے سے نقل شدہ حدیث صحیح نہیں ہے نصب الرایہ ج ا ص ۱۳۰ اور بعد کے صفحات۔ [3] یہ حدیث امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے اپنی اپنی مسانید میں اور صحاح ستہ کے حضرات نے اپنی کتب میں حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی ہے، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ [4] امام احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ اور بیہقیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ خولہ بنت یسار نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس ایک ہی کپڑا ہے اور میں اسی میں حیض کے دن گذارتی ہوں (اس پر حیض لگ جاتا ہے) آپ نے فرمایا جب تم پاک ہو جاؤ تو کپڑے پر موجود نشان دھو ڈالو اور اس کپڑے میں نماز پڑھ لو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر اس کا نشان نہ جائے؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے لئے پانی سے دھو لینا کافی ہے اس کے رہ جانے والے نشان کا کوئی حرج نہیں اس کی سند ضعیف ہے نیل الاوطار ج ا ص ۴۰۔

ہے) اس بنیاد پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ وہ کپڑا جسے ناپاک رنگ سے رنگا گیا ہو وہ اگر دھویا جائے اور پانی صاف نکلنے لگے تو وہ کپڑا پاک شمار ہوگا خواہ رنگ نہ بھی نکلے۔

ناپاک تیل اور چکنائی کا نشان جو اس کے جسم کے دھو دینے سے زائل ہو جانے کے بعد برقرار رہے وہ مضر نہیں۔ گھی تیل جو ناپاک ہوں ان میں تین مرتبہ پانی ڈال کر نکال لینے سے وہ پاک ہو جائیں گے دودھ، شہد، شیرہ، اور چربی آگ پر تین مرتبہ جوش دینے سے پاک ہو جائیں گے لہٰذا پانی ان پر ڈال کر انہیں جوش دیا جائے گا یہاں تک کہ چکنائی اوپر آ جائے پھر اسے کسی چیز سے نکال لیا جائے گا پھر اس کے ساتھ یہ عمل دوبار مزید کیا جائے گا تو وہ پاک ہو جائے گی۔ شراب کے اندر پکایا گیا گوشت جوش دینے اور ٹھنڈا کر دینے کے عمل کو تین مرتبہ کرنے سے پاک ہو جائے گا۔ اور اسی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ وہ مرغی جسے اس کی آلائشیں نکالنے سے قبل پانی میں جوش دیدیا جائے تو وہ تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گی اور صحیح قول کے مطابق اس کا باہر اور اندر کا حصہ پاک ہو جائے گا اور اگر مرغی کو محض اس قدر دیر رکھا جائے کہ اگر پانی اس کے مسام میں پہنچ کر انہیں کھول دے تاکہ اس کے بال اتارنا آسان ہو جائیں تو مرغی صرف تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گی۔

شراب میں پکائی گئی گندم کبھی پاک نہیں ہو سکتی یہ مفتی بہ قول کے مطابق اور اگر وہ پیشاب میں پڑی پڑی پھول گئی تو اس کو پانی میں بھگونے کے بعد پانی نتھار کر خشک کر لیا جائے گا یہ عمل تین مرتبہ دہرائے جانے سے وہ گندم پاک ہو جائے گی اور اگر آٹے کو شراب میں گوندھ لیا گیا ہو تو اس میں سرکہ ڈالا جائے گا یہاں تک کہ شراب کا اثر چلا جائے اس طرح وہ پاک ہو جائیگی۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ نجاست کو پاک کرنے کے لئے صرف پانی کا بہا دینا کافی نہیں ہے، عین نجاست اور اس کے اثر (نشان) کا زائل ہونا ضروری ہے اس طرح کہ پانی صاف پاک ہو کر نکلنا شروع کر دے اور نجاست کا ذائقہ تو قطعاً زائل ہو جائے اس کا رنگ اور بو اگر با آسانی زائل ہو سکتے ہوں تو ان کا زائل ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر ان کا چھڑانا مشکل ہو تو ایسے رنگ و بو کا باقی رہنا مضر نہیں ہوگا جیسے ناپاک زعفران یا ناپاک نیل (ایک قسم کی گھاس جس سے نیلا رنگ رنگا جاتا ہے) وغیرہ سے رنگا ہوا کپڑا وغیرہ کہ یہ دھونے سے پاک ہو جائے گا دھونے کے لئے اصلاً کوئی عدد متعین نہیں ہے، کیونکہ نجاست کے ازالے سے مقصود اس کے عین کا ازالہ کرنا ہے، اور کتے کے منہ مار دینے کی صورت میں سات مرتبہ دھونا شرط ہونا عبادت کے طور پر ہے نجاست کے ازالے کے لئے نہیں۔

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ سور، کتے، یا ان دونوں کے ملاپ سے پیدا شدہ جانور یا ان دونوں میں سے ایک کے دوسرے پاک حیوان سے ملاپ کے نتیجے میں پیدا شدہ جانور کی کسی بھی چیز، مثلاً تھوک، پیشاب، تمام رطوبتیں، اور وہ خشک اجزاء جو کسی سیال چیز سے مل گئے ہوں، سے لگ جانے کے سبب ناپاک ہونے والی چیز کو سات مرتبہ دھویا جائے گا جن میں سے پہلی مرتبہ میں مٹی استعمال کرنی ہوگی خواہ وہ ریت کا غبار ہی کیوں نہ ہو۔ دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

يغسل الاناء اذا ولغ فيه الكلب سبع مرات اولاهن او اخراهن بالتراب[1]

اس برتن کو جس میں کتا منہ مار دے سات مرتبہ دھویا جائے گا جن میں سے پہلی مرتبہ یا آخری مرتبہ مٹی استعمال کی جائے گی۔

اور حضرت عبداللہ بن مغفل کی حدیث میں ہے:

اذا ولغ الكلب فی الاناء فاغسلوه سبع مرات وعفروه الثامنة بالتّراب

جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو سات مرتبہ دھو اور آٹھویں مرتبہ اس کو مٹی میں لتھیڑ دو۔

---

[1] صحاح ستہ کے مصنفین نے اپنی کتب میں یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ابوداؤد اور مسلم کی نقل کردہ روایت کے الفاظ ہیں طهور اناء احدكم اذا ولغ فيه الكلب ان يغسله سبع مرات اور امام مالک نے مؤطا میں اذا ولغ کی جگہ اذا شرب کے الفاظ نقل کئے ہیں امام مالک کے علاوہ سب نے اذا ولغ کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۳۳۔

سور کو کتے پر قیاس کیا جائے گا کیونکہ وہ اس سے بدترین اور بدحال ہوتا ہے کیونکہ شارع کا نص اس کی اور اس کو حاصل کرنے کی حرمت پر موجود ہے تو اس میں بھی حکم بطریقہ تنبیہ لاگو ہوگا سور کے بارے میں اس طرح دھونے کے الفاظ اس لئے نہیں آئے کہ لوگوں کے ساتھ اس قسم کی صورتحال پیش نہیں آتی تھی۔ پہلی مرتبہ دھونے میں مٹی کو لازم رکھنا اس حدیث کی وجہ سے ہے جو اس بارے میں وارد ہے اور اس وجہ سے بھی کہ اس کے بعد استعمال کئے جانے والے پانی سے وہ صاف ہو جائے گی۔ اور پوری جگہ پر مٹی کا لگا ہونا ضروری ہے اس طرح کہ مٹی پانی کے ساتھ پوری نجس جگہ سے گذر جائے۔ اور شوافع کے ہاں ظاہر ترین قول کے مطابق مٹی ہی لازم ہے اس کے علاوہ اشنان (خاص قسم کی گھاس) اور صابن کافی نہیں ہوں گے۔

حنابلہ کے ہاں اشنان، صابن اور بھوسا اور ہر وہ چیز جس میں قوت ازالہ پائی جائے مٹی کے قائم مقام ہو سکتی ہے خواہ مٹی موجود ہو اور وہ جگہ یا برتن اس سے خراب بھی نہ ہوتا ہو کیونکہ مٹی کے اوپر نص کرنے سے مقصود اس چیز کا بتانا ہے جو صفائی کے لئے زیادہ بہتر ہے اور اگر مٹی اس جگہ یا چیز کو نقصان پہنچا سکتی ہو تو وہ مٹی بھی کافی ہے جس پر مٹی کا اطلاق کیا جا سکتا ہو یعنی تھوڑی سی مٹی پانی سے دھوتے وقت ایک مرتبہ شامل کر دی جائے کیونکہ مال کو خراب کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور حدیث میں ہے:

اذا امرتکم بامر فاتوا منه ما استطعتم ❶

جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو وہ کیا کرو جس کی تم استطاعت رکھو۔

کتے اور سور کے علاوہ نجاست حنابلہ کے ہاں صاف کرنے والی سات مرتبہ دھلائی سے پاک ہوگی لیکن مٹی کی ضرورت نہیں کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ **امرنا ان نغسل الانجاس سبعا** (ہم کو نجاست سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے) اور ظاہر ہے کہ حکم تو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دے سکتے ہیں، اور چونکہ کتے کی نجاست کے بارے میں بھی اتنی مرتبہ کا حکم دیا گیا ہے تو تمام نجاستیں حکم میں اس کے ساتھ ملحق ہوں گی اور حکم صرف اس جگہ تک خاص نہیں ہوتا جس کے بارے میں نص آیا ہو دلیل اس کی یہ ہے کہ کتے کا منہ لگ جانے سے کپڑے اور بدن کا بھی یہی حکم ہے، اسی طرح استنجاء کی جگہ بھی سات مرتبہ دھوئی جائے گی اگر سات مرتبہ سے وہ جگہ نہ دھل سکے تو سات سے زیادہ مرتبہ دھویا جائے گا یہاں تک کہ وہ صاف ہو جائے۔ نجاست کا رنگ یا بو یا دونوں کا برقرار رہنا مضر نہیں اگر ان کا ازالہ مشکل ہو۔ دلیل اس کی حضرت خولہ بنت یسار والی حدیث ہے جو گذری "**یکفیك الماء ولایضرك اثرہ**" اور نجاست کے ذائقے کا برقرار رہنا مضر ہوگا کیونکہ اس میں عین نجاست کے برقرار رہنے کی دلیل ہے اور دوسری بات یہ کہ ذائقے کا ازالہ آسان ہوتا ہے۔

شوافع کے ہاں کتے اور سور کی نجاست کے علاوہ نجاستوں کا حکم یہ ہے کہ اگر نجاست مرئیہ ہو یعنی حواس خمسہ میں سے کسی ایک سے پہچانی جا سکتی ہو تو اس کے جسم رنگ بو اور مزے کو زائل کرنا ضروری ہوگا اور صابن وغیرہ کی طرح ازالہ کرنے والی چیز ضروری ہوگی اگر ازالہ اس پر موقوف ہو۔ ہاں وہ رنگ اور بو جس کا دور کرنا مشکل ہو اس کے باقی رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے جیسا کہ یہ بات بالاتفاق تمام فقہاء نے قرار دی ہے ہاں ان دونوں کا باقی رہ جانا یا صرف مزے کا باقی رہ جانا مضر ہوگا اور معین عدد دھونے کے لئے ضروری نہیں ہے۔ اور اگر نجاست غیر مرئیہ (نہ نظر آنے والی) ہو یعنی وہ نجاست جس کا وجود یقینی ہو لیکن اس کا رنگ بو اور مزہ معلوم نہ کیا جا سکتا ہو تو اس پر ایک مرتبہ پانی بہا دینا کافی ہے۔ جیسے خشک پیشاب جس کا کوئی اثر نہ باقی رہا ہو، اور بہانے کا مطلب یہ ہے کہ پانی اس جگہ تک اس طرح پہنچے کہ وہ اس پر بہتے ہوئے

❶ ..... اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے نصب الرایة ج ۱ ص ۱۳۳ امام احمد، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ مجھے چھوڑے رکھو جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں بلاشبہ تم میں سے پہلے لوگ کثرت سے سوال پوچھنے کے سبب اور اپنے انبیاء کے پاس بار بار پوچھنے کے لئے آنے کے سبب ہلاک ہوئے جب میں تمہیں حکم دوں تو وہ کیا کرو جس کی تم استطاعت رکھو اور جب میں کسی چیز سے روک دوں تو اس کو چھوڑ دو یہ حدیث صحیح ہے۔

ٹپکنے لگے (یعنی وہ کپڑا یا جگہ اس طرح گیلی ہو کہ پانی اس پر بہہ کر ٹپکنے لگے تو یہ پانی کا بہانا کہلائے گا)

۲۔ اس چیز کا نچوڑنا جس کا نچوڑا جانا ممکن ہو اور اس میں نجاست زیادہ سرایت کرتی ہو...... احناف فرماتے ہیں اگر نجاست کی جگہ ایسی ہے جس میں نجاست زیادہ مقدار میں سرایت کرتی ہے تو اگر وہ ایسی چیز ہو جس کا نچوڑا جانا ممکن ہو جیسے کپڑے تو اس کی پاکی کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو دھو کر نچوڑا جائے یہاں تک کہ نجاست کا جسم بالکل زائل ہو جائے اگر نجاست مرئیہ ہو، اور غیر مرئیہ ہونے کی صورت میں تین مرتبہ دھونے اور ہر مرتبہ نچوڑنے سے وہ پاک ہوگا۔ کیونکہ زیادہ نجاست پانی کے ذریعے صرف نچوڑے جانے پر ہی نکلتی ہو اور اس کے بغیر دھونے کا عمل مکمل نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر وہ چیز ایسی ہو کہ جس میں نجاست بالکل سرایت نہ کرتی ہو جیسے پختہ مٹی کے اور دھات کے بنے ہوئے برتن یا نجاست بالکل معمولی مقدار میں سرایت کرتی ہو جیسے بدن، چمڑے کا موزہ اور جوتا تو ایسی چیزوں کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نجاست کا جسم زائل ہو جائے۔ اور اگر وہ ایسی چیز ہو جو نچوڑی نہیں جاسکتی ہو جیسے چٹائی، قالین اور لکڑی تو اس کو پانی میں بگھو کر خشک کیا جائے گا تین مرتبہ یہ عمل کرنے سے وہ پاک ہو جائے گی یہ امام ابو یوسف کا قول ہے اور یہ راجح ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وہ چیز کبھی بھی پاک نہیں ہوسکتی ہے۔ زمین کے پاک کرنے کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر زمین نرم ہے تو اس پر پانی بہایا جائے گا پھر چھوڑ دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ زمین کی تہ میں چلا جائے پھر اس عمل کو دوبارہ کیا جائے گا یہاں تک کہ نجاست بالکل زائل ہو جائے اس میں تعداد شرط نہیں ہے یہ باعتبار اپنی غور وفکر اور غلبہ ظن کے ہے کہ جب طہارت کا یقین ہو جائے وہ زمین پاک شمار ہوگی۔ اور پانی کا تہ زمین میں چلا جانا نچوڑنے کے قائم مقام قرار پائے گا۔ اور اگر زمین سخت ہو تو اگر اس کی نچلی جانب کوئی نالی یا گڑھا ہو تو اس زمین پر تین مرتبہ پانی بہا کر اس نالی یا گڑھے میں ڈال دیا جائے گا۔ اور اگر پانی بہہ جانے کا کوئی راستہ نہ ہو تو اس کو دھویا نہیں جائے گا کیونکہ اس کا دھونا بے فائدہ ہے شوافع کے ہاں اس پر زیادہ پانی کے بہ جانے سے وہ جگہ پاک ہو جائے گی جیسا کہ عنقریب میں یہ بات آگے بیان کرونگا۔ احناف کے علاوہ دیگر حضرات نے نچوڑے جانے کے قابل چیزوں میں نچوڑے جانے کو شرط نہیں قرار دیا ہے اس لئے کہ اس چیز پر باقی رہ جانے والی نمی تو نکل جانے والے پانی کا حصہ ہی ہے اور اس کا دھونا لازم تھا (یعنی اس کپڑے میں موجود نمی اس پانی کا حصہ ہے جس کو دھونا لازم تھا لہٰذا بغیر نچوڑے جانے کے وہ پاک نہیں شمار کیا جاسکتا ہے) اور اختلاف کا اصل سبب غسالہ (دھلائی سے نکلنے والا پانی) کا حکم ہے جس کا بیان آگے آ رہا ہے کہ کیا وہ پاک ہوتا ہے یا ناپاک اگر اس کو پاک قرار دیا جائے تو نچوڑنا لازم نہیں ہوگا بصورت دیگر لازم ہوگا تاہم نچوڑ لینا بہتر ہے تاکہ حدود اختلاف سے باہر نکلا جاسکے۔ ہاں جس کا نچوڑا جانا ممکن نہ ہو تو اس کا نچوڑا جانا بالاتفاق شرط نہیں ہے۔

۳۔ پانی بہانا یا پانی کا نجاست پر سے گذرنا برتنوں کے دھونے کا طریقہ...... احناف فرماتے ہیں کہ پانی کا بہانا یا اس کا نجاست پر سے گذارنا شرط نہیں ہے۔ برتنوں کا صرف دھونا اور کپڑوں اور بدن کا بھی صرف دھونا وہ بھی اس طرح کہ پانی کو ہر مرتبہ نیا استعمال کیا جائے تین مرتبہ ایسے استعمال ہو اور ہر مرتبہ نچوڑا جائے کافی ہے اور برتن کو پہلی مرتبہ دھونے کے بعد تین مرتبہ مزید دھویا جائے گا دو دفعہ کے بعد دو دفعہ مزید اور تین دفعہ دھو لینے کے بعد تین دفعہ مزید دھویا جائے گا یہ تفصیل جب ہے کہ جب اس کو ایک برتن میں ہی دھویا جائے اگر اس چیز کو تین الگ الگ برتنوں میں دھویا جائے تو ہر برتن پانی کی تبدیلی کے مترادف ہوگا❶ تاہم جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ علامہ شامی کی بھی وضاحت اس بارے میں موجود ہے❷ کہ نجاست مرئیہ کے بارے میں معتبر اس کے جسم کا ازالہ ہے یعنی اس کا جسم بالکل ڈھل جائے خواہ ایک

---

❶...... یہ بات ممکن ہے کہ کچھ حضرات کے لئے خلجان کا باعث بنے اس لئے یہ سمجھ لیں کہ یہ تمام طریقہ متقدمین فقہاء کی بیان کردہ مثالوں کے تحت ہیں آج کل جو نلکے وغیرہ کا طریقہ کار رائج ہے اس میں تفصیل مختلف ہوگی، یہ صورت جو بیان کی گئی ہے یہ اس وقت ہے کہ جب نجس کپڑے کو ٹب یا برتن میں دھویا جائے تو ایک مرتبہ تو اس کی نجاست کو رگڑ رگڑ کر دور کیا جائے گا پھر اس کو نچوڑ لینے کے بعد تین مرتبہ پانی میں ڈبو کر نکال کر نچوڑا جائے گا تین مرتبہ کے اس عمل سے جس میں ہر مرتبہ نیا پانی لیا جائے وہ کپڑا پاک ہو جائے گا۔ مزید تفصیل آگے آئے گی۔ نلکے سے دھونے میں بھی تفصیل اور طریقہ کار مختلف ہوگا جس کا ذکر آگے آئے گا۔❷ ردالمحتار ج ۱ ص ۳۰۸۔

مرتبہ دھونے کے عمل سے ہی ایسا ہو، اور خواہ ایک برتن (ٹب وغیرہ) میں دھونے سے ہو جائے۔ چنانچہ اس میں تین مرتبہ دھونا اور نچوڑنا شرط نہیں ہے غیر مرئی نجاست (نظر نہ آنے والی) تو اس میں معتبر غالب گمان ہے کہ وہ چیز پاک ہو چکی ہے یا نہیں عدد اس میں شرط نہیں ہے مفتی بہ قول کے مطابق ایک قول یہ ہے کہ تین مرتبہ دھونے کی شرط کے ساتھ گمان کا ہونا معتبر ہے احناف کے ہاں یہ مفتی بہ قول مالکیہ کے مذہب کے قریب ہے جو کہ نجاست کے جسم کے ازالے کے قائل ہیں۔ شوافع کے ہاں پانی کا گزارنا شرط ہے نچوڑنا شرط نہیں ہے۔ یعنی صرف پانی کا محل نجاست پر گزارنا شرط ہے اگر پانی تھوڑا ہوتا کہ معاملہ برعکس ہونے کی صورت میں خود پانی نہ ناپاک ہو جائے۔ کیونکہ پانی تو محض اس میں نجاست کے گر جانے سے ناپاک ہو جاتا ہے، ہٰذا اگر کسی نے تسلے میں کوئی کپڑا رکھا اور کپڑے میں قابل معافی خون کی مقدار لگی ہوئی ہو اور پانی اس پر ڈالا تو پانی پہلی ملاپ پر ہی ناپاک ہو جائے گا اور منہ کے ناپاک ہونے کی صورت میں خوب اچھی طرح غرارے کرنا ضروری ہیں اور منہ کے ناپاک ہونے کی حالت میں کسی چیز کا (کھانے کی یا پینے کی کسی چیز کا) نگل لینا حرام ہے۔

اس تفصیل کے ساتھ یہ بات مدنظر رہے کہ احناف دوسرے فقہاء کے ساتھ اس بات میں متفق ہیں کہ ناپاک چیز کو اگر بہتے پانی یا تالاب (یعنی اتنی کثیر مقدار میں پانی جو بہتے پانی کے حکم میں ہو) میں دھویا جائے یا اس پر بڑی مقدار میں پانی بہا دیا جائے یا اس پر پانی خوب ڈالا جائے تو وہ مطلق بلاشرط پاک ہو جائے گی نچوڑنا اور خشک کرنا اس میں شرط نہیں ہوگا اور نہ ہی تین بار بھگونا شرط ہوگا کیونکہ پانی کا بہتی حالت میں ہونا بار بار دھونے اور نچوڑنے کے مترادف ہوگا۔❶

نجس زمین کا بہت زیادہ پانی ڈالے جانے سے پاک ہونا۔ احناف فرماتے ہیں❷ کہ اگر نجس زمین سخت اور نشیبی ہو تو اس کی نچلی جانب (نشیبی طرف) ایک گڑھا یا نالی بنائی جائے گی اور اس زمین پر تین مرتبہ پانی بہا کر اس گڑھے کی طرف نکال دیا جائے گا، اس طرح کرنے سے وہ زمین پاک ہو جائے گی، دلیل وہ حدیث ہے جو دارقطنی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس اعرابی کے بارے میں نقل کی ہے جس نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا جس میں یہ الفاظ ہیں **احفروا مکانہ ثم صبوا علیہ** (اس کی جگہ کو کھودو اور وہاں پانی بہادو)❸ ان حضرات کے ہاں پانی کے زیادہ ہونے سے وہ زمین پاک نہیں ہوگی۔ احناف کے علاوہ دیگر فقہاء فرماتے ہیں❹ کہ ناپاک زمین پانی بہانے اور پانی کے زیادہ مقدار میں ڈال دینے سے پاک ہو جاتی ہے❺ یعنی پانی اس پر اتنی کثیر مقدار میں ڈالنا اور بہانا کہ نجاست چھپ جائے دلیل اس کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جس میں ہے **قام اعرابی فبال فی المسجد فقام الناس لیقعوابہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوہ اریقوا علی بولہ سجلا من ماء اوذنوبا من ماء فانکم بعثتم مسرین ولم تبعثو امعسرین**❻ (ایک دیہاتی نے آکر مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا لوگ اس کو پکڑنے کے لئے لپکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوڑ دو! اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو تم کو آسانی کرنے والا بنایا گیا تنگی کرنے والا نہیں)۔

ناپاک پانی کو زیادہ پانی ڈال کر پاک کرنے کے بارے میں شوافع کے ہاں کچھ تفصیل ہے۔❼

---

❶ ..... ردالمحتار ج ۱ ص ۳۰۸۔ ❷ البدائع ج ۱ ص ۸۹۔ ❸ لیکن یہ حدیث معلول ہے کیونکہ یہ الفاظ صرف عبدالجبار کے ہیں ابن عیینہ کے دیگر حفاظ شاگردوں نے یہ الفاظ نقل نہیں کئے ہیں۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۴۲۔ ❹ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۸۲ المہذب ج ۱ ص ۷، المجموع ج ۱ ص ۱۸۸ کشاف القناع ج ۱ ص ۲۱۳ المغنی ج ۲ ص ۹۴۔ ❺ ناپاک زمین پر پانی کے زیادہ بہانے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً نجاست پڑی ہے اور پانی بہا دینے کے بعد اس کی نکاسی کا راستہ نہ ہو تو احناف کے ہاں صرف زیادہ پانی بہا دینا کافی نہیں ان حضرات کے ہاں مثلاً فرش پر پیشاب پڑا ہوا اس پر تین چار بالٹی پانی ڈال کر پانی پھیلا دینا اس کی طہارت کے لئے کافی ہے۔ خواہ پانی وہیں پھیل کر جذب ہو جائے۔ از مترجم۔ ❻ یہ حدیث صحاح ستہ کے حضرات نے ماسوا امام مسلم کی روایت کی ہے احمد اور بخاری ومسلم نے اس معنی میں ایک اور حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں لاتزرموہ دعوہ یعنی اسے پیشاب کرنے کے دوران مت روکو۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۴۱۔۴۳۔ ❼ المہذب ج ۱ ص ۶۔۷ ۱۰ المجموع ج ۱ ص ۱۸۳۔۱۹۵۔

ا......اگر پانی کی نجاست اس کے متغیر ہونے کے سبب سے ہے اور وہ دوقلہ (بڑا مٹکا) پانی سے زیادہ ہے تو تغیر کے خود بخود ختم ہو جانے یا اس پانی میں مزید پانی ملا دینے سے یا اس کا کچھ پانی نکال کر تغیر ختم کر دینے سے وہ پاک ہو جائے گا، کیونکہ نجاست تغیر کی وجہ سے ہوئی تھی اور تغیر ختم ہو جانے سے نجاست ختم ہوگئی۔

۲......اور اگر اس کی نجاست قلت کی وجہ سے ہو یعنی کہ وہ دوقلہ سے کم ہو تو وہ مزید اتنا پانی ملا دینے سے کہ وہ دوقلہ بن جائیں پاک ہو جائے گا خواہ اس میں اضافہ پاک پانی کے ذریعے کیا جائے یا ناپاک پانی کے ذریعے کم پانی سے ہو یا زیادہ پانی سے۔ اسی طرح پانی بڑھا دینے سے بھی وہ پاک ہو جائے گا خواہ وہ دوقلہ کی مقدار کو پہنچے یا نہیں جیسے ناپاک زمین پر پانی اتنا بہا دینے سے کہ نجاست اس میں چھپ جائے وہ زمین پاک ہو جاتی ہے کیونکہ پانی نجاست پر سے گذر چکا ہوتا ہے ❶ (اسی طرح یہاں جب ناپاک پانی میں پاک پانی ملایا جائے گا تو وہ بھی اسی طرح شمار ہو گا کہ گویا نجس پانی پر پاک پانی گزار دیا گیا ہے) تاہم یہ بات پیش نظر رہے کہ وہ پانی جو پانی بڑھانے کے ذریعے پاک ہوا ہو اور دوقلہ کے برابر نہ پہنچا ہو وہ صرف پاک ہوگا مطہر نہیں ہوگا کیونکہ نجاست کے دور کرنے میں استعمال کیا ہوا پانی طہارت کے حصول کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا ہے اور اگر پانی دوقلہ سے زائد ہو اور اس میں پڑی ہوئی نجاست ٹھوس ہو تو فتویٰ یہ ہے کہ اس سے طہارت جائز ہے کیونکہ اس میں موجود نجاست کا کوئی حکم نہیں ہوگا وہ کالعدم شمار ہوگی۔ اور پانی اگر صرف دوقلہ ہو اور اس میں نجاست پوری شکل میں موجود ہو تو اس بارے میں دو قول ہیں صحیح قول یہ ہے کہ اس سے طہارت کا حصول جائز ہے۔ اور اگر نجاست پگھلنے والی ہو تو بھی صحیح قول کے مطابق اس سے طہارت جائز ہے۔

بہتے پانی سے طہارت کا طریقہ......احناف فرماتے ہیں ❷ کہ بہتے پانی کا حکم ٹھہرے ہوئے پانی سے مختلف ہے بہتا ہوا پانی وہ ہے جس کو اہل عرف بہتا ہوا سمجھیں ماء جاری میں وہ حوض بھی شمار ہوگا جس میں ایک طرف سے پانی آ رہا ہو اور لوگ اس میں سے چلو بھر رہے ہوں ایسے پانی میں ڈالا جانے والا ناپاک برتن اور ہاتھ پانی کو ناپاک نہیں کرتے ہیں اس پانی (ماء جاری) کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں نجاست گرے اور اس کا رنگ، بو اور مزے میں سے کوئی اثر ظاہر نہ ہو تو یہ پانی طاہر اور مطہر ہے۔ اس سے وضو کرنا اور نجاست زائل کرنا دونوں درست ہیں کیونکہ نجاست اگر مائع شکل میں ہو تو وہ پانی کے بہاؤ کے ساتھ ٹھہر نہیں سکتی ہے۔ اور اگر وہ نجاست مردار جانور کی لاش ہو تو اگر پانی اس کے نصف یا اس زائد حصے پر سے گذر کر بہہ رہا ہے تو اس کا استعمال درست نہیں ہے، اور اگر پانی نصف سے کم حصے پر سے گذر کر آ رہا ہو اور زیادہ تر پانی پاک جگہ پر سے گذر کر آ رہا ہو اور پانی میں بہاؤ (قوت) ہو تو نجاست کا اثر نہ پائے جانے کی صورت میں اس کا استعمال درست ہے۔

تالاب اور حوض عظیم جس میں ٹھہرا ہوا پانی ہو عراقیین کی رائے میں وہ ہوتا ہے جس کی ایک طرف حرکت دینے سے دوسری طرف متحرک نہ ہوتی ہو اگر نجاست اس کی دوسری جانب گر جائے اور ظاہر الروایہ کے مطابق جو کہ صحیح تر قول ہے بڑا حوض وہ ہوتا ہے کہ اس کو دیکھنے والے کے ظن اور خیال وغور وفکر پر غالب یہ ہو کہ نجاست ایک جانب پڑے ہونے کی صورت میں دوسری طرف نہیں پہنچے گی۔ ایسے پانی سے وضو کرنا اور نجاست کا زائل کرنا اس جانب کے پانی سے جس جانب نجاست نہ پڑی ہوئی ہو، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ نجاست دوسری جانب نہیں پہنچتی ہے، اسی طرح مفتی بہ قول یہ ہے کہ ایسے حوض کے تمام جوانب سے وضو کرنا اور نجاست کے لئے پانی استعمال کرنا درست ہے۔

احناف کے علاوہ دیگر فقہاء فرماتے ہیں ❸ کہ بہتا پانی ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح ہے، اگر زیادہ ہو تو وہ نجاست اس کے لئے مضر نہیں

---

❶ ......علامہ نووی فرماتے ہیں کہ بعض احناف نے جو یہ بات گھڑ رکھی ہے کہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ پانی اگر دوقلہ سے ایک کوزہ کم ہو اور اس میں کوئی اپنا پیشاب ڈال کر دوقلہ کی مقدار پوری کرے تو وہ پاک ہے تو یہ صریح بہتان ہے یہ بات ہمارے حضرات میں سے کسی کی نہیں ہے۔ المجموع ج ا ص ۱۹۰۔ ❷ الدرالمختار ج ا ص ۳ ۱۔۱۹۰ اللباب ج ا ص ۲۷ فتح القدیر ج ا ص ۵۳ ۵۔ ❸ بدایۃ المجتہد ج ا ص ۲۳، القوانین الفقھیہ ص ۳۰، الشرح الصغیر ج ا ص ۳۰ اور مابعد کے صفحات مغنی المحتاج ج ا ص ۲۴ المہذب ج ا ص ۷، کشف القناع ج ا ص ۴۰ اور بعد کے صفحات المغنی ج ا ص ۳۱ اور بعد کے صفحات۔

ہوگی جو اس کے تین اوصاف رنگ بو، مزہ تبدیل نہ کرے، ایسا پانی پاک ہوگا اور اگر وہ پانی قلیل ہو تو سارا پانی نجس چیز سے پہلی مرتبہ ملتے ہی ناپاک ہو جائے گا۔

مالکیہ کے ہاں کثرت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں کثیر وہ ہے جو دو مٹکوں (قلتین) کی مقدار میں ہو یعنی ۵۰۰ بغدادی رطل تقریباً اور بہتے پانی میں جریہ کا اعتبار ہے، جریہ شوافع کی تعریف پانی کی لہریں اٹھتے وقت بننے والا اس کا حصہ ہے (یعنی بہتا پانی جب چلتا ہے اور اس کی لہریں بنتی ہیں تو لہروں کا مجموعہ تشکیل پاتا ہے اور ایک ایک مجموعہ بن کر چلنے کی سی کیفیت ہوتی ہے وہ پانی کا حصہ جریہ کہلاتا ہے، ہم اس کو لہر سے تعبیر کر سکتے ہیں) یعنی خواہ حقیقت میں لہریں بننے سے وہ تشکیل پائے یا محض پانی کا ایک حصہ ہوا گر وہ لہر (جریہ) بڑی ہو تو وہ متغیر ہوئے بغیر ناپاک شمار نہیں ہوگا اور یہ لہر فی نفسہ اپنے آگے اور پیچھے آنے والی لہروں سے حکماً علیحدہ سمجھی جائے گی (یعنی پانی چلنے کے دوران پانی کا یہ حصہ حکماً علیحدہ سمجھا جائے گا اس سے پہلے اور بعد کے دونوں قسم کی لہروں سے) حنابلہ کے ہاں جریہ سے مراد پانی کا وہ حصہ ہے، جس میں نجاست پڑی ہوئی ہو اس نجاست کے قریب کا دائیں بائیں اور دونوں طرف کا پانی یا یوں کہا جائے کہ نجاست کو محیط وہ پانی جو نجاست کے اوپر نیچے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہو تقریباً دونوں تعریفیں مترادف ہیں۔ اگر پانی چل رہا ہو اور اس میں بہتی ہوئی نجاست پڑی ہوئی ہو جیسے مردہ اور پانی کی وہ لہر (جریہ) بھی متغیر ہو تو اس لہر سے پہلے والا پانی پاک ہے اس لئے کہ اس تک نجاست نہیں پہنچی یہ پانی ایسا ہی ہوا جیسے لوٹے سے کسی نجاست پر پانی ڈالا جا رہا ہو اسی طرح اس لہر کے بعد والا پانی بھی پاک ہوگا کیونکہ اس تک نجاست نہیں پہنچی اور وہ پانی جو نجاست کے اوپر نیچے دائیں بائیں ہو وہ اگر قلتین کی مقدار میں ہو اور متغیر نہ ہو تو وہ پاک ہوگا اور اگر قلتین سے کم ہو تو وہ ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح ناپاک ہوگا۔ اور ایک جریہ کے اجزاء میں بھی دیکھا جائے گا کہ ان میں سے بعض دوسرے بعض کے مقابلے میں متغیر ہیں یا نہیں اجزاء جریہ سے مراد ہے کہ نہر کے دونوں کناروں کے درمیان اس لہر کے جو حصے اوپر نیچے ہو رہے ہیں وہ اجزاء جریہ کہلائیں گے۔ اور مختلف جریہ ایک دوسرے سے قوت نہیں حاصل کر سکتے (یعنی دو تین جریہ (لہروں) کا آپس میں مل کر قلتین سے زیادہ مقدار بن جانا معتبر نہیں ہر جریہ کا اعتبار الگ ہوگا) چنانچہ اگر پانی میں نجاست گر جائے اور لہر کے ساتھ چل پڑے تو اس جریہ کی وہ جگہ جو اس نجاست کی وجہ سے گندی ہوئی ہو وہ ناپاک شمار ہوگی اس کے بعد گزرنے والا پانی، جریہ تو اس کا حکم غالہ (دھلائی میں نکلا ہوا پانی) شمار کیا جائے گا، اور نجاست اگر کتا ہو تو ضروری ہے کہ اس کے بعد سات جریہ پانی گزرے جن میں سے ایک جریہ پانی کا مٹی سے گدلا ہونا بھی ضروری ہے۔

اس پانی کا دو قلہ ہونا اس طرح معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اس کو ناپ کر لمبائی چوڑائی اور گہرائی کو ناپ لیا جائے اس سے خود اندازہ ہو جائے گا اور اگر بہتے پانی کے آگے کوئی آڑ ہو جو پانی کو لوٹا دے تو وہ ٹھہرا ہوا پانی شمار ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نجاست اگر پانی پر سے گذر جائے تو پانی بالاجماع ناپاک ہوگا اور پانی اگر نجاست پر سے گذر جائے تو بھی ناپاک ہو جائے گا [1] (یعنی نجاست پانی پر سے گزرے یا پانی نجاست پر سے گزرے، بہر صورت وہ ناپاک ہو جائے گا)۔

۴۔ چوتھی بحث......غسالہ کا حکم

غسالہ (غین کے پیش کے ساتھ اور سین بلاتشدید زبر کے ساتھ) وہ پانی ہوتا ہے جو نجاست کے ازالے کے لئے استعمال کیا گیا ہو خواہ حدث کے ازالے کے لئے یا خبث کے ازالے کے لئے یعنی نجاست حقیقیہ اور حکمیہ دونوں کے لئے استعمال شدہ پانی۔ اس کا حکم احناف کے علاوہ دیگر فقہاء کے ہاں یہ ہے کہ وہ بھی پاک شمار ہوگا اگر دھوئے جانے والی جگہ پاک ہو جائے، اس بارے میں فقہاء نے تفصیلات بیان کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

[1]...... الدر المختار ج ۱ ص ۳۰۰ اور بعد کے صفحات۔

احناف فرماتے ہیں ❶ نجاست کا غسالہ دو قسم کا ہوتا ہے، نجاست حقیقی کا غسالہ اور نجاست حکمی کا غسالہ یعنی حدث کے ازالے میں استعمال شدہ پانی۔

نجاست حکمیہ کا غسالہ ماء مستعمل کہلاتا ہے، ظاہر الروایۃ کے مطابق یہ طاہر ہوتا ہے لیکن مطہر نہیں ہوتا۔ یعنی اس سے وضو جائز نہیں لیکن راجح قول کے مطابق نجاست حقیقیہ کا ازالہ اس کے ذریعے درست ہے اور ماء مستعمل جب کہلاتا ہے جب وہ بدن سے جدا ہو کر کسی جگہ ٹھہر جائے جب تک وہ اس عضو پر ہو جس کے لئے وہ استعمال ہوا ہے تو وہ مستعمل نہیں شمار ہوگا۔ پانی مستعمل جب کہلائے گا کہ جب اس کو ازالہ حدث کے لئے استعمال کیا جائے یا نیکی (قربت) کے حصول کے لئے استعمال کیا جائے، جیسے کسی خاص نماز، نماز جنازہ، مسجد میں داخل ہونے، قرآن کو چھونے اور قرآن کو پڑھنے وغیرہ کے لئے کیا جانے والا وضو، اگر وہ شخص حدث کی حالت میں ہو تو ان کے ہاں پانی بلا اختلاف مستعمل کہلائے گا، کیونکہ دو سبب پائے گئے ہیں جو کہ ازالہ حدث اور حصول قربت ہیں اور اگر وہ شخص بے وضو نہیں تو بھی امام زفر کے علاوہ دیگر ائمہ احناف کے ہاں وہ پانی مستعمل کہلائے گا کیونکہ حصول قربت تو پایا گیا کیونکہ وضو علی الوضو کو نور علی نور کہا گیا ہے امام زفر کے ہاں اس لئے ماء مستعمل نہیں بنے گا کہ ازالہ حدث نہیں پایا گیا۔ ہاں اگر وضو یا غسل صرف ٹھنڈک کی خاطر ہو اور وہ شخص حدث کی حالت میں نہ ہو تو وہ پانی مستعمل نہیں کہلائے گا۔

نجاست حقیقیہ کا غسالہ اگر وہ متغیر حالت میں الگ ہو تو وہ ناپاک ہوگا یعنی اگر اس کے رنگ یا مزے میں تغیر پیدا ہو گیا ہو یا مثلاً وہ جگہ پاک نہ ہوئی ہو جیسے وہ پانی نجاست غیر مرئیہ کو تین مرتبہ دھونے کے عمل کا غسالہ، ہو کیونکہ نجاست اس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، کیونکہ ہر پانی نجاست سے خالی نہیں ہے غسالہ سے نفع اٹھانا ماسوا مٹی کے گیلا کر دینے یا جانور کے پلا دینے کے درست نہیں اگر اس میں تغیر پیدا ہوا ہو کیونکہ تغیر آ جانے کے بعد اس کا نجس ہونا یقینی ہو گیا تو یہ پیشاب کے مشابہ ہو گیا۔ اور اگر وہ متغیر نہ ہوا ہو تو اس سے انتفاع جائز ہے، کیونکہ اس کے متغیر نہ ہونے سے یہ یقین ہو گیا کہ نجاست پاکی پر غالب نہیں ہوئی ہے، اور ایسی چیز سے فائدہ اٹھانا جو نجس العین نہ ہو فی الجملہ مباح ہے۔

مالکیہ فرماتے ہیں ❷ کہ اگر غسالہ کا رنگ، بو یا مزہ تبدیل ہو جائے تو وہ ناپاک ہوگا اور جگہ بھی ناپاک رہے گی اور اگر جگہ پاک ہو جائے تو غسالہ بھی پاک ہوگا ناپاک چیز کا استعمال عادی چیزوں میں درست نہیں ہے۔

شوافع کے ہاں ظاہر ترین قول یہ ہے ❸ کہ وہ قلیل غسالہ جو بلا تغیر عضو سے جدا ہو وہ پاک ہے اور وہ جگہ بھی پاک ہو جائے گی کیونکہ وہ نمی جو اس جگہ باقی ہے وہ جدا ہوئے ہوئے پانی کا ہی حصہ ہے، اب اگر جدا ہوئی ہوئی چیز نجس قرار پائے تو وہ جگہ بھی نجس ہونی چاہئے، اور غسالہ اگر زیادہ ہو تو خواہ وہ جگہ پاک ہو یا نہ ہو وہ غسالہ پاک ہی ہوگا اگر وہ متغیر نہ ہوا ہو۔ اس گفتگو کا مفہوم یہ ہوا کہ قلیل غسالہ جو جدا ہو وہ طاہر ہے مطہر نہیں جب تک کہ اس کا رنگ یا بو یا مزہ نہ بدل جائے یا اس کا وزن نہ بڑھ جائے اس پانی کو نکال کر جو کپڑے پر لگا ہے اور اس پاک میل کے وزن کو نکال کر جو اس میں شامل ہو گیا ہے اور وہ جگہ بھی پاک ہو جائے گی۔ اور اگر وہ متغیر ہو گیا یا اس کا وزن بڑھ گیا یا وہ جگہ پاک نہ ہوئی تو وہ جگہ کی طرح ناپاک ہوگا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ غسالہ کا حکم جگہ کا حکم ہے، تو جہاں اس کی پاکی کا حکم لگایا جائے گا وہاں غسالہ بھی پاک شمار ہوگا اور جہاں نہیں وہاں غسالہ بھی پاک شمار نہیں ہوگا۔

حنابلہ بھی شوافع کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق فرماتے ہیں ❹ کہ جس چیز سے نجاست دور کی جائے اگر وہ اس جگہ سے نجاست سے متغیر ہو کر جدا ہوئی ہو یا جگہ کے پاک ہونے سے پہلے جدا ہوئی ہو تو وہ نجس ہوگی۔ کیونکہ وہ نجاست سے متغیر ہو گئی جیسے کہ اگر قلیل پانی کسی جگہ ڈالے جانے کے بعد اسے پاک نہ کر سکے تو وہ ناپاک ہوتا ہے اور ایسا شمار کیا جاتا ہے کہ گویا نجاست اسی پر سے گزری ہے اور اگر غسالہ اس

---

❶..... البدائع ج ۱ ص ۶۶۔ ۶۹ ردالمحتار ج ۱ ص ۳۰۰۔ ❷ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۸۲، القوانین الفقهیه ص ۳۵۔ ❸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۸۵ شرح الحضرمیة ص ۲۳ اور مابعد کے صفحات۔ ❹ المغنی ج ۱ ص ۵۸ ج ۲ ص ۹۸۔

دھلائی کا ہو جس سے جگہ پاک ہوئی ہے اور وہ نجاست سے متغیر بھی نہ ہو تو اس کے بارے میں کچھ تفصیل ہے، وہ یہ ہے کہ اگر وہ جگہ جس کو دھویا گیا ہو وہ زمین ہے تو وہ چیز پاک ہوگی کیونکہ وہ زمین پاک شمار کی گئی تھی جس پر اعرابی نے پیشاب کر دیا تھا اور اس پر ایک ڈول پانی بہا دیا گیا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے۔ اور اگر وہ جگہ زمین نہ ہو اس کے علاوہ کوئی چیز ہو تو اس بارے میں دو قول ہیں، اصح قول یہ ہے کہ وہ پاک ہے۔

تیسری فصل......استنجاء کا بیان

اس فصل میں ہم استنجاء کے معنی، حکم، اس کے ذرائع، اس کے مستحبات اور قضاء حاجت کے آداب بیان کریں گے۔

۱۔ پہلی چیز:......استنجاء کے معنی اور استنجاء اور استبراء (برأت چھٹکارا حاصل کرنا) اور استنجاء (پتھر استعمال کرنا) وغیرہ میں فرق لغت میں استنجاء کہتے ہیں گندگی یعنی پاخانے کے دور کر دینے کو اور اصطلاح میں کہتے ہیں نجاست کے بالکل اکھاڑ دینے (ختم کر دینے) کو پانی وغیرہ کے ذریعے یا بہت ہی کم کر دینے کو پتھر وغیرہ کے ذریعے پونچھ کر تو گویا استنجا نام ہے پانی یا پتھر استعمال کرنے کا۔ یا وہ نام ہے جسم سے نکلنے والی ہر گندگی کے دور کرنے کا جو گندہ کر دیتی خواہ کبھی کبھی سہی جیسے خون، مذی اور ودی، اور یہ علی الفور نہیں بلکہ بوقت ضرورت پانی یا پتھر وغیرہ سے ہو۔ یا یہ نام ہے اس نجاست کے دور کرنے کا جو پیشاب پاخانے کے راستے سے نکلی ہو۔ لہٰذا ریح کے یا پتھری کے نکلنے اور سونے یا پچھنے لگوانے سے یہ لازم نہیں ہوگا۔ اور استنجاء یا استطابہ پانی سے بھی ہو سکتا ہے اور دوسری چیزوں سے بھی استجمار کہتے ہیں نجاست کو پتھر وغیرہ سے دور کرنے کو۔ یہ ماخوذ ہے جمرۃ سے بمعنی پتھر۔

اور استبراء کہتے ہیں جسم سے خارج ہونے والی چیز سے چھٹکارا پانے یا برأت حاصل کرنے کو یہاں تک کہ نشان یا اثر کے ختم ہو جانے کا یقین حاصل ہو جائے۔ یا استبراء مخرج کو پیشاب کے قطروں سے صاف کرنے کا نام ہے۔

استنزاہ کے معنی ہیں گندگی سے دوری اختیار کرنا یہ استبراء کے معنی میں آتا ہے۔

استنقاء......نقاوت (خوب صفائی) حاصل کرنا اور یہ بولا جاتا ہے مقعد (جائے پاخانہ کو) پتھر سے یا پانی سے دھونے کی صورت میں ہاتھ سے ملنے اور رگڑنے کو[1] یہ سب (۱) استنجاء (۲) استجمار۔

(۳) استبراء اور (۴) استنزاہ نجاست سے پاکی حاصل کرنے کے ذرائع ہیں جب تک انسان مطمئن نہ ہو جائے کہ پیشاب کے قطروں کا اثر اور نشان بالکل ختم ہو چکا ہے۔

۲۔ دوسری چیز......استنجاء، استجمار اور استبراء کا حکم۔ استنجاء کے حکم کے بارے میں احناف فرماتے ہیں[2] کہ وہ عام حالات میں جب نجاست اپنے مخرج سے تجاوز نہ کرے مردوں اور عورتوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مداومت فرمائی ہے، اور آپ نے فرمایا ہے من استجمر فلیو تر من فعل فقد احسن، ومن لا فلا حرج[3] (جو پتھر استعمال کرے وہ طاق عدد میں کرے، کوئی یہ عمل کرے تو بہت اچھا اور نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر نجاست اپنے مخرج سے تجاوز کر جائے اور تجاوز شدہ

---

[1].....الدر المختار مع الحاشیۃ ج ۱ ص ۳۱۰، ۳۱۹ مراقی الفلاح ص ۷، کشف القناع ج ۱ ص ۶۲ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۸۷، ۹۴، ۹۶، ۱۰۰ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۲ اور بعد کے صفحات۔ [2] فتح القدیر ج ۱ ص ۱۴۸ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۷۶، اللباب ج ۱ ص ۵۷ الدر المختار ج ۱ ص ۳۱۰، ۳۱۳ مراقی الفلاح ص ۷۔ [3] یہ حدیث ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ احمدؒ بیہقی اور ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۱۷۔

نجاست ایک درہم جتنی ہو تو اس کا پانی سے دور کرنا واجب ہے۔ اور اگر نجاست ایک درہم سے زیادہ ہو جائے تو پانی یا کسی سیال چیز سے اس کا دور کرنا فرض ہوگا۔

احناف کے علاوہ جمہور فرماتے ہیں❶ کہ استنجاء یا استجمار ہر عادی چیز کے سبیلین (پیشاب پاخانے کے راستے) سے نکلنے پر واجب ہے جیسے پیشاب، مذی اور پاخانہ، دلیل فرمان خداوندی ہے والرجز فاهجر (اور گندگی کو آپ چھوڑ دیجیے۔ سورۃ المدثر، آیت نمبر ۴) اور یہ جسم اور کپڑوں کے ہر حصے اور جگہ کو شامل ہے، کیونکہ پانی سے استنجاء کرنا اصل ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے اذا ذهب احدكم الى الغائط فليذهب بثلاثة احجار فانها تجزى عنه❷ (جب تم میں کوئی قضاء حاجت کے لئے جائے تو تین پتھر لے جائے، یہ اس کے لئے کافی ہوں گے ایک حدیث میں آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی تین پتھروں سے کم میں استنجاء نہ کرے، اور مسلم شریف کی حدیث کے الفاظ میں ہے کہ بلا شبہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین پتھروں سے کم تعداد سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ امر کا صیغہ ہے جو کہ اصول کے لحاظ سے وجوب کا متقاضی ہوتا ہے۔

سونے والے اور وہ شخص جس کی ریح خارج ہو اس پر باتفاق علماء استنجاء نہیں ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو ریح کی وجہ سے استنجاء کرے وہ ہم میں سے نہیں اور قرآن کی اس آیت إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ (جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو دھولو۔ سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶) کے بارے حضرت زید بن اسلم سے مروی ہے کہ اس سے مراد ہے کہ جب تم نیند سے بیدار ہو اس کے علاوہ کچھ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کے سبب استنجاء واجب نہیں ہے دوسری بات یہ کہ استنجاء کی مشروعیت نجاست دور کرنے کی غرض سے ہے اور سونے وغیرہ میں نجاست نہیں ہوتی شوافع کا اظہر قول یہ ہے کہ کیڑا نکلنے یا مینگنی کی طرح سخت شکل میں پاخانہ کی صورت میں کہ جس میں آلودگی نہ ہو، استنجاء لازم نہیں، کیونکہ اس صورت میں نجاست باقی نہیں رہتی ہے۔ یہ عمل استجمار حنابلہ اور شوافع کے ہاں مستحب اور حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں قضائے حاجت کے بعد استنجاء سے قبل یہ ضروری ہے۔

استبراء:..... یہ چلنے، کھانسنے یا دائیں یا بائیں طرف اپنے آپ کو جھکا کر یا پاؤں ہلانے جلانے سے حاصل ہوتا ہے، استبراء کہتے ہیں پیشاب کے راستے کو بالکل خالی کر دینا اس طرح کہ آدمی اپنے عضو تناسل کو بائیں ہاتھ سے آہستگی سے ملنا شروع کرے ملنے کی ابتداء مقعد کے سوراخ سے ذرا پہلے سے کرے جو کہ عضو تناسل کے راستے کی بالکل ابتداء ہوتی ہے وہاں سے ملتے ہوئے عضو تناسل کے سرے تک تین مرتبہ لائے تا کہ عضو تناسل میں کوئی نمی یا قطرہ باقی نہ رہ جائے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کی بیچ کی انگلی (سب سے بڑی انگلی) عضو تناسل کی نچلی طرف رکھے اور انگوٹھا اوپر کی طرف رکھے پھر ان دونو کو نرمی سے دباتے ہوئے عضو تناسل کے سرے تک لے آئے تین مرتبہ اس کو کھینچنا (بھینچ کر کھینچنا) نرمی کے ساتھ بہتر ہے تا کہ اگر اس میں کچھ ہو تو وہ نکل آئے۔

شوافع اور مالکیہ کی عبارت اس طرح ہے..... استبراء تین مرتبہ نرمی سے کھینچے اور سونتنے سے ہوگا، اور وہ اس طرح کہ بائیں ہاتھ کی انگشت شہادت کو عضو تناسل کی جڑ میں رکھے اور انگوٹھے کو اوپر رکھے پھر دونوں کو نرمی سے کھینچتا اور دباتا رہے یہاں تک کہ اس میں موجود قطرے وغیرہ نکل جائیں کا مطلب ہے اس کو کھینچنا، بہتر یہ ہے کہ سونتنے اور کھینچے کا عمل بڑی نرمی سے ہو۔ اور یہ استبراء اس لئے ضروری ہے کہ

---

❶..... الشرح الصغير ج ۱ ص ۹۴، ۹۶ القوانين الفقهية ص ۳۷ الشرح الكبير ج ۱ ص ۱۰۹، مغنى المحتاج ج ۱ ص ۴۰۲ المهذب ج ۱ ص ۲۷، المغنى ج ۱ ص ۱۴۹ كشف القناع ج ۱ ص ۷۱، ۷۷۔ ❷ یہ حدیث ابوداؤد نے روایت کی ہے، امام شافعی اور بیہقی نے ولیستنج بثلاثة احجار کے الفاظ سے یہ حدیث ذکر کی ہے، احمد، نسائی، ابوداؤد اور دارقطنی نے حدیث نقل کی ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچتی ہے اور صحیح ہے اذا ذهب احدكم الى الغائط فليستطب بثلاثة احجار فانها تجزى عنه۔ نصب الرايه ج ۱ ص ۲۱۴، نيل الاوطار ج ۱ ص ۹۰۔

ظن غالب اس مقام کے پیشاب سے بالکل صاف ہو جانے کا ہو جائے، اور وہم وغیرہ کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں اس سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے جو کہ دین کے لئے نقصان دہ ہے، بعض عارفین کا کہنا ہے وسوسے کا سبب یا تو عقل میں ٹیڑھ یا دین میں کوتاہی ہوتی ہے امام احمد بن حنبل نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنے عضو تناسل کو تین مرتبہ سونتے اور عورت کے لئے استبراء کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو اپنے پیڑو پر رکھ کر نرمی سے دبائے تاکہ پیشاب کے راستے میں موجود قطرات باہر نکل جائیں۔ لوگوں کے احوال کے مختلف ہونے کی بناء پر استبراء بھی مختلف انداز سے ہوتا ہے۔ مقصود صرف اتنا ہے کہ وہ شخص یہ گمان کر لے کہ پیشاب کے راستے میں کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے جس کے باہر نکلنے کا اندیشہ ہو لہٰذا یہ مقصود بعض کو تھوڑا سا سونتنے اور دبانے سے حاصل ہو جاتا ہے اور بعض کو کئی مرتبہ ایسا کرنا پڑتا ہے بعض کو کھنکارنے کی ضرورت پڑتی ہے اور بعض کو کسی چیز کی حاجت نہیں ہوتی ہے۔ عضو تناسل کے سوراخ میں روئی کا پھاہا وغیرہ رکھنا مکروہ ہے اسی طرح بیت الخلاء میں بہت دیر تک بیٹھے رہنا بھی غلط ہے کیونکہ اس سے جگر میں درد کی شکایت پیدا ہوتی ہے۔ استبراء کے مقصود و مطلوب ہونے کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گزر ہوا آپ نے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، لیکن عذاب انہیں زیادہ بڑی بات پر نہیں ہو رہا ہے ان میں سے ایک شخص تو اپنے پیشاب سے اجتناب نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا۔❶

جو حضرات استبراء کے صرف مستحب ہونے کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے: **استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه** (پیشاب سے بچو، قبر کا عذاب عموماً اسی کے سبب سے ہوتا ہے) اور یہ ظاہری اور بدیہی بات ہے کہ پیشاب کے منقطع ہو جانے کے بعد اس کے دوبارہ ہونے کا امکان نہیں ہوتا۔ اور استبراء کے حکم والی حدیث اس شخص کے بارے میں سمجھی جائے گی جس کے سامنے یہ بات محقق ہو یا اس کے غالب گمان کے مطابق ہو کہ اگر وہ استبراء نہیں کرے تو اس کے عضو تناسل سے کچھ نہ کچھ نکل آتا ہو۔

۳۔ تیسری چیز: استنجاء کے ذرائع اس کی صفت اور کیفیت یعنی طریقہ کار...... استنجا پانی یا پتھر یا اس جیسی دیگر ٹھوس چیزیں جو پونچھنے اور دور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوں اور وہ معاشرے میں کوئی احترام یا حیثیت نہ رکھنے والی شمار ہوتی ہوں سے درست ہے جیسے پتے، چیتھڑے، لکڑی اور ٹھیکری وغیرہ کیونکہ پتھر کی طرح ان سے بھی مقصود حاصل ہوتا ہے۔ افضل یہ ہے کہ ایسی ٹھوس چیز سے صفائی کے بعد پانی سے بھی دھولیا جائے چنانچہ کاغذ پتے وغیرہ تو پہلے استعمال کیا جائے پھر پانی استعمال کیا جائے کیونکہ نجاست کا ٹھوس جسم تو کاغذ اور پتھر وغیرہ سے دور ہو گیا پھر پانی کے استعمال سے اس کا اثر اور نشان بھی جاتا رہتا ہے❷ اور صرف پانی پر اکتفاء کرنا صرف پتھر وغیرہ پر اکتفاء کرنے سے بہتر ہے، کیونکہ پانی نجاست کے جسم اور اس کے اثر دونوں کو ختم کر دیتا ہے بخلاف پتھر اور کاغذ کے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری **فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا** (اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ وہ خوب پاکی حاصل کریں، سورۃ التوبہ، آیت نمبر ۱۰۸) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انصار کے گروہ، اللہ نے تمہاری تعریف بیان کی ہے پاکی کے بارے میں، تم کیسے طہارت حاصل کرتے ہو، وہ بولے، ہم نماز کے لئے وضو کرتے ہیں جنابت کے لئے غسل کرتے ہیں اور استنجاء پانی سے کرتے ہیں آپ نے فرمایا یہ بات ہے دراصل! تم لوگ اسی طرح کرتے رہا کرو۔❸

---

❶ یہ حدیث بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے۔ ❷ اللباب ج ۱ ص ۵۷ اور مابعد کے صفحے، مراقی الفلاح ص ۷ القوانین الفقهیه ص ۳۶ ۳۷ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۹۶ اور بعد کے صفحات، اور ص ۱۰۰ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۳ المغنی ج ۱ ص ۵۱ اور بعد کے صفحے، کشف القناع ج ۱ ص ۴۲، ۷۵ المهذب ج ۱ ص ۲۷ اور بعد کے صفحات۔ ❸ یہ حدیث ابن ماجہ حاکم، اور بیہقی نے روایت کی ہے اس کی سند حسن اس کی تائید حضرت ابن عباس کے اس قول سے ہوتی ہے نزلت هذه الآية في اهل قباء: فيه رجال يحبون ان يتطهروا والله يحب المتطهرين (التوبة/۱۰۸) فسالهم رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالوا: انا نتبع الحجارة بالماء نصب الراية ج ۱ ص ۲۱۸ اور بعد کے صفحات۔

پتھر اور کاغذ وغیرہ سے استنجا کرنے کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

۱.....نکلی ہوئی نجاست خشک نہ ہو جائے اگر وہ خشک ہوگئی تو پانی کا استعمال کرنا متعین ہوگا۔

۲.....جس جگہ نکل کر وہ نجاست ٹھہر گئی تھی وہاں سے دوسری جگہ منتقل نہ ہو یا اس کے حشفہ اور آس پاس کی جگہ سے متجاوز نہ ہو، اگر وہاں سے منتقل ہوگئی اس طرح کہ دوسری جگہ لگ گئی او اس سے جدا ہوگئی تو جدا ہوئی ہوئی نجاست کو بالا تفاق دھونا لازم ہوگا (یعنی نجاست جسم کے کسی دوسرے حصے پر لگ گئی تو وہ نجاست جو دوسری جگہ لگی ہے وہ پہلی نجاست سے الگ ہوگئی ہے اس کا دھونا ضروری ہوگا)۔

۳.....اس نجاست پر کوئی تر چیز جو اس سے اجنبی ہو، نہ لگے، نجس ہو یا طاہر، اگر اس پر خشک چیز لگ جائے تو وہ مؤثر نہیں ہوگی۔

۴.....نکلی ہوئی نجاست عادی راستے سے ہو، چنانچہ یہ سبیلین کے علاوہ کسی راستے سے نکلی ہوئی نجاست کے بارے میں نہیں ہوگا۔ جیسے رگ سے نکالا ہوا خون، یا معدے کی نچلی طرف بنائے ہوئے کسی سوراخ سے نکلنے والی نجاست، خواہ اصلی منفذ (یعنی پیشاب یا پاخانے کے عادی راستے) عارضی طور پر بند بھی کر دیئے گئے ہوں (یعنی اگر کسی عارضے کی وجہ سے دونوں یا ایک راستے کو بند کر دیا گیا اور کسی اور جگہ سے نجاست نکالی گئی تو بھی اس کے بارے میں استنجاء کے احکام لاگو نہیں ہوں گے) اور کاغذ وغیرہ خنثیٰ مشکل (ہیجڑہ جس کے مرد یا عورت کی خصوصیات کا پتہ نہ چل سکتا ہو) کے پیشاب کے لئے کافی نہیں ہوں گے، خواہ نکلنے والی نجاست دونوں اگلی شرمگاہوں میں سے ایک سے نکلتی ہو (یعنی خنثیٰ مشکل، جس کی پیشاب کی جگہیں اور طرح کی ہوتی ہیں ایک مردانہ اور ایک زنانہ، اور دونوں میں سے پیشاب ہوتا ہے، تو اگر خنثیٰ (ہیجڑہ) ایسا ہو کہ اس کی ایک ہی شرمگاہ سے پیشاب نکلتا ہو تو بھی استنجاء پتھر اور کاغذ سے درست نہیں ہوگا) کیونکہ احتمال زیادہ نکل جانے کا ہے اسی طرح غیر مختون شخص کے پیشاب میں بھی پتھر اور کاغذ وغیرہ سے استنجاء درست نہیں اگر پیشاب کھال کے اندر تک پہنچ جائے۔

مالکیہ کے علاوہ فقہاء کے ہاں حیض اور نفاس کے خون کے لئے کاغذ وغیرہ سے پونچھ لینا کافی ہے اسی طرح پتھر سے استنجاء ان چیزوں کے لئے بھی درست ہے جو کبھی کبھار نکلتی ہوں جیسے خون، مذی اور ودی، یہ شوافع کا اظہر قول اور احناف وحنابلہ کا قول ہے اسی طرح یہ قول اس کے بارے میں بھی ہے جو عادت سے زیادہ پھیل جائے لیکن پاخانہ ہونے کی صورت میں اتنی مقدار سے زائد نہ پھیلا ہو جتنی مقدار سرین کے دونوں حصوں کے بوقت قیام ملنے سے بنتی ہے اور پیشاب کی صورت میں حشفہ سے زیادہ نہ پھیلا ہو یعنی وہ ٹوپی جو عضو تناسل پر ہوتی ہے۔

مالکیہ کے ہاں منی، مذی اور حیض کے خون میں پتھروں سے استنجاء درست نہیں ہے، منی، حیض ونفاس اور استحاضہ کے خون کا ازالہ صرف پانی سے ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ استحاضہ روزانہ نہ ہو، روزانہ خواہ ایک مرتبہ ہی ہو تو یہ شرط نہ رہے گی وہ مسلسل قطرے ٹپکنے کے مریض کی طرح قابل معافی ہوگا اور اس کا ازالہ واجب نہیں ہوگا۔ اسی طرح مالکیہ کے ہاں عورت کے پیشاب کو پاک کرنے کے لئے پانی ہی ضروری ہے خواہ کنواری عورت ہو یا شادی شدہ، کیونکہ عورت کا پیشاب عام طور پر نکلنے کے بعد بہہ کر مقعد کی طرف جاتا ہے۔

استنجاء میں تین پتھروں کے استعمال کا شرط ہونا.....احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ تین پتھروں کا استعمال مستحب ہے واجب نہیں ہے اس سے کم بھی درست ہیں اگر صفائی اس سے حاصل ہو سکے۔ اور صفائی اور انقاء کا مطلب ہے نجاست کے جسم اور اس کی تری کا بالکل ختم ہو جانا اس طرح کہ پتھر پھیرے جانے پر بالکل خشک اور صاف نکلے اس پر کوئی نشان وغیرہ نہ ہو۔ مگر بہت معمولی سا معاف ہے، تو مالکیہ کے ہاں واجب اور احناف کے ہاں سنت اصل میں انقاء (صاف کر دینا) ہے کوئی مقرر تعداد نہیں دلیل وہی حدیث ہے جو گذری **"من استجمر فلیوتر، من فعل فقد احسن، ومن لا فلا حرج۔"**

---

❶..... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۴ اور بعد کے صفحے، المھذب ج ۱ ص ۲۸ کشف القناع ج ۱ ص ۷۲، المغنی ج ۱ ص ۱۵۲، ص ۱۵۹ الدر المختار ج ۱ ص ۳۱۱ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۹۷، ص ۱۰۰ بدایۃ المجتھد ج ۱ ص ۸۳ القوانین الفقھیہ ص ۳۶ اللباب ج ۱ ص ۵۸ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۴۸، تبیین الحقائق ج ۱ ص ۷۷۔

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ انقاء (صاف کردینا) اور تین کا عدد پورا کرنا دونوں واجب ہیں، تین پتھر یا ایک پتھر کے تین اطراف اور اگر تین سے صاف نہ ہو تو چار یا اس سے زائد سے صاف کرنا ضروری ہوگا۔ یہاں تک کہ فقط اتنا معمولی سا اثر باقی رہے جو صرف پانی سے دور ہوسکتا ہو یا باریک کنکریوں سے دور ہوسکتا ہو، کیونکہ استنجاء سے مقصود اتنی ہی صفائی ہوتی ہے دلیل ان حضرات کی گذشتہ احادیث ہیں جن میں سے ایک کے الفاظ یہ ہیں **ولستنج بثلاثة احجار** اور امام مسلم کی حضرت سلمان سے روایت نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان نستنجي باقل من ثلاثة احجار اور تین پتھروں کے مفہوم میں ایک پتھر کے تین اطراف داخل ہیں۔ اور اگر تین سے زائد تعداد ہوجائے تو طاق عدد میں رکھنا مسنون ہے دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری ومسلم نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی پتھروں کو استعمال کرے تو وہ طاق عدد میں کرے اس حدیث میں حکمی انداز سے وجوب نہ ثابت ہونے کی وجہ وہ حدیث ہے جو ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ جو پتھروں سے استنجاء کرے تو وہ طاق عدد میں کرے، جو کرے وہ اچھا کرے گا اور جو نہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

پانی سے استنجا کرنے میں اس کی تعداد صحیح قول کے مطابق اس شخص کے رائے کے سپرد ہے کہ جب اس کا دل طہارت کے بارے میں یقینی یا ظن غالب کی حالت میں ہوجائے، یہ ہی صحیح ترین روایت ہے جو امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ امام احمد سے پانی سے استنجاء کی حد کے بارے میں پوچھا گیا انہوں نے فرمایا کہ وہ خوب اچھی طرح صاف کرلے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی تعداد نہ عملاً ثابت ہے اور نہ قولاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو کرنے کا حکم دیا امام احمد رحمہ اللہ سے سات کی تعداد بھی منقول ہے❶ اس بناء پر استنجاء کے لئے یہ ضروری ہے کہ ظن غالب اس کا ہوجائے کہ نجاست زائل ہوچکی ہے، ہاتھ میں اس کی محسوس ہونے والی بو مضر نہیں، کیونکہ بدبو کا برقرار رہنا نجاست کے اپنے محل پر برقرار رہنے کی دلیل ہوتی ہے اور ہاتھوں پر ناپاکی کا حکم اسی وقت لگایا جاتا ہے (اور جب ایسا نہیں ہے تو بدبو کا ہونا مضر نہیں)۔

استنجاء کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے بائیں ہاتھ پر نجاست لگنے سے پہلے پانی بہانا شروع کردے پھر اپنی اگلی شرمگاہ دھوئے پیشاب نکلنے کی صورت میں صرف نکلنے کی جگہ دھوئے اور مذی نکلنے کی صورت میں پوری شرمگاہ دھوئے (پورا عضو تناسل) پھر اپنی سرین کو دھوئے پانی ڈالتا ہے اور بائیں ہاتھ سے ملتا رہے اور کچھ دیر ٹھہر جائے خوب اچھی طرح ملے تاکہ وہ صاف ہوجائے دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے اور نہ اس سے عضو تناسل کو چھوئے۔❷

روزے دار کو اپنی گیلی انگلی مقعد کے اندر ڈالنے سے احتراز کرنا چاہئے کیونکہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

استجمار کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے پتھر سے آگے سے پیچھے لے جائے اور دوسرے سے پیچھے سے آگے لائے تیسرے پتھر کو پہلے کی طرح آگے سے پیچھے لے جائے اگر کپورے لٹکے ہوئے ہوں تاکہ وہ گندے نہ ہوجائیں اور اگر وہ لٹکے ہوئے نہ ہوں تو پیچھے سے آگے لے آئے۔

عورت کو چاہئے کہ وہ آگے سے پیچھے لے جائے تاکہ اس کی شرمگاہ گندی نہ ہوجائے۔❸

شوافع فرماتے ہیں❹ کہ تینوں پتھروں سے پوری جگہ کو گھیر کر صاف کرنا ضروری ہے۔ اس طرح کہ پہلے پتھر سے دائیں طرف کی چکتی کے حصے کے ابتدائی سرے سے شروع کرکے اس کے تہائی سرے تک لے جائے دوسرے پتھر سے بائیں چکتی کے ساتھ ایسا کرے اور تیسرے پتھر کو بیچ میں رکھ کر اس طرح حرکت دے کہ پاخانے کا راستہ اور دونوں چکتیوں کے بیچ کا حصہ مکمل طور پر پونچھ جائے۔

---

❶...... مراقي الفلاح ص ٨ المغني ج ١ ص ١٦١ مغني المحتاج ج ١ ص ٤٢۔❷ القوانين الفقهيه ص ٣٦ تبيين الحقائق ج ١ ص ٧٨۔❸ مراقي الفلاح ص ٨۔❹ مغني المحتاج جلد نمبر ١ ص نمبر ٤٥ المهذب ج نمبر ١ صفحه نمبر ٢٧۔

۴۔ استنجاء کے مستحبات...... استنجاء کے اندر جو چیزیں مسنون ہیں ان کا بیان مندرجہ ذیل ہے۔ ❶

ا...... ایسے پتھر اور کاغذ سے استنجاء کرے جو صفائی اچھی طرح کر سکے، یعنی نہ تو وہ بہت کھردری سطح والی ہو جیسے اینٹ اور نہ بالکل چکنی سطح والا ہو جیسے عقیق اور ہیرا وغیرہ۔ کیونکہ مقصود صفائی ہے۔ پتھر کی طرح ہر وہ چیز سمجھی جائے گی جو ازالہ نجاست کر سکتی ہو اور مضر نہ ہو اور نہ وہ بذات خود ایک قیمتی یا قابل احترام چیز ہو۔ چنانچہ خود گندہ کرنے والی چیز سے استنجاء نہیں ہو سکتا جیسے کوئلہ اور نہ مضر چیز سے ہو سکتا ہے جیسے شیشہ، اور نہ ہی مالی قیمت اور وقعت رکھنے والی چیز سے یہ درست ہے جیسے ریشم روئی وغیرہ کیونکہ اس میں اتلاف مال ہے اور نہ ایسی چیز سے استنجاء درست ہے جو کسی وجہ سے محترم ہو یعنی یا تو وہ کھانے کی چیز ہو یا بذات خود شرف وعزت والی چیز ہو یا دوسرے کا حق وابستہ ہونے کی وجہ سے اس کا احترام ضروری ہو۔ یہ بات مدنظر رہے کہ احناف کے ہاں پانی کے علاوہ دوسری مائع چیز سے استنجا درست ہے، جیسے عرق گلاب اور سرکہ۔ احناف کے علاوہ دیگر فقہاء نے شرط قرار دیا ہے کہ وہ چیز ٹھوس اور جامد ہو مائع سے استنجاء درست نہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ استنجاء ایسی پاک چیز سے درست ہے جو ازالہ کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہو لہٰذا احناف کے ہاں مکروہ تحریمی اور دوسروں کے ہاں یہ ناجائز ہے کہ گوبر اور لید سے استنجا کیا جائے۔ اور نہ ہڈی اور کھانے کی چیز یا روٹی سے درست ہے خواہ یہ چیزیں انسان کی ہوں یا غیر انسان کی۔ کیونکہ اس میں ضیاع اور بے حرمتی ہے۔ اور نہ ایسی چیز سے درست ہے جو اکھاڑ دینے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو جیسے شیشہ، چکنا بانس، اینٹ، ٹھیکری اور نہ ایسی چیز سے درست ہے جو بکھر جائے جیسے مٹی یا نرم کوئلہ اور مٹی کا ڈلا بخلاف سخت مٹی اور کوئلے کے کہ ان سے درست ہے۔ اور نہ ایسی چیز سے درست ہے جو بذات خود مشرف ومکرم ہو جیسے سونا، چاندی اور جواہرات یا وہ چیز دوسرے کی ہونے کی وجہ سے قابل حفاظت اور قابل احترام ہو جیسے دوسرے کی ملکیت میں موجود چیز یا دوسرے شخص کی دیوار خواہ وقف چیز ہی ہو۔

مالکیہ نے صرف اتنا ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے کہ پاک ہڈی اور پاک گوبر اور اپنی ملکیت کی دیوار سے استنجاء مکروہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پتھر وغیرہ سے استنجاء کرنے کی پانچ شرائط ہیں جو کہ یہ ہیں: ہر ٹھوس پاک چیز جو اکھاڑنے اور صاف کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو اذیت کا سبب نہ بنے اور نہ وہ قابل احترام ہو اس کے مطعومات میں سے ہونے کی وجہ سے یا اس کے شرف واحترام کی وجہ سے یا اس کا حق الغیر ہونے کی وجہ سے۔ اگر یہ شرائط ہوں تو ٹھیک ہے ورنہ نہیں اور اگر ایسی چیز سے استنجا کر لیا اور اس چیز سے مقصود صفائی حاصل ہو گئی تو استنجاء درست ہو جائے گا۔ اور ہاتھ سے صاف کر لینا اور پتھر وغیرہ کی تین سے کم تعداد سے صاف کر لینا بھی درست ہے۔ احناف نے استنجاء کے لئے استعمال ہونے والی چیز کے لئے اس کے ٹھوس ہونے کی شرط نہیں لاگو کی ہے۔ مالکیہ اور احناف فرماتے ہیں کہ اگر ایسی چیز سے استجمار کیا جس سے جائز نہ ہو تو وہ مع الکراہت درست ہو گا۔

گوبر اور لید سے استنجاء کرنے کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے، مسلم اور امام احمد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

لاتستنجوا بالروث ولا بالعظام فانهما زاد اخوانكم من الجن ❷

گوبر اور ہڈی سے استنجاء نہ کرو، یہ دونوں تمہارے جنات بھائیوں کی غذا ہیں۔

اور دارقطنی نے نقل کیا ہے کہ:

ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى ان نستنجي بروث اوعظم وقال انهما لايطهران ❸

---

❶...... مراقی الفلاح ص ۷، الدرالمختار ج ۱ ص ۳۱۱-۳۱۵، فتح القدیر ج ۱ ص ۵۰. تبیین الحقائق ج ۱ ص ۷۸، اللباب ج ۱ ص ۵۸، الشرح الصغیر ج ۱ ص ۹۲، ۱۰۰ اور بعد کے صفحے، بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۸۰، القوانین الفقھیہ ص ۳۷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۳ ص ۴۶، المہذب ج ۱ ص ۲۸ المغنی ج ۱ ص ۱۵۴-۱۵۸ کشف القناع ج ۱ ص ۷۵-۷۷. ❷ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۱۹، نیل الاوطار ج ۱ ص ۹۷. ❸ اس کی اسناد صحیح ہیں، نیل الاوطار ج ۱ ص ۹۲.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوبر اور ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ یہ دونوں پاک نہیں کرتے۔

ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رویفع بن ثابت (جن کا لقب ابوبکرۃ تھا) سے فرمایا:

اخبر الناس انه من استنجی برجیع (ای روث) اوعظم فهو بری من دین محمد

لوگوں میں اعلان کردو کہ جو شخص گوبر یا ہڈی سے استنجاء کرے وہ دین محمد سے بری ہے۔ ❶

اور یہ ممانعت عام ہے پاک کے بارے میں بھی ہے۔ اور جب جنات کی غذا سے استنجاء کی ممانعت کردی گئی تو انسان کی غذا سے استنجاء بطریق اولیٰ منع ہوگا شوافع جانوروں کی غذا سے استنجاء کو جائز قرار دیتے ہیں جیسے گھاس وغیرہ لیکن جمہور علماء اس کو بھی ناجائز کہتے ہیں اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئلے سے استنجا کی ممانعت کا قول ضعیف ہے اور اگر اس کو صحیح بھی قرار دے دیا جائے تو اس سے وہ کوئلہ مراد ہوگا جو نرم ہو۔

۲..... پتھروں اور کاغذ کا تین مرتبہ استعمال حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں مستحب ہے، شوافع اور حنابلہ کے ہاں واجب ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ پتھر سے استنجا کرنے میں دو باتیں ضروری ہیں، ایک یہ کہ تین دفعہ پونچھا جائے خواہ ایک پتھر کے تین اطراف سے سہی، اور تین سے سات تک طاق عددوں میں استعمال کرنا اگر محل نجاست صاف نہ ہو۔ اور مسنون یہ ہے کہ نجاست کے ہر محل (پاخانہ کی جگہ، اور پیشاب کی جگہ) کے لئے علیحدہ پتھر وغیرہ ہوں۔ ان حضرات کی دلیل دو احادیث ہیں۔

۱..... اذا ذهب احدکم الی الغائط فلیستطب بثلاثة احجار فانها تجزی عنه

تم میں سے جب کوئی پاخانے کے لئے جائے تو وہ تین پتھروں سے صفائی حاصل کرے یہ اس کے لئے کافی ہوں گے۔

اور دوسری حدیث:

۲..... من استجمر فلیوتر ❷

جو شخص استجمار کرے تو طاق عدد میں کرے۔

۳..... یہ کہ دائیں ہاتھ سے استنجا صرف حالت عذر میں کرے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنے عضو تناسل کو دایاں ہاتھ نہ لگائے اور جب قضائے حاجت کے لئے جائے تو اپنے دائیں ہاتھ سے نہ پونچھے اور اگر کچھ پیئے تو ایک سانس میں نہ پیئے ❸ اس لئے استنجاء بائیں ہاتھ سے مسنون ہے۔

۴..... چھپنا اور شرمگاہ کا ایسے شخص کے سامنے نہ کھولنا جو اسے دیکھ لے دوران استنجاء اور دوران قضاء حاجت واجب ہے کیونکہ شرمگاہ کا دکھانا حرام ہے اور یہ عمل فسق ہے تو سنت کو قائم کرنے کی غرض سے اس حرام کام کا ارتکاب نہ کرے اور مخرج کو کپڑوں کے اندر ہی سے پتھر وغیرہ سے پونچھ لے اور اگر وہ اسے چھوڑ دے تو نماز اس کے بغیر بھی درست ہوجائے گی کیونکہ مخرج میں جو کچھ ہے وہ ساقط الاعتبار ہے۔ پردہ کرنے

---

❶ ..... امام احمد مسلم اور ابوداؤد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے نهی النبی صلی الله علیه وسلم ان یتمسح بعظم اوبعرة دارقطنی اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے اور حضرت ابن مسعودؓ کو تین پتھر لانے کا حکم دیا وہ دو پتھر اور ایک گوبر کا ٹکڑا لے آئے آپ نے گوبر کا ٹکڑا پھینک دیا اور فرمایا انها رکس، ائتنی بحجر (یہ نجاست ہے پتھر لا کردو) بخاری نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے اس سے ملتا جلتا قصہ روایت کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں ابغنی احجارًا استنفض بها ولا تأتنی بعظم ولا بروثة نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۱۶۔ ۲۱۹۔ ❷ پہلی حدیث امام احمد نسائی، ابوداؤد اور دارقطنی نے روایت کی ہے اور اس کی اسناد کو صحیح حسن قرار دیا ہے اور یہ روایت ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی نقل کی ہے دوسری روایت امام احمد ابوداؤد و ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۹۰۔ ۹۵۔ ❸ یہ حدیث صحاح ستہ کے مصنفین نے حضرت ابوقتادہ سے نقل کی ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۲۰،

کی بہت سی احادیث ہیں جنہیں ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو قضائے حاجت کے لئے جائے تو وہ پردہ اختیار کرے، اور اگر وہ سوائے اس کے کہ ریت کا ایک ٹیلہ بنائے کچھ نہ کر سکتا ہو تو وہ اس ٹیلے کے پیچھے ہی چھپ جائے اور جنگل وصحراء وغیرہ میں لوگوں سے اتنی دور چلا جائے کہ اس سے خارج ہونے والی چیز کی آواز اور بو کسی تک نہ پہنچے۔

۵.....پانی سے استنجاء کرنے والے کے لئے یہ بہتر ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کو زمین وغیرہ کی طرح جگہ پر ملے پھر استنجاء کے بعد اس کو مٹی یا صابن یا اشنان وغیرہ سے دھولے۔

۶.....مقعد کو کھڑے ہونے سے پہلے پونچھ دینا اگر وہ روزے دار ہو تا کہ مقعد پانی نہ جذب کرلے (یعنی فی الفور نہ کھڑا ہو پانی کو ہاتھ سے جھاڑ کر کھڑا ہو اگر زیادہ پانی ہو)۔

۷.....مرد کو چاہئے کہ وہ استنجاء کرنے کی صورت میں پہلے عضو تناسل کو دھوئے تا کہ پہلے مقعد کو دھونے کی صورت میں اس کے ہاتھ گندے ہو کر عضو تناسل کو بھی گندا نہ کردیں۔ اور عورت کو اختیار ہے کہ وہ جس کو چاہیے پہلے دھولے شوافع اور حنابلہ کے ہاں اپنی شرمگاہ اور کپڑے پر (رومالی کی جگہ) پانی چھڑک لینا مستحب ہے تا کہ وسوسے وغیرہ دور ہوجائیں۔

۵۔ قضاء حاجت کے آداب.....قضائے حاجت کرنے والے شخص کیلئے خواہ وہ پیشاب کرے یا پاخانہ، یہ امور مستحب ہیں۔❶

۱.....قضاء حاجت کے وقت کوئی ایسی چیز پاس نہ رکھے جس پر اللہ کا نام ہو یا کوئی بھی قابل تعظیم نام ہو۔ جیسے ملائکہ، عزیز، کریم محمد اور احمد وغیرہ، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قضاء حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے۔ اور اس انگوٹھی پر "محمد رسول اللہ" کے الفاظ کندہ تھے اور اگر وہ شخص اس کو بحفاظت رکھے اور اس کی گرنے سے حفاظت کرے تو کوئی حرج نہیں۔

۲.....اپنے جوتے پہنے، سر ڈھکے، استنجاء کے لیے پتھر لے یا انہیں تیار رکھے، یا نجاست کے دور کرنے کا کوئی دوسرا سامان فراہم رکھے۔

۳.....قضائے حاجت کی جگہ داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں رکھے اور نکلتے وقت دایاں پاؤں نکالے، کیونکہ وہ چیز جس میں تکریم اور عزت کا پہلو ہو اس کے انجام میں داہنی طرف کا اور اس کے برخلاف چیز میں باہنی طرف کا لحاظ رکھا جائے گا۔ کیونکہ تکریم وعزت کی مناسب داہنی جانب اور باہنی جانب میں گندگی اور غلاظت کا پہلو ہوتا ہے۔ بیت الخلاء میں داخلے کا معاملہ مسجد اور گھر میں داخل ہونے سے مختلف معاملہ ہے کہ ان دونوں میں دایاں قدم رکھنا ہوتا ہے۔ داخل ہوتے وقت یہ کہے "بسم اللّٰہ! اللھم انی اعوذبك من الخبث والخبائث "یعنی اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں نرینہ اور زنانہ شیطانوں سے۔ اس میں بخاری ومسلم کی روایت کی پیروی ہے کہ "بنی آدم کی شرمگاہ اور جنات کی آنکھوں کے مابین پردہ یہ ہے کہ تم سے جب کوئی بیت الخلاء جائے تو یوں کہے بسم اللہ....." دوسری حدیث میں ہے کہ "قضاء حاجت کی جگہیں گندی مخلوقات کی حاضری کی جگہیں ہوتی ہیں، جب کوئی وہاں آئے تو یوں کہے "اللھم انی اعوذبك من الخبث والخبائث۔"

بیت الخلاء سے نکلتے وقت یوں کہے "غفرانک! الحمدللہ الذی اذھب عنی الاذی وعافانی "نسائی کی روایت حدیث کی پیروی میں ایسا کہے۔

۴.....بیٹھے ہوئے بائیں پاؤں پر زور دیتے ہوئے بیٹھے، کیونکہ یہ نکلنے والی چیز کے نکلنے میں سہولت پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے اور

❶.....یہ حدیث ابن ماجہ اور ابوداؤد نے روایت کی ہے ابوداؤد نے اس کو حدیث منکر قرار دیا ہے نسائی اور ترمذی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور ترمذی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۷۳۔ ❷ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اپنے باب میں یہ صحیح ترین حدیث ہے ابوداؤد کے علاوہ پانچوں حضرات نے اس کو روایت کیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۸۸۔ ❸ حدیث کے الفاظ یہ ہیں لایبو لن احدکم فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل فیه

طبرانی نے حضرت سراقہ بن مالک سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں ٹانگ پر بیٹھنے اور دائیں کو کھڑا رکھنے کا حکم دیا یہ بھی آداب میں ہے کہ وہ آدمی اپنی ٹانگوں کے درمیان کشادگی رکھے اور بلا ضرورت بات نہ کرے اور حاجت سے زیادہ وہاں نہ بیٹھے کیونکہ اس طرح بیٹھنا اس کے لئے مضر ہے کہ اس طرح بواسیر اور جگر کے خون بہنے کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے کپڑے اس وقت تک نہ اٹھائے جب تک کہ وہ بیٹھنے کے قریب نہ ہو، کیونکہ ایسا کرنا ستر پوشی کے زیادہ قریب ہوتا ہے، اور ابوداؤد کی روایت کردہ حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے ہیں تو اپنے کپڑے اس وقت تک نہ اٹھاتے جب تک زمین کے قریب نہ ہو جاتے اور مستحب یہ ہے کہ بیٹھ کر پیشاب کرے تاکہ اس کی چھینٹیں اڑ کر اس پر نہ گریں، اور بلا عذر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے یہ بڑی قساوت قلبی ہے کہ انسان کھڑا ہو کر پیشاب کرے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں جو شخص تم سے یہ کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب فرماتے تھے تو اس کی تصدیق مت کرو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف بیٹھ کر ہی پیشاب کیا کرتے تھے❶ تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی رخصت بھی منقول ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ اور بہتر یہ ہے کہ نرم زمین میں پیشاب کرے تاکہ چھینٹیں اڑ کر نہ لگیں، اور ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے امام احمد وابوداؤد رحمہ اللہ علیہما نے حضرت ابوموسیٰ سے روایت کی ہے کہ جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو وہ اپنے پیشاب کی وجہ سے ٹانگیں کھول کر بیٹھے۔

۵..... ہوا کے رخ کے مخالف پیشاب نہ کرے تاکہ اڑ کر دوبارہ اسی پر نہ آجائے اور نہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرے نہ قلیل ماء جاری میں اور احناف کے ہاں کثیر پانی میں بھی نہ کرے۔ کیونکہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے❷ اور قبروں پر بھی یا ان کے درمیان بھی پیشاب نہ کرے ان کے احترام کی وجہ سے اسی طرح راستوں اور لوگوں کے بیٹھنے کی جگہوں میں بھی پیشاب وغیرہ نہ کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

اتقوا الملا عن الثلاثہ البراز فی الموارد، وقارعة الطريق والظل❸

تین لعنتی کاموں سے بچو پاخانہ کرنا پانی کے گھاٹ کے آس پاس بیچ راستے میں اور سائے میں۔

اسی طرح زمین میں موجود کسی سوراخ یا دراڑ میں پیشاب نہ کرے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے کسی پھل دار درخت پر پھل موجود ہونے کی صورت میں اس کے نیچے پیشاب نہ کرے تاکہ پھل اس پر گر کر ناپاک نہ ہو جائے۔ ان چیزوں سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ پانی میں تو احناف کے ہاں پیشاب کرنا ممنوع ہے ٹھہرے ہوئے پانی میں حرام زیادہ پانی میں (ماء کثیر میں) مکروہ تحریمی اور چلتے ہوئے پانی میں مکروہ تنزیہی ہے لہٰذا قلیل پانی وغیرہ میں پیشاب سے تو وہ پانی ناپاک ہو جائے گا۔ شوافع کے ہاں پھل دار درخت کے نیچے پیشاب کرنا عام دنوں میں بھی (جب اس پر پھل نہ ہوں) بہتر نہیں ہے مقصود یہ ہے کہ پھل آنے پر نیچے گرنے سے زمین کے گندہ ہونے کی صورت میں وہ بھی گندے ہوں گے اور طبیعت ان کا کھانا ناپسند کرے گی تاہم اس حالت میں وہ پیشاب کرنے کو حرام نہیں کہتے ہیں کیونکہ بعد میں آنے والے پھل کا ناپاک ہونا غیر یقینی ہے حنابلہ نے پھل نہ ہونے کی صورت میں اس کو جائز رکھا

---

❶..... یہ حدیث ابوداؤد نے جید سند کے ساتھ حضرت معاذؓ سے نقل کی ہے اس میں آئے ہوئے لفظ مورد سے مراد پانی کا گھاٹ وغیرہ ہے۔ مسلم، احمد اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اتقوا اللاعنين قالو اوما اللا عنان يارسول الله، قال الذی يتخلى فى طريق الناس او فى ظلهم (دو لعنتی کاموں سے بچو لوگوں نے کہا کون دو یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک وہ جو لوگوں کے راستے میں قضائے حاجت کرے دوسرا وہ شخص جو سائے میں پیشاب کرے) ملاعن کا لفظ ملعن کی جمع ہے اس کا مطلب وہ کام جس پر لعنت ہوتی ہے۔❷ یہ حدیث ابوداؤد نے عبداللہ بن سرجس سے روایت کی ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۸۴۔❸ یہ حدیث احمد، مسلم، اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔

ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے اونچے یا گنجان کھجور کے درخت (درختوں کے جھنڈ) کے پیچھے پردہ پوشی کو پسند فرماتے تھے اسی جگہ جہاں قضائے حاجت کی ہو استنجاء کرنا مکروہ ہے اس شخص کو چاہئے کہ وہ وہاں سے ہٹ کر کرے تا کہ غلاظت کی چھینٹیں اس پر نہ گریں۔ اور حمام میں (جہاں غسل کرنا ہو) پیشاب کرنا مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ اپنے غسل کی جگہ پیشاب۔
کرے پھر وہیں وضو کرے، کیونکہ وسوسہ عام طور پر ایسے ہی ہوتا ہے ❶ تاہم یہ ممانعت اس وقت ہے کہ جب وہاں کوئی راستہ پانی نکلنے یا بہہ جانے کا نہ ہو۔

۶..... احناف کے ہاں قبلہ رخ ہونا یا اس کی طرف پیٹھ کرنا قضاء حاجت کے دوران مکروہ ہے خواہ آبادی میں ہو۔ کیونکہ فرمان نبوی ہے:

اذا تیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستد بروها ببول اوغائط، ولکن شرقوا اوغربوا❷

(جب تم قضائے حاجت کے لئے بیٹھو تو قبلہ رخ ہو کر یا اس طرف پیٹھ کر کے پیشاب یا پاخانہ مت کرو، مشرق اور مغرب کا رخ کر لیا کرو) (وہاں عرب میں مدینہ منورہ میں قبلہ شمالاً جنوباً ہے شرقاً غرباً نہیں) احناف کے علاوہ جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ اس جگہ میں مکروہ نہیں جو قضائے حاجت کے لئے خاص ہو کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ ہم قبلہ رخ ہو کر پیشاب کریں، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات سے ایک سال قبل قبلہ رخ ہو کر قضائے حاجت کرتے دیکھا تھا❸ اس حدیث کے بارے میں یہ تاویل ہے کہ آپ کو انہوں نے آبادی اور عمارت کے اندر ایسا کرتے دیکھا ہوگا۔ اور وہ جگہ جو قضاء حاجت کے لئے نہ ہو وہاں قبلہ رخ ہونا یا اس طرف پیٹھ کرنا حرام ہے، اسی طرح کھلے میدان میں ایسی آڑ کے بغیر جو تقریباً دو تہائی ذراع یا اس سے زائد ہو (یعنی کم از کم تقریباً ۴۰ چالیس سینٹی میٹر سے اونچی آڑ ہو جو کہ سوا فٹ سے کچھ زیادہ لمبائی بنتی ہے) اور اس آڑ سے بھی انسان تین ذراع سے زائد دور نہ بیٹھے (یعنی اس آڑ کے قریب بیٹھے اگر دور بیٹھے تو تین ذراع سے زیادہ دور نہ بیٹھے ورنہ مقصود حاصل نہ ہوگا (یعنی تقریباً تین فٹ) اسی طرح کھلے میدان میں بیوی سے ہمبستری بھی بلا آڑ منع ہے آڑ ہونے کی صورت میں ممانعت نہیں ہے، جیسے گھر میں یا کھلی جگہ میں آڑ کے اندر رہتے ہوئے ہم بستری کرنا۔ سورج اور چاند کے عین مد مقابل ہونا منع ہے کیونکہ ان میں نور خداوندی ہے اور یہ اللہ کی بڑی نشانیاں ہیں اگر ان سے کسی چیز کے ذریعے پردہ کر لیا یا آدمی اس خاص جگہ میں ہو۔ وہ قضاء حاجت کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح ہوا کے مخالف پیشاب کرنا بھی مکروہ ہے تا کہ چھینٹیں نہ اڑ کر واپس آئیں۔

۷..... مستحب یہ ہے کہ وہ نہ آسمان کو دیکھے نہ شرمگاہ کو نہ اس سے نکلنے والی گندگی کو نہ اپنے ہاتھوں سے کھیلے اور نہ دائیں بائیں دیکھے اور نہ مسواک کرے کیونکہ یہ سب اس کی حالت کے منافی امور ہیں اور زیادہ دیر نہ بیٹھے کہ اس سے بواسیر کی شکایت ہو جاتی ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ وہ کھڑے ہوتے وقت آہستہ آہستہ اپنا کپڑا بھی لٹکاتا جائے۔ مسجد میں پیشاب حرام ہے خواہ برتن میں کیا جائے کیونکہ یہ اس کے آداب اور احترام کے خلاف ہے اسی طرح قبر کے اوپر کرنا حرام ہے اور اس کے آس پاس کرنا مکروہ ہے اس کا احترام مقصود ہے۔

اور اگر اس دوران چھینک آئے تو دل میں الحمدللہ کہے اور بیت الخلاء سے استنجاء کے بعد نکلنے کے بعد یہ کہے:

اللھم طھر قلبی من النفاق وحصن فرجی من الفواحش

اے اللہ میرے دل کو نفاق سے پاک کر دے اور میری شرمگاہ کو بے حیائی کے کاموں سے بچائے رکھ۔

---

❶..... یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے نقل کی ہے۔ ❷ امام احمد اور بخاری ومسلم نے حضرت ابوایوبؓ سے یہ روایت نقل کی ہے نیل الاوطار ۱/ص ۸۰۔ ❸ ترمذی نے یہ حدیث روایت کی ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ''حدیث حسن غریب''۔ باقی محدثین نے بھی یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے نیل الاوطار ۱/ص ۸۰۔۸۱۔

اور یہ کہے:

الحمدللہ الذی اذا قنی لذتہ وابقی فی منفعتہ واخرج عنی اذاہ

اللہ کا شکر کہ اس نے مجھے کھانے کی لذت چکھائی، مجھ میں اس کا فائدہ رہنے دیا اور اس کی تکلیف اور زائد چیزوں کو باہر نکال دیا۔

الفصل الرابع ...... چوتھی فصل

وضو اور اس سے متعلق چیزوں کا بیان

اس فصل میں تین مباحث ہیں:

پہلی بحث، وضو...... اس بحث کے ذیل میں وضو کی تعریف اقسام، فرائض، شرائط، سنتوں، آداب، مکروہات نواقض وضو (وضو توڑنے والی چیزیں) معذور کے وضو اور وہ چیزیں جن سے بے وضو شخص کو روکا جاتا ہے ان سب امور کا بیان ہوگا۔

خبث (نجاست) کو پاک کرنے کی بحث گزر چکی ہے یہ طہارت حقیقیہ کہلاتی ہے اور حدث سے حاصل کی جانے والی طہارت کو طہارت حکمیہ کہتے ہیں اس کی تین قسمیں ہیں۔(۱) وضو (۲) غسل اور (۳) تیمّم میں پہلے وضو کا بیان کروں گا کیونکہ اس کا سبب حدث اصغر ہوتا ہے اور تیمم تو وضو اور غسل کا مخصوص حالات میں نعم البدل ہے ہم یہ جان چکے ہیں کہ طہارت حکمیہ ایک وصف ہے جو شرعاً اعضاء بدن کو دھونے سے حاصل ہوتا ہے اور جو نجاست حکمیہ کو زائل کر دیتا ہے۔ اور ہم یہ بھی جان چکے ہیں کہ طہارت حقیقیہ نام ہے گندگی کو دور کرنے کا یعنی وہ گندگی جو شرعاً گندگی اور نجس چیز شمار ہو۔

وضو کی بحث کے تحت ۹ (نو) ذیلی مباحث ہیں۔

۱۔ پہلی بحث: وضو کی تعریف اور اس کا حکم، یعنی اقسام اور اوصاف...... لفظ وضو (واؤ کے پیش کے ساتھ) فعل کا نام ہے یعنی مخصوص اعضاء کو مخصوص طریقے سے دھونے کا نام ہے یہی یہاں مراد ہے، یہ وضاء سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں حسن خوبصورتی اور صفائی کے۔ عربی میں بولتے ہیں وضو الرجل ای صار وضیا (یعنی آدمی خوبصورت بن گیا) وضو (واؤ کے زبر کے ساتھ) اس پانی کو کہتے ہیں جس سے وضو کیا جاتا ہے۔

شرعاً وضو مخصوص صفائی کا نام ہے ❶ یا وہ نام ہے مخصوص افعال کا جنہیں نیت کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے ❷ اور وہ ہے چہرے، دونوں ہاتھ پاؤں کا دھونا اور سر کا مسح کرنا ہے اس کی سب سے واضح تعریف یہ ہے کہ وضو نام ہے پاک پانی کو جسم کے مخصوص اعضاء میں اس خاص طریقے سے استعمال کرنا جو شریعت نے بتایا ہے ❸ اس کا اصل مقصود اور حکم اصلی یہ ہے کہ یہ نماز کے لئے فرض ہے کیونکہ یہ نماز کی درستگی کے لئے شرط ہے جیسا کہ قرآن کی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ...... سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶

اے اہل ایمان! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوتو دھولو اپنے چہرے اور ہاتھ کہنیوں تک اور مسح کرو سر کا اور دھولو پاؤں کو گٹوں تک۔

اور حدیث میں ہے کہ تم میں سے حدث لاحق ہو جانے والے شخص کی نماز اللہ اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک وہ وضو نہ

❶...... مراقی الفلاح ص ۹۔ ❷ مغنی المحتاج ج ا ص ۴۷۔ ❸ کشف القناع ج ا ص ۹۱

کرے (1) اور وضو اس لئے بھی ضروری ہے کہ امت کا اس کے فرض ہونے پر اجماع ہے۔
وضو شروع تو مکہ میں ہوا تھا مگر اس کی آیتیں مدینہ میں اتریں جیسا کہ محققین نے وضاحت کی ہے۔ان عضاء کے دھونے کی حکمت یہ ہے کہ یہ اعضا زیادہ تر گندگی گرد وغبار اور کچرے وغیرہ کا شکار ہوتے ہیں۔وضو کے ساتھ کبھی دوسرے اوصاف بھی پائے جاتے ہیں جو اس کو مستحب یا واجب بنا دیتے ہیں احناف کی تعبیر کے مطابق (۴) یا کبھی ممنوع بھی بنا دیتے ہیں لہٰذا فقہاء نے وضو کی کئی اقسام بیان کی ہیں اور اس کے کئی اوصاف بھی بیان کئے ہیں ان سب کا اگلی سطور میں بیان ہے

ا.....احناف فرماتے ہیں (2) کہ وضو کی پانچ قسمیں ہیں۔

ا۔فرض وضو:الف:.....بے وضو شخص جب نماز کے لئے ارادہ کرے تو اس پر لازم ہوگا نماز خواہ فرض ہو یا نفل مکمل نماز ہو یا نامکمل نماز ہو جیسے نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت (3) دلیل وہی آیت ہے جو گذری اذا قمتم الی الصلاۃ۔اور دوسری حدیث جو گذری کہ اللہ تم میں سے اس شخص کی نماز نہیں قبول کرتا جو بے وضو ہو جب تک کہ وہ وضو نہ کرے (4) اور ایک حدیث ہے:

لایقبل اللہ طھارۃ بغیر طھور ولا صدقۃ من غلول (5)

اللہ تعالیٰ نماز بغیر پاکی کے حصول کے اور صدقہ خیانت شدہ مال سے قبول نہیں کرتا۔

ب.....قرآن کریم چھونے کے لئے خواہ ایک آیت ہو جو ورق دیوار یا نقدی (سکے نوٹ) وغیرہ پر لکھی ہوئی ہو دلیل قرآن کی یہ آیت ہے:

لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ۝ سورۃ الواقعہ،آیت نمبر ۷۹

قرآن کو صرف پاک لوگ چھوئیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ:

لایمس القرآن الا طاھر (6)

قرآن کریم صرف پاک آدمی چھوئے۔

۲۔واجب وضو.....وہ وضو ہوتا ہے جو طواف کعبہ کے لئے کیا جاتا ہے احناف کے علاوہ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ وہ فرض ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خانہ کعبہ کا طواف نماز ہی کی طرح ہے اللہ نے صرف اس میں باتوں کو حلال کر دیا ہے، جو شخص اس کے دوران بات چیت کرے تو خیر اور بھلائی کی بات کرے (7) احناف فرماتے ہیں کہ چونکہ طواف صلاۃ حقیقیہ نہیں ہے اس لئے اس کی درستگی اور صحت طہارت پر موقوف نہیں واجب طواف میں طہارت چھوڑ دینے سے دم واجب ہوگا۔اور فرض طواف میں چھوڑ دینے سے بدنہ (بڑا دم اونٹ یا گائے) لازم ہوگا۔اور نفلی طواف میں طہارت چھوڑ دینے سے صدقہ لازم ہوگا۔

---

(1)..... روایت بخاری ومسلم۔.....فرض احناف کے ہاں وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہوا اور روایت وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو جس میں شبہ ہو۔
(2) مراقی الفلاح ص ۱۱۳ اور بعد کے صفحات۔ (3) قرآن کریم میں کچھ آیات میں جنھیں آیات سجدہ کہا جاتا ہے ان کی تعداد شوافع اور حنابلہ کے ہاں چودہ ہے مسلمان جب ان کی تلاوت کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ نیت اور پاکی کے ساتھ قبلہ رخ ہو کر سجدہ کرے سجدہ تلاوت احناف کے ہاں واجب اور جمہور کے ہاں سنت ہے۔ (4) روایت بخاری مسلم،ابوداؤد و ترمذی از حضرت ابوہریرہ سبل السلام ج ۱ ص ۴۰۔ (5) بخاری کے علاوہ اصحاب صحاح ستہ نے اس کو حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے غلول خیانت کو کہتے ہیں نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۰۴۔ (6) یہ حدیث اثرم اور دار قطنی نے روایت کی ہے حاکم بیہقی اور طبرانی نے بھی اس کو نقل کیا ہے امام مالک نے مؤطا میں اس کو مرسل ذکر کیا ہے یہ حدیث ضعیف ہے علامہ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ لا باس بہ (اس کو قبول کرنے میں حرج نہیں۔نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۰۵۔ (7) یہ روایت ابن حبان حاکم،ترمذی از حضرت ابن عباسؓ نصب الرأیۃ ج ۳ ص ۵۷۔

۳۔ **مستحب وضو**...... یہ بہت ساری حالتوں میں ہوتا ہے جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

الف..... ہر نماز کے لئے تازہ وضو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر میری امت پر بھاری نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے لئے وضو اور ہر وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا ❷ تجدید وضو جب مستحب ہے جب پہلے وضو سے نماز ادا کرلی ہو فرض یا نفل کیونکہ یہ وضو نور علی نور شمار ہوگا اور اگر پہلے وضو سے کوئی مقصودی عبادت نہیں انجام دی تو دوسرا وضو اسراف شمار ہوگا ❸ دلیل اس کی یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو پاکی کے باوجود وضو کرے اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی ❹ اسی طرح ہمیشہ حالت وضو میں رہنا مستحب ہے۔ ابن ماجہ، حاکم، احمد اور بیہقی کی حضرت ثوبان سے نقل کردہ روایت میں ہے" استقامت پر رہو تم ہرگز احاطہ نہیں کرسکتے جان لو تمہارا سب سے بہتر عمل نماز ہے اور وضو کی پابندی تو صرف مؤمن ہی کرتا ہے۔"

ب..... شرعی اور دینی کتابیں مثلاً تفسیر، حدیث، عقیدہ اور فقہ وغیرہ کی کتابوں کو چھونے کے لئے وضو کرنا مستحب ہے۔ تفسیر میں اگر قرآن زیادہ ہو تو اس کو بے وضو چھونا حرام ہوگا۔

ج:..... وضو کی حالت میں سونے کے لئے اور نیند سے بیدار ہوتے ہی فوراً حصول طہارت کے لئے وضو مستحب ہے۔ حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سونا چاہو تو نماز کی طرح کا وضو کرو، دائیں کروٹ لیٹو اور یہ دعا پڑھو:

اللهم انی اسلمت نفسی الیك ووجهت وجهی الیك، وفوضت امری الیك والجأت ظهری الیك، لاملجاء ولا منجی منك الا الیك امنت بكتابك الذی انزلت، وبنبيك الذی ارسلت ❺

د..... غسل جنابت سے پہلے وضو مستحب ہے اسی طرح جنبی شخص کے لئے کچھ کھانے پینے سونے یا دوبارہ ہم بستری سے پہلے وضو کر لینا مستحب ہے کیونکہ حدیث میں ایسا آیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر جنابت کی حالت میں ہوتے اور کھانا یا سونا چاہتے تو وضو کر لیتے ❻ یہ بھی ان سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر سونا چاہتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شرمگاہ دھو لیتے اور نماز والا وضو کر لیتے ❼ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی سے ہم بستر ہو اور دوبارہ ایسا کرنا چاہے تو وہ وضو کرلے۔ ❽

ھ..... غصہ آجانے پر وضو کر لینا مستحب ہے۔ کیونکہ وضو سے غصہ کم ہوتا ہے امام احمد نے یہ نقل کیا ہے جب تم میں سے کوئی غصے میں ہو تو وہ وضو کرلے۔

و..... قرآن پڑھنے کے لئے، حدیث پڑھنے اور روایت کرنے کے لئے، دینی کتاب کے مطالعے کے لئے ان کی عظمت شان کی خاطر وضو کر لینا مستحب ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حدیث پاک املاء کراتے وقت وضو کرکے پاک صاف ہو کر بیٹھتے تھے حدیث کی تعظیم وتکریم کی خاطر۔

ز:..... اذان، اقامت کہنے، خطبہ دینے کے لئے خواہ خطبہ نکاح ہو، زیارت نبوی کے لئے، وقوف عرفہ کے لئے اور صفا مروہ کے درمیان سعی کے لئے وضو مستحب ہے کیونکہ (صفا و مروہ اور عرفہ کا میدان) عبادت کے مقامات ہیں۔

---

❶ ..... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۶۳ مزید ملاحظہ کریں۔ ❷ امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۱۰۔ ❸ ردالمحتار۔ ابن عابدین شامی، ج ۱ ص ۱۱۱۔ ❹ یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے تاہم یہ حدیث ضعیف ہے۔ ❺ یہ حدیث امام احمد، بخاری اور ترمذی نے حضرت براء بن عازب سے نقل کی ہے جاگنے کے بعد ہاتھ دھونے والی حدیث سے ہمیں جاگنے کے بعد فوری وضو کر لینے کا اشارہ ملتا ہے ابن ماجہ نے حضرت جابر سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جب تم میں کوئی بیدار ہو اور وضو کرنا چاہے تو اپنا ہاتھ وضو کے پانی میں نہ ڈال دے جب تک کہ اسے دھو نہ لے کیونکہ اس کو نہیں معلوم کہ اس کا ہاتھ کہاں رہا اور کہاں کہاں اس نے ہاتھ رکھا ہو نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۔ ❻ بروایت احمد ومسلم ایک روایت نسائی نے بھی اسی کے ہم معنی نقل کی ہے۔ ❼ روایت صحاح ستة۔ ❽ روایت صحاح ستہ ما سوا بخاری۔

ح.....گناہ کے ارتکاب کے بعد جیسے غیبت جھوٹ چغل خوری وغیرہ کے بعد وضو کر لینا کیونکہ نیکی برائی کو مٹا دیتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتادوں جس سے اللہ گناہوں کو مٹاتے اور درجات کو بلند کرتے ہیں؟ سب بولے: بالکل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو پورا پورا کرنا ناگواری کے باوجود (یعنی مثلاً شدید سردی یا شدید گرمی میں ٹھنڈے یا گرم پانی سے وضو کی صورت میں وضو کرنا) اور مسجد

کی طرف زیادہ قدم اٹھانا اور نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا۔ یہی رباط ہے یہی رباط ہے❶ (یعنی پابندی سے کام کرنا یہی ہے)

ط:.....نماز کے باہر قہقہہ لگانے کی صورت میں وضو مستحب ہے کیونکہ یہ صورتاً حدث ہے۔

ی.....میت کے غسل دینے اور اٹھانے کے بعد، کیونکہ حدیث میں جو کسی میت کو غسل دے وہ غسل کرے، جو اٹھائے وہ وضو کرے۔❷

ک.....علماء کے درمیان اختلافی مسئلہ ہونے کی صورت میں وضو مستحب ہے تاکہ اختلاف سے نکل سکے جیسے عورت کے چھونے یا ہاتھ کے اندر کی طرف سے شرم گاہ کو چھونے یا اونٹ کا گوشت کھا لینے کی صورت میں وضو کر لینا مستحب ہے کیونکہ ان کاموں کے کرنے سے بعض کے ہاں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور مستحب اس لئے ہے کہ اس کی عبادت بالاتفاق سب کے ہاں درست ہو اور دین کا بچاؤ اور حفاظت بھی ہو۔

۴۔ مکروہ وضو.....جیسے ایک وضو سے نماز سے پڑھنے سے پہلے دوسرا وضو کر لینا یعنی وضو در وضو مکروہ ہے اور پہلے وضو سے نماز وغیرہ ادا نہ کی ہو، خواہ مجلس بدل بھی جائے۔❸

۵۔ حرام وضو.....جیسے غصب شدہ پانی سے وضو کرنا یا یتیم کے پانی سے وضو کرنا۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ غصب شدہ چیز وغیرہ سے وضو درست نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

من عمل عملا ليس عليه امرنا فهورد❹

جو شخص ایسا کام کرے جو ہم نے نہ بتایا ہو تو وہ کام مردود ہے الوٹایا جائے گا۔

مالکیہ کے ہاں بھی وضو کی پانچ قسمیں ہیں❺ واجب، مستحب، سنت، مباح اور ممنوع۔ واجب وضو وہ ہے جو فرض نماز نفل نماز، سجدہ تلاوت نماز جنازہ، قرآن کو چھونے اور طواف کے لئے ہو۔ اور نماز صرف واجب وضو کے ذریعے ہی ادا ہوگی۔ اور اگر کوئی وضو ان اشیاء کے لئے کرے تو اس کے لئے تمام عبادتیں کرنا درست ہوں گی۔

سنت وضو: جیسے جنبی شخص کا سونے کے تیمّم:

مستحب وضو:.....ہر نماز کے لئے وضو مستحاضہ اور سلسل البول (قطروں کے مریض) کا ہر نماز کے لئے وضو، مالکیہ کے علاوہ دیگر فقہاء ان دونوں کے لئے اس وضو کو واجب شمار کرتے ہیں۔ نیکی کے لئے وضو کرنا بھی مستحب وضو ہے جیسے تلاوت ذکر، دعا اور تعلیم اور علم وغیرہ کے لئے وضو کرنا۔ ڈراؤنے کاموں کے لئے وضو مستحب ہے جیسے سمندری سفر کے لئے اور بادشاہ یا قوم کے پاس جانے کے لئے بھی وضو مستحب ہے۔

---

❶.....یہ حدیث، امام مالک مسلم، ترمذی اور نسائی نے روایت کی ہے ابن ماجہ نے بھی اسی معنی ومفہوم کی حدیث حضرت ابوہریرہ سے نقل کی ہے۔ ابن ماجہ اور ابن حبان نے اپنی کتاب میں حضرت ابوسعید خدری سے بھی یہ روایت نقل کی ہے الترغیب والترہیب ج۱ ص ۱۵۸۔ ❷ ابوداؤد، ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ سے یہ حدیث روایت کی ہے یہ حدیث حسن ہے۔ ❸ یہ بات علامہ ابن شامی کی تحقیق کے مطابق ہے دیکھئے ردالمحتار ج۱ ص ۱۱۱، مراقی الفلاح میں یہ ہے کہ اگر مجلس بدل جائے تو وضوعلی الوضو مستحب ہے۔ من احدث في امرنا هذا ماليس منه فهورد۔ ❹ یہ حدیث مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے اور بخاری ومسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ میں بھی روایت کی ہے۔ من احدث في مرنا هذا ماليس منه فهورد۔ ❺ القوانين الفقهيه۔ ص ۲۰۔

مباح وضو.....وہ جس سے مقصود صرف ٹھنڈک کا حصول یا صفائی مقصود ہو۔

ممنوع وضو: پہلے وضو سے عبادت کئے بغیر ہی دوسرا وضو کرنا:

شوافع اور حنابلہ بھی احناف اور مالکیہ کے ساتھ اوپر بیان کردہ مستحب وضو کی صورتوں میں متفق ہیں ❶ ان کی تفصیل یہ ہے کہ۔قراءت قرآن یا حدیث، یا علم پڑھنے کے لئے مسجد میں داخل ہونے، بیٹھنے یا گذرنے کے لئے، ذکر، اذان اور سونے کے لئے یا حدث اصغر میں شک رفع کرنے کے لئے، غصے کی حالت میں ❷ حرام گفتگو وغیرہ کرنے کی صورت میں، جیسے غیبت وغیرہ۔مناسک حج کے لئے جیسے وقوف عرفہ، رمی جمار(شیطان کو کنکریاں مارنا) زیارت قبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانے کے لئے اور ہر نماز کے لئے۔ان سب امور کے لئے وضو مستحب ہے۔ہر نماز کے لئے اس لیے کہ حدیث میں ہے اگر میری امت پر بھاری نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے لئے وضو کا حکم ان کو دے دیتا❸ شوافع کے ہاں ان صورتوں میں بھی وضو مستحب ہے فصد کھلوانے، پچھنے لگوانے، نکسیر پھوٹنے، بیٹھ کر اونگھنے یا سونے میں جب کہ مقعد زمین پر ہو، نماز میں قہقہہ لگانے، آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے، اونٹ کا گوشت کھانے، حدث کے ہونے میں شک کی صورت میں قبروں کی زیارت کے لئے جانے اور میت کے اٹھانے اور چھونے کی صورت میں، ان تمام صورتوں میں وضو شوافع کے ہاں مستحب ہے۔

۲۔دوسری بحث، وضو کے فرائض:.....قرآن کریم نے وضو کے چار ارکان وفرائض کے متعلق بیان کیا ہے جو کہ یہ ہیں۔

۱.....چہرے کا دھونا ۲.....دونوں ہاتھوں کا دھونا

۳.....سر کا مسح ۴.....دونوں پاؤں کا دھونا۔

یہ قرآن کریم کی اس آیت میں بیان ہوئے ہیں:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ...... سورۃ المائدہ، آیت نمبر ۶

يايها الذين آمنوا اذا قمتم الى الصلاة فا غسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق

اے ایمان والوں جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ اور اپنے سروں کا مسح کرو اور پاؤں کو دھوؤ ٹخنوں تک۔

احناف کے علاوہ دیگر تمام فقہاء نے سنت نبویہ کی رو سے مزید فرائض کا اضافہ کیا ہے جس میں نیت کے فرض ہونے پر سب کا اتفاق ہے، مالکیہ اور حنابلہ نے موالات پے در پے ہونا کو لازم قرار دیا ہے جیسے شوافع اور حنابلہ نے ترتیب (یکے بعد دیگرے ہونے) کو شرط قرار دیا ہے مالکیہ نے دلک (عضو کے ملنے) کو بھی لازم قرار دیا ہے۔تو وضو کے ارکان احناف کے ہاں چار ہیں جو منصوص ہیں مالکیہ کے ہاں نیت، دلک اور مولات کے اضافے سے یہ سات ہیں شوافع کے ہاں ترتیب اور نیت کے اضافے کے ساتھ چھ، اور حنابلہ اور شیعہ امامیہ کے ہاں نیت، ترتیب اور موالات کے اضافے کے ساتھ سات ہیں۔

اس گفتگو سے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ ارکان وفرائض دو قسم کے ہیں

۱.....جن پر اتفاق ہے۔ ۲.....جن میں اختلاف ہے۔

۱۔پہلی قسم: وضو کے وہ فرائض جن پر اتفاق ہے.....یہ فرائض چار ہیں جو قرآن کریم میں منصوص ہیں اور جو مندرجہ ذیل ہیں۔

---

❶ ..... مغني المحتاج ج ۱ ص ۴۹، کشف القناع ج ۱ ص ۹۸۔ ❷ کیونکہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اور شیطان آگ کا ہے، اور پانی آگ کو بجھاتا ہے جیسا کہ یہ مضمون حدیث میں آیا ہے۔❸ یہ حدیث امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ نقل کی ہے۔

۱۔ چہرے کا دھونا..... اس کی دلیل یہ الفاظ ہیں فَاغْسِلُوا وُجُوْهَكُمْ (تو اپنے چہرے دھولو۔ سورہ مائدۃ، آیت ۶) یعنی چہرے کے پورے ظاہری حصے کو ایک مرتبہ دھونا❶ اور دوسری دلیل اجماع امت ہے❷ اور ''غسل'' (غ کے زبر کے ساتھ) پانی کے اس طرح عضو پر بہانے کو کہتے ہیں کہ پانی ٹپک پڑے اور صحیح قول کے مطابق اس کی کم از کم مقدار دو قطرے ہیں بغیر قطرے ٹپکے پانی کا بہا دینا کافی نہیں ہوگا اور غسل سے نغسال (ڈھل جانا) مراد ہے یعنی خواہ وضو کرنے والے کے اپنے غسل سے ڈھل جائے یا دوسرے کے کرنے سے ہو اور فرض ایک مرتبہ دھونا ہے تین مرتبہ دھونا سنت ہے فرض نہیں ہے۔

''وجہ'' (چہرہ) اس کو کہتے جس سے انسان کسی کی مواجہت (آمنا سامنا) کرتا ہے۔ اس کی حد لمبائی میں بال اگنے کی تمام جگہ (یعنی جہاں تک عام طور پر بال اگتے ہیں) سے لے کر ٹھوڑی کے ختم تک یا یوں کہیں کہ پیشانی کی ابتداء سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے حصے تک اور ذقن ٹھوڑی کو کہتے ہیں یعنی نچلے جبڑے پر ڈاڑھی اگنے کی جگہ یا لحیین یعنی جبڑے کی وہ دائیں بائیں طرف کی دو ہڈیاں جن پر نچلے دانت ہوتے ہیں (یعنی دونوں چہروں کو ذقن کہا جا سکتا ہے مراد ہے، چہرے کے نچلے حصے کی انتہا) اور پیشانی کی وہ جگہ جس پر بال نکل آئیں وہ چہرے میں شامل ہوتی ہے (یعنی اگر کسی کی پیشانی بالوں سے ڈھکی ہوئی ہو تو وہ چہرے میں داخل شمار ہوگی) تاہم نزعہ یعنی کنپٹی پر سے جھڑ جانے والے بال کی جگہ چہرے میں نہیں شمار ہوگی یعنی وہ سفیدی جو سر کے دونوں طرف کی کنپٹیوں کے اوپر کے حصے یعنی پیشانی کے اوپری حصے کے دائیں اور بائیں کے بال جھڑ جانے سے بنتی ہے وہ چہرے میں شمار نہیں ہوگی کیونکہ یہ سر کی گولائی میں ہوتے ہیں۔ چوڑائی کے اعتبار سے چہرے کی حد کان کی دونوں لو کے درمیان کی جگہ ہے اور احناف وشوافع کے راجح قول کے مطابق چہرے میں وہ جگہ بھی داخل ہے جو کان اور داڑھی مابین ہوتی ہے جس پر بال نہیں ہوتے مالکیہ اور حنابلہ، اس کو سر میں سے شمار کرتے ہیں اسی طرح مغنی میں بیان کردہ تحقیق کے مطابق تحذیف کی جگہ بھی حنابلہ کے ہاں صحیح قول کے مطابق چہرے میں شمار ہوگی اور تحذیف اس جگہ کو کہتے ہیں جو پیشانی کی دونوں جانب عذار کی ابتداء اور نزعہ کے مابین کی جگہ جس پر معمولی سے بال نکلے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں یہ چہرے میں داخل ہے❸۔ تاہم علامہ نووی فرماتے ہیں کہ جمہور شافعیؒ فقہاء نے اس بات کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے کہ تحذیف کی جگہ سر میں سے ہے کیونکہ اس کے بال سر کے بالوں سے ملے ہوئے ہوتے ہیں حنابلہ میں سے صاحب کشف القناع فرماتے ہیں کہ یہ چہرے میں سے نہیں سر میں سے شمار ہوگا۔ اس صورت میں وضو میں اس کا دھونا ضروری نہیں ہوگا۔ اور صدغ سر میں سے شمار ہوگا، یعنی وہ جگہ جو کان سے اوپر اور عذار سے متصل ہوتی ہے (یعنی کنپٹی کے بال) کیونکہ یہ سر کی گولائی میں داخل حصہ ہے۔ منہ دھوتے وقت سر کا تھوڑا سا حصہ شامل کر لینا بہتر ضروری ہے، کیونکہ فریضے کی ادائیگی اس کے بغیر نہیں ہوتی۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ داڑھی اور کان کے درمیانی حصے کو اہتمام سے دھونا مستحب ہے کیونکہ لوگ اکثر اس سے غفلت برتتے ہیں شوافع فرماتے ہیں کہ سر کے اگلے گنجے حصے تحذیف، نزعہ اور صدغ (ان تینوں کی وضاحت گزر چکی ہے) کو چہرے کے ساتھ دھوتے ہوئے شامل کرنا مسنون ہے تا کہ اس اختلاف سے باہر نکلا جا سکے جو ان کے دھونے کے بارے میں ہے (یعنی ان کو دھو لینے سے وہ اختلافی صورت درپیش ہی نہ ہوگی کہ ایک کے ہاں وضو ہو اور دوسرے کے ہاں نہیں) اور سر کا تھوڑا سا حصہ حلق کا حصہ ٹھوڑی کا نچلا حصہ اور تھوڑا سا کان کا حصہ دھونا واجب ہے (مقصد یہ ہے کہ

---

❶..... مسلم کے علاوہ تمام صحاح ستہ کے حضرات نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ وضو فرمایا اور ایک ایک مرتبہ اعضا کو دھویا۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۲۔ ❷ الدر المختار ج ۱ ص ۸۸، فتح القدير ج ۱ ص ۸، البدائع ج ۱ ص ۳، تبيين الحقائق ج ۱ ص ۲ الشرح الصغير ج ۱ ص ۱۰۴ الشرح الكبير ج ۱ ص ۸۵ مغني المحتاج ۱ ص ۵۰، المهذب ج ۱ ص ۱۶ كشف القناع ج ۱ ص ۹۲، ۱۰۶ المغني ج ۱ ص ۱۱۴۔ ۱۲۰ بداية المجتهد ۱ ص ۱۰ القوانين الفقهيه ص ۲۰۔ ❸ اس جگہ کو تحذیف اس لئے کہتے ہیں کہ عربوں میں لوگ اس جگہ کے بالوں کو کاٹ کر چھوٹا رکھتے ہیں تا کہ چہرہ بڑا لگے اس کے اندازہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کان کے اوپر کے سرے پر سے ایک دھاگہ رکھا جائے جو پیشانی کے اوپر کے سرے جہاں سے سر کے بال شروع ہوتے ہیں تک ہو اس کے تحت آنے والے بال تحذیف شمار ہوں گے۔ یعنی وہ بال جو چہرے کی طرف ہوں۔

چہرے کی جو حدود اوپر بیان کی گئیں ان کو مکمل طور پر دھونے کا طریقہ یہی ہوسکتا ہے کہ کچھ تھوڑا سا حصہ ان چیزوں کا بھی شامل کیا جائے جو اس کی حدود سے متصل ہیں، لہٰذا اس طریقے سے دھونا واجب قرار پایا تاکہ مقصود (چہرے کا دھونا) احسن اور اکمل طریقے سے حاصل ہوسکے) اسی طرح ہاتھ اور پاؤں کے دھونے میں بھی ضروری ہے کہ ان کی متعین حدود سے تھوڑا سا بڑھا کر دھولیا جائے۔ کیونکہ یہ اصول ہے کہ واجب کا حصول جس چیز پر موقوف ہو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے۔ چہرے میں ہونٹ کے ظاہری حصے (یعنی ہونٹ کے بند رکھے جانے پر جو حصہ بلاتکلیف سامنے ہوتا ہے) ناک کی نوک (نرم حصہ) اور ناک وغیرہ کا کٹا ہوا حصہ سب شامل ہوں گے ہونٹ کے اندرونی حصہ اور آنکھوں کا اندر کا حصہ دھونا واجب نہیں بھنوؤں، پلکوں، عذار (کان کے بالمقابل ابھری ہوئی ہڈی کے بال جو ہڈی کنپٹی اور گال کے درمیان ہوتی ہے) کے بال مونچھوں اور رخسار کے بال، ریش بچہ (نچلے ہونٹ کے نیچے والے بال) ڈاڑھی کے بال ظاہر اور باطنا (یعنی بال بھی اور اندر سے کھال بھی) خواہ بال موٹے ہوں یا ہلکے ہوں موٹے بال سے مراد بالوں کا ایسا ہونا ہے کہ سامنے والے شخص کو کھال نہ نظر آسکے، اور ہلکے ہونے کا مطلب اتنا باریک ہونا کہ کھال نظر آسکے۔ دلیل ان کے دھونے کے لازم ہونے کی وہ حدیث ہے جو مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جس نے ناخن برابر جگہ اپنے پاؤں پر خشک چھوڑ دی تھی فرمایا لوٹو اور وضو اچھی طرح کر کے آؤ۔ اور داڑھی اگر اتنی گھنی ہو کہ کھال نظر نہ آسکے تو اس صورت میں صرف داڑھی کے باہر کے حصے کو دھولینا کافی ہے اور اندر کے بالوں میں صرف خلال کر لینا کافی ہے کھال تک پانی پہنچانا لازمی نہیں کیونکہ کھال تک پانی پہنچانا بہت مشکل ہوگا۔ اور اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے جو بخاری نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ وضو فرمایا اور ایک چلو پانی بھر کر اپنے چہرہ انور کو دھویا) ❶ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک گھنی تھی اور ایک چلو پانی داڑھی کے اندر تک عام طور پر نہیں پہنچ سکتا ہے۔

داڑھی کے وہ بال جو لمبے ہوں اور چہرے کے دائرے سے خارج ہوں تو شوافع کے ہاں صحیح قول کے مطابق ان کا دھونا واجب ہے، حنابلہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ یہ بال ایسی جگہ اُگے ہوئے ہیں جس کا دھونا فرض ہے اور یہ ظاہراً اس کے نام کے تحت داخل بھی ہوتے ہیں (یعنی چہرہ جب بولا جاتا ہے تو یہ بال اس میں داخل شمار ہوتے ہیں) تاہم سر کے بالوں کا مسئلہ مختلف ہے کہ وہ اگر لمبے اور نیچے تک ہوں تو وہ سر کے تحت نہیں شمار ہوتے ہیں، دوسری بات یہ کہ اس کی اس حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ پھر جب وہ اپنا چہرہ خدا کے احکام کے مطابق دھوتا ہے تو اس کے چہرے کے گناہ داڑھی کے کنارے سے بہہ جاتے ہیں۔

احناف اور مالکیہ نے لمبے لٹکے ہوئے بالوں کو دھونا لازمی نہیں قرار دیا ہے کیونکہ یہ بال فرض جگہ سے خارج شمار ہوتے ہیں اور چہرے کا اطلاق ان پر نہیں ہوتا ہے۔

حنابلہ نے مزید یہ کہا ہے کہ ناک اور منہ چہرے میں شمار ہوں گے، یعنی کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا لازم ہیں کیونکہ امام ابوداؤد اور دوسرے محدثین نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ **اذا توضأت فمضمض** (جب تم وضو کرو تو مضمضہ (کلی کرو) اور امام ترمذی نے حضرت سلمہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ **اذا توضأت فانتثر** (جب تم وضو کرو تو ناک صاف کرو) اسی طرح حنابلہ وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کو بھی لازم قرار دیتے ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ اس کی نماز نہیں جس کا وضو نہیں، اور اس کا وضو نہیں جو اللہ کا نام وضو میں نہ لے۔ ❷

۲۔ ہاتھوں کو کہنیوں تک ایک مرتبہ دھونا، دوسرا فرض...... دلیل اس کی آیت قرآنی کے یہ الفاظ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ

---

❶......روایت امام بخاری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۷۔ ❷ یہ حدیث امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے۔

(اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک، سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶) اور اجماع امت ہے ❶ اور کہنی سے مراد ہاتھ کا بیچ کا جوڑ ہے۔

جمہور علماء جن میں ائمہ اربعہ داخل ہیں کے ہاں کہنیوں کو دھونے میں داخل کرنا واجب ہے کیونکہ آیت میں آیا ہوا لفظ الی انتہاء غایت کے لئے استعمال ہوا ہے ❷ اور یہ یہاں ''مع'' (ساتھ) کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے قرآن کی اس آیت میں وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ (اور وہ تمہیں اضافہ کرے گا قوت کا تمہاری قوت کے ساتھ، سورۃ ہود، آیت ۵۲) اور اس آیت وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰٓ أَمْوَالِكُمْ (اور مت کھاؤ ان کے اموال اپنے مال کے ساتھ ملا کر۔ سورۃ النساء، آیت نمبر ۲) میں یہ اس معنی میں آیا ہے اور دوسری بات یہ کہ اصلی لفظ ''ید'' (ہاتھ) کے معنی میں پورا ہاتھ ہتھیلی بازو وغیرہ سب داخل ہیں، لیکن مرافق (کہنیوں) کے ذریعے تحدید کر دینے سے اس سے آگے کا حصہ حکم میں داخل نہ ہوا۔ اور سنت نبویہ نے مطلوب مقدار کو بیان کر کے مجمل کو واضح کر دیا چنانچہ امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے طریقے کے بارے میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو شروع کیا تو اپنا چہرہ دھویا اور مکمل دھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ دھویا یہاں تک کہ کہنی سے اوپر کا حصہ تک دھویا پھر بایاں ہاتھ دھویا اس کو بھی اسی طرح کہنی کے اوپر کے حصے تک دھویا ❸ اور امام دارقطنی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا کہ آؤ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کر کے دکھاؤں، پھر انہوں نے اپنا چہرہ دھویا اور دونوں ہاتھ دھوئے یہاں تک کہ کہنی کے اوپر کے حصے کنارے تک کو دھو دیا ❹ اسی طرح امام دارقطنی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے ہیں تو پانی اپنی کہنیوں پر بہاتے۔

انگلیوں کی سلوٹوں کا دھونا واجب ہے اسی طرح وہ لمبے ناخن جو انگلیوں کے سروں کو چھپالیں ان کے نیچے دھونا واجب ہے، اسی طرح احناف کے علاوہ دیگر فقہاء کے ہاں ناخن کا وہ میل دور کرنا واجب ہے جو پانی کو کھال تک پہنچنے سے مانع ہو یعنی وہ کثیر مقدار میں ہو ہاں اگر قلیل مقدار میں ہے تو وہ معاف ہے احناف کے ہاں یہ میل کچیل معاف ہے خواہ کم ہو یا زیادہ کیونکہ اس کے دور کرنے میں حرج ہے۔ تاہم ناخن پر لگی ایسی چیز جو پانی کو ان تک پہنچنے سے روک دے جیسے پالش اور چکنائی وغیرہ تو ایسی چیز کا دور کرنا بالاتفاق واجب ہے۔

مالکیہ کے ہاں ہاتھوں کی انگلیوں میں خلال کرنا واجب ہے اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا مستحب ہے۔ اور اگر کسی کی ایک انگلی زائد نکلی ہوئی ہو تو اس کا دھونا بھی فرض ہوگا کیونکہ یہ اس جگہ نکلی ہوئی ہے جس کا دھونا فرض ہے۔ اسی طرح حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں اس کھال کا دھونا بھی فرض ہے جو نکلی تو ایسی جگہ ہو جس کا دھونا فرض نہیں لیکن لٹک کر اس جگہ تک آ گئی ہو جس کا دھونا فرض ہے۔ شوافع فرماتے ہیں کہ اگر مثلاً بازو کی کھال لٹک کر نیچے تک آ گئی تو اس کا دھونا بالکل بھی ضروری نہیں ہوگا، نہ اس حصے کا جو لٹک کر کہنی سے نیچے اس جگہ تک آ گیا ہو جو داخل فرض ہے اور نہ دوسرے حصے کا کیونکہ ہاتھ کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ محل فرض سے خارج بھی ہے اور اگر مثلاً ہاتھ کا کچھ حصہ کٹ گیا جس کا دھونا فرض تھا تو بقیہ رہ جانے والے کو دھونا ضروری ہوگا۔ کیونکہ دھونا صرف اس حصے کا ممکن نہیں جو کٹ چکا ہے، بقیہ حصے کا دھونا ممکن ہے تو فرض کا حکم کالعدم نہیں ہوگا۔ اور دوسری وجہ وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو وہ کرو جس کی تم استطاعت رکھتے ہو۔

---

❶ .....گزشتہ حوالہ جات: البدائع ص ۴ فتح القدیر ص ۱۰ تبیین الحقائق ص ۳، الدر المختار ص ۹۰، الشرح الصغیر ص ۱۰۷، الشرح الکبیر ص ۸۷، بدایۃ المجتھد ج ۱ ص ۱۰ القوانین الفقھیہ ص ۱۰ مغنی المحتاج ص ۵۲ المھذب ص ۱۶، المغنی، ص ۱۲۲، کشف القناع ص ۱۰۸ اور بعد کے صفحات۔ ❷ لفظ ''الی'' دو معنوں میں آتا ہے ایک تو غایت کو بلا شمول ظاہر کرنے کے لئے، یعنی غایت یعنی وہ حد جو بتائی ہے اس کو شامل کرنا مقصود نہیں ہوتا جیسے اطلب العلم من المھد الی اللحد (علم گود سے قبر جانے تک حاصل کرتے ہو) ظاہر ہے کہ لحد (قبر) مغیا مقصود میں داخل نہیں ہے۔ (۲) دوسرے معنی ہیں غایت کو شمول کے ساتھ ظاہر کرنے کے یعنی وہ غایت جو بتائی ہے وہ بھی مقصود کے اندر شامل ہوتی ہے جیسے اس آیت میں مقصود ہے کہ مغیا یعنی جہاں تک مقصود کو بیان کیا گیا ہے وہ اور غایت دونوں حکم میں داخل ہیں۔ مترجم۔ ❸ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۲۔ ❹ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۲۔

اور اگر کسی شخص کا ہاتھ کہنی کے پاس سے کٹ گیا ہوتو اسی پر صرف بازو کی ہڈی کے سرے کو دھونا فرض ہوگا جو کہ کہنی کا بقیہ حصہ ہے۔اور اگر کہنی کے اوپر سے کٹ گیا ہوتو بقیہ بازو کا دھونا صرف مستحب ہوگا تا کہ بازو طہارت سے خالی نہ رہ سکے۔جمہور علماء کے ہاں تنگ انگوٹھی کا ہلانا واجب ہے مالکیہ کے ہاں وہ انگوٹھی جس کی مرد اور عورت کو اجازت ہے اس کو دھونا ضروری نہیں خواہ وہ اتنی تنگ ہو کہ پانی اس کے نیچے نہ پہنچتا ہو کیونکہ ایسی انگوٹھی حائل شمار نہیں ہوگی۔

۳۔تیسرا فرض......سر کا مسح،اس کی دلیل قرآنی آیت کے یہ الفاظ ہیں:

وَ امۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ

اور اپنے سروں کا مسح کرو۔سورۃ المائدہ،آیت نمبر ۶

اور امام مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیشانی پر اور عمامہ مبارک پر مسح فرمایا۔

مسح کہتے ہیں گیلے ہاتھ کو عضو پر پھیرنا،اور سر کا اطلاق اس حصے پر ہوتا ہے جہاں عام طور پر بال اگتے ہیں سامنے کی طرف سے پیشانی کے اوپر سے گردن کے نچلے حصے تک اس میں دونوں صدغ بھی داخل ہوں گے صدغ اس حصے کو کہتے ہیں جو چہرے کی ابھری ہوئی ہڈی کے اوپر کا حصہ ہوتا ہے۔

مسح کی وہ مقدار جو کافی ہو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے ❶ احناف مشہور اور معتمد قول کے مطابق فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے جو کہ پیائش میں پیشانی جتنا ہو(یعنی جتنی پیائش پیشانی کی ہے اتنی پیائش ومقدار میں سر کا مسح ہو)اور کان کے اوپر ہو بالوں کی لٹوں پر نہیں خواہ یہ مسح بارش کے قطرات سے ہو یا ہاتھ پر موجود تری سے ہی ہو بشرطیکہ یہ تری کسی دوسرے گیلے وضو پر ہاتھ پھیر کر نہ لی گئی ہو۔ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ عرفاً مسح کے معنی کی تعیین ضروری ہے اور عرف میں جس مقدار کو مسح کہا جا سکتا ہے وہی مراد ہوگی دوسری بات یہ ہے کہ برؤسکم میں آنے والا''ب''الصاق(ملانے)کا مفہوم دیتا ہے،تو اصل عبارت گویا یوں بھی **وامسحوا بایدیکم ملصقة برؤسکم** (اور اپنے ہاتھ پھیرو اس حال میں کہ وہ سر پر لگے ہوئے(ملے ہوئے ہوں)اور قاعدے کے مطابق تفصیل یہ ہوئی کہ''ب''اگر اس چیز پر داخل ہو جو ممسوح(جس پر مسح کیا جائے گا)ہو تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ وہ آلے(جس میں مسح کیا جائے گا)کے استیعاب۔(پورے طور پر استعمال ہونا)کا تقاضا کرے اور اگر''ب''آلے پر داخل ہو تو ممسوح کے استیعاب کا تقاضا کرے،لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ آلے(ہاتھ)کا استیعاب مقصود ہے اور آلے(ہاتھ)کی مقدار کے برابر مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ پورے آلے(ہاتھ)کا استعمال عام طور پر چوتھائی سر پر ہو سکتا ہے تو آیت کا مطلوب ومقصود چوتھائی سر ہوا۔اسی بات کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے جو امام بخاری ومسلم نے حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا،پھر آپ نے اپنی پیشانی اور عمامہ پر مسح فرمایا اور موزوں پر بھی مسح فرمایا اور اس حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے جو ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وضو کیا آپ کے سر پر قطر کا بنا ہوا عمامہ تھا آپ نے عمامہ کے نیچے ہاتھ ڈالا اور سر کے اگلے حصے پر مسح کیا اور اپنا عمامہ نہیں کھولا ❷ تو یہ دونوں حدیثیں،قرآن کی آیت کے اجمال کا بیان ہوئیں کیونکہ پیشانی یا سر کا اگلا حصہ تقریباً سر کا چوتھائی حصہ ہی بنتا ہے کیونکہ یہ سر کے چاروں اطراف میں سے ایک ہے لہٰذا اس کا چوتھائی حصہ بنا اور غالباً سب سے راجح رائے یہ ہے کہ اتنی مقدار میں مسح فرض ہے جس کو

---

❶......تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳ البدائع ج ۱ ص ۴ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۰ الدرالمختار ج ۱ ص ۹۲ بدایة المجتهد ج ۱ ص ۱۱ القوانین الفقهیة ص ۲۱ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۰۸ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۸۸، مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۵۳ المهذب ج ۱ ص ۱۷، المغنی ج ۱ ص ۱۲۵ اور بعد کے صفحات،کشف القناع عن متن الاقناع ج ۱ ص ۱۰۹ اور بعد کے صفحات۔❷ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۷، ۱۶۷ نصب الرایة ج ۱ ص ۲۰۱۔

عرف میں ہاتھ پھیرنا شمار کیا جاسکے۔

مالکیہ اور حنابلہ اپنے دو میں سے راجح قول کے مطابق فرماتے ہیں کہ پورے سر کا مسح فرض ہے اور مسح کرنے والے پر اپنے بالوں کی لٹیں کھولنا ضروری نہیں اور نہ ہی سر کے لٹکتے ہوئے بالوں کا مسح ضروری ہے، اور صرف ان لٹکتے ہوئے بالوں پر مسح کر لینا کافی نہیں ہوگا ہاں وہ بال جو سر سے نیچے نہ لٹک رہے ہوں ان پر مسح کر لینا فرض کی ادائیگی کے لئے کافی ہوگا۔ اور اگر اس کے بال نہ ہوں تو کھال پر مسح کرنا ضروری ہوگا کیونکہ اس کے اعتبار سے

سر کا ظاہری حصہ یہی ہے۔

حنابلہ کے ہاں ظاہر قول تو یہ ہے کہ مرد کے لئے پورے سر کا استیعاب ضروری ہے لیکن عورت کے لئے سر کے اگلے حصے کا مسح کافی ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے سر کے اگلے حصے کا مسح فرمایا کرتی تھیں، ان حضرات کے ہاں کان کے اندر اور باہر کا مسح ضروری ہے کیونکہ یہ دونوں سر میں شمار ہوتے ہیں جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے **الاذنان من الرأس**۔❶ (دونوں کان سر میں سے شمار ہوں گے) ان حضرات کے ہاں مسح ایک مرتبہ کافی ہے اور سر اور کانوں کا بار بار مسح کرنا مستحب نہیں ہے امام ترمذی اور ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ بیان کرنے والے حضرات کی اکثریت نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ نے اپنے سر کا مسح ایک مرتبہ فرمایا اس لئے کہ ان حضرات نے وضو کے افعال کو تین تین مرتبہ کرنے کا نقل کیا ہے اور مسح کے بارے میں سب نے یہ کہا کہ: آپ نے مسح فرمایا اور کوئی تعداد اس کے ساتھ بیان نہیں کی جیسے دوسرے افعال کے ساتھ بیان کی تھی ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ "ب" الصاق (ملانے) کے معنی میں ہوتا ہے یعنی فعل کو مفعول سے ملا دینا تو گویا آیت کے الفاظ یوں ہوئے **الصقوا المسح برؤوسکم، ای المسح بالماء** (مسح (فعل) کو اپنے سر (مفعول) سے ملا دو، یعنی پانی کے ساتھ مسح کو دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے سر کا مسح فرمایا ہے، حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا دونوں ہاتھوں سے مسح فرمایا ان دونوں ہاتھوں کو آپ آگے اور پیچھے لے گئے، سر کے اگلے حصے سے شروع فرمایا اور ہاتھ پھیرتے ہوئے گدی تک لے گئے پھر اس جگہ ہاتھ لے آئے جہاں سے شروع فرمایا تھا❷ یہ حدیث پورے سر کے مسح کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے جو کہ علامہ نووی کے بیان کے مطابق باتفاق علماء مستحب ہے۔

شوافع فرماتے ہیں کہ سر کے کچھ حصے کا مسح فرض ہے خواہ وہ سر کا ایک بال ہی ہو سر کے بال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بال جس رخ سے نیچے کی طرف لٹکا ہوا ہے اس جہت سے وہ لٹکائے جانے پر سر کی حدود سے باہر نہ نکل جائے شوافع کے صحیح قول کے مطابق اس کو دھو لینا بھی جائز ہے، کیونکہ دھونے کے عمل میں مسح کچھ زیادت عمل کے ساتھ ہے، اسی طرح ان کے ہاں سر پر صرف ہاتھ رکھ دینا بھی کافی ہے کیونکہ تری اس طرح بھی پہنچ جاتی ہے اور حصول مقصود ہو جاتا ہے۔ حنابلہ کے صحیح قول کے مطابق بغیر ہاتھ پھیرے سر کا دھو لینا کافی نہیں، اور دھونے کے ساتھ ہاتھ پھیرنا بکراہت کافی ہوگا۔

شوافع کی دلیل حضرت مغیرہ والی حدیث ہے جو امام بخاری ومسلم نے روایت کی اور جو پہلے گذری کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی

---

❶ ..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا اور دونوں کانوں کا اندر اور باہر سے مسح کیا یہ حدیث امام ترمذیؒ نے روایت کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۶۲۔ ❷ یہ حدیث صحاح ستہ کے حضرات نے روایت کی ہے ابوداؤد اور امام احمدؒ نے حضرت ربیع بنت معوذؓ سے حدیث روایت کی ہے جو کہ حدیث حسن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاں وضو کیا اپنے سر کا مسح فرمایا بالوں کے اوپر سے اور بالوں کی ڈھلکتی ہوئی ہر جہت سے مسح کیا اور بالوں کو اپنی ہیت سے نہیں ہٹایا (یعنی ان کو بکھیرا نہیں) نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۴، ۱۵۶)

پیشانی اور عمامے پر مسح فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ حصے پر مسح کرنے پر اکتفاء فرمایا، کیونکہ مطلوب چیز مطلقاً مسح ہے جو کہ آیت وضو میں بیان کیا گیا ہے اور مطلق مسح تو کچھ حصے پر کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حرف ''ب'' جب ایسی چیز کے ساتھ استعمال ہو جس میں تعدد کے معنی ممکن ہوں تو وہ تبعیض (بعض مراد ہونے) کے لئے ہوتا ہے تو اس میں قلیل بھی کافی ہو جاتا ہے جیسے کثیر کافی ہوتا ہے۔

حق بات یہ ہے کہ یہ آیت بالکل مطلق ہے اور یہ صرف اتنا بتاتی ہے کہ سر پر مسح کر لیا جائے اس سے زیادہ کچھ نہیں بتاتی اور سر کے کسی بھی جز پر، خواہ قلیل ہو یا کثیر، مسح کر لینا کافی ہوگا بشرطیکہ وہ عمل ایسا ہو کہ عرف میں اسے مسح کہہ سکتے ہوں اور ایک یا تین بالوں پر مسح کرنے کے عمل پر مسح کا اطلاق حقیقت میں ہوتا ہی نہیں ہے۔ ❶

۴۔ چوتھا فرض، پاؤں گٹوں تک دھونا...... اس کی دلیل آیت وضو کے یہ الفاظ ہیں وارجلکم ❷ الی الکعبین (اور اپنے پاؤں کو دھو ٹخنوں تک۔ المائدہ آیت نمبر ۶) اور دوسری دلیل فقہاء کا اجماع ہے اور یہ حدیث بھی دلیل ہے جو حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے امام احمد نے روایت کی ہے کہ پھر اپنے سر کا مسح ایسے کرے جیسے اللہ نے حکم دیا ہے پھر اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک ویسے دھوئے جیسے اللہ نے حکم دیا ہے۔

اس کی ایک دلیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی ہے جو ابوداؤد اور دارقطنی نے روایت کی ہے کہ انہوں نے وضو کر کے پاؤں دھونے کے بعد فرمایا میں نے ایسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا تھا۔ اور ان احادیث کے علاوہ بھی دوسری احادیث اس کی دلیل ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے منقول احادیث۔

کعبین (کعب کا تثنیہ) وہ ابھری ہوئی دو ہڈیاں ہیں جو پیر کے جوڑ پر دونوں جانب ابھری ہوئی ہوتی ہیں۔ یعنی ٹخنے۔

جمہور فقہاء کے ہاں ٹخنوں کا دھونا اور ٹخنوں کے کٹے ہوئے ہونے کی صورت میں ان کے انداز سے معنی قدر ہماان کے برابر پاؤں سمیت دھونا فرض ہے جیسے کہنیوں کا دھونا فرض ہے کیونکہ یہاں بھی غایت مغیا میں داخل ہے یعنی لفظ ''الی'' سے قبل کا لفظ اس کے بعد آنے والے لفظ کو شامل رکھتا ہے۔ ❸ اور دوسری دلیل حضرت ابو ہریرۃؓ والی حدیث ہے جو پہلے گذری کہ پھر انہوں نے اپنا دایاں پاؤں اتنا دھویا کہ گویا پنڈلی بھی دھونا شروع کر دی، پھر انہوں نے اپنا بایاں پاؤں دھویا یہاں تک کہ گویا پنڈلی دھونی شروع کر دی پھر اس کے بعد فرمایا میں نے ایسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا تھا۔ ❹

جمہور کے ہاں دونوں پاؤں کا دھونا ضروری ہے ان پر مسح کرنا جائز نہیں کیونکہ حدیث میں ویل للاعقاب من النار ❺ (ایڑیوں کے لئے بربادی ہو آگ کی) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسح کرنے پر وعید بتائی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پاؤں دھونے پر ہمیشہ مداومت فرمائی اور آپ سے صحیح طور پر مسح ثابت نہیں ہے بلکہ آپ نے دھونے کا حکم دیا جیسا کہ دارقطنی کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے

---

❶ ......ملاحظہ کیجئے مقارنۃ المذاهب فی الفقه ازا ستاذ شیخ محمود شلقوت، اور شیخ محمدعلی السایس، ص ۱۱۔ ❷ المزید من التحقیق لمعنی ''السبع'' سبع قرأت زبر کی ہے (یعنی لام پر زبر) اور باقی نے زیر کے ساتھ پڑھا ہے جسے جر جوار کہتے ہیں اس میں عطف ہے ''وجوہ'' کے لفظ پر زبر کی صورت میں عطف لفظاً ہے اور زیر کی صورت میں معنی عطف ہے۔ ❸ البدائع ج ۱ ص ۵ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۰۹ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۵۳ المغنی ج ۱ ص ۱۳۲۔ ❹ بروایت مسلم، نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۲۔ ❺ یہ حدیث امام احمد، بخاری اور مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں پیچھے چھوٹ گئے جب آپ ہم سے ملے تو عصر کا وقت جا رہا تھا ہم نے جلدی میں وضو کرنا اور پاؤں کو پونچھنا شروع کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ویل للاعقاب من النار دو یا تین مرتبہ فرمایا نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۶۷۔

روایت کردہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جب ہم نماز کے لئے وضو کریں تو اپنے پاؤں دھوئیں اسی طرح یہ عمل (دھونا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت عمرو بن عبسہ، حضرت ابو ہریرہ حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی روایت کردہ احادیث جو پہلے گذر چکی ہیں، ان میں آپ کے وضو کا طریقہ نقل کیا گیا اور ان احادیث میں یہ الفاظ ہیں کہ پھر آپ نے اپنے پاؤں دھوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کر کے پاؤں دھونے کے بعد یہ فرمانا کہ جس نے اس پر کچھ اضافہ کیا یا کمی کی اس نے برا کیا اور ظلم کیا❶ بھی اس کی دلیل ہے کہ پاؤں دھونا فرض ہیں ان پر مسح کرنا درست نہیں ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں دھونے کے مقابلے میں صرف مسح نقص ہے اور ایک دلیل آپ کا یہ فرمان بھی ہے جس میں آپ نے اعرابی سے فرمایا تھا ایسے وضو کرو جیسے اللہ نے حکم دیا ہے❷ پھر آپ نے اس کو وضو کا طریقہ بتایا۔ اور ایک دلیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع بھی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع تھا۔ یہ سب باتیں وارجلکم (لام کے زیر کے ساتھ) کی قرأت کو مخصوص حالات کے ساتھ مقید کرنا لازم کرتی ہیں کہ یہ ظاہر کے بر خلاف مخصوص حالات کے لئے حکم ہے ایک متنازع فیہ امر پر اس کا اطلاق درست نہیں ہے اور اس کا عطف لفظ بروسکم زیر کے ساتھ مجاورت کی وجہ سے ہے اور زبر کے ساتھ کی قرأت تو ایدیکم پر عطف ہے اور حکم غسل (دھونا) میں اس کے ساتھ شریک ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا دھونے کے وجوب کی دلیل ہے❸ ورنہ مسح میں خلال کے کیا معنی۔

شیعہ امامیہ کے ہاں پاؤں کا مسح کرنا واجب ہے❹ دلیل اس کی منجملہ احادیث کے ایک وہ حدیث ہے جو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اوس بن ابی اوس الثقفی رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی ایک قوم کی نہر کے کنارے تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور اپنی چپلوں اور پاؤں پر مسح فرمایا❺ اور دوسری دلیل لفظ وارجلکم کی لام کے زیر والی قرأت ہے (جس کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ سروں اور پاؤں کا مسح کرو، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول روایتیں بھی ان کی ہیں تاہم ان صحابہ رضی اللہ عنہم کا رجوع اس سے ثابت ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسح واجب قرار دینے والے لوگ جو کہ شیعہ امامیہ ہیں تو وہ کتاب اللہ اور قولی وفعلی سنت متواترہ کی مخالفت کے ساتھ ساتھ کوئی واضح دلیل پیش کرنے سے بھی قاصر ہیں اور ان لوگوں نے وارجلکم کی زیر والی قرأت کو بروؤسکم پر عطف قرار دیا ہے۔❻

علامہ جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زبر اور زیر دونوں قرائتوں کے پائے جانے کے سبب مسح اور غسل دونوں کے ارجلکم پر اطلاق کا سبب بظاہر اسراف سے بچنے کی تعلیم دینا ہے کیونکہ پاؤں میں اس کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وضو کے متفق علیہ ارکان چار ہیں (۱) چہرہ دھونا (۲) دونوں ہاتھ دھونا (۳) دونوں پاؤں دھونا یہ تینوں ارکان ایک ایک مرتبہ دھونا فرض ہیں (۴) سر کا مسح ایک مرتبہ۔ اعضاء کا تین مرتبہ دھونا سنت ہے جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔

۲۔ دوسری قسم، وضو کے وہ فرائض جن میں اختلاف ہے..... فقہاء کا نیت، ترتیب، موالات (پے در پے ہونا) اور دلک

❶..... بروایت ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور ابن خزیمہ اور اس کے تمام طرق صحیح ہیں محدث ابن خزیمہ نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ اس کو نیل الاوطار ج اص ۱۴۶، ۱۵۲، ۱۶۸، ۱۷۳۔ ❷ بروایت احمد، ابوداؤد، دارقطنی از انس بن مالک رضی اللہ عنہ نیز یہ امام احمد اور مسلم نے حضرت عمرؓ سے بھی نقل کی ہے۔ نیل الاوطارج ص ۱۷۰، ۱۷۵۔ ❸ امام احمد، ابن ماجہ اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرو۔ نیل الاوطارج اص ۱۵۳۔ ❹ المختصر النافع فی فقه الامامية ص ۳۰۔ ❺ یہ حدیث معلول ہے، کیونکہ اس کے بعض راوی مجہول ہیں اور اگر یہ ثابت بھی ہو تو بعض اس کے نسخ کے قائل ہیں امام ہیثم فرماتے ہیں کہ یہ ابتدائے اسلام میں تھا۔ نیل الاوطارج اص ۱۶۹۔ ❻ نیل الاوطار۔ حوالہ گذشتہ۔

(ملنا) کے بارے میں اختلاف ہے کہ واجب ہیں یا نہیں۔ احناف کے علاوہ فقہاء نیت کو فرض قرار دیتے ہیں، مالکیہ حنابلہ اور شیعہ امامیہ موالات (افعال وضو کا پے در پے ہونا) کے وجوب کے قائل ہیں۔ اور شوافع، حنابلہ اور شیعہ امامیہ ترتیب کے وجوب کے قائل ہیں۔ مالکیہ ان سب میں دلک (ملنے) کو واجب قرار دینے میں منفرد ہیں۔ ان تمام امور میں واقع اختلاف پر میں ذیل میں بحث کرتا ہوں۔

۱۔ پہلی چیز: نیت...... لغت میں نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں زبان کا اس سے کوئی واسطہ نہیں شریعت میں نیت کہتے ہیں اس کو کہ پاکی حاصل کرنے والا ادائیگی فرض یا حدث کو رفع کرنے یا اس چیز کو مباح کرنے کی نیت کرے جس کے لئے طہارت درکار ہوتی ہے۔ جیسے وضو کرنے والا شخص یوں کہے: نویت فرائض الوضو (میں فرائض وضو کی نیت کرتا ہوں) یا وہ شخص جو دائمی مریض ہو جیسے مستحاضہ اور قطرے یا ریح کے بار بار نکلنے کا مریض وہ یہ کہے میں فرض نماز کو جائز کرنے کی نیت کرتا ہوں یا طواف کی یا قرآن چھونے کی۔ یا پاکی حاصل کرنے والا مطلقاً یہ نیت کرے کہ میں حدث رفع کر رہا ہوں یعنی وہ کام جو طہارت پر موقوف ہوتا ہے۔

اس کی ادائیگی سے مانع چیز کو میں رفع کر رہا ہوں۔ احناف نے نیت کی تعریف یہ کی ہے کہ یہ دل کا کسی فعل کے انجام دینے پر مضبوط ارادہ کر لینے کا نام ہے۔

نیت کو طہارت کے لئے شرط قرار دینے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ احناف فرماتے ہیں [1] کہ وضو کرنے والے کے لئے نیت سے شروع کرنا ضروری ہے تاکہ وہ ثواب حاصل کر سکے۔ اور اس کا وقت استنجاء سے پہلے ہے تاکہ اس کا سارا فعل نیکی شمار ہو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ شخص حدث کے دور کرنے یا نماز کے قائم کرنے یا وضو کرنے یا امتثال امر شرعی کا ارادہ کرے۔ اور اس کی جگہ دل ہے اگر وہ زبان سے یہ کہے تاکہ دل اور زبان کے فعل باہم جمع ہو جائیں تو مشائخ کے ہاں یہ مستحب ہے۔ ان حضرات کے اس قول کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محض ٹھنڈک کے حصول کی غرض سے وضو کی طرح اعضا دھو لینے والے پانی میں تیراکی یا صفائی یا کسی ڈوبتے شخص کو بچانے کے لئے چھلانگ لگانے والے شخص کا وضو یا غسل وغیرہ درست قرار پائے۔

ان حضرات نے اس قول پر مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے ہیں۔

۱...... قرآن کریم میں اس پر نص موجود نہیں یعنی آیت وضو صرف تین اعضاء کے دھونے اور سر کے مسح کرنے کا بتاتی ہے اور حدیث واحد سے نیت کو شرط قرار دینا نص کتاب پر اضافہ ہے اور زیادۃ علی الکتاب (کتاب کے مفہوم میں اضافہ) نسخ کے مترادف ہوتا ہے جو کہ آحاد حدیث سے درست نہیں۔

۲...... سنت نبویہ میں بھی اس پر نص موجود نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کو اس کی تعلیم نہیں دی جس کو ارکان وضو کی تعلیم دی حالانکہ وہ اعرابی اس چیز سے قطعاً ناواقف تھا۔ اور تیمم میں نیت اس لئے فرض ہے کہ وہ مٹی سے ہوتا ہے اور مٹی فی الاصل حدث یا گندگی زائل کرنے والی نہیں ہے۔ تو بحیثیت بدل کے استعمال ہوتی ہے۔

۳...... طہارت کی تمام دیگر انواع پر قیاس کرنے سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وضو پانی کے ذریعے پاکی حاصل کرنے کا نام ہے تو اس کے لئے نیت شرط نہیں ہوگی جیسے ازالہ نجاست کے لئے شرط نہیں ہوتی۔ اسی طرح جیسے نماز کی دیگر شرائط میں بھی نیت ضروری نہیں جیسے ستر عورت اسی طرح نیت وضو میں بھی لازم نہیں ہونی چاہئے۔

اسی طرح نیت اس ذمی عورت پر بھی لازم نہیں ہوتی ہے جو غسل حیض اپنے مسلمان شوہر کے لئے کرتی ہے۔

۴...... وضو نماز کا ذریعہ اور وسیلہ ہے یہ بذات خود مقصود چیز نہیں ہے اور نیت مقاصد میں مطلوب ہوتی ہے وسائل میں نہیں۔

---

[1]...... الدر المختار ج ۱ ص ۹۸۔ ۱۰۰، اللباب ج ۱ ص ۶ ۱ مراقی الفلاح ص ۱۲ البدائع ج ۱ ص ۱۷ مقارنۃ المذاھب فی الفقہ ص ۱۴۔

مالکیہ اور شوافع فرماتے ہیں کہ نیت وضو میں فرض ہے حنابلہ کے ہاں یہ شرط ہے عبادت کے تحقق یا ارادہ قربت و نیکی کے لئے ❶ لہٰذا وہ وضو جو عبادت کے علاوہ کسی اور کام کے لئے کیا گیا ہو جیسے کھانا، پینا، سونا وغیرہ تو اس سے نماز کی ادائیگی درست نہیں ہوگی۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے:

ا.....حدیث سے دلیل تو وہ مشہور حدیث انما الاعمال بالنیات ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔ ❷

مقصد یہ ہے کہ وہ اعمال جو شرعاً معتبر ہیں ان کا دارومدار نیت پر ہے۔ اور وضو ایک عمل ہے لہٰذا شرعاً اس کا تحقق بلا نیت نہیں ہوگا۔

۲.....عبادت میں اخلاص کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ فرمان خداوندی ہے:

وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ......سورۃ البینۃ، آیت نمبر ۵

اوران کو حکم دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔

اور وضو ایک مامور بہ عبادت ہے اس کا تحقق بلا اخلاص نیت ممکن نہیں، کیونکہ اخلاص تو دل کا فعل ہے جو کہ نیت ہے۔

۳.....قیاس بھی دلیل ہے، کیونکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جیسے نیت نماز میں شرط ہے ایسے ہی وضو میں بھی شرط ہونی چاہئے اور تیمم میں بھی نماز کو مباح کرنے کے لئے نیت شرط ہے اسی طرح وضو میں بھی ہونی چاہئے۔

۴.....وضو ایک مقصود چیز کا وسیلہ ہے تو اس کا بھی مقصود والا حکم ہوگا کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ ......سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶

جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو دھوو۔

یہ دلیل ہے کہ وضو نماز کے لئے مامور بہ ہے اور اس عبادت کی غرض سے ہے۔ تو مطلوب اور مقصود نماز کی خاطر اعضاء جسم کا دھونا ہوا اور یہی معنی نیت کے ہیں۔

اور حق بات یہ ہے کہ نیت کو فرض قرار دیا جائے، کیونکہ احادیث آحاد سے بسا اوقات وہ احکام ثابت ہوتے ہیں جو قرآن میں موجود نہیں ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اعضاء پر پانی کا لگ جانا بلا ارادہ یا ٹھنڈک وراحت کے حصول کے ارادے سے، وضو کے لئے دھونا نہیں قرار پاتا ہے کہ اس سے اس کا فریضہ شرعی ادا کیا جا سکے اور اس سے مامور بہ ویسے ہی ادا ہو سکے جیسے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ ❸

متعلقات نیت.....گزشتہ صفحات میں کی گئی بحث سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ نیت سے متعلق امور کی تفصیل اس طرح ہے۔ ❹

ا۔ **حقیقت نیت**.....لغت میں ارادے کو نیت کہتے ہیں اور شرعاً نیت نام ہے کسی چیز کا ارادہ جو اس کے فعل سے متصل ہو۔

۲۔ **حکم نیت**:.......جمہور کے ہاں وجوب اور احناف کے ہاں استحباب۔

۳۔ **مقصود نیت**.....عبادت کو عادت سے ممتاز کرنا یا عبادت کے درجات اور رتبوں میں امتیاز دینا مقصود ہوتا ہے جیسے نماز کبھی نفل اور کبھی فرض ہوتی ہے۔

---

❶.....المجموع للنووی ج ۱ ص ۳۶۱۔ المهذب ج ۱ ص ۱۴، بداية المجتهد ج ۱ ص ۷، القوانين الفقهيه ص ۲۱، الشرح الصغير ج ۱ ص ۱۱۴، الشرح الكبير ج ۱ ص ۹۳ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۴۷ اور مابعد، المغنی ج ۱ ص ۱۱۰ كشف القناع ج ۱ ص ۹۴۔ ۱۰۱۔ ❷ یہ حدیث بالاتفاق صحیح ہے اس کو صحاح ستہ کے اصحاب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۳۱۔ ❸ مقارنة الفقه فی المذاهب، ص ۱۷۔ ❹ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۷ اور دیگر تمام گزشتہ مراجع اور المغنی ج ۱ ص ۱۴۲۔

۴۔ شرط نیت...... نیت کی شرط یہ ہے کہ نیت کرنے والا مسلمان ہو اور وہ اس چیز کو جانتا ہو جس کی نیت کر رہا ہے اور ایسی چیز کا ارتکاب نہ کرے جو اس کے منافی ہو یعنی وہ نیت کو حکماً ساتھ رکھے مثلاً وہ وضو کرتے ہوئے دوسرا کام نہ شروع کر دے (کہ یہ منافی نیت کہلائے گا) اور یہ کہ نیت معلق نہ ہو لہٰذا اگر اس نے نیت کے بعد انشاء اللہ کہہ دیا تو اگر مقصود تعلق (معلق، مشروط کرنا) تھی یا ایسے ہی بلا نیت کہہ دیا تو نیت درست نہیں ہوگی اور اگر مقصود حصول برکت تھا تو نیت درست ہو جائے گی۔

احناف کے علاوہ فقہاء نے دائم المرض لوگوں جیسے قطرے ٹپکنے کا مریض اور مستحاضہ وغیرہ کے لئے وقت کے داخل ہونے کی شرط رکھی ہے، کیونکہ ایسے افراد کی طہارت طہارت عذر اور طہارت ضرورت ہوتی ہے تو وہ وقت کے ساتھ مقید ہوگی جیسے تیمم۔

۵۔ محل نیت...... نیت کا محل (مرکز) دل ہے، کیونکہ نیت قصد اور ارادے سے عبارت ہے، اور قصد و ارادے کا مرکز دل ہوتا ہے، تو، اگر دل سے ارادہ کرے اور زبان سے تلفظ نہ بھی کرے تو یہ کافی ہے، ہاں اگر دل میں نیت ہو ہی نہیں تو یہ فعل جو اس نے انجام دیا ہے وضو کے لئے کافی نہیں ہوگا۔ مالکیہ کے ہاں اولیٰ یہ ہے کہ نیت کا تلفظ نہ کیا جائے، شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس کا تلفظ (زبان سے کہنا) مسنون ہے، تاہم حنابلہ کے ہاں آہستہ سے تلفظ کرنا مستحب ہے زور سے تلفظ کرنا اور بار بار کرنا مکروہ ہے۔

۶۔ طریقہ نیت...... یہ ہے کہ وہ شخص اپنی طہارت سے ایسی چیز کے مباح کرنے کی نیت کرے جو طہارت کے بغیر مباح نہیں ہوتی ہے۔ جیسے نماز طواف اور قرآن کا چھونا، اور حدث اصغر کے رفع کرنے کی نیت کرے۔ یعنی اس ممانعت کے دور کرنے کی نیت کرے جو اعضا کے نہ دھونے کے نتیجے میں اس پر لاگو ہے مقصد یہ ہے کہ نیت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ شخص رفع حدث یا حدث سے پاکی حاصل کرنے کی نیت کرے دونوں میں سے جو بھی نیت کرے گا اس کے لیے جائز ہوگی۔ کیونکہ اس نے مقصود کی نیت کر لی ہے جو کہ رفع حدث ہے۔

اور اگر اس نے طہارت کی نیت سے ایسی چیز کا ارادہ کیا جس کے لئے طہارت مشروع نہیں جیسے ارام اور ٹھنڈک کا حصول، کھانا، پینا خرید و فروخت شادی وغیرہ، اور طہارت شرعی کی نیت نہیں کی تو اس کا حدث ختم نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے نہ طہارت کی نیت کی اور نہ ایسی چیز کی نیت کی جو طہارت کی نیت کو متضمن ہو تو اس کو کچھ حاصل نہیں ہوگا جیسے وہ شخص جو کسی چیز کا قصد نہ کرے اور اگر نماز کی نیت کے ساتھ اور چیزوں جیسے ٹھنڈک اور صفائی وغیرہ کا حصول۔ دوسروں کو سکھانا نجاست کا دور کرنا وغیرہ کی نیت کی تو یہ نیت صحیح ہوگی اور وضو درست ہوگا۔ لیکن اگر مطلق نیت کی یعنی مطلق طہارت کے حصول کی نیت کی جو طہارت حدث اور نجاست دونوں کو شامل ہو تو یہ نیت صحیح نہیں ہوگی اور جائز بھی نہیں۔ جب تک کہ عادت اور عبادت میں تمیز نہ حاصل ہو اور تمیز صرف نیت سے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ طہارت کبھی حدث سے ہوتی ہے اور کبھی خبث سے تو نیت مطلقاً درست نہیں ہوگی اور اگر وضو کنندہ شخص ایسی چیز کی نیت کرے جس کے لئے طہارت مسنون ہو جیسے قرأت قرآن، ذکر، اذان، سونا، مسجد میں بیٹھنے یا تعلیم دینے یا حاصل کرنے یا کسی عالم کی زیارت کرنے کی نیت کرنا وغیرہ تو اس کا حدث مرتفع ہو جائے گا اور حنابلہ کے ہاں وہ جتنی چاہے نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ اس نے ایسی چیز کی نیت کی جو صحت طہارت کی ضروریات میں سے ہے مالکیہ کے ہاں نماز کے لئے یہ وضو کافی نہیں ہوگا بغیر رفع حدث کی نیت کئے ہوئے، کیونکہ اس نے جس چیز کی نیت کی ہے وہ حدث کی موجودگی میں بھی ممکن ہے۔ اسی طرح شوافع کے اصح قول کے مطابق بھی یہ وضو اس کے لئے کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ افعال حدث کے ساتھ بھی مباح ہیں تو اس کا قصد رفع حدث کو متضمن نہیں ہوگا۔

تاہم اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر اس شخص نے نفل نماز کی نیت کی یا ایسی چیز کی نیت کی جس کی انجام دہی کے لئے طہارت لازم ہے جیسے طواف اور قرآن کا چھونا تو وہ اپنے اس وضو سے فرض نمازیں ادا کر سکتا ہے کیونکہ اس طرح کی نیت سے اس کا حدث مرتفع ہو گیا ہے[1] اور اگر دوران طہارت اس کو نیت میں شک واقع ہو گیا تو اس پر طہارت کی دوبارہ ابتداء لازم ہوگی کیونکہ اس طرح عبادت کی شرط میں

[1]...... المغنی ج ۱ ص ۱۴۲۔

ایسے شک پیدا ہوا ہے کہ وہ اس عبادت میں مشغول ہے تو یہ ایسے درست نہیں ہوگا جیسے نماز اور طہارت سے فراغت کے بعد نیت میں واقع ہونے والا شک مضر نہیں جیسے تمام عبادات میں ہوتا ہے۔ اور اس شخص کو کوئی دوسرا آدمی وضو کروائے تو نیت وضو کرنے والے کی معتبر ہوگی کرانے والے کی نہیں۔ کیونکہ وضو کا حکم درحقیقت وضو کرنے والے سے ہے کرانے والے سے نہیں اور وضو اس شخص کا ہوتا ہے اور وضو کرانے والے کی حیثیت محض ایک آلے کی ہے۔ اور وہ لوگ جو دائم المرض ہوں جیسے مسلسل قطرے کے مریض اور مستحاضہ اور ان جیسے افراد تو ان کو نماز مباح کرنے کی نیت کرنی چاہئے نہ کہ رفع حدث کی کیونکہ رفع حدث کا امکان ان کے حق میں نہیں ہے۔

۷۔ وقت نیت:...... احناف فرماتے ہیں کہ اس کا وقت استنجاء سے پہلے ہے تاکہ اس کا سارا فعل نیکی شمار ہو حنابلہ فرماتے ہیں کہ اس کا وقت اول واجب کی ادائیگی کے وقت ہے یعنی وضو میں بسم اللہ پڑھتے وقت اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ اس کا محل چہرہ ہے (یعنی چہرے کا دھونا) اور یہ قول بھی ہے کہ اول طہارت ہے۔ شوافع فرماتے ہیں کہ چہرے کا پہلا جزء دھوتے وقت اس کی نیت ہونی چاہئے تاکہ وہ اول فرض سے مل سکے۔ جیسے نماز اور مستحب یہ ہے کہ وہ ہتھیلیاں دھونے سے قبل نیت کرے تاکہ نیت مسنون اور فرض دونوں طہارتوں کو شامل ہو جائے اور ان دونوں پر ثواب کا حصول ہو سکے اور نیت کا طہارت سے کچھ دیر قبل ہونا جائز ہے، اگر زیادہ زمانے پہلے ہو تو درست نہیں۔

نیت کا آخر طہارت تک ساتھ رہنا مستحب ہے تاکہ تمام افعال نیت سے ملے ہیں اور اگر نیت کے بجائے حکم نیت ساتھ رہے تو بھی جائز ہے اور حکم نیت کا مطلب ہے کہ وہ نیت کے قطع کرنے کا ارادہ نہ کرے تاہم نیت کا ذہن سے نکل جانا اور اس سے غافل ہونا مضر نہیں اگر وہ وضو کے شروع میں یہ انجام دے چکا ہو کیونکہ وہ فعل جس کے لئے نیت ضروری ہے وہ نیت کے ذہن سے نکل جانے اور بھول جانے سے باطل نہیں ہوتا ہے جیسے نماز اور روزہ ہاں چھوڑ دینے اور ترک کر دینے سے نیت ختم ہو جاتی ہے یعنی وضو کے دوران اس کو باطل کر دینا، بایں طور کہ وہ دل سے یہ ارادہ کرلے کہ میں اپنا وضو باطل کر رہا ہوں کہ اس طرح کرنے سے وضو باطل ہو جاتا ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں وضو کرنے والے شخص کے لئے اعضاء وضو پر نیت کو تقسیم کر دینا درست ہے اس طرح کہ ہر عضو کو دھوتے وقت وہ رفع حدث کی نیت کرے، کیونکہ افعال وضو کی تفریق کرنا درست ہے اس طرح نیت کو بھی افعال وضو پر تقسیم کرنا درست ہے۔

مالکیہ کے ہاں معتمدبات یہ ہے کہ نیت کا اعضاء پر تفریق کرنا درست نہیں بایں معنی کہ وضو کو مکمل کرنے کے ارادے کے بغیر ہر وضو کی نیت کرے پھر ارادہ ترک کر دے پھر خیال آنے پر دوبارہ نیت کر کے عضو کو دھوئے اور اسی طرح سارا وضو مکمل کرے۔ ہاں اگر نیت کو اعضاء پر وضو کو مکمل کرنے کی نیت کے ساتھ تقسیم کیا تو یہ جائز ہے❶ تاہم مالکیہ میں سے علامہ ابن رشد رحمہ اللہ کے ہاں اظہر قول اس کے برخلاف ہے۔ مالکیہ کی اس تفصیل سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ مالکیہ بھی شوافع اور حنابلہ کے ہم رائے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علماء کا نیت کے تیمم کے لئے واجب ہونے پر بالکل اتفاق ہے اور حدث اصغر اور حدث اکبر کے لئے واجب ہونے کے بارے میں دو قول ہیں ایک وجوب کا اور ایک عدم وجوب کا۔

۲۔ دوسری چیز: ترتیب (اعضا کو یکے بعد دیگرے دھونا)...... ترتیب کہتے ہیں اعضاء وضو کو ایک کے بعد دوسرے کو اس طرح دھونا جیسے قرآن کریم میں آیا ہے، یعنی پہلے چہرہ پھر دونوں ہاتھ کہنیوں تک، پھر سر کا مسح اور آخر میں دونوں پاؤں ٹخنوں تک ترتیب کے واجب ہونے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔❷

---

❶ ...... یہ دراصل ایک اصولی مسئلے کے اندر اختلاف کا نتیجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا نیت میں تجزی (تقسیم) درست ہے یا نہیں اس میں واقع اختلاف کے نتیجہ میں ان مسائل میں بھی اختلاف واقع ہوا ہے۔ ❷ الدر المختار ج ۱ ص ۱۱۳ مراقی الفلاح ص ۱۲ فتح القدیر ج ۱ ص ۲۳، البدائع ج ۱ ص ۱۷، الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۲۰ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۰۲ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۵۴، المہذب ج ۱ ص ۱۹ المغنی ج ۱ ص ۱۳۶۔۱۳۸ کشف القناع ج ۱ ص ۱۱۶ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۶ القوانین الفقہیہ ص ۲۲، المجموع ج ۱ ص ۴۸۰۔۴۸۶۔

احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ یہ سنت مؤکدہ ہے فرض نہیں لہٰذا انسان کو چاہئے اس چیز سے شروع کرے جس سے اللہ نے شروع کیا ہے اور ان چیزوں سے بھی جو دائیں طرف سے شروع ہوں، کیونکہ وہ نص قرآنی جو آیت وضو میں تعداد فرائض بتاتا ہے اس میں فرائض کو صرف واؤ عطف کے ذریعے آگے پیچھے بیان کیا گیا ہے جو محض جمع کے معنی بتاتا ہے ترتیب کے معنی کا متقاضی نہیں ہے اگر ترتیب مطلوب ہوتی تو وہ حروف جن میں ترتیب کے معنی ملحوظ ہوتے ہیں استعمال ہوتے جیسے ''ف'' اور ثم اور فاغسلوا میں ''جوف'' ہے وہ تمام اعضاء کی تعقیب (پیچھے لانے) کے لئے ہے (یعنی اس ف سے وہ مفہوم حاصل نہیں ہوگا کیونکہ یہ تعقیب کے لئے ہے یعنی اس میں تمام اعضا کو بعد میں دھونا بیان کرنا مقصود ہے) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہم اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول روایات ترتیب کے عدم وجوب پر دلالت کرتی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے پروانہیں کہ کس عضو سے میں شروع کروں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پاؤں سے شروع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاتھ کے بجائے اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے ہاتھوں سے پہلے اپنے پاؤں کو دھونا شروع کرو۔❶

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ ترتیب وضو میں فرض ہے غسل میں نہیں، کیونکہ وہ وضو جس کا حکم دیا گیا ہے اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح عمل موجود ہے جو اس کی وضاحت کرتا ہے❷ اور دوسری بات کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر فرمایا تھا اس سے ابتداء کرو جس سے اللہ نے ابتداء کی ہے❸ اور اعتبار الفاظ کی عمومیت کا ہوتا ہے ایک بات یہ بھی ہے کہ خود آیت وضو میں اس کا قرینہ موجود ہے کہ اس میں ترتیب مراد ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مسح کی جانے والی چیز کو دھوئے جانے والی چیزوں کے درمیان کر کے بیان کیا ہے اور عربوں کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ ہم معنی اور ہم مثل چیزوں کے بیچ میں بلاوجہ فصل نہیں کرتے ہیں، اور وہ فائدہ یہاں ترتیب ہی کا ہے۔ اور ایک بات یہ ہے کہ یہ آیت واجبات وضو کا بیان ہے کیونکہ اس میں سنتوں کا ذکر نہیں ہے ایک اور بات یہ ہے کہ جیسے ارکان نماز میں ترتیب ضروری ہوتی ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے وضو کے ارکان میں بھی ترتیب ضروری ہوگی۔ چنانچہ اگر کسی نے ترتیب کو الٹ دیا اور پاؤں کی طرف سے شروع کیا اور منہ پر لا کر ختم کیا تو تمام افعال میں سے صرف چہرے کا دھونا صحیح قرار پائے گا باقی غلط ہوں گے۔ اور غیر مرتب وضو کو صحیح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اعضاء کو چار مرتبہ دھولے، اس طرح پہلی مرتبہ میں منہ، دوسری مرتبہ میں ہاتھ تیسری دفعہ میں مسح اور چوتھی دفعہ میں پاؤں کے دھونے کا فریضہ ادا ہو جائے گا (یعنی اگر وہ اس طرح دھوئے کہ ایک مرتبہ پاؤں کا مسح، ہاتھ اور منہ دھوئے اور چار مرتبہ اس عمل کو دہرائے لیکن اگر ایک ایک عضو کو الگ الگ تین یا زائد مرتبہ دھوئے تو اس کی تصحیح ممکن نہیں اور اگر کسی نے اپنے اعضا ایک ساتھ دھولئے تو اس کا وضو درست نہیں ہوگا اسی طرح اگر چار آدمیوں نے چاروں اعضاء ایک ساتھ دھو دیئے تب بھی مقصود حاصل نہیں ہوگا کیونکہ واجب ہے ترتیب نہ کہ عدم تنکیس (ترتیب کا نہ الٹنا) اور چاروں ایک ساتھ دھل جانے کی صورت میں ترتیب نہیں رہتی ہے اور اگر حدث اصغر والے شخص نے رفع حدث کی نیت سے وضو کیا تو شوافع کے ہاں اصح بات یہ ہے کہ اگر ترتیب کا اندازہ لگایا جانا ممکن ہو اس طرح کہ مثلاً اس نے غوطہ لگایا ہو (سر کے بل) تو وضو صحیح ہو جائے گا خواہ بغیر ٹھہرے ہو کیونکہ یہ بڑے حدث کو رفع کرنے کے لئے کافی ہے تو حدث اصغر کے رفع کرنے کے لئے بطریق اولی کافی ہوگا دوسری بات یہ ہے کہ معین لحات میں ترتیب کا اندازہ لگانا بھی ممکن ہے۔ حنابلہ کے ہاں ایسا کرنا وضو کے لئے کافی نہیں ہے ماسوا اس کے کہ وہ پانی میں اتنی دیر رہے کہ ترتیب کا تحقق ہو سکے۔ لہٰذا اس کو چاہئے کہ وہ پہلے منہ نکالے، پھر ہاتھ، پھر سر پر مسح کرے پھر پانی سے باہر آ جائے پانی خواہ ٹھہرا ہوا ہو یا بہتا ہوا ہو۔

اور ترتیب صرف فرائض کے مابین مطلوب ہے ہاتھ پاؤں دھونے میں دائیں بائیں ترتیب ضروری نہیں، یہ صرف مستحب ہے، کیونکہ

---

❶..... پہلی دو روایتیں دار قطنی نے نقل کی ہیں تیسری روایت بے اصل ہے۔❷ بروایت مسلم وغیرہ از حضرت ابوھریرہ، نیل الاوطار ج ا ص ۱۵۲۔❸ روایت نسائی باسناد صحیح۔

ان کو قرآن کریم میں ایک ہی ساتھ بیان کیا گیا ہے جیسا کہ آیت میں ہے: وایدیکم ...... وارجلکم۔
فقہاء دونوں ہاتھوں کو ایک عضو اور دونوں پاؤں کو ایک عضو تسلیم کرتے ہیں اور ایک عضو میں ترتیب واجب نہیں ہے۔اور یہی مقصود ہے حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے قول سے،امام احمد نے فرمایا ہے کہ ان دونوں حضرات کی مراد بائیں کو دائیں سے پہلے دھونا تھی کیونکہ ان دونوں (دائیں اور بائیں) کا بیان قرآن میں ایک ہی لفظ میں ہے۔

میرے اندازے کے مطابق ترتیب کے قائل حضرات کا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً اور فعلاً اس پر عمل فرمایا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس پر عمل کرتے رہے ہیں، وضو میں وہ ترتیب ہی کو جانتے تھے اور ترتیب کے مطابق ہی وضو کرتے تھے، اور مسلمانوں میں ہر دور میں ترتیب ہی رائج رہی ہے۔ واو کا ترتیب کے لئے نہ ہونا بالکل تسلیم ہے لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب ترتیب پر دلالت کرنے والے قرائن موجود نہ ہوں اور ترتیب پر دلالت کرنے والے قرائن بہت ہیں اور وہ ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی مواظبت (علی الدوام پابندی)

۳۔ تیسری چیز...... موالات پے در پے کرنا اختلافی فرائض میں سے تیسرا فرض موالات کا مفہوم ہے افعال وضو کو اس طرح یکے بعد دیگرے پے در پے انجام دینا کہ ان کے درمیان اتنا فرق نہ واقع ہو جو عرف میں فاصلہ کر دینے والا سمجھا جائے یا یوں کہہ لیا جائے کہ پہلے عضو کے خشک ہونے سے پہلے دوسرے عضو کو دھو لینا اور یہ خشک ہونا بالکل معتدل حالات میں ہوں، یعنی وضو کرنے والے کی کیفیت جسمانی وہ زمانہ وہ علاقہ اور وہ جائے نزول سب معتدل حالات میں ہوں اور پہلا عضو خشک ہونے سے قبل دوسرا دھولیا جائے۔اس کے وجوب کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔❶

احناف اور شوافع فرماتے ہیں کہ موالات سنت ہے فرض نہیں ہے اگر کسی نے اپنے اعضاء کے دھونے میں معمولی سا فصل کر دیا تو یہ مضر نہیں ہے، کیونکہ اس سے احتراز ممکن نہیں ہے اور اگر کسی نے زیادہ فصل کر دیا یعنی اتنا فصل کر دیا کہ معتدل حالات میں اس کا دھویا ہوا پہلا عضو خشک ہو جائے تو بھی اس کا وضو درست ہو جائے گا کیونکہ وضو ایسی عبادت ہے کہ اس میں قلیل یا کثیر مقدار میں فصل واقع ہونا مضر نہیں جیسے زکوٰۃ اور ارکان حج میں اتنا فصل مضر نہیں ہوتا ہے۔

ان حضرات نے اپنی رائے کی دلیل کے طور پر یہ امور ذکر کئے ہیں:

۱...... روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بازار میں وضو فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے اور ہاتھ کو دھو کر مسح کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنازہ آنے کی اطلاع ملی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لائے اور اپنے موزوں پر مسح کیا اور جنازے کی نماز پڑھائی ❷ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان کافی فصل ہے۔

۲...... دوسری دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے وضو میں اس طرح تفریق (فصل) فرمائی اور کسی نے آپ پر نکیر نہیں کی مالکیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ موالات وضو میں فرض ہے غسل میں نہیں دلیل یہ ہے۔

۱...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا اور اس کے تلوے پر خشک جگہ درہم کی مقدار جتنی رہ گئی تھی جہاں پانی

---

❶...... بدایۃ المجتھد ج ۱ ص ۱۷، القوانین الفقھیہ ص ۲۱، المجموع ج ۱ ص ۴۸۹-۴۹۳، الدر المختار ج ۱ ص ۱۱۳، الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۱۱، الشرح الکبیر ج ۱ ص ۹۰، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۶۱، کشف القناع ج ۱ ص ۱۱۷، المغنی ج ۱ ص ۱۳۸، المھذب ج ۱ ص ۱۹۔ ❷ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت صحیح ہے اس کو امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت نافع سے روایت کیا ہے کہ ان ابن عمر توضأ فی السوق ...... الخ المجموع ج ۱ ص ۴۹۳۔

نہیں پہنچ سکا تھا اس شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز اور وضو کے اعادہ کا حکم دیا❶ اگر موالات واجب ہوتی تو صرف اس خشک جگہ کو دھو دینا کافی ہوتا۔

۲۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے وضو کیا اور ایک ناخن کے برابر جگہ خشک چھوڑ دی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹ جاؤ اور اچھی طرح وضو کر کے آؤ تو وہ لوٹا پھر آ کے نماز پڑھی۔❷

۳.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موالات پر مواظبت کہ آپ نے ہمیشہ موالات کے ساتھ وضو فرمایا اور موالات نہ کرنے والے کو نماز کو لوٹانے کا حکم دیا۔

۴.....نماز پر قیاس کہ وضو ایسی عبادت ہے جسے حدث فاسد کر دیتا ہے تو اس میں موالات شرط ہوگی جیسے نماز میں (یعنی وضو اور نماز میں قدر مشترک ان دونوں کا حدث سے بطلان ہے لہٰذا یہ دونوں موالات کے حکم میں شریک ہوں گے) مصنف فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں موالات کو لازم قرار دینے کی بات زیادہ درست ہے ماسوا اس کے کہ کوئی ایسی ضرورت پیش ہو جو عبادات میں واقعتاً ضرورت کا درجہ رکھتی ہو اور ان سے لاپروائی یا ان کی بے وقعتی کے سبب نہ ہو اسی طرح وہ ضرورت عبادات اور سنت فعلی کی حیثیت کے بھی مناسب ہو اور شریعت کے مطلوب ومقصود امر کے صحیح طور پر ایک دوسرے کے ساتھ انجام دینے کے ارادے اور نیت اور عملی نفاذ سے بھی متفق ہو بغیر کسی ایسے کام کے خلل انداز ہونے کے جو اس فعل کی معنویت سے متصادم ہو (مصنف کی بات کا مقصود یہ ہے کہ شریعت نے جس چیز کی جیسے تعلیم دی ہے مکمل تعمیل واطاعت کے جذبے سے اس کی انجام دہی اور اس کو غیر اہم بے وقعت اور ثانوی چیز سمجھنے کا اشارہ دینے والے امور سے اجتناب کرتے ہوئے ان کو بجالانا ضروری ہے اور اس کے پیش نظر اگر وضو کے افعال کی ادائیگی کے دوران کوئی واقعی حاجت وضرورت درپیش ہو جو اوپر ذکر کردہ چیزوں کے تقاضوں کے خلاف نہ ہو تو وہ معاف ہونی چاہئے ورنہ موالات لازم ہی سمجھنی چاہئے۔

۴۔چوتھی چیز:.......ہاتھ سے ہلکے ہلکے اعضا کو ملنا۔اختلافی فرائض میں سے چوتھا فرض دلک: کہتے ہیں عضو پر پانی بہانے کے بعد اس کے خشک ہونے سے قبل اس کو ملنا۔اور ہاتھ سے مراد اندرونی حصہ ہتھیلی وغیرہ ہے،ایک عضو کو دوسرے عضو پر ملنا کافی نہیں ہے۔

اس کے وجوب کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔❸

جمہور فقہاء ماسوی مالکیہ کے فرماتے ہیں کہ دلک سنت ہے واجب نہیں کیونکہ آیت وضو میں اس کا کوئی حکم نہیں اور سنت سے بھی یہ ثابت نہیں کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے طریقے میں مذکور نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ وضو میں تو صرف پانی کا بہانا اور بالوں کی جڑوں میں انگلیاں پھیرنا (خلال کرنا) مذکور ہے۔❹

مالکیہ فرماتے ہیں کہ دلک واجب ہے اور وضو میں ہاتھ کے اندر کے حصے سے یہ عمل انجام دیا جانا چاہئے ہاتھ کی پشت سے نہیں،اور غسل میں پاؤں سے ملنا بھی جائز ہے اور وضو میں دلک کا مفہوم یہ ہے کہ ایک عضو کو دوسرے عضو پر متوسط طریقے سے پھیرنا اور مستحب یہ ہے کہ ہلکے

---

❶......بروایت امام احمد، ابوداؤد، بیہقی رحمہم اللہ علیہم از خالد بن معدان کہ انہوں نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ روایت کیا ہے تاہم علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس کو ضعیف السند اور امام احمد بن حنبل نے اس کو جید الاسناد کہا ہے۔❷ بروایت امام احمد ومسلم یہ دونوں حدیثیں نیل الاوطار ج ا ص ۱۷۴ میں ملاحظہ کریں، علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں موالات پر دلیل نہیں ہے۔❸ فتح القدیر ج ا ص ۹۔ الدر المختار ج ا ص ۱۱۴، مراقی الفلاح ص ۱۲، الشرح الصغیر ج ا ص ۱۱۰ اور بعد کے صفحات الشرح الکبیر ج ا ص ۹۰ نیل الاوطار ج ا ص ۲۲۰، ۲۴۵۔
❹ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے دھونے کی کیفیت کو غسل کے لفظ سے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ''افاض'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے معنی دونوں کے ایک ہیں اس وجہ سے اس کو دلک کے عدم وجوب کی دلیل بھی مانا گیا ہے اور اس بناء پر بھی کہ غسل کے معنی میں دلک شامل نہیں ہے۔ نیل الاوطار ج ا ص ۲۴۴ اور بعد کے۔

سے پھیرا جائے بہت دبا کر ہاتھ پھیرنا اور بار بار پھیرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں دین میں تشدد اور بیجا سختی کا شائبہ ہے جو کہ وسوسہ پیدا کرتا ہے۔اورمشہورقول کے مطابق یہ بہرحال فرض ہے خواہ پانی کھال تک پہنچ بھی جائے ان حضرات کی دلیل یہ امور ہیں۔

ا......اعضاء کا دھونا جس کا حکم آیت فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ میں دیا گیا ہے وہ بغیر ملنے کے متحقق نہیں ہوتا۔ کیونکہ پانی کا محض وضو تک پہنچ جانا غسل شمار نہیں ہوتا جب تک کہ بہانے کے ساتھ کوئی کیفیت نہ اپنائی جائے اور اس کا نام دلک ہے (مفہوم ہے کہ محض پانی بہانا تو دھونا نہیں شمار ہوتا جب تک کہ اس کے ساتھ ایک اور چیز نہ شامل ہو جو اس عمل کو بہانے سے دھونے میں بدل دے اور یہ چیز ملنا ہے)

۲......یہ حدیث بلوا الشعر والنقوا البشر ❶ (بالوں کو گیلا کرو اور کھال کو صاف کرو) اگر صحیح قرار پائے تو یہ دلک کے واجب ہونے کا پتہ دیتی ہے، کیونکہ انقاء (صاف کرنا) محض پانی بہانے سے حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔

۳......تیسری دلیل قیاس ہے، کہ حدث اصغر کو یہ حضرات نجاست سے طہارت حاصل کرنے پر قیاس کرتے ہیں کہ جیسے نجاست سے طہارت کا حصول ملنے اور رگڑنے سے ہوتا ہے ایسے ہی وضو میں بھی حصول طہارت حکمیہ ایسے ہی ہوگا۔ اسی طرح یہ حضرات اسے غسل جنابت پر قیاس کرتے ہیں اس آیت کے حکم میں وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (اگر تم جنبی ہو تو خوب طہارت حاصل کرو) کہ اس میں صیغہ مبالغے کا ہے اور مبالغہ دلک سے ہی ہوسکتا ہے میرا خیال یہ ہے کہ دلک اعضاء کی ظاہری ہیئت وشکل کی صفائی اور تزئین کا ذریعہ ہے اور اس مقصد کا حصول دلک کو صرف سنت قرار دینے سے حاصل ہو جاتا ہے نہ کہ اس کو واجب قرار دینے سے۔ کیونکہ امر واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا طریقہ بتانے والی احادیث دلک (ملنے) کے معنی پر دلالت نہیں کرتی ہیں اور کتب لغت بھی یہ نہیں بتاتی ہیں کہ دلک غسل کے معنی ومفہوم میں داخل ہے، تو واجب صرف وہ فعل ہوگا جو لفظ ''غسل'' سے باعتبار لغت کے سمجھ آتا ہو کوئی ایک فرض بھول جانے والے کا حکم: علامہ ابن جزئی مالکی فرماتے ہیں ❷ کہ جو شخص وضو کے فرائض میں سے کوئی فرض بھول جائے تو اگر عضو کے خشک ہونے کے بعد اس کو یاد آیا تو وہ صرف وہ فعل کرلے جو اس نے چھوڑ دیا ہے اور اگر عضو خشک ہونے سے قبل یاد آ گیا تو وضو دوبارہ شروع کرے، اور علامہ طلیطلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ اس عضو کو دھوئے جو وہ بھول گیا ہے اور اس کے بعد افعال انجام دے از سر نو وضو شروع نہ کرے، اور یہ قول ہی صحیح ہے۔

۳۔تیسری بحث.....شرائط وضو

تیسری فصل کی بنیادی تین مباحث میں سے پہلی بحث وضو کی تیسری ذیلی بحث

وضو کے وجوب کا سبب حدث اور نماز کے وقت کا داخل ہونا اور نماز کی ادائیگی کا ارادہ وغیرہ ہونا ہے۔ شوافع کے ہاں اصح قول یہ ہے کہ دو چیزیں ایک ساتھ سبب بنتی ہیں (۱) حدث (۲) نماز کی ادائیگی کا ارادہ کرنا وغیرہ۔

وضو کی شرائط دو قسم کی ہیں۔ (۱) شرائط وجوب (۲) شرائط صحت۔ ❸ شرائط وجوب کا مطلب ہے وہ شرائط جن کے پائے جانے کے وقت انسان پر طہارت کا حصول واجب ہوتا ہے۔ اور شرائط صحت کا مطلب ہے وہ شرائط جن کے بغیر طہارت صحیح نہیں ہوتی ہے۔

ا۔شرائط وجوب......کسی شخص پر وضو واجب ہونے، یعنی اس کے وضو کا مکلّف و پابند قرار پانے، کے لئے آٹھ شرائط ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

---

❶......نیل الاوطار ج ا ص ۲۲۰۔ ❷ القوانین الفقھیہ ص ۲۳۔ ❸ البدائع ج ا ص ۱۵، الدرالمختار مع ردالمحتار ج ا ص ۸۰، مراقی الفلاح ص ۱۰، الشرح الصغیر ج ا ص ۱۳۱۔۱۳۴، الشرح الکبیر ج ا ص ۸۴ اور بعد کے صفحات۔ مغنی المحتاج ج ا ص ۴۷ کشف القناع ج ا ص ۹۵۔

۱۔ **عقل**..... لہٰذا یہ کیفیت جنون کے دوران مجنون پر نہ واجب ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے اس کا صدور صحیح قرار پاتا ہے اور نہ بے ہوش شخص پر بیہوشی کے دوران اور نہ ہی سونے والے اور غافل شخص پر یہ واجب ہوتا ہے اور نہ ان دونوں سے اس کا صدور درست قرار پاتا ہے احناف کے علاوہ جمہور علماء کے ہاں۔ کیونکہ سونے والے یا غافل شخص کی نیند اور غفلت کے دوران کوئی نیت نہیں ہوتی ہے۔

۲۔ **بلوغت**..... چنانچہ بچے پر یہ لازم نہیں ہوتا۔ لیکن وضو بھی اس بچے کا صحیح ہوتا ہے جو تمیز کر سکتا ہو یعنی تمیز وضو کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔

۳۔ **اسلام**:..... یہ احناف کے ہاں شرط وجوب ہے اور یہ اس بناء پر کہ ان کے ہاں مشہور قول یہ ہے کہ کفار فروع شریعت یعنی عبادات وغیرہ کے مکلف نہیں ہیں، لہٰذا کافر پر یہ واجب نہیں کیونکہ کافر فروع شریعت
کا مکلف نہیں ہے۔ جمہور فقہاء کے ہاں یہ شرط صحت ہے اس بناء پر کہ ان کے ہاں یہ طے ہے کہ کافر فروع شریعت کا مخاطب ہے تاہم کافر سے اس کا صدور درست قرار نہیں پائے گا کیونکہ اس کی ادائیگی کی درستگی کے لئے اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے[1] اور یہ شرط تمام عبادات میں ہے یعنی طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج۔

۴..... اتنی مقدار میں موجود پاک پانی کے استعمال پر قدرت جو اس کے لئے کافی ہو لہٰذا پانی کے استعمال سے معذور شخص پر یہ واجب نہیں اسی طرح پانی اور مٹی کے نہ پانے والے لیکن اتنا کم کہ وہ تمام اعضاء کے لئے ایک ایک بار کافی نہ ہو اور نہ اس معذور شخص پر واجب ہے جس کے لئے پانی مضر ہو۔ تو قادر (قدرت رکھنے والے) سے مراد پانی پا لینے والا وہ شخص ہے جس کے لئے پانی مضر نہ ہو یہ تفصیل حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں ہے شوافع کے اظہر قول کے مطابق اور حنابلہ کے ہاں اس پانی کا استعمال کرنا واجب ہے جو نا کافی ہے وہ اس کو استعمال کرے پھر تیمم بھی کرے۔

۵۔ **حدث کا پایا جانا**..... لہٰذا وضو کیے ہوئے شخص پر وضو کا اعادہ واجب نہیں، یعنی وضو علی الوضو واجب نہیں۔

۶ اور ۷..... حیض اور نفاس کا منقطع ہو جانا یعنی شرعاً ان کا انقطاع متحقق ہو چکا ہو، لہٰذا حائض اور نفساء (نفاس والی عورت) پر وضو واجب نہیں ہے۔

۸۔ **وقت کا تنگ ہونا**..... یعنی نماز کے وقت کا کم رہ جانا کیونکہ اس صورت میں خطاب شرعی مکلف کے حق میں مضیق (تنگ کرنے والا، گنجائش کم کرنے والا) کی حیثیت سے متوجہ ہوتا ہے اور ابتداء وقت میں موسع (گنجائش دینے والا) کی حیثیت سے متوجہ ہوتا ہے، لہٰذا وقت میں گنجائش ہونے کی صورت میں وضو واجب نہیں ہوتا وقت کے تنگ ہو جانے کی صورت میں وضو واجب ہو جاتا ہے۔

آسان الفاظ میں ان شرائط کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ مکلف شخص کا پانی سے طہارت حاصل کرنے پر قادر ہونا شرط وجوب ہے۔

۲۔ **شرائط صحت**:..... وضو کے (درست) ہونے کیلئے احناف کے ہاں تین اور جمہور کے ہاں چار شرائط ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ **پوری کھال پر پانی کا بہہ جانا**..... یعنی پانی جس عضو پر بہایا جا رہا ہے اس پورے کے پورے عضو پر پانی اس طرح بہہ جائے کہ اس کا ذرا سا حصہ بھی بغیر دھلے نہ رہے تاکہ پانی پوری کھال کو ڈھانپ لے حتیٰ کہ اگر ایک سوئی کی نوک کے برابر بھی خشک جگہ رہ گئی جو گیلی نہ ہوئی ہو تو وضو صحیح نہیں ہوگا۔

اس بناء پر تنگ انگوٹھی کو مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک وضو کے دوران حرکت دینا واجب ہے تاکہ پانی انگوٹھی کے نیچے پہنچ سکے۔

---

[1]..... ملاحظہ کیجئے میری کتاب اصول الفقہ الاسلامی ج ا ص ۱۴۶ طبع دار الفکر دوسری اشاعت۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ وہ انگوٹھی جس کی شرعاً مرد اور عورت کو اجازت ہو ایسی انگوٹھی کا حرکت دینا ضروری نہیں ہے خواہ وہ اتنی تنگ کیوں نہ ہو جس کے نیچے پانی نہ پہنچ سکے اور ایسی انگوٹھی حائل نہیں سمجھی جائے گی بخلاف اس انگوٹھی کے جو شرعاً ممنوع ہو جیسے سونے کی انگوٹھی یا ایک سے زائد انگوٹھی مرد کے لئے کہ ایسی انگوٹھی کا اتارنا اگر وہ اتنی تنگ ہو کہ اس کے نیچے پانی نہ پہنچ سکے لازم ہے اور صرف اس کا ہلانا بھی اس لئے کافی ہے کہ یہ ہلانا بمنزلہ ملنے کے شمار ہوگا۔

اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ پانی کے علاوہ دیگر مائعات سے وضو جائز نہیں جیسے سرکہ، عرق اور دودھ وغیرہ جیسے کہ ناپاک پانی سے وضو درست نہیں کیونکہ نماز طہارت کے بغیر نہیں ہوتی۔

۲.....ایسی چیز دور کرنا جو پانی کو اس عضو تک پہنچنے سے روک دے یعنی وہ عضو جس کا دھونا واجب ہے اس پر کوئی ایسی چیز نہ ہو جو پانی کو کھال تک پہنچنے سے روک دے جیسے موم چربی، تیل اور چکنائی وغیرہ اسی قبیل سے آنکھوں کا چیپڑ، چینی، سیاہی جو جمی ہوئی ہو نیل پالش وغیرہ ہیں کہ یہ پانی کے پہنچنے سے مانع ہیں تاہم تیل وغیرہ پانی کو کھال تک پہنچنے سے نہیں روکتا ہے۔

۳.....وضو کے منافی چیز یا وضو کی توڑنے والی چیز جو بدن سے نکلی یا نہیں ان کا نہ ہونا بھی شرط ہے یعنی ہر اس چیز کا وضو سے قبل منقطع ہونا جو وضو توڑ دیتی ہو جیسے حیض ونفاس پیشاب وغیرہ کا منقطع ہونا۔ اسی طرح دوران وضو حدث کا منقطع ہونا کیونکہ پیشاب وغیرہ جیسی وضو کے توڑنے والی چیزیں ظاہر ہونے سے وضو درست نہیں ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ غیر معذور شخص کا وضو حدث کے خروج یا ناقض پائے جانے کی صورت میں درست نہیں ہوتا ہے۔

۴.....تیمم کے لئے وقت کا داخل ہونا، یہ شرط جمہور کے ہاں ہے احناف کے ہاں نہیں اسی طرح وہ لوگ جن کا حدث دائمی ہوتا ہے جیسے سلسل البول (پیشاب کے قطرے کا دائمی مریض) وغیرہ ان کے لئے بھی شوافع اور حنابلہ کے ہاں وقت کا داخل ہونا شرط ہے کیونکہ ان کی طہارت عذر اور ضرورت کی بناء پر ہوتی ہے تو یہ صرف وقت کے ساتھ مقید رہیگی اور اسلام تمام عبادات کی صحت کے لئے شرط ہے احناف کے علاوہ فقہاء کے لئے جیسا کہ ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں اور احناف کے ہاں یہ شرط وجوب ہے اور تمیز (یعنی انسان کا اتنا ذی شعور ہونا کہ وہ اپنے فعل کی جو وہ انجام دے رہا ہے حقیقت سے واقف ہو) تمام علماء کے ہاں وضو اور دیگر عبادات کی صحت کے لئے شرط ہے۔

شوافع فرماتے ہیں کہ وضو اور غسل کی تیرہ شرائط ہیں:

(۱).....اسلام (۲) شعور تمیز (۳، ۴) حیض ونفاس سے صاف ہونا (۵) ایسی چیز سے صاف ہونا جو پانی کو کھال تک پہنچنے سے روکے (۶) فرضیت کا علم رکھنا (۷) اس کے معین فرائض میں سے کسی کو سنت نہ سمجھے (۸) پانی کا طہور (پاک کرنے والا اور خود بھی پاک) ہونا (۹) نجاست عینیہ (نظر آنے والی وہ نجاست جس کا جسم ہو) کا دور کرنا (۱۰) عضو پر ایسی چیز کا نہ ہونا جو پانی کو متغیر کر دے (۱۱) نیت کو معلق نہ کرے (۱۲) دائم الحدث لوگوں کے لئے وقت کا داخل ہونا اور (۱۴) موالات یعنی ایسی چیز کا نہ ہونا جو اعراض کی دلیل ہو۔

۴۔ چوتھی بحث......وضو کی سنتیں

احناف سنت اور مستحب (مندوب) میں فرق کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سنت (یعنی سنت مؤکدہ) کہتے ہیں **الطریقة المسلوكة فی الدین من غیر لزوم** (کسی بھی فعل کے بارے میں دین کا وہ طریقہ جو دین نے بغیر لازم کئے ہوئے اپنایا ہو (اس کا حکم دیا ہو) لیکن اس پر عمل مواظبت (ہمیشگی) کے ساتھ کیا گیا ہو (مفہوم ومقصود یہ ہے کہ وہ عمل جو شریعت نے کسی چیز کے بارے میں اپنایا ہو اور ہمیشہ اسی پر عمل رہا ہو لیکن لازم نہ کیا ہو بایں معنی کہ کبھی کبھی اسے بلا عذر ترک بھی کر دیا ہو) یعنی وہ عمل جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو اور کبھی اس کو بلا عذر بھی ترک فرما دیا ہو اس کا حکم یہ ہے کہ کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر عتاب ہوتا ہے۔ اور مستحب یا مندوب

وہ عمل ہوتا ہے جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی نہ فرمائی ہو، یہاں وضو کے بیان میں اس کو ادب یعنی آداب وضو کے عنوان سے جانا جاتا ہے۔اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر ملامت نہیں ہوتی ہے۔

وضو کی اہم سنتیں احناف کے ہاں اٹھارہ ہیں، مالکیہ کے ہاں آٹھ ہیں، شوافع کے ہاں تیس کے قریب ہیں کیونکہ یہ حضرات سنت اور مستحب میں فرق نہیں کرتے ہیں اور حنابلہ کے ہاں بیس کے قریب مطلوب ہیں۔❶

۱.....نیت احناف کے ہاں سنت ہے، اس کا وقت استنجاء سے قبل ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ شخص حدث کے رفع کرنے یا نماز کے قائم کرنے کی یا وضو کی یا حکم کی بجا آوری کی نیت کرے اس کا محل (جگہ) قلب ہے مشائخ احناف اس کے زبان سے کہنے کے استحباب کے قائل ہیں اور احناف کے علاوہ جمہور فقہاء کے ہاں یہ فرض ہے جیسا کہ اس پر تفصیلی گفتگو فرائض وضو کے بیان میں گزر چکی ہے۔

۲.....ہاتھوں کو تین مرتبہ گٹوں تک دھونا برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل خواہ نیند سے بیدار ہوا ہو یا نہیں کیونکہ دونوں ہاتھ طہارت کے آلے ہیں، اور دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنا ہاتھ برتن میں ڈالنے سے پہلے دھولے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات کو کہاں رہا۔❷ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں یہاں تک کہ وہ ان کو تین مرتبہ دھولے تاہم راجح یہی ہے کہ ایک مرتبہ ہاتھ دھونا مسنون ہے جیسے وضو کے باقی افعال ایک ہی مرتبہ فرض ہیں اور تین مرتبہ دھونا مستحب ہے، حنابلہ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ دھونا اس شخص کے لئے مسنون ہے جو رات کی نیند سے نہ اٹھا ہو اور رات کی نیند سے بیدار ہونے والے پر واجب ہے۔

۳۔وضو کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا:.....اس طرح کہ ہاتھ گٹوں تک دھوتے وقت بسم اللہ پڑھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے طبرانی کی نقل کردہ روایت کے مطابق جو انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حسن اسناد کے ساتھ نقل کی ہے یہ پڑھنا چاہئے **باسم الله العظيم والحمدلله على دين الاسلام**، اور ایک قول یہ ہے کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس میں اس حدیث پر عمل درآمد ہو جاتا ہے، جس میں ہے ہر وہ کام جس کو **بسم الله الرحمن الرحيم** سے نہ شرع کیا جائے تو وہ بے برکت ہوتا ہے۔❸ مالکیہ نے بسم اللہ پڑھنے کو وضو کے آداب میں سے شمار کیا ہے جب کہ حنابلہ وضو کے وقت بسم اللہ پڑھنے کو واجب قرار دیتے ہیں۔

ان کی دلیل یہ حدیث ہے اس شخص کی نماز نہیں جس کا وضو نہ ہو اور اس کا وضو نہیں جو اللہ کا نام وضو کے موقع پر نہ لے❹ اسی طرح ایک اور حدیث جو حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے انہی الفاظ میں منقول ہے❺ بھی ان کی دلیل ہے اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے منقول حدیث **لاوضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه** ❻ بھی ان کی مؤید ہے۔

---

❶.....البدائع ص ۱۸۔۲۳ فتح القدير ۱۳۔۲۳، الدر المختار ج ۱ ص ۱۰۱۔۱۱۴، مراقی الفلاح ص ۱۰۔۱۳ الشرح الصغير ج ۱ ص ۱۱۷۔۱۲۱ الشرح الكبير ج ۱ ص ۹۶۔۱۰۴ بداية المجتهد ج ۱ ص ۸۔۱۲، القوانين الفقهيه ص ۲۲، المهذب ج ۱ ص ۱۹۔۱۹ كشف القناع ج ۱ ص ۱۱۸۔۱۲۲، المغنی ج ۱ ص ۹۶۔۱۴۳ ❷ صحاح ستہ کے حضرات نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے نصب الراية ج ۱ ص ۲۔❸ یہ حدیث عبدالقادر رہاوی نے الاربعین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور یہ ضعیف ہے۔❹ یہ حدیث ابوداؤد، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ نصب الرايه ج ۱ ص ۳۔❺ یہ حدیث امام احمد، ابن ماجہ، ترمذی اور حاکم نے روایت کی ہے امام احمد نے فرمایا کہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہ والی حدیث اس باب میں سب سے احسن حدیث ہے امام ترمذی اور بخاری فرماتے ہیں کہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ والی حدیث احسن ہے، تمام احادیث کی اسناد میں ایک ہی کلام ہے۔ نصب الرايه ج ۱ ص ۴، نيل الاوطار ج ۱ ص ۱۳۴۔❻ حاکم نے مستدرک میں اسے روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے دوسرے حضرات نے اسے ضعیف کہا ہے۔ نصب الرايه ج ۱ ص ۴۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ❶ کہ جو شخص وضو کرے اور اللہ کا نام اس میں لے تو وہ اس کے تمام بدن کے لئے طہارت کا ذریعہ ہوگا، اور جو شخص وضو کرے اور اللہ کا نام نہ لے تو وہ صرف اس کے اعضاء وضو کی طہارت کا ذریعہ ہوگا ❷ اور ایک اور دلیل وہ روایت ہے جو نسائی اور ابن خزیمہ نے جید اسناد کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وضو کرو بسم اللہ کہتے ہوئے اور اس کا کامل ترین اس کا کمال ہے پھر اللہ کی تعریف اسلام اور اس کی نعمتوں پر تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پانی کو پاکی کا ذریعہ بنایا اور تسمیہ واجب ہوتی ہے آیت وضو کی وجہ سے جو فرائض وضو کو بیان کرنے والی ہے۔❸

۴۔ **کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا**..... مضمضہ (کلی) کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ پانی منہ میں ڈال کر منہ میں گردش دینا اور پھینک دینا یا یہ کہ سارے منہ میں پانی بھر لینا اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنے کا مفہوم ہے ناک میں پانی چڑھانا) ان دونوں چیزوں سے ایک اور سنت بھی ملحق ہے اور وہ ہے استنثار (ناک سنکنے) کی سنت۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ ناک میں پانی چڑھاتے ہوئے بائیں ہاتھ کی چھنگلی اور انگوٹھے کو ناک میں داخل کر کے صفائی کرنا اور ناک ایسے سنکنا جیسے بلغم کھنکار کر نکالتے وقت کرنا ہوتا ہے یہ تمام امور حنابلہ کے علاوہ جمہور کے ہاں سنت مؤکدہ ہیں کیونکہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے تم میں سے جو شخص وضو کرے اور کلی کرے ناک میں پانی ڈالے اور ناک سنکے مگر اس کے منہ اور ناک سے گناہ پانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں تاہم یہ روایت **تمضمضوا واستنشقوا** ضعیف ہے اور ان کے واجب نہ ہونے کی وجہ آیت وضو ہے جس نے وضو کے فرائض بیان کئے ہیں۔❹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو میں سے مضمضہ (کلی) اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنے) کا طریقہ مضمضہ اور استنشاق تین تین مرتبہ مسنون ہیں دلیل اس کی بخاری اور مسلم کی روایت کردہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے برتن منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی ڈالا اور ان کو دھویا پھر دایاں ہاتھ برتن میں ڈالا پھر کلی کی اور ناک سنکی پھر اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر اپنے پاؤں ٹخنوں تک تین تین مرتبہ دھوئے پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ایسا وضو فرمایا جیسے میں نے کیا ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرے وضو کی طرح وضو کرے او دو رکعت ادا کرے جس میں اس کے دل میں خیالات نہ آئیں تو اللہ اس کے پچھلے گناہ معاف فرما دے گا❺ اور دلیل میں یہ حدیث بھی ہے جو امام احمد، مسلم، اور سنن اربعہ (یعنی ترمذی ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی) کے محدثین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ دس چیزیں فطرت کا حصہ ہیں اور ان میں مضمضہ اور استنشاق کا بھی ذکر کیا اور فطرت سے مراد سنت ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ منہ اور ناک جو مخفی عضو ہیں تو ان کا دھونا ضروری ایسے ہی نہیں جیسے آنکھوں کے اندر کے حصے اور گھنی داڑھی کے اندر کے حصے کو دھونا ضروری نہیں ہوتا ہے، اور ایک بات یہ بھی ہے کہ وجہ کہتے ہیں اس چیز کو جو سامنے پڑتی ہو (مواجہت جس سے ہوتی ہو) اور ان دونوں کے ذریعے مواجہت نہیں ہوتی ہے۔

---

❶.....امام دار قطنی نے حضرت جابر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے، یہ حدیث ضعیف ہے الجامع الصغیر: نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۳۶۔ ❷اس حدیث کو امام دار قطنی نے نقل کیا ہے اس حدیث کا ایک راوی ضعیف ہے، نصب الرایہ ج ۴ ص، ۱۸۳ اور نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۳۶۔ ❸ابن سید الناس نے شرح ترمذی میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ بعض روایات میں منقول ہے لاوضو کاملاً اور امام رافعی نے اس سے استدلال بھی کیا ہے۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا نہیں دیکھا۔ نیل الاوطار حوالہ بالا۔ ❹یہ حدیث دار قطنی اور بیہقی نے نقل کی ہے اس کی سند میں ایک راوی متروک اور وضع حدیث کے الزام سے متہم ہے یہ حدیث دار قطنی اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی ہے اس کی سند میں دو ضعیف راوی ہیں دار قطنی اور بیہقی نے یہ حدیث ایک اور طریقہ سے بھی نقل کی ہے اس کی سند میں ایک متروک شخص ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۳۵۔ ❺نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۳۹ اس کی تائید ایک ضعیف حدیث سے بھی ہوتی ہے، جو دار قطنی نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعا روایت کی ہے ان الفاظ کے ساتھ المضمضة والاستنشاق سنة.

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ روزے دار کے علاوہ لوگوں کے لئے ان دونوں چیزوں میں مبالغہ کرنا مسنون ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم وضو کرو تو مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ کرو اگر تم روزے دار نہ ہو ابن قطان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس طرح لقیط بن صبرۃ کی حدیث بھی اس کی دلیل ہے۔ جس کے الفاظ ہیں وضو مکمل کرو انگلیوں میں خلال کرو اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرو اگر تم روزے دار نہ ہو❶ روزے دار کے لئے ان چیزوں میں مبالغہ درست نہیں بلکہ مکروہ ہے روزہ ٹوٹ جانے کے خطرے کی وجہ سے اور مضمضہ میں مبالغہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی کو حلق میں جہاں تک لے جانا ممکن ہو لے جائے اور منہ میں پانی کو ایسے گھمائے کہ وہ دانتوں کی دونوں جانب لگے، اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں دانتوں پر پھیرنا مسنون ہے، اور استنشاق میں مبالغے کا طریقہ یہ ہے کہ پانی کو ناک کے بانسے میں چڑھائے اور پانی منہ میں گردش دینا پھر اسے پھینکنا مسنون ہے۔ ناک سنکنا بھی مسنون ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ ناک سنکو خوب اچھی طرح دو مرتبہ یا تین مرتبہ۔❷

احناف کی اس کے بارے میں عبارت یہ ہے کہ دونوں سنت مؤکدہ ہیں جو دیگر پانچ سنتوں پر مشتمل ہیں (۱) ترتیب (۲) تثلیث (تین مرتبہ کرنا) (۳) پانی نیا لینا (۴) دائیں ہاتھ سے کرنا (۵) ان دونوں میں مبالغہ کرنا غرارے کے ذریعے ناک کے بانسے سے اوپر پانی چڑھا کر یہ روزے دار کے علاوہ افراد کے لئے سنت ہے کیونکہ روزے دار کا روزہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے❸ مالکیہ فرماتے ہیں کہ مضمضہ اور استنشاق کرنا مستحب ہے اور دونوں مضمضہ اور استنشاق کے لئے نیا پانی لینا مستحب ہے اور غیر روزے دار کے لئے مبالغہ کرنا مستحب ہے۔ صحیح قول کے مطابق شوافع کے ہاں ان میں ترتیب لازم ہے مستحب نہیں بخلاف دائیں کو بائیں سے پہلے دھونے کے کہ وہ مستحب ہے۔ علامہ نووی کے منہاج میں ذکر شدہ قول کے مطابق اظہر قول شوافع کے ہاں یہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق کو ایک چلو سے کرنا زیادہ بہتر ہے دونوں کو الگ کرنے سے تین چلوں سے جن میں سے ہر چلو سے پہلے کلی کرے پھر ناک میں پانی ڈالے مفہوم یہ ہے کہ ایک چلو سے پہلے مضمضہ کرے پھر استنشاق کرے پھر دوسرے چلو سے ایسا کرے پھر تیسرے چلو سے بھی ایسا ہی کرے اور یہ افضل اس لئے ہے کہ صحیح احادیث اس بارے میں وارد ہوئی ہیں❹ حنابلہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وضو اور غسل دونوں میں مضمضہ اور استنشاق واجب ہیں کیونکہ چہرے کا وضو اور غسل دونوں میں دھونا فرض ہے اور منہ اور ناک چہرے میں داخل ہیں اور دوسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے کہ مضمضہ اور استنشاق وضو کے ان افعال میں سے ہیں جو ضروری ہیں❺ اور ایک بات یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ہمیشہ مداومت (پابندی) فرمائی ہے جیسا کہ ان تمام احادیث میں یہ ذکر آیا ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ منقول ہے جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ والی حدیث، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث کہ انہوں نے وضو کا پانی منگوایا اور مضمضہ اور استنشاق کیا اور بائیں ہاتھ سے ناک جھاڑی اور یہ کام تین مرتبہ کیا۔

پھر فرمایا یہ اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ طہارت تھا❻ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دونوں حدیثیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے تو اپنی ناک میں پانی ڈالے پھر ناک جھاڑے اور یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مضمضہ اور استنشاق کا حکم دیا۔❼

---

❶.....امام ترمذی اور دوسرے حضرات نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور پانچوں حضرات نے اس کو روایت بھی کیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۵۔
❷ بروایت امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم اور ابن الجارود، اس کو ابن القطان نے صحیح قرار دیا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو تلخیص میں ذکر کیا ہے اور اس کا ضعف نہیں بیان کیا ہے۔ اسی طرح امام منذری نے بھی نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۶۔ ❸ الدر المختار ج ۱ ص ۱۰۸۔ ❹ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۵۸۔ ❺ یہ حدیث امام ابو بکر نے الشافی میں اپنی اسناد کے ساتھ نقل کی ہے امام دار قطنی نے اپنی سنن میں بھی اس کو نقل کیا ہے۔ ❻ یہ حدیث امام احمد اور نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۳۔ ❼ پہلی حدیث متفق علیہ ہے اور دوسری دار قطنی نے روایت کی ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۳۔

حق یہ ہے کہ یہ احادیث مضمضہ اور استنشاق کے واجب کرنے کے بارے میں بالکل واضح ہیں اور شوافع وغیرہ کی ایک جماعت نے ان لوگوں کی دلیل کے ضعف کا اعتراف کیا ہے کہ جو مضمضہ، استنشاق اور استنشار کے عدم وجوب کے قائل ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ ابن منذر نے ذکر کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے عدم وجوب استنشاق کی دلیل صرف یہ بیان کی ہے کہ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کا ترک کرنے والا مستحق وعید نہیں ہوتا جب کہ یہ باب بھی ہے کہ وجوب کا امر صحیح ہے۔ یہ دلیل امام شافعی رحمہ اللہ کی فقہی دلیل ہے کیونکہ یہ بات صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ علیہم میں سے ماسواء عطاء رحمہ اللہ کے منقول نہیں ہے۔ ❶

۵۔ **مسواک کرنا**...... یہ تمام فقہاء کے ہاں بالاتفاق سنت ہے ماسوا مالکیہ کے جو اس کو فضائل میں شمار کرتے ہیں اور میں اس سلسلے میں مستقل طور پر ایک الگ بحث میں گفتگو کروں گا۔

۶۔ **گھنی ڈاڑھی اور انگلیوں میں خلال کرنا**...... گھنی ڈاڑھی کا خلال داڑھی کی نچلی طرف سے ایک چلو پانی کے ذریعے کرنا مسنون ہے ❷ اسی طرح ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا یہ دونوں امور باتفاق فقہاء سنت ہیں، دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور امام ترمذی نے بھی اس کی تصحیح کے ساتھ اسے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی مبارک میں خلال فرماتے تھے، اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو ایک چلو پانی لیتے اور اسے اپنی ٹھوڑی کے نیچے سے ڈالتے اور اپنی ڈاڑھی کا اس سے خلال فرماتے، اور فرماتے کہ اس طرح میرے رب نے مجھے کرنے کا حکم دیا ہے۔ ❸

اسی طرح حضرت لقیط بن سبرہ کی روایت کردہ حدیث جو استنشاق میں مبالغہ کی دلیل ہے جو کہ پہلے گزری کی وضو مکمل کرو اور انگلیوں میں خلال کرو اور استنشاق میں مبالغہ کرو ماسوا اس کے کہ تم روزہ دار ہو ❹ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم وضو کرو تو ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرو ❺ حضرت مستورد بن شداد کی روایت کردہ حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تو پاؤں کی انگلیوں میں چھنگلی سے خلال فرماتے تھے۔ ❻

۷۔ **اعضاء کو تین مرتبہ دھونا**...... فقہاء نے بالاتفاق اعضاء کو تین مرتبہ دھونے کو سنت کہا ہے ماسواء مالکیہ کے وہ اس کو فضائل میں شامل کرتے ہیں دلیل اس کے سنت ہونے کی حضرت عمرو بن شعیب کی حدیث ہے کہ ہاتھ چہرے اور بازوؤں کو تین تین دفعہ دھویا جائے گا ❼ یہ عمل واجب نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ بھی اعضا کو دھویا ہے اور فرمایا کہ یہ وہ مقدار ہے کہ اللہ عمل کم از کم اتنے ہونے پر قبول فرماتے ہیں اور دو دو مرتبہ بھی دھویا اور فرمایا یہ وہ مقدار ہے جس پر اللہ اجر کو دوگنا کر دیتے ہیں اور تین تین مرتبہ اعضاء دھوئے اور فرمایا یہ میرا اور مجھ سے پہلے کے انبیاء کا وضو ہے۔ ❽

---

❶..... نیل الاوطار ج ا ص ۱۴۱۔ ❷ ہلکی داڑھی اور گھنی ڈاڑھی جو چہرے کی حد میں ہو اور مرد کے رخسار اور گال پر ہو تو پانی اس کے ظاہری اور اندرونی حصے اور اس کی جڑوں میں خلال وغیرہ کے ذریعے پہنچانا ضروری ہے۔ مغني المحتاج، ج ا ص ۶۰۔ ❸ دونوں حدیثیں نیل الاوطار ج ا ص ۱۴۸ میں، ملاحظہ کیجئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث جو بخاری کے صفة وضوء رسول الله صلى الله عليه وسلم کے باب میں ہے وہ پانی کو گھنی داڑھی کے اندر پہنچانے کو لازم نہیں کرتی ہے نیل الاوطار ص ۱۴۷ تخلیل لحیہ کے بارے میں وارد احادیث نصب الرایہ ج ا ص ۲۳ میں ملاحظہ کیجئے۔ ❹ صحاح ستہ ماسوی امام بخاری نے یہ حدیث روایت کی ہے اور امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ نیل الاوطار ج ا ص ۱۴۵۔ ❺ یہ حدیث امام احمد، ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کی ہے۔ نیل الاوطار ج ا ص ۱۵۳۔ ❻ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی نے اس کو روایت کیا ہے (حوالہ بالا) تخليل اصابع کی احادیث کے لئے نصب الرایہ ج ا ص ۲۷۔ ❼ یہ حدیث ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور اس کے آخر میں ہے هكذا الوضو فمن زاد على هذا اونقص فقد اساء وظلم أوظلم واساء نصب الرايه ج ا ص ۲۹۔ ❽ بروایت دارقطنی از حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوهريره رضي الله عنهما تاہم اس کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے۔ (حوالہ گزشتہ)

سر کے مسح کو بار بار کرنا جمہور اور اکثر اہل علم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں مسنون نہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ وضو نقل کیا ہے اس میں وہ فرماتے ہیں اور آپ نے مسح فرمایا اپنے سر کا ایک مرتبہ ❶ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے وضو کیا اور اپنے سر پر ایک مرتبہ مسح فرمایا پھر فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو ہے جس کو یہ پسند ہو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کو دیکھے تو وہ اس وضو کو دیکھ لے امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس طرح حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہما اور حضرت ربیع کی روایت کردہ تمام احادیث میں ان حضرات نے فرمایا کہ آپ نے اپنے سر پر ایک مرتبہ مسح فرمایا ان حضرات نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نقل فرمایا یہ درحقیقت آپ کے فعل مداومت کا بیان ہے، اور آپ ہمیشہ افضل اور اکمل چیز پر ہی مداومت فرماتے تھے دوسری بات یہ ہے کہ یہ مسح طہارت ہے لہٰذا اس کا بار بار کرنا ایسا ہی خلاف سنت ہونا چاہیے جیسے تیمّم کا مسح، پٹی پر مسح اور تمام اقسام کے مسح میں ان کا بار بار کرنا درست نہیں ہوتا۔

شوافع فرماتے ہیں کہ مسح کا تین بار کرنا مسنون ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین مرتبہ کرنا افضل ہے اسی طرح حضرت شقیق بن سلمہ کی روایت جو ابوداؤد نے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی بانہوں کو تین مرتبہ دھویا اور سر کا مسح تین بار کیا پھر انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا تھا اس قسم کی روایت ایک سے زیادہ صحابہ کرام سے منقول ہے۔

حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی، حضرت ابو مالک حضرت ربیع اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم اجمعین ان سب سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین دفعہ کرتے ہوئے وضو کیا۔

تاہم جمہور علماء نے شوافع کی تردید کی ہے کہ ان کی صریح احادیث میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔ اور بظاہر معلوم بھی یہی ہوتا ہے کہ جمہور کی رائے احادیث صحیحہ کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔

۸۔ **پورے سر کا مسح**:...... بخاری ومسلم کی روایت کردہ حدیث پر عمل کرتے ہوئے پورے سر کا مسح احناف اور شوافع کے ہاں مسنون ہے احناف کے ہاں ایک مرتبہ اور شوافع کے ہاں تین مرتبہ اور مسنون اس لئے بھی ہے کہ اس اختلاف سے نکلا جا سکے جو ان حضرات کے قول کے مطابق واقع ہوتا ہے جو پورے سر کے مسح کو واجب قرار دیتے ہیں یعنی، مالکیہ اور حنابلہ کہ ان کے ہاں پورے سر کا مسح واجب ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

اس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سر کے اگلے حصے پر رکھے انگوٹھے کنپٹی پر رکھے اور انگلیاں ملالے پھر ہاتھ کو پھیرتا ہوا گردن تک لے جائے پھر دوبارہ وہیں ہاتھ لے آئے جہاں سے لے گیا تھا اگر اس کے بال اتنے ہوں کہ مسح کرنے سے اپنی جگہ سے ہل گئے ہوں ❷ اور اگر مسح کرنے سے بال نہ ہلیں چھوٹے ہونے یا بالکل نہ ہونے کی وجہ سے تو ہاتھ لوٹانا ضروری نہیں اس لئے کہ بے فائدہ ہے مالکیہ فرماتے ہیں کہ دوبارہ ہاتھ لوٹانا مسنون ہے خواہ بال نہ بھی ہوں بشرطیکہ ہاتھ پر پانی کی تری باقی ہو ورنہ لوٹانا مسنون نہیں۔

احناف کی دلیل حضرت عمرو بن شعیب اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما والی دونوں حدیثیں جو پہلے گذریں ان میں یہ الفاظ ہیں پھر انہوں نے اپنے سر کا مسح کیا۔ ان دونوں حضرات نے کوئی تعداد ذکر نہیں کی، اسی طرح ابوحیہ والی حدیث جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریقہ وضو کے بارے میں ہے اس کے الفاظ ہیں اور انہوں نے سر کا ایک مرتبہ مسح کیا ❸ شوافع کی دلیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جو گذری جو

---

❶...... متفق علیہ۔ ❷ اس طرح ہی جماعت محدثین نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے نقل کیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۵۴۔ ❸ بروایت صحیح ترمذی، حوالہ بالا ص ۱۵۸۔

کہ ابوداؤد نے حسن اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔جس کے الفاظ ہیں کہ انہوں نے وضو کیا اور سر کا تین مرتبہ مسح کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے مسح کرتے دیکھا اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث جو بیہقی نے روایت کی ہے کہ انہوں نے وضو کیا اور سر کا مسح تین دفعہ کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا۔

شوافع اور حنابلہ نے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ اگر پگڑی کا اتارنا مشکل ہو تو کچھ سر اور کچھ پگڑی پر مسح کر لینا درست ہے، کیونکہ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیشانی اور عمامے پر اور موزوں پر مسح فرمایا۔❶

۹۔کانوں کو اندر اور باہر سے مسح کرنا نئے پانی سے...... جمہور کے ہاں نئے پانی سے ایسا کرنا مسنون ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وضو کے دوران اپنے سر اور کانوں پر مسح فرمایا کانوں کے اندر اور باہر دونوں طرف مسح کیا اور انگشت مبارک کان کے سوراخ میں ڈالی کان کے سوراخوں کے لئے نیا پانی لیا حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا تو آپ نے کانوں کے لئے نیا پانی لیا یعنی اس پانی سے مختلف جو سر کے مسح کے لئے لیا تھا❷ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب وضو کرتے تھے تو اپنی انگلیوں کے ذریعے کانوں کے لئے نیا پانی لیتے تھے❸ حنابلہ فرماتے ہیں کہ کانوں کا مسح کرنا واجب ہے کیونکہ کان سر کا حصہ ہیں جیسا کہ اس حدیث الاذنان من الرأس (کان سر میں سے ہیں)❹ سے ظاہر ہوتا ہے، اور یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کانوں کا بھی سر کے ساتھ مسح فرمایا ہے اور جیسا کہ متعدد احادیث سے یہ بات ثابت ہے۔❺

میرے نزدیک راجح قول کانوں کے مسح کے سنت ہونے کا ہے۔کیونکہ الاذنان من الرأس والی حدیث ثابت نہیں ہے وہ ضعیف ہے یہاں تک کہ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ اس کا ضعف بہت زیادہ ہے جو کثرت طرق سے بھی ختم نہیں ہو سکتا ہے۔امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ آئی ہوئی احادیث اس بارے میں دلیل نہیں بن سکتی ہیں یقینی چیز صرف استحباب ہے اور وجوب کا قول اسی وقت اختیار کیا جائے گا جب دلیل قائم ہو ورنہ یہ عمل اللہ کی طرف اس چیز کو منسوب کرنا کہلائے گا جو اللہ نے نہیں فرمائی ہے❻ کانوں کا مسح شوافع کے ہاں تین مرتبہ اور جمہور کے ہاں ایک مرتبہ ہے۔

۱۰......ہاتھ اور پاؤں دھونے میں دائیں طرف سے شروع کرنا مالکیہ نے اس کو فضائل میں سے شمار کیا ہے، اس کے سنت ہونے کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داہنی طرف سے کام شروع کرنے کو جوتا پہننے کنگھی کرنے اور پاکی حاصل کرنے کے عمل میں اور اپنے تمام کاموں میں پسند فرماتے تھے❼ یہ حدیث جوتا پہننے کنگھی کرنے اور پاکی کے کاموں میں دائیں طرف سے شروع کرنے سنت اور مشروعیت کی دلیل ہے اسی طرح جسم کی داہنی طرف کو بائیں طرف سے پہلے دھونے کے سنت ہونے کی بھی دلیل ہے اور داہنی طرف سے ابتداء کرنا تمام اعمال میں مسنون ہے۔اس کی تائید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم کپڑے پہنو اور جب تم وضو کرو تو داہنی طرف سے شروع کرو۔❽

---

❶...... بروایت مسلم وبروایت و صحیح ترمذی، از حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حوالہ بالا ص ۱۶۴۔❷ بروایت حاکم وبیھقی، اور فرمایا کہ یہ صحیح الاسناد ہے نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۲۔❸ بروایت امام مالک درمؤطا حوالہ بالا۔
❹ بروایت ابن ماجہ بلا بیان وجہ تاہم سند میں ایک راوی ایسا ہے جس پر کلام ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۶۰۔❺ ان احادیث میں سے ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو امام احمد اور ترمذی نے روایت کی ہے اور وہ حدیث ابن عباس جو ترمذی اور نسائی نے نقل کی ہے اسی طرح حضرت ربیع بنت معوذ والی حدیث جو ابوداؤد، اور ترمذی نے روایت کی ہے، ان دونوں نے اس کو حدیث حسن قرار دیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۶۰۔۱۶۲۔❻ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۶۱۔❼ یہ متفق علیہ حدیث ہے ابن حبان اور ابن مندہ نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۰۔❽ یہ حدیث امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان اور بیہقی نے روایت کی ہے ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس قابل ہے کہ اس کو صحیح قرار دیا جائے۔نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۰۔

احناف اور شوافع نے مزید اضافہ یہ کیا ہے کہ عمل طہارت کی ابتداء انگلیوں کے سرے اور سر کے اگلے حصے سے کی جائے، شوافع مزید یہ فرماتے ہیں چہرے کے اوپر کے حصے سے ابتداء کی جائے، مالکیہ فرماتے ہیں کہ دھونے اور مسح کرنے میں عضو کے اگلے حصے سے شروع کرنا مسنون ہے یعنی چہرے ہاتھ پاؤں اور سر وغیرہ میں۔

۵۔ پانچویں بحث...... آداب وضو یا فضائل وضو

احناف ان چیزوں کو آداب سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ جمع ہے ادب کی اور مراد اس سے ہے وہ عمل جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یا دو مرتبہ کیا ہو اس پر مواظبت نہ فرمائی ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ کرنے والا ثواب کا حقدار ہوگا اور ترک کرنے پر کوئی وعید وغیرہ نہیں ہوگی۔ احناف کے ہاں وضو کے آداب چودہ چیزیں ہیں۔ مالکیہ ان کو فضائل سے تعبیر کرتے ہیں یعنی فضلیت والے اعمال وعادات اور یہ ان کے ہاں دس ہیں اس کے اور سنت کے درمیان فرق یہ ہے کہ سنت وہ ہے جس کے کرنے کی شارع نے تاکید فرمائی ہو اور اس کو عظیم القدر بتایا ہو۔ اور مندوب یا مستحب وہ ہے جس پر شارع نے عمل درآمد کا حکم دیا ہو مگر اس کا بہت تاکید سے مطالبہ نہ کیا ہو اور اس کے معاملے کو ہلکا رکھا ہو، ان دونوں کے کرنے پر ثواب ملتا ہے لیکن چھوڑنے پر مؤاخذہ نہیں ہوتا۔

اہم آداب یہ ہیں:

۱۔ قبلہ رخ ہونا...... کیونکہ یہ جہت سب سے معزز جہت ہے اور اس حالت میں قبولیت دعا زیادہ متوقع ہے اس کو شوافع اور حنابلہ سنت کہتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں سنت اور ادب میں فرق نہیں ہے۔

۲۔ اونچی جگہ بیٹھنا...... استعمال شدہ پانی سے بچنے کے لئے۔ مالکیہ فرماتے ہیں کہ وضو کا ایسی جگہ کرنا مستحب ہے جو خود پاک ہو اور پاک رہنے والی ہو لہٰذا وضو بیت الخلا اور پاخانے میں کرنا اس کو استعمال کرنے سے پہلے بھی مکروہ ہے❶ جیسے کہ اس کے علاوہ ناپاک جگہوں پر بھی وضو کرنا مکروہ ہے۔

۳۔ بات چیت نہ کرنا...... کیونکہ اس سے انسان دعاماثورہ پڑھنے سے رہ جاتا ہے۔

۴۔ دوسرے سے مدد نہ لینا...... ماسوا عذر کے یعنی پانی بہانے وغیرہ کے لئے❷ مدد نہ لینا مستحب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر عمل یہی تھا اور دوسری بات یہ کہ اس میں ایک طرح کا کبر او رناز ونعمت برداری کی جھلک ہے جو کہ عبادت کرنے والے کے لئے مناسب نہیں اور اجر وثواب تو مشقت کے اعتبار سے ملتا ہے یہ عمل (یعنی دوسرے سے مدد لینا) خلاف اولیٰ ہے بعض حضرات کے ہاں مکروہ ہے اگر یہ کسی عذر کی وجہ سے ہو مثلاً وہ مریض ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اجازت دی ہے جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے آپ اپنی ضرورت کے تحت تشریف لے گئے تھے اور حضرت مغیرہ نے آپ کے لئے پانی ڈالنا شروع کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو شروع کیا۔

---

❶..... کیونکہ وہ صرف بیت الخلاء یا پاخانہ بنادینے سے ہی شیاطین کا مرکز بن جاتا ہے تو وہاں وضو کرنے میں وسوسے پیش آنے کا خطرہ ہے خواہ چھینٹوں سے وہ ناپاک نہ بھی ہوئے ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وضو ناپاک جگہ میں مکروہ ہے اور اس جگہ میں بھی مکروہ ہے جہاں نجاست ہونے کا امکان ہوتا ہو کیونکہ وضو خود طہارت ہے۔ وجہ اس ممانعت کی یہ ہے کہ اس کی چھینٹیں نجاست پر گر کر اڑ کر اس کو نہ لگ جائیں۔ ❷ پانی منگوانے کے لئے استعانت وغیرہ میں کوئی حرج نہیں تاہم اس کا نہ کرنا افضل ہے اور اعضاء دھلوانے میں مدد لینا مکروہ ہے مغنی المحتاج ۱ / ۶۱)

آپ نے اپنا چہرہ مبارک اور ہاتھ دھوئے سر کا مسح کیا اور موزوں پر بھی مسح کیا (۱) حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر وحضر میں وضو کراتے وقت پانی ڈالا کرتا تھا (۲) یہ دونوں حدیثیں دوسرے سے مدد لینے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں ان دونوں حدیثوں کو حنابلہ نے اختیار کیا ہے اور اس عمل (دوسرے سے امداد لینا) کو مباح قرار دیا ہے۔

۵۔ **کشادہ اور ڈھیلی انگوٹھی کو حرکت دینا**۔۔۔ مقصد دھونے میں مبالغہ ہوتا ہے۔ حضرت ابورافع سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو اپنی انگوٹھی کو حرکت دیا کرتے (۳) اسی طرح تنگ انگوٹھی کو حرکت دینا بھی مستحب ہے اگر پانی کا اس کے نیچے پہنچ جانا یقینی ہو اور اگر یقینی نہ ہو تو اس کو حرکت دینا فرض ہوگا۔ اور یہ میں بیان کر چکا ہوں کہ شرعاً جائز انگوٹھی کو مالکیہ کے ہاں حرکت دینا ضروری نہیں ہے۔

۶۔۔۔۔۔کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے عمل کا دائیں ہاتھ سے اور ناک سنکنے اور اس کو صاف کرنے کا عمل بائیں ہاتھ سے کرنا مستحب ہے کیونکہ پہلا کام بہتری کے اور دوسرا منفی پہلو کا حامل ہے۔

۷۔۔۔۔۔غیر معذور شخص کے لئے نماز کے وقت کے داخل ہوتے ہی وضو کر لینا نیکی کے انجام دینے میں جلدی اور سرعت کی خاطر۔ معذور اور تیمم کرنے والے کے لئے اس میں تعجیل کرنا امام ابوحنیفہ کے ہاں مستحب نہیں ہے۔ جمہور کے ہاں وقت شروع ہونے کے بعد تک کے لئے تاخیر کرنا ضروری ہے (کیونکہ ان کے ہاں یہ لوگ وقت کے داخل ہونے سے قبل وضو وغیرہ نہیں کر سکتے ہیں)

۸۔۔۔۔۔پانی میں تر چھنگلی کو کانوں کے سوراخ میں داخل کرنا مستحب ہے، مقصود صفائی میں مبالغہ کرنا ہے۔

۹۔۔۔۔۔گردن کا مسح ہاتھ کی پشت سے کرنا احناف کے ہاں مستحب ہے (۴) ہاں حلقوم (گلے) کا مسح مستحب نہیں۔ دلیل وہ حدیث ہے جو لیث نے طلحہ بن مصرف سے بواسطہ ان کے والد اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر کا مسح کرتے ہوئے گدی سے ذرا اوپر کے حصے پر مسح کرتے ہوئے گردن کے ابتدائی سرے تک ہاتھ لے جاتے تھے۔ (۵)

جمہور فقہاء گردن کے مسح کو مستحب نہیں بلکہ بدعت شمار کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ **غلو فی الدین** ہے۔

۱۰۔۔۔۔۔''غرۃ'' اور ''تحجیل'' کو بڑھانا، غرہ کو بڑھانے کا مطلب ہے چہرے کے تمام اطراف میں واجب مقدار سے بڑھ کر دھونا۔ اس کی انتہائی حد یہ ہے کہ سر کے کچھ اگلے حصے اور گلے سے کچھ شروع کے حصے کو بھی (یعنی ٹھوڑی کے تھوڑا سا نیچے تک) دھو لیا جائے۔ اور تحجیل کا مطلب ہے ہاتھ اور پاؤں کی واجب مقدار سے زائد دھونا تمام اطراف سے اور اس کی انتہائی حد ہے بازو اور پنڈلیوں کو ساتھ دھو لینا یہ عمل جمہور کے ہاں مستحب ہے۔ دلیل اس کی بخاری ومسلم کی یہ روایت ہے کہ میری امت کے لوگ بروز قیامت وضو کے نشانات کی وجہ سے چمکتے دمکتے آئیں گے تو جو تم میں سے اپنے غرہ کو بڑھا سکتا ہو وہ ایسا کر لے اور دوسری دلیل مسلم شریف کی روایت ہے کہ تم قیامت کے روز وضو کو مکمل کرنے کے سبب چمکدار اور دمکتے ہوئے ہوگے جو تم میں سے کر سکتا ہو تو وہ اپنی غرہ اور تحجیل کو بڑھا دے۔ (۶)

مالکیہ فرماتے ہیں کہ یہ عمل مستحب نہیں یعنی مقدار فرض سے بڑھا کر دھونا۔ بلکہ مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ **غلو فی الدین** ہے ہاں طہارت کا برقرار رہنا اور اس کو تازہ کرتے رہنا مستحب ہے اور اسی کو بھی غرہ کا بڑھانا کہا جائے گا جیسا کہ اس معنی میں اس حدیث کو بھی محمول کیا گیا ہے

---

(۱)۔۔۔۔۔ بخاری ومسلم کی متفقہ روایت کردہ حدیث نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۵۔ (۲) بروایت ابن ماجہ یہ روایت امام بخاری نے بھی التاریخ الکبیر میں نقل کی ہے۔ علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس میں ضعف ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۵۔ (۳) بروایت ابن ماجہ ودار قطنی تاہم یہ ضعیف ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۳۔ (۴) یہ قول راجح اور صحیح ہے صاحب مراقی الفلاح نے صاحب البحر الرائق کی پیروی میں اسے وضو کی سنتوں میں شمار کیا ہے۔ الدر المختار ج ۱ ص ۱۱۵۔ (۵) بروایت امام احمد۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۶۳۔ (۶) نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۲۔

کہ من استطاع منکم ان یطل غرتہ (جو تم میں سے اپنے غرہ کو ہمیشہ بڑھا سکے تو بہت اچھا ہے) یہاں پر اطالہ (لمبا کرنا، بڑھانا) دوام اور استمرار کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور لفظ غرہ وضو پر محمول کیا گیا ہے (اس سے معلوم ہوا کہ غرہ کو بڑھانے کے دو مطلب ہوئے)۔

۱.....مقدار واجب سے زائد دھونا۔

۲.....وضو کو قائم ودائم رکھنا تو پہلا عمل ان کے ہاں مکروہ ہے اور دوسرا مطلوب ہے۔

۱۱.....تولئے یارومال سے نہ پونچھنا احناف اور حنابلہ کے ہاں اور صحیح قول کے مطابق شوافع کے ہاں بھی مستحب ہے مقصد ہے عبادت کے اثر اور نشان کو برقرار رکھنا۔ دوسری بات یہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل فرمانے کے بعد حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا تولیہ لے کر آئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کر دیا اور پانی کو جھاڑتے ہوئے فرمایا کہ ایسے (یعنی ایسے پونچھنا ہے تولیے سے نہیں)۔❶

مالکیہ فرماتے ہیں کہ تولیے رومال وغیرہ سے پونچھ لینا جائز ہے دلیل اس کی حضرت قیس بن سعد کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ہمارے گھر تشریف لائے حضرت سعد نے آپ کے لئے نہانے کا پانی رکھنے کا حکم دیا وہ رکھ دیا گیا آپ نے غسل فرمایا پھر انہوں نے آپ کو زعفران یا ورس میں رنگا ہوا لپیٹنے کا کپڑا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لپیٹ لیا❷ حنابلہ کی عبارت یہ ہے کہ پانی حاصل کرنے والے کے لئے اپنے اعضاء کو خشک کرنا مباح ہے❸ اور ایسا نہ کرنا افضل ہے یہ قول راجح ہے۔

۱۲.....پانی کو نہ جھاڑنا (ہاتھ سے پانی جسم پر سے سونتنا) صحیح قول کے مطابق شوافع اور حنابلہ کے ہاں مستحب ہے۔ بعض حنابلہ کے ہاں ایسا کرنا مکروہ ہے اور شوافع کے ہاں خلاف اولیٰ ہے دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث ہے کہ جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھ نہ جھاڑو کیونکہ یہ شیطان کے پنکھے ہیں❹ باقی ائمہ کی طرح اظہر اور راجح قول حنابلہ کے ہاں یہ ہے کہ یہ عمل مکروہ نہیں ہے۔

۱۳.....دوران وضو پانی کم سے کم استعمال کرنا مستحب ہے کیونکہ پانی میں اسراف مکروہ ہے۔

۱۴.....کھلے اور بڑے منہ کے برتن، جیسے تھال اور میز وغیرہ کو اپنی دائیں طرف رکھنا مستحب ہے کیونکہ یہ لینے میں مددگار اور معاون ثابت ہوا ہے۔

۱۵.....وضو کے بعد دعا اور شہادتین کہنا مستحب ہے۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ غسل کے بعد بھی یہ مسنون ہے۔ اور اس کے الفاظ یوں ہیں:

أشهد ان لا اله الاالله وحده لاشريك له واشهد أن محمداً عبده ورسوله اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهِّرين، سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لااله الا انت استغفرك واتوب اليك

اور وضو کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنا مستحب ہے اور وہ اس طرح ہے اللهم صل وسلم على محمد وعلى آل محمد شهادتين پڑھنا مستحب تو مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ کی اس حدیث سے جو ان حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کی ہے کہ تم میں سے جو شخص وضو کرے اور تمام اعضاء کو دھوئے یا وضو تمام کرے پھر کہے اشهد ان لااله الخ تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس میں سے چاہے وہ داخل ہو جائے ترمذی کی روایت میں اضافہ یہ ہے کہ سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لااله الاانت استغفرك واتوب اليك اور اس میں مزید اضافہ ہے کہ اللهم اجعلني من التوابين

---

❶..... بروایت شیخین شوافع فرماتے ہیں کہ اس میں پانی جھاڑنے کے مباح ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بیان جواز کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۶۱۔ ❷ بروایت امام احمد، ابن ماجہ ابوداؤد، نسائی اس حدیث کے موصول یا مرسل ہونے میں اختلاف ہے، علامہ نووی نے اس کو ضعیف کی فصل میں ذکر کیا ہے (نیل الاوطار ج ۱ ص ۷۵ امکرر) ❸ دلیل وہ حدیث ہے جو ابن ماجہ اور طبرانی نے معجم صغیر میں حضرت سلمان سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا پھر آپ جو جبہ پہنے ہوئے تھے اس کو ایک طرف سے الٹا اور اس سے اپنے چہرہ مبارک کو پونچھا۔ ❹ معمری وغیرہ نے بختری بن عبید سے روایت کیا ہے اور یہ متروک ہے۔

واجعلنی من المتطھرین اس کو امام احمد وابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ امام نسائی اور حاکم نے بتصحیح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص وضو کرے اور یہ الفاظ کہے **سبحنك اللہ وبحمدك اشهد ان لااله الاانت استغفرك واتوب اليك** تو یہ الفاظ ایک ورق میں لکھے جائیں گے پھر اس پر چاندی کی مہر لگائی جائے گی اور قیامت تک وہ مہر نہیں توڑی جائے گی یعنی وہ عمل باطل نہیں ہوگا علامہ سامری فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ سورۃ القدر بھی پڑھے۔

وضو کے مختلف اعضاء دھوتے وقت کی دعاؤں کی کتب حدیث میں کوئی اصل موجود نہیں ہے جیسا کہ علامہ نووی نے فرمایا ہے احناف نے ان دعاؤں کو مستحب قرار دیا ہے ❶ مالکیہ نے بھی ان کو مستحب شمار کیا ہے ❷ اور بعض شوافع نے اس کو مستحب قرار دیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ...... بخاری مسلم، ابوداؤد، اور نسائی نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ان کے غلام حمران فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنیؓ نے ایک مرتبہ پانی کا برتن منگوایا ❸ برتن کو جھکا کر اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور ان کو دھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈال کر چلو میں پانی لیا کلی کی اور ناک سنکی ❹ پھر اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا اور کہنیوں تک ہاتھوں کو بھی دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا اور اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا وضو کرتے دیکھا تھا، اور آپ نے وضو کے بعد فرمایا تھا کہ جو شخص میرے وضو کی طرح وضو کرے اور پھر دو رکعت نفل پڑھے جس میں اس کو خیالات نہ آئیں تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ ❺

وضو کی سنتوں اور مستحبات کے بارے میں مختلف مذاہب کی آراء کا خلاصہ

۱۔ **مذہب حنفی** ❻...... وضو کی سنتیں ان کے ہاں سترہ ہیں، (۱) گٹوں تک دونوں ہاتھ دھونا (۲) بسم اللہ پڑھنا (۳) مسواک کرنا (دونوں کام وضو کی ابتداء میں ہوں) (۴) تین مرتبہ کلی کرنا (خواہ ایک چلو سے) (۵) ناک میں پانی ڈالنا تین الگ الگ چلو میں پانی لے کر (۶) مضمضہ اور استنشاق میں خوب اچھی طرح مبالغے سے کام لینا یہ روزے دار کے علاوہ شخص کے لئے ہے (۷) گھنی داڑھی میں ایک چلو پانی نچلی طرف سے ڈالے اور خلال کرے (۸) انگلیوں کا خلال (۹) تین تین مرتبہ دھونا (۱۰) پورے سر کا مسح کرنا (۱۱) کانوں کا مسح خواہ سر کے مسح کے پانی سے ہی ہو۔ (۱۲) دھوتے وقت ملنا (۱۳) نیت کرنا (۱۴) قرآن میں بیان کردہ ترتیب کے مطابق کرنا (۱۵) دائیں طرف سے شروع کرنا (۱۶) انگلیوں کے سروں اور سر کے اگلے حصے سے عمل شروع کرنا۔

---

❶...... چنانچہ ہاتھ دھوتے وقت یہ پڑھے اللھم احفظ من معاصیک کلھا کلی کے وقت پڑھے اللھم اعنی علی تلاوۃ القران وذکرک وشکرک وحسن عبادتک ناک میں پانی ڈالتے وقت پڑھے بسم اللہ اللھم ارحنی رائحۃ الجنۃ ولا ترحنی رائحۃ النار چہرہ دھوتے وقت پڑھے اللھم بیض وجھی یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ دایاں ہاتھ دھوتے وقت پڑھے اللھم اعطنی کتابی بیمینی وحاسبنی حسابا یسیرًا بایاں دھوتے وقت پڑھے اللھم لاتعطنی کتابی بشمالی ولا من وراء ظھری سر کا مسح کرتے وقت پڑھے اللھم حرم شعری وبشری علی النار کانوں کے مسح کے وقت اللھم اجعلنی من الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ پاؤں دھوتے وقت پڑھے اللھم ثبت قدمی علی الصراط یوم تزل الاقدام بعض شوافع حضرات نے بھی ان دعاؤں کا مانگنا مباح لکھا ہے۔ ❷ مالکیہ فرماتے ہیں کہ دوران وضو ذکر اللہ کے علاوہ بات چیت منع ہے اور روایت میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوران وضو یہ فرماتے تھے اللھم اغفرلی ذنبی ووسع لی فی داری وبارک لی فی رزقی : فنعنی بما رزقتنی ولاتفتنی بما زویت عنی بروایت ترمذی از حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۲۷۔ ❸ ایک روایت کے الفاظ ہیں وضوء یعنی وضو کا پانی منگوایا وضو (واؤ پر پیش) فعل وضو کو کہتے ہیں یہ ماخوذ ہے وضاءت سے خوبصورتی کے معنی میں ہے۔ ❹ ایک روایت میں ہے استنشق واستنثر معنی وہی ہیں ناک میں پانی ڈالنا۔ ❺ جامع الاصول ج ۸، ص ۷۶۔ ❻ مراقی الفلاح ص ۱۰۔۱۳۔ الدر المختار ج ۱ ص ۹۵۔۱۲۲۔

۲۔ مستحبات وضو...... یہ پندرہ ہیں:

(۱) صرف گردن کا مسح (حلق کا نہیں) (۲) اونچی جگہ بیٹھنا (۳) قبلہ رو ہونا (۴) دوسرے سے مدد نہ لینا (۵) لوگوں کی عام گفت وشنید نہ کرنا (۶) دل کی نیت اور زبان کے فعل کو جمع کرنا (یعنی منہ سے بھی کہنا (۷) ماثور دعائیں پڑھنا (۸) ہر عضو پر بسم اللہ پڑھنا (۹) کان کے سوراخ میں چھنگلی ڈالنا (۱۰) کشادہ انگوٹھی کو حرکت دینا (۱۱) کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا کام دائیں ہاتھ سے کرنا (۱۲) ناک بائیں ہاتھ سے سنکنا (۱۳) غیر معذور کے لئے وقت سے قبل وضو کر لینا (۱۴) وضو کے بعد شہادتین کہنا (۱۵) وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا اور یہ کہنا اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين آداب وضو میں سے سورۃ القدر پڑھنا بھی ہے❶ اور دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھنا اگر وقت مکروہ نہ ہو (۲) اور آداب میں سے یہ ہے کہ وضو کرنے والا موقیہ...... اپنے ٹخنوں، ایڑی سے اوپر کے پچھے اور اپنے تلووں کا دھیان رکھے اور ان کو اہتمام سے صاف کرے۔

۲۔ مذہب مالکی❷ :ا...... وضو کی سنتیں آٹھ ہیں:

۱ ...ہاتھوں کو گٹوں تک دھونا برتن میں داخل کرنے سے پہلے۔

۲... کلی کرنا۔

۳... ناک میں پانی ڈالنا ان دونوں کو الگ الگ چلوؤں سے کیا جائے گا اور غیر روزے دار کو ان دونوں میں مبالغہ کرنا چاہئے۔

۴... ان تینوں سنتوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کے کئے یا تو وضو کی سنتوں کی نیت کی جائے یا ہاتھ دھوتے وقت وضو ادا کرنے کی نیت کروں۔

۵... ناک سے پانی سنکنا۔

۶.... دونوں کانوں کا اندر اور باہر سے مسح کرنا ایک مرتبہ اور دونوں کے لئے الگ الگ پانی لینا۔

۷... سر کے مسح کو دوبارہ ہاتھوں کو گردن کی طرف سے اگلی طرف لاتے ہوئے کرنا اگر ہاتھ پر تری باقی ہو (یعنی اگر پہلی دفعہ مسح کرتے وقت ہاتھ پہ تری لگی ہوئی رہ گئی ہو تو ہاتھوں کو دوبارہ سر پر الٹی طرف سے پھیرنا)

۸... وضو کے فرائض کو ترتیب سے کرنا کہ پہلے منہ دھونا پھر ہاتھ پھر سر کا مسح پھر دونوں پاؤں۔ اور اگر وہ کسی فرض کو اس کی مشروع جگہ سے پہلے کر لے تو صرف اسی کا اعادہ کرے اس کے بعد والے اعضاء کا نہیں۔ اور سنت کے ترک کرنے کے بارے میں معتمد قول یہ ہے کہ صرف اسی کا اعادہ کرے اس کے بعد والی کا نہیں خواہ یہ ترک طویل ہو یا کم (یعنی اس کو ترک کئے ہوئے زیادہ وقت گزر گیا ہو یا نہیں) لیکن اگر کسی نے وضو یا غسل کے فرائض میں سے نیت کے علاوہ کوئی فرض چھوڑ ایا کوئی جگہ کسی عضو پر خشک چھوڑ دی تو اس فرض کے بعد کے فرائض کو اس وقت ادا کر سکتا ہے جب ترک کو زیادہ عرصہ نہ ہوا ہو بصورت دیگر (یعنی ترک کو طویل عرصہ گذرے ہوئے ہونے کی صورت میں سارے فرائض باطل ہو جائیں گے کیونکہ موالات (پے در پے ہونا) نہیں رہی۔

۳۔ وضو کے فضائل (مندوبات)...... دس ہیں:

فضائل سے وہ خصائل وافعال مراد ہیں جن کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ وہ یہ ہیں:

۱... پاک جگہ وضو کرنا اور ایسی جگہ وضو کرنا جو پاک ہی ہوا کرتی ہو (یعنی ایسی جگہ نہ ہو جو فی الوقت پاک ہو لیکن وہ ناپاک بھی ہوا کرتی

❶ اس بارے میں روایت منقول ہیں تاہم علامہ ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں کہ اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی قولی وفعلی چیز مروی نہیں ہے۔ ❷ دلیل وہ حدیث ہے جو مسلم اور ابوداؤد وغیرہ نے روایت کی ہے کہ جو شخص وضو کرے اور اچھا کرے اور دو رکعت دل لگا کر پڑھے تو اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔ ❸ الشرح الصغير ج ا ص ۱۱۷۔۱۲۴ الشرح الكبير ج ا ص ۹۶۔۱۰۲۔

ہو جیسے بیت الخلاء کا پاخانے کا حصہ)

۲.....قبلہ رو ہونا۔

۳.....بسم اللہ کہنا ہاتھوں کو گٹوں تک دھوتے ہوئے۔

۴.....وضو کے دوران پانی کم استعمال کرنا۔ (1)

۵.....ہاتھ اور پاؤں میں دائیں کو مقدم رکھنا بائیں پر۔

۶.....کھلے منہ والے برتن جیسے تھال وغیرہ میں پانی ہونے کی صورت میں اس کو دائیں ہاتھ پر رکھنا۔

۷.....دھونے اور مسح کرنے میں عضو کے اگلے سرے سے شروع کرنا۔

۸.....سنت اور فرض عمل میں دوسری اور تیسری مرتبہ دھونا یہاں تک کہ پاؤں کو بھی۔

۹.....سنتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ یا فرائض کے ساتھ ترتیب سے ادا کرنا۔

۱۰.....مسواک کرنا خواہ انگلیوں کو منہ میں پھیر کر سہی۔

۳۔شوافع کا مذہب (2).....ان کے ہاں وضو کی سنتیں تقریباً تیس ہیں۔

۱.....مسواک چوڑائی میں (عرضاً) ہاتھ چلاتے ہوئے صحیح قول کے مطابق انگلی سے نہیں اور یہ بھی اس شخص کے لئے ہے جو روزے دار نہ ہو زوال کے بعد۔

۲.....ہاتھ دھوتے وقت نیت کے ساتھ ہی بسم اللہ پڑھنا۔ (3)

۳.....نیت کو زبان سے کہنا اور اس کو برقرار رکھنا (استصحاب نیت)۔

۴.....ہاتھوں کا دھونا اگر ان کی پاکی کا یقین نہ ہو تو ان کا کسی مائع یا قلیل پانی میں تین مرتبہ دھوئے بغیر ڈبونا مکروہ ہے۔

۵.....مضمضہ (کلی کرنا)۔

۶.....استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) اظہر اور راجح قول (جیسا کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے بخلاف علامہ رافعی کے) یہ ہے کہ ان دونوں (مضمضہ اور استنشاق) تین چلو پانی سے اس طرح کیا جائے گا کہ ایک چلو سے پہلے مضمضہ پھر استنشاق پھر دوسرے سے بھی ایسے ہی اور تیسرے سے بھی ایسے ہی۔

۷.....ان دونوں کو کرنے میں خوب مبالغہ کرنا بشرطیکہ روزہ دار نہ ہو۔

۸.....اور دھونے مسح کرنے، خلال کرنے، ملنے اور مسواک کرنے کے اعمال وافعال کو تین تین مرتبہ کرنا۔ (4)

۹.....پورے سر یا کچھ حصے کا مسح کرنا اور بقیہ عمامہ پر ہی کر لینا (یعنی اگر عمامہ پہنا ہوا ہے تو ایسے مسح کر لینا کہ کچھ پگڑی پر لگے اور کچھ سر پر)۔

۱۰.....دونوں کانوں کا اندر اور باہر سے مسح کرنا اور کانوں کے سوراخ کے مسح کے لئے نیا پانی لینا۔

---

(1).....کم کی مقدار معین نہیں، اعضاء اور لوگوں کے مزاج وعادات کے اختلاف کے سبب یہ کم یا زیادہ ہو سکتا ہے، مراد ہے اتنا جو عضو پر بہہ سکے خواہ وہ ٹپکے نہیں۔ (2)مغنی المحتاج ج ۱ ص ۵۵۔۶۲ الحضر میه ص ۱۱۔۱۳ بعض کتابوں جیسے بجیرمی خطیب (ج ۱ ص ۱۳۹) وغیرہ میں وضو کی سنتیں دس بتائی ہیں۔ (3) اگر وضو کے شروع میں بسم اللہ چھوڑ دے خواہ جان بوجھ کر تو وضو ختم کرنے سے قبل کہہ لے کھانے وغیرہ میں یاد رہنے پر بسم اللہ اولہ وآخرہ کہا جاتا ہے ایسے ہی یہاں پر بھی ہوگا۔ (4) اگر تین کے بارے میں شک ہو کہ کتنی دفعہ ہوا ہے تو یقینی تعداد کو واجب چیزوں میں واجب طور پر اور مندوبات میں استحبابی طور پر اختیار کیا جائے گا تاہم تین سے زیادہ کرنا مکروہ ہے۔

۱۱.....گھنی داڑھی کا خلال کرنا انگلیوں کا ایک دوسرے میں پیوست کر کے خلال کرنا۔ اور پاؤں کا خلال بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے اس طرح کرنا کہ دائیں پاؤں کی چھنگلی سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کرے۔

۱۲.....پے در پے کرنا۔

۱۳.....دائیں طرف کو مقدم رکھنا۔

۱۴.....غرہ اور تحجیل کو بڑھانا (چہرے اور ہاتھوں کو معین اور فرض مقدار سے زائد دھونا)۔

۱۵.....پانی کو جھاڑنے (سونتنے) اور صحیح قول کے مطابق خشک کرنے اور بلا عذر دوسرے سے مدد لینے سے اجتناب کرنا۔

۱۶.....انگوٹھی کو حرکت دینا (اگر پانی نیچے پہنچ جاتا ہو بصورت دیگر یہ حرکت دینا واجب ہوگا)۔

۱۷.....چہرے کو دھوتے وقت اوپر کی طرف سے دھونا شروع کرنا۔

۱۸.....ہاتھ اور پاؤں کو خود دھونے کی صورت میں انگلیوں سے شروع کرنا (اور اگر دوسرا وضو کرائے تو کہنی اور ٹخنوں سے دھونا شروع کرنا)۔

۱۹.....عضو کا ملنا۔

۲۰.....گوشۂ چشم کا ملنا (اور اگر ان میں گندگی چیپڑ وغیرہ لگا ہوا ہو تو ملنا واجب ہوگا)

۲۱.....قبلہ رو ہونا۔

۲۲.....بڑے منہ کا برتن ہونے کی صورت میں اسے دائیں جانب رکھنا۔

۲۳.....اور اس سے بہا کر نکالنے کی صورت میں اس کو بائیں جانب رکھنا۔

۲۴.....وضو کا پانی ایک مد سے کم نہ ہو یعنی ۶۷۵ گرام سے کم نہ ہو۔

۲۵.....دوران وضو بلا ضرورت نہ بولے۔

۲۶.....چھپکا چہرے پر زور سے نہ مارے

۲۷.....گردن کا مسح نہ کرے۔

۲۸.....وضو کے بعد یہ کہے:

اشهد ان لااله الاالله وحده لاشريك له واشهد ان محمداً عبده ورسوله اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لااله الا انت استغفرك واتوب اليك

۲۹.....اس کے بعد یہ کہنا مسنون ہے وصلى الله وسلم على محمد و آل محمد اور سورۃ القدر پڑھے اور دو رکعت ادا کرے۔

۴۔ مذہب حنابلہ ❶.....ان کے ہاں وضو کی تمام سنتیں بیس کے قریب ہیں:

۱.....قبلہ رو ہونا۔

۲.....کلی کے وقت مسواک کرنا۔

۳.....تین مرتبہ ہاتھ دھونا اس شخص کے لئے جو رات کی نیند سے بیدار نہ ہوا ہو رات کی نیند سے بیدار شخص کے لئے یہ عمل واجب ہے۔

۴.....چہرہ دھونے سے قبل مضمضہ اور استنشاق کرنا اور ان میں خوب مبالغہ کرنا روزے دار نہ ہونے کی صورت میں اور تمام اعضاء کے دھونے میں مبالغہ کرنا (ہر شخص کے لئے خواہ روزے دار ہو یا بے روزہ)۔

---

❶.....كشف القناع ج ۱ ص ۱۱۸، المغني ج ۱ ص ۱۱۸، ۱۳۹۔ ۱۴۲

۵.....بائیں ہاتھ سے ناک جھاڑنا۔

۶.....ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا۔

۷.....چہرے پر موجود گھنی داڑھی کا خلال کرنا (یعنی چہرے کی حدود سے باہر گھنی داڑھی کا خلال مسنون نہیں۔

۸.....دائیں طرف کو پہلے دھونا حتیٰ کہ رات کی نیند سے بیدار ہونے والے کے لئے دونوں ہاتھ دھوتے وقت یہ فرق رکھنا مسنون ہے اسی طرح کان کے مسح میں بھی یہ فرق مسنون ہے۔

۹.....سر کے مسح کے بعد کانوں کا مسح نئے پانی سے۔

۱۰.....فرض جگہ سے تجاوز کرنا (یعنی دھوتے وقت فرض مقدار سے زائد دھولینا)۔

۱۱.....دوسری اور تیسری بار دھونا۔

۱۲.....نیت وضو کی سنتوں سے قبل کرنا۔

۱۳.....نیت کا آخر وضو تک برقرار رہنا۔

۱۴.....داڑھی کے علاوہ چہرے پر موجود گھنے بالوں کو اندر تک دھونا۔

۱۵.....چہرہ دھوتے وقت پانی زیادہ استعمال کرنا، کیونکہ اس پر شکنیں اور بال ہوتے ہیں، اور اندرونی اور بیرونی تمام چیزوں کو دھونا تا کہ پانی ہر جگہ پہنچ جائے۔

۱۶.....وضو خود بغیر کسی کی معاونت کے کرنا۔

۱۷.....اعضاء کو خشک نہ کرنا (نہ پونچھنا) تاہم یہ مباح ہے۔

۱۸.....چوڑے منہ کے برتن کو دائیں طرف رکھنا۔

۱۹.....پانی نہ جھاڑنا (اعضاء پر سے نہ سونتنا) تاہم اس کا کرنا مکروہ نہیں تینوں ائمہ سے اتفاق کرتے ہوئے۔

۲۰.....اور وہ دعا پڑھنا جو شوافع کی سنتوں کے بیان میں گذری۔ یہ دعا وضو سے فارغ ہونے کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر پڑھنا [1] اسی طرح یہ دعا غسل کے بعد بھی مسنون ہے۔

۶۔ چھٹی بحث.....وضوء کے مکروہات

مکروہ احناف کے ہاں دو طرح کے ہیں:

۱۔ مکروہ تحریمی.....وہ جو حرام کے قریب ہوتا ہے، اس کا ترک کرنا واجب ہوتا ہے، اور عام طور پر مکروہ بولے جانے پر یہی مراد ہوتا ہے۔

۲۔ مکروہ تنزیہی.....وہ جس کا نہ کرنا اس کے کرنے سے بہتر ہو یعنی خلاف اولیٰ اور بسا اوقات یہ بھی علی الاطلاق استعمال ہوتا ہے۔ اس بناء پر اگر فقہاء احناف کسی چیز کو مکروہ کہیں تو اس کی دلیل میں دیکھا جائے گا اگر وہ دلیل ظنی ممانعت کی ہے (یعنی نہی ظنی الثبوت ہے) تو کراہت تحریمیہ کا حکم لگایا جائے گا، ماسوا اس کے کہ کوئی قرینہ اس کو حرمت سے ندب و استحباب کی طرف لوٹا دے اور اگر دلیل نہی ظنی نہیں ہو بلکہ ترک کرنے پر آئے لیکن بالجزم نہیں تو وہ کراہت تنزیہی ہوگی (یعنی اگر وہ بالجزم اور یقینی ممانعت نہ ہو اس سے نہ کرنے کی بہت شدت سے ممانعت سمجھ نہ آتی ہو تو وہ کراہت تنزیہی کہلائے گی)۔

---

[1].....اس دعا کی حدیث امام احمد وابوداؤد نے روایت کی ہے جیسا کہ یہ گزرا بعض روایات میں ہے کہ پھر اس نے اچھا وضو کیا اور آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔

احناف کے علاوہ جمہور فقہاء کراہت کی دو تقسیم کرتے ہوئے ان میں فرق کے قائل نہیں ہیں، کراہت سے مراد ان کے ہاں تنزیہی ہوتی ہے۔ وضو کرنے والے کے لئے وہ چیزیں مکروہ ہیں (1) جن کی ضد اور مخالف چیزوں کا کرنا مستحب ہے (2) ان میں سے اہم کا بیان مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ **پانی بہانے میں اسراف برتنا**..... یعنی شرعی حاجت سے زائد استعمال کرنا یا کافی مقدار سے زیادہ استعمال یہ اس صورت میں ہے کہ پانی اس وضو کرنے والے شخص کے لئے مباح ہو یا اس کی ملکیت ہو، اور اگر وہ پانی وضو کے لئے وقف ہے جیسے وضو کے لئے آجکل مسجدوں میں پانی رکھا جاتا ہے تو ایسے پانی میں اسراف کرنا حرام ہے۔

اس عمل کے مکروہ ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جو امام ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر حضرت سعد پر ہوا وہ وضو کر رہے تھے آپ نے فرمایا یہ کیا اسراف ہے؟ انہوں نے دریافت کیا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! خواہ تم بہتی نہر کے کنارے ہی کیوں نہ ہو۔ اسراف میں تین مرتبہ سے زائد دھونا اور ایک مرتبہ سے زائد مسح کرنا داخل ہے۔ جمہور علماء کے ہاں ماسوا شوافع کے، دلیل حضرت عمرو بن شعیب کی وہ حدیث ہے جو پہلے گذری کہ جو اس یعنی تین مرتبہ دھونے پر زیادہ کرے یا اس سے کم کرے تو اس نے برا کیا، تعدی کی اور ظلم کیا۔ (3)

احناف کے ہاں یہ کراہت تنزیہیہ ہے ماسوا اس کے کہ وہ تین مرتبہ سے علاوہ زائد کو وضو کا حصہ سمجھے کہ اس صورت میں یہ کراہت تحریمی ہوگی علامہ ابن عابدین نے ذکر کیا ہے کہ یہ کراہت مطلقاً کراہت تنزیہی شمار ہوگی۔ اگر صفائی اطمینان قلب وغیرہ کے لئے ایسا کرے تو اس میں کراہت نہیں اسی طرح تقتیر (انتہائی کم مقدار میں پانی استعمال کرنا کہ وہ دھونے کے بجائے مسح لگے کہ پانی کا ٹپکنا اس عضو سے بالکل پتہ نہ چلتا ہو یہ عمل مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ سنت یہ ہے کہ وضو اچھی طرح مکمل طور پر انجام دیا جائے، اور تقتیر اس کے منافی ہے)۔

۲۔ **اعضاء پر پانی زور سے چھپکے کی طرح مارنا**..... یہ مکروہ ہے اور کراہت تنزیہی ہے۔ کیونکہ اس سے ماء مستعمل کپڑوں پر گرتا ہے، اس کا نہ کرنا اولیٰ ہے اور ویسے بھی وقار اور شائستگی کے خلاف ہے اور اس صورت میں اس کی ممانعت اخلاقی ہوگی۔

۳۔ **بات چیت کرنا**..... یہ بھی مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ دعاؤں سے غفلت برتنے کا سبب بنتا ہے شوافع کے ہاں یہ خلاف ورزی ہے۔

۴۔ **دوسرے سے بلا عذر مدد لینا**..... کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کی گذشتہ حدیث ”..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا پانی کسی کو نہیں دیا کرتے تھے۔“ (4) یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ سنت سے یہ ثابت ہے کہ دوسرے کی اعانت وضو میں لینا درست ہے تاہم یہ حالت عذر کی صورت پر محمول ہے کیونکہ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیا کرتی ہیں۔

۵۔ **ناپاک جگہ پر وضو کرنا**..... تاکہ وہاں چھینٹیں وغیرہ پڑنے سے یہ شخص ناپاک نہ ہو۔ احناف مزید یہ فرماتے ہیں کہ عورت کے

---

(1) الدر المختار ج ۱ ص ۱۲۱۔۱۲۳ مراقی الفلاح ص ۱۳ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۲۶۔۱۲۹ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۲۶ الحضرمیة ص ۱۴ کشف القناع ج ۱ ص ۱۱۸۔۱۲۰۔ (2) شوافع مکروہ اس کو کہتے ہیں جو خلاف سنت مؤکدہ ما خلاف سنت مختلف ہو (وہ جس کے مؤکدہ ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہو)۔ ان دونوں کے علاوہ سنت کا چھوڑنا خلاف اولیٰ ہے۔ (3) بروایت نسائی، اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ شخص سنت طریقے سے ٹھیک کر رہا ہے۔ (4) یہ حدیث ابن ماجہ اور دار قطنی نے روایت کی ہے یہ ضعیف ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۶ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمرؓ سے یہ فرمانا جب وہ جلدی سے پانی ڈالنے بڑھے میں وضو میں کسی سے مدد نہیں لیتا علامہ نووی شرح مہذب میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث باطل اور بے اصل ہے۔

وضو کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا یا مسجد میں وضو کرنا مکروہ ہے ماسوا اس کے کسی ایسے برتن یا جگہ میں کیا جائے جو بطور خاص اس لئے ہو مقصود یہ ہے کہ مسجد اس سے گندی نہ ہو۔ حنابلہ فرماتے ہیں ❶ کہ وضو کا یا غسل کا پانی مسجد میں بہانا یا عام چلنے پھرنے کی جگہ بہانا مکروہ ہے کیونکہ وضو کا پانی عبادت کا اثر ہونے کے سبب تعظیم کے قابل ہے اس کو بے ادبی اور بے حرمتی سے بچانا چاہئے وضو اور غسل مسجد میں درست ہیں اگر اس سے کسی کو اذیت نہ ہو اور مسجد بھی گندی نہ ہو، کیونکہ وضو کا عضو سے جدا ہونے والا پانی پاک ہے۔

۶۔ گردن کا پانی سے مسح کرنا...... احناف کے علاوہ جمہور نے اس کو مکروہ گردانا ہے کیونکہ یہ غلو فی الدین اور شدت پسندی شمار ہو گی۔ شوافع فرماتے ہیں کہ گردن کا مسح مسنون نہیں کیونکہ اس بارے میں کچھ ثابت نہیں ہے علامہ نووی نے تو اس کو بدعت قرار دیا ہے مالکیہ نے بھی اسے مکروہ بدعت قرار دیا ہے۔ ❷

۷...... روزے دار کا مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ آمیزی کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس کا روزہ جاتے رہنے کا خدشہ ہے۔

۸...... وضو کی سنتوں میں سے کوئی سنت چھوڑنا جن کا مختلف مذہب کا بیان گزر چکا مثلاً حنابلہ فرماتے ہیں کہ ہر شخص کے لئے مکروہ ہے کہ وہ ناک جھاڑنے اور صاف کرنے، میل کچیل صاف کرنے، جوتا اتارنے اور چیز پکڑنے کے عمل کو دوسرے سے کروائے اس طرح یہ عمل دائیں ہاتھ سے کرے جب کہ وہ بائیں سے کر سکتا ہو۔ یہ مطلقاً مکروہ ہے۔ ❸

۹...... عورت کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا اگر اس نے اس پانی کو اٹھایا ہو۔ حنابلہ امام احمد سے منقول مشہور قول کے مطابق فرماتے ہیں ❹ کہ مکروہ ہے مرد کا وضو عورت کے اس بچے ہوئے پانی سے جسے وہ اکیلی لے کر علیحدہ استعمال کرے ناجائز ہے، اور اگر اس کے ساتھ اگر مرد شریک ہو گیا تو کوئی حرج نہیں دلیل وہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کیا جائے ❺ دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے اس چیز کو ناپسند کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت پانی کو لے کر تنہائی میں جائے تو اس پانی سے وضو نہ کیا جائے۔

اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کے لئے اس سے وضو کرنا جائز ہے دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو امام مسلم اور امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے وضو فرمایا کرتے تھے ❻ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے ایک بڑے تھال سے غسل کیا، اور اس میں کچھ پانی بچا دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا کر وضو شروع فرما دیا میں نے کہا کہ میں نے اس پانی سے وضو کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی پر جنابت نہیں طاری ہوتی ہے ❼ دوسری بات یہ ہے کہ یہ پاک پانی ہے عورت کے لئے اس سے وضو جائز ہے۔ تو مرد کے لئے بھی ایسے ہی وضو جائز ہو گا جیسے مرد کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے جائز ہے یہ بات زیادہ صحیح ہے اور یہ ممانعت کراہت تنزیہہ پر محمول ہو گی اس کا قرینہ وہ احادیث ہیں

---

❶ ...... کشف القناع ج ۱ ص ۱۲۰۔ المغنی ج ۱ ص ۱۴۳۔ ❷ مغنی المحتاج ج ۱ صفحہ ۶۰، الشرح الصغیر ج ۱ صفحہ ۱۲۸۔ ❸ کشف القناع ج ۱ ص ۱۱۸۔ ❹ المغنی ج ۱ ص ۲۱۴، اور بعد کے صفحات، المہذب ج ۱ ص ۳۱۔ ❺ اصحاب خمسہ نے اس حدیث کو حضرت عمرو الغفاری سے روایت کیا ہے تاہم نسائی اور ابن ماجہ نے یہ فرمایا ہے کہ وضوالمراۃ اور امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن قرار دیا ہے علامہ نووی فرماتے ہیں کہ حفاظ کا اس کے ضعف پر اتفاق ہے علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ علامہ نووی نے یہ کہہ کر بڑی عجیب بات کی ہے اس حدیث کا ایک شاہد ابوداؤد اور نسائی کے پاس ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۶۔ ❻ اس حدیث کے صحیح مسلم میں ہونے کے باوجود ایک گروہ نے اس کو معلول کہا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۶۔ ❼ اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے، اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی کنت جنبا فقال ان الماء لایجنب حسن صحیح ہے ایک نسخے میں ہے لایجنب من جنب نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۶ اور امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت میمونہؓ سے روایت کیا ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضأ بفضل غسلها من الجنابة

جو جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۰۔گرم پانی اور سورج کی تمازت سے گرم شدہ پانی......شوافع فرماتے ہیں کہ انتہائی گرم اور انتہائی ٹھنڈے پانی سے طہارت حاصل کرنا مکروہ ہے اسی طرح دھوپ کی تپش سے گرم ہونے والا وہ پانی جو کسی ڈھلے ہوئے برتن میں خاص گرمی کی جہت میں رکھ کر گرم کیا گیا ہو اس سے بھی طہارت حاصل کرنا مکروہ ہے۔تاہم یہ حصول طہارت بدن کے بارے مکروہ ہے کپڑے وغیرہ کو ایسے پانی سے پاک کیا جاسکتا ہے۔یہ بات

مدنظر رہے کہ یہ کراہت طبی بنیاد پر ہے کہ اس طرح کے پانی کے استعمال سے برص کی شکایت ہوسکتی ہے۔لیکن حرام اس لئے نہیں کہ ایسے پانی کے استعمال سے برص ہونا لازمی نہیں کبھی کبھار ہوتی ہے۔اور یہ کراہت پانی کے ٹھنڈا ہو جانے سے زائل ہو جاتی ہے۔

۷۔ساتویں بحث......نواقض وضوء، وضوتوڑنے والی اشیاء

نواقض ناقضة اور ناقض کی جمع ہے اور نقض جب مادی چیزوں کے بارے میں استعمال ہو جیسے نقض الحائط (دیوار کا نقض) تو اس سے مراد ہوتا ہے اس چیز کا ٹوٹ جانا بکھر جانا بے ترتیب ہو جانا (یعنی اس کے ترتیب سے جڑے ہوئے اجزاء کا بے ترتیب ہو جانا) اور جب یہ لفظ ذہنی امور کی طرف منسوب کر کے بولا جائے جیسے نقض الوضوء وغیرہ تو اس سے مراد ہوتا ہے کہ اس چیز کا اپنی مطلوب ومقصود کے حصول کی صفت سے خارج ہو جانا (یعنی وہ چیز جو کسی مطلوب ومقصود کے حصول کا سبب بنتی ہے اس کا اس مقصود کے حصول کے لئے سبب کے طور پر قائم نہ رہنا) یہاں نقض کے دوسرے معنی مراد ہیں تو ناقض وضوء سے مراد ہو وہ چیز جو وضو کو اس کی اس صفت سے نکال دے جو اس کے مطلوب کے حصول کا سبب ہوتی ہے یعنی نماز وغیرہ کا مباح ہو جانا وضو کے ذریعے (یعنی وضو کرنے سے ذہنی طور پر اس کا وجود قائم ہو جس سے نماز وغیرہ ادا کی جاسکتی ہیں یہ صفت جس چیز سے کالعدم ہو وہ ناقض وضو کہلائے گی)۔

وضوتوڑنے والی اشیاء وامور جو وضو کا حکم کالعدم کر دیتی ہیں ان میں سے اکثر متفق طور پر نواقض ہیں بعض میں اختلاف ہے احناف کے ہاں یہ بارہ ہیں اور مالکیہ کے ہاں تین نوعیت کے ہیں، شوافع کے ہاں پانچ چیزیں ہیں حنابلہ کے ہاں آٹھ انواع ہیں، ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔[1]

۱......دونوں گندگی خارج کرنے کے راستوں میں نکلی ہوئی کوئی بھی چیز: جو عادی ہو جیسے پیشاب، پاخانہ، ہوا، مذی، ودی اور منی (مذی وہ رقیق سادہ جو جنسی سرگرمی کے وقت نکلتا ہے اور ودی وہ گاڑھا سا مادہ جو پیشاب کے بعد نکلتا ہے) یا وہ چیز غیر عادی ہو جیسے کیڑا کنکر خون، کم ہو یا زیادہ دلیل اس کی یہ آیت ہے اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ (یا تم میں سے کوئی پاخانے سے ہو آئے۔سورۃ المائدۃ آیت ۶) یہ کنایہ ہے پیشاب یا پاخانے سے ہو جانے والے حدث سے اور یہ حدیث مزید اسباب حدث یا نواقض وضو کو بیان کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تمہاری نماز جب کہ تم حالت حدث میں ہو اس وقت قبول کرتا ہے جب تم وضو کر لو یہ سن کر حضرت موت کے ایک شخص نے

---

[1]...... فتح القدیر ج ۱ ص ۳۷۔۲۴ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۷۔۱۲ البدائع ج ۱ ص ۲۴۔۳۳ الدر المختار ج ۱ ص ۱۲۴۔۱۳۸ اللباب شرح الکتاب ج ۱ ص ۱۷۔۲۰ مراقی الفلاح ص ۱۴ اور بعد کے صفحات الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۳۵۔۱۴۸ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۱۴۔۱۱۶ القوانین الفقھیہ ص ۳۴ اور بعد کے صفحات المھذب ج ۱ ص ۲۲۔۲۵ حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۶۹۔۷۴ المجموع ج ۲ ص ۳۔۶۸ کشف القناع من متن الاقناع ج ۱ ص ۳۸۔۱۴۸۔ بدایۃ المجتھد ج ۱ ص ۳۳۔۳۹۔ المغنی ج ۱ ص ۱۶۸،۱۹۶۔

راوی حدیث حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ابوہریرۃ حدث کیا چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا گوز اور پھسکی ❶ اس طرح یہ حدیث بھی دلیل ہے وضو اس وقت لازم ہوگا جب انسان آواز سنے یا بو محسوس کرے ❷ وہ غیر عادی چیز کے نکلنے سے وضو کے واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ چیز جو عام طور پر نہیں نکلتی ہے وہ اگر دونوں راستوں میں سے نکل آئی تو وہ اسی راستے سے نکلی ہوئی ہے تو یہ مذی کے مشابہ ہوئی جو کبھی کبھار نکلتی ہے، دوسری بات یہ کہ ایسی چیز کے ساتھ لازمی طور پر تھوڑی بہت تری اور نمی ضرور نکلتی ہے تو اس کے نکل جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحاضہ عورت کو ہر نماز کے وضو کا حکم دیا ہے جب کہ اس کا خون غیر عادی طریقے پر نکلنے والا ہوتا ہے۔ ❸

اصح قول کے مطابق احناف نے اگلی شرمگاہ سے نکلنے والی ہوا کو غیر ناقض قرار دیا ہے، کیونکہ وہ اعصاب اور رگوں کی پھڑکن ہوتی ہے ہوا نہیں، اور اگر یہ ریح ہو بھی تو اس میں نجاست نہیں ہوتی۔ احناف کے علاوہ حضرت نے اس کو مستثنیٰ نہیں قرار دیا ہے۔ وجہ وہی گذشتہ حدیث ہے جس کے الفاظ میں سے یہ بھی ہے اور ریح تو یہ اگلے اور پچھلے دونوں راستوں سے نکلنے والی ریح کو شامل ہوں گے۔

حق بات یہ ہے جیسا کہ ابن قدامہ نے فرمایا ہے کہ ہمیں اس قسم کی ریح کے وجود کا علم نہیں، اور نہ ہی ہم یہ جانتے ہیں کہ کسی کو ایسی ریح ہوتی ہے۔

مالکیہ نے غیر عادی چیزوں کے حالت صحت میں نکلنے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جیسے خون، پیپ کنکر، اور کیڑا اسی طرح ریح یا پاخانے کا اگلے راستے سے نکلنا یا پیشاب کا پچھلے راستے سے نکلنا اور منی کا بلا لذت معتاد نکلنا جیسے خارش کے سبب سے کھجانے پر یا جانور کے اس کو گرا دینے پر منی کا نکلنا، تو ان چیزوں کے نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا حتیٰ کہ اگر کنکر اور کیڑے پر نجاست بھی لگی ہوئی ہو (یعنی پیشاب و پاخانہ) تو بھی وضو نہیں ٹوٹے گا بخلاف ان دونوں (کنکر اور کیڑے) کے کہ ان کے ساتھ نجاست لگی ہوئی نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا چنانچہ اگر خون اور پیپ کے ساتھ گندگی لگی ہوئی نکلی تو وضو ٹوٹ جائے گا ❹ اسی طرح سوراخ سے نکلی ہوئی چیز سے بھی وضو نہیں ٹوٹے گا ماسوا اس کے کہ وہ سوراخ معدے کے نیچے ہو اور دونوں معتاد راستے بند ہو چکے ہوں لہٰذا معدہ سے اوپر ہونے والے سوراخ سے نکلنے والا پیشاب پاخانہ یا ہوا وضو نہیں توڑے گا خواہ وہ دونوں راستے بند ہوں یا کھلے اور معدے کے نیچے بنے ہوئے سوراخ سے نکلنے والی چیز اس وقت ناقض ہوگی جب دونوں راستے بند ہوں کیونکہ اس صورت میں یہ دونوں راستے سے نکلنے والی نجاست کی طرح ناقض وضو ہوں گے۔

ان کے ہاں وہ مریض جس کو آدھے وقت یا اس سے زیادہ مدت قطرے ٹپکتے ہوں۔ یا کوئی نجاست نکلتی ہو تو اس میں سے نکلنے والی چیز ناقض نہیں ہوگی۔

بصورت دیگر اگر آدھے وقت سے زیادہ ایسا ہو تو ٹوٹ جائے گا سلسل: وہ ہے جو خود بخود بہہ نکلے طبیعت کے بدل جانے کے سبب جیسے پیشاب، ہوا، پاخانہ اور مذی، اور استحاضہ کا خون سلس میں شمار ہے۔ مستحاضہ کے علاوہ باقی معذورین کے حق میں یہ جب ہے کہ جب وہ قابو میں نہ آسکے اور وہ شخص علاج پر قادر نہ ہو اگر وہ قابو آسکے یا قابل اندازہ ہو کہ مثلاً اس کی عادت یہ پڑ گئی ہو کہ اول یا آخر وقت میں وہ منقطع

---

❶ ..... یہ حدیث متفقہ طور پر بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۵۔ ❷ بروایت ترمذی اور ابن ماجہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے علامہ سیوطی نے اس پر ضعف کا نشان لگایا ہے، امام مسلم نے دوسری الفاظ میں نقل کیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ محسوس کرے اور اس کو شک ہو کہ کچھ نکلا ہے یا نہیں تو وہ مسجد سے اس وقت تک نہ نکلے جب تک وہ آواز نہ سن لے یا بو نہ سونگھ لے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۸۔ ❸ ابوداؤد اور دار قطنی نے اسناد موثوق کے ساتھ فاطمہ بنت ابی حبیش سے بواسطہ حضرت عروہؓ روایت کیا ہے کہ انہیں استحاضہ ہوا کرتا تھا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا اگر وہ حیض کا خون ہے تو وہ کالا سا ہوتا ہے جو پہچانا جا سکتا ہے اگر ایسا معاملہ ہو تو نماز سے رک جاؤ اور اگر دوسرا معاملہ ہو تو وضو کرو اور نماز پڑھو، کیونکہ یہ تو ایک رگ کا خون ہے اس حدیث میں آپ نے ان کو وضو کا حکم دیا جب کہ ان کا خون غیر معتاد تھا اسی پر قیاس کیا جائے گا دوسری نجاستوں کو بھی خواہ وہ چیز جو نکلی ہے پاک ہو جیسے بغیر خون کے نکلنے والا بچہ یا وہ چیز نجس ہو جیسے پیشاب وغیرہ۔ ❹ ابن رشد کے ذکر کردہ مشہور قول کے مطابق ان سے (خون اور پیپ) وضو مطلقاً نہیں ٹوٹے گا جیسے کنکر اور کیڑا نکلنے سے نہیں ٹوٹتا ہے۔

ہو جائے تو اس پر نماز اس صورت میں اس وقت واجب ہے اور اگر وہ دوا دارو پر قدرت رکھتا ہو تو اس پر وہ کرنا لازم ہے۔

شوافع نے انسان کی اپنی منی کو مستثنیٰ قرار دیا ہے کہ وہ ناقض وضو نہیں کیونکہ اس کا نکلنا زیادہ بڑے کام کا سبب بنتا ہے یعنی غسل کا۔ تاہم ان کے ہاں وضو ایسی چیز کے نکلنے سے ٹوٹ جائے گا جو ایسے سوراخ سے نکلی ہو جو معدہ سے نیچے بنا ہوا ہو اور عام راستہ بند ہو کیونکہ ایسی صورت میں وہ سوراخ ہی عام راستہ بن جاتا ہے یعنی کہ ان کے ہاں بھی مالکیہ کی طرح کی تفصیل ہے اور اگر عام معتاد راستہ بند نہ ہوا ہو تو صحیح یہ ہے کہ وضو نہیں ٹوٹے گا خواہ معدے کے نیچے بنے ہوئے راستے سے یہ نجاست نکلے یا اوپر بنے ہوئے راستے سے نکلے۔

حنابلہ نے دائم الحدث شخص کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اس کا وضو دائمی حدث والی چیز سے نہیں ٹوٹے گا خواہ وہ کم ہو یا زیادہ معتاد (عام عادی) چیز ہو یا غیر معتاد (غیر عادی) وجہ حرج اور مشقت ہے اور اگر اس کو دائمی حدث نہ ہو تو بول یا براز وغیرہ نکل جانے سے وضو ٹوٹ جائے گا خواہ کم ہو یا زیادہ معدے کے نیچے سے نکلے یا اوپر سے دونوں راستے بند ہوں یا کھلے کیونکہ اس بارے میں آیت وضو عام ہے اور پہلے گذری ہوئی حدیث بھی عام ہے حنابلہ مزید فرماتے ہیں کہ اگر وضو کرنے والے اپنے آگے یا پیچھے والے راستے سے روئی یا سلائی ڈالے پھر نکالے تو خواہ وہ تر نہ بھی ہو وضو ٹوٹ جائے گا اسی طرح اگر کسی نے اپنے مثانے کے سوراخ میں تیل وغیرہ ڈالا پھر وہ نکل آیا تو وضو ٹوٹ جائے گا اسی طرح اگر آنت کا سرا نکل آیا یا کیڑے کا سر باہر نکلا تو بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

۲..... بچے کی پیدائش اس طرح ہو کہ ماں کو خون (نفاس) نہ آئے۔ احناف کے ہاں راجح اور صحیح صاحبین کا قول ہے کہ عورت اس صورت میں نفساء نہیں بنتی کیونکہ نفاس کا تعلق خون سے ہوتا ہے جو پایا نہیں گیا اس عورت پر صرف رطوبت نکلنے کی وجہ سے وضو لازم ہوگا۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ احتیاطاً اس پر غسل واجب ہے کیونکہ ایسی صورت میں تھوڑا بہت خون ضرور نکلتا ہے۔

۳..... دونوں راستوں کے علاوہ جگہ سے نکلنے والی چیزیں: جیسے خون پیپ خون والی پیپ یہ احناف کے ہاں اس وقت ناقض ہوں گی جب یہ بہہ کر ایسی جگہ چلی جائیں جہاں تطہیر کا حکم لاحق ہوتا ہو یعنی ظاہری بدن یعنی فی الجملہ اس کی تطہیر واجب ہو خواہ استحبابی طور پر سہی جیسے ناک کے اندر خون کا بہنا اور سیلان (بہنے) سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی نکلنے کی جگہ سے متجاوز ہو جائے اس طرح کہ وہ زخم کے اوپر بلند ہو پھر نیچے کی طرف بہہ جائے۔ لہٰذا ایک دو قطرے پڑ جانے سے وضو لازم نہیں ہوگا۔ اور کسی چیز کے دانت سے کاٹ کر کھانے یا مسواک کرنے کی صورت میں خون کا اثر ہو جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اسی طرح اس جگہ سے خون نکلنے پر بھی وضو نہیں ٹوٹے گا جس جگہ تطہیر کا حکم نہیں لگتا جیسے آنکھ کے اندر کے زخم کا یا کان کے زخم کا یا پستان کے اندر کے زخم کا یا ناف کے زخم سے نکلنے والا خون جو نکل کر ایک جانب بہہ جاتا ہو۔

حنابلہ کے ہاں شرط یہ ہے کہ وہ خون کثیر ہو اور کثیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو ہر انسان کے اپنے اعتبار سے قلیل وکثیر ہو یعنی کہ جسم کے موٹاپے اور پتلے پن کو پیش نظر رکھا جائے گا اگر دبلے آدمی سے خون نکلے اور وہ اس کے جسم کے اعتبار سے زیادہ ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں زیادہ وہ ہے جو تمہارے دل کو زیادہ محسوس ہو“۔

احناف کی دلیل یہ حدیث ہے الوضوء من کل دم سائل (ہر بہتے خون کے سبب وضو لازم ہے) اور یہ حدیث کہ جو قے کرے اس کی نکسیر پھوٹے تو وہ لوٹے اور وضو کرے اور اپنی نماز کو مکمل کرے جب تک کہ اس نے بات نہ کی ہو (یعنی اگر اس نے دوران وضو بات نہ کی ہو تو وہ اس نماز کو دوبارہ شروع کر دے ❶ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے خون کے ایک دو قطروں میں وضو لازم نہیں الا یہ کہ وہ بہتا خون ہو ❷ بروایت ترمذی حنابلہ کی دلیل حضرت فاطمہ بنت حبیشؓ والی حدیث ہے جو پہلے

❶..... یہ دارقطنی نے تمیم داری سے روایت کی ہے اس میں دو مجہول راوی ہیں ابن عدی نے الکامل میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، اس میں ایک راوی ناقابل احتجاج (جس کی سند قبول نہ ہو) ہے نصب الرایہ ج ا ص ۳۷۔ ❷ بروایت ابن ماجہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ حدیث صحیح ہے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث روایت ہے جو دارقطنی نے کی ہے مگر وہ معلول ہے ایک راوی کی وجہ سے نصب الرایۃ ج ا ص ۳۸، نیل الاوطار ج ا ص ۱۸۷

گذری کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استحاضہ کے خون کو فرمایا یہ رگ کا خون ہے تو تم ہر نماز کے لئے وضو کرلیا کرو اور دوسری بات یہ کہ خون وغیرہ بدن سے نکلنے والی نجاست ہے تو یہ سبیلین میں سے نکلنے والی نجاست کی طرح شمار ہوں گی۔اور کم خون کے ناقض نہ ہونے والی بات کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے اگر بہت سا ہو تو اس پر اعادہ لازم ہے اور حضرت ابن عمر نے دانہ پھوڑا اس میں سے خون نکلا انہوں نے پونچھ کر نماز پڑھ لی اور وضو نہیں کیا اور ابن ابی اوفی نے بھی ایک مرتبہ دانہ دبایا اور ان کے علاوہ حضرات کے بارے میں بھی ایسا مروی ہے۔❶

مالکیہ اور شوافع فرماتے ہیں کہ خون وغیرہ نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا صرف پچھنے کی جگہ کو دھولیا❷ اسی طرح حضرت عباء بن بشر کی حدیث کہ ان کو ایک مرتبہ دوران نماز تیر لگا، انہوں نے اپنی نماز جاری رکھی❸ اور یہ بعید ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے بڑے واقعے سے بے خبر رہیں، اور یہ منقول نہیں کہ آپ نے ان کو ان کی نماز کے باطل ہونے کا بتلایا ہو۔

۴۔ قے..... اس کے بارے میں بھی اختلاف ویسا ہی ہے جیسا خون وغیرہ کے بارے میں یعنی وہ چیزیں جو سبیلین کے علاوہ راستوں سے نکلتی ہیں، اس اختلاف کے دو پہلو ہیں۔

ا..... پہلا نقطۂ نظر احناف اور حنابلہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، احناف کے ہاں اس صورت میں کہ جب وہ منہ بھر کر ہو یعنی اتنی مقدار جو منہ میں بدقت رک سکے، یہ صحیح قول ہے، اور حنابلہ کے ہاں اس صورت میں کہ جب وہ بہت زیادہ ہو، اور بہت زیادہ کا مطلب ہر شخص کے اپنے اعتبار سے ہے اور قے خواہ کھانا ہو یا پانی ہو یا جما ہوا خون ہو، یا صفراء کا پانی ہو۔معدے، سینے اور سر سے نکلا ہوا بلغم وضو نہیں فاسد کرتا جیسے تھوک اور ناک کی رینٹ، یہ بدن سے پیدا ہونے کی وجہ سے پاک شمار ہوگا۔اور ڈکار سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔

دلیل ان کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے جو گذری کہ جس کو الٹی ہو جائے یا نکسیر پھوٹ جائے یا قلس نکل جائے یا مذی نکلے تو وہ لوٹے اور وضو کرے اور اپنی نماز کو جاری رکھے (بنا کرے) اور اس دوران وہ بات نہ کرے❹ اور قلس کہتے ہیں علق کو جو منہ بھر کر یا اس سے کم ہو۔یہ قے نہیں ہوتا۔اور اگر وہ لوٹ جائے تو وہ قے ہوتا ہے۔دوسری دلیل حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ قے ہوئی، آپ نے وضو کیا، راوی کہتے ہیں کہ میری حضرت صفوان سے دمشق کی مسجد میں ملاقات ہوئی میں نے ان سے اس بات کا تذکرہ کیا تو وہ بولے انہوں نے سچ کہا، میں نے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی ڈالا تھا۔❺

خلاصہ کلام یہ قے ان حضرات کے ہاں تین شرائط کے ساتھ ناقض وضو ہے۔

ا۔معدہ سے ہو۔

۲۔منہ بھر کر ہو یا زیادہ ہو۔

۳۔اور ایک دفعہ میں اتنی مقدار میں ہو۔

۲۔دوسرا نقطۂ نظر مالکیہ اور شوافع کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ وضو قے سے نہیں ٹوٹتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قے

---

❶..... بروایت دارقطنی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث مرفوع ہے حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد بہت ضعیف ہیں، راویوں میں ایک متروک ہے۔نیل الاوطار ج ا ص ۱۸۹ نصب الرایہ ج ا ص ۴۴۔❷ نیل الاوطار ج ا ص ۱۸۹۔❸ بروایت دارقطنی وبیہقی یہ حدیث ضعیف ہے۔ نیل الاوطار ج ا ص ۱۸۹۔❸ روایت بخاری تعلیق کے طور پر اور بروایت ابوداؤد اور ابن خزیمہ۔❹ بروایت ابن ماجہ ودارقطنی بیہقی فرماتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے نیل الاوطار ج ا ص ۱۸۷۔❺ بروایت احمد وترمذی، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس بات میں اصح ترین حدیث یہی ہے نیل الاوطار ج ا ص ۱۸۶۔

کی اور آپ نے وضو نہیں فرمایا❶ اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا قے سے وضو واجب ہوتا ہے آپ نے فرمایا: اگر واجب ہوتا تو تمہیں کتاب اللہ میں اس بات کا ذکر ملتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ راستے (نجاست کے راستے یعنی اگلی اور پچھلی شرمگاہ) سے نہیں خارج ہوئے ہیں اور ان کے خارج ہوتے وقت دونوں عادی مخرج باقی ہیں (یعنی وہ دونوں عادی مخرج کسی بیماری کے سبب بند نہیں ہو گئے ہیں) لہٰذا یہ طہارت کے لئے ناقض نہیں ہوگا جیسے تھوک ناقض نہیں ہوتا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب ان حضرات نے یہ دیا ہے کہ مراد وضو سے ہاتھوں کا دھونا ہے میرے نزدیک واضح بات یہ ہے کہ سبیلین کے علاوہ جگہ سے نکلی ہوئی چیزیں جیسے خون قے، وغیرہ یہ وضو جب توڑیں گی جب یہ کثیر مقدار میں ہوں یعنی حنابلہ کی تفصیل کے مطابق اور یہ ناقض وضو سبیلین سے خارج نجاست پر قیاس کرتے ہوئے قرار پائیں گی۔ اس لئے کہ تمام احادیث میں کلام ہے اور وہ خالی از ضعف نہیں۔

۵..... عقل کا غائب ہو جانا یا نشہ آور یا مسکر اشیاء سے عقل کا مغلوب ہونا یا بے ہوشی اور جنون کے سبب عقل سے بیگانہ ہونا یا مرگی اور نیند کی وجہ سے عقل سے بے نیاز ہونا۔ یہ سبب (یعنی عقل کا غائب ہونا) اور اس کے بعد کا سبب عورت کا چھونا یا عضو تناسل کا یا اگلی شرمگاہ کا یا پچھلی شرمگاہ کا چھونا ان کے نتیجے میں عام طور پر دونوں راستوں میں سے کچھ نہ کچھ نکل جاتا ہے جو کہ ناقض وضو ہوتا ہے، کیونکہ جس شخص کی عقل زائل ہو گئی ہو وہ تو کسی حالت میں باشعور نہیں ہوتا اور سونے سے انسان بے حس ہو جاتا ہے، جنون اور بے ہوشی وغیرہ نیند سے زیادہ عقل کے مغلوب ہونے میں مؤثر ہوتے ہیں اس بات پر دلیل کہ گہری نیند یا غیر یسر (یعنی وہ نیند جو کم نہ ہو) نیند ناقض وضو ہے وہ حدیث ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا العین و کاء السیه فمن نام فلیتوضا (آنکھ پچھلی شرمگاہ کو باندھنے کا دھاگہ ہے جو شخص سو جائے وہ وضو کرلے)❷ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ آنکھ پچھلی شرمگاہ کو باندھنے کا دھاگہ ہے جب آنکھیں سو جائیں تو یہ برتن کھل جاتا ہے❸ یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نیند وضو کے توڑنے کا احتمالی سبب ہے بذات خود ناقض نہیں ہے۔

فقہاء کا اختلاف نیند کے ناقض وضو ہونے کے بارے میں ہوا ہے ان کی مختلف آراء ہیں ان کو علامہ نووی نے شرح مسلم (ج ۱ ص ۷۳) میں ذکر کیا ہے۔ ان آراء میں سے میں صرف وہ آراء بیان کروں گا جو باہم قریب ہیں، ان میں باہم اختلاف صرف نیند کے گہرے ہونے کی حد بیان کرنے میں ہے، کہ کتنی گہری نیند کو ریح نکل جانے کا سبب سمجھا جائے گا، ان دونوں آراء کا بیان مندرجہ ذیل ہے۔

۱..... پہلی رائے احناف اور شوافع کی ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں وہ نیند جو ناقض وضو ہے وہ ہوتی ہے جس میں انسان کا مقعد زمین پر نہ ہو یا پہلو کے بل یا ٹیک لگانا، اوندھے منہ لیٹنا کیونکہ لیٹنا وغیرہ جوڑوں کے ڈھیلے پڑ جانے کا سبب ہوتا ہے، اور اگر کوئی ایسے سوئے کہ اس کا مقعد زمین پر لگا ہوا ہو جیسے زمین پر یا چلتے ہوئے جانور کی پیٹھ پر بیٹھ کر سونا تو ایسے شخص کا وضو نہیں ٹوٹے گا اور اگر وہ کسی چیز پر ایسے ٹیک لگا کر سو رہا ہو کہ جس کے ہٹا دینے سے یہ شخص گر جائے اور اس کا مقعد بھی زمین پر نہ ہو تو اس کا وضو اس طرح سونے سے ٹوٹ جائے گا، کیونکہ اس طرح سونے سے اعضاء کا ڈھیلا پن نہایت درجے کا ہو جاتا ہے، شوافع کے ہاں وضو اس صورت میں نہیں ٹوٹے گا اگر اس کا مقعد زمین پر لگا ہوا ہو، کیونکہ ایسی صورت کسی چیز کے نکلنے کا امکان نہیں ہوتا ہے، اس طرح دونوں مذاہب کا حکم ایک سا ہی ہے۔ احناف کے ہاں قیام کی رکوع کی اور سجدے کی حالت میں نماز میں یا اس کے علاوہ حالت میں، وضو نہیں ٹوٹتا ہے کیونکہ اس حالت میں مکمل ڈھیلا پن نہیں ہوتا تھوڑی بہت گرفت باقی رہتی ہے، کیونکہ اگر یہ گرفت نہ ہو تو وہ شخص گر پڑے تو ان صورتوں میں ڈھیلا پن مکمل نہ ہوا۔ ان حضرات کی دلیل چند احادیث ہیں جن میں

---

❶..... بروایت دار قطنی۔ ❷ بروایت امام احمد ابن ماجہ وابو داؤد، وکاء کہتے ہیں اس فیتے کو جس سے کسی چیز کو باندھا جائے اور السہ کہتے ہیں دبر (پچھلی شرمگاہ کو) اور مفہوم یہ ہے کہ جاگنا اس کا محافظ ہے، علم میں رہے کہ کچھ نکلا تو نہیں ہے سونے کے بعد انسان کو علم میں نہیں رہتا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۲۔

❸ بروایت احمد ودار قطنی حوالہ بالا۔

سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث ہے کہ سجدے کی حالت میں سونے والے پر وضو نہیں ہے جب تک وہ لیٹا ہوا نہ ہو، کیونکہ جب وہ لیٹ جاتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں ❶ اور دوسرے الفاظ میں ہے اس شخص پر وضو نہیں جو بیٹھے ہوئے سو جائے، وضو تو اس پر ہے جو لیٹ کر سوئے کیونکہ جو لیٹ کر سوتا ہے اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں ❷ اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے، وضو اس پر لازم نہیں جو بیٹھ کر، کھڑے ہوئے یا سجدے کی حالت میں سوئے یہاں تک کہ وہ پہلو کے بل نہ سو جائے۔

ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ والی بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ عشاء کا انتظار کرتے رہتے تھے وہ بیٹھے بیٹھے سو جاتے تھے پھر نماز ادا کرتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ ❸ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ معمولی سی نیند وضو کے لئے ناقض نہیں ہے۔ ایک حدیث حضرت عمرو بن شعیب کی اپنے دادا سے بروایت اپنے والد، روایت کردہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بیٹھ کر سوئے تو اس پر وضو نہیں ہے، اور جو اپنا پہلو ٹیک دے اس پر وضو لازم ہے ❹ امام مالک نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ بیٹھے بیٹھے سوتے تھے اور بغیر وضو کئے نماز پڑھ لیتے تھے۔ ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدے کی حالت میں سوتے ہوئے دیکھا یہاں تک کہ آپ کو خراٹے آنے لگے پھر آپ اٹھے اور نماز شروع کر دی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو سو گئے تھے آپ نے فرمایا وضو صرف اس پر لازم ہے جو لیٹ کر سوئے کیونکہ جب وہ لیٹ جاتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں ❺ محقق علامہ ابن ہمام حنفی فرماتے ہیں اور اگر تم غور کرو ان میں جو حدیثیں ہم نے پیش کی ہیں تو حدیث تمہاری نظر میں حسن کے درجے سے کم نہ ہوگی۔ ❻

۲..... دوسری رائے مالکیہ اور حنابلہ کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہلکی نیند یا خفیف نیند ناقض وضو نہیں، گہری نیند ناقض وضو ہے مالکیہ کی عبارت یہ ہے گہری نیند خواہ تھوڑی دیر کے لئے ہو ناقض وضو ہے ہلکی نیند کا عرصہ خواہ طویل ہو وہ ناقض وضو نہیں ہے گہری نیند وہ شمار ہوگی کہ سوئے ہوئے شخص کو آوازوں کا یا اپنے ہاتھ سے گرنے والی چیز کا یا اپنے تھوک وغیرہ کے بہنے کا علم نہ ہو اور اگر اس کو ان چیزوں کا ادراک ہو تو وہ نیند ہلکی کہلائے گی۔ ان حضرات کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جو پہلے گزری کہ عشاء کا انتظار کرتے کرتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے سر ڈھلک جایا کرتے تھے پھر وہ نماز شروع کر دیا کرتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ دوسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ کے ہاں رات قیام کیا، رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو کر نماز کے لئے کھڑے ہوئے میں بھی آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر دائیں طرف کر دیا میں جب بھی اونگھنے لگتا آپ میرے کان کی لو پکڑ کر بیدار کرتے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ نے گیارہ رکعات ادا فرمائیں ان دونوں حدیثوں میں واضح دلیل ہے کہ ہلکی نیند ناقض وضو نہیں ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ نیند بہر صورت ناقض وضو ہے ماسوا بیٹھے یا کھڑے ہوئے شخص کی اس نیند کے جو عرفاً ہلکی اور کم سمجھی جائے دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ دونوں حدیثیں ہیں جو ابھی گذریں۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ قلیل نیند کی کوئی حد نہیں، اس کے بارے میں اعتبار اس کا ہے جو عادت لوگوں میں قائم ہو جائے تو ٹیک لگا کر سونے والے وغیرہ کا گر جانا وضو کے لئے ناقض ہے، اور اگر ایک شخص سو جائے اور اس کو شک ہو کہ اس کی نیند کثیر تھی یا کم تھی تو وہ شخص باوضو سمجھا جائے گا کیونکہ یہ کیفیت اس کی یقینی تھی وضو کے ٹوٹنے میں اسے شک ہے۔ اور اگر کسی نے نیند میں خواب دیکھا تو یہ کثیر نیند کہلائے گی رکوع کی اور سجدے کی حالت میں موجود شخص کی ٹیک لگائے

❶..... بروایت احمد یہ حدیث ضعیف ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۳۔ ❷ بروایت ابوداؤد، ترمذی اور دار قطنی یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ حوالہ بالا۔ ❸ بروایت امام شافعی ابوداؤد، مسلم، اور ترمذی، یہ حدیث صحیح ہے حوالہ گزشتہ۔ ❹ بروایت ابن عدی نصب الرایہ ج ۱ ص ۴۵ اس طرح کی حدیث بیہقی نے بھی حضرت حذیفہ سے روایت کی ہے۔ ❺ نصب الرایہ ج ۱ ص ۴۴۔ ❻ فتح القدیر ج ۱ ص ۳۳۔

ہوئے شخص کی پہلو کو ٹیکے ہوئے شخص کی اور گوٹ مار کر بیٹھے ہوئے شخص کی ہلکی اور کم نیند ناقض وضو ہوگی جیسے پہلو کے بل لیٹے ہوئے شخص کی نیند ناقض ہوتی ہے۔سوتے ہوئے جس شخص کی عقل مغلوب نہ ہوئی ہو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ نیند مغلوبیت عقل کا نام ہے اور عقل کا مغلوب ہونا ہی دراصل ناقض وضو ہے اور جب تک عقل مغلوب نہیں ہوئی ہے اور اس شخص کی حس قائم ہے مثلاً وہ شخص جو نیند کی اس کیفیت میں ہو کہ اپنے پاس کی جانے والا بات کو سن اور سمجھ رہا ہو تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا خلاصہ کلام یہ ہے کہ لیٹ کر پہلو کے بل سونا، نماز میں یا خارج نماز اس حالت میں کہ مقعد زمین پر نہ ہو بلا اختلاف فقہاء ناقض وضو ہے اور عقل کا مغلوب اور زائل ہونا کسی بھی سبب سے ہو خواہ بے ہوشی سے ہو جنون سے ہو یا نشے سے ہو، وضو کے لئے ناقض ہے نیند پر قیاس کرتے ہوئے۔اور حق بھی یہی ہے۔

۶۔**عورت کا چھونا**......احناف کے ہاں عورت کو چھونے سے اس وقت وضو ٹوٹے گا جب یہ لمس مباشرت فاحشہ کے ذریعے ہو، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں مرد یا عورت کی کھال ملنے سے اس وقت ٹوٹے گا جب وہ دونوں لذت محسوس کریں یا ان پر شہوت طاری ہو جائے۔شوافع کے ہاں محض بدن کی کھال چھو جانے سے دونوں، چھونے والے اور چھوئے جانے والے کا وضو ٹوٹ جائے گا خواہ یہ لمس شہوت کے بغیر ہی ہو۔

ان مذاہب کی آراء کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

احناف فرماتے ہیں کہ وضو مباشرت فاحشہ سے ٹوٹتا ہے، اور مباشرت فاحشہ کہتے ہیں مرد اور عورت کی اگلی شرمگاہوں کا بلا کسی ایسے حائل کے ملنا جو جسم کی حرارت کو مانع ہو اس میں یہ بھی شرط ہے کہ عضو تناسل میں انتشار بھی ہو۔یا یوں کہہ لیا جائے کہ مرد عورت سے ملے شہوت کے ساتھ اور اس کے عضو تناسل میں انتشار بھی پیدا ہو جائے اور ان کے مابین کوئی کپڑا وغیرہ بھی نہ ہو اور کوئی نمی یا تری بھی محسوس نہ ہو۔

مالکیہ فرماتے ہیں وضو کئے ہوئے بالغ شخص کا وضو دوسرے کسی شخص کو شہوت کے ساتھ چھونے سے ٹوٹ جائے گا بشرطیکہ وہ شخص ایسا ہو کہ عادتاً اس سے شہوت کا حصول کیا جاتا ہو مرد ہو یا عورت، خواہ نابالغ ہو، اور خواہ اپنی بیوی کو چھوئے یا اجنبی کو چھوئے یا محرم عورت کو چھوئے، یا لمس ناخن پر ہو یا پاؤں پر یا کسی حائل کے اوپر سے ہو جیسے کپڑا وغیرہ اور خواہ وہ حائل اتنا باریک ہو کہ چھونے والا بدن کی نرمی اور حرارت کو محسوس کرے یا وہ حائل موٹا ہو۔اور یہ لمس خواہ مردوں کے درمیان ہو یا عورتوں کے بہر حال وہ ناقض وضو ہوگا۔

لہذا شہوت کے ساتھ چھونا ناقض ہے اسی طرح منہ پر چومنا مطلقاً وضو کے لئے ناقض ہے خواہ بلا لذت ہو کیونکہ وہ لذت کا جائے گمان ہے اور منہ کے علاوہ کہیں اور چومنا چنانچہ اگر دونوں بالغ ہوں تو چومنے والے اور چومے جانے والے دونوں کا وضو ٹوٹ جائے گا اگر وہ دونوں بالغ ہوں یا ان میں سے کوئی ایک بالغ ہو اور وہ دوسرے خواہ نابالغ کو چھوئے جس کو شہوت سے چھوا جاتا ہو اگر چھوئے جانے کے وقت شہوت پائی جائے خواہ بالجبر ایسا ہو یا غفلت سے ہو۔تو لمس سے وضو ٹوٹنا تین شرطوں کے ساتھ ناقض ہے۔

۱......چھونے والا بالغ ہو۔

۲......چھوا جانے والا شخص ایسا ہو کہ عادتاً اس سے شہوت حاصل کی جاسکتی ہو۔

۳......چھونے والا بالقصد لذت حاصل کرے یا شہوت پائے خواہ بلا قصد صرف سوچنے اور غور کرنے سے حاصل ہونے والی لذت سے وضو نہیں ٹوٹے گا خواہ عضو تناسل میں انتشار پیدا ہو جائے جب تک کہ وہ بالفعل لذت حاصل نہ کرے (یعنی ہاتھ وغیرہ سے) اسی طرح بہت چھوٹی بچی جس سے شہوت حاصل نہ کی جاتی ہو یا جانور یا داڑھی والے مرد کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ داڑھی والے مرد سے عموماً شہوت نہیں حاصل کی جاتی ہے جب اس کی ڈاڑھی نکل آئے۔

حنابلہ مشہور قول کے مطابق فرماتے ہیں کہ عورتوں کی کھال کو بلا حائل چھو لینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اگر چھوا جانے والا شخص عادتاً شہوت کے قابل ہو بچہ یا بچی نہ ہو خواہ وہ چھوا جانے والا میت ہو، بوڑھی عورت ہو محرم ہو یا قابل شہوت چھوٹی بچی ہو اور یہ وہ بچی ہوتی ہے جو سات سال

یا زائد عمر کی ہو چنانچہ اجنبی اور محرم، بڑی اور چھوٹی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بال ناخن اور دانت چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے اور نہ ہی کٹے ہوئے عضو کے چھونے سے کیونکہ اس کی حرمت ختم ہو چکی ہوتی ہے اور نہ ہی امرد (بے ریش لڑکے) کو چھونے سے وضو ٹوٹے گا خواہ شہوت سے چھوا جائے اور نہ ہی خنثیٰ مشکل (وہ ہیجڑہ جس میں مردانہ اور زنانہ دونوں اوصاف برابر پائے جائیں) مرد کے مرد کو چھونے اور عورت کے عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا خواہ شہوت کے ساتھ یہ عمل ہو اور اگر کسی کا وضو عورت کے چھونے سے نہ ٹوٹتا ہو (یعنی کوئی شرط نہ پائی جانے کے سبب) تو وضو کر لینا پھر بھی مستحب ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان تین مذاہب (حنفیہ، حنابلہ اور مالکیہ) کے ہاں وضو اس عام چھونے اور لمس کرنے سے نہیں ٹوٹتا جو عام اور عادتاً ہوا کرتا ہے۔

دلائل..... ان حضرات کی دلیل مندرجہ ذیل ہے۔

ا..... فرمان خداوندی ''اولمستم النساء'' (یاتم نے عورتوں کو چھوا ہو۔ سورۃ النساء، آیت نمبر ۶) اور لمس کہتے ہیں کھال کے ملنے کو احناف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جنہیں ترجمان القرآن کہا جاتا ہے سے منقول قول کو اختیار کیا ہے کہ لمس سے مراد جماع ہے اور ابن السکیت سے منقول قول کو بھی ان حضرات نے لیا ہے کہ لمس جب عورتوں کے بارے میں بولا جائے تو اس سے مراد ہم بستری ہوتی ہے، عرب کہا کرتے ہیں ''لمست المراۃ'' مراد ہوتی ہے میں نے عورت سے ہم بستری کی۔ تو اس آیت میں لمس کے مجازی معنی مراد لینا ضروری ہیں اور وہ یہ کہ لمس سے مراد ہم بستری ہو، اور اس کا قرینہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جو آگے آرہی ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ جنہوں نے لمس کو اس صورت میں ناقض وضو مانا ہے کہ جب وہ شہوت کے ساتھ ہو، تو یہ حضرات آیت اور احادیث کو مجموعی طور پر اختیار کرتے ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ سے منقول ہیں۔

۲..... دوسری دلیل ان حضرات کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کو بوسہ دیتے اور اس کے بعد بلا وضو نماز ادا کر لیا کرتے۔❶

۳..... تیسری دلیل بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کر رہے ہوتے تھے اور میں آپ کے سامنے ایسے لیٹی ہوتی تھی جیسے جنازہ رکھا ہوتا ہے آپ جب وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو مجھے اپنے پاؤں سے ہلا دیتے❷ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کا چھونا ناقض وضو نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ آپ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پاؤں سے چھونا بلا حائل ہوتا ہوگا۔

۴..... چوتھی دلیل بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے کہ میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہیں پایا میں نے آپ کو ٹٹولا تو میرے ہاتھ آپ کے تلووں پر لگے اور آپ مسجد میں تھے دونوں پاؤں کھڑے تھے اور آپ فرما رہے تھے: اللھم انی أعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك واعوذبك منك لااحصی ثناء علیك انت كما اثنیت علی نفسك❸ یہ بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ چھونا ناقض وضو نہیں۔

شوافع فرماتے ہیں اجنبی نامحرم عورت کو چھو لینے سے مرد کا وضو ٹوٹ جاتا ہے خواہ وہ مردہ ہی کیوں نہ ہو اگر ان کے درمیان کوئی حائل نہ ہو، وضو چھونے والے اور چھوئے جانے والے دونوں کا ٹوٹ جائے گا خواہ وہ بوڑھی کھوسٹ عورت ہو یا بڈھا کھوسٹ مرد ہو اور خواہ بلا قصد چھوا

---

❶..... یہ حدیث ابوداؤد، نسائی، امام احمد اور ترمذی نے روایت کی ہے یہ مرسل ہے امام بخاری نے اسے ضعیف کہا ہے اس کے تمام طریقے معلول ہیں علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس باب میں کوئی صحیح روایت منقول نہیں ہے، اور اگر صحیح ثابت بھی ہو تو وہ اس پر محمول ہوگی کہ یہ اس وقت کا حکم ہے کہ جب عورت کے لمس سے وضو ٹوٹنے کا حکم نہیں تھا۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۵۔ ❷ بروایت نسائی۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح ہیں، نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۶۔ ❸ بروایت مسلم و ترمذی، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، بیہقی نے بھی اسے روایت کیا ہے، حوالہ بالا اور نصب الرایہ ج ۱ ص ۷۰۔ ۷۵۔

ہو بالوں ناخن اور دانتوں کو چھونا یا کسی حائل کے درمیان میں ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے مرد اور عورت سے مراد ہے وہ مرد اور عورت جو عرف اور عادت کے لحاظ سے حد شہوت تک پہنچ چکے ہوں یعنی سلیم الطبع افراد کے ہاں وہ قابل شہوت شمار ہوں۔ اور محرم سے مراد ہے وہ جس کا نکاح نسب رضاعت یا سسرالی رشتہ داری کے سبب حرام ہو۔ اس تفصیل کے مطابق اتنے چھوٹے بچوں اور بچیوں کا چھونا جن میں سے کوئی ایک عرفاً اہل سلیم الطبع کے ہاں قابل شہوت نہ ہو ناقض وضو نہیں سات سال وغیرہ کے ذریعے تحدید نہیں کی جائے گی، کیونکہ چھوٹے بچوں اور بچیوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس میں بھی اختلاف اور کمی بیشی ہوتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ شہوت کے ہونے کا گمان اس صورت میں نہیں ہوتا ہے۔ اور محرم خواہ نسب کے ذریعے ہو یا رضاعت یا سسرالی رشتے کے ذریعے اس کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے کیونکہ وہاں احتمال شہوت نہیں ہوتا جیسے ساس۔

وضو کے ٹوٹنے کا سبب یہ ہے کہ چھونا تلذذ کا احتمال رکھتا ہے جو کہ شہوت کا بھڑکانے والا کام ہوتا ہے اور ایسا عمل پاکی حاصل کرنے والے کی حالت کے منافی ہے۔

ان حضرات کی دلیل ملامست کے حقیقی لغوی معنی پر عمل درآمد ہے جو اس آیت میں ہے **اولمستم** (سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶) اور اس کے معنی ہیں ہاتھ سے چھونا یا کھال کو ملانا یا ہاتھ سے چھونا دلیل اس کی یہ ہے کہ اس کی ایک قرأت "**اولمستم**" بھی ہے جو کہ واضح طور پر محض چھونے کے معنی بتاتی ہے نہ کہ جماع کے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث جس میں بوسے کا ذکر ہے تو وہ ضعیف اور مرسل ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث جو پاؤں کے چھونے کے بارے میں ہے تو اس کی تاویل یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ لمس حائل کے ساتھ ہوا ہو یا یہ کہ یہ عمل خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ لیکن اس تاویل میں تکلیف اور مخالفت ظاہر ہے۔

میری رائے کے مطابق وہ لمس جو عارضی ہو یا اچانک ہو گیا ہو یا جس میں لذت اور شہوت کا عنصر نہ ہو وہ ناقض وضو نہیں ہے وہ لمس جس کے ساتھ شہوت کا عنصر پایا جائے تو ایسا لمس ناقض وضو ہوگا۔ میرے خیال میں یہ راجح ترین رائے ہے۔

۷۔ **شرمگاہ کا چھونا، یعنی اگلی اور پچھلی شرمگاہ**...... احناف کے ہاں شرمگاہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ جمہور کے ہاں اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان دونوں مذاہب کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

احناف فرماتے ہیں کہ شرمگاہ چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ دلیل اس کی حضرت طلق بن علی کی روایت کردہ حدیث ہے آدمی اپنے عضو کو چھوتا ہے کیا اس پر وضو ہوگا۔ آپ نے فرمایا یہ تو تمہارے بدن کا ایک ٹکڑا ہے[1] اسی طرح حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت، حضرت عمران بن حصین، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت ابو الدرداء اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول ہے کہ یہ حضرات عضو تناسل کو چھونے کو ناقض وضو نہیں سمجھتے تھے حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے مجھے کوئی پروا نہیں کہ میں اس کو چھوؤں یا ناک کی نوک کو چھوؤں۔

مالکیہ فرماتے ہیں وضو عضو تناسل کو چھونے سے ٹوٹ جاتا ہے مقعد کو چھونے سے نہیں اور عضو تناسل کا چھونا اس وقت ناقض شمار ہوگا جب وہ جسم سے لگا ہوا ہو کٹا ہوا عضو نہیں۔ اس عضو کو خواہ کسی بھی حصے سے چھوا ہو اس سے لذت ہو یا نہ ہو، بھول کر یا جان بوجھ کر بلا حائل ہتھیلی سے یا ہاتھ کے دائیں بائیں جانب سے (اطراف سے) یا انگلیوں کے اندرونی حصے سے یا ان کے اطراف سے چھوئے ان کی اوپر کی طرف سے نہیں۔ اور خواہ وہ انگلی زائد ہو بشرطیکہ اس میں حس ہو اور اس سے وہ تصرف کرتا ہو جیسے دوسری انگلیوں سے کرتا ہے۔ اور یہ اس

---

[1]...... یہ حدیث امام ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی امام احمد اور دارقطنی نے مرفوعاً روایت کی ہے، ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث اس باب میں سب سے احسن روایت ہے نصب الرایہ ج ۱ ص ۶۰ اور بعد کے صفحات۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۸۔

وقت ہے کہ جب وہ بالغ ہو بچے کا اپنے عضو کو چھونا ناقض وضو نہیں یعنی مس ذکر اس وقت ناقض ہے جب بالغ شخص اپنی انگلیوں اور ہاتھ کی اندر کی جانب سے مس کرے۔

مقعد کے حلقے یا کپورے چھونے سے یا عورت کے اپنی شرمگاہ چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا خواہ وہ لذت کے حصول کے لئے ایسا کرے یعنی اپنی ایک یا زائد انگلیوں کو اپنی شرمگاہ میں داخل کردے،اس طرح بچے کا اپنے عضو کو چھونا یا بڑے کا دوسرے کے عضو کو چھونا ناقض وضو نہیں۔

ان کی دلیل یہ حدیث ہے جو اپنے عضو کو چھوئے تو وہ اس وقت تک نماز نہ پڑھے جب تک وضو نہ کرلے [1] اور یہ حدیث جو اپنے ہاتھ کو عضو تک لے جائے اس طرح کہ دونوں کے درمیان حائل نہ ہو تو اس پر وضو لازم ہوگا۔ [2]

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ انسان کی شرمگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے،عضو تناسل ہو یا مقعد ہو یا عورت کی اگلی شرمگاہ ہو اپنا عضو ہو یا دوسرے کا، بچے کا یا بڑے کا زندہ کا یا مردہ کا۔مقعد کو عضو تناسل پر قیاس کرنا امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب جدید ہے،شرط یہ ہے کہ ہاتھ کے اندرونی طرف سے ہو یعنی ہتھیلی اور انگلیوں کے اندرونی طرف سے یہ مس ہو ہتھیلی کے باہر کی طرف سے اطراف سے اور انگلیوں کے سرے یا ان کے بیچ سے جو معمولی سے دباؤ کے بعد جو بچتا ہو وہ حصہ یعنی ناقض وضو وہ مس ہے جو دو ہتھیلیوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر معمولی سا دبانے سے ایک دوسرے سے ملتا ہوا اس حصے سے کیا جائے۔انگوٹھوں میں ایک کا اندرونی حصہ دوسرے کے اندرونی حصے پر رکھا جائے۔اور اگر تحامل (دباؤ) زیادہ ہو تو غیر ناقض زیادہ ہوگا اور ناقض کم ہوگا۔اس مسئلے میں شوافع مالکیہ کے ساتھ متفق ہیں کیونکہ ہاتھ کی پشت چھونے کا آلہ نہیں تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے اپنی ران سے چھونا۔

حنابلہ کے ہاں ہتھیلی کا اندر کا حصہ اور پشت حکم میں ایک ہے دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو پہلے گذری جس میں ہاتھ پہنچانے کا بیان ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ اپنی شرمگاہ تک لے جائے اور دونوں کے درمیان حائل نہ ہو تو وہ شخص وضو کرے اور ہاتھ کی پشت بھی ہاتھ میں داخل ہے،اور افضاء کا مطلب ہے ہاتھ بلا حائل لگانا۔

شوافع اور حنابلہ کی دلیل گذشتہ دونوں حدیثوں کا مجموعہ ہے حدیث بسرہ بنت صفوان اور حدیث ام حبیبہ کہ جو شخص اپنے عضو کو چھووے وہ وضو کرے اور دوسرے الفاظ میں ہے جو اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے اور حضرت ابوہریرۃ والی حدیث جب تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ عضو تک لے جائے تو اس پر وضو واجب ہے اور دوسرے الفاظ یہ منقول ہیں جب تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ اپنی شرمگاہ تک لے جائے......اور شرمگاہ (فرج) اگلی اور پچھلی شرمگاہ دونوں کو شامل ہے،اور مقعد بھی دو شرمگاہ میں سے ایک ہے،تو وہ عضو کے مشابہ ہوگا۔

عورت کو چھونے سے وضو کا مطلقاً ٹوٹنا حدیث بسرۃ اور ام حبیبہ کی وجہ سے ہے،کہ جو اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے اور حضرت عمرو بن شعیب کی اپنے دادا سے بواسطہ اپنے والد روایت کردہ حدیث ہے کہ جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو وہ وضو کرے، جو عورت اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے [3] میرے نزدیک راجح احناف کے علاوہ جمہور فقہاء کا مذہب ہے کیونکہ حضرت طلق بن علی کی حدیث ضعیف یا منسوخ ہے،اس کو امام شافعی، ابوحاتم ابوزرعہ، دارقطنی بیہقی اور ابن جوزی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ابن حبان، طبرانی، ابن عربی حازمی اور دیگر حضرات نے اس کے نسخ کا دعویٰ کیا ہے۔

---

[1] ...... یہ حدیث پانچوں حضرات (یعنی اصحاب سنن اور امام احمد) نے روایت کی ہے ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اس کو امام مالک شافعی ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ابن جارود نے روایت کیا ہے امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس بات کی اصح ترین حدیث یہی ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۷ نصب الرایہ ج ۱ ص ۵۴۔ [2] امام احمد اور ابن حبان نے اسے روایت کیا ہے ابن حبان نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح السند ہے اور اس کے راوی سب عدول ہیں نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۹، اس کو امام شافعی نے اپنی مسند میں ان الفاظ سے روایت کیا ہے اذا افضی احدکم الی ذکرہ فقد وجب علیه الوضوء۔ نصب الرایة ج ۱ ص ۵۴ اور بعد کے صفحات۔ [3] بروایت احمد وبیہقی نصب الرایہ ج ۱ ص ۵۸۔

۸۔ **نماز میں قہقہہ**..... صرف احناف کے ہاں یہ ناقض وضو ہے باقی کے ہاں نہیں وہ بھی اس صورت میں کہ نمازی بالغ ہو عمداً یہ حرکت ہوئی ہو یا سہواً مقصود نمازی کو تنبیہ اور توبیخ کرنا ہے کیونکہ یہ عمل مناجات خداوندی کے منافی ہے۔ چنانچہ بچے کی نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ وہ اہل زجر و توبیخ میں سے نہیں ہے۔ قہقہہ وہ ہنسی ہے جو آس پاس کے لوگوں کو سنائی دے اور ضحک وہ ہے جو وہ خود سنے اس کے آس پاس کے لوگ نہ سنیں قہقہے سے نماز اور وضو دونوں باطل ہو جاتے ہیں اور دوسرے (یعنی ضحک) سے صرف نماز باطل ہوتی ہے اور صرف مسکراہٹ یعنی جس میں بالکل آواز نہ ہو خواہ دانت دکھائی دیں اس سے کوئی چیز فاسد نہیں ہوتی۔

ان کی دلیل یہ حدیث ہے جو تم میں سے قہقہہ لگا کر ہنسے وہ نماز اور وضو دونوں کا اعادہ کرے ❶ احناف کے علاوہ جمہور علماء کے ہاں قہقہے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، کیونکہ یہ خارج نماز میں مفسد وضو نہیں، تو داخل نماز میں بھی مفسد نہیں ہوگا جیسے چھینک اور کھانسی۔ اس حدیث کو ان حضرات نے اس کے ضعیف ہونے اور اصول کے مخالف ہونے کی بناء پر رد کر دیا ہے اور مخالفت اصول اس طرح ہے کہ ایک چیز نماز کے باہر ناقض نہ ہو اور نماز کے اندر وہ ناقض بن جائے۔ ❷

میں جمہور کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں اس لئے کہ احناف کی حدیث ثابت نہیں ہے۔

۹۔ **اونٹ کا گوشت کھانا**..... صرف حنابلہ کے ہاں، دوسرے حضرات کے ہاں نہیں، اونٹ کا گوشت کسی بھی حالت میں کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، کچا ہو یا پکا، جانتا ہو یا ناواقف ہو۔ دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹوں کے گوشت کے بارے میں پوچھا گیا، آپ نے فرمایا ان کی وجہ سے وضو کیا کرو، بکریوں کے گوشت کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا اس کی وجہ سے وضو نہیں کیا جائے گا ❸ اور حضرت اسید بن حضیر نے حدیث نقل کی ہے کہ اونٹ کے گوشت کی وجہ سے وضو کیا کرو اور بکریوں کے گوشت کی وجہ سے وضو نہ کیا کرو ❹ حنابلہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں اونٹوں کا گوشت کھانے کی وجہ سے وضو واجب ہونا ایسی بات ہے جو محض تعبداً (بطور عبارت) انجام دینی ضروری ہے، اس کے سبب کو عقلاً نہیں جا سکتا ہے۔ لہٰذا یہ حکم اس کے علاوہ کی طرف متعدی ہوگا بھی نہیں لہٰذا اونٹ کا دودھ پینے اس کے گوشت کا شوربہ پینے، اس کا جگر، کلیجی، کوہان، کھال اور اوجھڑی کھانے سے وضو کرنا لازم نہیں ہوگا۔

حنابلہ کے علاوہ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اونٹوں کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری معاملہ یہ تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز استعمال کرنے کے بعد وضو نہیں کیا کرتے تھے (یعنی آگ پر پکی ہوئی) یا آگ کو چھوئی ہوئی چیز دوسری بات یہ ہے کہ یہ دوسری کھائی جانے والی اشیاء کی طرح ایک چیز ہے۔

میرے نزدیک جمہور کی رائے راجح ہے کیونکہ ہر زمانے کے تمام فقہاء عہد اول کے بعد اس بات پر متفق ہیں کہ آگ کی چھوئی ہوئی چیز کے استعمال سے وضو کے واجب ہونے کا حکم ساقط ہے کیونکہ اس کا خلفاء راشدین کا عمل ہونا ثابت ہے بلکہ حنابلہ بذات خود جمہور کی حدیث کو اختیار کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ایسی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا جس کو آگ لگی ہو۔

---

❶ اس کی کچھ روایات مسند ہیں اور کچھ مرسل مسند میں سے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے جو طبرانی نے نقل کی ہے۔ حضرت انس حضرت نقل کی ہے حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بروایت دارقطنی حدیث حضرت ابن عمر بروایت ابن عدی، اور حضرت انس حضرت جابر، حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابوالملیح کی روایت دارقطنی نے نقل کی ہے۔ لیکن یہ تمام احادیث ضعیف ہیں مرسل احادیث چار ہیں (۱) ابوالعالیہ کی مرسل حدیث (۲) ابوالملیح جہنی کی حدیث (۳) ابراہیم نخعی کی مرسل حدیث (۴) حسن بصری کی مرسل حدیث نصب الرایہ ج ۱ ص ۴۷۔۵۴۔ ❷ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۳۹۔ ❸ بروایت مسلم وابوداؤد، مسلم اور احمد نے حضرت جابر بن سمرہ سے بھی اسی طرح روایت کی ہے یہ دونوں صحیح حدیثیں ہیں ❹ بروایت اسحٰق وامام احمد امام احمد نے اس کو صحیح کہا ہے ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمرو سے بھی ایسی حدیث روایت کی ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۰۰۔

۱۰۔ میت کا نہلانا...... اکثر حنابلہ کے ہاں میت کے نہلانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے پوری میت یا کچھ حصہ نہلانے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ خواہ نہلائی جانے والی میت بچے کی ہو یا بڑے کی مرد کی ہو یا عورت کی مسلمان کی ہو یا کافر کی۔ دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور جو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ وہ میت نہلانے والے کو وضو کا حکم دیا کرتے تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اس میں کم از کم وضو ہے اور اس میں غالب یہ ہے کہ اس کا ہاتھ میت کی شرمگاہ پر پڑنے سے محفوظ نہیں رہ سکتا ہے۔

اکثر فقہاء فرماتے ہیں کہ میت کو نہلانے سے وضو لازم نہیں یہ قول صحیح ہے کیونکہ اس بارے میں کوئی شرعی نص منقول نہیں اور نہ وہ منصوص علیہ کی قبیل میں سے ہے (یعنی نہ وہ اس قسم کے مسائل میں سے ہے کہ اس کے بارے میں نص آئی ہو) اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ آدمی کو نہلانا ہے تو یہ زندہ کے نہلانے کے مشابہ ہوا۔

علامہ ابن رشد نے ان آخری تین نواقض پر تبصرہ کرتے ہوئے کتنی بہترین بات فرمائی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے شاذ قول اختیار کیا اور انہوں نے ابوالعالیہ کے مراسیل کی بناء پر نماز میں ہنسنے سے وضو لازم قرار دیا...... اور ایک قوم نے شاذ قول اختیار کرتے ہوئے میت کو اٹھانے کی وجہ سے وضو لازم قرار دیا ہے اور اس بارے میں ایک ضعیف روایت ہے کہ جو میت کو غسل دے وہ خود غسل کرے اور جو اس کو اٹھائے وہ وضو کرے ❶ اہل حدیث کی ایک قوم نے اس بات کو اختیار کیا کہ وضو اونٹوں کے صرف گوشت کھانے سے واجب ہوتا ہے ❷ ان حضرات میں امام احمد امام اسحٰق اور ان کے علاوہ کچھ لوگ ہیں ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ثابت ہے۔ ❸

۱۱۔ وضو میں شک واقع ہونا...... مالکیہ مشہور مذہب کے مطابق فرماتے ہیں کہ جس شخص کو طہارت کا یقین ہو یا اس کا گمان ہو پھر اس کو حدث کے بارے میں شک ہو جائے تو اس پر وضو لازم ہے اور اگر حدث یقینی ہو اور طہارت میں شک ہو تو اس پر وضو لازم ہے کیونکہ ذمہ بدستور لازم ہے تو وہ یقین کے حصول کے بغیر ذمہ سے بری نہیں ہوگا۔ مالکیہ کے علاوہ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ وضو شک سے نہیں ٹوٹتا ہے، تو جس کو طہارت کا یقین ہو اور حدث میں شک ہو یا حدث کا یقین ہو اور طہارت کا شک ہو تو وہ یقینی صورتحال پر عمل کرے پہلی صورت میں طہارت اور دوسری صورت میں حدث یقینی ہے دلیل اس کی حضرت عبداللہ بن زید کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کا قضیہ پیش کیا گیا کہ اس کو نماز میں خیالات آتے ہیں کہ اس کا کچھ نکل گیا ہے آپ نے فرمایا اس وقت تک نہ ہٹے جب تک آواز یا بو نہ سونگھ لے ❹ دوسری بات یہ ہے کہ جب اس کو شک ہوا تو دونوں امور قابل سقوط ہو گئے جیسے جب دو عمارتیں ٹکراتی ہیں تو گر جاتی ہیں (تو اس صورت میں بھی دونوں متعارض ہوئے تو دونوں کالعدم شمار ہوئے) اور یقین پر عمل درآمد ضروری ہو گیا اور اسی بناء پر فقہاء نے یہ عام اور اصولی قاعدہ وضع فرمایا ہے کہ:

اليقين لايزول بالشك

یقین شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا۔

۱۲۔ غسل واجب کرنے والی اشیاء...... حنابلہ فرماتے ہیں کہ موت کے علاوہ ہر وہ چیز جو غسل لازم کرتی ہیں ان سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے، موت غسل واجب کرتی ہے مگر وضو نہیں غسل کے واجب کرنے والی چیزوں میں سے یہ چیزیں ہیں:

---

❶ ......بروایت ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجه۔ ❷ لیکن ان کے یہاں میت اٹھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ بعض کتابوں میں ان کی طرف یہ جو منسوب ہے وہ اس کے برخلاف ہے۔ ❸ بداية المجتهد ج ۱ ص ۳۹۔ ❹ یہ حدیث متفق علیہ ہے اس کو ترمذی کے علاوہ وہ اصحاب صحاح ستہ نے روایت کیا ہے امام مسلم نے اسی طرح کی ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ نہیں وهو في الصلاة۔

۱.....دونوں ختنوں کی جگہوں (مرد اور عورت کی) کا ملنا۔

۲.....منی کا منتقل ہونا۔

۳.....کافر کا اسلام لانا، خواہ اصلی کافر ہو یا مرتد ہو، مرتد اگر دوبارہ اسلام لے آئے۔

تو اس پر غسل واجب ہوگا، اور جب غسل واجب ہوگا تو وضو بھی واجب ہوگا مرتد ہو جانے سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ وہ اعمال کو حبط کرنے والا عمل ہے اور اعمال میں سے وضو اور غسل بھی ہیں، یہ مالکیہ کی رائے کے موافق ہے احناف اور شوافع کے ہاں مرتد ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔

نواقض وضو کے بارے میں مزید اضافی گفتگو.....یہ نواقض وضو اُن تمام لوگوں کے بارے میں مشترک ہیں جو طہارت حاصل کئے ہوئے ہوں خواہ انہوں نے موزوں پر مسح کیا ہوا ہو یا کچھ اور۔ وضو کے کچھ نواقض ایسے ہیں جو خاص ہیں جیسے مسح علی الخفین (موزوں پر مسح) اور اس جیسے دیگر مسح وغیرہ کا مدت ختم ہو جانے پر ختم ہو جانا یا ان موزوں وغیرہ کے اتار لینے سے وضو کا ختم ہو جانا۔ اسی طرح مستحاضہ اور دیگر معذورین کی طہارت کا جیسے پیشاب کے قطروں کا مریض وغیرہ وقت نکل جانے سے ختم ہو جانا اور تیمم کرنے والے کی طہارت کا پانی کے مل جانے کی صورت میں کالعدم ہو جانا وغیرہ ان مباحث کو میں ان سے متعلق خاص مباحث میں بیان کروں گا۔ حرام گفتگو سے وضو نہیں ٹوٹتا جیسے جھوٹ، غیبت، تہمت اندازی اور گالی گلوچ وغیرہ تاہم اس طرح کے کاموں کے بعد وضو مستحب ہے بال اتارنے ناخن تراشنے وغیرہ سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔

مذاہب اربعہ کی رو سے نواقض وضو کا خلاصہ

۱۔ مذہب حنفی.....وضو کو بارہ اشیاء توڑ دیتی ہیں۔

۱.....دونوں راستوں سے نکلنے والی کوئی بھی چیز ماسوائے صحیح قول کے مطابق اگلی شرمگاہ سے نکلنے والی ریح۔

۲.....نفاس کے خون نکلے بغیر بچے کی ولادت۔

۳.....دونوں راستوں کے علاوہ جگہ سے نکلنے والی بہتی ہوئی نجاست جیسے خون، پیپ، قے پانی کھانے یا جمے ہوئے خون کی یا صفراوی پانی کی اگر وہ منہ بھر کر ہو اور منہ بھر کر قے کا مطلب صحیح قول کے مطابق یہ ہے کہ اتنی مقدار جو منہ میں بڑی دقت اور مشکل سے سما سکے اور اگر سبب ایک ہی متلی ہو تو متفرق طور پر ہوئی قے جمع کی جائے گی ❶ (یعنی جو تھوڑی تھوڑی ہوئی ہے وہ جمع کر کے اس پر حکم لگایا جائے گا۔

۴.....منہ میں نکلنے والا وہ خون جو تھوک پر غالب آ جائے یا اس کے برابر ہو۔

۵۔ پہلو کے بل یا ٹیک لگا کر یا ایسی چیز کا سہارا لے کر سونا جو ہٹائے جانے پر سونے والا گر پڑے یعنی ایسی نیند جس میں سونے والے کا مقعد زمین پر نہ ہو۔

۶.....زمین پر سونے والے شخص کا مقعد زمین سے اس کے سونے سے پہلے اٹھ جانا خواہ وہ شخص زمین پر نہ گرے۔

۷.....بے ہوشی۔

۸.....جنون۔

❶..... یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے جو کہ صحیح ہے، سبب کے متحد ہونے کا مطلب متلی کا ایک وجہ سے ہونا ہے، اگر ایک وقت کی متلی سے چار پانچ دفعہ تھوڑی تھوڑی قے ہو تو وہ ایک شمار کی جائے گی۔

۹.....نشہ آوری۔

۱۰.....بالغ جاگتے ہوئے شخص کا رکوع اور سجدے والی نماز میں قہقہہ لگانا خواہ اس سے مقصود بالارادہ نماز سے نکلنا ہی ہو۔

۱۱.....عضو تناسل کا انتشار کی حالت میں عورت کی اگلی شرمگاہ سے متصل ہونا۔

دس چیزیں وضو نہیں توڑتی ہیں۔

۱.....وہ خون جو اپنی جگہ سے نہ بہے۔

۲.....گوشت کا بغیر خون بہے کٹ کر گر جانا۔

۳.....کیڑے کا زخم، ناک، اور کان سے نکلنا۔

۴.....عضو تناسل کا چھونا۔

۵.....عورت کا چھونا۔

۶.....قے کا منہ بھر کر نہ ہونا۔

۷.....بلغم کی قے کا ہونا خواہ زیادہ مقدار میں ہو۔

۸.....سونے والے کا جھومنا اس طرح کہ اس کے مقعد کا زمین سے ہٹ جانے کا شبہ ہو۔

۹.....جم کر بیٹھے ہوئے شخص کی نیند خواہ ایسی چیز پر ٹیک لگا کر ہو جو ہٹانے سے ہٹ سکے۔

۱۰.....نمازی کی نیند خواہ رکوع اور سجدے کی حالت میں ہو۔

۲۔ مالکیہ کا مذہب.....نواقض وضو تین قسم کے ہیں:

۱.....احداث ۲.....اسباب ۳.....مرتد ہونا یا طہارت کے بارے میں شک ہونا۔

احداث کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا ہے جو دونوں راستوں سے نکلتی ہوں اور وہ آٹھ اشیاء ہیں:

۱.....پیشاب ۲.....پاخانہ ۳.....ریح با آواز یا بلا آواز

۴.....ودی (پیشاب کے بعد نکلنے والا گاڑھا سا پانی) ۵.....مذی (لذت کی کیفیت کے موقع پر نکلنے والا پانی)

۶.....ودی، عورت کی شرمگاہ سے بوقت ولادت نکلنے والا پانی۔

۷.....استحاضہ کا خون اور اس کی قبیل کی اشیاء یعنی پیشاب کے قطرے ٹپکنے کی کیفیت میں ٹپکنے والے قطرے بشرطیکہ کبھی کبھی نکلتے ہوں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ نکلنے کی کیفیت نماز کے اوقات کے نصف یا اس سے زیادہ وقت پر محیط نہ ہو اور اگر یہ کیفیت آدھے یا زیادہ وقت تک محیط ہو کہ اتنی مدت میں قطرے ٹپکتے ہوں تو وہ قطرے ناقض نہیں کہلائیں گے۔

۸..... مرد کی وہ منی جو عورت کی شرمگاہ سے غسل جنابت کرنے کے بعد نکلے۔[1]

وہ چیزیں جو عادتاً ان راستوں سے نہ نکلتی ہوں ان کا نکلنا ناقض وضو نہیں جیسے خون، پیپ کنکر اور کیڑا اسی طرح ان راستوں کے علاوہ دیگر غیر عادی جگہوں سے نکلنے والی چیز بھی ناقض نہیں ہوگی جیسے ہوا یا پاخانے کا اگلی شرمگاہ سے نکلنا یا مقعد سے پیشاب کا نکلنا منی کا بلا لذت نکلنا، یعنی وہ عادی لذت جو منی کے نکلتے وقت ہوتی ہے اس کے بغیر نکل جان اس طرح کہ یا تو لذت ہو ہی نہیں یا غیر معتاد طریقے پر ہو جیسے خارش کے لئے کھجانے والے کی منی کا یا اس شخص کی منی کا نکل جانا جس کو کسی جانور وغیرہ نے ٹکر ماری ہو۔ اور جو منی عادی لذت کے ساتھ نکلے جیسے

---

[1] ..... مالکیہ کی بیان کردہ تفصیل کی مزید تشریح یوں سمجھیں کہ آٹھ احداث میں سے دو مقعد سے ہیں (۱) پاخانہ (۲) ریح اور چھ اگلی شرمگاہ سے ہیں۔ (۱) پیشاب (۲) مذی (۳) ودی (۴) بعض صورتوں میں منی (۵) ودی (۶) استحاضہ وغیرہ جیسی چیزیں مخصوص شرط کے ساتھ۔

جماع سے، چھونے سے یا غور وفکر کرنے سے منی نکل آئے تو وہ موجب غسل ہوگی۔ وہ پیشاب پاخانہ یا ریح جو معدہ کے اوپر بنے ہوئے سوراخ سے نکلنے وہ ناقض وضو نہیں خواہ دونوں راستے بند ہوں یا کھلے ہوں اور معدے کے نیچے بنے ہوئے سوراخ سے نکلے والی یہ چیزیں اس وقت ناقض وضو ہوں گی جب دونوں راستے بند ہوں، اسی طرح دونوں راستے بند ہو جانے کے بعد منہ کے راستے پاخانہ یا پیشاب آنے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

۲۔ اسباب:...... یہ تین طرح کے ہیں:

۱..... عقل کا زائل ہو جانا۔

۲..... بالغ شخص کا کسی قابل شہوت شخص کو چھو لینا۔

۳..... بالغ شخص کا اپنے عضو تناسل کو ہاتھ کے اندرونی حصے یا ہاتھ کی ایک جانب سے یا انگلی سے بلا حائل چھو لینا۔ خواہ حائل ہلکا ہی کیوں نہ ہو۔ حائل اس وقت کالعدم شمار ہوگا جب وہ اتنا پتلا حائل ہو کہ اس کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہو، عقل کا زائل ہونا، جنون، بے ہوشی یا گہری نیند سے ہوتا ہے خواہ یہ نیند تھوڑے عرصے کی ہو۔ منہ پر چومنا ناقض وضو ہے خواہ بلا شہوت ہو۔ مرتد ہونا ناقض وضو ہے اور طہارت کے یقینی ہونے کے بعد یا غیر یقینی ہونے کی کیفیت میں شک ہونا، یعنی حدث کا یقین ہوا ہو یا محض ظن ہو کہ طہارت نہیں ہے۔ یہ دونوں امور ناقض وضو ہیں جب کہ دونوں نہ احداث میں سے ہیں نہ اسباب میں سے۔

۳۔ مذہب شوافع...... نواقض وضو چار قسم کے ہیں:

۱..... دونوں راستوں سے نکلنے والی چیز ماسوا منی کے یعنی انسان کی اپنی منی، کہ اس سے غسل واجب ہوتا ہے وضو نہیں۔

۲..... عقل کا زائل ہو جانا خواہ جنون کے ذریعے یا بے ہوشی کے سبب یا نیند کی وجہ سے۔ ماسوا اس نیند کے جس میں سونے والا اپنی مقعد اپنی جگہ جما کر بیٹھے جیسے زمین وغیرہ پر یا چلتے جانور کی پیٹھ پر خواہ ایسی چیز کی ٹیک لگا کر بیٹھا ہو جو ہٹانے سے نہ ہٹ سکے۔

۳..... مرد اور عورت کی کھال کا ملنا خواہ مردہ ہی کیوں نہ ہوں۔ عمداً ہو یا سہوا، چھونے والے اور چھوئے جانے والے دونوں کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ ان بچے بچیوں کو چھونے سے نہیں ٹوٹے گا جو اتنے چھوٹے ہوں کہ قابل شہوت نہ ہوں ناخن بال اور دانت چھونے سے بھی نہیں ٹوٹے گا۔ اور ان محرمات کو بھی چھونے سے نہیں ٹوٹے گا جو نسب رضاعت یا سسرالی رشتے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے حرام ہوں، وہ محرمات جو عارضی طور پر حرام ہوتی ہیں جیسے سالی وغیرہ تو ان کو چھونے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

۴..... آدمی کی اگلی شرمگاہ اور مقعد کے سوراخ کا حلقہ ہاتھ کی اندرونی طرف سے چھونا اس عمل سے صرف چھونے والے کا وضو ٹوٹے گا چھوئے جانے والے کا نہیں، مردہ شخص یا بچے کی شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا مقعد کے پورے گڑے کو چھونا صرف سوراخ کو نہیں اور کٹا ہوا عضو تناسل جانور کی شرمگاہ کو چھونے سے نہیں ٹوٹے گا اور نہ ہی انگلیوں کے سروں سے چھونے سے۔

۴۔ مذہب حنابلہ...... نواقض وضو آٹھ قسم کے ہیں:

۱..... دونوں راستوں سے نکلنے والی چیز ماسوا اس شخص کی جس کا حدث دائمی ہو کہ اس شخص کا وضو نہیں ٹوٹے گا ریح خواہ مرد یا عورت کی اگلی شرمگاہ سے نکلے وہ ناقض ہوگی۔ اسی طرح روئی سلائی تیل یا شرمگاہ سے چڑھائی جانے والی دوا اس شرمگاہ سے نکلے تو وہ ناقض ہوگی اس طرح اگر آنتیں یا کیڑے کا سر نمودار ہو تو وہ ناقض ہوگا مرد کی منی یا عورت سے نکلنے والی مرد کی وہ منی جو اس نے اپنی شرمگاہ میں چڑھائی ہو اس کے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

۲..... نجاستوں کا بقیہ بدن کے کسی حصے سے نکلنا نجاست کا اگر پاخانہ یا پیشاب ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا خواہ یہ دونوں چیزیں قلیل مقدار

میں ہوں۔

معدے کے اوپر بنے ہوئے سوراخ سے نکلیں یا نچلے سوراخ سے، دونوں راستے بند ہوں یا کھلے ہوئے ہوں۔اور اگر نجاست پیشاب پاخانے کے علاوہ ہو جیسے قے خون، پیپ، زخم کا کیڑا تو اس کے زیادہ ہونے کی صورت میں وضو ٹوٹے گا اور زیادہ کا اندازہ ہر شخص کے بارے میں اس کے حساب سے ہوگا۔

۳.....عقل کا جنون وغیرہ کے ذریعے زائل ہو جانا یا عقل کا بے ہوشی یا نشے کی وجہ سے پس پردہ چلا جانا خواہ نشہ کم ہو یا زیادہ اور نیند کی وجہ سے عقل کا پس پردہ ہو جانا ماسوا اس نیند کے جو عرفا کم شمار ہو خواہ بیٹھے ہوئے شخص کی یا کھڑے ہوئے شخص کی۔رکوع سجدے کی حالت میں، ٹیک لگا کر، سہارا لے کر اور کروٹ مار کر سونے والے لوگ اگر تھوڑی سی نیند لے لیں تو ان کا وضو ایسے ہی ٹوٹ جائے گا جیسے لیٹ کر سوئے ہوئے شخص کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۴.....عضو تناسل، اگلی شرمگاہ اور مقعد کا چھونا، خواہ اپنی خواہ دوسرے کی اور خواہ بلاشہوت کے ہی، ہاتھ کی اندرونی سطح سے یا اس کی پشت سے یا اس کے اطراف سے ماسوا ناخن کے۔اور یہ چھونا بغیر حائل کے ہو اور اگر یہ ہاتھ کی زائد انگلی سے بھی چھوا گیا تو ناقض ہوگا۔چھوئے جانے والے شخص کا وضو نہیں ٹوٹے گا کٹے ہوئے عضو کو یا اس کی جگہ کو یا قلفہ (ختنے میں کاٹا جانے والا کھال کا ٹکڑا) کو کٹ جانے کے بعد چھونا ناقض عضو نہیں اسی طرح زائدہ عضو تناسل کو چھونا ناقض نہیں کیونکہ یہ فرج نہیں ہے اسی طرح عورت کا اپنی اگلی شرمگاہ کے اوپر منڈھی ہوئی کھال کے کناروں کو چھونا بھی ناقض نہیں، کیونکہ فرج کہتے ہیں حدث کے نکلنے کی جگہ ہو کو اور وہ ان دونوں کناروں کے بیچ میں ہوتی ہے نہ کہ خود یہ دونوں کنارے۔

۵.....مرد کی کھال کا عورت کی کھال کو شہوت کے ساتھ چھو لینا بشرطیکہ بلا حائل ہو۔سات سال سے کم عمر بچے اور بچی کا چھونا اگر بلاشہوت ہو تو ناقض نہیں ہے، اور شہوت کے ساتھ چھونا ناقض وضو ہے خواہ میت ہو یا بڑھیا ہو محرم ہو یا سات سال کے زائد عمر کی بچی ہو (یعنی قابل شہوت لڑکی) دلیل اس کی آیت کا یہ ٹکڑا ہے اولمستم چھوئے جانے والے کا وضو نہیں ٹوٹے گا خواہ اس کی طرف سے شہوت بھی پائی جائے۔سوچنے اور بار بار دیکھنے سے انتشار کی کیفیت طاری ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، اسی طرح بال، ناخن اور دانت چھونے سے بھی نہیں ٹوٹتا ہے کیونکہ یہ بمنزلہ علیحدہ شدہ عضو کے ہوتے ہیں کٹے ہوئے عضو کو چھونا بھی ناقض وضو نہیں کیونکہ اس کی حرمت ومنزلت ختم ہو چکی ہوتی ہے۔اس طرح بے ریش لڑکے کو چھونا خواہ شہوت کے ساتھ ہو ناقض نہیں، کیونکہ آیت اس کو شامل نہیں۔مرد کا مرد کو چھونا اور عورت کو عورت کا چھونا ناقض نہیں خواہ عورتیں باہم شہوت سے چھوئیں۔

۶.....میت کو نہلانا ناقض وضو ہے خواہ میت کا کچھ حصہ ہی نہلایا ہو اور خواہ قمیض میں ہی نہلایا ہو۔میت کا تیمم نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اس کا دھونا متعذر ہے۔اور میت کو غسل دینے والا وہ ہوتا ہے جو اس کو الٹتا پلٹتا ہے اور غسل کا کام کرتا ہے خواہ ایک دفعہ ہی پانی ڈالنے والا نہلانے والا نہیں ہے۔

۷.....اونٹ کا کچا یا پکا ہوا گوشت کھانا۔

۸.....غسل واجب کرنے والے امور، جیسے شرمگاہوں کا ملنا، منی کا منتقل ہونا، اصلی کافر کا اسلام لانا یا مرتد کا اسلام لانا۔

۸۔آٹھویں بحث.....معذور کا وضو

دونوں راستوں میں سے کسی ایک سے نکلنے والی نجاست کے باعث وضو ٹوٹ جاتا ہے، اگر یہ حالت صحت میں ہو اور اگر یہ نجاست کا نکلنا بیماری کے باعث ہو تو ایسا شخص معذور کہلاتا ہے اور احناف کی تعریف کے مطابق معذور وہ شخص ہے جس کو پیشاب کے قطرے اس طرح

آتے ہوں کہ ان کا روکنا ممکن نہ ہو، یا اس کا پیٹ اس طرح جاری ہو یا اس کی ریح خارج ہوتی رہتی ہو یا اس کو مسلسل نکسیر پھوٹنے کے شکایت ہو یا زخم کا خون مستقلاً بہتا ہو یا استحاضہ کا مرض ہو❶ اسی طرح جسم سے نکلنے والا ہر وہ مادہ جو تکلیف کے ساتھ نکلے خواہ کان سے نکلے یا پستان سے یا ناف سے، خون نکلے یا خون کی آمیزش والی پیپ یا پیپ، یا وہ زخم کا پانی ہو یا دانے کا، پھنسی کا، پستان کا، آنکھ کا یا کان کا❷ معذور کے وضو اور نماز کے احکامات میں مذاہب میں مختلف تفصیلات ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ مذہب حنفی❸......معذور کا ضابطہ یہ ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو ابتدائے امر میں اس حالت میں ہو کہ اس کا عذر فرض نماز کے پورے وقت پر محیط ہو وہ اس طرح کہ وہ تمام دورا ہے میں اتنا وقت نہ پائے جس میں وہ وضو کر سکے اور حدث کے لاحق ہوئے بغیر نماز پڑھ سکے جیسے مثلاً اس کے پیشاب کے قطرات ظہر کے وقت کی ابتداء سے لے کر عصر تک جاری رہے۔ تو اگر کوئی شخص ایسی کیفیت میں مبتلا ہو جائے اور وہ اس کو رہنے لگے تو ایسے مرض کا، بعد کے حالات میں وقت نماز کے دوران کسی وقت ہونا خواہ ایک مرتبہ ہی کیوں نہ ہو کافی ہوگا، مثلاً کوئی عصر کے وقت کے دوران صرف ایک قطرہ خون دیکھے جب کہ نماز ظہر کے وقت کے دوران اس کو مسلسل خون کے قطرات آرہے ہوں اور یہ اس وقت قابل معافی نہیں ہوگا جب تک کہ ایسی صورت نہ درپیش ہو کہ مکمل نماز کا وقت اس کی وجہ سے حرج پذیر ہو یعنی ابتدائی مرحلے میں (جب کوئی معذور نہ بنا ہو) عذر کے ثابت ہونے کی یہ شرط ہے کہ وہ عذر پورے وقت کو محیط ہو، اور اس کے دوام کی شرط یہ ہے کہ اس ایک وقت کے بعد آنے والے وقت میں یہ پایا جائے خواہ ایک مرتبہ ہی پایا جائے تا کہ اس دوبارہ پائے جانے سے اس کا باقی رہنا معلوم ہو سکے اور اس عذر کے منقطع ہونے اور اس شخص کے معذور برقرار رہنے کی شرط یہ ہے کہ ایک پوری نماز کا وقت اس عذر کے بغیر گذر جائے مثلاً یہ عذر پورے وقت عصر کے دوران نہ رہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ ایسا شخص ہر فرض نماز کے وقت کے لئے وضو کرے گا ہر فرض اور نفل کے لئے نہیں۔ دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے مستحاضہ عورت ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے گی (۳) اور مستحاضہ پر باقی تمام اصحاب عذر لوگوں کو قیاس کیا جائے گا اور یہ شخص اس وضو سے جتنی چاہے فرائض نمازیں اور نوافل ادا کرے۔ اس شخص کا وضو دو شرطوں کے ساتھ باقی رہے گا۔

ا......اس شخص نے عذر کی وجہ سے وضو کیا ہو (یعنی اس کے وضو کے وقت اس کا عذر موجود ہو اور وہ اس کی نیت سے وضو کرے)۔

۲......اور اس دوران کوئی دوسرا حدث واقع نہ ہو مثلاً ریح نہ نکلے یا کسی اور جگہ سے خون نہ نکل آئے۔ معذور شخص کا وضو صرف فرض نماز کا وقت نکل جانے سے ٹوٹے گا وقت کے داخل ہونے سے نہیں چنانچہ اگر کسی شخص نے سورج نکلنے کے بعد عید کی نماز کے لئے وضو کیا اور پھر ظہر کا وقت بھی شروع ہو گیا تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ دخول وقت (وقت کا شروع ہونا) ناقض وضو نہیں اسی طرح عید کی نماز کے وقت کے خروج (ختم ہو جانے) سے بھی وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ یہ فرض نماز کا وقت نہیں ہے یہ تو ایک بالکل خالی اور فارغ وقت ہے اس وقت کے دوران نماز عید کی ادائیگی ایسی ہی ہے جیسے چاشت کی نماز کی ادائیگی (یعنی جیسے چاشت کی نماز کا کوئی خاص وقت نہیں ہوتا جیسے دوسری فرض نمازوں کا ہوتا ہے، اسی طرح عید کی نماز کا یہ کوئی خاص وقت نہیں ہے ہاں نماز عید اس کے دوران ہی ادا کی جائے گی یہ درحقیقت ایک فقہی اور اصولی مسئلہ ہے جس کے تحت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وقت نماز کے لئے ظرف ہے یا وہ مہمل ہے اس کی تفصیل آگے نمازوں کے اوقات کی بحث میں انشاء اللہ آئے گی) اور صرف اس حال میں معذور کا وضو درست ہوتا ہے کہ وہ وقت کے شروع ہونے سے قبل وضو کر لے۔ معذور شخص کا وضو وقت کے

---

❶......الدر المختار ج ۱ ص ۲۸۰ اور بعد کے صفحات۔❷ الدر المختار ج ۱ ص ۱۳۹، ۲۸۱، ۲۸۳ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲۴۔۱۲۸ مراقی الفلاح ص ۲۵ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۶۴۔❸ بروایت سبط ابن جوزی از امام ابوحنیفہ، تاہم علامہ زیلعی نے اس کو غریب جدا قرار دیا ہے، نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۰۴۔

خروج (ختم ہوجانے) سے ٹوٹتا ہے شروع ہوجانے سے نہیں ❶ لہٰذا جب وقت ختم ہوجائے تو معذور شخص کا وضوٹوٹ جائے گا۔اور دوسری نماز کی ادائیگی کے لئے وہ ازسرنو وضوکرے گا، یہ مذہب ہی حنفی کے ائمہ ثلثہ (امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد) کا ہے احناف میں سے امام زفر فرماتے ہیں کہ وہ وقت کے دخول شروع ہوجانے کی صورت میں نئے سرے سے وضوکرے گا۔اور اگر کسی نے سورج طلوع ہونے سے قبل وضوکیا تو سورج طلوع ہونے سے اس کا وضوٹوٹ جائے گا کیونکہ فرض کا وقت خارج (ختم) ہوگیا ہے اسی طرح ظہر کی نماز کے بعد وضوکرنے کے بعد عصر کا وقت شروع ہونے سے بھی وضوٹوٹ جائے گا کیونکہ ظہر کا وقت نکل گیا ہے۔

معذور شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے عذر و بیماری کو اپنی بقدر استطاعت روکنے کی کوشش کرے جیسے گدیاں (پیڈ وغیرہ جو ماہواری کے دوران خواتین استعمال کرتی ہیں) مستحاضہ کے لئے اور دوران نماز بیٹھ جانا اگر حرکت اور قیام زیادہ بہنے کا سبب بنے۔مرد کے لئے مستحب ہے کہ اگر اس کے دل میں وسوسے آئیں تو وہ گدیلا (لنگوٹ نما چیز جس میں روئی وغیرہ رکھتے ہیں) باندھے (تاکہ شبہ نہ رہے کہ کپڑے ناپاک ہیں) اور اگر قطرے صرف اس طرح رک سکتے ہوں تو ایسا کرنا واجب ہے۔

معذور شخص پر اپنا کپڑا جس پر اس کے جسم کی نکلنے والی نجاست قابل معافی مقدار سے زیادہ لگی ہوئی ہو۔دھونا لازم نہیں اگر وہ یہ سمجھتا ہو کہ اس کو اتنا وقفہ نہ مل سکے گا کہ وہ نماز بلاقطرہ ٹپکے پڑھ سکے اور اگر وہ سمجھتا ہو کہ ایک مرتبہ دھو لینے کے بعد نماز کی ادائیگی کے دوران قطرے ٹپکنے کا امکان نہیں تو اس پر وہ دھونا لازم ہے فتویٰ اسی قول پر ہے۔

۲۔ **مذہب مالکیہ** ❷......سلس وہ ہے کہ طبیعت میں بگاڑ پیدا ہوجانے کے سبب خودبخود بہہ نکلتا ہو، پیشاب ہو یا پاخانہ، ریح، یا مذی وغیرہ ہو اسی قبیل سے استحاضہ کا خون بھی ہے۔اور یہ اس صورت میں ہے کہ صاحب مرض شخص کا یہ عذر کسی طور منضبط نہ ہو پاتا ہو اور وہ شخص علاج پر بھی قادر نہ ہو اور اگر وہ منضبط ہوسکتا ہو مثلاً اس کی عادت ایسی بن جائے کہ نماز کے آخر وقت میں اس کا وہ مرض رک جاتا ہو تو اس شخص پر نماز کو آخر وقت میں پڑھنا لازم ہے اور اگر ایسا اول وقت میں ہو تو اس پر اول وقت میں ایسا کرنا لازم ہے اور اگر وہ علاج کرانے یا شادی کر لینے پر قدرت رکھتا ہو تو اس پر ایسا کرنا واجب ہے (یعنی اگر اس کو کثرت مذی کا مرض ہوگیا ہے اور وہ شادی کرسکتا ہے تو اس پر ایسا کرنا لازم ہوگا تاکہ اس کا یہ مرض کنٹرول میں آجائے) اور علاج اور شادی کے دوران کا وقت قابل معافی ہوگا۔تو سلس عرصہ دراز تک کنوارہ رہنے سے نہیں

---

❶......امام ابوحنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ معذور شخص کا وضوصرف خروج وقت سے باطل ہوگا کیونکہ وہ وقت اداء نماز کے لئے خاص کیا گیا ہے شرعاً لہٰذا طہارت کا اس سے قبل پایا جانا تاکہ وہ وقت کے داخل ہونے کے وقت نماز کی ادائیگی کرسکے ضروری ہے جیسا کہ عام اشخاص کے لئے ادائیگی نماز کے لئے طہارت کو پہلے سے کرلینا ضروری ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ وقت کا داخل ہونا طہارت کی حاجت کی دلیل ہے اور اس کا ختم ہونا (خروج وقت) حاجت کے ختم ہونے کی دلیل ہے، لہٰذا وضو حاجت کے زائل ہونے کی صورت میں ٹوٹے گا یعنی وقت کے نکلنے کے وقت نہ کہ وقت کے دخول کے وقت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وضو دونوں صورتوں میں باطل ہوگا یعنی دخول وقت اور خروج وقت دونوں صورتوں میں کیونکہ طہارت کی حاجت صرف وقت کے ساتھ خاص ہے لہٰذا وقت سے پہلے یا بعد میں طہارت (بوجہ عدم حاجت) معتبر نہیں ہوگی۔امام زفر طرفین (امام ابوحنیفہ ومحمد) کے بالکل برعکس فرماتے ہیں کہ وضوصرف وقت کے داخل ہونے سے ٹوٹے گا وقت کے خروج سے نہیں کیونکہ وقت سے قبل طہارت کی حاجت نہیں لہٰذا وقت سے پہلے وہ معتبر نہیں ہوگی۔اس باہمی اختلاف کا نتیجہ دو چیزوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ایک وہ شخص جو زوال سے قبل وضو کرے یا طلوع شمس سے قبل وضوکرے تو پہلی صورت میں طرفین کے ہاں وضو اس وقت ٹوٹے گا جب ظہر کا وقت ختم ہو اور دوسری صورت میں وقت کے نکلنے (طلوع شمس) سے ٹوٹے گا۔امام ابو یوسف کے ہاں دونوں صورتوں میں وضوٹوٹ جائے گا امام زفر کے ہاں دوسری صورت میں وضونہیں ٹوٹے گا کیونکہ ظہر کا وقت داخل نہیں ہوا ہے اور پہلی صورت میں ٹوٹ جائے گا کیونکہ ظہر کا وقت داخل ہوگیا ہے تو امام ابو یوسف وزفر دخول وقت سے طہارت کے واجب ہونے میں متفق ہیں کیونکہ یہ حاجت کا وقت ہوتا ہے، یہ قول شوافع اور حنابلہ کے موافق ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے اور یہ چاروں ائمہ احناف مستحاضہ وغیرہ کے وضو کے خروج وقت کے سبب ٹوٹ جانے پر متفق ہیں۔❷ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۳۹ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۱۶ القوانین الفقھیہ ص ۴۱

ہوا۔ یہ تو طبیعت اور مزاج کے اندر تبدیلی پیدا ہو جانے یا ٹھنڈک و بیماری کے سبب ہوتا ہے۔ مالکیہ کے ہاں وضو اس صورت میں نہیں ٹوٹتا ہے کہ پیشاب یا مذی مسلسل سلس کے طور پر نکلے اور مسلسل نکلنے کا مطلب ہے کہ وہ نماز کے آدھے یا اس سے زیادہ وقت پر محیط ہو یا پورے وقت پر ہی محیط ہوتا ہم اگر پورے وقت پر محیط نہ ہو تو وضو کر لینا مستحب ہے۔

ایسے معذور کا وضو اس صورت میں ٹوٹ جاتا ہے جب وہ طبعی طور پر پیشاب کرے (یعنی بیماری کے قطرات کے علاوہ اس کو پیشاب آئے اور وہ پیشاب کر لے تو وضو ٹوٹ جائے گا) اسی طرح اگر اس کی مذی عموماً طبعی لذت کے ساتھ نکلے اس کے دیکھنے یا غور و فکر کرنے کے سبب تو بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اس کی پہچان اس طرح ہوتی ہے کہ طبعی طور پر آنے والا پیشاب زیادہ ہوتا ہے اور اس کو روکا جا سکتا ہے اور طبعی مذی شہوت کے ساتھ ہوتی ہے اسی طرح اگر اس لفظ کو دیکھا جائے کہ اصل لفظ کیا ہے کہیں سلس لکھا ہے اور کہیں سلس کا عذر تھوڑے وقت کے لئے ہو تو بھی اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

اور اگر سلسل کا عذر ایسا ہو کہ اس کا وضو نہ ٹوٹتا ہو تو وہ اس وضو سے جتنی چاہے نمازیں ادا کر سکتا ہے جب تک دوسرا کوئی ناقض وضو نہ پایا جائے تاہم مستحاضہ اور سلسل کے لئے مستحب ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کریں لیکن یہ ان پر واجب نہیں۔

۳۔ **مذہب حنابلہ** ❶ ...... دائمی حدث میں مبتلا شخص جس کے قطرے ٹپکتے ہوں یا بکثرت مذی نکلتی ہو یا خون بہتا ہو یا مستقل ہوا خارج ہوتی ہو وغیرہ، ایسے شخص کا وضو نہیں ٹوٹتا ہے جیسے مستحاضہ عورت اور یہ حکم جب ہے کہ جب اس کا یہ حدث دائمی طور پر ہو اور نماز کے وقت کے دوران اتنی دیر کے لئے بھی منقطع نہ ہو کہ اس وقت میں وہ طہارت کے ساتھ اس کو ادا کر سکے۔ اور اگر اس کا یہ عذر و بیماری اتنی دیر منقطع رہ سکے کہ نماز اور طہارت کا وقت اس کو مل جائے تو اس پر اس حالت میں اس وقت کے دوران نماز ادا کرنا وقت کے دوران لازم ہوگی۔

اگر اس کے اس دائمی حدث سے جو اس کو ہر نماز کے وقت میں لاحق ہوتا ہے کوئی چیز نکل آئے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کو دھوئے اور اس کو باندھے پھر وضو کرے اور اس بات کا اہتمام کرے کہ وہ چیز حتی الامکان نہ نکلے اور اس کا وضو نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد ہی درست ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش سے فرمایا تھا تم ہر نماز کے لئے وضو کرو یہاں تک کہ وہ وقت آ جائے ❷ اور دوسری روایت میں ہے تم ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرو ❸ دوسری بات یہ ہے کہ یہ عذر اور ضرورت کی طہارت ہے تو یہ وقت کے ساتھ مقید رہے گی جیسے تیمم چنانچہ اگر اس نے وقت شروع ہونے سے قبل وضو کیا پھر اس سے کوئی چیز نکل آئی تو اس کی طہارت باطل ہو جائے گی مستحاضہ وغیرہ کے لئے ایک وضو سے دو فرض نمازوں کی ادائیگی درست ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمنہ بنت جحش کو ایک مرتبہ کے غسل سے دو نمازوں کی ادائیگی کا حکم دیا تھا ❹ اسی طرح آپ نے حضرت سہلہ بنت سہیل کو بھی ایسا ہی حکم دیا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایسی عورت و معذورین کا وضو آخری وقت تک باقی رہتا ہے اور تیمم کرنے والے کو بھی ایسا کرنے کی اجازت ہے تو ایسے شخص کو بطریق اولیٰ ایسا کرنے کی اجازت ہوگی۔ اور اگر عذر ختم ہو جائے جیسے مثلاً مستحاضہ کا خون ایسے وقت میں آ نا رک جائے کہ اس کو نماز کا اور وضو کر لینے کا وقت مل جائے تو طہارت باطل ہو جائے گی اور اس پر اس طہارت کو از سر نو کرنا لازم ہوگا۔ کیونکہ عذر کے اس طرح منقطع ہونے سے وہ ان لوگوں کے حکم میں ہو گیا جن کا حدث دائمی نہیں ہوتا ہے۔

معذور کا وضو کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً مستحاضہ پہلے محل نجاست کو دھوئے پھر روئی وغیرہ جیسی کوئی چیز رکھے تاکہ خون رک سکے اور قطرے یا مذی کے آنے کے مریض کو چاہئے کہ وہ محل نجاست کو دھوئے اور عضو تناسل کو کسی کپڑے وغیرہ سے باندھ لے اور حتی الامکان اس کی دیکھ بھال کرے۔ اسی طرح وہ شخص بھی جس کی ریح نکلتی ہو یا خون بہتا ہو اس جگہ کو باندھ دے تاکہ کم سے کم وہ چیز نکلے اور اگر وہ ایسی چیز ہو جس

---

❶ ..... کشف القناع ج ۱ ص ۱۳۸۱، ۲۴۷ اور بعد کے صفحات، المغنی ج ۱ ص ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ❷ بروایت احمد ابوداؤد ابن ماجہ اور ترمذی امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۷۵۔ ❸ امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ❹ صحیح قرار دیا ہے۔

کا باندھنا ممکن نہ ہو مثلاً ایسا زخم ہو یا اسیر ہو یا ایسا ناسور ہو گیا ہو جس کا باندھنا ممکن نہ ہو تو اپنی اس حالت کے ساتھ نماز ادا کرے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب آپ کو نیزہ وغیرہ مارا گیا تو آپ نے اس حالت میں نماز ادا کی کہ آپ کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔

معذور شخص نماز کو اپنے لئے مباح کرنے کی نیت کرے رفع حدث کی نیت نہ کرے کیونکہ دائم الحدث ہونے کی بناء پر یہ نیت درست نہیں۔

۴۔ مذہب شافعیہ ❶...... مسلسل نجاست کے آتے رہنے کا مریض خواہ اس کو پیشاب آئے یا مذی یا پاخانہ یا ریح آئے، اور مستحاضہ ان لوگوں پر لازم ہے کہ وہ جائے نجاست دھوئیں اور اس کے اندر کوئی چیز رکھ دیں بشرطیکہ وہ روزہ دار نہ ہوں یا مستحاضہ وغیرہ کو اس عمل سے اذیت ہوتی ہو کہ خون کے رکنے سے اس کو جلن ہوتی ہو تو اس صورت میں اندر کی طرف روئی وغیرہ رکھنی ضروری نہیں، روئی وغیرہ رکھنے کے بعد ان حضرات کو چاہئے کہ وہ پٹی باندھ لیں۔ اور باندھ لینے کا طریقہ مثلاً مستحاضہ کے لئے یہ ہے کہ (لنگوٹ نما کپڑے کی طرح) ایسا کپڑا لے جس کی دونوں طرف پھٹی ہوئی ہوں ان کو نیچے سے گزار کر ایک آگے لے آئے اور ایک پیچھے لے جائے اور ان کو ازار بند کی طرح ایک دوسری پٹی سے باندھ لے ❷ پھر اس کے فوراً بعد وضو یا تیمم کرے یعنی پٹی وغیرہ باندھنے اور وضو کرنے کے افعال کا پے در پے ہونا ضروری ہے، نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد یہ امور انجام دے کیونکہ یہ طہارت ضرورت کے تحت ہے لہٰذا قبل از وقت اس کی انجام دہی درست نہیں ہے جیسے تیمم قبل از وقت درست نہیں ان امور کی انجام دہی کے بعد نماز کی ادائیگی میں بھی جلدی کرے تا کہ حدث کم سے کم خارج ہو، اگر نماز سے متعلق کسی کام کی وجہ سے تاخیر ہو جائے۔ مثلاً ستر عورت، اور اذان واقامت کے لئے یا جماعت کے انتظار میں، یا قبلہ رخ معلوم کرنے کی کوشش میں، مسجد جانے میں یا سترہ (نماز کے دوران جاء نماز کے آگے گاڑی یا رکھی جانے والی لکڑی وغیرہ جس سے قبلے کے آگے آڑ بنانا مقصود ہوتا ہے) حاصل کرنے وغیرہ جیسے امور میں تاخیر ہو تو یہ مضر نہیں کیونکہ ان امور کی انجام دہی کے سبب وہ قصور وار نہیں گردانا جائے گا۔ اور اگر کسی اور کام کے سبب تاخیر کی جو نماز سے متعلق کام نہ ہو جیسے مثلاً کھانا پینا، بات چیت، اور کوئی اور کام جیسے کپڑا بننا وغیرہ امور جن کا تعلق نماز سے نہیں تو ایسے امور کی انجام دہی کے سبب وقوع پذیر ہونے والی تاخیر مضر ہوگی اور وضو باطل ہو جائے گا اور وضو اور ان تمام احتیاطی تدابیر کا دوبارہ کرنا لازم ہوگا کیونکہ حدث اور نجاست واقع پذیر ہو چکی ہیں جب کہ ان سے اجتناب ممکن تھا۔ وضو اور پٹی کا دوبارہ باندھنا صحیح قول کے مطابق ضروری ہوگا اور وضو ہر فرض کے لئے الگ کرنا ہوگا خواہ وہ نذر مانی ہوئی نماز ہو جیسے تیمم ضروری ہوتا ہے وجہ اس کی حدث کا برقرار رہنا ہے۔ اور اس وضو سے صرف نوافل جتنی چاہے ادا کر سکتا ہے۔ جنازے کی نماز کا حکم نفل کا سا ہے۔ دلیل ان احکامات کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش سے یہ فرمان ہے: ہر نماز کے لئے وضو کرو اور اگر یہ عذر و بیماری اتنی مدت کے لئے ختم ہو سکے کہ اس کے دوران نماز اور وضو کی ادائیگی ممکن ہو مثلاً خون آنا رک جائے وغیرہ تو اس صورت میں وضو کرنا اور شرمگاہ پر موجود خون وغیرہ دور کرنا لازم ہوگا اور وہ شخص جس کی منی ٹپکتی ہو اس پر ہر نماز کے لئے غسل کرنا فرض ہوگا اور اگر نماز میں بیٹھنے سے حدث رک جاتا ہو تو ایسا کرنا واجب ہوگا اور اعادہ بھی ضروری نہیں ہوگا۔ قطرے ٹپکنے کے مریض کے لئے کوئی ایسی بوتل وغیرہ باندھ لینا درست نہیں جس میں پیشاب جمع ہوتا رہے اور معذور شخص نماز کے مباح کرنے کی نیت کرے رفع حدث کی نہیں کیونکہ اس کا حدث دائمی ہے جو وضو سے رفع نہیں ہو سکتا ہے۔ ایسا وضو صرف اس شخص کے لئے عبادت کو مباح کر دیتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مذہب شافعی وحنبلی معذور کے وضو کے احکام میں تقریباً متفق ہیں تاہم حنابلہ اور ان کی طرح احناف بھی یہ فرماتے ہیں کہ ایک وضو سے ایک وقت میں ایک سے زائد فرض نمازیں ادا کی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ ان کے ہاں ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرنا واجب ہے۔ شوافع اس وضو سے صرف ایک فرض نماز کی ادائیگی کو جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ ان کے ہاں ہر فرض نماز کے لئے

❶...... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۱۱ اور بعد کے صفحات، الحضرمیہ ص ۲۸۔ ❷ آج کل انڈرویئر اس کا زیادہ بہتر متبادل ہے۔

ازسرنو وضو کرنا لازم ہے۔

مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ معذور شخص کے لئے تجدید وضو واجب ہے، مالکیہ کے ہاں تجدید وضو صرف مستحب ہے اور وضو کا وقت کے داخل ہونے کے بعد کرنا شوافع اور حنابلہ کے ہاں ضروری ہے احناف کے ہاں بھی ظہر کے علاوہ اوقات کے داخل ہونے کی صورت میں وضو کرنا ضروری ہے ظہر کے وقت کے دخول سے قبل وضو کر لینا احناف کے ہاں درست ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے کا وقت ان کے ہاں مہمل ہے (یعنی کسی فرض نماز کا وقت نہیں ہے)۔

۹۔نویں بحث......حدث اصغر لاحق ہونے کی وجہ سے ممنوع ہو جانے والے امور بالفاظ دیگر بے وضو کے ممنوع امور

حدث اصغر یعنی بے وضو جانے کے سبب تین امور حرام ہو جاتے ہیں۔

(۱) نماز وغیرہ (۲) طواف (۳) قرآن کریم اور اس کے تابع چیزوں کا چھونا۔ ان مسائل کے بارے میں مذاہب کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔❶

۱۔نماز وغیرہ...... بے وضو شخص پر ہر قسم کی نماز پڑھنا حرام ہوتا ہے خواہ فرض ہو یا نفل، اسی طرح نماز کی طرح کے امور یعنی سجدہ تلاوت سجدہ شکر، خطبہ جمعہ اور نماز جنازہ، کیونکہ فرمان نبوی ہے: اللہ تم میں سے کسی کی نماز بے وضو ہو جانے کے بعد اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک وہ وضو نہ کرے❷ اور دوسری حدیث میں ہے اس شخص کی نماز نہیں جس کا وضو نہ ہو۔❸

۲۔فرض یا نفلی طواف...... کیونکہ یہ بھی نماز کا درجہ رکھتا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعبہ کا طواف نماز ہی ہے، لیکن اللہ نے اس میں بولنا حلال کیا ہے، تو جو شخص بولے وہ اچھائی کی بات بولے۔❹

تاہم احناف طہارت کو طواف کے لئے واجب قرار دیتے ہیں شرط صحت نہیں قرار دیتے ہیں چنانچہ طواف بے وضو کرنا کراہت تحریمیہ کے ساتھ درست ہے۔ کیونکہ گذشتہ حدیث کی رو سے طواف نماز کے مشابہ ہے اور یہ بھی طے ہے کہ طواف حقیقت نماز نہیں ہے۔ تو اس کے حقیقت طواف ہونے کی حیثیت پر نظر کرتے ہوئے جواز کا حکم دیا جاتا ہے اور اس کی نماز سے مشابہت کے پیش نظر کراہت کا حکم دیا جاتا ہے۔

۳۔قرآن حکیم کا چھونا...... پورے قرآن کا یا کچھ حصے کا خواہ ایک آیت ہی، اس کو چھونا ہے خواہ اعضاء وضو کے علاوہ کسی حصے سے چھوا جائے دلیل اس کی یہ آیت ہے لَا يَمَسُّهُ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (اس کو صرف خوب پاک لوگ چھوتے ہیں سورۃ الواقعۃ آیت نمبر ۷۹) مطہرون سے مراد متطہرون (پاک لوگ) ہیں یہ جملہ خبریہ کے انداز میں نہی (ممانعت) ہے اور دوسری دلیل حدیث نبوی ہے نبی کریم صلی اللہ

---

❶...... البدائع ج ۱ ص ۳۳، الدرالمختار ج ۱ ص ۱۶۵۔۱۲۰ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۴۹ المجموع ۲، ص ۷۱۔۷۹ الحضرمیہ ص ۱۲ حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۱۲۱، المغنی ج ۱ ص ۱۴۲، ۱۴۷ کشف القناع ج ۱ ص ۱۵۲۔۱۵۷۔ ❷بروایت بخاری مسلم ابوداؤد اور ترمذی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔❸ بروایت امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ از حضرت ابوہریرہ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۳۴۔❹ بروایت طبرانی، ابونعیم درحلیۃ، حاکم اور بیہقی در سنن از حضرت ابن عباس، یہ حدیث حسن ہے اور اس کو امام احمد، نسائی، ترمذی، حاکم اور دار قطنی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے، ابن سکن، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس کو موقوف اور مرفوع دونوں صورتوں میں ان الفاظ کے ساتھ صحیح قرار دیا ہے انما الطواف بالبیت صلاۃ، فاذا طفتم فاقلوا الکلام۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۰۵ نصب الرأیہ ج ۱ ص ۱۹۶۔

علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کو صرف پاک آدمی ہی چھوئے ❶ اور عقلی طور پر یہ بات ہے کہ قرآن کی تعظیم واجب ہے اور یہ تعظیم کے برخلاف امر ہے کہ قرآن یعنی اللہ کی کتاب کو ایسے ہاتھوں سے چھوا جائے جس میں حدث (بے وضو ہونے کی کیفیت) سرایت کر چکی ہو فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بے وضو شخص کے لئے قرآن کی زبانی تلاوت یا صرف اس کو دیکھنا جائز ہے، اسی طرح بچے کے لئے بھی فقہاء نے تعلیم کی غرض سے قرآن کا چھونا جائز قرار دیا ہے کیونکہ وہ غیر مکلف ہوتا ہے تاہم افضل بچے کے لئے بھی یہ ہے کہ اس کو وضو کرا دیا جائے۔

مالکیہ اور شافعیہ نے قرآن کو چھونا بے وضو ہونے کی کیفیت میں مطلقاً ناجائز قرار دیا ہے خواہ کسی حائل یا لکڑی کے واسطے سے ہی کیوں نہ ہو۔ احناف اور حنابلہ کسی حائل کے یا لکڑی کے ذریعے اس کو چھونے کو جائز قرار دیتے ہیں بشرطیکہ یہ دونوں پاک ہوں۔ اس مسئلے کے بارے میں فقہاء کی عبارات مندرجہ ذیل ہیں۔

احناف فرماتے ہیں مصحف پورا یا اس کا کچھ حصہ چھونا حرام ہے یعنی اس کی لکھے ہوئے حصے کو خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو جو سکوں وغیرہ پر کندہ ہو یا دیوار پر لکھی ہوئی ہو۔ اسی طرح قرآن کا وہ غلاف جو اس کی جلد کے ساتھ متصل ہو اس کا چھونا بھی حرام ہے، کیونکہ وہ قرآن کے تابع ہے اور اس کا چھونا قرآن کا چھونا شمار ہوگا۔ وہ غلاف اور کور جو قرآن کی جلد سے الگ ہو اس کا چھونا درست ہے جیسے قرآن جزدان گرد پوش وغیرہ۔ اسی طرح لکڑی، قلم اور علیحدہ کپڑے وغیرہ سے اس کا چھونا درست ہے۔ آستین سے اس کو چھونا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ آستین کپڑے پہننے والے کی تابع ہوتی ہے اور حائل چیز جزدان کی طرح شمار ہوگی صحیح قول کے مطابق (خریطہ (جزدان) سے مراد وہ ڈبہ وغیرہ ہے جو چمڑے کا بنایا جاتا ہے اور اس پر فیتہ وغیرہ باندھا جاتا ہے) غیر مسلم شخص کے لئے قرآن کا چھونا درست نہیں ہے، قرآن کا سیکھنا، اور فقہ وغیرہ کا سیکھنا اس کے لئے جائز ہے، بچے کے لئے قرآن کریم یا اس کی تختی کا چھونا حفظ وغیرہ کے مقصد کے لئے جائز ہے، آیت کا ورق پر لکھنا ناجائز نہیں، کیونکہ حرام تو لکھی ہوئی چیز کو ہاتھ سے چھونا ہے اور قلم تو محض ایک واسطہ ہے جو جدا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے الگ کپڑے سے قرآن چھونا۔ اور مفتی بہ قول بھی یہ ہے کہ قرآن کریم کو الگ خلاف (جزدان) یا تھیلی وغیرہ میں ہونے کی صورت میں چھونا جائز ہے۔ تفسیر کی کتابوں میں اگر تفسیر زیادہ ہو تو اس کا چھونا مکروہ نہیں اور اگر قرآن کریم برابر اس سے زائد ہو تو اس کا چھونا مکروہ تحریمی ہے باقی کتب شرعیہ کا بلا وضو چھونا جائز ہے، جیسے فقہ، حدیث اور عقائد وغیرہ کی کتابیں، تاہم مستحب یہ ہے کہ ایسا نہ کرے۔ اسی طرح دیگر آسمانی کتابیں جن میں تحریف واقع ہو چکی ہے ان کا بلا وضو چھونا درست ہے۔ تاہم تورات انجیل اور زبور کا پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ سب اگر چہ کلام الٰہی ہیں مگر ان میں واقع شدہ تبدیلی غیر متعین ہے۔

عورت سے اس گھر، کمرے میں ہمبستر ہونا جس میں قرآن کریم چھپا کر رکھا گیا ہو جائز ہے قرآن کریم کو سر کے نیچے رکھنا ناجائز ہے ماسوا اس کے کہ حفاظت مقصود ہو فقہ وغیرہ جیسے علوم شرعیہ جس کاغذ پر تحریر ہوں اس کاغذ میں کسی چیز کو لپیٹنا (یعنی پڑیا وغیرہ بنانا) مکروہ ہے قرآن کریم اگر اس درجہ ضعیف ہو جائے کہ اس کی تلاوت ممکن نہ ہو تو اس کو بھی ایسے ہی دفن کیا جائے گا جیسے مسلمان کی تدفین ہوتی ہے۔ شرعی کتب کو بوسیدہ ہو جانے پر دفن کرنا، بہتے پانی میں ڈالنا اور آگ میں جلا دینا سب درست ہے تاہم پہلی چیز زیادہ بہتر ہے۔ کتابت شدہ حروف کو خواہ وہ قرآن کے ہوں تھوک سے مٹا دینا درست ہے، قرآنی آیات پر مشتمل تعویذ اگر ایسی چیز میں باندھا گیا ہو جو اس سے الگ ہو جیسے اسے موم جامہ کر دیا گیا ہو تو اس کو بیت الخلاء لے جانا چھونا وغیرہ جائز ہے خواہ جنبی شخص اس کو چھوئے۔

مالکیہ فرماتے ہیں: حدث اصغر والے شخص یعنی بے وضو آدمی کے لئے قرآن کریم یا اس کا کوئی حصہ چھونا، اس کا لکھنا اس کو اٹھانا خواہ کسی چیز کے ذریعے یا کپڑے کے ذریعے یا تکیے کے ذریعے یا اس کرسی کو اٹھانا جو اس مصحف کے نیچے ہو سب ممنوع ہیں۔ اور چھونا خواہ کسی آڑ کے

---

❶ .... عمرو بن حزم کے واسطے سے امام احمد، ابوداؤد اور نسائی نے اس کو روایت کیا ہے دار قطنی طبرانی اور بیہقی نے بھی حضرت ابن عمر سے یہ روایت کی ہے طبرانی نے یہ عثمان بن ابی العاص سے روایت کی ہے اور ثوبان سے بھی نقل کی ہے تاہم یہ آخری تو بہت ہی ضعیف ہے اور باقی بھی ضعیف احادیث ہیں، یہ حدیث امام مالک نے عمرو بن حزم سے مرسلاً روایت کی ہے، نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۰۵ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۹۶۔

ساتھ ہو یا کپڑے کے ساتھ ہو یا اٹھانا ایسی چیزوں کے ساتھ ہو جن کا اٹھانا مقصود نہ ہو تو بھی ناجائز ہے، ہاں اگر کچھ سامان اٹھانے کا ارادہ کیا اور اس میں قرآن بھی موجود ہو جیسے سندوق وغیرہ اٹھایا تو اٹھانا جائز ہے یعنی اگر صرف مصحف اٹھانے کا ارادہ ہو یا دیگر سامان کے ساتھ مصحف اٹھانے کا بھی ارادہ ہو تو ناجائز ہے اور اگر صرف سامان اٹھانے کا ارادہ ہو تو اٹھانا جائز ہے۔ قرآن سیکھنے اور سکھانے والے افراد کے لئے چھونا اور اٹھانا بحالت حدث جائز ہے اگر اس کا ازالہ ان کی قدرت میں نہ ہو جیسے حائض اور نفساء عورت، کیونکہ اس مانع کا ازالہ ان کے دائرہ اختیار میں نہیں۔ اور جنبی شخص کے لئے ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ وہ غسل یا تیمّم کے ذریعے اس کو دور کرنے پر قادر ہے۔ اسی طرح صرف مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ قرآن کو ایسے گرد پوش ڈبے وغیرہ میں بند ہونے کی صورت میں جو اس کو چھپالے اور اس کو محفوظ رکھنے والا ہو چھولے، خواہ جنبی ہو یا حائضہ عورت ہو، اور خواہ پورا قرآن ہو۔ تفسیر کا چھونا اس کو اٹھانا اس کا مطالعہ کرنا محدث شخص کے لئے جائز ہے خواہ وہ بے وضو ہو یا جنابت والا۔ کیونکہ تفسیر سے مقصود قرآن کے معانی ہوتے ہیں اس کی تلاوت نہیں شوافع فرماتے ہیں: قرآن کریم کا اٹھانا اس کا صفحہ چھونا اس کے اطراف کو چھونا اس کی جلد کو چھونا جو اس سے متصل (ملی ہوئی، چپکی ہوئی ہو) اس کے جزدان کو چھونا اس کو باندھنے والی چیز اسکے ڈبے اور قرآن سیکھنے والے کے لئے لکھی جانے والی تختیاں وغیرہ سب چھونا ناجائز ہے خواہ کپڑے کے کسی ٹکڑے کے ذریعے چھوا جائے یا کسی آڑ کے ذریعے۔ اور قرآن کریم کو دیگر سامان کے اندر موجود ہوتے ہوئے اٹھانا جائز ہے خاص اسی کو اٹھانے کے مقصد سے اس کو سامان کے اندر رکھ کر اٹھانا درست نہیں۔ وہ تفسیر جس میں قرآن کم ہو تفسیر کا متن زیادہ ہو اس کو اٹھانا جائز ہے، اور اگر قرآن برابر یا زیادہ ہو تو اس کا اٹھانا جائز نہیں، ہے دوسرے علوم کی وہ کتابیں جو تفسیر نہ ہو اور ان میں آیات قرآنیہ مذکور ہوں ان کا اٹھانا بھی جائز ہے۔ قرآن کے صفحے کو لکڑی وغیرہ سے پلٹنا جائز ہے، وہ بچہ جو باشعور ہو اس کو تعلیم وتدریس کی غرض سے قرآن اٹھانے اور چھونے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ تعویذوں کا اٹھانا سکوں کا اٹھانا اور وہ کپڑے جن پر قرآنی آیات نقش کی جاتی ہیں جیسے غلاف کعبہ وغیرہ ان کا اٹھانا جائز ہے کیونکہ ان سے مقصود قرآن نہیں ہوتا۔ بے وضو شخص کے لئے قرآن کریم کا لکھنا جائز ہے بشرطیکہ وہ آیات قرآنی کو چھوئے نہیں۔ کسی چیز کا قرآن کے اوپر رکھنا حرام ہے جیسے روٹی نمک وغیرہ، کیونکہ اس میں اس کی توہین ہے، اسی طرح قرآن کو یا سورت کو چھوٹا کردینا (بہت باریک باریک لکھنا) بھی جائز نہیں، کیونکہ اس میں نقص کا خطرہ رہتا ہے، خواہ اس عمل سے اس کی تعظیم مقصود ہو۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ مصحف کو چھونا خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو اپنے جسم کے کسی بھی حصے سے، حرام ہے۔ اور کسی حائل یا لکڑی وغیرہ سے چھونا جائز ہے بشرطیکہ وہ دونوں پاک ہوں۔ اسی طرح اس کو اس سے جڑی ہوئی کسی چیز سے اٹھانا یا اس کے ڈبے کے ساتھ اٹھانا جائز ہے خواہ قرآن کو ہی اٹھانا مقصود ہو اسی طرح اس کو لکھنا خواہ ذمی ہی لکھے جائز ہے بشرطیکہ حروف سے ہاتھ نہ لگیں، اسی طرح اس کو کسی چھپا دینے والی پاک اور محفوظ چیز کے ساتھ اٹھانا بھی جائز ہے بچے کے سرپرست کے لئے بچے کو قرآن یا قرآنی تختی کو اس کے بے وضو ہونے کی صورت میں چھونے دینا جائز نہیں ہے۔ خواہ حفظ یا تعلیم کے مقصد ہی سے ہو یعنی ان کے ہاں قرآن کو بلا وضو چھونے کی حرمت بچے پر بھی لاگو ہے۔

تفسیر اور فقہ وغیرہ کی کتابیں بے وضو چھونا جائز نہیں خواہ اس میں قرآنی آیات ہوں، دلیل اس کی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو ایک خط لکھا جس میں ایک آیت بھی موجود تھی ❶ اور راجح قول کے مطابق وہ سکے جن پر قرآنی آیات منقوش ہوں یا وہ کپڑا جس پر قرآنی آیت نقش ہو اس کو بے وضو چھونا جائز ہے، کیونکہ ان کو قرآن نہیں کہا جاتا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ ان سے احتراز ممکن نہیں تو یہ ایک قول کے مطابق بچوں کی سکھائی کی تختیوں کے مشابہ ہیں بے وضو شخص کو اگر قرآن چھونے کی حاجت ہو اور پانی نہ موجود ہو تو وہ تیمّم کرلے، اس طرح اس کے لئے قرآن چھونا جائز ہو جائے گا۔ کافر ذمی شخص ہو یا کوئی اور، کو قرآن چھونے، اس کو پڑھنے اس کو ملکیت میں لینے سے منع کیا جائے گا، مسلمان کے لئے بھی یہ ممنوع ہے کہ وہ اس کو کافر کی ملکیت میں دیدے، اور قرآن کا فروخت کرنا خواہ مسلمان کو ہی، حرام ہے قرآن

❶..... متفق علیہ روایت از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

پر ٹیک لگانا، اس سے وزن کرنا اس کا تکیہ بنانا یا ان کتابوں کے ساتھ ایسا کرنا جن میں قران ہو حرام ہے، اگر ان کتابوں میں قرآن موجود نہ ہو تو ان کے ساتھ یہ افعال مکروہ ہوں گے ماسوا اس کے کہ ان کی چوری کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں ان کو اس ضرورت کے پیش نظر تکیہ کے طور پر رکھا جا سکتا ہے قرآن کریم کو دارالحرب۔ لے جانا جائز نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کو دشمنوں کی زمین پر مت لے جاؤ، کیونکہ اندیشہ ہے کہ وہ بے حرمتی کریں گے۔ ❶

خلاصہ کلام یہ ہے کہ داؤد ظاہری کے علاوہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جنبی شخص کا قران کو چھونا جائز نہیں، بے وضو شخص کے بارے میں دلائل اس بات کا قطعیت کے ساتھ تو نہیں بتاتے ہیں کہ اس کو اس حالت میں بھی چھونا ناجائز ہوتا ہم اکثر فقہاء اس کے قائل ہیں کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور زید اس بات کے قائل ہیں کہ بے وضو شخص کے لئے قرآن کو چھولینا جائز ہے ❷ ظاہر تو یہ ہوتا ہے کہ لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ سے مراد لوح محفوظ میں موجود قرآن ہے اور مطہرون سے مراد ملائکہ ہیں اور اگر یہ بات ظاہر کے درجے میں نہ ہو تو اس کا احتمال ضرور ہے۔ اسی طرح حدیث لایمس القرآن الاطاھر میں آئے ہوئے لفظ طاہر سے مراد مومن بھی ہو سکتا ہے، اور حدث اصغر واکبر سے پاک شخص بھی ہو سکتا ہے اور وہ بھی ہو سکتا ہے جس کے بدن پر نجاست نہ ہو۔ بے وضو شخص کے لئے جمہور فقہاء کے نزدیک قران یا بعض آیات قرآنیہ کا لکھنا جائز ہے خواہ تعلیم و تعلم کی غرض سے نہ بھی ہو بشرطیکہ یہ ہے کہ وہ اس کو اٹھائے نہیں اور اس کے حروف کو دوران کتابت چھوئے نہیں، بصورت دیگر حرام ہوگا۔ تاہم مالکیہ اس تفصیل کے قائل نہیں، ان کے ہاں کتابت مطلقاً ممنوع ہے۔

معتمد قول کے مطابق مالکیہ قرآن یا اس کی کچھ حصے کی کتابت کو بے وضو کے لئے اس کے چھونے اور اٹھانے کی طرح غلط اور حرام قرار دیئے ہیں۔

حنابلہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے ہاں بچوں کے لئے تعلیم و تعلم کی غرض سے چھونا اور لکھنا جائز ہے کیونکہ اس میں ضرورت اور حاجت کا پہلو پایا جاتا ہے اور مشقت سے بچاؤ بھی ہے۔

مالکیہ نے حیض اور نفاس والی عورت کے لئے قرآن کا پڑھنا اٹھانا چھونا تعلیم و تعلم کے دوران جائز قرار دیا ہے جیسا کہ تعلیم کی حالت کے علاوہ صورت میں مالکیہ ان کے لئے قران کی تلاوت اتنی جائز قرار دیتے ہیں جو قلیل ہو جیسے آیت الکرسی، سورۃ الاخلاص اور معوذتین اور بغرض علاج پڑھی جانے والی دم وغیرہ کی آیات جن سے مقصود شفاء کا حصول ہوتا ہے۔

۲۔ دوسری مبحث..... مسواک

چوتھی فصل یعنی وضو اور اس کے ذیلی امور کے بیان والی فصل کی دوسرے بنیادی مبحث

(۱) تعریف (۲) حکم، (۳) کیفیت، اور طریقہ (۴) اور فوائد

۱۔ پہلی گفتگو: مسواک کی تعریف..... سواک لغت میں ملنے اور ملنے کے لئے استعمال ہونے والی چیز پر بولا جاتا ہے۔ شرعاً وہ لکڑی وغیرہ یعنی اشنان صابن وغیرہ جس کو دانت اور اس کے آس پاس کی جگہ کی صفائی میں استعمال کیا جاتا ہو تا کہ ان کا پیلا پن اور گندگی ختم ہو جائے۔

۲۔ دوسری گفتگو: مسواک کا حکم:..... مسواک سنن فطریہ میں سے ہے فطرت کی سنتوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ سنت ہے یا یہ کہ یہ

---

❶..... مسلم کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ ہیں: قرآن کو لے کر مت سفر کرو، کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ دشمن اس کی بے حرمتی نہ کرے۔ شاید یہ ممانعت ابتداء اسلام میں تھی اور آج کل تو قرآن کثرت طباعت کے سبب پوری دنیا میں پھیل چکا ہے۔ ❷ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۰۵۔۲۰۷

دین کا حصہ ہے۔ کیونکہ یہ منہ کی صفائی اور استعمال کرنے والے کے لئے رضاالٰہی کا سبب بنتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسواک منہ کو صاف کرنے والی ہے اور اللہ کو راضی کرانے والی ہے ❶ یہ حدیث مسواک کے مطلق شروع ہونے پر دلالت کرتی ہے اس کو کسی وقت کے ساتھ معین کئے بغیر اور کسی حالت کے ساتھ بھی مخصوص ہونے کا اس حدیث سے علم نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ کسی بھی وقت مسنون ہے، یہ واجب بہر حال نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میری امت پر بھاری نہ گزرتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا اور امام احمد کی نقل کردہ روایت کے الفاظ ہیں میں انہیں ہر وضو کے وقت مسواک کا حکم دیتا ❷ امام بخاری کی تعلیق شدہ روایت جو انہوں نے صیغہ جزم (حتمی الفاظ) کے ساتھ ذکر کی ہے اور ان کی اس طرح کی تعلیقات حدیث صحیح کا درجہ رکھتی ہیں کہ میں انہیں مسواک کا ہر وضو کے ساتھ حکم دیتا۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ مسواک کرنا سنت مؤکدہ ہے کیونکہ شارع علیہ السلام کی پابندی اور اس کے بارے میں اتنی ترغیب یہی بتاتی ہے۔

فقہاء کے ہاں اس کا حکم اس طرح ہے: احناف کے ہاں کلی کرتے وقت اس کا کرنا سنت ہے اور مالکیہ کے ہاں کلی سے پہلے اسے کرنا فضائل وضو میں سے ہے۔ دلیل اس کی وہی حدیث ہے کہ اگر میری امت پر بھاری نہ ہوتا تو میں انہیں ہر وضو کے وقت مسواک کا حکم دیتا ❸ تاہم اگر کوئی شخص دوران وضو اس کو بھول جائے تو نماز کے لئے کر لینا مستحب ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں یہ ہر نماز کے لئے سنت مستحب ہے دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی وہی حدیث ہے جسے صحاح ستہ کے حضرات نے روایت کیا ہے کہ اگر میں اس بات کو امت پر بھاری نہ سمجھتا تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسورک کرنے کا حکم دیتا۔ اور وضو میں ہاتھ دھونے کے بعد کلی کرنے سے قبل یہ مسنون ہے اس طرح منہ یا دانت میں سونے کھانے، یا بھوک یا طویل خاموشی یا طویل بات چیت سے پیدا ہو جانے والے تغیر اور ناگوار بو کے موقع پر بھی مسواک مسنون ہے۔ دلیل اس کی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب بیدار ہوتے تو منہ مبارک میں مسواک فرماتے اور نیند پر دوسری چیزوں کو قیاس کیا جاتا ہے اس بناء پر کہ منہ میں پیدا ہونے والا ان سب میں قدر مشترک ہے۔ اور جیسے نماز کے لئے، منہ میں تغیر پیدا ہو جانے اور دانتوں کے پیلا پڑ جانے کے سبب اس کے کرنے کا حکم ہے۔ اس طرح تلاوت قرآن شرعی گفتگو، شرعی علم، ذکر خداوندی سونے اور جاگنے کے لئے، گھر میں آنے کے بعد اور بوقت نزع سحر کے وقت کھانا کھانے کے لئے وتر کے بعد اور روزے دار کے لئے ظہر سے قبل کرنے کا حکم ہے ❹ شافعیہ مزید یہ فرماتے ہیں کہ مسواک سے پہلے اور بعد میں اور کھانے کے بقیہ ذرات وغیرہ کے لئے خلال کرنا مسنون ہے۔

ان کے دلائل یہ ہیں: وہ حدیث جو صحاح ستہ (ماسوا بخاری و ترمذی کے) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لاتے تو مسواک فرماتے ابن ماجہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مسواک کرتا ہوں اور میں نے اتنی مسواک کی مجھے خدشہ ہوا کہ میں اپنے اگلے دانت نہ گھس ڈالوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

---

❶ ..... بروایت صحاح ستہ اسی طرح کی حدیث بروایت حضرت جابر اور زید بن خالد سے بھی منقول ہے۔ ابن مندہ نے فرمایا ہے کہ اس کی صحت پر اتفاق ہے امام مالک شافعی نے اس کو مرفوعا روایت کیا ہے، نیل الاوطار ج ا ص ۱۰۴ ❷ بروایت بخاری تعلیقاً نسائی اور ابن خزیمہ نے بھی اس کو نقل کیا ہے حاکم نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول صحیح حدیث قرار دیا ہے طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت علی ابن ابی طالب سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

❸ بروایت صحاح ستہ از حضرت حذیفہ، ماسوی ترمذی، صحیحین کے الفاظ ہیں (ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذقام من النوم یشوص فاہ بالسواک نیل الاوطار ج ا ص ۱۰۵) ❹ فتح القدیر ج ا ص ۱۵ اللباب ج ا ص ۱۴ الشرح الصغیر ج ا ص ۱۲۴۔۱۲۶ المجموع ج ا ص ۳۲۹۔۳۴۲ الشرح الکبیر ج ا ص ۱۰۲ مغنی المحتاج ج ا ص ۵۵ المہذب ج ا ص ۱۳ المغنی ج ا ص ۹۵۔۹۷ کشف القناع، ج ا ص ۷۸۔۸۱

سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی دن یا رات میں سو کر بیدار ہوتے تو آپ وضو سے قبل مسواک ضرور فرماتے ❶ دوسری بات یہ ہے کہ نیند کھانا وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو منہ کی بو میں تغیر پیدا کر دیتی ہیں اور مسواک کی مشروعیت کا مقصود منہ کی بو کا خاتمہ کرنا اور اسے صاف کرنا ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں روزے دار کے لئے مسواک کرنا زوال کے بعد مکروہ ہے یعنی ظہر کی نماز سے لے کر غروب شمس تک۔ وجہ اس کی بخاری و مسلم کی روایت کردہ حدیث ہے کہ بے شک روزے دار کے منہ کی خلوف (ناگوار بو وغیرہ) ❷ اللہ کے ہاں مشک کی بو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور خلوف کا اطیب ہونا اس کے برقرار رکھے جانے کا متقاضی ہے، لہٰذا اس کا ازالہ مکروہ ہوا اور یہ کراہت غروب شمس سے زائل ہو جاتی ہے کیونکہ وہ شخص اس وقت روزے سے نہیں ہوتا اور خلوف کا زوال کے بعد کے وقت کے ساتھ خاص ہونا اس وجہ سے ہے کہ منہ کا روزے کی وجہ سے ناخوشگوار بو والا ہونا اسی وقت ظاہر ہوتا ہے۔ مالکیہ اور احناف کے ہاں روزے دار کے لئے مسواک کرنا مطلقاً جائز ہے اور یہ ان احادیث کی بناء پر ہے جو پہلے گزریں اور جو مطلقاً مسواک کے استحباب کا بتلاتی ہیں اور دوسری بات وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزے دار کی اچھی خوبیوں میں سے ایک خوبی مسواک ہے ❸ حضرت ربیعہ بن عامر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی مرتبہ روزے کی حالت میں مسواک کرتے دیکھا کہ میں اسے شمار نہیں کر سکتا ❹ علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ روزے دار کے لئے دن کے شروع اور آخر دونوں میں مسواک کرنا مستحب ہے اور یہ جمہور ائمہ کا مذہب ہے۔

۳۔ **اس کا طریقہ اور اس کا آلہ**...... انسان کو دائیں ہاتھ سے منہ کی داہنی طرف عرضاً (چوڑائی میں) اندر اور باہر دونوں طرف سے سامنے کے دانتوں سے لے کر داڑھ تک مسواک کرنی چاہیے اور زبان پر لمبائی میں ہاتھ چلانا چاہئے۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ وہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف سے کام انجام دینے کو پسند فرماتے تھے، جوتا پہننے، کنگھی کرنے اور پاکی حاصل کرنے اور تمام کاموں میں ❺ اور ایک حدیث ہے جب تم مسواک کرو تو عرضاً کرو ❻ مسواک دانتوں پر لمبائی میں کرنا بھی درست ہے تاہم مکروہ ہے کیونکہ اس سے مسوڑھے زخمی ہو جاتے ہیں اور ان میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے زبان پر لمبائی میں مسواک کرنا مسنون ہے جیسا کہ علامہ ابن دقیق العید نے ابوداؤد میں آئی ہوئی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ بات ذکر کی ہے۔ ❼

حنابلہ فرماتے ہیں کہ داہنی داڑھ سے شروع کرے، بائیں ہاتھ سے کرے مسواک کا مقصود پتلی سی کھجور وغیرہ کی ٹہنی سے بھی حاصل ہو جاتا ہے جس سے منہ صاف ہو جائے اور نہ وہ مضر ہو۔ نہ زخمی کرے اور نہ اس کے اجزاء ٹوٹ کر بکھریں جیسے پیلو اور برش وغیرہ۔ افضل یہ ہے کہ پیلو کے درخت کی ہو اس کے بعد درجہ ہے کھجور کی مسواک کا پھر خوشبودار درخت کی مسواک کا پھر خشک مسواک کا جس کو تر کیا گیا ہو پھر لکڑی کی مسواک کا۔ دوسرے کی مسواک بلا اجازت استعمال کرنا حرام ہے۔ ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرما رہے تھے اور آپ کے پاس دو آدمی موجود تھے جن میں ایک دوسرے سے بڑا تھا آپ نے مسواک دیتے ہوئے اشارہ فرمایا کہ بڑے کو دو یعنی بڑے کو پہلے کرنے دو۔ مسواک نہ ہونے کی صورت میں احناف اور مالکیہ کی رائے میں انگلی سے کر لینا درست ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا شہادت کی انگلی اور انگوٹھے سے ملنا مسواک کرنا ہے بیہقی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع

---

❶...... بروایت امام احمد و ابوداؤد۔ ❷ خلوف: منہ کی مہک کو کہتے ہیں اور خلوف کا اطلاق زوال کے بعد کی منہ کی مہک پر ہوتا ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، میری امت کو رمضان کے مہینے میں پانچ چیزیں عطاء کی گئی ہیں پھر آپ نے فرمایا: دوسری چیز یہ ہے کہ وہ اس حال میں سہ پہر کرتے ہیں کہ ان کے منہ کی مہک اللہ کے ہاں مشک سے زیادہ اچھی شمار ہوتی ہے، اس حدیث میں آیا ہوا لفظ یمسون (سہ پہر کرنا، شام میں داخل ہونا) مساء سے ماخوذ ہے اور مساء زوال کے بعد کے وقت کو کہتے ہیں۔ ❸ بروایت ابن ماجہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ❹ بروایت امام احمد و ترمذی امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن قرار دیا ہے اس کو اصحاب سنن اور ابن خزیمہ نے بھی روایت کیا ہے امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۰۷۔ ❺ متفق علیہ۔ ❻ اس کو امام ابوداؤد نے مراسیل میں روایت کیا ہے۔ ❼ ابو بردہ سے بروایت ان کے والد سے روایت ہے کہ اتینا رسول الله صلی الله علیه وسلم نستحمله، فرأيته يستاك على لسانة ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲، للامام ابن دقيق العيد ص ۱۶۔

حدیث نقل کی ہے کہ مسواک انگلیوں سے بھی کافی ہو جاتی ہے❶ طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کسی آدمی کے منہ میں ناگوار بو پیدا ہو جائے تو کیا وہ مسواک کرے؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں نے عرض کیا: وہ کیسے کرے؟ آپ نے فرمایا اپنی انگلی منہ میں ڈال کر ملے۔❷

حنابلہ اور شوافع کے صحیح قول کے مطابق انگلی سے دانت مل لینے سے مسواک نہیں شمار ہو گی جیسا کہ حنابلہ کے ہاں کپڑے کے ٹکڑے سے مل لینے سے بھی مسواک شمار نہیں ہو گی۔ شوافع کے ہاں ہر کھردری اور سخت چیز سے مسواک ہو جاتی ہے وجہ ان مسائل کی یہ ہے کہ انگلی کا استعمال مسواک کرنا نہیں قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی شریعت میں ایسا وارد ہے اور اس سے وہ صفائی بھی نہیں ہو سکتی ہے جو لکڑی وغیرہ کے ذریعے صفائی سے حاصل ہوتی ہے۔ مسواک استعمال کر لینے کے بعد اس کو دھو لینا چاہئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرماتے پھر مجھے اس کو دھونے کے لئے پکڑا دیتے میں پہلے اس سے خود مسواک کرتی پھر دھو کر آپ کو تھما دیتی۔❸

انار کی ٹہنی، اس کی ٹہنی، گل ریحان کے پودے کی ٹہنی، خوشبودار پودوں کی ٹہنیوں سے مسواک نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ منہ کے گوشت کے لئے مضر ہیں اور ان سے صفائی بھی حاصل نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی شریعت میں یہ وارد ہے۔ حدیث کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ریحان اور انار کے درخت کی ٹہنیوں سے خلال نہ کرو کیونکہ یہ جذام کی رگ کو تحریک دیتی ہیں❹ جو کے سرکنڈے، حلفاء (ایک نوکیلی قسم کی گھاس جو پانی کے کنارے اگتی ہے) کی ٹہنی اور اس جیسی چیزوں سے مسواک نہ کرے یعنی مضر یا زخمی کر دینے والی چیزوں سے اور دوسری وجہ یہ کہ ان سے آکلہ (جسم کا گلنا) اور برص کی بیماری ہوتی ہے کسی ایسی چیز سے مسواک نہ کرے جس کو وہ جانتا نہ ہو تا کہ اس سے ضرر نہ پہنچے۔

مسواک کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللهم طهر قلبي ومحص ذنوبي

اے اللہ! میرے قلب کو پاک کر دے اور میرے گناہوں کو ختم کر دے۔❺

بعض شوافع فرماتے ہیں اس کے ساتھ سنت کی ادائیگی کی نیت کرے۔ مسجد میں مسواک کرنا مکروہ ہے کیونکہ کراہت پر دلالت کرنے والی کوئی مخصوص دلیل نہیں پائی جاتی ہے، مسواک کا ایک بالشت سے بڑا ہونا مکروہ ہے بیہقی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک رکھنے کی جگہ کان تھا جیسا کہ لکھنے والے اپنے کان پر قلم رکھتے ہیں۔

۴۔ مسواک کے فوائد...... علماء نے مسواک کے یہ فوائد ذکر کئے ہیں:

۱۔ ...منہ کو صاف کرتی ہے۔
۲۔ ...اللہ کو راضی کرنے کا سبب ہے۔
۳۔ ...دانتوں کو صاف کرتی ہے۔
۴۔ ...سانس کی مہک کو خوشگوار بناتی ہے۔
۵۔ ...کمر کو مضبوط کرتی ہے۔
۶۔ ...مسوڑھوں کو طاقتور بناتی ہے۔
۷۔ ...بڑھاپے کو لاتی ہے۔
۸۔ ...انسان کی ہیئت اور خلقت کو درست اور برابر کرتی ہے۔

---

❶ اس حدیث پر محدثین نے کلام کیا ہے اس حدیث کو ابن عدی اور دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۰۶ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۰۔
❷ اس میں ایک راوی ضعیف ہے مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۰ امام احمد نے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے ایک برتن پانی منگوایا منہ اور ہاتھ تین دفعہ دھوئے تین مرتبہ کلی کی اور اپنی کچھ انگلیاں منہ میں ڈالیں۔ اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ انگلیوں سے مسواک کرنا درست ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۰۶۔
❸ بروایت ابوداؤد۔ سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۔ ❹ بروایت حافظ محمد بن حسین الازدی مع اپنی اسناد از قبیصۃ بن ذؤیب۔
❺ بعض لوگوں نے یہ مستحب شمار کیا ہے یہ الفاظ کہے: اللهم بيض به اسناني وشدبه لثاتي، وثبت به لهاتي وبارك يا ارحم الراحمين امام نووی نے فرمایا کہ اس دعا کے کر لینے میں کوئی حرج نہیں باوجود اس کے کہ اس کی کوئی بنیاد نہیں تاہم یہ اچھی دعا ہے مغنی المحتاج ج ۱ ص ۵۶۔

۹..... ذہانت کو تیز کرتی ہے۔ ۱۰..... اجر کو دوگنا کرتی ہے۔

۱۱..... نزع کے وقت آسانی کرتی ہے۔ ۱۲..... موت کے وقت۔

کلمہ یاددلاتی ہے(۱) اوراس طرح کے دیگر فوائد پہنچاتی ہے جن کی تعداد میں سے کچھ اوپر بنتی ہے ان کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نظم میں ذکر کیا ہے(۲) عصر حاضر کی اطباء کی رائے کے مطابق مسواک کا استعمال دانتوں میں سوراخ پیدا ہونے اور بوسیدگی سے بچاتا ہے، دانت پر پیلی تہہ جمنے سے روکتا ہے، اور مسوڑھوں اور منہ کی سوزش سے محفوظ رکھتا ہے۔ بلکہ حافظے کی کمزوری اور ذہن کی بے وقوفی اور بداخلاقی کے عیب کو دور کرتا ہے۔

مسواک سے ملحق اچھی عادات کی سنتوں جن کو سنت فطرت بھی کہا جاتا ہے، کا بیان: سنت نبویہ میں ایسی احادیث وارد ہیں جو انسان کے جسم کے بعض اجزاء کی صفائی ستھرائی سے متعلق بعض آداب اور سنتوں کا مجموعہ بیان کرتی ہیں یہاں مسواک کے بیان کے ساتھ ان کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ان کے بیان کے بعد فقہاء کی طرف کے مطابق ان کی توضیح وتشریح بھی سپرد قلم کی جائے گی۔

ان میں سے دو احادیث اہم ہیں پہلی حدیث میں فطرت کی پانچ خصلتوں کا اور دوسری حدیث میں دس خصلتوں کا بیان ہے۔

فطرت کی پانچ سنتیں..... حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں۔

(۱) استرا استعمال کرنا (۲) ختنہ (۳) مونچھیں کاٹنا (۴) بغل کے بال اکھاڑنا (۵) ناخن تراشنا۔(۳)

۱۔ استرا استعمال کرنا..... سے مراد ہے زیر ناف بالوں کا دور کرنا یہ بالاتفاق سنت ہے یہ مونڈنے سے کترنے، نوچ کر اکھیڑنے سے اور چونے وغیرہ کے ذریعے کیا جاسکتا ہے، علامہ نووی نے افضل مونڈنے کو قرار دیا ہے زیر ناف (عانہ) سے مراد ہے مرد اور عورت کی اگلی شرمگاہ کے اردگرد اگے ہوئے بال۔

۲۔ ختنہ:..... اس سے مراد ہے مرد کے عضو تناسل کے اگلے سرے (حشفہ) پر موجود کھال کا وہ حصہ جو اس کو ڈھانپے ہوئے ہوتا ہے۔ اس کو بالکل کاٹ دینا یہاں تک کہ پورا حشفہ ظاہر ہو جائے اور عورت کا ختنہ یہ ہے کہ اس کی شرمگاہ کی اوپری طرف موجود کھال کو کاٹ دیا جائے مرد کے ختنہ کو عربی میں اعذار اور عورت کے ختنہ کو خفض کہا جاتا ہے اور خفض عورتوں میں ویسا ہی ہے جیسے ختنہ مردوں میں ختنہ ولادت کے ساتویں دن مستحب ہے اور ظاہر قول یہ ہے کہ ولادت کا دن بھی شمار ہوگا یہ مرد کے حق میں سنت ہے اور عورت کے حق میں ایک اچھی چیز ہے احناف اور مالکیہ کے ہاں۔ دلیل اس کی یہ حدیث ہے کہ ختنہ مردوں میں سنت اور عورتوں میں اچھی چیز ہے۔(۴)

شوافع اور حنابلہ کے ہاں مرد اور عورت دونوں کا ختنہ کرنا واجب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نو مسلم شخص سے فرمایا تھا کہ اپنے آپ سے کفر کے بال دور کرو اور ختنہ کرو(۵) اور دوسری دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اسلام لائے وہ ختنہ کرے(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ دوسری حدیث میں ہے ابراہیم علیہ السلام نے

---

(۱)..... مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۵۷۔(۲) حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر للدردیر، ج ۱ ص ۱۲۵۔(۳) بروایت صحاح ستہ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۰۸۔(۴) بروایت امام احمد وبیہقی از حجاج بن ارطاۃ اور یہ مدلس تھے، اور حدیث میں اضطراب ہے اس کے بارے میں امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف اور منقطع ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۱۳ اس کو خلال نے اپنی اسناد سے شداد بن اوس سے نقل کیا ہے۔(۵) اس کو ابوداؤد نے عثیم سے روایت کیا ہے اور اس میں کچھ قابل اعتراض کلام ہے۔(۶) یہ حدیث حافظ ابن حجر نے التلخیص الحبیر میں ذکر کی ہے اور اسے ضعیف قرار نہیں دیا ہے تاہم ابن منذر کے قول کو لے کر انہوں نے اعتراضا یہ کہا ہے کہ ختنے کے بارے میں کوئی قابل اعتماد حدیث نہیں اور نہ قابل اتباع سنت مروی ہے۔

جو اللہ کے دوست تھے۔ اسی سال کی عمر میں ختنہ کیا اور کلہاڑی سے کیا ❶ اور مزید یہ کہ یہ مسلمانوں کا شعار ہے تو دوسرے تمام شعاروں کی طرح یہ واجب ہے۔ اس بات کی دلیل کہ یہ عورتوں کے حق میں محض ایک اچھی چیز کا درجہ رکھتا ہے یہ حدیث ہے ختنہ مردوں کے لئے سنت اور عورتوں کے لئے ایک اچھی چیز ہے اور یہ حدیث اشمی ولا تنھکی (جلدی سے کر گزرنا اور بہت زیادہ نہ کرنا) ❷ اور حضرت ام عطیہ کی حدیث میں ہے جب تم خفض (عورت کا ختنہ) کرو تو جلدی سے کر گزرو۔

۳۔ مونچھوں کا تراشنا...... یہ بالاتفاق سنت ہے، مونچھیں کاٹنے والے کو اختیار ہے کہ وہ خود یہ کرے یا دوسرے سے کروائے کیونکہ مقصود دونوں صورتوں میں حاصل ہو جاتا ہے۔ بخلاف بغل اور زیر ناف بالوں کے تراشنے کے۔ شوافع اور مالکیہ کے نزدیک مونچھیں تراشنے کا مطلب یہ ہے کہ مونچھیں اس طرح تراشی جائیں کہ ہونٹوں کے کنارے ظاہر ہو جائیں یہی اس حدیث کے معنی ہیں جس کے الفاظ ہیں مونچھیں خوب کترو اور داڑھیوں کو چھوڑ دو مجوسیوں کی مخالفت کرو ❸ ایک روایت میں ہے جزوا الشوارب احناف کے ہاں مراد بالکل مونڈ دینا ہے کیونکہ گذشتہ حدیث احفوا وانھکوا کے الفاظ سے یہی ظاہر ہوتا ہے حنابلہ کے ہاں مونچھیں تراشنے اور بڑھانے میں اختیار ہے اور نص کے مطابق بڑھانا اولیٰ ہے۔

۴۔ داڑھی کا چھوڑنا یا بڑھانا...... اس کا مطلب ہے داڑھی کو چھوڑ دینا اور بالکل نہ متغیر کرنا۔ مالکیہ اور حنابلہ نے داڑھی مونڈنے کو حرام قرار دیا ہے ایک مٹھی سے زائد کو تراش دینے میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی حلق کے نیچے سے تراشنے میں کوئی حرج ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسا کرنا منقول ہے ❹ احناف کے ہاں داڑھی مونڈنا مکروہ تحریمی ہے شافعیہ کے ہاں مکروہ تنزیہی ہے علامہ نووی نے شرح مسلم میں داڑھی کے بارے میں دس چیزیں مکروہ قرار دی ہیں جن میں سے مونڈنا بھی ہے، تاہم اگر عورت کی داڑھی نکل آئے تو اس کا مونڈنا مستحب ہے۔

بغل کے بال اکھاڑنا بالاتفاق سنت ہے۔

۵۔ ناخن تراشنا بالاتفاق سنت ہے...... ان تمام چیزوں کے بارے میں دائیں جانب سے شروع کرنا مستحب ہے وجہ اس کی وہ حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے کہ دائیں جانب سے کاموں کو شروع کرنا مسنون ہے۔ اس حدیث کی الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوتا پہننے کنگھی کرنے اور وضو کرنے اور تمام کاموں میں دائیں جانب سے شروع کرنا پسند تھا۔

فطرت کی دس خصلتیں...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس چیزیں فطرت میں سے ہیں:

۱...... مونچھیں تراشنا	۲...... داڑھی بڑھانا	۳...... مسواک
۴...... پانی سے ناک صاف کرنا	۵...... ناخن تراشنا	۶...... انگلیوں کے جوڑوں گھائیوں کو دھونا
۷...... بغل کے بال اکھاڑنا	۸...... زیر ناف بال تراشنا	۹...... پانی سے استنجاء کرنا

---

❶...... متفق علیہ۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۱۱۔ ❷ جابر بن زید سے ان تک موقوف حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ختنہ کرنے والی سے کہا اشمی ولاتنھکی یعنی تھوڑا سا کاٹنا بالکل جڑ سے نہ اکھاڑ دینا۔ ❸ بروایت امام احمد و مسلم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور اسی کے ہم معنی امام احمد اور بخاری و مسلم نے حضرت ابن عمر سے روایت نقل کی ہے کہ مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کترواؤ امام احمد، نسائی اور ترمذی نے حضرت زید بن ارقم سے روایت کیا ہے کہ جو اپنے مونچھیں نہ تراشے وہ ہم میں سے نہیں امام ترمذی نے اس کو حدیث صحیح قرار دیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۔
❹ حضرت ابن عمر عمرہ یا حج کرتے تو اپنی داڑھی کو پکڑتے جو مٹھی سے زائد ہوتی اسے تراش دیتے۔ حوالہ بالا۔

۱۰۔ حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ میں دسویں بھول گیا شاید وہ کلی کرنا تھی۔ ❶

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ دسویں چیز شاید ختنہ کرنا تھی یہ بات زیادہ قابل قبول ہے۔ ان تمام خصلتوں اور اچھی باتوں کا بیان گذشتہ حدیث کی تشریح اور وضو کی سنتوں کے بیان میں گزر چکا ہے۔ براجم سے مراد ہے انگلیوں کے پورے جوڑ اور وہ تمام حصے جو مڑتے ہوں یہ ایک مستقل سنت ہے واجب نہیں علماء فرماتے ہیں کہ براجم کے قریب ان سے ملحق اور ان کے حکم میں یہ چیزیں بھی داخل ہیں کان کے اندر اس کے موڑ وغیرہ اور سوراخ کے اندر جمع ہو جانے والا میل ان کو پونچھ کر صاف کر لینا چاہئے۔ انتقاص الماء سے مراد استنجاء ہے، ایک روایت میں ہے انتضاح یعنی وضو کے بعد شرمگاہ پر تھوڑا سا پانی چھڑک لینا تاکہ وسوسے نہ آئیں۔ ❷

فطرت کی ان خصلتوں کے بارے میں فقہاء کی آراء...... ان دو گذشتہ حدیثوں اور ان کے علاوہ دیگر احادیث کی روشنی میں فقہاء کی کچھ آراء واقوال مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ خوشبو، ناخن، سرمہ...... بدن اور سر میں کبھی تیل لگانا مسنون ہے طاق عدد میں ہر آنکھ میں سونے سے قبل سرمہ لگانا مسنون ہے ناخن اس طرح تراشنا کہ جیسا کہ شوافع کی رائے ہے۔ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرے اور چھنگلی تک لے جائے پھر انگوٹھے کا ناخن کاٹے اس کے بعد بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے انگوٹھے تک کاٹتا ہوا آئے ناخن تراشنے کے بعد انگلیوں کے سروں کو دھونا مستحب ہے تاکہ صفائی کی تکمیل ہو سکے۔ بالوں اور ناخنوں کو دفن کر دینا چاہئے لیکن ان کو پھینک دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ دانتوں سے ناخن کترنا مکروہ ہے اس سے برص کی بیماری ہوتی ہے۔ ان تمام امور کی بالترتیب دلائل یہ ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھار کنگھی کرنے سے منع فرمایا ہے ❸ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات سونے سے قبل اثمد کا سرمہ استعمال فرماتے تھے اور ہر آنکھ میں تین سلائیاں لگایا کرتے تھے۔ ❹

ناخن تراشنا بھی سنن فطرت میں سے ہے جیسا کہ گذشتہ دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ عورت کو گھر میں خوشبو لگانی چاہئے اپنے گھر کے علاوہ خوشبو وغیرہ استعمال کرنے سے اس کو روکا جائے گا کیونکہ ایسا کرنا باعث فتنہ ہے۔ احناف فرماتے ہیں ناخن تراشنا مسنون ہیں ماسوا دار الحرب کے کہ وہاں ناخن بڑھانا مستحب ہے۔

۲۔ جوتا پہننا اور کپڑے لمبے کرنا...... بلا عذر ایک جوتا پہن کر چلنا مکروہ ہے، کیونکہ اس کی ممانعت سند صحیح سے ثابت ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کا توازن نہ بگڑے اور چال میں فرق نہ آئے، جیسا کہ کھڑے ہو کر جوتا پہننا مکروہ ہے کیونکہ اس بارے میں صحیح حدیث میں ممانعت آئی ہے کیونکہ اس سے گرنے کا خطرہ درپیش ہوتا ہے۔

عمامے کا شملہ بہت لمبا کرنا، کپڑا لمبا رکھنا اور ٹخنوں سے نیچے کپڑا کرنا مکروہ ہے اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو حرام ہے پگڑی کا شملہ چھوڑنا اور نہ چھوڑنا دونوں مکروہ نہیں ہیں (یعنی دونوں درست ہیں) اسی طرح عورت کے لئے اپنا کپڑا ایک ذراع زمین پر چھوڑ

---

❶...... بروایت امام احمد مسلم نسائی، اور ترمذی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابوداؤد نے حضرت عمار سے روایت نقل کی ہے ابن سکن نے اس کو صحیح قرار دیا ہے حافظ ابن حجر نے اس کو معلول کہا ہے۔ حاکم اور بیہقی نے اس کو حضرت ابن عباس سے موقوفاً روایت کیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۱۰۔ ❷ المغنی ج ۱ ص ۹۴۸۵ کشف القناع ج ۱ ص ۸۲۔۹۱ الحضرمیہ ص ۹ الفتاوی الہندیہ ج ۵ ص ۳۶۷۔۳۷۰: ❸ بروایت امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی از حضرت عبداللہ بن مغفل ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۲۳۔ امام احمد نے حضرت ابوایوب سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اربع من سنن المرسلین الحناء والتعطر والسواک والنکاح اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے دنیا میں سے یہ چیزیں پسند ہیں۔ عورتیں اور خوشبو میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے یہ حدیث نسائی امام احمد اور ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اس میں حدیث مرسل زیادہ قریب الی الصواب ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۲۷۔ ❹ بروایت امام احمد ترمذی اور ابن ماجہ۔

دینا درست ہے۔

۳۔ختنہ:.....حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں سنت ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں مرد اور عورت دونوں کے لئے واجب ہے جیسے کہ ابھی یہ بیان گزرا حنابلہ کی رائے میں مرد اور عورت کے لئے بوقت بلوغت یہ کرنا واجب ہے۔اگر ان کو اپنے آپ کو نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ نہ ہو کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وہ لوگ بچوں کا ختنہ اس وقت تک نہ کرتے تھے جب تک وہ باشعور نہ ہو جاتا ❶ بچپن میں ختنہ کرنا شعور پیدا ہونے سے قبل کرنے سے بہتر ہے کیونکہ اس وقت جلدی زخم مندمل ہوتا ہے۔ولادت کے ساتویں دن سے قبل ختنہ مکروہ ہے۔خود اپنا ختنہ کرلینا بھی جائز ہے اگر انسان خود کر سکے اور اچھی طرح کر سکتا ہو کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنا ختنہ فرمایا تھا۔

۴۔بال.....کبھی کبھار کنگھی کرنا ایسا ہی مسنون ہے جیسے تیل لگانا اور ضرورت کی صورت میں روزانہ کرنا چاہئے دلیل اس کی ابوقتادہ رضی اللہ عنہ والی روایت ہے جو نسائی نے نقل کی ہے داڑھی کا بھی سر کے بالوں کا حکم ہے۔مونچھیں تراشنا داڑھی بڑھانا اور بغل کے بال نوچنا مسنون ہے،کیونکہ یہ گذشتہ حدیث کی رو سے خصال فطرت ہیں یہ چیزیں اور ناخن تراشنے اور زیر ناف بالوں کی صفائی کا عمل جمعے کے دن ہونا چاہئے ایک قول یہ ہے کہ جمعرات کے دن اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو اختیار ہے ناخن، بال اور خون دفن کردینا چاہئے۔کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی ثابت ہے۔❷

یہ تمام امور جو اوپر ذکر ہوئے ہر ہفتے انجام دینے چاہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ناخن اور مونچھیں ہر جمعہ تراشتے تھے ❸ لہٰذا افضل یہ ہوا کہ انسان ہفتے میں ایک مرتبہ اپنے ناخن تراشے، مونچھیں کترے، زیر ناف بالوں کی صفائی کرے اور نہا کر اپنے بدن کو صاف کرے چالیس دن سے زیادہ عرصے تک ناخن نہ ترشوانا سر کے اور زیر ناف بال صاف نہ کرنا اور بغل کے بال نہ اکھاڑنا مکروہ ہے، ہر جمعہ سر منڈوانا مستحب ہے، سر کا کچھ حصہ مونڈنا تین انگلی کے برابر اور کچھ چھوڑ دینا مکروہ ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اپنی گدی کا منڈوانا مکروہ ہے مگر بوقت پچھنے لگوانے کے، حالت جنابت میں بال ترشوانا اور ناخن کاٹنا مکروہ ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار سر منڈوانے کے بارے میں یہ تھا کہ آپ یا تو بالکل ہی نہیں منڈواتے یا پورا منڈواتے تھے یہ آپ کا طریقہ نہیں تھا کہ کچھ منڈواتے اور کچھ چھوڑ دیتے یہ بھی مسنون ہے کہ انسان سر کو دھوئے اور اس میں کنگھی کرے دائیں طرف سے شروع کرتے ہوئے کیونکہ حدیث میں ہے جس شخص کے بال ہوں اس کو چاہئے کہ وہ ان کو اچھا رکھے ❹ علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: ہر دور میں علماء کا اتفاق رہا ہے کہ سر منڈوانا مباح ہے یعنی مرد کے لیے حج اور ضرورت کے علاوہ بھی سر منڈوانا مباح ہے۔سفید بال کو نہیں اکھاڑنا چاہئے یہ عمل مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید بال اکھاڑنے سے منع فرمایا ہے اور یہ فرمایا کہ یہ اسلام کا نور ہے ❺ اور داڑھی کے بال اکھاڑنا بھی مکروہ ہیں

اور قزع بھی مکروہ ہے یعنی سر کا کچھ حصہ منڈوالینا جیسا کہ پہلے گزرا کہ یہ عمل ممنوع ہے۔گدی کو سر سے علیحدہ مونڈ لینا جب کہ حجامت وغیرہ مقصود نہ ہو مکروہ ہے۔کیونکہ یہ مجوسیوں کا طریقہ کار ہے سفید بال کو سرخی یا پیلاہٹ سے رنگ لینا چاہئے سنت کی اتباع کی خاطر ❻ کالا خضاب

---

❶..... بروایت بخاری۔❷ خلال نے اپنی سند کے ساتھ مثلہ بنت شرح الاشعریہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے والد کو ناخن تراش کر انہیں دفن کرتے دیکھا وہ فرماتے تھے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے ابن جریج سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناخن کا دفن کردینا پسند تھا، حضرت ابن عمر اپنے بال اور ناخن دفن کردیتے تھے کشاف القناع ج ۱ ص ۸۴ المغنی ج ۱ ص ۸۸، دیلمی نے مسند الفردوس حضرت علی سے ایک ضعیف روایت میں نقل کیا ہے ناخن تراشنا بغل کے بال اکھاڑنا اور زیر ناف بال تراشنا جمعرات کے دن نہانا خوشبو لگانا اور کپڑے بدلنا جمعہ کے دن ہے۔❸ بغوی نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے نقل کیا ہے۔کشف القناع ج ۱ ص ۸۴۔❹ بروایت امام ابوداؤد۔اور اس کی اسناد حسن ہیں۔نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۲۳۔❺ خلال نے یہ حضرت عمرو بن شعیب سے بواسطہ ان کے دادا کے روایت کی ہے اور خلال نے طارق بن صہیب کے واسطے سے بھی ایک روایت نقل کی ہے کہ من شابہ شیبۃ فی الاسلام کانت لہ نوراً یوم القیامۃ المغنی ج ۱ ص ۹۱۔❻ بروایت امام احمد وغیرہ۔المغنی ج ۱ ص ۹۱ اور بعد کے صفحات

مکروہ یا حرام ہے ماسوا حالت جنگ کے جب کفار کو ڈرانا مقصود ہو شادی شدہ عورت کے لئے اجازت ہے کہ اگر اس کا شوہر پسند کرے تو وہ ہاتھ پاؤں پر مہندی لگالے۔عورت کے بلاعذر اپنے سر کو منڈوانا اور بال مکمل کاٹ دینا مکروہ ہے حضرت عکرمہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ عورت اپنا سر مونڈے ❶ اور اگر کوئی عذر ہو جیسے دانے وغیرہ ہوں تو مکروہ نہیں ہے۔کسی پریشانی اور رنج وغم کے موقع پر عورت کے لئے سر منڈوانا مکروہ ہے جیسے ماتم یا رونے پیٹنے یا کپڑے پھاڑ لینے وغیرہ کے موقع پر عورت کے لئے کانوں کی لو سے نیچے تک بال کٹوالینا جائز ہے۔کانوں سے نیچے اس لئے کہ مردوں سے مشابہت نہ ہو۔عورت کے لئے شوہر اور دوسری خواتین کے لئے بننا سنورنا مختلف طریقوں سے درست ہے جب تک کسی کافر یا گری پڑی عورت سے مشابہت مقصود نہ ہو۔

۵۔زیب وزینت اختیار کرنا...... آئینہ دیکھنے میں کوئی حرج نہیں اور اس موقع پر یہ دعا پڑھے:

اللھم کما حسنت خلقی فحسن خلقی وحرم وجھی علی النار ❷

بچے کا کان چھیدوانا مکروہ ہے بچی کا کان چھیدوانا نص کی رو سے جائز ہے کیونکہ بچی کو زیب وزینت اختیار کرنے کی حاجت ہوتی ہے بخلاف لڑکے کے۔چہرے کے بال نوچنا دانت گھسنا تاکہ وہ باریک ترتیب دار اور خوبصورت معلوم ہوں، اور جسم کو گودنا یہ تینوں حرام ہیں اسی طرح بالوں میں بال ملا کر باندھنا بھی حرام ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی لعنت ہو جسم گودنے اور گودوانے والی عورتوں پر چہرے کے بال نوچنے اور نوچوانے والی عورتوں پر اور دانتوں میں فاصلہ کرنے اور کروانے والی عورتوں پر ❸ اور کسی چیز پر لعنت بھیجنے کا مطلب اس کا حرام ہونا ہے کیونکہ مباح چیز کا کرنے والا لعنت کا مستحق تو ہوتا نہیں ہے اور اس بناء پر عورت کے لئے اپنے بالوں میں دوسرے بالوں کا ملانا اس حدیث کی رو سے ناجائز ہے۔ہاں بالوں کے علاوہ اگر کوئی چیز ہو تو اگر وہ ایسی ہے جس کی ضرورت بال باندھنے میں پڑتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کی ضرورت ہے اور اس سے احتراز ممکن نہیں۔

اسی طرح صحیح قول کے مطابق حاجت سے زائد مقدار بھی درست ہے اگر اس میں کوئی آرائش وغیرہ کے فائدے کا حصول ہو کہ عورت اپنے شوہر کے لئے مزین ہو سکتی ہو اور وہ بے ضرر بھی ہو۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہر چیز سے ملانے کو ناجائز قرار دیتے ہیں خواہ بالوں سے ملائے یا اون سے یا کپڑے کے ٹکڑوں سے۔کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ عورت اپنے بالوں میں کچھ ملائے ❹ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس مسئلے میں تفصیل ہے،اگر عورت کسی انسان کے بال میں ملائے تو وہ بالاتفاق حرام ہے،مرد کے بال ہوں یا عورت کے خواہ محرم کے ہوں شوہر کے ہوں یا ان کے علاوہ کسی کے کیونکہ اس کی حرمت پر دلالت کرنے والے دلائل عام ہیں۔اور دوسری بات یہ ہے کہ انسانی بدن کے اجزاء واعضا سے فائدہ اٹھانا اس کی عظمت وکرامت کے منافی ہونے کی بناء پر حرام ہے۔انسان کے بال ناخن اور تمام اجزاء دفن کئے جائیں گے۔اور اگر وہ عورت انسانی بال کے علاوہ کوئی اور چیز اپنے بالوں کے ساتھ ملائے تو

---

❶..... خلال نے اپنی سند سے حضرت عکرمہ سے بواسطہ قتادہ روایت کیا ہے۔❷ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث جو ابوبکر بن مردویہ نے روایت کی ہے سے معلوم ہوتا ہے پہلے لفظ خلق سے مراد ظاہری شکل وصورت دوسری سے مراد سیرت ہے۔❸ صحاح ستہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے صحاح ستہ نے حضرت ابن عمر سے یہ حدیث نقل کی ہے: لعن اللہ الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمه یہ دونوں صحیح حدیث ہیں نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۹۰۔واصلہ کہتے ہیں بالوں کو بالوں میں ملانے والی عورت کو تاکہ اس عورت کے بال زیادہ معلوم ہوں اور مستوصلہ وہ عورت جو یہ کروار ہی ہو اس کو موصولہ بھی کہا جاتا ہے۔اور گودنا حرام ہے کرنے والے اور کروانے والے دونوں پر متنمصات وہ عورت جو اپنے چہرے سے بال نچوائے تا معہ جو یہ کام کرے۔متفلجات دانتوں کے درمیان فاصلہ کروانے والی جو سامنے کے دانتوں اور ان کے اطراف کے دانتوں میں فاصلہ کرواتی ہیں۔علامہ دمیری فرماتے ہیں:عورت کو آرائش اور زیبائش کے لئے اپنی اس خلقت کو جس پر اللہ نے اس کو پیدا کیا ہے کمی کے ذریعے یا اضافے کے ذریعے بدل دینا جائز نہیں۔نہ شوہر کی خاطر اور نہ کسی اور کے لئے جیسے وہ عورت جس کی بھنویں ملی ہوئی ہوں اور وہ ان کے درمیان کے بالوں کو کشادگی کے لئے دور کرے یا برعکس تحفۃ الاحوذی بشرح الترمذی ج ۱ ص ۶۷۔❹ نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۹۱

اگر وہ نجس بال ہوں یعنی ان حضرات کی تفصیل کے مطابق مردار کے بال اور حرام گوشت والے جانوروں کے وہ بال جو ان کی زندگی میں ان سے علیحدہ کئے گئے ہوں تو ایسا کرنا حرام ہوگا حدیث کی بناء پر اور اس بناء پر کہ وہ نماز اور غیر نماز میں نجاست ساتھ لئے پھر رہی ہوگی۔ان دونوں صورتوں (انسانی بال یا نجس بال اپنے بالوں میں ملانا) میں شادی شدہ عورت اور دیگر عورتیں اور مرد سب کا ایک حکم ہے❶ تاہم شافعیہ کے ہاں شوہر کی اجازت سے چہرے سے بال نچوا لینا درست ہے کیونکہ شوہر کو اس کی زینت وآرائش میں رغبت ہوتی ہے اور اس نے اس عمل کی اجازت بھی دے دی ہے غیر انسانی پاک بالوں کا حکم یہ ہے کہ اگر شادی شدہ عورت نہیں ہے تو بال ملانا حرام ہے اور اگر شادی شدہ ہے تو صحیح قول کے مطابق شوہر کی اجازت سے ایسا کرنا جائز ہے ورنہ حرام ہے۔ان حضرات کے ہاں بالوں کا نوچنا مطلقاً حرام ہے ماسوااس کے کہ عورت کی داڑھی نکل آئے یا مونچھیں بن جائیں تو ان بالوں کا دور کرنا حرام نہیں بلکہ مستحب ہے جیسا کہ علامہ نووی وغیرہ نے فرمایا ہے اور یہ حرمت جو حدیث میں مذکور ہے اس وقت ہے جب غرض خوبصورتی کا حصول ہو بیماری وغیرہ کی وجہ سے ہونے کی صورت میں حرام نہیں۔اور حرام صرف چہرے سے بالوں کا اکھیڑنا ہے ان کا مونڈنا یا صاف کرنا حرام نہیں ہے بلکہ عورت کو اس کی اجازت ہے جیسا کہ نص میں اس کی تصریح ہے۔عورت کے لئے کنپٹی اور کان کے مقابل چہرے پر موجود بالوں کے درمیان والے بالوں کو چھوڑ دینا جائز ہے تاہم ایسا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ مرد کے لئے چہرے کو مونڈنا چھپانا مکروہ ہے۔اس بناء پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دانت کا نکالنا یا زائد عضو یا زائد انگلی کا کٹوا دینا ناجائز ہے کیونکہ یہ تغییر خلق اللہ میں شامل ہے قاضی عیاض فرماتے ہیں: ماسوا اس کے کہ یہ زائد اعضاء تکلیف دہ ہوں اور ان کو ان سے تکلیف پہنچے اور ضرر لاحق ہو تو اس صورت میں ان کا نکالنا درست ہے یہ علامہ طبری نے بھی ان چیزوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جن سے ضرر اور اذیت ہوتی ہو جیسے اضافی دانت یا لمبا دانت جو کھانے میں دقت پیدا کرے یا وہ زائد انگلی جو تکلیف اور ضرر کا باعث ہو، خواہ مرد کی ہو یا عورت کی❷ کنگھی کرنے والی کی کمائی مکروہ ہے جیسے حمام والے کی کمائی مکروہ ہے۔عورتوں پر مرد کے مشابہ ہونا حرام ہے جیسا کہ مردوں پر عورتوں سے مشابہت حرام ہے۔اور جیسا کہ پہلے گزرا سفید بال کا ایسی جگہ سے اکھاڑ دینا جہاں سے بال کو عام طور پر نہیں اکھاڑا جاتا ہے مکروہ ہے ترمذی کی روایت کردہ ایک حدیث جنہیں انہوں نے حسن بھی قرار دیا ہے کہ الفاظ ہیں سفید بال کو مت اکھاڑو کیونکہ یہ مؤمن کا نور ہے۔

۶۔برتن ڈھانپنا..... برتن کو ڈھانکنا مسنون ہے خواہ لکڑی سے ہی ڈھانپا جائے۔حدیث میں ہے اپنا مشکیزہ باندھ کر رکھو، اللہ کا نام لو اپنا برتن ڈھانکو اور اللہ کا نام لو خواہ ایسا ہی کرو کہ چوڑائی میں لکڑی رکھ دو❸ اور بسا اوقات زمین پر رینگنے والے حشرات وغیرہ کو اس پر رینگنے یا گزرنے سے روکنا کا سبب بنتا ہے شام ہو جانے پر اللہ کے نام کے ساتھ پانی کے مشکیزے کا منہ باندھ دینا بھی مسنون ہے جیسا کہ گذشتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۷۔نیند.....سوتے وقت اللہ کا نام لے کر دروازے بند کرنا اور روشنیاں گل کر دینا اور انگارے بجھا دینا مسنون ہے، یہ بھی گذشتہ حدیث کی رو سے ثابت ہے سوتے وقت بستر جھاڑنا بھی مسنون ہے، دائیں رخسار کے نیچے دایاں ہاتھ رکھ کر سونا مسنون ہے دائیں پہلو پر قبلہ رخ لیٹنا چاہئے کہ یہ مسنون ہے اور توبہ استغفار کرنا چاہئے اور یہ الفاظ بھی کہے جو حدیث میں آئے ہیں: **باسمك ربي وضعت جنبي وبك ارفعه ان امسكت نفسي فاغفرلي وان ارسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادك الصالحين** سورۃ الم سجدہ اور سورۃ الملک کی قرأت مستحب ہے امام احمد ترمذی اور خلال نے حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا کرتے تھے یعنی دعا اور سورتوں کی قرأت سورۃ البقرہ کی آخری آیات آمن الرسول سے آخر تک پڑھنا بھی مستحب ہے، آیت الکرسی معوذتین اور سورۃ

---

❶.....مغنی المحتاج، ج ا ص ۱۹۱ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہے کہ جب اجنبی لوگوں سے چہرہ چھپا رہے۔❷ تحفة الاحوذي بشرح جامع الترمذي ج ۱ ص ۶۸۔❸ متفق عليه.

اخلاص کا پڑھنا بھی مستحب ہے اور نیند سے بیدار ہونے کے بعد آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے سورۃ آل عمران کی آخری آیات ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل الایۃ بھی پڑھ لینی چاہیں ایسی چھت پر سونا جس کے اوپر کوئی رکاوٹ وغیرہ نہ بنی ہو مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے ❶ اور اس کا بھی اندیشہ ہے کہ وہ لڑھک کر گر جائے۔ پیٹ کے بل اور گدی کے بل سونا مکروہ ہے ❷ اگر شرمگاہ کے کھل جانے کا اندیشہ ہو۔ عصر کے بعد سونا مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں ہے جو شخص عصر کے بعد سوئے اور اس کی عقل بگڑ جائے تو وہ اپنے آپ کو قصور وار گردانے ❸ فجر کے بعد سونا بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ رزق تقسیم ہونے کا وقت ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ آسمان تلے صرف ستر چھپا کر باقی جسم ننگا رکھ کر سونا اسی طرح جاگے ہوئے لوگوں کے درمیان سونا دونوں عمل مکروہ ہیں کیونکہ یہ آداب واخلاق کے منافی امور ہیں۔ اکیلا سونا بھی مکروہ ہے حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہائی سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی منع فرمایا ہے کہ انسان رات اکیلا نہ گزارے۔ ❹

اسی طرح اکیلا سفر کرنا مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں ہے تنہا شخص شیطان ہے ❺ آدھے سائے اور آدھی دھوپ میں سونا اور بیٹھنا بھی مکروہ ہے کیونکہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس سے منع فرمایا ہے اور روایت میں ہے کہ یہ شیطان کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ سمندر میں تلاطم کی صورت میں سفر کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں خطرہ ہے۔

دوپہر میں قیلولہ کرنا مستحب ہے خواہ اس دوران نیند نہ بھی آئے۔ سردی اور گرمی دونوں میں۔

میت کے سرہانے یٰس کی تلاوت مستحب ہے کیونکہ ابوداؤد کی روایت کردہ حدیث کے مطابق ایسا کرنا چاہئے۔ مریض کے پاس فاتحہ، سورۃ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر ہاتھوں میں پھونک مار کر اس پر پھیر دینا مستحب ہے جیسا کہ صحیح مسلم اور بخاری میں منقول ہے سورۃ کہف جمعہ کے دن اور رات کو پڑھنا مستحب ہے۔

حظر اور اباحت......(مباح اور ممنوع چیزوں) کے بیان میں انسان کے احوال اور زندگی کی مختلف سرگرمیوں یعنی کھانا، پینا پہننا برتنوں کا استعمال چھونا، دیکھنا کھیل کود وغیرہ کا مزید بیان آئے گا۔ ❻

۳۔ تیسری بحث......موزوں پر مسح کا بیان

وضو اور اس کے متعلقات سے متعلق تیسری بحث چمڑے کے موزوں پر مسح کا مطلب مشروعیت طریقہ اور اس کی جگہ شرائط مدت اس کے باطل کرنے والے امور پگڑی پر مسح عام موزوں پر مسح اور زخم وغیرہ پر بندھی ہوئی پٹیوں پر مسح کرنے کا بیان۔

ا۔ مسح علی الخفین (موزوں پر مسح) کے معنی اور اس کی مشروعیت...... مسح علی الخفین وضو میں پاؤں کے دھونے کے بدلے میں مشروع کیا گیا ہے۔ لغت میں اس کا مطلب ہے ہاتھ کا کسی چیز پر پھیرنا اور شرعاً اس کا مطلب ہے تر ہاتھ کو موزوں پر خاص حصے میں خاص وقت میں پھیرنا۔ اور خف (موزہ) شرعاً وہ ہوتا ہے جو چمڑے کا ہو اور ٹخنوں کو ڈھانپ لے یا ان سے بھی اوپر ہو اور مخصوص جگہ کا مطلب ہے موزوں کے اوپر نہ کہ اندر اور مخصوص زمانے سے مراد ہے کہ ایک دن رات مقیم شخص کے لئے اور تین دن تین رات مسافر کے لئے ❼ مالکیہ نے

---

❶...... بروایت ترمذی از حضرت جابر۔ ❷ بعض حضرات نے آداب میں لکھا ہے کہ گدی کے بل سونا خراب عمل ہے اس طرح زیادہ سونے سے آنکھ اور منہ کو ضرر پہنچتا ہے ہاں اگر کوئی صرف آرام کرنے کے لیے لیٹے سوئے بغیر تو یہ جائز ہے اور سب سے خراب طریقہ منہ کے بل سونا ہے۔ ❸ ابویعلی موصلی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کو روایت کیا ہے تاہم یہ حدیث ضعیف ہے ❹ بروایت امام احمد از حضرت ابن عمر یہ مرفوع ہے اور حدیث حسن ہے۔ ❺ بروایت حاکم از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث ہے الواحد شیطان والاثنان شیطانان والثلثۃ رکب اور یہ حدیث صحیح ہے۔ ❻ بروایت امام احمد۔ ❼ الدر المختار ج ۱ ص ۲۴۰ اور بعد کے صفحات۔

مسح کی کوئی مدت متعین نہیں کی ہے جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا اسی طرح شیعہ امامیہ نے اس کو بقدر ضرورت جائز قرار دینے کے باوجود مسح کی مدت ایک یا تین دن متعین نہیں کی ہے۔

مسح بطور رخصت مشروع ہے یہ چاروں مذاہب میں سفر اور حضر میں مرد اور عورتوں کے لئے جائز ہے ❶ مقصود اس سے لوگوں کو سہولت اور آسانی دینا ہے بالخصوص سردی اور ٹھنڈ کے زمانے میں سفر میں اور بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو مستقلاً کوئی کام انجام دیتے ہوں جیسے فوجی پولیس والے اور وہ طلبہ جو یونیورسٹیوں میں مستقلاً کوئی کام انجام دیتے ہیں اور ان کی طرح کے دوسرے لوگ۔

اس کی مشروعیت سنت نبویہ میں وارد بہت سی احادیث سے ثابت ہے جن میں چند مندرجہ ذیل ہیں۔

۱.....حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر دین کے معاملات صرف رائے پر چلتے تو موزوں کی نچلی طرف مسح کرنا اولی ہوتا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کی اوپری طرف مسح کرتے ہوئے دیکھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن اور تین رات کی مدت مسافر کے لئے اور ایک دن رات مقیم شخص کے لئے معین فرمائے۔❷

۲.....حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا❸ آپ نے وضو فرمایا میں نے آپ کے موزے اتارنا چاہے تو آپ نے فرمایا ان کو رہنے دو میں نے انہیں باوضو حالت میں پہنا تھا، پھر آپ نے ان پر مسح فرمایا۔❹

۳.....حضرت صفوان بن عسال کی حدیث: وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم موزوں پر مسح کریں جب کہ ہم نے انہیں باوضو حالت میں پہنا ہو۔ حالت سفر میں تین دن اور جس وقت مقیم ہوں تو ایک دن رات کریں اور پاخانہ پیشاب کرنے کی صورت میں نہ اتاریں صرف جنابت کی صورت میں ان کو اتاریں۔❺

۴.....حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی حدیث: انہوں نے وضو فرمایا موزوں پر مسح کیا، ان سے پوچھا آپ ایسا کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے پیشاب کی قضائے حاجت فرمائی، پھر وضو کیا اور دونوں موزوں پر مسح کیا❻ اور یہ بات مشہور و معروف ہے کہ حضرت جریر سورۃ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد اسلام لائے تھے جس میں آیت وضو ہے۔ امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ موزوں پر مسح کو صحابہ کی اتنی تعداد نے نقل کیا ہے جو نا قابل شمار ہیں، حفاظ حدیث کے ایک گروہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ مسح علی الخفین کی حدیث متواتر ہے بعض نے اس کے راویوں کی تعداد ذکر کی ہے جو اسّی (۸۰) سے متجاوز ہے ان میں سے دس تو عشرہ مبشرہ ہیں، امام احمد فرماتے ہیں کہ اس بارے میں صحابہ سے چالیس مرفوع حدیثیں منقول ہیں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے ستر صحابہ نے یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موزوں پر مسح فرمایا کرتے تھے❼ اور مسح کا قول حضرت علی حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت بلال، حضرت حذیفہ، حضرت بریدۃ، حضرت خزیمہ بن ثابت، حضرت سلمان اور حضرت جریر البجلی رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ سب کا ہے۔

شیعہ امامیہ، زیدیہ، اباضیہ اور خوارج مسح علی الخفین کی مشروعیت کے قائل نہیں ہیں❽ اور حقیقت یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ امامیہ مسح

---

❶..... بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۷ القوانین الفقھیہ ص ۳۷ مراقی الفلاح ص ۲۱ ۔❷ پہلی حدیث ابوداؤد اور دارقطنی نے حسن اسناد کے ساتھ نقل کی ہے علامہ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، دوسری حدیث امام مسلم ابوداؤد و ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے سبل السلام ج ۱ ص ۵۸،۶۰ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۴۔❸ یعنی سفر میں ساتھ تھے جیسا کہ بخاری میں اس کی تصریح ہے اور امام مالک اور ابوداؤد کی روایت کے مطابق غزوہ تبوک کے سفر کا واقعہ ہے۔❹ متفق علیه سبل السلام ج ۱ ص ۵۷ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۰ ۔❺ بروایت امام احمد ابن خزیمہ نسائی اور ترمذی، امام ترمذی اور خزیمہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے امام شافعی ابن ماجہ ابن حبان دارقطنی اور بیہقی نے اس کو روایت کیا ہے امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۱ سبل السلام ج ۱ ص ۵۹ ۔❻ متفق علیہ، اور امام ابوداؤد نے بھی اس کو روایت کیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۶۔ ❼ بروایت ابن ابی شیبہ۔❽ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۶۔۱۷۸ کتاب الخلاف فی الفقه للطوسی عند الامامیہ ج ۱ ص ۶۰۔۶۱ شامل الاصل والفرع عندالاباضیہ از شیخ محمد بن یوسف لطفیش ج ۱ ص ۲۱۱ سبل السلام ج ۱ ص ۵۷ اور بعد کے صفحات۔

علی الخفین کو اختیاری طور پر کرنے کو جائز نہیں قرار دیتے، بوقت ضرورت خوف اور تقیہ کی صورت میں جائز قرار دیتے ہیں، خوارج کے ہاں تو ضرورت کی تحت بھی جائز نہیں ہے۔

ان لوگوں نے اپنی رائے میں جن دلیلوں سے استدلال کیا ہے وہ اعتراضات سے پاک نہیں بلکہ وہ بالکل بودی ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

۱..... یہ وضو کی آیت کے ذریعے منسوخ ہے یعنی سورہ مائدہ کی آیت وضو جس میں موزوں پر مسح کا کوئی ذکر نہیں ہے اس میں صرف اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے وارجلکم الی الکعبین (اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک المائدہ آیت ۶) تو اس آیت نے دونوں پاؤں پر پانی استعمال کرنے کی تعیین کردی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے تھے کتاب اللہ موزوں کے مسح کے حکم پر فوقیت رکھتی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ المبارک کی آیت کے نزول کے بعد مسح نہیں فرمایا۔ تاہم روایت یہ اس لئے قابل قبول نہیں کہ وضو بالاتفاق سورۃ مائدہ سے پہلے بھی ہوتا تھا۔ اور اگر موزوں پر مسح سورۃ المائدہ کے نزول سے قبل بھی ہوتا تھا تو سورہ مائدہ کا دونوں پاؤں کے دھونے یا شیعہ امامیہ کے مطابق دونوں پاؤں پر مسح کرنے کا حکم بلا ذکر مسح علی الخفین اس کے حکم کے نسخ کو ثابت نہیں کرتا ہے اور اگر مسح آیت مائدہ کے نزول سے قبل ثابت نہ ہوتب تو بالکل بھی نسخ ہونا ممکن نہیں۔ پھر حدیث کے راوی حضرت جریر کا اسلام لانے کا واقعہ سورۃ المائدہ کے نازل ہونے کے بعد پیش آیا تھا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے خود دیکھا ہے اور نسخ کی شرط یہ ہے کہ نسخ بعد میں ہو خلاصہ کلام یہ ہے کہ وضو کی آیت غزوہ مریسیع میں نازل ہوئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں موزوں پر مسح فرمایا تھا❶ تو بعد میں آنے والا پہلے کی چیز کو کیسے منسوخ کردے گا۔ ابن ابی شیبہ کے نقل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ وہ منقطع ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول روایت بھی منقطع ہے دوسری بات یہ کہ ان سے منقول یہ روایتیں ان سے نقل شدہ دیگر ان روایتوں کے بھی خلاف ہیں جو ان سے مسح کے جواز کو نقل کرتی ہیں اسی طرح ان کی ان روایتوں کے معارض حدیث زیادہ صحیح ہے ان کی روایتوں کے مقابلے میں یعنی حضرت جریر البجلی رضی اللہ عنہ کی حدیث۔

۲..... دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ مسح علی الخفین کے بارے میں وارد احادیث اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت مطلقاً عام آیت ہے جس میں موزوں کے ہونے یا نہ ہونے سے قطع نظر حکم بیان کیا گیا ہے تو اس آیت کے ذریعے موزوں پر مسح کی آیت مخصوص یا مقید کرنے والی قرار دی جائے گی لہٰذا نسخ نہیں ہوا اور یہ احادیث متواتر ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا تو ان کا مخصص (مخصوص کرنے والی) ہونا بالکل درست ہے یہ اس کی اہلیت رکھتی ہیں۔ یعنی آیت کے یہ الفاظ وارجلکم عام ہیں ان کو ان احادیث نے مقید (مخصوص) کردیا اس حالت کے ساتھ جب کہ پاؤں پر موزے نہ ہوں اسی طرح اس کا عام ہونا بھی ممکن ہے کہ یہ عام تھی اس کو احادیث نے خاص کردیا۔

۳..... تیسری دلیل ان کی یہ ہے کہ وضو کی احادیث میں مسح علی الخفین کا ذکر نہیں ملتا ہے ان میں صرف پاؤں کے دھونے کا ذکر ملتا ہے مسح کا نہیں ان احادیث میں پاؤں کے دھونے کے ذکر پر جب وضو کا عمل مکمل ہو جاتا ہے یہ الفاظ فرمائے گئے، اللہ اس کے بغیر نماز قبول نہیں فرماتا ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں سے یہ کہنا جنہوں نے ایڑیاں دھوئی تھیں ہلاکت ہو ایڑیوں پر آگ کی۔

اس بات کا جواب یہ ہے کہ وضو کی احادیث زیادہ سے زیادہ دھونے کا بتلاتی ہیں نہ کہ حصر کا اور نہ قصر کا (یعنی ان سے نہ تو یہ سمجھ آتا ہے کہ یہی عمل کیا جا سکتا ہے دوسرا نہیں اور نہ ہی کسی ایسی کمی کا بیان ہے) جو اس دوسرے عمل کی مشروعیت کو کالعدم قرار دے اگر اس میں ایسے الفاظ ہوتے جو صرف دھونے پر دلالت کرتے تو بھی یہ آیت متواتر احادیث کے باعث مخصص (مخصوص شدہ) شمار کی جاتی۔ رہی بات ان الفاظ کی

---

❶..... غزوہ مریسیع یا غزوہ بنی المصطلق چھٹی ہجری میں شعبان کے مہینے میں ہوا تھا اور جھڑپ ایک پانی والے مقام پر ہوئی تھی جسے مریسیع کہا جاتا ہے جو کہ قدید سے ساحل طرف جاتے ہوئے واقع ہے غزوہ تبوک یا غزوۃ العسرۃ رجب کے مہینے میں نویں سال ہجری میں پیش آیا تھا۔

کہ اللہ اس کے بغیر قبول نہیں فرماتا ہے تو یہ الفاظ قابل اعتبار طریقے سے ثابت بھی نہیں ہیں۔ اور ایڑیوں کے خشک رہ جانے پر ان کے بارے میں وارد حدیث تو یہ تو اس شخص کے بارے میں ہے جو صرف پاؤں پر مسح کر لے (جلدی جلدی چھوڑ چھاڑ کر دھوئے) اس کو دھوئے نہیں۔ یہ مسح علی الخفین کے بارے میں نہیں وارد ہے اور یہ مسح علی الخفین کو شامل ہو بھی نہیں سکتی کیونکہ مسح علی الخفین کی صورت میں انسان پورا پاؤں چھوڑ دیتا ہے نہ کہ صرف ایڑیاں۔ علاوہ ازیں مسح علی الخفین کی احادیث مسح کرنے والے کی اس وعید سے تخصیص بھی کر دیتی ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آیت وضو میں ارجلکم کے لام کے زیر والی قرأت جس میں ارجلکم کا عطف رؤوس پر ہے اور ان دونوں پر مسح ثابت کرتی ہے تو وہ قرأت مسح علی الخفین پر ہی محمول ہوگی جیسا کہ حدیث نے اس کو بیان کیا ہے۔ اور مسح کا ثبوت اس طرح کتاب اور سنت دونوں سے ہوگا۔ یہ سب سے بہترین توجیہ ہے جو زیر والی قرأت کے بارے میں بیان کی جاتی ہے۔

۲۔مسح علی الخفین کا طریقہ اور اس کا مقام ومحل...... اس کا طریقہ یہ ہے کہ پاؤں کی انگلیوں پر ہاتھ کی انگلیاں رکھ کر لکیروں کی شکل بناتے ہوئے ہاتھ پنڈلی تک لے جایا جائے۔ احناف کے ہاں مسح میں واجب یہ ہے ❶ کہ ہاتھ کی تین چھوٹی انگلیوں کے بقدر مسح ہو اور وہ پاؤں کی پشت پر ہو ایک مرتبہ ہو اور یہ باعتبار آلہ مسح کے ہے (یعنی چونکہ مسح ہاتھ سے کیا جاتا ہے لہٰذا ہاتھ کا اعتبار کرتے ہوئے کم از کم تین انگلیوں کے برابر مسح ہونا واجب ہوا) چنانچہ پاؤں کے تلوے پر مسح کرنا جائز نہیں، نہ اس کی پچھلی طرف نہ اس کے اطراف میں اور نہ پنڈلی پر اس کا دھرانا یا تلوے پر مسح کرنا مسنون نہیں ہے، کیونکہ مسح کرنے میں شریعت کے بیان کردہ تمام طریقوں کی رعایت اور لحاظ ضروری ہے۔

مالکیہ کے ہاں واجب یہ ہے ❷ کہ موزوں کے اوپری پورے حصے پر مسح کیا جائے نچلی طرف کر لینا بھی مستحب ہے شوافع کے ہاں واجب یہ ہے ❸ کہ اتنی مقدار میں مسح کر لیا جائے جس کو عرف میں مسح کہا جائے۔

جیسے سر کا مسح ہوتا ہے، اور یہ مسح فرضیت کے محل میں ہونا چاہئے یعنی موزوں کا اوپری حصہ اس کا نچلا حصہ کنارہ اور پچھلا حصہ نہیں وجہ اس کی یہ بیان کرتے ہیں کہ مسح کا حکم مطلقاً آیا ہے لہٰذا اس کے بارے میں کوئی مقدار معین کرنا درست نہیں ہے اتنا کر لینا ضروری ہے جس کو مسح کہا جا سکے جیسے ہاتھ یا لکڑی وغیرہ کا پھیر دینا وغیرہ یعنی وہ کم سے کم فعل جس کو مسح کہا جا سکے وہ کرنا لازم ہے۔ موزوں کے اوپری نچلے اور پچھلے حصے کا مسح بنا مسنون ہے جیسا کہ مالکیہ کا قول بھی یہی ہے اور مسح بھی لکیریں بناتے ہوئے کرنا مسنون ہے۔

حنابلہ کے ہاں ❹ مسح میں یہ ضروری ہے کہ موزوں کے اوپری حصے کا اگلا حصہ زیادہ تر مسح ہو جائے اور مسح بھی لکیروں کی شکل میں ہو موزوں کا نچلا اور پچھلا حصہ مسح کرنا مسنون نہیں جیسا کہ احناف کی بھی یہی رائے ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مسح کا لفظ مطلقاً وارد ہوا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت اپنے فعل سے فرمائی ہے لہٰذا اس وضاحت کے مطابق ہی انجام دیا جانا واجب ہے اور مسح کی تفسیر و وضاحت حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے جس کو خلال نے اپنی اسناد سے نقل کیا ہے جس میں مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر آپ نے وضو فرمایا اور موزوں پر مسح کیا اور اپنا دایاں ہاتھ دائیں موزوں پر اور بایاں ہاتھ بائیں موزوں پر رکھا پھر ان دونوں کے اوپری حصوں کو ایک ہی دفعہ میں مسح کیا گویا کہ میں ابھی بھی آپ کی مبارک انگلیوں کے نشانات موزوں پر دیکھ رہا ہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مالکیہ کے نزدیک پورے اوپری حصے کا مسح واجب ہے جیسے کہ وضو کے تمام اعضاء کے بارے میں حکم ہے اور احناف کے ہاں ہاتھ کی تین انگلیوں کے برابر مسح واجب ہے جیسے وضو میں سر کا مسح ہوتا ہے اور حنابلہ کے ہاں اوپری حصے کے اکثر حصے کا مسح کرنا واجب ہے کیونکہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اوپری حصے پر مسح کرتے دیکھا ❺

---

❶...... مراقی الفلاح ص ۲۲۲۔ البدائع ج ۱ ص ۱۲ اللباب ج ۱ ص ۴۳ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۰۳، الدرالمختار ج ۱ ص ۲۴۶، ۲۵۱، ۲۶۰۔ ❷ القوانین الفقهیه ص ۳۹ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۵۹۔ ❸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۶۷، المهذب ج ۱ ص ۲۲۔ ❹ المغنی ج ۱ ص ۲۹۸ کشف القناع ج ۱ ص۔ ۱۳۰، ۱۳۳۔ ❺ بروایت امام احمد وابو داؤد

شوافع کے ہاں وہ کم از کم مقدار جس کو عرف میں مسح کہا جاسکے۔ کیونکہ شریعت میں وارد حکم جو مطلقاً وارد ہوا ہو وہ اس کی متوقع صورتوں اور حالتوں میں سے جس کو بھی انجام دیا جائے اس کے پائے جانے پر متحقق ہوجاتا ہے۔ اور راجح بات یہ ہے کہ موزوں پر مسح کا ہونا متحقق ہونا ضروری ہے جیسا کہ سر کے مسح کے بارے میں بھی راجح قول صرف مطلقاً مسح کے پائے جانے کا ہے۔

موزوں کے نچلے حصے پر مسح کرنے کے بارے میں واقع اختلاف کا سبب دو روایتوں میں واقع تعارض ہے۔ ❶

ا.....پہلی روایت تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے اوپری اور نچلے حصوں پر مسح فرمایا ❷ اس بات کو مالکیہ اور شوافع نے اختیار کیا ہے۔

۲.....دوسری روایت حضرت علی سے منقول وہ بات ہے جو گزر چکی کہ اگر دین محض رائے سے ہی حاصل کیا جاسکتا تو موزوں کا نچلا حصہ اس کے اوپری حصے کے مقابلے میں زیادہ مسح کئے جانے کے قابل ہوتا لیکن میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے اوپری حصے پر مسح کرتے دیکھا ہے اسی بات کو احناف اور حنابلہ نے اختیار کیا ہے۔ پہلے فریق نے دونوں حدیثوں کو جمع کر دیا اور حضرت مغیرہ والی حدیث کو استحباب اور حضرت علی والی حدیث کو وجوب پر محمول کیا دوسرے فریق نے ترجیح والی روش اپنائی اور حضرت علی والی حدیث کو حضرت مغیرہ والی حدیث پر ترجیح دی کیونکہ وہ سنداً زیادہ راجح ہے دوسری بات یہ کہ موزوں پر مسح قیاس کے بالکل برخلاف مشروع ہے لہٰذا وہ صرف اسی حد تک محدود رہے گی جو شریعت نے بیان کی ہے میرے خیال میں دوسری بات زیادہ راجح ہے اگر ابن رشد نے یہ کہا ہے کہ اس مسئلے میں شیر تو صرف امام مالک ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسح کی جگہ موزوں کی اوپری سطح ہے اندرونی اور نچلی سطح پر حنابلہ اور حنفیہ کے ہاں مسح نہیں کیا جائے گا۔ مالکیہ اور شافعیہ کے ہاں اس کا محل فرض اوپری حصہ ہے اس کے ساتھ نچلے حصے کا مسح مسنون ہے۔

مسح کی سنت......اوپر جو کچھ گذرا اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسح کی سنت کے بارے میں فقہاء کی دو رائے ہیں حنفیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ ہاتھ کی انگلیوں سے اس طرح مسح کرے کہ پاؤں کی انگلیوں سے شروع کرے اور لکیریں بناتا ہوا پنڈلی تک لے جائے۔ دلیل اس کی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں موزوں پر مسح فرمایا اپنا دایاں ہاتھ دائیں موزے پر اور بایاں بائیں موزے پر رکھا اور اوپر تک (پنڈلی تک) ایک دفعہ میں مسح کرتے ہوئے لے گئے ❸ اور اگر پنڈلی سے انگلیوں تک مسح کرتا ہوا لے جائے (یعنی برعکس عمل کرے) تو بھی مسح ہوجائے گا دائیں پاؤں پر دائیں ہاتھ سے اور بائیں پاؤں بائیں ہاتھ سے مسح کرنا مسنون ہے گذشتہ حدیث کی رو سے۔

مالکیہ اور شوافع فرماتے ہیں کہ مسح کا مستحب اور مندوب طریقہ یہ ہے کہ بائیں پاؤں کی انگلیوں پر دائیں ہاتھ کا اندر کا حصہ (ہتھیلی وغیرہ) رکھے اور بائیں ہاتھ کو پاؤں کے تلوے پر انگلیوں کے نیچے، مالکیہ کے ہاں اور شوافع کے ہاں ایڑی کے نیچے رکھے اور دونوں ہاتھوں سے مسح کرتے ہوئے دوسری طرف لے جائے یعنی ان کے ہاں مسح اوپر اور نیچے دونوں طرف مسنون ہے پورے موزے پر مسح کر لینا مسنون نہیں مسح دھرانا یا موزہ دھولینا مکروہ ہے کیونکہ اس سے موزہ خراب ہوتا ہے تاہم اگر اس نے ایسا کر لیا تو بھی جائز ہے۔

۳۔ مسح علی الخفین کی شرائط......مسح کی کچھ شرائط متفقہ اور کچھ اختلافی ہیں ❹ یہ پیش نظر رہے کہ یہ شرائط مسح وضو کی صورت میں ہیں

---

❶...... بدایة المجتهد ج ۱ ص ۱۸۔ ❷ پانچویں حضرات نے ماسوا نسائی کے اس کو روایت کیا ہے دار قطنی، بیہقی اور ابن الجارود نے بھی اس کی روایت ہے لیکن وہ ضعیف اور معلول ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۵۔ ❸ بروایت بیهقی وابن ابی شیبه. نصب الرایه ج ۱ ص ۱۸۰۔ ❹ الدرالمختار ج ۱ ص ۲۴۱۔۲۴۵ البدائع ج ۱ ص ۹۔ مراقی الفلاح ص ۲۲ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۵۶ القوانین الفقهیه ص ۳۸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۶۵ المهذب ج ۱ ص ۲۱ المغنی ج ۱ ص ۲۸۲، ۲۹۳، ۲۹۶ کشف القناع، ج ۱ ص ۱۲۴۔۱۳۳ بدایة المجتهد ج ۱ ص ۱۹۔۲۱۔

جنابت کی صورت میں مسح جائز نہیں ہے۔ لہٰذا جس پر غسل واجب ہو اس کے لئے مسح جائز نہیں۔ دلیل اس کی حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ والی وہ حدیث ہے جو پہلے بھی گزر چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم موزوں پر مسح کریں اگر ہم نے انہیں بحالت وضو پہنا ہو مسافر ہونے کی صورت میں تین دن اور رات اور مقیم ہونے کی صورت میں ایک دن رات اور پاخانہ، پیشاب اور نیند کی صورت میں انہیں نہ اتاریں صرف جنابت کی صورت میں انہیں اتاریں۔

متفقہ شرائط.....فقہاء کا تین شرائط پر اتفاق ہے کہ مسح علی الخفین وضو کے لئے کیے جانے کی صورت میں یہ شرط ہیں:

ا.....ان کو مکمل طہارت کی حالت میں پہنا جائے جیسا کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا میں نے آپ کے موزے اتارنا چاہے تو آپ نے فرمایا: ان کو ایسے ہی چھوڑ دو میں نے انہیں پاکی کی حالت میں پہنا تھا پھر آپ نے ان پر مسح فرمایا[1] جمہور نے یہ شرط قرار دی ہے کہ یہ طہارت پانی کے ذریعے حاصل شدہ ہو۔ شوافع نے یہ جائز رکھا ہے کہ طہارت پانی کے ذریعے حاصل شدہ ہو یعنی وضو یا غسل وغیرہ یا وہ طہارت تیمم کے ذریعے حاصل شدہ ہو وہ تیمم جو کہ پانی کے فقدان کے باعث نہ کیا گیا ہو (یعنی ایسا تیمم نہ ہو جو صحت مند شخص نے پانی کے نہ ہونے کے باعث کیا ہو بلکہ ایسا ہو جو کسی بیمار وغیرہ نے کیا ہو) مالکیہ اس شرط کے ساتھ مزید پانچ شرائط مسح کرنے والے پر بھی عائد کرتے ہیں جو کہ یہ ہیں۔

ا۔ موزہ اس نے طہارت کی حالت میں پہنا ہو اگر بے وضو حالت میں پہنا تو اس پر مسح درست نہیں ہوگا۔ شیعہ امامیہ موزے کو طہارت یا عدم طہارت دونوں حالتوں میں پہننے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

۲۔ طہارت پانی سے حاصل شدہ ہو مٹی سے حاصل شدہ نہیں۔ یہ شرط شوافع کے علاوہ جمہور علماء کے ہاں ہے اگر تیمم کرنے کے بعد مسح کرے تو جمہور علماء کے ہاں مسح نہیں ہوگا کیونکہ اس شخص نے کامل طہارت کے بعد اس کو نہیں پہنا ہے۔ اور مزید یہ کہ یہ مسح علی الخفین طہارت ضروریہ ہے جو اصل (پاؤں دھونے) کو باطل کر دیتی ہے او یہ بھی بات ہے کہ تیمم حدث کو رفع نہیں کرتا ہے، لہٰذا تیمم کی حالت میں کرنے سے درحقیقت اس نے حدث کی حالت میں ہی موزہ پہنا ہے۔ شوافع فرماتے ہیں کہ اگر تیمم اس بناء پر اس نے کیا تھا کہ پانی اس کو نہیں مل سکا تھا تو پانی مل جانے کے بعد اس شخص کے لئے مسح کرنا جائز نہیں ہوگا پانی مل جانے کے بعد اس پر موزہ اتارنا اور پورا وضو کرنا لازم ہوگا۔ اور اگر تیمم بیماری وغیرہ کی وجہ سے ہو تو اس کے لئے مسح کرنا جائز ہے۔

۳۔ وہ طہارت مکمل ہو وہ اس طرح کہ اس شخص نے وضو یا غسل مکمل کرنے کے بعد ان کو پہنا ہو اور اس دوران اس کا وضو نہ ٹوٹا ہو اگر پاؤں دھونے سے پہلے اس کا وضو ٹوٹ گیا تو اس کے لئے مسح کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ وہ پاؤں اپنے اصل مقام پر ہی حدث سے متصف ہو گیا ہے اور وہ شخص بے وضو بھی ہو گیا ہے تو گویا ایسا ہوگا کہ اس نے پہننا شروع کیا ہی جب ہے جب وہ بے وضو تھا۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں شرط یہ ہے کہ طہارت پہنتے وقت مکمل ہو یعنی پوری طہارت کا مکمل ہونا ضروری ہے احناف کے ہاں طہارت موزہ پہننے کے بعد واقع ہونے والے حدث کے وقت مکمل ہونی چاہئے یعنی احناف کے ہاں مطلوب طہارت کا مکمل کرنا ہے، اس اختلاف کا نتیجہ اس صورت میں سامنے آتا ہے کہ جب کوئی بے وضو شخص اولاً اپنے پاؤں دھوئے اور اپنے موزے پہن لے پھر اپنا بقیہ وضو بھی بے وضو ہونے سے قبل مکمل کر لے تو احناف کے ہاں موزوں پر مسح کرنا درست ہوگا، کیونکہ شرط پائی گئی کہ موزے طہارت کی حالت میں پہنے گئے تھے اور موزے پہنے جانے کے بعد واقع ہونے والے حدث کے وقت وہ شخص طاہر تھا شوافع اور حنابلہ کے ہاں درست نہیں ہوگا کیونکہ موزے پہنتے وقت طہارت کامل نہیں تھی، کیونکہ ترتیب ان کے ہاں شرط ہے تو دوسرے اعضاء سے پہلے پاؤں دھو لینا نہ دھونے کے برابر ہے۔

---

[1]..... متفق علیہ۔

۴۔مسح کرنے والا موزہ پہننے سے کوئی عیش وآرام طلبی مقصود ہو جیسے کوئی اپنے پاؤں کی مہندی کو بچانے کی خاطر یا محض سنوارنے کی خاطر یا محض اپنے حاکم ہونے کے سبب یا محض مسح کی غرض سے یا مچھر وغیرہ کے خوف سے موزہ پہنا ہو تو اس کے لئے مسح درست نہیں ہاں اگر سردی گرمی یا جگہ سخت ہونے کے بنا پر یا بچھو سانپ وغیرہ سے بچنے کی خاطر پہنے تو اس پر مسح درست ہے۔

۵۔پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ شخص اپنے اس فعل میں گنہگار اور خطا کار نہ ہو جیسے مثلاً حج یا عمرے کا احرام باندھا ہوا شخص جو موزہ پہننے پر شدید مجبور بھی نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے مسح جائز نہیں، ہاں وہ شخص جو پہننے پر مجبور ہو اسی طرح عورت تو ان کے لئے حالت احرام میں موزہ پہن کر اس پر مسح کر لینا درست ہے۔ مالکیہ حنابلہ اور شوافع کے ہاں معتبر بات یہ ہے کہ مسح اس شخص کے لئے بھی جائز ہے جو اپنے سفر میں مرتکب گناہ ہو جیسے ماں باپ کا نافرمان اور ڈاکو وغیرہ مالکیہ کے ہاں اس بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ رخصت جو حضر میں جائز ہو جیسے موزوں پر مسح تیمم اور مردار کا کھانا تو ایسی رخصت سفر میں بھی انجام دی جائے گی۔اور وہ رخصت جو سفر کے ساتھ خاص ہو جیسے نماز میں قصر اور رمضان کے روزہ کا ترک کرنا تو وہ سفر میں اس شخص کے لئے جائز ہیں جو اس سفر میں مرتکب گناہ نہ ہو اور اگر کوئی اس سفر کو سبب گناہ بنا رہا ہو تو اس کے لئے وہ رخصت نہیں ہوگی۔[1]

۲۔دوسری متفقہ شرط......موزے پاک ہوں اور پاؤں دھونے کی جو فرض مقدار ہے اس کو ڈھانپے ہوئے ہوں یعنی پاؤں بمع ٹخنوں کے اور اطراف کے نہ کہ اوپری جانب، لہٰذا ایسے موزے پر مسح درست نہیں جو ٹخنوں کو بھی پاؤں کے ساتھ نہ ڈھانپے اسی طرح ناپاک موزوں پر بھی مسح درست نہیں ہے جیسے دباغت سے قبل مردار کی کھال احناف اور شوافع کے قواعد کی رو سے اسی طرح مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں دباغت کے بعد بھی کیونکہ ان کے ہاں دباغت پاک کرنے والی چیز نہیں ہے، اور نجس موزہ پہننا ممنوع ہے۔

۳۔تیسری شرط......اس موزے کو پہن کر عادتاً جتنا چلا جاتا ہے اتنا چلنا ممکن ہو تاہم اس کی مقدار وحدود کی تعیین اختلافی چیز ہے، احناف فرماتے ہیں موزہ ایسا ہو کہ جس کو پہن کر عام طور پر چلنے کے انداز میں ایک فرسخ تک یا اس سے زیادہ چلنا ممکن ہو[2] لہٰذا مسح ایسے موزے پر جو شیشے لکڑی یا لوہے کا ہو درست نہیں اسی طرح پتلا موزہ جو چلنے سے پھٹ جائے اس پر بھی مسح درست نہیں، موزے کے بارے میں ان حضرات نے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ پاؤں پر بغیر باندھے رکے رہیں۔ مالکیہ کے ہاں قابل اعتماد بات یہ ہے وہ موزہ ایسا ہو کہ اس میں چلنا عادۃً ممکن ہو تو ایسے موزے پر مسح درست نہیں جو بہت کشادہ ہو کہ اس میں قدم نہ ٹھہریں۔اور چلنے میں اس موزے سے پاؤں نکل جاتا ہے۔ اکثر شوافع کے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ اس شخص کے لئے اس موزے کو پہنے ہوئے اپنی حاجتیں پوری کرنا ممکن ہو مقیم کے لئے ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین دن رات کا سفر جو کہ قصر کا سفر ہوتا ہے کیونکہ مدت گزرنے کے بعد موزہ اتارنا ضروری ہوتا ہے حنابلہ نے ایک منفرد رائے اختیار کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عرفاً اس میں چلنا ممکن ہو خواہ عادتاً چلنا ممکن نہ ہو لہٰذا چمڑے اون لکڑی شیشے، اور لوہے وغیرہ کے موزوں پر مسح درست ہے۔ کیونکہ یہ ایسا موزہ ہوتا ہے جو چھپانے والا ہوتا ہے اور اس میں چلنا ممکن ہوتا ہے، تو یہ کھال کے مشابہ ہو گیا۔تاہم شرط یہ ہے کہ وہ اتنا کشادہ نہ ہو کہ اس سے مقام فرضیت (یعنی پاؤں دھونے کی جگہ) نظر آجائے یعنی جیسا کہ احناف اور مالکیہ کی رائے ہے۔

فقہاء کے درمیان اختلافی شرائط......ان مذ ب میں کچھ شرائط اور بھی ہیں جن میں ان میں باہمی اختلاف ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔موزہ صحیح سالم اور سوراخ وغیرہ سے محفوظ ہو۔یہ شرط متفقہ شرائط میں سے شرط نمبر تین پر تفریع ہے، یہ فقہاء کے ہاں شرط ہے، تاہم ان کا

---

[1]..... الشرح الكبير للدرديرج ا ص ۱۴۳ كشف القناع ج ا ص ۱۲۸ مغنی المحتاج ج ا ص ۶۶ ۔[2] فرسخ تین میل کا ہوتا ہے جس کی مسافت بارہ ہزار فٹ بنتی ہے میل ۱۸۴۸ میٹر کا ہوتا ہے تو فرسخ اس طرح ۵۵۴۴ پانچ ہزار پانچ سو چوالیس) میٹر کا ہوا۔

اختلاف اس مقدار پر ہے جو کہ قلیل اور قابل معافی شمار کی جاسکے۔

شوافع جدید قول کے مطابق اور حنابلہ اس موزے پر مسح کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں جن میں سوراخ ہوں خواہ تھوڑے ہی ہوں کیونکہ اس صورت میں وہ قدم چھپانے والا نہیں اور خواہ یہ سوراخ سلائی کی جگہ پیدا ہوا ہو۔ کیونکہ جو نظر آ رہا ہے اس کا حکم دھونے کا ہے اور جو چھپا ہوا ہے اس کا حکم مسح کا ہے، اور ان دونوں کو جمع کرنا درست نہیں، لہٰذا دھونے کا حکم ہی غالب شمار ہوگا، یعنی چونکہ جو ظاہر ہو گیا ہے اس کا حکم دھونے کا ہے اور چھپے ہوئے کا حکم مسح کا ہے تو دھونے کا حکم اصل ہونے کی بناء پر غالب ہو جائے گا، جیسے ایک پاؤں کا موزہ اتر جانے کی صورت میں یہی حکم ہے۔ مالکیہ اور احناف نے استحساناً اور حرج کے دور کرنے کی غرض سے معمولی سے سوراخ والے موزوں پر مسح کو جائز قرار دیا ہے، کیونکہ عادتاً موزوں میں سوراخ ہوتے ہی ہیں، تو سوراخ والے موزوں پر مسح دفع حرج کی خاطر جائز ہے ہاں زیادہ بڑی پھٹن اور سوراخ تو وہ مسح سے مانع ہو جاتے ہیں اور اس کی مقدار مالکیہ کے ہاں یہ ہے کہ جس کو پہن کر چلنا ممکن نہ ہو یعنی وہ سوراخ ایک تہائی پاؤں کے برابر ہو خواہ وہ پھولا ہوا ہو یا کچھ حصہ کچھ سے چپک گیا ہو جیسے مثلاً پھٹ گیا ہو یا سلائی کھل گئی ہو اور موزے کا ایک حصہ دوسرے سے چپک گیا ہو۔ اور اگر سوراخ ایک تہائی سے کم ہو تو اگر وہ کھل جانے والا ہو تو بھی مسح کے لئے مانع ہوگا اور اگر وہ پھٹ کر ایک دوسرے سے چپک گیا ہو تب نہیں۔ اور بالکل معمولی پھٹن کہ مسح کے وقت ہاتھ کی تری اس کے نیچے پاؤں پر نہ محسوس کی جاسکتی ہو قابل معافی ہے۔

احناف کے ہاں بڑے سوراخ سے مراد ہے پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کی مقدار پھٹ جانا۔

۲۔ دوسری شرط:...... یہ شرط مالکیہ کے ہاں ہے ان کے ہاں کپڑوں کے موزوں پر مسح درست نہیں ہے اسی طرح جراب پر بھی ان کے ہاں مسح درست نہیں ہے۔ جراب سے مراد وہ موزہ ہے جو روئی، کتان یا اون سے بنا ہوا ہو ماسوا اس صورت کے کہ اس پر کھال پہنا دی جائے۔ اور اگر اس کو کھال نہ پہنائی گئی تو اس پر مسح درست نہیں ہوا۔ اسی طرح شوافع فرماتے ہیں کہ ایسے بنے ہوئے موزے پر مسح درست نہیں جو بنائی کی جگہ (سوراخ وغیرہ) کے علاوہ دوسری جگہ سے پانی بہائے جانے کی صورت میں اس کے موٹے نہ ہونے کی وجہ سے اس کے پہنچے سے مانع نہ ہو مالکیہ نے یہ بھی شرط قرار دیا ہے کہ وہ گانٹھا ہوا ہو کسی چپکانے والی چیز سے چپکا کر نہ بنایا گیا ہو ان کے پیش نظر رخصت کو صرف اس حد تک محدود رکھنا جس حد تک وہ وارد ہوئی ہے۔ مالکیہ کے علاوہ جمہور علماء نے چمڑے اور کپڑے وغیرہ چیزوں کے بنے ہوئے موزوں پر مسح کو جائز قرار دیا ہے ان حضرات نے یہ شرط نہیں رکھی ہے۔ احناف اور شوافع نے یہ شرط رکھی ہے کہ موزے پانی کو جسم تک پہنچنے دینے سے مانع ہو کیونکہ موزے عام طور پر ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ پانی کے نفوذ سے مانع ثابت ہوتے ہیں تو شرعی احکام میں وہی مراد ہوں گے۔

جراب پر مسح...... احناف کے راجح قول کے مطابق ❶ ایسے موزوں پر مسح جن کو پہننے والا پہن کر ایک فرسخ یا زیادہ چل سکے اور وہ موزہ پنڈلی پر ٹھہرا ہوا ہو اور اس کے نیچے بھی نظر نہ آئے اور نہ اتنا پتلا ہو کہ آر پار دیکھ سکے۔ حنابلہ نے اس موٹے جراب پر بھی مسح جائز قرار دیا ہے جو چلنے پر گر نہ جائے اور یہ اجازت دو شرطوں کے ساتھ ہے۔

۱...... وہ اتنا موٹا ہو کہ پاؤں بالکل نظر نہ آئے۔ ❷

۲...... اس میں چلنا ممکن ہو

اور یہ واجب ہے کہ دونوں جورب اور نعل کے تسموں پر واجب مقدار میں مسح کیا جائے اس بارے میں فقہاء کی آراء کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

---

❶...... البدائع ج ۱ ص ۱۰ الدر المختار و حاشیة ابن عابدین ج ۱ ص ۲۴۸، جراب پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔ ❷ شیخ جمال الدین القاسمی نے جراب پر مسح کی اجازت دی ہے خواہ وہ موٹا نہ بھی ہو جیسے کہ آج کل کے موزے۔

شوافع اور حنابلہ نے اس موزے پر مسح جائز قرار دیا ہے جس کے پاؤں کی طرف کا حصہ پھٹا ہوا ہو۔ جیسے وہ موزہ جو لمبا ہو اور پنڈلیوں تک جاتا ہو اور کاج فیتے کے ذریعے باندھا گیا ہو۔ صحیح قول کے مطابق اس پر مسح درست ہے بشرطیکہ اس طرح ہو کہ فرض جگہ میں سے کوئی چیز ظاہر نہ ہو جب وہ اس میں چلے۔

۳......موزہ صرف ایک ہو جرموق نہ ہو۔ یہ بھی صرف مالکیہ کے ہاں شرط ہے ❶ لہٰذا اگر کسی نے موزے پر موزہ پہنا یعنی جرموق پہنا ❷ تو اس پر مسح کرنے کے بارے میں دو قول ہیں راجح قول ان کے ہاں یہ ہے کہ اس حالت میں اوپر والے پر مسح درست ہے، اور اگر اس نے اس کو اتار دیا اور باوضو ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ نچلے موزے پر فی الفور مسح کرے۔

حنفیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں ❸ کہ جرموق پر جو موزے پر پہنا ہوا ہو مسح جائز ہے جیسا کہ مالکیہ فرماتے ہیں۔ دلیل اس کی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جرموق پر مسح فرمایا ❹ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نصیف اور جرموق پر مسح کرو۔ ❺

تاہم احناف نے جرموق پر مسح درست ہونے کے لئے تین شرطیں قرار دی ہیں۔

۱......یہ کہ اوپر والا موزہ چمڑے کا ہو اور اگر وہ چمڑے کا نہ ہو تو اوپر والے پر مسح جب درست ہوگا جب پانی نچلے والے تک پہنچ جائے۔

۲......اوپر والا موزہ ایسا ہو کہ صرف اس کو پہن کر چلنا ممکن ہو اور اگر وہ ایسا نہ ہو تو اس پر مسح اس وقت درست ہوگا کہ جب نچلے موزے تک پانی نہ پہنچ سکے۔

۳......یہ کہ اوپر والے موزے کو بھی اسی طہارت کی حالت میں پہننا جس طہارت پر اس نے نیچے والا پہنا تھا۔

حنابلہ نے اوپر والے موزے پر مسح اس وقت درست قرار دیا ہے جب وہ بے وضو ہونے سے پہلے کرے خواہ دونوں میں سے کوئی ایک پھٹا ہوا ہی کیوں نہ ہو، دونوں اگر پھٹے ہوئے ہوں تب نہیں، اسی طرح نچلے موزے پر بھی مسح درست ہے اس طرح کہ وہ اوپر والے کے اندر ہاتھ داخل کر کے نچلے موزے پر مسح کر لے، کیونکہ دونوں میں مسح کا محل بننے کی صلاحیت ہے، تو اس پر مسح درست ہے اگر وہ درست حالت میں ہو۔

شوافع کے ہاں اظہر قول کے مطابق صرف اوپر والے موزے پر مسح درست نہیں ہے یعنی ایک دوسرے کے اوپر پہنے ہوئے موزوں میں سے جو دونوں مسح کے قابل ہوں ایک پر مسح درست نہیں کیونکہ رخصت مسح موزے کے بارے میں کثرت حاجت کی وجہ سے وارد ہوئی ہے اور جرموق کی حاجت عام نہیں ہوتی ہے، یعنی اوپری اور نچلے دونوں موزوں پر مسح لازم ہوگا۔

۴......موزے کا پہننا اس وقت مباح ہو۔ یہ شرط مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں ہے لہٰذا ایسا موزہ جو غصب شدہ ہو اس پر مسح درست نہیں اور نہ ایسی چیز سے بنے ہوئے موزے پر مسح درست ہے جو حرام ہو جیسے ریشم حنابلہ مزید یہ فرماتے ہیں کہ خواہ یہ استعمال ضرورت کے پیش نظر کیوں نہ ہو۔ جیسے وہ شخص جو برفانی علاقے میں ہو اور اس کو اپنی انگلیاں شدت سردی سے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو غصب شدہ یا ریشم سے بنا ہوا موزہ اتارنے کی صورت میں تو بھی اس کے لئے مسح کرنا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ دراصل ممنوع ہے اور یہ ضرورت بالکل نادر ہے لہٰذا اس کا کوئی حکم نہیں ہوگا اور ان حضرات کے ہاں احرام باندھے ہوئے شخص کے لئے ضرورت کے باوجود موزوں پر مسح درست نہیں ہے۔ شوافع کے ہاں صحیح

---

❶...... القوانین الفقهيه ص ۳۹ الشرح الكبير ج ۱ ص ۴۵ الشرح الصغير ج ۱ ص ۱۵۷ اور بعد کے صفحات۔ ❷ جرموق اس کھال کے سِلے ہوئے کور کو کہتے ہیں جو موزے پر پہنا جاتا ہے تاکہ اس کو مٹی وغیرہ سے محفوظ رکھا جا سکے یہ قول زیادہ مشہور ہے۔ اس کو موق بھی کہا جاتا ہے جرموق یہی ہے۔ ❸ الدر المختار ج ۱ ص ۲۴۷ فتح القدير ج ۱ ص ۱۰۸ كشاف القناع ج ۱ ص ۱۲۴، ۱۳۱ المغنی ج ۱ ص ۲۸۴۔
❹ بروایت امام احمد و ابو داؤد۔ ❺ سعید بن منصور نے اپنی کتاب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کی ہے۔

قول یہ ہے کہ یہ شرط لازم نہیں (یعنی موزوں کے استعمال کے مباح ہونے کی شرط) لہٰذا ان کے ہاں غصب شدہ موزے موٹے دیباج کے موزے سونے چاندی کے تاروں سے بنائے گئے موزے مرد وغیرہ سب کے لئے ان کے اوپر مسح درست ہے۔تاہم ان سے احرام باندھنے والا مستثنیٰ ہے کیونکہ احرام میں تو کپڑا پہننا ہی ممنوع ہے اور ممانعت اس کی کپڑا ہونے کی وجہ ہی سے ہے اور غصب شدہ چیز وغیرہ سے ممانعت تو دوسرے کی چیز کو بلا اجازت استعمال کرنے کی بناء پر ہے۔

۵.....موزے کے باریک اور پتلا ہونے کے سبب پاؤں نہ جھلکتے ہوں یہ حنابلہ کے ہاں شرط ہے لہٰذا پتلے شیشے پر مسح درست نہیں ہوگا کیونکہ وہ فرض جگہ کو چھپانے والا نہیں ہے۔اور نہ ایسے موزے پر درست ہے جس میں سے کھال دکھے۔

مالکیہ کے ہاں مطلوب یہ ہے کہ موزہ چمڑے کا ہو جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں، اور احناف وشوافع کے ہاں مطلوب یہ ہے کہ وہ موزہ ایسا ہو کہ سلائی کی جگہ کے علاوہ سے اس کے اوپر پانی بہائے جانے کی صورت میں اپنے اندر پانی جانے سے وہ روک دے اپنے موٹے نہ ہونے کے سبب اور اسی بناء پر نائیلون کے بنے ہوئے وہ موزے جو دبیز ہوں ان پر مسح درست ہے اسی طرح اور وہ تمام شفاف اور آر پار دکھائی دینے والی چیزوں کے بنے ہوئے موزے کیونکہ مقصود تو یہ ہے کہ پانی پہنچے سے وہ مانع ہو۔

۶۔ پاؤں کا اگلا حصہ کم از کم ہاتھ کی تین چھوٹی انگلیوں کے برابر موجود ہو...... یہ شرط احناف عائد کرتے ہیں اس صورت میں کہ کسی شخص کے پاؤں کا کچھ حصہ کٹ گیا ہو مقصود یہ ہے کہ مسح کی جگہ میں سے فرض مقدار کے بقدر وضو کا حصہ موجود ہو چنانچہ اگر ٹخنوں کے اوپر سے پاؤں کٹ جائے تو اس کا فرض ہی ساقط ہو جائے گا اور موزے پر مسح کی حاجت ہی نہیں رہے گی اور دوسرے پاؤں کے موزے پر مسح کر لیا جائے گا۔اور اگر ٹخنوں سے پہلے کا اتنا حصہ باقی ہو جو تین انگلیوں سے کم ہو تو بقیہ عضو کے دھونے ہی کے فرض ہونے کی بناء پر اس کا مسح درست نہیں ہوگا۔اسی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاؤں کا اگلے حصہ کٹ جائے تو اس کے لئے موزے پر مسح درست نہیں ہوگا خواہ ایڑی کی طرف کا حصہ موجود ہو، کیونکہ یہ فرض مسح کا محل نہیں ہے، اس کا دھونا ہی لازم ہے دوسرے فقہاء کے ہاں پاؤں کے اس حصے کے جو وضو میں دھونا فرض ہے کسی بھی حصے کے باقی ہونے کی صورت میں اس پاؤں پر پہنے ہوئے موزے پر مسح درست ہے، اور اگر بالکل بھی وہ حصہ نہ رہے جس کا دھویا جانا فرض ہے اور آدمی کی ایک ہی ٹانگ ہو تو وہ صرف دوسری ٹانگ پر مسح کرے گا ایسا کسی صورت میں جائز نہیں کہ وہ ایک پاؤں پر تو مسح کرے اور دوسرے کو دھوئے کیونکہ ایک ہی جگہ بدل اور مبدل (جس چیز کا بدل دیا جائے) دونوں کا پایا جانا درست نہیں ہے۔

مذاہب میں بیان کردہ شرائط کا خلاصہ:

۱.....احناف یہ فرماتے ہیں کہ موزوں کے مسح کے لیے چھ شرائط ہیں۔

الف:.....ان کو دونوں پاؤں دھونے کے بعد پہنا جائے خواہ وضو کے مکمل ہونے سے قبل ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ وہ وضو کو ناقض وضو سے قبل ہی مکمل کرلے۔

ب.....دونوں موزے ٹخنوں کو چھپانے والے ہوں۔

ج:.....ان دونوں کو پہن کر چلنا ممکن ہو

د:.....دونوں میں اتنے سوراخ نہ ہوں جو کہ پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کے برابر ہوں۔

ہ: پاؤں پر بغیر باندھے وہ رکے رہیں۔

و:.....پاؤں کے کٹے ہوئے ہونے کی صورت میں اس کا اگلا سرا ہاتھ کی تین انگلیوں کے بقدر باقی ہو۔

۲.....مالکیہ مسح کے جواز کے لئے گیارہ شرائط عائد کرتے ہیں، چھ مسح کئے جانے والے موزوں کے بارے میں اور پانچ مسح کرنے

والے کے بارے میں۔ مسح کرنے والے کی شرائط کا تذکرہ تو میں پہلی متفقہ شرط کے بیان میں کر چکا ہوں اور مسح کئے جانے والے کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ وہ موزے چمڑے کے ہوں۔ لہٰذا چمڑے کے علاوہ چیز پر مسح درست نہیں۔

۲۔ وہ موزے پاک ہوں، مقصود مردار کی کھال کے بنے ہوئے موزوں سے احتراز ہے خواہ وہ دباغت شدہ کھال کے ہوں۔

۳۔ وہ موزے گانٹھے گئے ہوں سلے ہوئے ہوں۔ کسی چپکانے والی چیز سے چپکائے ہوئے نہ ہوں۔

۴۔ موزوں کا کچھ حصہ پنڈلی نما بھی ہوتا کہ وہ پنڈلیوں کو ڈھانپ سکے۔ لہٰذا پنڈلیوں کو نہ ڈھانپنے والے موزوں پر مسح درست نہیں ہے۔

۵۔ اس میں عادتاً چلنا ممکن ہو۔ مقصود اس موزے سے احتراز ہے جو اتنا ڈھیلا ہو کہ چلتے وقت نکل جائے۔

۳۔ شوافع مسح کے جواز کے بارے میں دو شرائط عائد کرتے ہیں:

۱۔ یہ کہ وہ موزہ دونوں حدث و بے وضوئی اور جنابت سے مکمل طہارت حاصل کرنے کے بعد پہنے۔

۲۔ موزہ پاک ہو اور مضبوط ہو کہ بوقت ضرورت اس میں چلتے رہنا ممکن ہو ❶ اور جو دھوئے جانے کی فرض مقدار کے برابر پاؤں کو ڈھانپنے والا بھی ہو یعنی پاؤں ٹخنے اور تمام اطراف اوپری حصہ نہیں ❷ اور سلائی اور پھٹنے کی جگہ کے علاوہ جگہ سے پانی کا مزاحم بھی ہو (کہ پانی اس میں سرایت نہ کر جاتا ہو) اور پاؤں کا پھٹا ہوا وہ حصہ جو کاج کے ذریعے باندھا جائے اس پر بھی مسح درست ہے بشرطیکہ چلنے میں فرض جگہ ظاہر نہ ہو۔

حنابلہ مسح علی الخفین کے لئے سات شرائط عائد کرتے ہیں:

۱۔ پانی سے مکمل طہارت حاصل کرنے کے بعد موزے پہنے جائیں۔

۲۔ وہ خود یا نعل کے ذریعے ٹھہرا رہے ایسے موزے پر مسح درست نہیں جو فقط باندھنے سے رکا ہوا ہو۔ ایسے موزے پر مسح درست ہے جو خود رکا ہوا ہو لیکن اس کا کچھ حصہ نظر آ رہا ہو اور اس کو کاج بنا کر کڑے وغیرہ سے باندھا ہوا ہو۔ جیسے زربول جس کی پنڈلی بنی ہوئی ہو۔ تو ایک دوسرے میں ڈال کر ان کو باندھ دیئے جانے سے سوراخ چھپ جاتا ہے اور محل فرض پوشیدہ رہتا ہے۔

۳۔ اس کا مباح ہونا لہٰذا غصب شدہ اور ریشم کے موزے پر مسح درست نہیں خواہ اس کی ضرورت بھی درپیش ہو۔

۴۔ عرفاً اس میں چلنا ممکن ہو (یعنی جس مقدار کو عرف میں چلنا کہیں اتنا چلنا ممکن ہو) خواہ عادتاً جتنا چلا جاتا ہے۔ اتنا نہ چلا جا سکتا ہو۔ لہٰذا چمڑے، اون لکڑی، شیشے اور لوہے وغیرہ جیسی چیز سے بنے ہوئے موزوں پر مسح درست ہے کیونکہ یہ موزہ ایسا ہوگا جو چھپانے والا ہوگا اور اس میں چلنا ممکن ہوگا۔

۵۔ وہ موزہ بذات خود پاک ہو، لہٰذا نجس پر مسح جائز نہیں ہوگا خواہ ضرورت کے تحت ہی کیوں نہ ہو۔ اور ضرورت کے وقت دونوں پاؤں کی وجہ سے تیمم کر لے، کیونکہ ان دونوں کا دھونا ضروری ہے۔

۶۔ باریک ہونے کی وجہ سے پاؤں نہ جھلکیں جیسے پتلا شیشہ کیونکہ وہ فرض جگہ کا چھپانے کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا ہے۔ لہٰذا ایسا موزہ جس میں سوراخ اور پھٹن ہو اور کچھ پاؤں کا حصہ ظاہر ہوتا ہو اس پر مسح درست نہیں ہے خواہ یہ سلائی کی جگہ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ فرض جگہ کو چھپانے والا نہیں ہوتا ہے اور اگر موزہ پہننے سے سوراخ مل کر بند ہو جائے تو اس پر مسح جائز ہے کیونکہ فرض جگہ کے چھپنے کی شرط حاصل ہو جاتی ہے۔

---

❶ ..... یعنی وہ حاجت جو پہننے کے دوران واقع ہو یعنی تین دن رات مسافر کے لئے اور ایک دن رات مقیم کے لئے، چنانچہ بالکل پتلا جو تھوڑا سا چلنے سے خراب ہو جائے اس پر مسح درست نہیں ہے۔ ❷ چنانچہ اگر قدم اوپر سے نظر آئے جیسے مثلاً اس کا سر ابڑا ہو تو ایسا ہونا مضر نہیں۔

۷۔اتنا کشادہ نہ ہو کہ اس میں سے فرض جگہ نظر آجائے۔

۴۔مسح کی مدت...... مسح علی الخفین سے متعلق چوتھی بحث مسح کی مدت کی تحدید کے بارے میں فقہاء کی دو رائے ہیں، مالکیہ اس کی تحدید نہیں کرتے ہیں، جب کہ جمہور علماء اس کی تحدید کرتے ہیں مالکیہ فرماتے ہیں ❶ کہ موزوں پر مسح بلا تحدید وقت درست ہے یعنی جب تک چاہے وہ مسح کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اس کو اتارے نہیں اور نہ اس کو جنابت لاحق ہو کہ ایسی صورت میں اس کو غسل کے لئے موزہ اتارنا ہی پڑتا ہے، اور اتارنے پر مسح ٹوٹ جاتا ہے اور پاؤں کا دھونا واجب ہوتا ہے، اور غسل واجب ہونے کی صورت میں مسح درست نہیں ہے، کیونکہ مسح وضو میں ہوتا ہے تاہم کسی مدت معینہ کے اندر موزہ اتار دینے کو واجب قرار نہ دینے کے باوجود یہ حضرات یہ مستحب قرار دیتے ہیں کہ ہر ہفتے ایک مرتبہ اسی دن موزہ اتار لینا مستحب ہے جس دن اس نے پہنا تھا۔ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔حضرت ابی بن عمارہؓ کی حدیث، وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میں موزوں پر مسح کر لیا کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں، میں نے عرض کیا ایک دن تک آپ نے فرمایا ہاں ایک دن تک میں نے عرض کیا دو دن تک؟ آپ نے فرمایا ہاں دو دن تک بھی میں نے عرض کیا تین دن تک؟ آپ نے فرمایا جتنا تم چاہو۔❷

۲۔صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے موزوں پر مسح کے بارے میں عدم تعیین وقت منقول ہے ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ شامل ہیں جن سے منقول روایت دار قطنی میں موجود ہے۔

۳۔یہ طہارت کے دوران کیا جانے والا مسح ہے تو یہ بھی دیگر مسح جیسے سر کے اور پٹی پر کئے جانے والے مسح کی طرح بلا تعیین وقت ہوگا کیونکہ وقت کی تعیین طہارت کے کالعدم کرنے میں مؤثر نہیں ہو سکتی ہے، نواقض (طہارت کو باطل اور کالعدم کرنے والے امور) تو پاخانہ پیشاب اور ان کی طرح کی دیگر نجاستیں ہیں۔اور یہ قیاس چونکہ ان احادیث کا معارض ہے جو مدت مسح کی تحدید پر دلالت کرتی ہیں لہٰذا اس پر حدیث ابن عمارہ کی وجہ سے عمل کیا جائے گا کہ وہ حدیث دیگر حدیثوں کی معارض ہے۔

جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ مسح کی مدت مقیم شخص کے لئے ایک دن رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن رات ❸ اور احناف فرماتے ہیں کہ وہ مسافر جس کا سفر معصیت کے لئے ہو وہ بھی دیگر مسافروں کی طرح شمار ہوگا شوافع اور حنابلہ ایسے شخص کے لئے صرف مقیم والی مدت ہی کے قائل ہیں۔ان حضرات کے دلائل وہ احادیث ہیں جو مشروعیت مسح کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ہے جو اوپر گزر چکی ہے کہ مسافر کے لئے تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات مسح کا حکم ہے ❹ ان میں سے ایک حدیث حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ہے کہ مسافر کے لئے تین دن رات اور مقیم شخص کے لئے ایک دن اور رات ❺ ایک حدیث ان میں سے حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم موزوں پر مسح کریں اگر ہم نے ان

---

❶..... الشرح الصغير ج ۱ ص ۱۵۴، ۱۵۸ الشرح الكبير ج ۱ ص ۱۴۲ بداية المجتهد ج ۱ ص ۲۰ القوانين الفقهيه ص ۳۹۔

❷ یہ حدیث ابو داؤد نے روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی اسناد میں اختلاف ہے اور یہ قوی حدیث نہیں ہے۔امام بخاری نے بھی یہی بات فرمائی ہے امام احمد فرماتے ہیں اس کے راوی غیر معروف ہیں، امام دار قطنی نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد ثابت نہیں ہے اور اس کی سند میں تین مجہول شخص ہیں امام ابن ماجہ نے بھی اس کی تخریج کی ہے، حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی مضبوط سند نہیں ہے، علامہ جوزقانی نے مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے اس کو موضوعات میں ذکر کیا ہے، نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۲ علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ اس درجے کی حدیث سے ایسی فرضیت والے کام کے خلاف دلیل قائم نہیں ہوتی ہے جس کا معارض نہ موجود ہو۔❸ فتح القدير ج ۱ ص ۱۰۲، ۱۰۷ تبيين الحقائق ج ۱ ص ۴۸ البدائع ج ۱ ص ۸، مغني المحتاج ج ۱ ص ۶۴ المهذب ج ۱ ص ۲۰ كشاف القناع ج ۱ ص ۱۲۸ المغني ج ۱ ص ۲۸۲-۲۸۷، ۲۹۱۔

❹ بروایت امام احمد و مسلم، نسائی اور ابن ماجہ۔❺ بروایت امام احمد ابو داؤد اور ترمذی، ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

کو حالت طہارت میں پہنا ہو تین دن مسح کریں جب ہم مسافر ہوں اور ایک دن رات مسح کریں جب ہم مقیم ہوں انہیں ہم پاخانہ، پیشاب اور سونے وغیرہ کے سبب نہ اتاریں اور ہم اس کو صرف اس وقت اتاریں جب جنابت لاحق ہو❶ ان میں سے ایک حدیث حضرت عوف بن مالک الاشجعیؓ کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں موزوں پر مسح کا حکم دیا جب ہم مسافر ہوں تو تین دن رات کریں اور مقیم ہوں تو ایک دن رات مسح کریں❷ وقت کی تعیین وتحدید کا قول حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس، رضی اللہ عنہم اجمعین سے، اسی طرح حضرت ابوزید، حضرت شریح، عطاء، ثوری اور امام اسحٰق رحمہم اللہ علیہم سے ثابت ہے۔

اور حق تو یہ ہے کہ مسح کی مدت کی تعیین کا قول ہی درست ہے، کیونکہ حضرت عمارہ والی حدیث ثابت نہیں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ ان صحیح احادیث کی بناء پر منسوخ ہو، کیونکہ یہ احادیث بعد کی ہیں کیونکہ حضرت عوف کی حدیث غزوہ تبوک کے موقع کی ہے اور غزوہ تبوک کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ عرصہ نہیں رہے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مالکیہ کا قیاس تیمم کے معاملے سے ٹوٹ جاتا ہے (یعنی ان کا یہ کہنا کہ وقت ناقض وضو نہیں یعنی وقت کا ختم ہو جانا کسی چیز کو کالعدم نہیں کرسکتا تو یہ اصول تیمم سے ٹوٹ جاتا ہے کہ اس میں پانی مل جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، باوجود اس کے کہ کوئی ناقض نہیں پایا جاتا ہے:

مدت کی ابتداء..... مسح کی مدت جمہور کے نزدیک موزے پہن لینے کے بعد لاحق ہونے والے پہلے حدث کے وقت سے شروع ہو کر دوسرے دن اسی وقت ختم ہوتی ہے مقیم کے لئے اور مسافر کے لئے تیسرے دن ختم ہوتی ہے یعنی تیسرا دن ختم ہو کر جب چوتھا شروع ہو تو مدت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ مسح کا وقت اسی وقت شروع ہوتا ہے لہٰذا مدت مسح کو اسی سے شروع سمجھا گیا، جیسے نماز کا وقت اس کے فعل کے جواز کے ساتھ شروع ہوتا ہے (یعنی موزہ باوضو حالت میں پہننے کے بعد مسح تو جب کرنا ہوگا جب انسان بے وضو ہو جانے کے بعد دوبارہ باوضو ہو کر مسح کرنا چاہے لہٰذا اس کی مدت جب سے شمار کی جائے گی جب سے بے وضوی حالت اس پر آئے نہ کہ محض موزے پہن لینے سے ایک بات اور یہ ہے کہ حضرت صفوان کی گذری ہوئی حدیث کے الفاظ ہمیں حکم دیا کہ ہم اپنے موزے نہ اتاریں تین دن اور رات ماسوا جنابت ہو جانے کے اور پاخانہ، پیشاب اور سو جانے سے نہیں یہ دلالت کرتے ہیں کہ پاخانہ وغیرہ کرنے کی صورت میں تین دن گزرنے پر موزے اتارے جائیں گے، دوسری بات یہ کہ فقہی طور پر موزہ حدث کے پاؤں میں سرایت کر جانے سے مانع ہے لہٰذا مدت اسی وقت سے شمار ہوگی جب وہ حدث سے ممانعت کا کام انجام دے گا یعنی حدث کے طاری ہونے کے وقت سے ان اصولی مسائل کی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی شخص نے طلوع فجر کے وقت وضو کیا اور موزے پہن لئے پھر طلوع شمس کے بعد وہ بے وضو ہو گیا اور زوال کے وقت وضو اور مسح کیا تو مقیم ہونے کی صورت میں وہ دوسرے دن وقت حدث تک مسح کرسکتا ہے یعنی طلوع شمس کے بعد تک اور مسافر ہونے کی صورت میں چوتھے دن طلوع شمس کے بعد اس کی مدت ختم ہوگی۔

اور اگر کسی نے اقامت پذیر ہونے کی حالت میں مسح کیا پھر سفر شروع کر دیا یا اس کے برعکس کیا تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں وہ مقیم کی مدت یعنی ایک دن رات تک کی تکمیل کرے گا، کیونکہ سفر کے مقابلے میں حضر کو ترجیح ہوگی کیونکہ وہی اصل ہے لہٰذا دونوں حالتوں میں ایک دن اور رات ہی مسح کرنا ہوگا احناف کے ہاں اگر کسی نے اقامت پذیر ہوتے ہوئے مسح کیا پھر ایک دن رات کی تکمیل سے قبل ہی سفر شروع کر دیا تو وہ تین دن رات مسح کرے گا، کیونکہ وہ مسافر بن گیا ہے، اور مسافر کی مدت مسح تین دن رات ہے، اور اگر مسافر اقامت پذیر ہو جائے تو اگر وہ مدت اقامت یعنی ایک دن رات مکمل کر چکا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ موزہ اتار دے، کیونکہ رخصت سفر بغیر حالت سفر کے برقرار نہیں رہے گی۔

❶..... بروایت امام احمد اور ابن خزیمہ خطابی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۱۔ ۱۸۳۔ ❷ بروایت امام احمد وہ فرماتے ہیں کہ یہ مسح علی الخفین کے بارے میں سب سے اچھی اور عمدہ حدیث ہے کیونکہ یہ غزوہ تبوک کی ہے اور وہ آخری غزوہ تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اور یہ آپ کا آخری فعل بھی تھا۔

اور اگر مدت اقامت مکمل نہ ہوئی ہو تو وہ مقیم ہونے کے سبب اس کو مکمل کرے گا۔ اور اگر اس کو شک ہو جائے کہ اس نے سفر میں مسح شروع کیا تھا یا حضر میں حنابلہ کے ہاں وہ یقینی چیز پر اعتماد کرے ❶ اور وہ ہے مقیم شخص کا مسح کیونکہ مسح کے مباح ہونے یا نہ ہونے میں شک واقع ہونے کی صورت میں مسح جائز نہیں ہے۔

شوافع فرماتے ہیں ❷ کہ مدت کے باقی رہنے کے بارے میں شک میں پڑ جانے والے شخص کے لئے مسح جائز نہیں ہے، مدت باقی ہو یا ختم ہو چکی ہو اسی طرح اس مسافر کے لئے مسح جائز نہیں جسے شک ہو کہ کیا اس نے سفر میں مسح شروع کیا تھا یا حضر میں کیونکہ مسح ایسی رخصت ہے جو کچھ شرائط کے ساتھ مشروع ہے اور ان شرائط میں سے مدت بھی ہے لہٰذا اگر مدت ہی میں شک ہو جائے تو اصل کی طرف رجوع کیا جائے گا یعنی دھونا لازم ہوگا۔

۵۔ مسح علی الخفین کے باطل کرنے والے امور..... موزے پر مسح ان مندرجہ ذیل حالات میں کالعدم ہو جاتا ہے۔

ا۔ نواقض وضو..... وضو کو توڑنے والے امور موزوں پر مسح وضو توڑنے والے تمام امور میں سے کوئی سا بھی امر پائے جانے کی صورت میں کالعدم ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ وضو کا ہی حصہ ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ خود بدل ہے اور اصل کے کالعدم کرنے والے امور سے یہ خود بھی کالعدم ہو جائے گا۔

۲۔ جنابت وغیرہ..... موزے پہننے والا شخص اگر جنبی ہو جائے یا کوئی غسل واجب کرنے والا کوئی امر در پیش ہو جائے جیسے حیض وغیرہ دوران مدت آ جائے تو مسح باطل ہو جائے گا اور پاؤں دھونا واجب ہوں گے اور اگر نہانے کے بعد وہ موزوں پر مسح کرنا چاہے تو وہ از سر نو موزے پہنے گا جیسا کہ حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں مسافر ہونے کی صورت میں یہ حکم فرماتے کہ ہم تین دن اور رات موزے نہ اتاریں ماسوا اس کے کہ ہم جنابت کی حالت میں ہوں۔ اور جنابت پر دوسری ان چیزوں کو بھی قیاس کیا جائے گا جو اس کے ہم معنی ہیں جیسے حیض نفاس اور بچے کا پیدا ہونا (یعنی عورت کے جسم سے بچے کا ولادت کے وقت باہر آنا)

۳۔ ایک یا دونوں موزوں کا اتر جانا..... اور اگر یہ اترنا ایسے ہو کہ پاؤں کی طرف کا اکثر حصہ موزے کے پنڈلی والے حصے میں چلا جائے تو بھی مسح کالعدم ہو جائے گا کیونکہ مسح کا مقام (یعنی پاؤں) اپنی جگہ سے ہٹ چکا ہے، اور اکثر کا حکم کل کا ہوتا ہے۔ اور اس صورتحال میں ماسوا حنابلہ کے جمہور کے ہاں وہ شخص اپنے پاؤں دھوئے گا کیونکہ پاؤں کی طہارت باطل ہو چکی ہے وہ اس طرح کہ اصل لازم تھا ان کا دھونا اور مسح بدل ہے تو جب بدل کا حکم کالعدم ہوا تو اصل کو اختیار کرنا لازم ہو جائے گا جیسے تیمم میں پانی مل جانے کے بعد حکم ہوتا ہے۔ اور ایک موزہ اتر جانے کی صورت میں صرف ایک پاؤں دھو لینا کافی نہ ہوگا دونوں کا دھونا ضروری ہوگا، کیونکہ دھونے اور مسح کرنے کے عمل کو جمع نہیں کیا جا سکتا ہے اور جرموق ہونے کی صورت میں اوپری موزہ اتر جانے کی حالت میں مالکیہ فرماتے ہیں کہ نچلے موزے پر علی الفور مسح لازم ہوگا جیسا کہ یہ ان کے اصول ''موالات'' (طہارت کے ذرائع) (وضو اور غسل کا پے در پے واقع ہونا) کے پیش نظر ضروری ہے جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔

۴۔ پاؤں کے کچھ حصے کا موزہ پھٹ جانے یا کاج وغیرہ کھل جانے سے ظاہر ہو جانا..... اس طرح کا واقعہ پیش آنے

---

❶..... المغنی ج ۱ ص ۲۹۲۔ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۶۷۔ ❷ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۰۵ البدائع ج ۱ ص ۱۲، الدر المختار ج ۱ ص ۲۵۴۔۲۵۶ مراقی الفلاح ص ۲۲ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۵۶۔۱۵۸ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۴۵۔۱۴۷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۶۸، المہذب ج ۱ ص ۲۲، المغنی ج ۱ ص ۲۸۷ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۳۶ اور بعد کے صفحات۔

سے شوافع اور حنابلہ کے ہاں وضوٹوٹ جائے گا۔اور احناف کے ہاں پاؤں کی تین انگلیوں کے بقدر ظاہر ہونے کی صورت میں مسح کالعدم ہوگا اور مالکیہ کے ہاں ایک تہائی قدم ظاہر ہوجانے کی صورت میں کالعدم ہوگا خواہ وہ پھٹ کر کھل جائے یا پھٹ کر بھی ایک دوسرے سے ملا ہوا ہو جیسے سلائی کا کھل جانا یا سوراخ کا اس طرح سے کھل جانا کہ پہننے کہ دونوں سرے مل جاتے ہوں۔اسی طرح مالکیہ کے ہاں ایک تہائی سے کم ہونے کے باوجود اگر ایسا پھٹا ہوا ہو کہ اس سے پاؤں نظر آتا ہو یعنی پہننے پر کھل جاتا ہو تو بھی مسح کالعدم ہوجائے گا ہاں اگر ایک تہائی سے کم پھٹا ہوا ایسے پھٹا ہوا ہو کہ اس کے دونوں سرے پہننے پر مل جاتے ہوں اور پاؤں نہ نظر آتا ہو تو یہ قابل معافی ہے۔اور اگر کھلا ہوا حصہ اتنا معمولی سا کھلا ہوا ہو کہ ہاتھ کی نمی مسح کے وقت نیچے پاؤں تک اس سوراخ کے ذریعے نہ پہنچے تو بھی وہ مضر نہیں ہے۔

۵۔ پانی کا موزے کے اندر پاؤں کی موجودگی کی حالت میں اس تک پہنچ جانا...... صحیح قول کے مطابق احناف کے ہاں یہ مسح کے لئے ناقض ہے، مثلاً اگر پورا پاؤں تر ہوجائے تو موزہ اتار کر پاؤں دھونا ضروری ہوگا۔مقصود غسل (دھونے) اور مسح کے جمع کرنے سے بچنا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ایک پاؤں تو دھل رہا ہو اور دوسرے پر صرف مسح ہو، کیونکہ ایسا کرنا بالا تفاق درست نہیں ہے۔

۶۔ مدت کا گزر جانا...... مدت مقیم کے لئے ایک دن اور رات اور مسافر کے لئے تین دن اور رات ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سے منقول روایتوں سے مسح کی مدت کی تحدید اسی تفصیل کے مطابق ثابت ہوتی ہے۔اس صورت اور گذشتہ تینوں صورتوں، یعنی موزوں کا اتر جانا، پاؤں کا ظاہر ہوجانا یا اکثر کا ظاہر ہوجانا، اختلاف کی تفصیلات کے مطابق وغیرہ میں احناف، مالکیہ کے ہاں اور راجح قول کے مطابق شوافع کے ہاں بھی۔

صرف دونوں پاؤں کا دھولینا کافی ہے، وضو کا از سر نو کرنا ضروری نہیں ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ شخص باوضو ہو، وجہ اس کی یہ ہے کہ حدث کا اثر صرف موزوں تک محدود رہے گا یا صرف پاؤں کی طہارت کے بطلان تک محدود رہے گا اور چونکہ اصل ان کا دھونا تھا اور مسح صرف بدل تھا اس لئے جب بدل کا حکم زائل ہوگا تو اصل کی طرف رجوع کیا جائے گا جیسا کہ تیمم کے بعد پانی مل جانے کی صورت میں ہوتا ہے۔احناف اس صورت سے ضرورت کی حالت کو مستثنیٰ کرتے ہیں کہ اگر کوئی یہ محسوس کرے کہ ٹھنڈک سے اس کے پاؤں ہی بے کار یا ضائع ہوجائیں گے تو اس پر موزہ اتارنا ضروری نہیں ہوگا اس کے لئے یہ جائز ہوگا کہ وہ محفوظ اور مامون ہوجانے تک موزہ نہ اتارے یعنی بلا تحدید وقت وہ مسح کرسکتا ہے، تاہم اس صورت میں اس پر پورے موزے کا مسح کرنا ضروری ہوگا کہ ہر طرف وہ ہاتھ پھیرے اور یہ زخم کی پٹی پر مسح کرنے کے حکم میں ہوگا۔

حنابلہ کے ہاں مدت کے گزر جانے یا موزہ اتر جانے کی صورت میں وضو کا از سر نو کرنا لازم ہے، کیونکہ وضو ایسی عبادت ہے جو حدث سے باطل ہوجاتی ہے، تو وضو کے بعض (کچھ) حصے کی طہارت کا باطل ہونا پورے وضو کے باطل ہونے کے مترادف ہوگا۔یعنی ان کے ہاں حدث (بے طہارت ہونے کی کیفیت) قابل تقسیم نہیں ہے، اس کے اجزاء نہیں بن سکتے ہیں لہذا مدت کے ختم ہوجانے پر یا موزہ اتر جانے پر حدث اس عضو کی طرف لوٹ آئے گا جس پر موجود موزے پر اس نے مسح کیا تھا، اور اس طرح دیگر اعضاء میں بھی وہ سرایت کرے گا لہٰذا اس شخص پر وضو کا از سر نو کرنا لازم ہوگا خواہ وہ فی الفور ہی کیوں نہ کرے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسح کالعدم کرنے والی اشیاء احناف کے ہاں چار ہیں۔

۱..... ہر ناقض وضو۔

۲..... موزے کا اتر جانا خواہ اس طرح ہی اترے کہ پاؤں موزے کے پنڈلی پر آنے والے حصے میں آجائے۔

۳..... پانی کا موزے میں موجود پاؤں کے اکثر حصے تک پہنچ جانا (صحیح قول کے مطابق)

۴.....مدت کا گزر جانا اگر سردی وغیرہ سے پاؤں کے ضائع یا بیکار ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو کہ ایسی صورت میں قابل اطمینان صورتحال حاصل ہونے تک مسح کرنا اس کے لئے جائز ہے۔

۶۔ چھٹی بحث.....پگڑی وغیرہ پر مسح

احناف فرماتے ہیں❶ کہ مسح پگڑی ٹوپی، برقع (وہ نقاب جو اعرابی عورتیں اپنے چہروں پر ڈالتی ہیں) اور دستانے (یا قفاز❷ پر مسح درست نہیں کیونکہ مسح خلاف قیاس ثابت ہے لہٰذا جس پر ثابت ہے ان کے علاوہ چیزوں کو ان سے ملحق کرکے مسح جائز قرار نہیں دیا جائے گا۔

حنابلہ فرماتے ہیں❸ کہ کوئی مرد اگر وضو کرکے عمامہ (پگڑی) پہن لے پھر بے وضو ہو جائے تو وضو کرتے وقت اس کے لئے پگڑی پر ہی مسح کر لینا جائز ہے کیونکہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عمامہ مبارک اور موزوں پر مسح کرتے دیکھا❹ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں اور عمامہ پر مسح فرمایا❺ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں اور خمار (اوڑھنی پگڑی وغیرہ) پر مسح فرمایا❻ اور اس بات کے قائلین میں حضرت ابوبکر حضرت عمر، حضرت انس اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ امام خلال نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جس شخص کو عمامہ پر مسح پاک نہ کرے (یعنی اس کو پگڑی پر مسح کرنے سے طہارت کا اطمینان نہ ہو) تو اللہ اس کو پاک نہ کرے۔

اور واجب اکثر عمامے کا مسح کرنا ہے، کیونکہ یہ موزے کی طرح بدل ہے اور مسح پگڑی کے پیچوں پر ہونا چاہیئے اس کے بیچ پر نہیں کیونکہ اس کا بیچ ایسا ہی ہے جیسے موزے کے حق میں موزے کا نچلا حصہ اور پگڑی کے باندھنے میں سر کا جو حصہ کھلا رکھنا معروف ہو (یعنی کان کے آس پاس کا حصہ اور پچھلا حصہ) اس کا مسح واجب نہیں کیونکہ پگڑی سر کے عوض میں ہے (اس کے اوپر بندھی ہوئی اور بطور نائب ہے) لہٰذا فرض مسح اس کی طرف منتقل ہو گیا اور حکم اسی سے متعلق ہو گیا اور ٹوپی پر مسح جائز نہیں ہے۔

پگڑی پر مسح ان شرائط کے ساتھ درست ہے:

۱.....پگڑی مباح ہو، حرام نہ ہو، مثلاً غصب شدہ یا ریشم کی نہ ہو۔

۲۔ پگڑی ''محنک'' ہو (تحنیک شدہ ہو) محنک اس پگڑی کو کہتے ہیں جس کو باندھتے وقت ایک یا دو پیچ حلق کے نیچے سے گزارے جاتے ہیں خواہ اس پگڑی کا شملہ ہو یا نہ ہو کیونکہ یہ عربوں کی پگڑی تھی اور اس کا اتارنا مشکل ہوتا تھا، اور یہ زیادہ چھپانے والی ہوتی تھی (یعنی سر اس کے ذریعے زیادہ چھپ جاتا تھا) شملے والی پگڑی (جو محنک بھی ہو) پر بھی مسح درست ہے کیونکہ شملہ نکالنا سنت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو سیاہ پگڑی پہنائی اور پچھلی طرف چار انگلیوں کے برابر شملہ چھوڑا۔ لہٰذا بغیر شملے اور تحنیک کی پگڑی پر مسح جائز نہیں ہے کیونکہ یہ مسلمانوں میں رائج پگڑی نہیں تھی، اور نہ ہی اس کا اتارنا مشکل ہوتا ہے، تو یہ ٹوپی ہی کے مشابہ ہے۔

---

❶..... مراقی الفلاح ص ۲۳ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۰۹ اللباب ج ۱ ص ۴۵ اور بعد کے صفحات۔❷ قفاز آج کل دستانوں کو کہتے ہیں ویسے اس کا اطلاق اس گدی نما چیز پر ہوتا ہے جس میں روئی بھری جاتی ہے اور اس کو ہاتھ سے کہنی کے درمیانی حصے پر پہنا جاتا تھا عورتیں سردی سے بچنے کے لئے پہنتی تھیں شکاری اس کو چمڑے کا یا اون کا بناتے تھے تاکہ شکاری پرندوں کو بٹھانے کی صورت میں ان کے پنجوں سے محفوظ رہیں۔❸ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۲۶ اور بعد کے صفحات ۳۴ اور بعد کے صفحات المغنی ج ۱ ص ۳۰۰۔۳۰۴۔۳۰۴❹ بروایت امام احمد، امام بخاری اور امام ابن ماجہ۔❺ بروایت امام مسلم اور امام ترمذی۔ امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔❻ صحاح ستہ کے حضرات نے ماسوا امام بخاری اور ابوداود کے روایت کیا ہے اور امام احمد کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موزوں اور خمار پر مسح کرو نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۶۴۔

۳۔ پگڑی مرد کی ہو عورت کی نہیں، کیونکہ عورت کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے لہٰذا عورت کے لئے عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں خواہ اس نے کسی ضرورت کے تحت پگڑی پہنی ہو مثلاً سردی وغیرہ سے بچنے کے لئے۔

۴۔ وہ پگڑی سر کے ان تمام حصوں کو ڈھانپی ہوئی ہو جو عادتاً پگڑی کے اندر چھپائے جاتے ہیں جیسے سر کا اگلا حصہ دونوں کان اور سر کے اطراف۔

مالکیہ فرماتے ہیں ❶ کہ ایسی پگڑی پر مسح درست ہے جس کے اتارنے میں ضرر کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہو اور وہ شخص اس چیز پر بھی مسح کرنے پر قادر نہ ہو جو پگڑی کے نیچے ہو یعنی ٹوپی وغیرہ اور اگر وہ شخص سر کے کچھ حصے پر مسح کرنے پر قادر ہو تو سر کے اتنے حصے پر مسح کرتے ہوئے پگڑی پر اس کو مکمل کرے گا۔

شوافع فرماتے ہیں کہ صرف پگڑی پر مسح کرنا درست نہیں ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا آپ نے قطر کا بنا ہوا عمامہ پہنا ہوا تھا، آپ نے پگڑی کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا اور عمامہ کو نہیں کھولا ❷ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسح سر پر کرنا فرض قرار دیا ہے اور عمامہ پر مسح کرنے کے بارے میں وارد حدیث قابل تاویل ہے، لہٰذا یقینی چیز کو احتمالی چیز کی بنیاد پر نہیں چھوڑا جا سکتا ہے اور پگڑی پر مسح سر پر مسح نہیں شمار ہوتا ہے۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں ❸ کہ: خلاصہ یہ ہے کہ صرف سر پر بھی مسح ثابت ہے، صرف پگڑی پر مسح بھی ثابت ہے اور سر اور پگڑی دونوں پر بھی مسح ثابت ہے، تو ان تمام منقول امور میں سے ایک کی اجازت پر اکتفاء کرنا وہ بھی بلا سبب اہل انصاف کا شیوہ نہیں ہے۔

۷۔ ساتویں بحث...... جوراب پر مسح

فقہاء کا اتفاق ہے کہ جوراب پر مسح درست ہے اگر ان میں نعل لگے ہوں یا چمڑا لگا ہوا ہو (جوراب پاؤں پر پہنے جانے والی چیز کو کہتے ہیں علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ: یہ اونی غلاف کا ہوتا ہے جو گرمائش کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، حنابلہ کی شرح المنتہی میں ہے کہ: شاید اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو پاؤں میں پہنی جائے اور موزے کی طرح بنی ہوئی ہو لیکن چمڑے کی نہ ہو یعنی خواہ اون ہو، روئی کی ہو بالوں کی ہو، جوٹ کی ہو یا کتان کی بنی ہوئی ہو) عام جورب، جو نعل دار اور چمڑہ دار نہ ہو اس کے بارے میں دو نقطہ نظر فقہاء کے ہاں پائے جاتے ہیں۔

ایک نقطہ نظر جس کو فقہاء کی ایک جماعت نے جن میں امام ابوحنیفہ، مالکیہ اور شوافع ہیں اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس پر مسح درست نہیں ہے دوسرا نقطہ نظر جس کو فقہاء کی دوسری جماعت نے جن میں حنابلہ اور احناف میں سے صاحبین شامل ہیں، اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ فتویٰ احناف کے ہاں صاحبین کے قول پر ہے فقہاء کی یہ آراء مندرجہ ذیل ہیں۔ ❹

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جورب پر مسح درست نہیں ہے ماسوا اس کے کہ وہ مجلد ہوں یا ان میں نعل لگا ہوا ہو وجہ اس کی یہ ہے کہ جوراب خف (چمڑے کے موزے) کی طرح نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس میں مسلسل چلتے رہنا ممکن نہیں ہوتا ماسوا اس کے کہ اس پر نعل لگا ہوا ہو۔ اور جن حدیثوں سے جورب پر مسح کا ثبوت ملتا ہے ان میں مراد یہی جورب ہوتا ہے۔ اور مجلد سے مراد وہ ہے جس کے اوپر اور نیچے چمڑہ لگا

---

❶ ......الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۶۳ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۰۳ اور بعد کے صفحات۔ ❷ بروایت امام ابوداؤد، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد قابل اعتراض ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۷+۶۔ ❸ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۶۲۔ ❹ الدر المختار ج ۱ ص ۲۴۸ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۰۸ البدائع ج ۱ ص ۱۰ مراقی الفلاح ص ۲۱ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۹ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۵۳ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۴۱ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۶۲ المجموع ج ۱ ص ۵۳۹ المہذب ج ۱ ص ۲۱، المغنی ج ۱ ص ۲۹۵ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۲۴، ۱۳۰۔

دیا گیا ہو۔ تاہم امام ابوحنیفہ نے آخری عمر میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع فرمالیا تھا اور اپنے مرض میں جوربین پر مسح فرمایا اور اپنے عیادت کنندگان سے فرمایا کہ میں نے وہ کام کرلیا جس سے میں منع کیا کرتا تھا، ان کی اس بات کو ان کا رجوع سمجھا گیا۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ جورب پر مسح درست ہے اگر وہ موٹا ہو اور اس سے پاؤں نہ جھلکے۔ صاحبین کے قول پر ہی مذہب حنفی میں فتویٰ ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جورب پر مسح فرمایا تھا❶ دوسری بات یہ ہے کہ جورب اگر موٹے ہوں تو ان کو پہن کر چلنا ممکن ہے جیسے آج کل کے اونی موٹے موزے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ احناف کے ہاں مفتی بہ قول یہ ہے کہ جورب پر مسح درست ہے اگر وہ اتنا موٹا ہو کہ اس کو پہن کر ایک فرسخ یا اس سے زیادہ چلنا ممکن ہو اور وہ پنڈلی پر خود ٹھہر سکے اور اس سے پاؤں نہ نظر آئیں اور نہ جھلکیں۔ مالکیہ نے بھی امام ابوحنیفہ کی طرح یہ شرط رکھی ہے کہ جورب پر اندر اور باہر سے چمڑہ لگا ہو یعنی کہ عادتاً اس میں چلنا ممکن ہو اس طرح وہ بھی چمڑے کے موزوں کی طرح ہو جائیں گے۔ اور جن احادیث میں جورب پر مسح کا ثبوت ملتا ہے ان سے مراد یہی جورب ہیں۔

شوافع جورب پر مسح دو شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں:

۱.....وہ اتنا موٹا ہو کہ اس سے پاؤں نہ جھلکیں اور اس کو پہن کر چلتے رہنا ممکن ہو۔

۲.....وہ نعل دار ہو۔ اگر دونوں میں ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اس پر مسح درست نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس کو پہن کر چلتے رہنا ممکن نہیں ہے جیسے کپڑے کے موزوں میں اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوربین (دونوں جورب) اور جوتوں پر مسح فرمایا کو امام بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے اسی طرح محدثین نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حدیثوں کو بھی ضعیف قرار دیا ہے۔

حنابلہ نے جورب پر مسح ان ہی دونوں شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیا ہے جو دو شرطیں انہوں نے خف (چمڑے کے موزے) کے بارے میں عائد کی ہیں۔

۱.....وہ اتنا موٹا ہو کہ اس سے پاؤں بالکل نظر نہ آئیں۔ ۲.....اس میں چلتے رہنا ممکن ہو اور وہ خود برقرار رہے۔

ان حضرات کی دلیل وہ اقوال ہیں جو جورب پر مسح کے جواز کے بارے میں نو صحابہ کرام سے منقول ہیں جو کہ یہ ہیں (۱) حضرت علی (۲) حضرت عمار (۳) حضرت ابن مسعود (۴) حضرت انس (۵) حضرت ابن عمر (۶) حضرت براء (۷) حضرت بلال (۸) حضرت ابن ابی اوفی اور (۹) حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور اس کے جواز کا قول مشاہیر تابعین سے بھی منقول ہے جیسے عطاء حسن بصری سعید بن المسیب ابن جبیر نخعی اور ثوری رحمۃ اللہ علیہم احادیث نبویہ سے بھی جورب پر مسح ثابت ہے جن میں چند حدیثیں یہ ہیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور جرابیں اور جوتوں پر مسح فرمایا❷ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے جرموق اور عمامہ پر مسح فرمایا❸ راجح حنابلہ کی رائے

---

❶.....سنن ابن ماجہ ابوداؤد نسائی اور ترمذی میں حضرت مغیرہ والی حدیث منقول ہے امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے اسی طرح حضرت ابوموسیٰ کی حدیث ابن ماجہ اور طبرانی کے ہاں مذکور ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث طبرانی نے نقل کی ہے آخری دونوں حدیثوں میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۸۴ اور بعد کے صفحات۔ ❷ بروایت اصحاب سنن خمسہ ماسوا نسائی امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ یہ حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے تاہم وہ متصل اور قوی حدیث نہیں۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۹ پیش نظر رہے کہ علامہ زیلعی نے امام نسائی کو بھی حدیث مغیرہ کا راوی قرار دیا ہے لیکن علامہ ابن تیمیہ نے منتقی الاخبار میں امام نسائی کو رواۃ حدیث میں شامل نہیں کیا ہے۔ ❸ بروایت امام احمد ترمذی اور طبرانی۔ موق اس کو کہتے ہیں جو چمڑے کے موزوں پر پہنا جاتا ہے یا س کو جس کا پنڈلی کا حصہ نہ ہو صرف جوتے کی طرح نچلا حصہ ہو۔ اس حدیث میں وارد لفظ خمار کا مطلب عمامہ ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے منقول روایت جو سنن سعید بن منصور میں مذکور ہے کہ امسحوا علی النصیف والخمار تو اس سے مراد بھی وہی بے پنڈلی کا موزہ ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷۹۔

۸۔آٹھویں بحث......زخم کی پٹیوں پر مسح

اس میں جبیرہ (زخم کی پٹی) کے مفہوم و معنی، اس پر مسح کی مشروعیت اس کے حکم مسح کی شرائط مسح کی مقدار مطلوب اور یہ بحث کہ مسح اور تیمم کو جمع کیا جاسکتا ہے یا نہیں اور یہ بحث کہ کیا اس کے بعد نماز کا اعادہ واجب ہے؟ مسح کے نواقض اور موزوں اور پٹی پر مسح کے درمیان فرق کی بحث ذکر کی جائیں گی۔

پٹی کے معنی و مفہوم.....عربی میں اس کو جبیرہ یا جبارہ کہتے ہیں اور اس کا مطلب ہے وہ لکڑی یا بانس کی کھپچی جو ہڈی ٹوٹ جانے یا اتر جانے کے مقام پر باندھی جاتی ہے تا کہ چوٹ صحیح ہو جائے ❶ اور آج کل ہڈی ٹوٹ جانے پر اس کو جوڑنے کے لئے لگایا جانے والا رائج پلاسٹر بھی اسی کے حکم میں ہے، اسی طرح آپریشن کے بعد لگائی جانے والی پٹی خواہ سر کے زخم کی ہو پچھنے لگائے جانے کی جگہ اور داغ لگائے جانے کے مقام پر لگائی جانے والی پٹی اور زخم پر لگائی گئی پٹی وغیرہ سب اس حکم میں ہیں، یعنی وہ تمام پٹیاں جو زخم کو ٹھیک کرنے وغیرہ کی غرض سے زخم کی جگہ باندھی جائیں۔ علامہ ابن جزری مالکی فرماتے ہیں: جبائر (جمع جبیرہ کی، پٹیاں) کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو جراحت، زخم اور پچھنے کی جگہ پر باندھی جائے۔❷

پٹی پر مسح کرنے کی مشروعیت......پٹی پر مسح از روئے سنت نبوی اور عقل جائز ہے۔ سنت نبوی کی رو سے جائز ہونے کے لئے تو وہ احادیث ہیں جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں جن میں سے ایک تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے ایک ہاتھ کا گٹا ٹوٹ گیا، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے مجھے پٹی پر مسح کرنے کا حکم دیا❸ اسی طرح ایک حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں منقول ہے جس کا سر زخمی ہو گیا تھا اس نے نہالیا اس سے اس کی موت واقع ہو گئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کے لئے یہ کافی تھا کہ وہ تیمم کرتا اپنے زخم پر ایک پٹی باندھ لیتا پھر اس پر مسح کرتا اور باقی جسم دھوڈالتا۔❹

اور عقلی دلیل اس کی یہ ہے کہ پٹیوں پر مسح کرنے کی ضرورت تو ظاہر ہے کہ درپیش ہوتی ہے کیونکہ ان کے اتارنے میں حرج اور ضرر ہے۔ علامہ مرغینانی ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ اس کے اتارنے میں واقع ہونے والا حرج موزے اتارنے میں واقع ہونے والے حرج سے بڑھ کر ہے تو یہ مسح کئے جانے کا زیادہ حقدار ہے۔❺

حکم مسح، آیا یہ واجب ہے یا سنت......امام ابوحنیفہ اور صاحبین فرماتے ہیں❻ کہ پٹی پر مسح واجب ہے فرض نہیں یہ صحیح قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے تاہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پٹی پر مسح کرنے سے اگر اس کو نقصان ہو تو مسح بھی ساقط ہو جائے گا کیونکہ جب عذر کی بناء پر دھونا ساقط ہے تو مسح کرنا بطریق اولی ساقط ہوگا۔ مسح کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ فرضیت قطعی دلیل سے ثابت ہوتی ہے اور

---

❶.....مغنی المحتاج ج ۱ ص ۹۴ ابن قدامہ نے المغنی ج ۱ ص ۲۷۷ میں اس کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ چیز جو ٹوٹی ہڈی کو درست کرنے کے لئے بنائی جائے۔
❷القوانین الفقھیہ ص ۳۹۔ ❸یہ حدیث ابن ماجہ دار قطنی اور بیہقی نے نہایت ہی بے اعتبار سند کے ساتھ نقل کی ہے نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۸۶ اور بعد کے صفحات سبل السلام ج ۱ ص ۹۹۔ ❹بروایت ابی داؤد بسند ضعیف امام بیہقی فرماتے ہیں یہ حدیث اس باب میں منقول صحیح تر حدیث ہے باوجود اس کے کہ اس کی سند میں اختلاف ہے نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۸۷ سبل السلام ج ۱ ص ۹۹ علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند کے طرق مؤید و مضبوط ہیں ان سے سند پکڑنا درست ہے اس کو حضرت علی کی حدیث سے بھی قوت حاصل ہوتی ہے تاہم حضرت جابر کی حدیث دونے مسح کرنے اور تیمم تینوں کو جمع کرنے پر دلالت کرتی ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۵۸۔ ❺ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۰۹۔ ❻البدائع ج ۱ ص ۱۳ اور بعد کے صفحات ردالمحتار لابن عابدین ج ۱ ص ۲۵۷ اور تحقیقی بات یہی ہے یہ اس کے برخلاف ہے جو بدائع میں مذکور ہے کہ مسح امام صاحب کے ہاں مستحب ہے واجب نہیں اور صاحبین کے ہاں واجب ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث خبر واحد ہے لہٰذا اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوگی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا اس کے وجوب بمعنی اس کے ترک کے جائز نہ ہونے پر اتفاق ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس کا ترک کرنے والا گناہگار ہوگا اور نماز بھی اس کی درست ہوگی لیکن اعادہ بھی واجب ہوگا گویا ان کے ہاں وجوب سے مراد ادنیٰ درجہ وجوب ہے اور صاحبین کے ہاں نماز اس کے بغیر درست ہی نہیں ہوگی گویا ان کے ہاں اعلیٰ درجہ وجوب مراد ہے۔

جمہور فقہاء یعنی مالکیہ، شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں [1] کہ پٹی پر پانی سے مسح کرنا فرض ہے، جتنا بھی استعمال کرنا ممکن ہو یہ قیاس کرتے ہیں موزوں پر اور قدر مشترک ان دونوں میں ضرورت کو قرار دیتے ہیں اور وہ بھی بطریق اولی دوسری بات یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں، باوجود اس کے کہ وہ ضعیف ہے، مسح کا حکم موجود ہے مسح علی الجبائر (پٹیوں پر مسح کرو) اور امر وجوب کے معنی دیتا ہے۔

اور یہ صورت بالاتفاق درست نہیں کہ کوئی شخص ایک پاؤں پر پٹی باندھا ہوا پٹی پر مسح کرلے اور دوسرے پاؤں پر جو صحیح اور تندرست ہو موزے پر مسح کرے اس شخص پر لازم ہے کہ وہ غسل اور مسح کرے (یعنی پٹیوں والے پاؤں پر مسح کرے اور دوسرے پاؤں کو دھوئے)

پٹیوں پر مسح کی شرائط......اس کے جواز کے لئے مندرجہ ذیل امور شرط ہیں۔ [2]

۱...... پٹی کا نکال لینا ممکن نہ ہو یا اس کے اتارنے اور عضو کو دھونے سے مرض کے ہوجانے یا بڑھنے کا اندیشہ ہو یا زخم کے درست ہونے میں تاخیر کا امکان ہو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تیمم میں ہوتا ہے۔ مالکیہ فرماتے ہیں کہ مسح اس وقت واجب ہے جب ہلاکت کا یا نقصان کے بڑھنے یا تکلیف کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہو جیسے مثلاً سننے دیکھنے وغیرہ کی قوتوں کے ضیاع کا خطرہ ہو۔ اور مسح اس وقت جائز ہے جب درد بڑھ جانے یا زخم کے دیر سے ٹھیک ہونے کا اندیشہ ہو اور دیر سے ٹھیک ہونے سے کوئی عیب بھی لاحق نہ ہوتا ہو اسی طرح آنکھوں میں خرابی یا پھوڑے وغیرہ نکل آنے کا اندیشہ ہو۔ اور اسی طرح اگر زخم وغیرہ اعضاء وضو میں ہوں حدث اصغر کی صورتحال میں یا جسم میں کہیں ہوں حدث اکبر کی صورتحال میں۔

۲...... خود اس زخم وغیرہ کا ضرر و نقصان کے سبب دھو لینا ممکن نہ ہو، اگر اس کے دھو لینے پر انسان قادر ہو تو پٹی پر مسح درست نہیں ہے اس صورت میں کہ زخم کے اوپر مسح کرلینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا ہو زخم کے اوپر ہی مسح کرنا چاہئے پٹی پر مسح کرنا ایسی صورت میں درست نہیں مالکیہ فرماتے ہیں آشوب چشم میں مبتلا شخص اگر اپنی آنکھوں یا پیشانی پر مسح نہ کرسکے اور اندیشہ نقصان ہو تو وہ کپڑے کا ایک ٹکڑا پیشانی یا آنکھ پر رکھ کر مسح کرلے۔ احناف فرماتے ہیں کہ ضرر لاحق ہونے کی صورت میں دھونے کی طرح مسح بھی ساقط ہوگا بصورت دیگر وہ شخص مسح نہ ترک کرے۔ شوافع فرماتے ہیں کہ مرض کی جگہ کو پانی سے نہ دھوئے صحیح عضو کو دھولے اور بیمار وضو کی طرف سے تیمم کرلے اور پٹی ہونے کی صورت میں اس پر مسح کرلے۔

۳...... پٹی جائے ضرورت سے زائد نہ ہو اگر محل ضرورت سے زائد ہو تو اس کا اتارنا لازم ہوگا اور موضع ضرورت سے مراد ہے وہ جگہ جو پٹی کے باندھنے اور اس کے ٹھہرانے کے لئے ضروری ہو۔ اور زائد جگہ کی پٹی ہٹا کر دھونا اس لئے ضروری ہے کہ مسح طہارت حاجت ہے تو وہ بقدر ضرورت ہی رہے گی۔ اور اگر زائد کے ہٹانے سے تلف ہونے یا نقصان کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو حاجت سے زائد مقدار کے لئے تیمم کرے اور جائے ضرورت پر مسح کرے اور باقی کو دھولے تو اس طرح غسل (دھونا) تیمم اور مسح تینوں جمع ہوجاتے ہیں۔ اور بیماری کی جگہ پر پانی سے مسح کرنا واجب نہیں خواہ کسی ضرر کا اندیشہ نہ بھی ہو کیونکہ واجب دھونا ہے مسح نہیں، تاہم مسح مستحب ہے، اور یہ بھی واجب نہیں کہ بیماری کی

---

[1]...... الشرح الصغير ج ۱ ص ۲۰۲ الشرح الكبير ج ۱ ص ۱۶۳ مغنى المحتاج ج ۱ ص ۹۴ بجيرمى الخطيب ج ۱ ص ۲۶۲۔۲۶۵ المغنى ج ۱ ص ۲۸۶ كشاف القناع ج ۱ ص ۱۲۷، ۱۳۵ القوانين الفقهيه ص ۳۹، المهذب ج ۱ ص ۳۷.

[2] البدائع ج ۱ ص ۱۳، الدر المختار ج ۱ ص ۵۸ اور دیگر گزشتہ حوالہ جات

جگہ پر کوئی کپڑا وغیرہ رکھ کر اس پر مسح کر لیا جائے کیونکہ مسح رخصت ہے اور مسح کا وجوب اس کے لئے مناسب نہیں (یعنی رخصت کے اندر وجوب کا قول رخصت کے منافی ہے) یہ شرط شوافع اور حنابلہ نے ذکر کی ہے شوافع مطلقاً تیمم کو بھی واجب قرار دیتے ہیں جیسا کہ یہ آگے آئے گا۔

حسن بن زیاد کے ذکر کردہ قول کے مطابق احناف فرماتے ہیں کہ اگر پٹی کھول کر زخم کے آس پاس جگہ دھونے سے زخم کو نقصان پہنچتا ہو تو زائد پٹی پر مسح جائز ہوگا اور اس پر مسح اس کے نیچے کی جگہ کو دھونے کے قائم مقام ہوگا جیسے اس پٹی پر مسح جو ٹھیک زخم کے اوپر ہو اور اگر اس جگہ کو دھونے سے زخم کو نقصان نہ پہنچتا ہو تو صرف زخم کے اوپر پٹی کا مسح درست ہوگا پوری پٹی پر مسح درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ پٹی پر مسح کا جواز عذر کی وجہ سے تھا اور اس صورت میں عذر نہیں رہتا ہے۔ یہ تفصیل مالکیہ کے نزدیک بھی ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ مالکیہ اور حنفیہ اس میں فرق نہیں کرتے کہ پٹی تکلیف زدہ جگہ تک ہی ہو یا ضرورت کے تحت اس سے زائد ہو (کہ یہ بہر صورت پٹی پر مسح کو جائز کہتے ہیں ہاں اگر ضرورت سے زائد ہو تب نہیں)

۴..... پٹی پانی سے حاصل شدہ طہارت کے بعد باندھی گئی ہو بصورت دیگر نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ یہ شرط حنابلہ اور شافعیہ کے ہاں ہے کیونکہ پٹی پر مسح موزے پر مسح سے اولی ہے، کیونکہ ضرورت کا عنصر اس میں زیادہ ہے اور موزوں کا طہارت کے حصول کے بعد پہنا جانا ضروری ہے۔ اور نماز اس صورت میں واجب الاعادہ نہیں ہوگی اگر پٹی صرف اس قدر ہو کہ جتنی زخم پر باندھنے کے لئے ضروری تھی اور وہ طہارت کے بعد باندھی گئی ہو اور پٹی کے نیچے کے صحیح اور تندرست حصے کو دھویا گیا ہو زخم کے لئے تیمم کر لیا گیا ہو اور زخم پر موجود پٹی پر مسح کر لیا گیا ہو۔ اور اگر پٹی طہارت کے بغیر باندھ لی گئی ہو تو اگر ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو اتارے اور اس کے نیچے کے حصے کو دھولے اور اگر اندیشہ نقصان کا ہو کہ اس کو اتارنے سے عضو کے تلف ہونے یا ضرر کا امکان ہو تو نچلے حصے کے دھونے کے بجائے تیمم کر لے۔ اور اگر پٹی تیمم کے عضو کی جگہ (یعنی چہرہ اور دونوں ہاتھ) کا احاطہ کر لے تو حنابلہ کے ہاں صرف پانی سے مسح کر لینا کافی ہے اور تیمم ساقط ہو جائے گا اور شوافع کے ہاں وہ شخص نماز کا اعادہ کرے گا کیونکہ یہ اس شخص کی طرح ہوگا جو دونوں پاک کرنے والی چیزیں (پانی اور مٹی) کو نہ پا سکتا ہو (یعنی فاقد الطهورين)

حنفیہ اور مالکیہ پٹی کا طہارت کے بعد باندھا جانا ضروری نہیں قرار دیتے ہیں، خواہ پاکی کی حالت میں باندھے یا بغیر پاکی کی حالت میں باندھے اس پٹی پر مسح جائز ہوگا اور صحیح ہونے کے بعد وہ شخص مسح نہیں کرے گا۔ مقصود اس حرج کا دور کرنا ہے جو ایسے شخص کو لاحق ہوتا ہے۔ اور یہ بات زیادہ قابل فہم اور معقول ہے کیونکہ اس طرح کی پٹیوں کے باندھنے کے عمل میں اچانک اور ناگہانی طور پر واقع ہونے کا عنصر ہوتا ہے ایسی صورت میں طہارت کی شرط لگانا قابل حرج و مشقت امر ہے۔

۵..... پٹی کسی غصب شدہ چیز کی نہ باندھی ہو اور نہ ریشم کی باندھی ہو جو مردوں پر حرام ہوتا ہے اور نہ ہی ناپاک چیز سے باندھی ہو جیسے مردار کی کھال اور ناپاک کپڑا ایسی صورت میں مسح باطل ہوگا اور نماز بھی باطل قرار پائے گی۔ یہ شرط صرف حنابلہ عائد کرتے ہیں۔

پٹی پر مسح کرنے میں شرعاً مطلوب مقدار کا بیان..... احناف کے ہاں پٹی کے اکثر حصے پر ایک مرتبہ مسح کر لینا کافی ہے پوری پٹی پر مسح کرنا اور دوبارہ کرنا اور نیت کا ہونا بالاتفاق شرط نہیں ہے، یہ احناف کی ہاں مفتی بہ قول ہے [1] اور یہ اسی طرح ہے جیسے سر، موزے اور پگڑی کے مسح میں نیت شرط نہیں ہے پٹی پر مسح کرنے میں اکثر حصے پر مسح کرنے کو شرط قرار دینے اور سر اور موزوں پر کئے جانے والے مسح میں اکثر کے اوپر مسح کرنے کو شرط قرار نہ دینے میں کہ ان میں صرف تین انگلیوں کی مقدار کر لینا کافی ہے جب کہ اس میں نہیں۔ فرق یہ ہے کہ سر کا مسح قرآن کی آیت کے سبب مشروع ہے اور اس میں آیا ہوا حرف ب عربی قواعد کے تقاضے سے تبعیض (بعض کے مراد ہونے نہ کہ کل کے مراد ہونے) کا تقاضا کرتا ہے اور موزوں پر مسح اگر قرآن کی آیت وضو کے لفظ وارجلکم کی اس قرأت سے ثابت کیا جائے جس میں یہ لفظ

---

[1]..... الدر المختار ج ۱ ص ۲۶۰ فتح القدير ج ۱ ص ۱۰۹ البدائع ج ۱ ص ۱۲

مجرور (لام کے زیر کے ساتھ) استعمال ہوا ہے تو اس صورت میں وہ لفظ برؤسکم پر عطف ہو اسی کے حکم میں ہوگا اور حرف ب کے تبعیض کے معنی یہاں بھی مراد ہوں گے۔اور اگر یہ حدیث سے ثابت ہو تو بھی حدیث نے وضاحت سے یہ بتا دیا ہے کہ کل کا مسح نہیں جزء کا مسح ہوگا جب کہ پٹیوں پر مسح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے اور اس حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو تبعیض کے معنی و مفہوم پر دلالت کرے لہٰذا اس میں پوری پٹی کا مسح ہی ضروری قرار پایا تا ہم قلیل مقدار حرج کے دور کرنے کی خاطر ساقط قرار پائی اور اکثر کو قائم مقام اس کے (پورے کے) قرار دیا گیا جمہور علماء یعنی مالکیہ، شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں❶ کہ پانی کا جتنا زیادہ سے زیادہ استعمال ممکن ہو کرتے ہوئے پوری پٹی کا مسح کرنا واجب ہے عقلی طور پر اس لئے کہ اس کا مسح اس کے نیچے کے وضو کا بدل ہوتا ہے اور پٹی کے نیچے موجود حصے کا پورا دھونا واجب تھا اسی طرح اس کا پورا مسح بھی واجب ہوگا اور اس کے پورے کے پورے کا مسح کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں بخلاف موزے کے کہ اس کے پورے کے پورے کا مسح باعث مشقت بھی ہے اور مسح اس موزے کے خراب اور ضائع کرنے کا سبب بھی بنے گا مالکیہ اور احناف مزید یہ فرماتے ہیں کہ اصل واجب یہ ہے کہ زخمی جگہ کو خود یا تو دھویا یا مسح کیا جائے اگر بلا ضرر ایسا کر لینا ممکن ہو اور اگر اس پر مسح کر لینا ممکن نہ ہو تو زخم پر موجود جبیرہ (پٹی) پر مسح کرے اور جبیرہ سے مراد وہ پٹی ہے جس میں دواء وغیرہ لگی ہوئی ہوتی ہے اور وہ زخم پر لگائی جاتی ہے یا آشوب زدہ آنکھ پر رکھی جاتی ہے اور اگر اس پٹی پر (جو زخم پر لگی ہوئی ہو اور اس میں دواء وغیرہ ہو) مسح کرنا ممکن نہ ہو یا اس کا کھولنا مشکل ہو تو اس پٹی پر مسح کرے جو اس پٹی کے اوپر باندھی گئی ہو اور اگر کئی پٹیاں ہوں تو انہی پر مسح کرے لیکن اس کے لئے پٹیوں کے اوپر مسح اس صورت میں جائز نہیں ہوگا جب کہ وہ ان کے نیچے مسح کرنے پر قادر ہو اور مسح کی کوئی مدت نہیں ہے، یہ اس وقت تک کیا جائے گا جب تک شفاء نہ ہو جائے، کیونکہ اس بارے میں کوئی تحدید وقت منقول نہیں ہے دوسری بات یہ کہ موزوں کے برخلاف اس پٹی کو حالت جنابت میں اتارنے کا حکم نہیں ہے علاوہ ازیں پٹی پر مسح ضرورت کے تحت مشروع ہے اور ضرورت اس پٹی کے کھول لینے یا زخم کے ٹھیک ہو جانے تک برقرار رہتی ہے جمہور کے ہاں اور احناف کے ہاں زخم کے ٹھیک ہونے تک ضرورت برقرار رہتی ہے (تفصیل آگے آرہی ہے) جنبی شخص اور دیگر لوگ جب چاہے مسح کر سکتے ہیں شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس عضو کو دھوتے وقت ہی مسح کرنا ہوگا جس پر یہ زخم موجود ہے کیونکہ ان حضرات کے ہاں ترتیب شرط ہے اور اس شخص کو مسح اور دھونے سے پہلے تیمم کر لینے کا بھی اختیار ہے بلکہ ایسا کرنا اولیٰ ہے۔ ساتر (چھپانے والا پٹی کا وہ حصہ جو زخم کے علاوہ جگہ پر ہو) کا مسح بھی واجب ہے خواہ اس پر خون کیوں نہ لگا ہو کیونکہ پاکی حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جانے والا پانی قابل معافی ہوتا ہے❷ اور اس کا مسح اس کے بدلے ہوتا ہے جو عضو کا صحیح حصہ اس کے نیچے آیا ہوا ہوتا ہے، اور اگر ساتر کے نیچے کچھ نہ ہو یعنی صحیح حصہ اس کے نیچے نہ ہو صرف زخمی حصہ ہی ہو یا ہو لیکن وہ شخص اس کو دھولے تو معتمد قول کے مطابق شوافع کے ہاں اس کا مسح واجب نہیں ہے۔

شوافع نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اگر وہ شخص حالت طہارت میں صحیح ہو جائے تو اس کا تیمم باطل ہو جائے گا کیونکہ بیماری ختم ہو چکی ہے، اور جائے عذر کا دھونا واجب ہوگا وہ شخص جنبی ہو یا بے وضو ہو لیکن پوری طہارت از سر نو دہرانی ضروری نہیں۔ کیونکہ کچھ باطل ہونا پورے کے باطل ہونے کا متقاضی نہیں ہے۔ بے وضو شخص پر لازم ہے کہ بیماری والے اعضاء کے دھونے کے ساتھ اس کے بعد والے اعضاء کو بھی ترتیب قائم رکھنے کے لئے دھوئے کیونکہ وضو میں ترتیب ان کے ہاں شرط ہے جیسے اگر کوئی شخص کسی وضو میں کوئی چھوٹا سا حصہ دھونا بھول جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ تا ہم جنبی کا حکم یہ نہیں ہے وہ بیماری والے عضو کے بعد کے اعضاء نہیں دھوئے گا کیونکہ غسل میں ترتیب با تفاق فقہاء شرط نہیں ہے۔

---

❶..... الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۶۳ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۰۳ القوانین الفقهیه ص ۳۹ المهذب ج ۱ ص ۳۷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۹۴ بجیرمی الخطیب ج ۱ ص ۲۶۲ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۲۸ اور بعد کے صفحات، ص ۱۳۵۔ ❷ اس طرح وہ خون بھی قابل معافی ہوتا ہے جو اس پر ہو خواہ وہ بالقصد مسح کے پانی سے مل بھی جائے کیونکہ ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے اور مسح کا درست ہونا اسی پر موقوف ہے۔ بجیرمی الخطیب ج ۱ ص ۲۶۲۔

کیا پٹی پر مسح اور تیمم دونوں کرنا ضروری ہیں:
احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں❶ کہ صرف پٹی پر مسح کر لینا کافی ہے یہ پٹی کے نیچے کے عضو کے دھو لینے کا بدل ہے تیمم کو اس کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا کیونکہ دو طہارتوں کو ایک ساتھ نہیں جمع کیا جا سکتا ہے۔

شوافع ظاہر قول کے مطابق پٹی پر مسح کے ساتھ تیمم بھی کرنا لازم قرار دیتے ہیں❷ لہٰذا وہ شخص صحیح عضو کو دھوئے پٹی پر مسح کرے اور تیمم بھی کرے یہ اس پر واجب ہے دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو ابوداؤد اور دار قطنی نے صحیح سند کے ساتھ جس کے تمام راوی ثقہ ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس شخص کے بارے میں جس کے سر پر چوٹ تھی اس کو احتلام ہوا تو اس نے غسل کیا اور پانی اس کے زخم میں چلا گیا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے لئے تو اتنا کافی تھا کہ وہ تیمم کرتا سر پر ایک پٹی باندھتا اس پر مسح کرتا اور سارے بدن کو دھوڈالتا اور تیمم اس عضو کے بدلے میں جو مرض کا شکار ہے اس پٹی کا مسح بدل ہے اس حصے کے دھونے کا جو پٹی لپیٹنے میں زخم کے اطراف کا صحیح حصہ اس کے نیچے آیا ہوا ہے۔ کیونکہ عام طور پر پٹی وغیرہ مرض شدہ جگہ سے کچھ زائد ہی ہوتی ہے چنانچہ اگر وہ صرف بقدر اس جگہ ہی کے ہو یا زائد ہو لیکن وہ شخص اس زائد جگہ کو دھولے تو مسح واجب نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کے جسم میں کئی جگہ پٹیاں بندھی ہوئی ہوں اور وہ جنبی ہو جائے اور غسل کا ارادہ ہو تو ان سب کی طرف سے ایک تیمم کافی ہوگا کیونکہ اس کا بدن ایک عضو کی طرح ہے اور حدث اصغر بے وضو ہونے کی کیفیت (صورت) میں زخمی اعضاء کے بقدر تیمم بھی متعدد ہوں گے صحیح قول کے مطابق جیسا کہ پٹی کے متعدد ہونے کی صورت میں مسح بھی متعدد ہوں گے۔ اسی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی کو تمام اعضاء وضو میں زخم ہوں لیکن پورے پورے عضو میں نہ ہوں تو اس کو تین تیمم کرنے ہوں گے پہلا چہرے کے لئے دوسرا ہاتھوں کے لئے تیسرا پاؤں کے لئے اور سر میں جو تھوڑا بہت بچ گیا ہے اس کا مسح کافی ہے لیکن اگر زخم پورے سر میں ہو تو چار تیمم لازم ہوں گے اور اگر پورے پورے عضو زخمی ہوں تو ایک تیمم کافی ہوگا کیونکہ دھونے کا فریضہ ساقط ہونے سے ترتیب بھی ساقط ہو جائے گی۔

حنابلہ نے اعتدال سے کام لیتے ہوئے فرمایا ہے❸ کہ پٹی پر مسح تیمم کے بغیر ہی کافی ہوگا (بشرطیکہ پٹی ضرورت سے زائد نہ لپیٹی گئی ہو)۔ کیونکہ یہ مسح حائل پر ہوتا ہے تو یہ بلا تیمم درست ہوگا جیسے موزوں پر مسح بلکہ یہ زیادہ اولی طریقے پر مسح کے حکم کا اہل ہے، کیونکہ ضرورتمند شخص زیادہ تخفیف کا حقدار ہوتا ہے۔❹

اور اگر پٹی ضرورت سے زائد جگہ لپیٹی ہوئی ہو یا اس کے اتارنے سے اندیشہ نقصان ہو تو مسح اور تیمم دونوں لازم ہوں گے تیمم تو اس کے لئے ہوگا جو زخم کے آس پاس وہ صحیح جگہ ہے جس پر پٹی لپیٹ دی گئی ہے اور مسح اس جگہ کے لئے جو واقعی قابل ضرورت ہے اور باقی جگہ کے لئے دھونے کا عمل ہوگا۔ تو اس صورت میں دھونے مسح کرنے اور تیمم تینوں کو جمع کرنا ہوگا اور اگر زخم پر پٹی نہ ہو تو وہ صحیح حصے کو دھوئے اور زخمی جگہ کے لئے تیمم کرے۔ اور میرے اندازے کے مطابق یہ سب سے بہتر رائے ہے اور تیمم بھی ان کے ہاں متعدد ہوں گے جیسا کہ شوافع نے قرار دیا ہے۔

زخم ٹھیک ہو جانے کے بعد نماز کے لوٹانے کا حکم......جن حضرات نے پٹی حالت طہارت میں باندھنا شرط نہیں قرار دیا تھا جو

---

❶..... الدر المختار ج ۱ ص ۲۵۸ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۶۳ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۰۲۔❷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۹۴ بجیرمی الخطیب ج ۱ ص ۲۶۲ اور بعد کے صفحات حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۱۰۱ المھذب ج ۱ ص ۳۷۔❸ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۳۵ اور بعد کے صفحات المغنی ج ۱ ص ۲۷۹ اور بعد کے صفحات❹ حنابلہ نے سر کے زخم والے شخص کے واقعے والی حدیث کو نا قابل قبول قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس سے استدلال کرنا کمزور ہے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ واو او کے معنی میں ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ تیمم کرنے کا حکم پٹی کے بغیر طہارت کے باندھے جانے کی بناء پر ہو۔ حوالہ بالا۔

کہ حنابلہ اور احناف ہیں❶ اور انہی کی رائے برحق بھی ہے، یہ حضرات زخم ٹھیک ہوجانے کے بعد نماز کے اعادے کو لازم نہیں قرار دیتے ہیں کیونکہ علماء کا نماز کے جواز پر اجماع ہے اور جب نماز جائز قرار پاتی ہے تو اس کا اعادہ بھی لازم نہیں ہوگا۔

اور وہ حضرات جو پٹی کے باندھتے وقت طہارت کا ہونا ضروری قرار دیتے ہیں یعنی شوافع اور حنابلہ❷ تو ان میں سے شوافع نماز کے اعادے کو اس شرط کے نہ پائے جانے کی بناء پر لازم قرار دیتے ہیں یعنی پٹی کے حالت طہارت میں نہ باندھے جانے کی بناء پر اور حنابلہ تیمم کر لینے کی صورت میں اعادے کو لازم نہیں قرار دیتے ہیں۔

شوافع کے ہاں نماز ان مندرجہ ذیل تین صورتوں میں لوٹانی ضروری ہوگی۔❸

۱...... اگر پٹی اعضاء تیمم یعنی چہرے اور ہاتھوں پر ہو علی الاطلاق خواہ طہارت کی حالت میں یا بے وضو ہونے کی حالت میں باندھی گئی ہو۔

۲...... پٹی حدث کی حالت میں باندھی گئی ہو خواہ اعضاء تیمم پر خواہ اس کے علاوہ عضو پر۔

۳...... پٹی ضرورت سے زائد ہو یعنی زخم کے اور پٹی کے ٹھہرنے کے لئے درکار جگہ سے زائد جگہ بندھی ہوئی ہو۔ یہ مطلقاً ہے خواہ حالت طہارت میں باندھی گئی ہو یا حالت حدث میں۔

دو صورتوں میں ان کے ہاں نماز کا اعادہ نہیں کیا جائے گا:

۱...... اگر وہ اعضاء تیمم کے علاوہ اعضاء پر بندھی ہوئی ہو اور ضرورت سے زائد نہ ہو خواہ حالت حدث میں باندھی گئی ہو۔

۲۔...... اگر وہ اعضاء تیمم کے علاوہ بندھی ہوئی ہو اور حالت طہارت میں باندھی گئی ہو خواہ وہ ضرورت سے زائد ہی کیوں نہ ہو۔

پٹی پر مسح کے نواقض (کالعدم کرنے والے توڑنے والے امور...... پٹی پر مسح دو حالتوں میں باطل ہوجاتا ہے جو کہ یہ ہیں۔❹

۱۔ اس کا اترنا اور گر جانا...... احناف فرماتے ہیں پٹی پر مسح اس وقت باطل ہوجائے گا جب وہ زخم درست ہونے کے سبب گر جائے کیونکہ عذر زائل ہوچکا ہوتا ہے، اور اگر وہ شخص نماز میں ہو تو وضو مکمل کرنے کے بعد نماز از سر نو شروع کرے کیونکہ وہ بدل کے ذریعے مقصود حاصل ہونے سے پہلے ہی اصل پر قادر ہوگیا ہے اور اگر پٹی زخم درست ہونے سے پہلے ہی گر پڑے تو مسح باطل نہیں ہوگا کیونکہ عذر بدستور قائم ہے۔ اور اس پر مسح کرنا گویا اس کو دھونا ہوتا ہے جب تک عذر قائم رہے۔ یعنی مسح کا باطل ہونا درحقیقت زخم کے ٹھیک ہونے ہی سے ہوگا اس کا دوسری پٹی سے بدل دینا بھی جائز ہے اس پر دوبارہ مسح واجب نہیں ہاں افضل یہ ہے کہ دوبارہ مسح کر لے۔ اور اگر کسی کو آشوب چشم کا مرض لاحق ہوجائے اور کوئی مسلمان حاذق طبیب اس کو آنکھوں میں پانی ڈالنے سے منع کرے یا اس کا ناخن جھڑ جائے یا اس میں کوئی بیماری ہوجائے اور وہ اس پر دوا ڈالا ہوا ہو تو اس پر مسح ضرورت کے تحت جائز ہے اور اگر مسح کرنے سے ضرر ہوتا ہو تو مسح بھی ترک کر دینا جائز ہے، کیونکہ ضرورت اپنی قدر کے مطابق مؤثر ہوتی ہے مالکیہ فرماتے ہیں کہ دواء وغیرہ کرنے کے لئے پٹی کے اتارنے یا گرنے سے مسح باطل ہوجاتا ہے، لہٰذا جیسے ہی زخم صحیح ہو وہ شخص فوراً اس جگہ کو دھولے اور اگر زخم صحیح نہ ہوا اور اس نے دوا کی خاطر اس کو بدلا ہو تو مسح دوبارہ کرے۔ اور اگر پٹی دوران نماز گر جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی، وہ شخص پٹی کو دوبارہ اپنی جگہ رکھے دوبارہ اس پر مسح کرے بشرطیکہ فاصلہ زیادہ نہ ہوگیا ہو پھر اپنی نماز شروع کرے۔ وجہ

---

❶...... القوانين الفقهيه ص ٣٩ الدر المختار ا ج ا ص ٢٥٨۔❷ بجيرمي الخطيب ج ا ص ٢٦٥ كشاف القناع ج ا ص ١٣١۔❸ بجيرمي الخطيب ج ا ص ٢٦٥ حاشية الباجوري ج ا ص ١٠٠ مغني المحتاج ج ا ص ١٠٧ المهذب ج ا ص ٣٧۔❹ البدائع ج ا ص ١٣ فتح القدير ج ا ص ١١٠ اللباب ج ا ص ٤٢ مراقي الفلاح ص ٢٣ القوانين الفقهيه ص ٣٩ الشرح الصغير ج ا ص ٢٠٦ الشرح الكبير ج ا ص ١٦٦ بجيرمي الخطيب ج ا ص ٢٦٢ كشاف القناع عن متن الاقناع ج ا ص ١٣٦۔١٣٧۔

اس کی یہ ہے کہ اس مسح شدہ جگہ کی پاکی اس کے ظاہر ہوجانے سے کالعدم ہوگئی وضو کرنے والا شخص اپنے سر کا مسح کرے گا اگر اس کا ساتر (چھپانے والا) گر پڑے یعنی وہ ساتر جس پر اس نے مسح کیا تھا خواہ وہ زخم کی پٹی ہو یا صرف پٹی ہو یا پگڑی ہو۔ اور اگر ساتر کے گرنے اور مسح کے درمیان وقفہ طویل ہوگیا اور بھولے سے ایسا ہو تو وہ مسح کے بعد دوبارہ نماز شروع کرسکتا ہے، اور اگر بھولے سے ایسا نہ ہوا ہو تو از سر نو طہارت کا عمل شروع کرے یعنی وضو لوٹالے۔

شوافع فرماتے ہیں کہ اگر پٹی دوران نماز گر جائے تو نماز باطل ہوجائے گی خواہ صحت یابی کے بعد پٹی گرے یا ویسے ہی گر جائے جیسے موزہ نکل جانے سے ہوتا ہے اور اگر صحت یابی ہوچکی ہو تب طہارت بھی باطل ہوجائے گی اور اگر صحت یابی نہ ہوئی ہو تو پٹی کو اس کی جگہ رکھ کر صرف اس پر مسح کرلینا کافی ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ پٹی کا ہٹ جانا اس کے صحیح ہوجانے کی طرح ہے خواہ ھڈی کا ٹوٹا ہوا مقام یا زخم صحیح ہونے سے قبل ہی وہ گرے۔ اور اس کا صحیح ہوجانا ایسا ہے جیسے موزے کا اتر جانا مسح، طہارت اور نماز سب باطل ہوجائیں گے، یہ سب امور از سر نو کرنے ہوں گے، کیونکہ مسح پٹی کے نیچے موجود حصے کو دھونے کا بدل (عوض) تھا۔ تاہم جنابت کی حالت میں پٹی ہٹنے کی صورت میں اس کا نیچے کا حصہ دھونا ہی کافی ہے اور بے وضو ہونے کی صورت میں اگر پٹی صحیح ہونے کی بناء پر گری ہے تو صرف وضو کرنا ہوگا بصورت دیگر یعنی بغیر ٹھیک ہوئے گرنے کی صورت میں تیمم اور وضو دونوں کا اعادہ لازم ہوگا۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ احناف کے علاوہ جمہور علماء پٹی کے مسح کو پٹی گر جانے یا اتر جانے کی صورت میں کالعدم اور باطل قرار دیتے ہیں۔

۲۔ حدث...... پٹی کا مسح بالاتفاق حدث لاحق ہونے سے ٹوٹ جاتا ہے لیکن حدث کے لاحق ہونے کی صورت میں شوافع کے ہاں پٹی والے شخص پر تین کام کرنا لازم ہوں گے ❶۔ (۱) صحیح حصے کو دھونا۔ (۲) پٹی پر مسح کرنا اور (۳) تیمم۔ اور اگر حدث نہ لاحق ہوا اور وہ دوسری فرض نماز کے پڑھنے کا ارادہ کرے تو وہ صرف تیمم کرے گا دھونے اور مسح کرنے کے عمل کو نہیں لوٹائے گا کیونکہ ان کے ہاں ہر فرض نماز کے لئے تیمم کا کرنا لازم ہے۔❷

یہاں ایک قابل ذکر بات پیش نظر رہے جو شوافع نے داغ لگانے سے پڑ جانے والے آبلے کے بارے میں فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ اگر زخم کے ٹھیک کرنے کے لئے دوسری چیز اس سے بہتر ہوسکتی ہو تو وہ قابل معافی نہیں ہوگا اور اس کو ساتھ لے کر نماز درست نہیں ہوگی اور اگر دوسری چیز اس سے بہتر قائم مقام نہیں ہوسکتی ہو تو اس کے ساتھ نماز درست ہوگی اور اس کا اپنی جگہ پر پھولنا نقصان دہ نہیں ہوگا جب تک کہ اس کی ضرورت ہو اور حاجت کے ختم ہونے کے بعد اس کا ہٹانا واجب ہے اور اگر وہ اس کو بلا عذر چھوڑ دے تو وہ مضر ہوگا اور نماز درست نہیں ہوگی۔ احناف فرماتے ہیں کہ اگر داغ کے آبلے سے خون اپنی جگہ سے نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا اور یہ محض پٹی کے تر ہونے سے ہوجائے گا۔

ردالمحتار ج ا ص ۱۲۹

موزوں اور پٹی پر کئے جانے والے مسح کے درمیان اہم فرق...... احناف نے ان دونوں نوعیت کے مسحوں کے مابین فرق بیان کئے ہیں اور وہ ستائیس ہیں، ان میں علامہ ابن عابدین شامی نے دس کا اضافہ کیا ہے ان میں سے اہم مندرجہ ذیل ہیں۔❸

ا...... پٹیوں پر مسح دنوں وغیرہ کے ذریعے معین اور محدود الوقت نہیں ہے، وہ ٹھیک ہوجانے کے ساتھ متصل ہے۔ اور مسح علی الخفین ایام کی

❶...... حاشية الباجوری ج ا ص ۱۰۱۔❷بحیرمی للخطیب ج ا ص ۲۶۵۔❸البدائع ج ا ص ۱۴ فتح القدیر وحاشية العنایه ج ا ص ۱۰۹ الدر المختار وحاشية لابن عابدین ج ا ص ۲۵۹۔۲۶۰

تحدید وقت کے ساتھ مشروع ہے مقیم کے لئے ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین دن اور رات۔

۲۔۔۔۔۔پٹیوں کے باندھنے کی لئے طہارت کا ہونا شرط نہیں ہے، بے وضو شخص کے لئے بھی ان پر مسح درست ہے، جب کہ موزوں کے پہننے کے لئے طہارت شرط ہے بے وضو شخص کے لئے موزہ پہن کر مسح درست نہیں۔

۳۔ زخم کی پٹی اگر زخم کے ٹھیک ہوئے بغیر گر جائے تو مسح نہیں ٹوٹے گا جب کہ موزوں میں سے ایک یا دونوں کا نکل جانا مطلقاً مسح ٹوٹنے کا باعث ہے۔

۴۔۔۔۔پٹیوں پر مسح جب درست ہے جب زخم پر مسح کرنا مضر ہو، اگر وہ مضر نہ ہو تو پٹیوں پر مسح درست نہیں، جب کہ موزوں پر مسح مطلقاً جائز ہے خواہ آدمی اپنے پیر دھونے سے عاجز نہ بھی ہو۔

۵۔۔۔۔پٹیوں پر مسح مطلقاً جائز ہے خواہ یہ پاؤں پر ہوں یا جسم کے کسی اور حصے میں جب کہ موزوں پر مسح صرف پاؤں میں پہنے ہوئے ہونے کی صورت میں درست ہے۔

باقی فرق بھی ان دونوں قسم کے مسحوں کی نوعیت اور شرائط سے معلوم ہو جاتے ہیں۔

حنابلہ نے دونوں قسم کے مسحوں کے درمیان پانچ فرق بیان کئے ہیں وہ احناف کے ساتھ پہلے دوسرے اور چوتھے فرق میں متفق ہیں، باقی دو فرق ان کے ہاں یہ ہیں، ا۔ پٹی پر مسح طہارت کبری میں بھی کیا جا سکتا ہے، کیونکہ پٹی اتارنے سے اس شخص کو ضرر لاحق ہوتا ہے بخلاف موزوں کے۔

۲۔۔۔۔۔ان کے ہاں پوری پٹی پر مسح کرنا ضروری ہے کیونکہ پوری پٹی کا احاطہ کرنا پٹی کے لئے مضر نہیں، بخلاف موزوں کے کہ ان میں پورے موزے پر مسح باعث مشقت ہے اور موزہ بھی پورے مسح کرنے سے نقصان زدہ ہوتا ہے۔ ❶

پانچویں فصل۔۔۔۔۔۔غسل کا بیان

اس میں غسل کی خصوصیات اس کے واجب کرنے والے امور فرائض سنتوں مکروہات جنبی پر حرام امور اور مسنون غسل کا بیان اور اس فصل سے متعلق دو ضمیموں پہلا احکام مساجد سے متعلق اور دوسرا احرام کے احکام سے متعلق کا بیان ہوگا۔

ا۔ پہلی بحث غسل کی خصوصیات۔۔۔۔۔غسل، غین کے پیش یا زبر کے ساتھ نہانے کو کہتے ہیں اور اس پانی کو بھی کہتے ہیں جس سے نہایا جائے لغت میں مطلقاً پانی کے کسی چیز پر بہنے اور بہانے کو کہتے ہیں، اور غسل غین کے زیر کے ساتھ وہ چیز جس سے نہایا جائے یعنی اشنان صابن وغیرہ۔

غسل شرعاً کہتے ہیں پاک پانی کو پورے بدن پر مخصوص طریقے پر بہانا❷ شوافع اس کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ غسل پورے بدن پر نیت کے ساتھ پانی بہانے کو کہتے ہیں❸ مالکیہ اس کی تعریف یوں کرتے ہیں: پانی کا پورے بدن پر مل کر پہنچانا نماز کے مباح کرنے کی نیت کے ساتھ۔❹

اس کی مشروعیت کی دلیل قرآن کے یہ الفاظ ہیں: وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (اور جب تم جنابت کی حالت میں ہو تو خوب طہارت حاصل کرو سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶) اور یہ حکم ہے پورے بدن کے پاک کرنے کا ہاں صرف وہ جگہیں مستثنی شمار ہوں گی جن تک پانی کا پہنچانا مشکل ہے جیسے آنکھوں کے اندر کا دھونا کہ یہ اس آیت میں مراد نہیں، کیونکہ اس کے دھونے میں تکلیف اور اذیت کا عنصر پایا جاتا ہے۔

❶ المغنی ج ۱ ص ۲۷۸۔ ❷ کشف القناع ج ۱ ص ۱۵۸۔ ❸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۶۸۔ ❹ حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۶۰

غسل سے مقصود صفائی کا حصول اور تازگی اور چستی کو حاصل کرنا ہے، کیونکہ جنابت کا عمل سارے جسم میں اثر کرتا ہے اور اس کے اثرات نہا کر دور کئے جاسکتے ہیں اور نہانے کے عمل میں شارع کے امتثال امر کا ثواب بھی ملتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پا کی ایمان کا حصہ ہے اور پاکی وضو اور غسل دونوں کو شامل ہے۔

اس کا رکن ہے پورے جسم پر، جس جس حصے پر بلاحرج پانی پہنچانا ممکن ہو، پاک پانی پہنچانا۔

اس کا سبب ہے اس چیز کا ارادہ کرنا جو جنابت کی حالت میں درست نہ ہوں یا ایسی چیز کا واجب ہو جانا❶ (یعنی نماز وغیرہ اس کا حکم یہ ہے کہ وہ چیز جو پہلے ممنوع ہو اس کا حلال ہو جانا اس کے کرنے پر ثواب کا مستحق ہو جانا اللہ کی رضا جوئی کی خاطر نہانے کے لئے پردہ کرنے کا حکم یہ ہے کہ تنہائی میں غسل کرتے وقت برہنہ ہونا درست ہے اسی طرح اس کے سامنے بھی برہنہ ہونا درست ہے جس کے سامنے برہنہ ہونا درست ہو لیکن ستر اور پردہ افضل ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بہز بن حکیم سے یہ فرمانا اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو ماسوا، بیوی اور ان کے جو تمہاری ملکیت میں ہوں، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی تنہا ہو؟ آپ نے فرمایا اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کی جائے❷ اس بات کی دلیل ہے کہ پردہ بہر حال افضل ہے۔

۲۔ دوسری بحث، وضو واجب کرنے والے امور..... غسل کو واجب کرنے والے امور کو حدث اکبر کہا جاتا ہے، جیسے وضو واجب کرنے والے امور کو حدث اصغر کہا جاتا ہے مکلف عاقل بالغ مرد یا عورت پر غسل واجب کرنے والے امور احناف کے ہاں سات ہیں، مالکیہ کے ہاں چار ہیں شوافع کے ہاں پانچ ہیں اور حنابلہ کے ہاں چھ ہیں یہ سب امور مندرجہ ذیل ہیں۔❸

ا۔ منی کا نکلنا..... یعنی منی کا مرد یا عورت کی اگلی شرمگاہ سے عام عادی لذت کے ساتھ، بحالت نیند یا جاگتے میں دیکھنے، یا ہم بستری کا سوچنے یا عملاً کام کرنے سے اچھل کر باہر نکلنا خواہ زندہ انسان کی ہو یا مردہ انسان کی یا جانور کی تاہم احناف مردہ جانور اور نا قابل شہوت چھوٹی بچی سے جنسی فعل کرنے کو موجب غسل نہیں قرار دیتے ہیں۔ اور منی وہ گاڑھا سا اچھل کر نکلنے والا پانی ہے جو شدت شہوت کے وقت نکلتا ہے۔ عورت کی منی پتلی اور پیلے رنگ کی ہوتی ہے۔ مذی اور ودی کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے۔ مذی وہ رقیق سا سفید مادہ ہے جو آدمی کے اپنی بیوی سے بوس و کنار کے وقت نکلتا ہے۔ اور ودی پیشاب کے بعد آنے والا گاڑھے پن کی طرف مائل مادہ ہوتا ہے۔

شوافع کے بیان کے مطابق منی کی پہچان یہ ہے کہ وہ اچھل اچھل کر نکلتی ہے یا لذت کے ساتھ نکلتی ہے اور اس کے نکلنے کے ساتھ عضو تناسل بھی ڈھیلا پڑ جاتا ہے اور شہوت کم ہو جاتی ہے خواہ وہ قلیل ہونے کی وجہ سے اچھل کر نہ بھی نکلے یا وہ خون کے رنگ کی نکلے۔ اسی طرح اس کی پہچان اس طرح بھی ہوتی ہے کہ اس کی بوتر ہونے کی صورت میں، گندم کے گندھے ہوئے آٹے کی طرح ہوتی ہے اور خشک ہونے کی صورت میں مرغی وغیرہ کے انڈے کی سفیدی کی بو کی طرح اس کی مہک ہوتی ہے۔ اور اگر وہ شخص اس سے لذت نہ اٹھائے اور وہ منی اچھل کر نہ نکلے جیسے مثلاً نہانے کے بعد بقیہ منی نکل آئے تو اس شخص پر دوبارہ غسل کرنا لازم ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ منی کا نکلنا خواہ وہ بوجھ اٹھانے کے سبب ہو یا اونچائی سے گر جانے کے سبب ہو یا وہ کپڑے میں پائی جائے بہر حال وہ شوافع کے ہاں غسل واجب کرنے والی ہوگی خواہ وہ شہوت کے ساتھ نکلے یا بلا شہوت نکلے عام عادی طریقے سے نکلے یا کسی اور طریقے سے نکلے جیسے مثلاً کمر ٹوٹ جانے پر نکل آئے۔ ہاں اگر غیر عادی طریقے پر بیماری کی وجہ سے نکل آئے تو وہ غسل واجب کرنے والی نہیں ہوگی۔

---

❶.....مراقی الفلاح ص ۱۵۔ ❷ بروایت امام احمد سنن اربعہ کے مصنفین حاکم اور بیہقی از حضرت بہز بن حکیم بروایت اپنے والد اپنے دادا سے۔ ❸ فتح القدیر ج ۱ ص ۴۱۔۴۴ الدر المختار ج ۱ ص ۱۴۸۔۱۵۶ مراقی الفلاح ص ۱۶ اللباب ج ۱ ص ۲۲ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۶۰۔۱۶۶ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۲۶۔۱۳۰ القوانین الفقهیه ص ۲۵۔۳۰ بدایة المجتهد ج ۱ ص ۴۴ المهذب ج ۱ ص ۲۹ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۶۸۔۷۰ المغنی ج ۱ ص ۱۹۹۔۲۱۱ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۵۸۔۱۶۷۔

حنابلہ فرماتے ہیں اگر منی بلا لذت وشہوت نکلے جیسے کسی مرض کے سبب نکلے یا سردی سے نکلے یا کمر ٹوٹ جانے سے نکل جائے۔اور سوتے ہوئے یا پاگل یا بے ہوش یا نشے میں چور شخص کی نہ ہو تو وہ موجب غسل (غسل واجب کرنے والی) نہیں ہوگی۔اور اس صورت میں وہ صرف نجس ہوگی اور صرف اس جگہ کا دھونا لازم ہوگا جس جگہ وہ لگی ہو جیسا کہ منی بہتے رہنے کے مریض پر غسل واجب نہیں ہوتا ہے،صرف وضو واجب ہوتا ہے۔اور جو شخص اپنے کپڑوں میں منی دیکھے تو اس پر غسل واجب ہے،اور جس کا خیال ہو کہ اس کو احتلام ہوا ہے لیکن وہ منی نہ دیکھے تو اس پر باتفاق علماء غسل واجب نہیں ہے۔

احناف فرماتے ہیں کہ غسل کے واجب کرنے والے امور میں احتیاطاً یہ بھی شامل ہے کہ کوئی شخص نشے یا بے ہوشی سے افاقہ ہونے کی صورت میں اپنے کپڑوں پر تری دیکھے جس پر اس کو منی ہونے کا گمان ہو جیسا کہ ان کے ہاں اس شخص پر غسل واجب ہے جس کے نہانے کے بعد منی نکل آئے۔احناف کے ہاں وہ منی جو موجب غسل ہو اس کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اچھل کر شہوت کے ساتھ مرد یا عورت میں سے نکلے بحالت نیند یا بحالت بیداری لہٰذا اگر بھاری بوجھ اٹھانے کے سبب یا اونچی جگہ سے گر جانے کے سبب منی نکل آئے تو غسل واجب نہیں ہوگا،کیونکہ قرآنی آیت کے اس حصے وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا میں وہ شخص مراد ہے جس کی منی شہوت کے ساتھ نکلے۔ائمہ احناف کا اس پر اتفاق ہے کہ غسل جب تک واجب نہیں ہوگا جب تک کہ منی اپنے مقام سے شہوت کے ساتھ جدا ہو کر عضو تناسل سے باہر نہ آ جائے اور یہاں احناف کا مشہور اختلاف ہے کہ کیا منی کے عضو تناسل سے باہر نکلنے کے لئے بھی شہوت کا ہونا شرط ہے یا نہیں تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ شرط نہیں ہے۔اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں شرط ہے اختلاف کا نتیجہ اس صورت میں سامنے آتا ہے کہ ایک شخص کو احتلام ہو اور وہ لذت محسوس کرے اور اس کو انزال نہ ہو پھر وہ وضو کر کے نماز پڑھے پھر اس کو انزال ہو جائے تو وہ شخص طرفین کی رائے میں صرف غسل کرے گا نماز کا اعادہ اس پر لازم نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس پر غسل لازم نہیں ہوگا۔اور اگر کوئی شخص جماع کے بعد سونے پیشاب کرنے یا چلنے سے پہلے نہالے پھر اس کی منی بلا شہوت نکل آئے تو طرفین کے ہاں غسل کا اعادہ واجب ہوگا امام ابو یوسف کے ہاں واجب نہیں ہوگا۔طرفین (امام ابوحنیفہ اور امام محمد) کا قول زیادہ مبنی بر احتیاط ہے،کیونکہ جنابت نام ہے شہوت پوری کرنے کا اور جب شہوت کا پورا کرنا پایا جائے تو اس کا اطلاق متحقق ہو جاتا ہے۔

مالکیہ بھی احناف اور حنابلہ کی طرح فرماتے ہیں کہ منی غسل کو واجب کرتی ہے اور منی سے مراد ہے عادتاً جتنی لذت ہوتی ہے اتنی لذت کے ساتھ نکلنے والی منی اور اگر عادی لذت کے ساتھ نہ نکلے جیسے کسی مرض یا چوٹ، یا سلس ہونے کی بناء پر یا بچھو وغیرہ کے کاٹ لینے سے نکل آئے تو غسل واجب نہیں ہوگا اس شخص پر صرف وضو لازم ہوگا۔اسی طرح اگر وہ غیر عادی لذت کے ساتھ نکل آئی جیسے عضو تناسل کے خارش زدہ ہونے کی صورت میں اس کو کھجی دینے سے یا جانور کے حرکت کرنے سے یا گرم پانی میں جانے کے باعث نکل آنے والی منی غسل کو واجب نہیں کرے گی اس کے نکلنے سے صرف وضو واجب ہوگا لیکن گرم پانی میں اترنے یا عضو تناسل کے علاوہ کسی اور جگہ کے خارش زدہ ہونے کی صورت میں اس کو کھجانے سے اگر منی تھوڑی بہت ابتدائی شہوت اور لذت کے ساتھ بھی نکلے تب بھی غسل واجب نہیں ہوگا،کیونکہ گرم پانی وغیرہ شہوت جماع سے بعید ہوتا ہے۔اور جانور کے چلنے سے منی کے نکل آنے یا عضو تناسل کو کھجانے سے اگر وہ شہوت ولذت کے ابتدائی درجے کو محسوس کرے اور انزال بھی اسی کیفیت کے ساتھ ہو تو غسل واجب ہوگا کیونکہ یہ دونوں عمل جماع کی شہوت کے قریب عمل ہیں اور جو شخص نیند سے بیدار ہو اور اپنے کپڑوں یا بدن پر تری پائے اور اس کو شک ہو کہ یہ منی ہے یا مذی تو اس پر غسل واجب ہوگا کیونکہ شک طہارت واجب کرنے میں مؤثر ہوتا ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ عورت پر اس منی کے سبب غسل واجب نہیں ہوتا جو اس کی شرمگاہ میں داخل ہو جب تک وہ منی اس کو حاملہ کرنے والی نہ ثابت ہو۔اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ شرمگاہ کی رطوبت پاک ہے اور اس کا دھو لینا مسنون ہے۔

منی کے نکلنے پر غسل کے واجب ہونے کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول حدیث ہے وہ فرماتے ہیں میں ایسا شخص تھا جس کے

مذی بہت نکلتی تھی تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے فرمایا مذی کے نکلنے سے وضو لازم ہے اور منی کے نکلنے سے غسل لازم ہے ❶ اور امام احمد کی نقل کردہ روایت میں ہے اگر تمہاری منی نکلے تو غسل کرو جنابت کا اور اگر نہ نکلے تو غسل مت کرو اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی نقل کردہ حدیث کہ ام سلیم نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ حق سے نہیں شرماتا ہے کیا عورت پر بھی احتلام ہونے سے غسل واجب ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں! اگر وہ پانی دیکھے حضرت ام سلمہ نے دریافت کیا کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟' آپ نے فرمایا تمہارا بھلا ہو اس کا بچہ اس کے مشابہ کیسے ہوتا ہے ❷ مذی اور ودی کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ان دونوں کے نکلنے سے وضو اور عضو تناسل کا دھونا واجب ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر جوان آدمی کو مذی ہوتی ہے اور مذی کے ہونے پر وضو لازم ہے۔ ❸

۲۔ دو ختنوں والی جگہوں کا ملنا...... خواہ بغیر انزال کے سہی ❹ یا عضو تناسل کے حشفہ یا اس کے بقدر عضو کے حصے کا اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اس کا حشفہ کٹا ہوا ہو، ایسی شرمگاہ میں داخل ہونا جو جماع کے قابل ہو خواہ اگلی شرمگاہ ہو یا پچھلی مرد کی ہو یا عورت کی خوشی سے ہو یا جبری سوتے وقت ہو یا جاگتے وقت ہو۔ اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں خواہ وہ غیر بالغ شخص کی شرمگاہ ہو لہٰذا اس میں تکلیف (مکلف ہونا) شرط نہیں لہٰذا بچے اور پاگل کے عضو تناسل داخل ہونے سے یہ دونوں جنبی ہو جائیں گے اور شوافع کے نزدیک ان پر غسل ان کے کامل ہونے پر اور وہ بچہ جو تمیز کر سکتا ہو اس کا غسل کرنا درست ہے اور اس کو اس کا حکم دیا جائے گا جیسے وضو کا حکم دیا جاتا ہے، حنابلہ دس سال کے بچے اور دس سال کی بچی پر غسل اور وضو دونوں واجب کرتے ہیں۔ اگر یہ دونوں وطی کریں اور ایسی چیز کا ارادہ کریں جو غسل پر موقوف ہو جیسی تلاوت قراءت یا ایسی چیز کا ارادہ کریں جس کے لئے وضو لازم ہو جیسے نماز اور طواف۔

مالکیہ اور احناف یہ شرط قرار دیتے ہیں کہ وطی کا عمل مکلف، بالغ، عاقل نے کیا ہو لہٰذا غیر مکلف شخص پر غسل واجب نہیں ہوگا اور مالکیہ کے ہاں معتمد قول کے مطابق قریب البلوغ اور چھوٹی لڑکی جس کے ساتھ بالغ شخص نے ہم بستری کی ہو اس کے لئے غسل کرنا مستحب ہے احناف فرماتے ہیں کہ قریب البلوغ شخص کو غسل کر لینے تک نماز سے روکا جائے گا اور دس سالہ بچے کو تادیبا اس کا حکم دیا جائے گا۔

ہمبستری میں انزال بالاتفاق شرط نہیں ہے، کیونکہ وہ حدیث جس کے الفاظ یہ ہیں بلاشبہ نہانا جب واجب ہے جب پانی (منی) نکلے بالا جماع منسوخ ہے، تاہم احناف نے مردہ جانور اور بہت چھوٹی بچی سے ہم بستری کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اگر بچی کی بکارت زائل نہ ہوئی ایسی صورت میں انزال ہونے سے غسل واجب ہوگا اور اگر نہ انزال ہوا اور نہ چھوٹی بچی کی بکارت وطی کرنے سے ختم ہو تو اس صورت میں نہ غسل واجب ہوگا نہ وضو صرف عضو تناسل کو دھو لینا لازم ہے۔ کیونکہ ایسی وطی سلیم الطبع لوگ نہیں کرتے ہیں ❺ ان کے ہاں مقصود نہیں ہوتی ہے۔

جمہو علماء فرماتے ہیں کہ مردہ اور جانور سے وطی کرنے سے غسل واجب ہوگا کیونکہ یہ بھی ایسے شرمگاہ میں اپنا عضو داخل کرنا ہے جیسے عورت سے اس کی زندگی میں وطی کرنا۔ اور مردہ عورت سے وطی کرنا بھی غسل کے واجب کرنے والی احادیث کے عموم کے تحت داخل ہے۔

مالکیہ اور شوافع کے ہاں وطی خواہ کسی حائل کے ساتھ ہو یا بغیر حائل کے وہ غسل واجب کرتی ہے، تاہم مالکیہ یہ فرماتے ہیں کہ غسل اس صورت میں واجب ہوگا کہ جب وہ اپنے عضو تناسل پر پتلا کپڑا لپیٹے اور اگر موٹا کپڑا لپیٹے تو واجب نہیں ہوگا شوافع فرماتے ہیں غسل بہرحال واجب ہے خواہ عضو تناسل پر باریک کپڑا لپٹا ہوا ہو یا موٹا کپڑا ہو حنفیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ کسی حائل کے ساتھ داخل کرنے کی صورت میں

---

❶..... بروایت امام احمد ابن ماجہ اور ترمذی منقول ہے ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی سے بھی نقل کی ہے مسلم اور بخاری نے حضرت علی والی حدیث کو مختصرا بیان کیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۱۸۔ ❷ متفق علیہ۔ اور رائق الماء ماء سے مراد ہے منی کا بیدار ہونے کے بعد دیکھ لینا اور تربت یداک سے مراد ہے ڈانٹ ڈپٹ اصل معنی مراد نہیں (کہ تو فقیر بن) ❸ بروایت ابوداؤد اور امام احمد از عبداللہ بن سعد انصاری اور اسحاق اور طحاوی نے حضرت علی سے ایسی ہی روایت نقل کی ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۹۳۔ ❹ دو ختنوں کی جگہوں سے مراد مرد وعورت کی اگلی شرمگاہوں کا ختنہ شدہ حصہ ہے مراد التقاء ختانین سے جماع ہے۔ ❺ حاشیۃ ابن عابدین ج ۱ ص ۱۵۴۔

انزال نہ ہونے پر غسل واجب نہیں جیسے کوئی شخص اپنے عضو پر کپڑا لپیٹ لے یا اس پر تھیلی چڑھا لے حنابلہ اور شوافع یہ شرط لگاتے ہیں کہ عضو کو اصلی شرمگاہ میں داخل کیا جائے لہٰذا غیر اصلی فرج میں بغیر انزال کے صرف داخل کر لینے سے غسل واجب نہیں ہوگا جیسے کوئی شخص ہیجڑے کی اگلی شرمگاہ میں عضو داخل کر دے کیونکہ اس صورت میں اصل فرج (شرمگاہ) کا ہونا یقینی نہیں اسی طرح اگر ہیجڑہ اپنی عضوتناسل نما شرمگاہ بلا انزال کسی کی اگلی یا پچھلی شرمگاہ میں داخل کر دے تو بھی بلا انزال غسل لازم نہیں ہوگا کیونکہ یہاں اصلی حشفہ کا غائب ہونا یقینی نہیں (یعنی ہیجڑے کے عضوتناسل کا ہونا یقینی نہیں ہے) مالکیہ وغیرہ نے یہ شرط رکھی ہے کہ یہ دخول ایسی شرمگاہ میں ہو کہ جو طاقت رکھتی ہو لہٰذا بلا انزال تھوڑا سا حشفہ اندر کرنے یا پورا اندر کرنے سے لیکن وہ اندر بھی ایسی شرمگاہ کے ہو جو اس کی طاقت نہ رکھے یا شرمگاہ سے نیچے نیچے کہیں ڈال دینا جیسے ران میں یا پیٹ سے رگڑنا یا شرمگاہ کے اوپر کے دونوں کناروں میں ڈالنا یا شرمگاہ کے گڑھے میں ڈالنا یا دونوں شرمگاہوں یا بغیر داخل کئے ملنا اور عورت کا دوسری عورت سے چپٹی کرنا وغیرہ ان سب امور میں بلا انزال محض عضو کے ڈالنے سے غسل لازم نہیں ہوگا۔

التقاء ختانین (دو ختنے کی جگہوں کے ملنے) سے غسل کے لازم ہونے کی دلیل خدا کا یہ فرمان ہے وان کنتم جنبافا طھروا اور بہت سی احادیث بھی ہیں جن میں ایک حدیث یہ ہے جب دو ختنے کی جگہیں مل جائیں تو غسل واجب ہوگا خواہ انزال نہ بھی ہو[1] اور یہ حدیث جب مرد اس کے چار گوشوں کے درمیان بیٹھ جائے پھر اس کو بھینچ لے تو اس وقت اس پر غسل واجب ہے[2] اور امام مسلم اور امام احمد نے وان لم ینزل کے الفاظ نقل کئے ہیں (یعنی خواہ اس کو انزال نہ ہو) اور یہ حدیث بھی دلیل ہے جب وہ شخص عورت کے چار گوشوں کے درمیان بیٹھ جائے پھر ختنے کی جگہ ختنے کی جگہ سے مل جائے تو غسل لازم ہو جائے گا[3] ترمذی کے الفاظ ہیں: ختنے کی جگہ دوسرے ختنے کی جگہ سے تجاوز کرلے تو غسل لازم ہو جائے گا۔ اور حضرت ابی بن کعب کی حدیث بے شک یہ فتوی جو یہ لوگ کہتے ہیں کہ غسل منی نکلنے پر واجب ہے ایک رخصت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے اسلام میں دی تھی، پھر آپ نے اس کے بعد ہمیں غسل کرنے کا حکم دینا شروع کر دیا[4] اور ترمذی کی نقل کردہ حدیث جس کو امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے کے الفاظ یہ ہیں کہ غسل کے منی کے نکلنے ہی پر واجب ہونے کا حکم ابتداء اسلام میں رخصت تھا پھر اس سے منع کر دیا گیا۔ یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج کی روایت جو امام احمد نے نقل کی ہے کہ الماء من الماء (غسل کا حکم پانی (منی نکلنے پر ہے) منسوخ ہے، اور یہ حدیث انصار کے اس گروہ کے خلاف دلیل بھی ہے جو یہ کہا کرتے تھے کہ بغیر انزال داخل کرنا اور نکالنا موجب غسل نہیں کیونکہ یہ تمام احادیث التقاء ختانین کے سبب غسل واجب قرار دینے میں صریح ہیں خواہ اس شخص کو انزال ہو یا نہ ہو۔ اور صحابہ کا اس پر اجماع بھی ہے، التقاء ختانین سے مراد دونوں شرمگاہوں کا آمنے سامنے ہونا یا صرف ملنا نہیں بلکہ مراد ہے ایک ختنے کی جگہ کا دوسرے ختنے کی جگہ سے تجاوز کر دینا تو گویا یہ مجاز ہے اور اس سے مراد ہے عضو کا داخل کرنا یا حشفہ کا شرمگاہ میں داخل کرنا۔ کیونکہ ختانا (دو ختنے والی جگہوں) سے مراد ختنے میں جہاں سے کھال کاٹی جاتی ہے وہ جگہ ہے، اور عورت کی ختان (ختنے کی جگہ) پیشاب کے راستے سے اوپر ہوتی ہے، اور پیشاب کی جگہ عضوتناسل داخل کرنے کی جگہ سے اوپر ہوتی ہے (یعنی ختنے کی جگہ ملنے سے مراد کنایۃً عضوتناسل کا عورت کی اندام نہانی میں داخل کرنا ہے اصلی ختنے کی جگہ مراد نہیں ہے) حنابلہ وغیرہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ مردہ عورت سے وطی کئے جانے کی صورت میں اس کو دوبارہ غسل دینا لازم ہوگا۔

---

[1] ..... بروایت امام مسلم اور ابن ماجہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ یہ حدیث صحیح ہے۔ [2] متفق علیہ بروایت حضرت ابو ہریرۃ، نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۱۹۔ اور چار گوشوں سے مراد یا تو دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں ہیں یا دونوں پاؤں اور دونوں رانیں ہیں بعض نے اور بھی کچھ تفصیل بیان کی ہے۔ [3] بروایت امام احمد، مسلم اور ترمذی، از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۲۱۔ [4] بروایت امام احمد وابوداؤد، حوالہ بالا حضرت رافع بن خدیج سے منقول روایت جو امام احمد نے نقل کی ہے تو اس میں ایک مجہول راوی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ حدیث ضعیف ہے حوالہ بالا۔

۳،۴۔ حیض اور نفاس...... یہ دونوں امور بالاتفاق غسل واجب کرتے ہیں، حیض تو اس لئے کہ اللہ نے فرمایا ہے: فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ (سو عورتوں سے حالت حیض میں دور رہو، سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۲۲) اور بخاری و مسلم کی روایت کردہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے اس روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت ابی حبیش سے فرمایا تھا جب تمہیں حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب وہ لوٹ جائے تو غسل کرو اور نماز پڑھو۔

اور نفاس اس لئے کہ وہ حیض کا جمع شدہ خون ہے، حیض اور نفاس کے خون کا رک جانا غسل کے واجب ہونے اور اس کے درست ہونے کے لئے شرط ہے دلیل اس کی اللہ کا یہ فرمان ہے فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ (جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۲۲) مراد ہے جب وہ نہالیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شوہر کو غسل سے پہلے ہم بستری سے منع کیا گیا جو دلیل ہے اس کی کہ غسل واجب ہے۔

اور اگر بچہ پیدا ہوا اور کوئی تری نہ نظر آئے تو مالکیہ کے ہاں صحیح قول کے مطابق غسل واجب ہوگا، احناف کا مختار قول بھی یہی ہے اور شوافع کے ہاں اصح قول یہی ہے کیونکہ پیدا ہونے والا بچہ خواہ وہ علقہ یا مضغہ (بچے کی تخلیق کے ابتدائی مراحل) ہو شوافع کے ہاں، وہ جمی ہوئی منی ہوتا ہے، اور وہ عام طور پر تری کے بغیر نہیں ہوتا ہے، لہٰذا وہ بذات خود اسی کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے، جیسے نیند کے بعد تری کا کپڑوں پر نظر آنا اور اس طرح کے بچے کی پیدائش پر عورت افطار کرلے گی۔ بخلاف اس کے کہ اس کے ہاں پیدائش میں صرف ہاتھ یا پاؤں وغیرہ نکل آئے تو اس صورت میں غسل واجب نہیں ہوگا، اور نہ وہ روزہ چھوڑے گی، اس کو غسل اور وضو دونوں میں سے جو چاہے کر لینے کا اختیار ہوگا۔

حنابلہ راجح قول کے مطابق فرماتے ہیں کہ خون کا لوتھڑا وغیرہ نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوگا، کیونکہ اس بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس چیز کے معنی و مفہوم میں ہے جو نص میں وارد ہے۔ لہٰذا اس کے نکلنے سے روزہ باطل نہیں ہوگا اور نہ ہی نہانے سے قبل اس سے وطی حرام ہوگی۔ علقہ منی کی جمی ہوئی شکل جو حمل کے ابتدائی زمانے میں ہوتی ہے) اور مضغہ کے نکلنے سے بھی غسل واجب نہیں ہوتا کیونکہ یہ ولادت نہیں شمار ہوتی ہے، بچہ جو نکلتا ہے وہ پاک ہوتا ہے، خون کے ساتھ ہونے پر اس کا دھونا واجب ہوتا ہے جیسے تمام نجس اشیاء کا حکم ہے۔ استحاضہ کا خون نکلنے سے نہانا واجب نہیں لیکن اس کے رک جانے پر غسل کرنا مستحب ہے۔

۵۔ مسلمان کی موت شہادت نہیں...... مذاہب اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں پر دوسرے مسلمان کی میت کا نہلانا، اگر وہ شہید نہ ہو واجب کفایہ ہے، اور یہ حکم تعبدی (عبادت کے طور پر انجام دیا جانے والا) ہے اور وہ شخص ایسا ہو کہ جنبی نہ ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جو اپنی سواری سے گر کر مر گیا تھا فرمایا تھا کہ اس کو بیری کے پتوں کے جوش دیئے ہوئے پانی اور سادہ پانی سے غسل دو اور اس کو دو کپڑوں میں کفن دے دو[1] یہ دلیل ہے اس کی کہ میت کا نہلانا واجب ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود بھی غسل دیا گیا تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی غسل دیا گیا تھا اور مسلمان یہ کرتے چلے آئے ہیں۔

۶۔ کافر کا اسلام لانا...... خواہ وہ مرتد ہو یا باشعور بھی ہو مالکیہ اور حنابلہ کافر پر اسلام لانے کے بعد غسل کرنا لازم قرار دیتے ہیں، دلیل اس کی حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ وہ اسلام لائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پانی اور بیری کے پتوں سے نہانے کا حکم دیا[2] شوافع اور احناف فرماتے ہیں اگر وہ شخص جنبی نہ ہو تو غسل مستحب ہے، اس کے لئے وضو کر لینا بھی کافی ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص کو اسلام لانے پر غسل کرنے کا حکم نہیں دیا، اگر یہ واجب ہوتا تو بعض کی بعض سے تخصیص نہ کی جاتی (سب کو حکم دیا

---

[1]...... متفق علیہ۔ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سبل السلام ج ۱ ص ۹۲۔ [2] پانچوں اصحاب سنن نے اس کو روایت کیا ہے ماسوا ابن ماجہ کے ابن حبان اور ابن خزیمہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ ابن السکن نے اس کو صحیح قرار دیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۲۴۔

جاتا) تو یہ قرینہ ہے اس بات کا کہ یہ حکم صرف استحبابی ہے اور اگر کافر حالت جنابت میں اسلام لائے تو اس پر غسل کرنا واجب ہے، کیونکہ وہ دلائل جو اس کے وجوب کا فیصلہ دیتے ہیں مثلاً آیت وضو کا یہ حصہ **وان کنتم جنبا فاطھروا** (اگر تم حالت جنابت میں ہو تو خوب پاکی حاصل کرو سورۃ المائدہ، آیت نمبر ۶) ان میں مسلم اور کافر میں تفریق نہیں پائی جاتی ہے۔

غسل واجب کرنے والے اور نہ کرنے والے امور کا خلاصہ...... یہ جو امور بیان ہوئے یہ حنابلہ کے ہاں غسل واجب کرنے والے چھ امور ہیں، احناف کے ہاں سات اسباب غسل یہ ہیں: منی کا ظاہری جسم پر شہوت کے ساتھ نکل آنا، حشفہ یا عضو کٹے شخص کے عضو کا بقدر حشفہ زندہ آدمی کے دونوں راستوں میں سے کسی میں داخل ہونا مردہ انسان یا جانور کے ساتھ وطی کرنے میں انزال کا ہو جانا سونے کے بعد پتلے سے مادے کا پایا جانا اگر نیند سے پہلے اس شخص کا عضو تناسل تنا ہوا نہ ہو۔ تری کا بے ہوشی اور نشے سے افاقہ پانے کے بعد دیکھنا جس کے بارے میں منی ہونے کا گمان ہو۔ حیض اور نفاس۔ مزید اضافہ یہ حضرات اس کا کرتے ہیں کہ میت کا نہلانا بھی فرض ہے۔ یعنی فرض کفایہ۔

مالکیہ کے ہاں چار اسباب فرضیت غسل یہ ہیں۔ منی کا نکلنا، حشفہ کا غائب ہونا، حیض اور نفاس۔

شوافع کے ہاں پانچ یہ ہیں موت، حیض، نفاس، ولادت بغیر کسی تری کے، صحیح قول کے مطابق حشفہ کا یا اس کے بقدر عضو کا عورت کی اگلی شرمگاہ میں داخل ہونے کے سبب جنابت کا ہونا۔ اور منی کا عام عادی طریقے وغیرہ سے نکلنا۔

احناف فرماتے ہیں دس چیزیں ایسی ہیں جن کی بناء پر غسل لازم نہیں ہوگا۔ (۱) مذی (۲) ودی (۳) احتلام بغیر تری کے (۴) ولادت بغیر خون کے امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق اور علامہ ابن عابدین کے قول کے مطابق صحیح قول یہ ہے کہ احتیاطاً اس صورت میں بھی غسل واجب ہو۔ (۵) ایسا کپڑا لپیٹ کر عضو تناسل داخل کرنا جو لذت کے حصول سے مانع ہو، صحیح قول کے مطابق۔ (۶) ختنہ کرانا۔ (۷) دونوں راستوں میں یا ایک میں انگلی ڈال لینا۔ (۸) جانور یا مردہ سے بلا انزال وطی کرنا۔ (۹) باکرہ لڑکی سے اس طرح ہمبستر ہونا کہ اس کی بکارت بھی زائل نہ ہو اور اس شخص کو انزال بھی نہ ہو یہ بات پیش نظر رہے کہ جب دو اسباب غسل لازم کرنے والے جمع ہو جائیں جیسے حیض اور جنابت یا التقاء ختانین اور انزال وغیرہ تو ایک غسل کرنا کافی ہوگا اسی طرح جمہور علماء کے ہاں غسل کی نیت وضو کی طرف سے بھی نیت شمار ہوگی کیونکہ وہ اس کے ذیل میں انجام پاتا ہے بخلاف اس کے برعکس کرنے کے، حنابلہ فرماتے ہیں کہ وضو کی نیت بھی ضروری ہے۔

۳۔ تیسری بحث...... غسل کے فرائض

غسل کی فرضیت قرآن کی آیت:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ......

نماز کے قریب مت جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو جب تک کہ تم سمجھ نہ سکو جو تم کہہ رہے ہو اور نہ حالت جنابت میں ماسوا اس کے کہ تم راستہ عبور کر رہے ہو یہاں تک کہ تم نہا نہ لو (سورۃ النساء آیت نمبر ۴۳) سے ثابت ہے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا طریقہ: غسل کرنے کا مکمل طریقہ سنت نبویہ سے معلوم ہو جاتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کا غسل فرماتے تو اس طرح شروع کرتے کہ پہلے اپنے ہاتھ دھوتے پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے پھر اپنی شرمگاہ دھوتے پھر وضو فرماتے [1] پھر پانی لیتے اور پانی اپنے بالوں پر ڈالتے ہوئے اپنی

---

[1]...... علماء کا غسل سے قبل وضو کرنے کے استحباب پر اتفاق ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ غسل میں مددگار ثابت ہوتا ہے اور اس میں اچھا رہتا ہے المغنی ج ۱ ص ۲۱۹۔

انگلیاں بالوں کی جڑوں میں داخل کرتے پھر اپنے سر پر تین مرتبہ دونوں ہاتھ کے چلو بھر کر پانی ڈالتے پھر اپنے پورے جسم پر پانی بہاتے پھر اپنے دونوں پاؤں دھوڈالتے۔❶

علماء کرام نے غسل میں مندرجہ ذیل امور لازم قرار دیئے ہیں۔❷

ا۔ پورے جسم اور بالوں پر پاک پانی بہانا...... یہ فقہاء کے درمیان اتفاقی مسئلہ ہے، بالوں اور کھال پر ایک مرتبہ پانی مکمل طور پر بہانا واجب ہے، لہٰذا اگر تھوڑی سی جگہ بھی خشک رہ جائے تو اس کا دھونا بھی واجب ہے بدن کے وہ حصے جن میں سلوٹیں اور جھریاں وغیرہ ہوں ان کا دھیان اور خیال رکھنا واجب ہے جیسے وہ حصے جو پھٹ گئے ہوں سلوٹیں، ناف، بغل اور بدن میں گہرائی اور دباؤ والی ہوئی چیز۔ ان سب کا خیال رکھنا اور صحیح طرح پانی بہانا لازم ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے بلاشبہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے لہٰذا بال دھواور کھال صاف کرو۔❸ احناف فرماتے ہیں بدن کے وہ سارے اعضاء اور حصے دھونا لازم ہیں جو بغیر حرج کے دھوئے جاسکتے ہوں جیسے کان ناف، مونچھ، بھنویں، داڑھی کی جڑیں سر کے بال اور عورت کی اگلی شرمگاہ کا بیرونی حصہ (جو کھڑے ہونے کی صورت میں ڈھنپ جاتا ہے) وہ چیز جس کے دھونے میں حرج ہو اس کا دھونا لازم نہیں ہے جیسے آنکھ کا اندرونی حصہ اور قلفہ (غیر مختون شخص کی وہ کال جو ختنے میں کاٹ دی جاتی ہے) کا اندرونی حصہ۔ اور اصح قول کے مطابق احناف کے ہاں ان کا دھونا مستحب ہے۔

کیا بٹے ہوئے اور گندھے ہوئے بالوں کی لٹوں کا کھولنا واجب ہے؟ اس بارے میں علماء کی باہم قریب قریب آراء ہیں۔ احناف فرماتے ہیں چٹیا یا جوڑے کی جڑ تک پانی کا پہنچ جانا کافی ہے اور یہ دفع حرج کی وجہ سے ہے کہ ان کا کھولنا اور پھر باندھنا حرج اور مشقت کا کام ہے اور بال اگر کھلے ہوئے ہوں تو ان کا پورے کا پورا دھونا لازم ہے اور اگر بٹے اور گندھے ہوئے بالوں کی جڑیں تر نہ ہوں ایسے کہ وہ چپکائی ہوئی ہوں یا گھنی ہو یا اتنی سختی سے لٹیں بنائی گئی ہوں کہ پانی ان میں نہ جاسکے تو ان کو کھولنا لازم ہوگا صحیح قول کی مطابق لیکن اگر سر دھونے سے اس کو ضرر و نقصان لاحق ہو تو وہ دھونے کو ترک کرسکتی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ مسح کرلے اور اپنے شوہر کو ہم بستری سے نہیں روکے۔

احناف کے ہاں قلفہ کے اندر تک دھونا واجب ہے اس کو کھولنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسے مرد کے لئے بالوں کی لٹوں کو کھولنا اور بالوں کی جڑوں کو دھونا مطلق واجب ہے۔

اسی تفصیل کے مطابق مالکیہ بھی فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں نہانے والے پر اپنے بٹے ہوئے بالوں کو کھولنا لازم نہیں ہے جب تک کہ وہ انتہائی سختی سے بٹے ہوئے نہ ہوں کہ کھال تک پانی پہنچنا ممکن نہ ہو یا ان کو اتنے دھاگوں سے باندھا گیا ہو جو پانی کو کھال تک پہنچے سے روک دیں یا بالوں کی تہ تک پہنچنے سے روک دیں۔ حنفیہ اور مالکیہ کی دلیل حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث ہے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں ایسی عورت ہوں جو اپنے بالوں کو باندھتی ہوں تو کیا میں ان کو غسل جنابت یا غسل حیض کے لئے کھولا کروں؟ آپ نے فرمایا نہیں تمہارے لئے اتنا کافی ہے کہ تم لپ بھر کر پانی تین مرتبہ اپنے سر پر ڈال لو۔❹

شوافع فرماتے ہیں کہ اگر پانی بالوں کی جڑ تک بال کھولے بغیر نہ پہنچے تو ان کو کھولنا ضروری ہوگا، لیکن بندھے ہوئے بالوں کی جڑ قابل

---

❶..... متفق علیہ الفاظ مسلم کے ہیں سبل السلام ج ۱ ص ۸۹ اور اس طرح کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔❷ الدر المختار ج ۱ ص ۱۴۰۔۱۴۳، مراقی الفلاح ص ۱۷، اللباب ج ۱ ص ۲۰، فتح القدير ج ۱ ص ۳۸ الشرح الصغير ج ۱ ص ۱۲۶۔۱۷۰ الشرح الكبير ج ۱ ص ۱۳۳۔۱۳۵ بداية المجتهد ج ۱ ص ۴۲ القوانين الفقهيه ص ۲۶ مغني المحتاج ج ۱ ص ۷۲ المهذب ج ۱ ص ۳۱، المغني ج ۱ ص ۲۱۸۔۲۲۹۔ كشاف القناع ج ۱ ص ۱۷۳۔۱۷۷۔❸ بروایت ابوداؤد اور ترمذی۔ امام ترمذی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ سبل السلام ج ۱ ص ۹۲۔❹ بروایت امام مسلم، لیکن ان کے الفاظ یہ ہیں اشد ظفر راسی اس حدیث میں موجود شعر اسی کے بجائے۔ سبل السلام ج ۱ ص ۹۱

معافی ہے اور آنکھ اور ناک میں اگنے والے بالوں کا دھونا ضروری نہیں۔ ہاں اگر ان پر نجاست لگی ہوئی ہو تب ان کا دھونا ضروری ہوگا۔ ناخنوں کا دھونا واجب ہے اور کانوں کے سوراخ کا وہ حصہ جو ظاہر ہو وہ دھونا بھی ضروری ہے اور غیر مختون شخص کے لئے قلفہ کی اندرونی طرف کا دھونا بھی ضروری ہے دلیل ان امور کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جو پہلے گزری اور جو پانی کو بالوں اور کھال تک پہنچانے کو لازمی قرار دینے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ حضرات حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کو اس صورت کے ساتھ مقید قرار دیتے ہیں جب پانی بال کی لٹوں تک بغیر کھولے ہوئے پہنچ سکے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حیض اور جنابت کے درمیان فرق کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ عورت حیض یا نفاس کے غسل کے لئے بالوں کا کھولنا لازم ہے اور جنابت کے سلسلے میں اگر بال کی جڑیں بھیگ جائیں تو ان کا کھولنا ضروری نہیں ہے جنابت کے بارے میں یہ حضرات حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کو اختیار کرتے ہیں اور حیض کے غسل کے لئے بالوں کے کھولنے کو لازم قرار دینے کے لئے دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حالت حیض۔

میں فرماتے تم پانی لو اور بیری بھی لو اور بالوں میں کنگھی کرو ❶ اور بالوں میں کنگھی جب ہی ممکن ہے جب وہ کھلے ہوئے ہوں نہ کہ بندھے ہوئے یا لٹ بنے ہوئے۔ بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں اپنا سر کھولو اور کنگھی کرو ابن ماجہ کے روایت کردہ الفاظ بھی یہی ہیں۔ تاہم ابن قدامہ فرماتے ہیں حیض کے غسل میں بال کھولنا مستحب ہے اور ان شاء اللہ یہی زیادہ صحیح ہے۔ اکثر فقہاء کا قول یہی ہے، کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ ایک جگہ اس طرح آئے ہیں افا نقضہ للحیض؟ قال: لا (کیا میں حیض کے غسل کے لئے ان کو کھولوں؟ آپ نے فرمایا نہیں)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ چاروں مذاہب اس پر متفق ہیں کہ عورت کے لئے بال کھولنا واجب نہیں اگر پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے جیسا کہ حضرات ام سلمہ رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر جسم کا کوئی حصہ خشک رہ جائے جس تک پانی نہ پہنچ سکا ہو تو اس کے لئے صرف اس حصے کو دھولینا ہی کافی ہے۔ حنابلہ کے ہاں صحیح قول یہ ہے کہ دوسری یا تیسری مرتبہ دھوتے ہوئے بالوں میں رہ جانے والا پانی بھی اگر اس خشک حصے پر نچوڑ لیا جائے اور پانی اس حصے پر بہہ جائے تو بھی جائز ہے کیونکہ اس خشک حصے کو بالوں کے پانی سے دھولینا ایسا ہی ہے جیسے اس کو نئے پانی سے دھولیا گیا ہو۔ علاوہ ازیں اسی بارے میں وارد احادیث بھی اس کے جواز کا بتاتی ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے جسم پر ایک جگہ خشک رہ گئی ہے اس تک پانی نہیں پہنچ سکا ہے، آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اپنے بال اس جگہ نچوڑ دے۔

سر کی کھال دھونے کا حکم یہ ہے کہ یہ واجب ہے، سر کے بال کم ہوں یا زیادہ اسی طرح بال کے نیچے کی کھال بھی دھونا واجب ہے، جیسے ڈاڑھی کے نیچے کی کھال کیونکہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل جنابت کے بارے میں دریافت کیا، آپ نے فرمایا تم میں سے جو غسل کرے وہ پانی لے اور پاک ہو جائے اور اچھی طرح پاک ہو، پھر اپنے سر پر پانی بہائے اور اس کو ملے یہاں تک کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے پھر اس پر پانی بہالے ❷ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص جنابت کے غسل میں ایک بال برابر جگہ بھی خشک چھوڑ دے جس تک پانی نہ پہنچے تو اللہ اس جگہ کے ساتھ جہنم کی آگ میں سے ایسا ایسا کریں گے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی وجہ سے میں نے اپنے بالوں سے دشمنی کی ہے، امام ابوداؤد نے مزید یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت علی اپنے بالوں کو کٹا ہوا رکھتے تھے ❸ اور عقلی دلیل اس کی یہ ہے کہ بال کے نیچے کھال تک پانی بلاضرر پہنچانا ممکن ہے تو اس پر پورے

❶..... یہ حدیث امام بخاری نے روایت کی ہے۔ ❷..... بروایت امام مسلم۔ ❸ بروایت ابو داؤد اور امام احمد. نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۴۷۔

جسم کی کھال کی طرح یہاں بھی پانی پہنچانا لازم ہوگا۔

لٹکے ہوئے بالوں کا دھونا شوافع کے ہاں واجب ہے دلیل اس کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ حدیث ہے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے دوسری بات یہ ہے کہ وہ غسل کی جگہ اگا ہوا بال ہے تو اس کا دھونا بھی ایسے ہی واجب ہے جیسے بھنوؤں اور پلکوں کے بال دھونا واجب ہے۔

مالکیہ اور احناف کے ہاں یہ واجب نہیں ہے دلیل اس کی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث ہے جو بالوں کے نہ کھولنے کے بارے میں ہے جب کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتا دیا تھا کہ انہوں نے اپنے سر کے بال باندھے ہوئے ہیں، اگر ان بالوں کا دھونا واجب ہوتا تو ان کا کھولنا بھی واجب ہوتا تا کہ ان کو بھی دھویا جا سکے۔

حنابلہ کے اس کے بارے میں دو قول ہیں، ان میں راجح قول وجوب کا ہے جیسے شوافع کا ہے، اور پانی بہاتے وقت ان بالوں کو ملے تا کہ پانی نیچے کھال تک پہنچ جائے لہٰذا اس کے اندر انگلیاں ڈالنا ضروری نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ وہ کھال کو بھی ملے۔ اسی طرح ان حضرات کے ہاں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا ضروری ہے، وضو میں پاؤں کی انگلیوں کا خلال مستحب اور ہاتھ کی انگلیوں کا خلال واجب ہے۔ مالکیہ کے ہاں فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ آدمی اپنے سر کے بالوں میں خلال کرے خواہ وہ گھنے کیوں نہ ہوں، خواہ وہ سر کے بال ہوں یا کہیں اور کے۔ اور خلال کرنے کا مطلب ہے کہ ان کو ملا دے (یعنی ان میں انگلیاں پھیر کر انہیں ہاتھ سے سونتے جس سے وہ مل کر جمع ہو جائیں)۔

۲.....کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا: حنفیہ اور حنابلہ ان دونوں کو واجب قرار دیتے ہیں۔ قرآن کی آیت کے الفاظ پر عمل رکھتے ہوئے وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا اور اس حدیث کو بنیاد بناتے ہوئے کہ پھر تم۔

اپنے اوپر پانی بہاؤ، تو اس میں پورے بدن کو پاک کرنے اور اس پر پانی بہانے کا حکم ہے ان دونوں کا مطالبہ کیا گیا ہے❶ مالکیہ اور شوافع فرماتے ہیں کہ یہ غسل میں بھی سنت ہیں جیسے وضو میں ہیں، دلیل اس کی وہ مشہور حدیث ہے کہ دس چیزیں فطرت کا حصہ ہیں اور ان میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی شامل ہیں۔❷

۳.....بدن کا پہلا حصہ دھوتے وقت نیت کا ہونا۔ یعنی فرض غسل کی نیت کا ہونا یا جنابت یا حدث اکبر دور کرنے کی نیت کرنا یا ایسی چیز کے مباح کرنے کی نیت کرنا جو اس کی محتاج ہو (یعنی طہارت کی) جیسے نماز یا طواف کے مباح کرنے کی نیت کرنا کہ یہ دونوں غسل پر موقوف ہوتے ہیں۔ اور اگر ایسی چیز کی نیت کی جس کی ضرورت درپیش نہ ہوتی ہو جیسے عید کے دن کے لئے غسل کی نیت تو غسل جنابت صحیح نہیں ہوگا۔ اور نیت کا مقام دل ہے اور اس کا فرض کے اول حصے سے ملا ہوا ہونا ضروری ہے اور وہ ہے بدن کا وہ حصہ جو غسل میں پہلے دھویا جائے خواہ اوپری حصہ ہو یا نچلا حصہ ہو کیونکہ غسل میں ترتیب لازمی نہیں ہے۔

احناف کے علاوہ جمہور علماء غسل کے لئے نیت کو لازمی قرار دیتے ہیں جیسے وضو کے لئے اور دلیل اس کی **انما الاعمال بالنیات** والی حدیث ہے۔ احناف کے ہاں نیت کے ساتھ شروع کرنا سنت ہے تا کہ اس کا فعل ایک نیکی شمار ہو جو باعث ثواب بن جائے۔

بسم اللہ پڑھنا جمہور کے ہاں سنت ہے، حنابلہ کے ہاں فرض ہے جیسے وضو میں تاہم یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا حکم جنابت کے بارے میں ہلکا ہے کیونکہ بسم اللہ پڑھنے کے بارے میں وارد حدیث صراحتاً صرف وضو کے بارے میں ہے کسی اور چیز کے بارے میں نہیں۔

۴.....ملنا اور پے در پے انجام دینا: فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ غسل میں ترتیب واجب نہیں، لہٰذا جسم کے اوپری یا نچلے کسی بھی حصے سے غسل شروع کرنا درست ہے۔ فقہاء میں سے صرف مالکیہ ملنے کو واجب قرار دیتے ہیں، خواہ کپڑے سے ملا جائے اور موالات (پے در پے

❶.....علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ احناف کا مضمضہ اور استنشاق کے باری میں وارد حدیث سے یہ استدلال کہ یہ دونوں غسل میں فرض اور وضو میں سنت ہیں غریب ہے (یعنی غیر مشہور و نامانوس ہے) نصب الرایۃ ج ۱ ص ۷۸۔ ❷اصحاب صحاح ستہ نے ماسوا امام بخاری، اس کو روایت کیا ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۷۶۔

انجام دینا) بھی واجب ہے اگر انسان کو یاد رہے اور اس کے کرنے پر قدرت ہو۔

اور دلک یعنی ملنے سے مراد ہے عضو کا جسم کے ظاہری حصے پر پھیرنا، ہاتھ ہو یا پاؤں، لہٰذا پاؤں کو دوسرے سے ملنا کافی ہے اور ہاتھ کی پشت سے، بازو سے اور ہاتھ اور کہنی کے درمیانی حصے سے بھی مل لینا کافی ہے، بلکہ ہاتھ سے مل لینے پر قدرت رکھنے کے باوجود صحیح قول کے مطابق کپڑے سے ملنا درست ہے اور وہ اس طرح کہ کپڑے دونوں اطراف کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے اور بیچ کے حصے سے بدن کو رگڑے اسی طرح رسی سے بھی ایسا کرنا درست ہے، اور پانی جسم پر ڈالنے کے بعد اس کے بہہ جانے کے بعد بھی ایسا کرنا درست اور کافی ہے بشرطیکہ پانی خشک نہ ہو جائے، اور اگر ملنا ممکن نہ ہو تو وہ قابل معافی ہوگا اور صرف پورے بدن پر پانی بہالینا کافی ہوگا جیسے دیگر تمام فرائض میں ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ وسعت اور برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہے۔

اور پے درپے کرنا غسل میں بھی ایسے ہی فرض ہے جیسے وضو میں فرض ہے اگر جان بوجھ کر دیر کرے تو اگر وقفہ لمبا ہو جائے تو غسل باطل ہو جائے گا اور اگر وقفہ لمبا نہ ہوا ہو تو نیت کر کے اس کو مکمل کرلے۔

مالکیہ کے علاوہ فقہاء ملنے کو اور پے درپے کرنے کو واجب نہیں قرار دیتے ہیں، کیونکہ یہ آیت **فاطھروا** اور غسل کے بارے میں وارد احادیث ان دونوں امور سے تعرض نہیں کرتی ہیں۔ لہٰذا یہ واجب نہیں ہوں گے۔

غسل کے فرائض کا مختلف مذاہب کے نقطہ نظر سے خلاصہ

ا۔ احناف کا مذہب...... غسل میں گیارہ چیزیں فرض ہیں، منہ، ناک اور پورے بدن کا ایک مرتبہ دھونا، قلفہ کے اندرونی حصے کا دھونا اس کو مشقت اور تکلیف سے کھولے بغیر، ناف، اور کسی بھی کھلے ہوئے سوراخ کو دھونا عورت کے گندھے ہوئے بالوں کے اندرونی حصے کو دھونا اگر پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ سکے داڑھی کی کھال، مونچھوں کے تلے کھال، بھنوؤں کے نیچے کی کال اور عورت کی شرمگاہ کا وہ حصہ جو بیٹھنے اور انگلی سے اس کو پھیلانے سے ظاہر ہوتا ہے، اس کو دھونا۔ تاہم صحیح قول یہ ہے کہ قلفہ کی اندرونی طرف کو دھونا صرف مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

۲۔ مذہب مالکیہ: غسل کے فرائض ان کے ہاں پانچ ہیں...... فرض غسل کی یا رفع حدث کی یا حالت جنابت میں ممنوع چیز کے مباح کرنے کی نیت پہلے عضو کو دھوتے وقت کرنا اس طرح کہ وہ اپنے دل سے غسل ادا کرنے کی نیت کرے یا حدث اکبر رفع کرنے کی نیت کرے یا جنابت رفع کرنے کی نیت کرے یا اس چیز کو مباح کرنے کی نیت کرے جو حدث اکبر کی وجہ سے ممنوع ہو یا مثلاً نماز مباح کرنے کی نیت کرے اور موالات (پے درپے افعال غسل کا انجام دینا) اگر یاد رہے اور اس پر قدرت ہو جیسے یہ وضو میں بھی فرض ہے اور پورے جسم کے ظاہری حصے پر پانی بہانا، اور جسم ملنا خواہ پانی بہانے کے بعد سہی اور خواہ کسی کپڑے سے سہی، بالوں، ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا۔

۳...... شوافع فرماتے ہیں غسل میں تین چیزیں فرض ہیں، نیت، نجاست کا دور کرنا اگر وہ ہو، پانی کا ظاہراً نظر آنے والی کھال پر اور اس کھال پر موجود بال وغیرہ پر بہانا تاکہ پانی بالوں کے نیچے تک پہنچ جائے۔ اس کے علاوہ باقی امور سنت ہیں۔

۴۔ حنابلہ کا مذہب:...... ان کے ہاں غسل کے واجبات گیارہ امور ہیں:

نجاست اور ایسی چیز کا دور کرنا جو پانی کو کھال تک پہنچنے سے رد کردے، نیت، بسم اللہ پڑھنا پورے بدن، منہ اور ناک تک میں پانی بہانا اور ڈالنا لہٰذا مضمضہ (کلی) اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) غسل میں بھی ایسے واجب ہے جیسے وضو میں بال کے اندر اور باہر دھونا مرد کے ہوں یا عورت کے لٹکے ہوئے ہوں یا نہیں اور حیض ونفاس کے غسل کے لئے بالوں کا کھولنا غسل جنابت کے لئے نہیں اگر بالوں کی جڑیں گیلی

ہو جائیں غیر مختون شخص کے لئے قلفہ کو اندر سے دھونا اگر اس کا پلٹنا ممکن ہو انگوٹھی وغیرہ کے نیچے کا حصہ دھونا لہٰذا اس کو وہ حرکت دے تاکہ پانی اس کے نیچے پہنچ سکے، اور عورت کی شرمگاہ کا وہ ظاہری حصہ جو عورت کے بیٹھنے کے وقت ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس کا حکم ظاہر کا ہے۔ اور شرمگاہ کے اندر کا دھونا ضروری نہیں اور نہ ہی آنکھوں کے اندر کا حصہ دھونا ضروری ہے بلکہ مستحب بھی نہیں ہے خواہ ضرر کا اندیشہ نہ بھی ہو۔ ترتیب اور پے درپے ہونا اعضاء وضو کو دھوتے وقت ضروری نہیں کیونکہ غسل ان کی طرف سے ہو جاتا ہے کیونکہ وضو اور غسل ایسی عبادتیں ہیں جو ایک دوسرے میں داخل ہیں لہٰذا چھوٹی عبادت کا حکم ساقط ہے جیسے عمرہ حج کے ساتھ ہونے کی صورت میں ایسا ہوتا ہے۔ اور جسم کا ملنا واجب نہیں اگر یقین یا گمان غالب اس بات کا ہو کہ پانی پورے جسم پر بہہ چکا ہے۔

۴۔ چوتھی بحث، غسل کی سنتیں...... میں نے گذشتہ صفحات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا طریقہ بیان کیا تھا، وہ غسل کے کامل اور جامع طریقے کی دلیل ہے جس میں واجب اور سنت دونوں کا بیان آجاتا ہے، حنابلہ کی رائے کے مطابق یہ وہ ہے جس میں دس چیزیں جمع ہوں۔❶

(۱) نیت (۲) بسم اللہ پڑھنا (۳) دونوں ہاتھ تین دفعہ دھونا (۴) جسم پر موجود گندگی دھو دینا (۵) وضو کرنا (۶) سر پر تین لپ بھر کر پانی ڈالنا جس سے بالوں کی جڑیں گیلی ہو جائیں (۸) پورے جسم پر پانی بہانا (۸) جسم کی دائیں جانب سے پہلے شروع کرنا (۹) ہاتھ سے اپنے بدن کو ملنا (۱۰) نہانے کی جگہ سے ہٹ جانا (۱۱) پھر اپنے پاؤں دھو لینا اپنے سر اور داڑھی کے بالوں کی جڑ میں پانی ڈال کر خلال کرنا ان پر پانی بہانے سے پہلے۔

غسل کی وہ سنتیں جن کے کرنے سے غسل کی تکمیل ہوتی ہو، مختلف مذاہب کے لقطہ نظر سے مندرجہ ذیل ہیں۔❷

۱...... دونوں ہاتھ اور شرمگاہ دھونے سے غسل کی ابتداء کرنا نجاست کو بدن پر سے دور کرنا اگر نجاست ہو اور شوافع کے بیان کے مطابق اگلی اور پچھلی شرمگاہ دھونے کی نیت کرے اور اس طرح کہے: میں جنابت کی ان دونوں جگہوں اور ان کے درمیان سے دور کرنے کی نیت کرتا ہوں۔

۲...... پھر نماز کے لئے کیا جانے والا وضو کرے احناف کے ہاں اگر نہانے والا ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں پانی ٹھہر جاتا ہو جیسے بڑا تسلہ وغیرہ تو پاؤں بعد میں دھونا اولی ہے اور اگر وہ ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں پانی اس کے پاؤں سے نہ لگتا ہو جیسے کسی تختے یا کسی اونچی جگہ یا پتھر پر کھڑا ہو تو اس صورت میں پاؤں پہلے دھونا افضل ہیں۔ اور وضو کرنے سے احناف اور حنابلہ کے ہاں واجب، مضمضہ اور استنشاق بھی اس کے ضمن میں ادا ہو جاتے ہیں۔

مالکیہ کے ہاں کان کے سوراخ میں گیلا ہاتھ پھیر لینا کافی ہے اس کو دھونے وغیرہ میں مبالغہ آمیزی نہ کرے کیونکہ ایسا کرنا سماعت کے لئے نقصان دہ ہے کان کا ظاہری اور باطنی حصہ ظاہر بدن کی طرح ہے اس کا دھونا بھی واجب ہے۔

۳...... پھر شوافع کے ہاں وہ بدن کے ان حصوں کو دیکھ بھال کے ساتھ دھوئے جن میں موڑ یا گہرائی وغیرہ ہو اور اس طرح کرے کہ ہاتھ میں پانی لے کر اونچی نیچی مڑنے والی جگہیں جیسے کان، پیٹ کی سلوٹیں اور ناف وغیرہ میں اہتمام سے پہنچائے، کیونکہ اس طرح کرنے سے پانی کے پہنچنے کا زیادہ اہتمام رہتا ہے اسی طرح کان میں بھی اہتمام کرے اور ہاتھ میں پانی لے کر کان میں ڈالے تاکہ پانی کان کے اندرونی

❶ المغنی ج اص ۲۱۷ غسل کا مکمل طریقہ مالکیہ کے ہاں الشرح الکبیر ج اص ۱۳۷ پر ملاحظہ کریں۔ القوانین الفقہیہ ص ۲۶۔ ❷ فتح القدیر ج ۱ ص ۳۹۔ الدر المختار ج ۱ ص ۱۴۰ مراقی الفلاح ص ۱۷، اللباب ج ۱ ص ۲۱۔ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۳۵۔۱۳۷ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۷۰ القوانین الفقهیه ص ۲۶، المهذب ج ۱ ص ۳۱، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۷۳، المغنی ج ۱ ص ۲۱۷ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۷۳۔۱۷۶۔

حصے اس کی مڑنے والی جگہوں پر پہنچ جائے اور اپنے حلق کے نیچے اور آس پاس دھیان کرے بغلوں اور ناف کے ارد گرد کی رگوں کو بھی دھیان اور احتیاط سے دھوئے۔

۴......پھر پانی اپنے سر پر ڈالے اور بالوں میں خلال کرے پھر اپنے پورے بدن پر تین مرتبہ پانی بہائے جسم کی دائیں طرف پر پہلے ڈالنا شروع کرے پھر بائیں جانب ڈالے، کیونکہ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پاکی حاصل کرنے میں دائیں طرف سے کام شروع کرنا مرغوب تھا۔ پھر بالوں میں خلال کرے اور ان کی جڑوں میں اچھی طرح ہاتھ پھیرے کیونکہ حدیث میں ہے ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے یہ مسنون ہے کہ وہ اپنے بدن کو دونوں ہاتھوں سے ملے کیونکہ اس سے زیادہ صفائی حاصل ہوتی ہے، اور اس طرح پانی کا تمام جگہوں اور سلوٹوں وغیرہ تک پہنچنے کا یقین ہو جاتا ہے اور اس طرح اس اختلاف سے بھی نکلا جا سکتا ہے جو ان حضرات کے دلک کو واجب کرنے سے پیدا ہوتا ہے یعنی مالکیہ حضرات۔ پانی کے تمام بدن اور کھال پر بہہ جانے کے لئے صرف غالب گمان کا ہونا کافی ہے، کیونکہ یقین کا حصول باث مشقت وحرج ہوتا ہے۔

احناف فرماتے ہیں اگر کوئی شخص بہتے پانی یا اس کی طرح کے پانی میں غوطہ لگائے اور اس میں ٹھہرا رہے تو اس کو سنت کا حصول ہو جاتا ہے۔ مالکیہ فرماتے ہیں کہ غسل جنابت وضو کے دھونے کی طرف سے کافی ہو سکتا ہے اگر وہ شخص رفع حدث اکبر کی نیت کر لے خواہ حدث اصغر کے رفع کرنے کی نیت نہ بھی کرے بشرطیکہ کوئی ناقض وضو عمل سرزد نہ ہو جیسے عضو تناسل وغیرہ کا چھونا، اور شوافع بھی ایک قول کے مطابق یہی فرماتے ہیں کہ غسل کر لینا کافی ہے خواہ اس کے ساتھ وضو کی نیت کرے یا نہیں۔

حنابلہ فرماتے ہیں غسل وضو کی طرف سے بھی کافی ہو جاتا ہے اگر وہ شخص مضمضہ اور استنشاق کر لے اور وضو اور غسل دونوں کی نیت کر لے تاہم وہ افضل اور اولی عمل کا ترک کرنے والا شمار ہوگا۔ مالکیہ کے علاوہ فقہاء کے ہاں غسل میں پے درپے کرنا مستحب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ فرمایا ہے، مالکیہ کے ہاں یہ فرض ہے، اسی طرح یہ ترتیب بھی مسنون ہے کہ سر سے شروع کر کے پھر دائیں کندھے پر ڈالے پھر بائیں کندھے پر ڈالے۔ تاہم ترتیب بالاتفاق واجب نہیں ہے۔ کیونکہ پورا بدن ایک ہی چیز ہے، اور اس بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص جسم میں کوئی جگہ خشک چھوڑ دے یا پٹی کی جگہ چھوڑ دے تو صرف اس جگہ کو دھو لینا کافی ہے اس کے بعد والی جگہ کو دھونا ضروری نہیں۔

بالوں کی لٹوں کا کھولنا مالکیہ کے ہاں واجب نہیں اگر وہ سختی سے نہ بندھی ہوئی ہوں اور حنابلہ کے ہاں جنابت کی حالت میں ایسا کرنا واجب نہیں حیض اور نفاس کی حالت میں کھولنا واجب ہے اور احناف کے ہاں عورت کے لئے اپنی لٹوں کا کھولنا لازم نہیں اگر پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے اور مرد پر علی الاطلاق بالوں کا کھولنا لازم ہے۔ شوافع کے ہاں اگر پانی بالوں کی جڑوں تک نہ پہنچے تو بال کھولنا لازم ہوں گے جیسا کہ ہم یہ بات ابھی بیان کر چکے ہیں۔ فی الجملہ لٹوں کا کھولنا مسنون ہے از روئے حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جب کہ وہ حالت حیض میں تھیں اپنے بال کھولو اور نہا لو❶ حنابلہ کے ہاں بیری یعنی صابن نما چیز اس شخص کے لئے غسل میں استعمال کرنا مسنون ہے جو اسلام لایا ہو دلیل حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ گذشتہ حدیث ہے کہ جب وہ اسلام لائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پانی اور بیری سے نہانے کا حکم دیا❷ ایسے شخص کے لئے اپنے بال اتارنا مسنون ہے لہٰذا وہ اگر مرد ہو تو اپنا سر منڈوا لے زیر ناف بال اور بغل کے بال مطلقاً (مرد ہو یا عورت) صاف کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے جو اسلام لایا تھا فرمایا اپنے آپ سے کفر کے بال دور کرو اور ختنہ کرو❸ اور کافر جب اسلام لائے تو وہ واجبی طور پر ختنہ کرے بشرطیکہ وہ مکلّف ہو اور اس کو اپنے آپ پر اس کے کرنے سے کوئی خطرہ نہ ہو۔ حنابلہ کے ہاں غسل حیض ونفاس میں بھی بیری کا استعمال مسنون ہے دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گزشتہ

---

❶......بروایت ابن ماجہ بسند صحیح۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۴۹۔ ❷ بروایت امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی، ترمذی نے اس کو حدیث حسن قرار دیا ہے۔ ❸ بروایت ابوداؤد۔

حدیث ہے جو پہلے گزری کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اگر تم حیض کی حالت میں ہوتو پانی اور بیری کے پتے لو اور کنگھی کرو❶ اور حضرت اسماء روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے غسل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا تم میں سے نہانے والی پانی اور بیری لے اور پاکی حاصل کرلے❷ شوافع اور حنابلہ کے ہاں یہ مسنون ہے کہ وہ عورت جو احرام نہ باندھی ہوئی ہو یا عدت میں نہ ہو وہ حیض اور نفاس کے خون کے نشانات کی جگہ خوشبو یا مشک یا پانی استعمال کرے اور ان چیزوں کو ایک روئی کے ٹکڑے میں لگائے یا کسی چیتھڑے وغیرہ میں اور شرمگاہ دھونے کے بعد وہاں رکھ دے تاکہ حیض ونفاس کی بو رک جائے دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حیض کے غسل کے بارے میں پوچھنے کے لئے حاضر ہوئی آپ نے فرمایا مشک کی خوشبو لگا کر کپڑے کا ٹکڑا لو اور اس سے پاکی حاصل کرو اس نے پوچھا میں اس سے کیسے طہارت حاصل کروں؟ آپ نے فرمایا! خدا کی شان ہے! اور اپنے کپڑے میں منہ چھپاتے ہوئے فرمایا بھئی اس سے پاکی حاصل کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ نے اس کو اپنے پاس کھینچا اور اس کو بتایا کہ خون کے نشانات پر لگاؤ اس کو بلا عذر چھوڑنا مکروہ ہے۔

غسل دوبارہ کرنا مسنون نہیں کیونکہ اس بارے میں ایسی کوئی بات منقول نہیں، اور اس میں مشقت بھی ہے، بخلاف وضو کے کہ اگر پہلے وضو سے عبادت کر چکا ہو تو وضو دوبارہ کرنا مسنون ہے۔

وضو اور غسل کے پانی کی مقدار.....شوافع اور حنابلہ کے ہاں مسنون ہے کہ وضو کا پانی تقریباً ایک مد سے کم نہ ہو، ایک مد ایک جمع ایک تہائی بغدادی رطل کے برابر ہوتا ہے جو کہ ۶۷۵ گرام کے برابر ہوتا ہے اور غسل کا پانی تقریباً ایک صاع سے کم نہ ہو جو چار مد ہوتا ہے جو کہ ۲۱۷۵ گرام کے برابر ہوتا ہے۔ کیونکہ امام مسلم کی روایت کے مطابق جو انہوں نے حضرت سفینہ سے کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع پانی سے غسل اور ایک مد پانی سے وضو فرماتے تھے۔❸ وضو اور غسل کے پانی کی کم از کم مقدار کوئی بھی نہیں، اگر اوپر والی مسنون مقدار سے کم پانی ہو۔

اور وہ اعضا پر پورا بہہ جائے تو بھی کافی ہے۔ ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایسے برتن سے وضو کیا جس میں دو تہائی مد پانی آتا تھا دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غسل کا حکم دیا اور وہ شخص اس طرح کرنے سے فعل انجام دے دیتا ہے اور وہ فعل مکروہ نہیں ہوتا اور وضو اور غسل میں اسباغ (پورا پورا دینا) کا مفہوم یہ ہے کہ سارے اعضاء پر پانی بہہ جائے مسح کی طرح صرف پونچھنا نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت فاغسلوا وجوھکم میں دھونے کا حکم دیا ہے اور مسح دھونا نہیں شمار ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص وضو پر مسح کرلے یا برف اس پر پھیر لے تو طہارت حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ یہ صرف مسح ہوگا غسل نہیں ماسوا اس کے کہ برف ہلکی ہو اور پھیرنے سے پگھل جائے اور عضو پر بہہ جائے تو جائز ہوگا۔ کیونکہ مطلوب دھونا اس طرح حاصل ہو جائے گا۔ اور اگر وضو میں ایک مد سے اور غسل میں ایک صاع سے زیادہ استعمال کرے تو بھی جائز ہے دلیل اس کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے نہاتے تھے جس کو فرق کہا جاتا تھا❹ اور فرق سولہ عراقی رطل کا ہوتا ہے (تقریباً دس کلو گرام وزن بنتا ہے)

احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں غسل اور وضو میں استعمال کئے جانے والے پانی کی کوئی متعین مقدار نہیں کیونکہ لوگوں کے احوال کے اختلاف سے یہ بھی مختلف ہوتے ہیں تاہم نہانے والے کو چاہئے کہ وہ اسراف اور کنجوسی کے بغیر میانہ روی سے کام لے۔

غسل کے آداب: مالکیہ اور حنفیہ غسل کی سنت اور آداب یا فضائل میں فرق کرتے ہیں، مالکیہ فرماتے ہیں❺ کہ اس کی سنتیں پانچ

---

❶.....بروایت امام بخاری۔ ❷بروایت امام مسلم۔ ❸ یہ حدیث امام احمد ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کی ہے امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور اس کے معنی ومفہوم میں اور حدیثیں بھی روایت کی ہیں۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۵۰۔ ❹ متفق علیہ۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۵۱۔
❺القوانین الفقهیه ص ۲۶ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۷۰ اور بعد کے صفحات۔

ہیں۔(۱) دونوں ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے دھونا۔(۲) مضمضہ۔(۳) استنشاق۔(۴) کانوں کے اندر مسح کرنا۔(۵) بالوں کی جڑوں میں انگلیاں ڈال کر مسح کرنا۔ بالوں میں انگلیاں ڈالے بغیر ان کو اوپر سے اچھی طرح ہلانا تو ان کے ہاں فرائض غسل میں سے ہے جیساکہ میں بیان کر چکا ہوں۔ احناف اور حنابلہ مضمضہ اور استنشاق کو اور شوافع سر کے بالوں میں خلال کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں۔

غسل کے فضائل پانچ ہیں۔(۱) بسم اللہ پڑھنا۔(۲) سر پر تین مرتبہ پانی ڈالنا۔(۳) پہلے وضو کرنا۔(۴) وضو سے پہلے گندگی وغیرہ دور کرنا۔(۵) اوپری اور داہنی طرف سے شروع کرنا۔

احناف فرماتے ہیں❶ کہ غسل میں بارہ چیزیں مسنون ہیں:(۱) بسم اللہ سے شروع کرنا۔(۲) نیت کرنا۔(۳) گٹوں تک ہاتھ دھونا۔(۴) نجاست دھونا اگر وہ الگ سے لگی ہو۔(۵) شرمگاہ دھونا۔(۶) نماز والا وضو کرنا۔(۷) دھونے کے عمل کو تین مرتبہ کرنا اور مسح ایک مرتبہ کرنا تاہم پاؤں کے دھونے کو اس صورت میں مؤخر کرنا چاہیے کہ اگر غسل ایسی جگہ کر رہا ہو جہاں پانی جمع ہو جاتا ہو۔(۸) پھر پانی اپنے بدن پر بہانا۔(۹) پانی ڈالنے میں پہلے سر پر ڈالنا۔(۱۰) سر کے بعد دایاں کندھا دھونا۔(۱۱) پھر بایاں کندھا دھونا۔(۱۲) اپنے بدن کو ملنا۔

اور غسل کے آداب وہی ہیں جو وضو کے ہیں تاہم غسل میں قبلہ رخ نہ ہو، کیونکہ غسل میں انسان عام طور پر برہنہ ہوتا ہے۔

۵۔ پانچویں بحث......غسل میں مکروہ امور

احناف فرماتے ہیں❷ کہ غسل میں بھی وہی چیزیں مکروہ ہیں جو وضو میں مکروہ ہیں اور وہ چھ چیزیں ہیں۔(۱) پانی میں اسراف کرنا۔(۲) کنجوسی سے استعمال کرنا کہ فرض صحیح طور پر ادا نہ ہو۔(۳) پانی چہرے پر مارنا۔(۴) لوگوں سے گفتگو کرنا۔(۵) بلاضرورت دوسرے سے مدد لینا۔(۶) دوران غسل دعا کرنا یہ اضافی چیز ہے کیونکہ وضو میں ماثور دعائیں اور ہر عضو دھوتے وقت بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں❸ مالکیہ فرماتے ہیں کہ غسل کے مکروہ امور پانچ ہیں:

(۱) پانی زیادہ بہانا۔(۲) غسل کے انجام دینے میں ڈھیلا پن اختیار کرنا۔(۳) جسم کو ایک مرتبہ دو لینے کے بعد بار بار دھونا۔(۴) بیت الخلاء میں نہانا۔ اللہ کے ذکر کے علاوہ بات چیت کرنا۔

شوافع فرماتے ہیں❹ کہ پانی بہانے اور دھونے میں اسراف کرنا وضو اور غسل ٹھہرے ہوئے پانی میں کرنا تین دفعہ سے زیادہ دھونا اور مضمضہ اور استنشاق چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ جنبی، اور حیض ونفاس کا خون جس کا ختم ہو جائے اس کے لئے شرمگاہ دھونے اور وضو کرنے سے قبل کھانا، پینا سونا اور ہم بستری مکروہ ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں❺ کہ پانی میں اسراف کرنا مکروہ ہے خواہ آدمی بہتی نہر پر ہو کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت سعد پر گزر ہوا وہ وضو کر رہے تھے آپ نے دریافت کیا یہ اسراف کیسا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں خواہ تم بہتی ہوئی نہر کے کنارے ہی کیوں نہ ہو۔❻

جس شخص نے نہانے سے پہلے وضو کر لیا ہو اس کے لئے نہانے کے بعد دوبارہ وضو کرنا مکروہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث کی رو سے اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو نہیں کیا کرتے تھے، ہاں اگر کسی وجہ سے وضو ٹوٹ جائے مثلاً عضو تناسل پر ہاتھ لگانے وغیرہ کی وجہ سے یا عورت کو شہوت کے ساتھ چھونے کی وجہ سے یا جسم میں سے کچھ نکل آنے کی وجہ سے تو اس صورت میں نماز وغیرہ کے لئے وضو کرنا ہوگا۔ جنبی اور حیض ونفاس کا خون جس کو آنا ختم ہو چکا ہو اور وہ سونا چاہے تو

---

❶..... مراقی الفلاح ص ۱۷۔ ❷ص ۱۸۔ ❸ القوانین الفقهیه ص ۲۶۔ ❹ الحضرمیه ص ۲۱ اور بعد کے۔ ❺ کشاف القناع: ج ۱ ص ۱۷۹ اور بعد کے صفحات۔ المغنی ج: ۱ ص: ۲۲۹۔ ❻ بروایت ابن ماجه

اس کے لئے نیند کے لئے وضو نہ کرنا مکروہ ہے تاہم کھانے پینے یا دوبارہ ہم بستری کے لئے وضو نہ کرنا مکروہ نہیں۔ اس کے لئے وضو مستحب ہے، دلیل اس کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی نقل کردہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیا ہم میں سے کوئی حالت جنابت میں سو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! جب وہ وضو کر لے تو سو جائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حالت جنابت میں سونا چاہتے تو اپنی شرمگاہ دھوتے اور نماز کا وضو کر لیتے ❶ اور وضو کا کھانے پینے کے لئے مستحب ہونا تو اس حدیث کی رو سے ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کے لئے یہ رخصت دی کہ وہ جب کھائے یا پیئے تو وہ نماز والا وضو کر لے ❷ اور ہم بستری کے لئے وضو کا مستحب ہونا حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ حدیث کی رو سے ثابت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے ہم بستر ہو اور وہ دوبارہ ہمبستری کرنا چاہے تو وہ دونوں کے مابین وضو کرے۔ ❸

امام حاکم نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کیونکہ یہ دوبارہ کرنے کے لئے زیادہ چستی اور نشاط کا سبب ہے، تاہم دوبارہ ہم بستری کے لئے غسل کرنا وضو کرنے سے زیادہ افضل ہے کیونکہ وہ زیادہ باعث نشاط ہے۔

حنابلہ کے ہاں جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت اپنے بال اور ناخن اتار سکتی ہے اور نہانے سے قبل خضاب لگانا بھی مکروہ نہیں ہے اس پر ان کے ہاں امام مالک کا نص موجود ہے۔ امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ جنبی کے لئے حالت جنابت میں ناخن تراشنا، استرا پھیرنا، زیر ناف بال صاف کرنا، خون نکلوانا یا اپنے جسم کے کسی عضو یا حصے کو الگ کرنا ممنوع ہے کیونکہ انسان کو تمام اجزاء آخرت میں واپس دیئے جائیں گے تو یہ چیزیں ناپاک ملیں گی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر بال کی جنابت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ ❹

۶۔ چھٹی بحث......جنبی وغیرہ پر حرام امور

جنبی حائضہ اور نفاس والی عورت پر وہ امور حرام ہیں جو حدث اصغر میں مبتلا شخص پر حرام ہیں یعنی نماز طواف قرآن یا اس کے کچھ حصے کو چھونا جیسے کہ جنبی پر قرآن کی تلاوت، مسجد میں داخل ہونا بھی حرام ہیں ان احکام کی تفصیل مندرجہ ذیل ہیں۔ ❺

۱۔ نماز اور اس کے مثل سجدۂ تلاوت وغیرہ بالاجماع جنبی شخص پر حرام ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا** (اگر تم حالت جنابت میں ہو تو خوب پاکی حاصل کرو، سورہ مائدہ آیت نمبر ۶)

۲۔ طواف کعبہ، خواہ نفلی ہو، کیونکہ یہ نماز ہی کی طرح ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے جو پہلے بھی گزر چکی ہے کہ بلاشبہ طواف کعبہ نماز ہے، جب تم طواف کرو تو بات چیت کم کیا کرو۔ ❻

۳......قرآن کریم کا چھونا، یہ بھی حرام ہے اللہ کا فرمان ہے **لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ** (اس کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں، سورۃ واقعہ آیت ۷۹) مطہرون سے مراد ہے متطہرون یعنی خوب پاکی حاصل کئے ہوئے لوگ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے قرآن کو

---

❶...... متفق علیہ۔ ❷ بروایت امام احمد بسند صحیح۔ ❸ بروایت امام مسلم اور حاکم سبل السلام ج ۱ ص ۸۹۔ ❹ مغنی المحتاج ج: ۱ ص: ۷۵۔ ❺ الدرالمختار ج: ۱ ص: ۱۵۸۔۱۶۱ الشرح الکبیر ج: ۱ ص: ۱۳۸ اور بعد کے ص: ۱۷۲۔۱۷۴ الشرح الصغیر ج: ۱ ص: ۱۷۶، ۲۱۵، القوانین الفقھیہ ص ۲۹ اور بعد کے صفحات بدایۃ المجتھد ج: ۱ ص: ۴۶ اور بعد کے صفحات، المھذب ج: ۱ ص ۳۰ مغنی المحتاج ج: ۱ ص: ۷۱ اور بعد کے صفحات، کشاف القناع ج: ۱ ص: ۱۶۸۔۱۷۰ فتح القدیر، ج: ۱، ص: ۱۱۴۔۱۱۶۔ ❻ بروایت امام احمد، نسائی، ترمذی، حاکم، دارقطنی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور یہ صحیح حدیث ہے، نیل الاوطار ج: ۱ ص: ۲۰۷۔

صرف پاک آدمی ہی چھوئے۔❶

یہ تینوں امورحدث والے شخص پرحرام ہیں خواہ حدث اصغر ہو(یعنی بے وضو ہونے کی کیفیت) یا حدث اکبر ہو(یعنی جنابت) جنبی وغیرہ کے لئے مزید یہ امور بھی حرام ہیں۔

۴.....مسلمان کے لئے تلاوت قرآن کریم زبانی طور پرخواہ ایک حرف ہی کیوں نہ ہو یا صحیح قول کے مطابق ایک آیت سے کم ہی کیوں نہ ہو یہ احناف اور شوافع کا قول ہے، بشرطیکہ ارادہ قراءت کا ہو لہٰذا اگر دعا ثناء یا کسی کام کے ابتداء کی غرض سے یا سکھانے کی غرض سے یا محض اعوذ باللہ پڑھنے کی غرض سے یاذکر کے طور پر وہ پڑھے تو ایسا کرنا حرام نہیں ہوگا جیسے سواری کے وقت سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ پڑھنا، کہیں قیام کے لئے اترتے وقت وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا پڑھنا، مصیبت اور پریشانی لاحق ہوتے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھنا۔ اسی طرح اگر قرآن کریم کسی کی زبان پر بلاقصد جاری ہو جائے تو وہ گناہگار نہیں ہوگا ہاں اگر صرف قرآن پڑھنے کا قصد ہو یا تلاوت اور ذکر دونوں کا ارادہ ہو تو حرام ہوگا۔

بسم اللہ، الحمد للہ، سورۃ فاتحہ، آیت الکرسی اور سورہ اخلاص بقصد ذکر پڑھنا حرام نہیں کیونکہ امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد کیا کرتے تھے اور جنابت کی حالت میں بول سکنے والے کے لئے زبان سے تلاوت اور گونگے شخص کے لئے اشارے سے تلاوت کرنا حرام ہے کیونکہ گونگے شخص کا اشارہ کرنا بمنزلہ بولنے کے ہے اور خواہ وہ تلاوت آیت کے ایک حصے ہی کی کیوں نہ ہو جیسے ایک حرف کیونکہ یہ خلاف تعظیم ہے۔

اس کے حرام ہونے کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول حدیث ہے جو ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ جنبی اور حائضہ قرآن کریم ذرا سا بھی نہ پڑھیں❷ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہر حال میں قرآن کریم پڑھایا کرتے تھے جب تک کہ آپ حالت جنابت میں نہ ہوں۔❸

حنابلہ نے جنبی شخص کے لئے آیت کا کچھ حصہ پڑھنا جائز قرار دیا ہے خواہ وہ اس کو بار بار دھرائے کیونکہ کچھ حصے میں اعجاز (معجزے) کے معنی نہیں ہوتے جب تک کہ وہ طویل نہ ہو اسی طرح یہ حضرات حنفیہ کے ساتھ ساتھ قرآن کو ہجے کر کے پڑھنے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ یہ قرأت قرآن نہیں۔ اور اس کے لئے ایسی قراءت بھی درست ہے جو نماز میں درست نہیں ہوتی یعنی دل ہی دل میں پڑھنا، اور جنبی کے لئے قرآن کریم میں بغیر تلاوت کئے دیکھنا اور بالکل زبان ہلائے بغیر پڑھنا بھی درست ہے۔ کیونکہ اس حالت میں وہ قراءت نہیں شمار ہوتی ہے۔

مالکیہ نے وہ قراءت جو جنبی کے لئے جائز ہوتی ہے اس کی تحدید اس طرح کی ہے کہ وہ آیت جو بطور تعوذ اور حفاظت پڑھی جائے جیسے آیۃ الکرسی سورۃ اخلاص، سورۃ معوذتین یا اپنے اوپر یا دوسرے پر بغرض دم تکلیف یا نظر کے علاج کے لئے پڑھنا یا کسی حکم پر بطور استدلال پڑھنا جیسے وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا وغیرہ۔ اور مالکیہ کے ہاں معتمد اور صحیح قول یہ ہے کہ قرآن کی تھوڑی مقدار میں تلاوت حائضہ

---

❶..... یہ روایت نسائی نے اور ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں عمرو بن حزم سے روایت کی ہے اور سند میں ایک متروک شخص ہے اور یہ حدیث طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے اور اس کی سند میں ایک اختلافی شخص ہے یہ حدیث حاکم نے بھی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث عمرو بن حزم سے صحیح الاسناد منقول ہے طبرانی نے یہ حدیث عثمان بن ابو العاص سے نقل کی ہے اور اس کو علی بن عبدالعزیز نے ثوبان رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، اور اس کی سند حد درجہ ضعیف ہے۔ نصب الرایہ ج: ۱ ص: ۱۹۶۔۱۹۹۔ ❷ علامہ نووی نے اس کو المجموع میں ذکر کیا ہے اور ضعیف قرار دیا ہے تاہم اس کے ایسے شواہد ہیں جس سے اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔ ❸ بروایت امام ترمذی، اور انہوں نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے باقی اصحاب سنن اربعہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ سبل السلام: ج ۱ ص ۸۸۔

اورنفاس والی عورت جائز قرار دی گئی ہے بشرطیکہ خون آنے کے اوقات ہوں، خواہ وہ جنبی ہو یا نہیں اور اگر خون کا آنا رک چکا ہو تو نہا لینے تک پڑھنے کی بالکل اجازت نہیں ہے۔ ان کی دلیل استحسان ہے کہ وہ عورت کافی عرصے تک حیض آنے کے سبب اس کو کر سکتی ہے۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جنبی حائضہ اور نفاس والی عورت کے لئے قرآن کریم میں دیکھنا حرام نہیں، کیونکہ جنابت آنکھوں کے دیکھنے میں سرایت نہیں کرتی ہے۔

۵..... مسجد میں اعتکاف، یہ بالاجماع حرام ہے، اور مسجد میں داخل ہونا احناف اور مالکیہ کے ہاں مطلقاً ممنوع ہے خواہ اس کو عبور کرنے یا پار کرنے کی غرض سے یہ کام ہو، دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو ابوداؤد وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور صحابہ کرام کے گھر کے دروازے مسجد میں نکلے ہوئے دیکھے تو آپ نے فرمایا ان گھروں کا رخ مسجد سے ہٹا دو، میں مسجد کو جنبی اور حائضہ کے لئے حلال نہیں کرتا ہوں ❶ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے صحن میں تشریف لائے اور با آواز بلند فرمایا مسجد حائضہ اور جنبی کے لئے حلال نہیں ہے ❷ اور قرآن کریم میں آیت میں آئے ہوئے لفظ عابری سبیل میں عابرین سے مسافر مراد ہیں مسافر حالت جنابت میں نہائے بغیر نماز کے قریب جانے کی ممانعت سے مستثنیٰ ہے، آیت نے یہ بیان کر دیا کہ اس کا حکم تیمم کا ہے۔ شوافع اور حنابلہ جنبی وغیرہ کے لئے مسجد میں ٹھہرنے اور اس میں بلا ضرورت آنے جانے کو ممنوع قرار دیتے ہیں ❸ مسجد کو عبور کرنے کو مباح قرار دیتے ہیں خواہ وہ بلا ضرورت عبور کرے۔ کیونکہ اللہ کا یہ فرمان لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ میں راستہ مراد ہے اور سعید بن منصور نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص بھی مسجد میں سے حالت جنابت میں گزر جایا کرتا تھا، اور حضرت زید بن اسلم سے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مسجد میں حالت جنابت میں چلا پھرا کرتے تھے۔

تاہم یہ اباحت اس وقت ہے کہ حائضہ اور نفاس والی عورت کے گزرنے سے مسجد گندی نہ ہو اور اگر مسجد کے گندے ہونے کا امکان ہو تو ایسا کرنا ممنوع ہوگا اور اس میں ٹہلنے کی طرح گزرنا بھی حرام ہوگا۔

۷۔ ساتویں بحث...... مسنون غسل کی اقسام

غسل کبھی واجب ہوتا ہے جیسے غسل جنابت غسل حیض اور غسل نفاس، اور مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں اسلام لانے کے بعد غسل کرنا واجب ہے اور غسل کبھی سنت بھی ہوتا ہے، اور حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں غسل کبھی مندوب یا مستحب بھی ہوتا ہے۔ مسنون غسل مندرجہ ذیل ہیں۔ ❹

۱..... نماز جمعہ کے لئے غسل یہ متعدد احادیث کی رو سے مسنون ہے ان احادیث میں سے ایک حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جمعہ کا غسل ہر بالغ شخص پر لازم ہے ❺ اور اس میں واجب (لازم) ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ مسنون ہے اور مؤکد ہے اور اس بات کی

---

❶..... بروایت ابن امامہ اور اس کا سند میں ایک مختلف فیہ شخص ہے امام بخاری نے بھی اس حدیث کو تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ محدثین اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ ❷ بروایت بیہقی اور ابن ماجہ، بیہقی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ❸ شوافع فرماتے ہیں کہ یہ حرمت مسلمان اور غیر نبی کے لئے ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ حرمت نہیں تھی، اور کافر کے لئے مسجد میں ٹھہرنا صحیح قول کے مطابق درست ہے کیونکہ وہ اس کی حرمت کا قائل نہیں ہوتا ہے تاہم کافر کو خواہ وہ جنبی نہ بھی ہو مسجد میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا سوائے کسی ضرورت کے جیسے قرآن سننے یا اسلام لانے کے لئے کھانے پینے وغیرہ کے لئے نہیں اور یہ بھی شرط ہے کہ مسلمان اس کو داخل ہونے کی اجازت دے ہاں اگر کافر کا کوئی مقدمہ وغیرہ ہو اور قاضی مسجد میں ہو تو اس کو جانے کی اجازت ہے مغنی المحتاج ج ۱ ص ۷۱۔ ❹ فتح القدیر ج ۱ ص ۴۴، الدر المختار ج ۱ ص ۱۵۶، ۱۵۸، اللباب ج ۱ ص ۲۳، مراقی الفلاح ص ۱۸، القوانین الفقهیه، ص ۲۵ کشاف القناع ج ۱، ص ۱۷۱۔۱۷۳ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۵۰۳۔ ❺ یہ حدیث ساتوں حضرات (یعنی صحاح ستہ کے حضرات اور امام احمد) نے روایت کی ہے۔

دلیل دوسری احادیث ہیں جن میں سے ایک حضرت سمرہ کی حدیث ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن وضو کر لے تو بہت اچھا ہے اور خوب ہے اور جو غسل کرے تو غسل افضل ہے ❶ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار چیزوں کی بناء پر غسل فرماتے تھے۔(۱) جنابت۔(۲) جمعہ کا دن۔(۳) پچھنے لگوانے کے بعد، اور (۴) میت کو نہلانے کے بعد ❷ جمعہ کے لئے حاضر ہونے والے شخص کے لئے غسل کرنا جمعہ کے دن طلوع فجر سے لے کر زوال تک مسنون ہے مالکیہ نے یہ شرط قرار دیا ہے کہ غسل مسجد جانے کے ساتھ متصل ہو، جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے جو صحاح ستہ کے حضرات نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جو شخص تم میں سے جمعہ کے لئے آئے تو وہ غسل کرے مالکیہ کے ہاں اور صحیح قول کے مطابق احناف کے ہاں بھی یہ غسل نماز جمعہ کے لئے ہے دوسرے حضرات کے ہاں یہ غسل جمعہ کے دن کے لئے ہے۔ اس اختلاف کا نتیجہ اس صورت میں سامنے آتا ہے کہ اگر ایک شخص جمعہ کے دن وضو کرے پھر بے وضو ہونے کے بعد وضو کرے اور نماز جمعہ ادا کر لے تو پہلے حضرات کے ہاں اس کو سنت کا ثواب نہیں ملے گا، اور دوسرے حضرات کے ہاں ثواب ملے گا۔ اور نماز جمعہ کے بعد کیا جانے والا غسل بالا جماع معتبر نہیں ہوگا (یعنی مسنون شمار نہیں ہوگا)

جو شخص جنابت یا عورت حیض وغیرہ کا غسل جمعہ یا عید کے غسل کے ساتھ کرے تو یہ غسل دونوں کی طرف سے ہو جائے گا اگر وہ جنابت کی پھر جمعہ کی نیت کر لے یہ حکم بالا تفاق مذاہب ہے جیسے کوئی فرض نماز اور تحیۃ المسجد کی نیت کرے تو وہ شوافع کے ہاں درست ہوتی ہے، اور جیسے کوئی عورت جنابت اور حیض کا غسل کرے تو ایک غسل دونوں کی طرف سے بالا تفاق کافی ہوتا ہے۔

مسنون غسل میں سے سب سے زیادہ تاکید اس غسل جمعہ کی ہے تاہم یہ خواتین کے لئے مستحب نہیں۔

۲.....عیدین کی نماز کے لئے غسل: یہ مسنون ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے غسل فرماتے تھے ❸ تاہم علامہ شوکانی فرماتے ہیں اس حدیث سے عید کے غسل کے مسنون ہونے پر استدلال کیا گیا ہے لیکن اس باب میں کوئی حدیث ایسی نہیں جو کسی شرعی حکم کو ثابت کر سکے۔ عقلی دلیل اس کی یہ ہے کہ یہ ایسی نماز ہے جو جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے تو یہ جمعہ کے مشابہ ہوئی۔ یہ غسل عید کے دن عید کی نماز کے لئے حاضر ہونے والے شخص کے لئے ہے خواہ وہ اکیلا پڑھے بشرطیکہ اکیلا پڑھنے سے اس کی نماز درست ہو سکے مثلاً وہ ایک معتبر تعداد کے ادا کرنے کے بعد اپنی نماز ادا کرے۔ لہٰذا یہ غسل طلوع فجر سے قبل درست نہیں ہے۔

۳.....حج یا عمرے کے احرام کے لئے اور زوال کے بعد وقوف عرفہ کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے مزدلفہ میں رات گزارنے کے لئے طواف زیارت اور طواف وداع کے لئے۔ احرام کے لئے مسنون ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے کے لئے کپڑے اتارے اور غسل فرمایا ❹ اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیض ونفاس کی صورت میں بھی یہ کرنا ہوگا ❺ دلیل اس کی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء بنت عمیس کو اس کا حکم دیا تھا جب ان کے ہاں حضرت محمد بن ابی بکر کی ولادت ہوئی۔ ❻

---

❶..... بروایت صحاح ستہ اور اس کی سند جید ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ سات دن میں ایک مرتبہ نہائے جس میں وہ اپنا سر اور بدن دھوئے متفق علیہ۔ ❷ بروایت ابوداؤد، ابن خزیمہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے امام احمد اور بیہقی نے اس کو روایت کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی ہے جس پر کلام کیا گیا ہے۔ سبل السلام ج ۱ ص ۸۶۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۳۱۔۲۳۶۔ ❸ حضرت فاکہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے جو کہ صحابی ہیں، روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن عرفہ کے دن، عید کے دن اور یوم النحر میں غسل فرماتے تھے یہ حدیث عبداللہ بن امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے تاہم انہوں نے جمعہ کا ذکر نہیں کیا ہے یہ حدیث ضعیف ہے، نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۳۶۔ ❹ بروایت امام ترمذی انہوں نے اس کو حسن قرار دیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۳۹۔ ❺ بروایت امام مسلم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ حدیث ابن ماجہ اور ابوداؤد نے روایت کی ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۴۰۔ ❻ متفق علیہ۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۴۰

مکہ میں داخل ہوتے وقت غسل کا مسنون ہونا اس عورت کے لئے بھی جو حالت حیض میں ہو اس کی دلیل تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو انجام دینا ہے اور اس کے ظاہری الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ یہ اس شخص کے لئے بھی مسنون ہے جو حدود حرم میں مقیم ہو اور مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے جیسے منیٰ میں مقیم شخص جب مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے۔ مدینہ منورہ میں داخل ہوتے وقت بھی غسل مستحب ہے مدینہ منورہ کی تعظیم کے لئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضری کی عظمت کے تقاضے کے پیش نظر۔ اور وقوف عرفہ کے لئے اس لیے مسنون ہے کہ یہ حدیث سے ثابت ہے ❶ مزدلفہ میں رات گزارنے کے لئے اور رمی جمار طواف زیارت اور طواف وداع کے لئے اس لئے غسل مستحب ہے کہ یہ حج کی ذیلی عبادتیں ہیں لوگوں کا ان میں اجتماع ہوتا ہے اس میں لوگوں کا پسینہ بہتا ہے اور اس کی بو سے لوگ تکلیف اٹھاتے ہیں اس لئے ان مواقع پر بھی غسل ایسے ہی مستحب ہے جیسے جمعہ کے موقع پر تا کہ بدبو دور ہو اور صفائی حاصل ہو۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ طواف، سعی، وقوف عرفہ اور وقوف مزدلفہ کے لئے غسل مستحب ہے اور احرام اور مکہ میں داخلے کے لئے غسل مسنون ہے، احناف فرماتے ہیں احرام اور عرفہ کے میدان میں داخل ہونے کے لئے غسل مسنون ہے، اور وقوف مزدلفہ اور دخول مکہ کے لئے مندوب ہے۔

۴.....سورج گرہن، چاند گرہن، اور صلاۃ استسقاء (بارش کے لئے ادا کی جانے والی نماز) کے لئے بھی غسل مسنون ہے، کیونکہ یہ ایسی عبادتیں ہیں جن میں مردوں کا اجتماع ہوتا ہے اس لئے یہ عیدین اور جمعہ کے مشابہ ہیں۔

احناف انہیں صرف مندوب قرار دیتے ہیں۔

۵.....میت کو غسل دینے کے بعد، میت مسلمان کی ہو یا کافر کی۔ یہ مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کے ہاں مستحب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میت کو غسل دے وہ خود نہائے اور جو اس کو اٹھائے وہ وضو کرے ❷ اور یہ حکم استحباب پر محمول ہے، کیونکہ دوسری حدیث میں ہے بلاشبہ تمہاری میت پاک حالت میں مری ہے تمہارے لئے اپنے ہاتھ دھولینا کافی ہیں ❸ اور دوسری حدیث میں ہے صحابہ فرماتے ہیں ہم میت کو نہلایا کرتے تھے ہم میں سے بعض نہا لیا کرتے تھے اور بعض نہیں نہاتے تھے ❹ احناف فرماتے ہیں یہ واجب نہیں کیونکہ ایک حدیث میں ہے تم پر میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا لازم نہیں۔(۵)

ابن عطاء نے فرمایا ہے اپنے مردوں کو نجس مت کہو، مسلمان نہ زندہ نجس ہوتا ہے اور نہ مردہ نجس ہوتا ہے(۶) تاہم احناف فرماتے ہیں ان لوگوں کے اختلاف کے پیش نظر جو اس کو لازم قرار دیتے ہیں غسل کر لینا مستحب ہے۔ علامہ شوکانی فرماتے ہیں اس غسل کو مستحب قرار دینے کی بات ہی حق ہے کیونکہ اس کو مستحب قرار دینے میں تمام دلائل باحسن طریقہ جمع ہو جاتے ہیں اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ میت کے نہلانے کے بعد غسل کرنے کا حکم چاروں مذاہب میں مندوب ہے۔

۶۔ مستحاضہ کے لئے، یعنی وہ عورت جس کو حیض کے علاوہ بھی خون آتا ہو، شوافع اور حنابلہ کے ہاں مستحاضہ کے لئے ہر نماز کے لئے غسل کرنا مسنون ہے مالکیہ اس کو مستحب قرار دیتے ہیں، احناف فرماتے ہیں کہ خون رک جانے پر غسل کرنا مندوب ہے۔ مستحاضہ کے لئے غسل

---

❶..... بروایت امام از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بواسطہ حضرت نافع، امام شافعی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور ابن ماجہ نے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔
❷ بروایت اصحاب سنن وامام احمد امام ابوداؤد فرماتے ہیں یہ منسوخ ہے امام بخاری اور امام بیہقی نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے نیل الاوطار ج اص ۲۳۷۔ ❸ بروایت امام بیہقی علامہ ابن حجر نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ❹ خطیب نے حضرت عمر سے نقل کی ہے علامہ ابن حجر نے اس کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔ ❺ دارقطنی اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے امام بیہقی نے اس کے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کا مرفوع ہونا درست نہیں ہے۔ ❻ اس حدیث کی سند صحیح، ہے یہ مرفوعاً بھی منقول ہے دارقطنی اور حاکم نے اس کو روایت کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً یہ بھی منقول ہے لاتنجسوا موتاکم یعنی اپنے مردوں کو ناپاک نہ کہو۔ نیل الاوطار ج اص: ۲۳۸

کے مستحب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت ام حبیبہ کو استحاضہ ہو گیا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے انہیں نہانے کا حکم دیا تو وہ ہر نماز کے موقع پر نہایا کرتی تھیں ❶ اور دوسری روایت میں ہے جو حدیث صحیح کے درجے کی نہیں ہے کہ آپ نے انہیں ہر نماز کے لئے نہانے کا حکم دیا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ حضرت زینب بنت جحش کو استحاضہ ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ہر نماز کے لئے غسل کرو ❷ اور وہ نمازیں جن میں دو کو اکٹھا کر کے پڑھا جا سکتا ہو ان میں دو کے لئے ایک غسل کافی ہے جیسے ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نقل کردہ روایت کے مطابق حضرت سہلہ بنت سہیل بن عمرو استحاضہ میں مبتلا ہوئیں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے انہیں ہر نماز کے موقع پر نہانے کا حکم دیا ان پر یہ کرنا گراں گزرنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کے لئے ایک ایک غسل کریں اور فجر کے لئے ایک غسل کر لیں۔ ❸

۷.....جنون، بے ہوشی اور نشے سے افاقہ پانے کی صورت میں غسل مسنون ہے۔

ان لوگوں کے لئے غسل مسنون ہے، علامہ ابن منذر فرماتے ہیں یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے ہوشی کی وجہ سے غسل فرمایا تھا۔ ❹

۸.....پچھنے لگوانے کی صورت میں، شب برأت کے موقع پر اور لیلۃ القدر کے موقع پر اگر اس کو پالے۔ احناف کے ہاں پچھنے لگوانے کے بعد غسل اس لئے مندوب ہے تا کہ ان حضرات کے اختلاف سے نکلا جا سکے جو اس کو لازم قرار دیتے ہیں۔ شب برأت یعنی شعبان کی پندرھویں شب میں اس رات میں جاگنے کے لئے اور رات کی عظمت شان کی وجہ سے مسنون ہے کیونکہ اس رات میں رزق تقسیم ہوتا ہے اور اجل مقرر کی جاتی ہے۔ اور لیلۃ القدر کے موقع پر اس کو دیکھنے اور پالینے کے بعد اس لئے کہ اس رات قیام کر سکے۔ کسی ڈرانے والے سے ڈر کے موقع پر یہ مسنون ہے۔ اللہ سے الحاح وزاری کے لئے تا کہ وہ تکلیف دور کر دے۔ اندھیرے اور شدید آندھی کے موقع پر یہ مسنون ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سرکش قوموں کو تباہ کیا تھا۔

گناہ سے توبہ کر لینے والے کے لئے بھی غسل مستحب ہے، اسی طرح سفر سے لوٹ آنے والے کے لئے، اور اس شخص کے لئے جس کو کوئی نجاست لگ جائے اور اس کی جگہ معلوم نہ ہو تو اس صورت میں پورا بدن اور کپڑے احتیاطاً دھو لینا بہتر ہے۔

غسل کی بحث سے ملحق دو اضافی بحثیں

۱۔ پہلی بحث مسجد کے احکام.....مسجدیں روئے زمین کی سب سے بہتر اور افضل جگہیں ہیں۔

افضل ترین مساجد تین ہیں۔ مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ۔

ان تینوں میں افضل مسجد جمہور علماء کے ہاں ماسوا امام مالک، مسجد حرام ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مسجد نبوی ان سب میں افضل ہے، جیسا کہ امام مالک نے دیگر علماء کے برخلاف مسجد نبوی کو مسجد حرام پر افضل قرار دیا ہے۔ احناف فرماتے ہیں کسی علوم کے استاد کی مسجد بالاتفاق افضل ہوگی۔ اور محلے کی مسجد جامع مسجد سے افضل ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے (جن کی وفات سنہ ۶۷۶ ہجری میں ہوئی) مساجد

❶.....متفق علیہ۔ ❷ بروایت ابوداؤد اور ابن ماجہ علامہ نووی نے اس کے بعض طریقوں سندوں کو حسن قرار دیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۴۱۔ ❸ بروایت امام احمد اور ابوداؤد، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں یہ کہا گیا ہے کہ ابن اسحٰق کو اس میں وہم ہو گیا تھا۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۴۲۔ ❹ متفق علیہ. روایت از حضرت عائشۃ رضی اللہ عنہا نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۳۔

کے تینتیس (۳۳) احکامات بیان فرمائے ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

۱.....جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت کے لئے مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے حنابلہ اور شوافع نے بغیر رکے گزرنے کو مباح قرار دیا ہے، ان کے ہاں اس میں کوئی کراہت نہیں خواہ کسی ضرورت کے پیش نظر ایسا ہو یا بلاضرورت ہو، تاہم اولی یہ ہے کہ بلاضرورت اس کو عبور نہ کرے تا کہ حنفیہ اور مالکیہ کے اختلاف سے نکل سکے جیسا کہ میں یہ بات جنبی وغیرہ پر حرام امور کے بیان کے تحت ذکر کر چکا ہوں۔ احناف کے ہاں مسجد کو بلا عذر راستہ بنانا مکروہ تحریمی ہے، مالکیہ فرماتے ہیں کہ مسجد میں سے زیادہ گزرنا مکروہ ہے اگر مسجد راستے سے پہلے بنی ہوئی ہوں اور اگر راستہ پہلے بنا ہو تو اس میں کراہت نہیں۔

۲.....اگر مسجد میں احتلام ہو جائے تو اس سے نکلنا واجب ہے ماسوا اس کے کہ مسجد بند ہو جانے وغیرہ کی وجہ سے باہر نہ نکل سکے یا اس کو اپنی جان یا مال کا خوف ہو۔ چنانچہ اگر وہ باہر نکلنے سے عاجز ہو یا خوف ہو تو اس کے لئے ضرورت کے پیش نظر رک جانے میں کوئی قباحت نہیں مسجد کی مٹی وغیرہ سے تیمّم نہ کرے کہ ایسا کرنا حرام ہے اگر وہ مخالفت کرتے ہوئے تیمم کرے تو وہ درست ہو جائے گا۔ اور اگر وہ جنابت کی حالت میں ہو اور پانی مسجد میں ہو تو اس کے لئے مسجد میں داخل ہونا اور وہاں غسل کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اس طرح وہ مسجد میں حالت جنابت میں آنے کا مرتکب ہو جائے گا۔ اور اگر پانی پینے کے لئے آئے تو بقدر حاجت رکنے کی اجازت ہے اس سے زائد رکنا ممنوع ہے۔

۳.....بے وضو شخص کے لئے مسجد میں بیٹھنا باجماع امت درست ہے، خواہ وہ شرعی غرض کے تحت بیٹھے جیسے اعتکاف قرآن کی سماعت یا کوئی علمی بات سننے کی غرض سے بیٹھے یا بلاغرض بیٹھے۔ اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

۴.....مسجد میں سونا جائز ہے، اس میں شوافع کے نزدیک کوئی کراہت نہیں۔ کیونکہ صحیح بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایسا کیا کرتے تھے، اور اصحاب صفہ (وہ فقراء اور تنگدست صحابہ کی جماعت جو مسجد نبوی میں سایہ دار چبوترے پر رہا کرتے تھے) بھی مسجد میں سویا کرتے تھے اور عرینہ کے لوگ بھی مسجد میں ٹھہرے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، صفوان بن امیر رضی اللہ عنہ مسجد میں سوئے تھے ان کے علاوہ حضرات بھی سویا کرتے تھے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسافروں کے لئے ایسا کرنے میں حرج نہیں، لیکن مقیم شخص کے لئے میں اسے مناسب نہیں سمجھتا ہوں، احناف فرماتے ہیں مسجد میں سونا مسافر اور معتکف کے علاوہ افراد کے لئے ممنوع ہے، امام احمد اور اسحٰق فرماتے ہیں اگر وہ مسافر یا اس کی طرح کا آدمی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر وہ مسجد کو رات کے سونے اور دن کے آرام کی جگہ بنالے تو ایسا کرنا درست نہیں ہوگا۔

مالکیہ فرماتے ہیں ❷ کہ کافر کا مسجد میں بلاضرورت داخل ہونا ممنوع ہے خواہ مسلمان اس کو اس کی اجازت بھی دیدے ماسوا اس کے کہ کوئی ضرورت ہو اور ضرورت میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کام میں اس کی اجرت مسلمان سے کم ہو یا وہ کوئی کام مسلمان سے زیادہ اچھا کرتا ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کافر کے لئے ہر مسجد میں داخل ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں شوافع کے ہاں کافر کے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز ہے ماسوا مسجد حرام اور حرم مکہ کے اور کافر کے لئے مسجد میں رات گزارنا بھی جائز ہے خواہ وہ جنبی ہو۔ تاہم وہ ایسا مسلمانوں کی اجازت سے کرے۔

۵.....مسجد میں وضو کرنا جائز ہے اگر وضو کے پانی سے گندی نہ ہوتا ہم بہتر یہ ہے کہ کسی برتن میں وضو کیا جائے، علامہ ابن منذر فرماتے ہیں ہر وہ شخص جو اہل علم میں سے تھا اس نے مسجد میں وضو کو مباح قرار دیا بشرطیکہ مسجد اس سے گیلی نہ ہو اور لوگوں کو اذیت نہ پہنچے، ایسا کرنا مکروہ

---

(۱) المجموع ج ۲ ص ۱۸۷۔۱۹۲ ج ۴ ص ۳۳، مزید ملاحظہ کریں اعلام الساجد باحکام المساجد از علامہ زرکشی (وفات سنہ ۷۹۴ھ) بطور خاص صفحہ نمبر ۳۰۱ تا ۴۰۷ جہاں انہوں نے مسجد کے ۱۳۷ احکام بیان فرمائے۔ یہ ابوظہبی میں طبع ہوئی ہے۔ القوانین الفقھیہ ص ۹۴، المغنی ج ۲ ص ۲۴۳، الدرالمختار و ردالمحتار ج ۱ ص ۶۱۴۔۶۱۹ کشاف القناع ج ۲ ص ۴۲۴۔۴۳۶۔

❷ حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۷۸۔

ہے۔امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وضو کرنا مکروہ ہے مسجد کو صاف ستھرا رکھنے کی خاطر تاہم احناف نے اس جگہ وضو کرنے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو وضو کے لئے تیار کی گئی ہو۔

۶..... مسجد میں کھانے پینے اور دسترخوان بچھانے میں کوئی حرج نہیں، اور اس میں (ہاتھ دھونے کے برتن میں) ہاتھ دھونے میں کوئی حرج نہیں ہے، احناف فرماتے ہیں ایسی چیز کا کھانا جس میں ناگوار بو نہ ہو مکروہ تنزیہی ہے۔ مالکیہ فرماتے ہیں مسافروں کے لئے مسجد میں کھانا جائز ہے بشرطیکہ مسجد گندی نہ ہو۔ اسی طرح حنابلہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ مسجد میں کھانا اس شرط کے ساتھ مباح ہے کہ مسجد کو کھانے والے گندہ نہ کریں۔

۷..... لہسن، پیاز اور کراث (لہسن اور پیاز کی طرح کی ایک بدبودار سبزی) اور ان جیسی دیگر وہ چیزیں جس میں ناگوار بو ہوتی ہے۔

اور کھانے کے بعد ان کی مہک باقی رہتی ہے ایسی چیزیں کھا کر مسجد میں بلاضرورت جانا مکروہ ہے۔ دلیل اس کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس پودے یعنی لہسن کو کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے یا یہ فرمایا، ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے ❶ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کہ جو شخص اس پودے کو کھائے وہ ہمارے پاس نہ آئے اور ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے ❷ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ حدیث جو شخص لہسن یا پیاز کھالے وہ ہم سے دور رہے یا یہ فرمایا ہماری مساجد سے دور رہے۔ ❸

احناف فرماتے ہیں ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، مالکیہ فرماتے ہیں یہ حرام ہے۔

۸..... مسجد میں تھوک پھینکنا مکروہ ہے کیونکہ بخاری ومسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں تھوک پھینکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ تھوک کو دفن کر دیا جائے۔

۹..... مسجد میں پیشاب کرنا، فصد کھلوانا، یا پچھنے لگوانا حرام ہے اگر کسی برتن میں نہ ہو۔ اور کسی برتن میں کروانا مکروہ ہے حرام نہیں، احناف فرماتے ہیں مسجد میں پیشاب، پاخانہ اور ہم بستری کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ وہ آسمان تک مسجد ہی شمار ہوتی ہے اور مسجد میں نجاست کا لانا ممنوع ہے لہٰذا ناپاک تیل سے روشنی کے چراغ جلانا مکروہ ہے اور اس کو ناپاک چیز سے لیپنا اور اس میں فصد کھلوانا مکروہ ہے۔

شوافع فرماتے ہیں مسجد میں نجاست لانا حرام ہے۔ اور وہ شخص جس کے بدن پر نجاست ہو یا زخم ہو تو اگر وہ مسجد کے گندہ ہونے کا خطرہ محسوس کرے تو اس کے لئے مسجد میں داخل ہونا حرام ہے اور اگر مسجد کے گندہ ہونے کا خطرہ نہ ہو تو حرام نہیں۔ مسجد کی تعمیر اور چونے اور گچ کا کام ناپاک چیز سے کرنا درست نہیں۔ احناف کے ہاں یہ مکروہ تحریمی ہے اور مسجد میں ناپاک تیل اور ناپاک چربی سے روشنی کرنا مکروہ ہے۔

ان چیزوں کے حرام ہونے کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو امام مسلم نے نقل کی ہے کہ یہ مساجد ان چیزوں پیشاب اور گندگی وغیرہ کے لئے ٹھیک نہیں ہیں، یہ تو اللہ کے ذکر اور قرآن کی تلاوت کے لئے ہیں۔

۱۰..... مسجد میں درخت لگانا مکروہ ہے اسی طرح کنواں کھدوانا مکروہ ہے، کیونکہ یہ دوسرے کے مال میں تعمیر اور بنانے کے مترادف عمل ہے اور امام وقت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ مسجد میں بوئے ہوئے تمام درختوں کو اکھاڑ لے احناف فرماتے ہیں مسجد میں درخت بونا مکروہ ہے ہاں اگر کسی فائدے کے لئے جیسے مثلاً سیم وتھور والی زمین میں سیم کم کرنے کے لئے درخت لگانا۔

---

❶..... بروایت بخاری ومسلم۔ مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں مساجدنا (ہماری مساجد) ❷ بروایت بخاری ومسلم۔ ❸ اور مسلم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ان مذکورہ چیز کے معنی میں ایک حدیث روایت کی ہے یہ بات پیش نظر رہے کہ مسجد میں ہوا کا خارج کرنا مکروہ نہیں ہے تاہم اس سے اجتناب بہتر ہے کیونکہ مسلم شریف کی حضرت جابر سے روایت جو پیچھے گزری کہ جو پیاز، لہسن اور کراث کھائے ہماری مسجد میں نہ آئے کیونکہ ملائکہ کو اس سے تکلیف ہوتی جس سے بنی آدم کو تکلیف ہوتی ہے کراث: خاص قسم کی سبزی ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۵۴۔

۱۱...... مسجد میں لڑنا، آواز بلند کرنا، گم شدہ چیز کا اعلان کرنا خرید وفروخت اجارہ وغیرہ اور دیگر عقد وغیرہ کرنا مکروہ ہے۔ دلیل اس کی حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ حدیث ہے جو امام مسلم امام احمد اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے کہ جو شخص کسی آدمی کو گم شدہ چیز مسجد میں اعلان کرتا دیکھے تو وہ کہے: اللہ تمہاری چیز تم تک نہ لوٹائے کیونکہ مساجد اس لئے نہیں بنی ہیں اور ترمذی کی روایت میں ہے جب تم کسی کو مسجد میں بیچتا یا خریدتا دیکھو تو کہہ دو اللہ تمہاری تجارت سودمند نہ بنائے اور جب تم کسی کو اپنی گم شدہ چیز کا اعلان کرتے دیکھو تو کہہ دو: اللہ تم کو یہ چیز واپس نہ لوٹائے۔❶

اسی طرح حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں خرید وفروخت مکروہ ہے اور حنابلہ کے ہاں حرام ہے اور اگر ہو جائے تو باطل ہو گی۔ اور نمازیوں کے لئے اگر ذکر با آواز بلند کرنا باعث تشویش وا لجھن ہو تو حنابلہ احناف کے ہاں ایسا کرنا مکروہ ہے تاہم حنابلہ کے ہاں فقہ حاصل کرنے والے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی طرح ان کے ہاں غیر مباح کلام مکروہ ہے اور مباح کلام اگر نمازیوں کے لئے باعث تشویش نہ ہو تو مکروہ نہیں مالکیہ فرماتے ہیں مسجد میں آواز بلند کرنا مطلقاً ممنوع ہے خواہ ذکر کے لئے ہو یا علم کے لئے ہو۔

امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے دادا سے بواسطہ اپنے والد یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں خرید وفروخت سے اور مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنے سے اور مسجد میں شعر گنگنانے سے منع فرمایا ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

شوافع کے ہاں سائل کو مسجد میں کچھ دینے میں حرج نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے کیا تم میں سے کسی نے آج کسی مسکین کو کھانا کھلایا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے: میں مسجد میں جب داخل ہوا تو میں نے ایک سائل کو مانگتے دیکھا میں نے عبدالرحمٰن (بیٹے) کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا دیکھا تو میں نے اس سے لے کر اس فقیر کو وہ دے دیا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد میں مانگنے کو مکروہ گردانا ہے اسی طرح مالکیہ اور حنابلہ نے بھی اس کو مکروہ قرار دیا ہے تاہم دینا جائز ہے حنیفہ فرماتے ہیں مسجد میں مانگنا حرام ہے اور سائل کو کچھ دینا مکروہ ہے۔

۱۲...... جانوروں اور پاگلوں کو مسجد میں لانا مکروہ ہے، اور ان بچوں کو بھی جو مسجد کی تمیز نہ کر سکیں کیونکہ ان لوگوں سے مسجد کا گندہ ہونا محفوظ و مامون نہیں تاہم ان کو لانا حرام نہیں ہے کیونکہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامہ بنت زینب (نواسی) کو گود میں اٹھائے ہوئے نماز پڑھی اور اپنے اونٹ پر طواف فرمایا۔ تاہم یہ کراہت کی نفی نہیں کرتا کیونکہ بیان جواز کے لئے آپ کا عمل تھا۔ اس طرح وہ آپ کے حق میں افضل ہوا کیونکہ بیان کرنا آپ پر لازم تھا۔ یہ حکم حنابلہ کے ہاں بھی ہے، تاہم وہ پاگلوں کو مسجد میں کسی ضرورت کے تحت لانے کی اجازت دیتے ہیں مالکیہ اور حنیفہ بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں لانے سے منع کرتے ہیں اور یہ کرنا مکروہ ہے۔ عورتوں کے لئے مسجدوں میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے اگر فساد اور فتنے کا خوف نہ ہو اور نوجوان لڑکی کا مسجد جانا مکروہ ہے۔

۱۳...... مسجد کو کسی پیشے وغیرہ کا مرکز یا بیٹھک بنانا مکروہ ہے جیسے درزی وغیرہ کا پیشہ، دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جو نویں مسئلے کے ذیل میں گزری لیکن وہ شخص جو علم کی بات لکھ رہا ہو یا اتفاقاً اس میں بیٹھ کر سینے لگا ہو اس کو باقاعدہ سلائی کے لئے نشت گاہ نہ بنائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۴...... مسجد میں گدی کے بل لیٹنا، ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھنا اور ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پھنسانا وغیرہ سب امور جائز ہیں بخاری اور مسلم میں وارد حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام امور انجام دیے ہیں۔

۱۵...... مسجد میں علمی مجالس منعقد کرنا مستحب ہے، اس طرح مواعظ اور ترغیبی باتیں بیان کرنا بھی مستحب ہے۔ صحیح احادیث اس بارے میں بہت سی وارد ہوئی ہیں جو مشہور بھی ہیں۔

---

❶ ...... ابوداؤد نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

مسجد میں مباح گفتگو کرنا جائز ہے، اور دنیاوی مباح معاملات پر بھی گفتگو جائز ہے خواہ اس میں ہنسی بھی آ جائے یہ جب تک جائز ہے جب تک یہ مباح ہو دلیل اس کی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے بعد اپنی جاء نماز سے اس وقت تک نہیں اٹھتے تھے جب تک سورج نہ نکل آتا جب سورج نکل آتا تو آپ اٹھ جاتے وہ فرماتے ہیں کہ لوگ بات چیت کرتے رہتے اور زمانہ جاہلیت کی باتیں شروع کرتے اور ان باتوں پر ہنسا کرتے اور آپ بھی ان پر تبسم فرماتے تھے۔ ❶

۱۶..... مسجد میں شعر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اگر وہ نعتیں ہو یا اسلام کی تعریف میں ہو یا حکمت کی باتوں والا ہو یا مکارم اخلاق سے تعلق رکھتا ہو یا زہد وتقویٰ سے متعلق ہو یا اسی طرح دیگر اچھی اور بھلائی کی باتوں پر مشتمل ہو۔ اس کی دلیل حضرت سعید بن المسیب کی نقل کردہ روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا اور حضرت حسان شعر پڑھ رہے تھے حضرت عمران کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ بولے میں شعر اس وقت پڑھتا تھا جب اس مسجد میں وہ موجود تھے جو آپ سے بہتر تھے پھر وہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے میں تمہیں قسم دیتا ہوں تم بتاؤ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا: میری طرف سے جواب دو، اے اللہ اس کی مدد کر روح القدس کے ذریعے، حضرت ابو ہریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں ❷ ہاں وہ شعر جن میں بری باتیں ہوں جیسے مسلمان کی برائی شراب کی تعریف عورتوں یا بے ریش لڑکوں کا بیان ظالم کی تعریف وتوصیف ہو یا ممنوع چیز پر فخر کرنا وغیرہ ناجائز امور ہوں تو شعر پڑھنا حرام ہوگا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی رو سے جو مسئلہ نمبر نو کے تحت بیان ہوئی اور دوسری اس حدیث کی رو سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ تفصیل تمام دوسرے مذاہب کے ہاں بھی ہے۔

۱۷..... مسجد میں جھاڑو دینا اور صفائی کرنا مسنون ہے۔ اسی طرح اس میں موجود ریت اور تھوک وغیرہ صاف کرنا بھی مسنون ہے بخاری ومسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں تھوک پڑا ہوا دیکھا آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کو مسل دیا ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت کے اجر پیش کیے گئے حتیٰ کہ وہ تنکا بھی جو نمازی مسجد سے نکالتا ہے۔

۱۸..... بڑی ناپسندیدہ بدعتوں میں سے یہ بدعت ہے کہ مخصوص اور مقدس راتوں میں بہت سارے چراغ بلب، فانوس اور روشنیاں جلائی جائیں جیسے شب برأت میں وغیرہ اس میں مجوسیوں سے مشابہت ہے آگ وغیرہ کا اہتمام کرنے میں اور مال کا ضیاع بھی ہے۔

۱۹..... مسجد میں اسلحہ لے کر داخل ہونے والے شخص کے لئے یہ مسنون ہے کہ وہ اسلحے کی دھار سے اس کو پکڑے جیسے تیر کی نوک نیزے کی انی وغیرہ کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص مسجد میں تیر لے کر گزرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی نوک کی طرف سے اس کو پکڑو۔ ❸

۲۰..... سفر سے واپس لوٹ کر آنے والے کے لئے یہ مسنون ہے کہ وہ پہلے مسجد جائے اور دو رکعت ادا کرے۔ کیونکہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد جاتے اور وہاں دو رکعات ادا فرماتے۔ ❹

۲۱..... مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے یا علم میں مشغول شخص یا کسی اور نیک یا مباح کام میں مشغول شخص کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ اعتکاف کی۔ ❺

---

❶..... بروایت امام مسلم۔ ❷ بروایت امام بخاری وامام مسلم۔ ❸ یہ حدیث حسن ہے نسائی نے اس کو حسن سند کے ساتھ عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے دادا سے بواسطہ والد روایت کیا ہے۔ ❹ بروایت بخاری ومسلم ان حضرات نے اسی معنی میں ایک حدیث حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔ ❺ بروایت امام بخاری ومسلم۔

نیت کرلے، کیونکہ اس طرح اعتکاف خواہ قلیل عرصے کے لئے ہی ہو درست ہو جاتا ہے۔

۲۲.....نماز کے اوقات کے علاوہ مسجد بند کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس کی دیکھ بھال اور حفاظت کے پیش نظر۔ اور اگر اس کے کھولے رکھنے میں فساد کا خوف نہ ہو اور نہ اس کی بے حرمتی کا اندیشہ ہو اور لوگوں کے لئے اس کے کھلنے میں آسانی اور راحت ہو تو اس کا کھولے رکھنا مسنون ہے۔ جیسے کہ مسجد نبوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور آپ کے بعد بھی بند نہیں ہوا کرتی تھی۔

۲۳.....مسجد میں داخل ہونے والے شخص کے لئے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے بغیر بیٹھنا مکروہ ہے۔

۲۴.....قاضی کو چاہئے کہ وہ مسجد کو فیصلوں کی جگہ (عدالت کچہری وغیرہ) نہ بنائے ہاں سوائے ان معاملات کے جو فی الفور وہیں واقع ہوں تو ان میں وہیں فیصلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۵.....قبر کے اوپر مسجد کا بنانا مکروہ ہے کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ یہودیوں کو ہلاک کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا❶ اور قبر کا مسجد میں کھودنا تو یہ نہایت درجہ حرام چیز ہے۔

شوافع حنیفہ، اور حنابلہ کے ہاں مسجد کی دیواروں اور چھتوں پر کتابت کرنا ممنوع ہے، مالکیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں قبلہ کی طرف کتابت ممنوع ہے تا کہ نمازی کا دھیان نہ بٹے۔ بسا اوقات ان آیات کے پڑھنے میں لگ جانے سے توجہ بٹ جاتی ہے۔ اسی طرح مسجد میں نقش ونگار بنانا اور ایسے امور انجام دینا جو نمازی کی توجہ بانٹنے کا سبب بنیں مکروہ ہیں۔

۲۶.....مسجد کی دیوار اندر اور باہر سے دیکھ بھال اور تعظیم کی لحاظ سے واجب کا درجہ رکھتی ہے اسی طرح چھت بھی، اور وہ کنواں بھی جو مسجد میں ہو اس طرح اس کا صحن بھی (یہ سب دیکھ بھال اور تعظیم کے قابل ہیں) امام شافعی اور ان کے اصحاب نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اعتکاف مسجد کے صحن اور چھت پر درست ہے اور مسجد کے ہال کے اندر موجود شخص کی اقتداء میں مسجد کے صحن میں نماز پڑھنے والے کی نماز درست ہو جاتی ہے۔ مسجد کی چھت بقیہ مذاہب میں بھی مسجد کی طرح شمار کی جاتی ہے (یعنی بقیہ ائمہ کے ہاں بھی)

۲۷.....مسجد میں داخل ہونے والے کے لئے مسنون ہے کہ وہ اپنے جوتے دیکھے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ان پر لگی ہوئی گندگی وغیرہ دور کرے کیونکہ حدیث میں ہے جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو وہ دیکھ لے اگر اس کے جوتے چپل میں گندگی یا غلاظت لگی ہوئی ہو تو وہ اس کو پونچھ لے اور ان میں نماز پڑھ لے۔❷

۲۸.....اذان کے بعد مسجد سے نماز پڑھے بغیر بلا عذر نکلنا مکروہ ہے کیونکہ روایت میں ہے ابوالشعثاء فرماتے ہیں ہم حضرت ابو ہریرہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مؤذن نے اذان دیدی مسجد میں سے ایک شخص اٹھ کر جانے لگا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے نگاہ گھمائی، وہ آدمی مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بولے: اس آدمی نے تو ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔❸

۲۹.....مسجد میں داخل ہوتے وقت اعوذ باللہ العظیم وبوجہ الکریم وسلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم باسم اللہ والحمدللہ، اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل محمد وسلم، اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك کہنا مستحب ہے۔ جب مسجد سے نکلے تو یہ الفاظ دوبارہ کہے اور آخر میں کہے اللھم افتح لی ابواب فضلك❹

---

❶..... بروایت امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، اور ترمذی از حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ۔ ❷ بروایت ابوداؤد باسناد صحیح یہ حدیث حسن ہے۔ ❸ بروایت امام مسلم۔ ❹ یہ اذکار بعض تو صحیح مسلم میں ہیں اور اکثر ان میں سے ابوداؤد میں ہیں اور نسائی میں اگر یہ تمام الفاظ پڑھنا طویل ہوں تو صرف اس پر اکتفا کر لینا کافی ہے جو صحیح مسلم میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ کہے اللھم افتح لی ابواب رحمتک اور جب نکلے تو کہے اللھم انی اسئالک من فضلک۔

داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے اندر رکھے اور بایاں پاؤں بعد میں رکھے، اور نکلتے وقت بایاں پاؤں پہلے نکالے۔

۳۰..... مسجد کی کوئی چیز لینا جائز نہیں ہے، جیسے پتھر، کنکر اور مٹی وغیرہ کیونکہ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ بلاشبہ کنکری اس کو خدا کے واسطے دیتی ہے جو اس کو مسجد سے نکالتا ہے۔❶

۳۱..... مسجد کا بنانا اس کی تعمیر کرنا اور اس کی دیکھ بھال اور اس کی بوسیدہ چیزوں کی اصلاح مسنون ہے، کیونکہ حدیث میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے ایک مسجد بناتا ہے اللہ اس کے لئے اسی طرح جنت میں گھر بناتا ہے❷ حنابلہ فرماتے ہیں مسجدیں شہروں گاؤں اور محلوں میں حسب ضرورت وحاجت بنانا واجب ہے یہ فرض کفایہ ہے، مسجد کی تعمیر اور اس کی عمارت کی دیکھ بھال مستحب ہے اور یہ مسنون ہے کہ مسجد کو میل کچیل، رینٹ، ناخن تراشنے، بال کاٹنے اور اکھاڑنے وغیرہ سے اور ناگوار بو مثلاً لہسن، پیاز اور کراث وغیرہ کی بو سے محفوظ رکھا جائے اور مسجد کا ان چیزوں سے بچاؤ کیا جائے مسجد کی تعمیر ایسی جگہ کرنا جو کنیسہ یا بیعہ (یہودیوں کا معبد) یا قبرستان وغیرہ جو بے آباد اور ویران ہو چکا ہو درست ہے اگر اس کی مٹی وغیرہ ٹھیک کر لی جائے کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن ابو العاص کی نقل کردہ حدیث اس بات کی طرف مشیر ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ اہل طائف کی مسجد وہاں بنائیں جہاں ان کے بت خانے تھے❸ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بعض مشرکین کی قبریں تھیں جن کو اکھاڑ دیا گیا تھا۔❹

مسجد کو سرخ اور پیلے رنگ سے منقش ومزین کرنا مکروہ ہے تاکہ نمازی کا دل پریشان نہ ہو۔ اور اس لئے بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک لوگ مسجد (کی تعمیرات وغیرہ) میں ایک دوسرے سے فخر ومباہات نہ کرنے لگیں❺ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے مجھے بلند وبالا مسجدیں بنانے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں تم لوگ ان کی بھی ایسی ہی آرائش وزیبائش کرو گے جیسے یہود ونصاری نے آرائش وزیبائش کی تھی❻ یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مساجد کا بلند وبالا اور زائد از ضرورت عمدہ تعمیر والا بنانا بدعت ہے اور کراہت کا یہ حکم مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں ہے، لیکن احناف نے حلال مال کے ذریعے مسجد میں نقش ونگار کی اجازت دی ہے ماسوا اس کی محراب کے کہ اس میں یہ کرنا اس لئے مکروہ ہے کہ نمازی کا دھیان بٹتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں اجازت منقول ہے۔ ابوطالب مکی سے منقول ہے کہ محراب کی آرائش میں بھی کوئی کراہت نہیں ہے۔

۳۲..... مسجد کی فضیلت میں بکثرت احادیث وارد ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ جگہیں مساجد اور سب سے ناپسند جگہیں بازار ہیں۔❼

۲۔ دوسری بحث..... حمام کے عام احکامات

شوافع اور حنابلہ نے حمام کے احکام اور اس میں جانے کے آداب ذکر کئے ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔❽

---

❶..... بروایت ابوداؤد بسند صحیح از حضرت ابو ہریرہ۔❷ بروایت بخاری ومسلم امام احمد از حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۴۷۔❸ بروایت ابوداؤد بہ سند جید ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۴۵۔❹ بروایت بخاری ومسلم۔❺ ماسوا امام ترمذی کے اصحاب سنن وامام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔❻ یہ روایت ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کی ہے تشید کی معنی ہیں بلند وبالا تعمیرات کرنا حضرت ابن عباس کے اسی قول میں ایک نوعیت کی تنبیہ اور ڈانٹ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرامین کی ایک وضاحت وہ تفصیل تھی جو کتب حدیث میں ملتے ہیں (بتلخیص) نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۵۰۔❼ امام مسلم نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے اور امام احمد اور حاکم نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے۔❽ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۴۲، المغنی ج ۱ ص ۲۳۰۔ ۲۳۳ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۸۱۔ ۱۸۳ الفتاویٰ الهندیہ ج ۵ ص ۳۷۳۔

۱.....سب سے بہتر حمام وہ ہے جو بلند ہو میٹھے پانی کا ہو معتدل حرارت والا ہو معتدل کمروں والا ہو اور پرانا بنا ہوا ہو۔

۲.....حمام کا بنانا اور اس کا خریدنا اور بیچنا اور کرائے پر دینا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مکروہ ہے کیونکہ اس میں شرمگاہوں کے پردے میں بے احتیاطی ہوتی ہے اور ان بے پردہ جگہوں پر نظریں پڑتی ہیں اور خواتین کا ان میں آنا جانا ہوتا ہے۔امام احمد فرماتے ہیں جو شخص خواتین کے لئے حمام بناتا ہے وہ شرعاً عادل شمار نہیں ہوگا (یعنی اس کی گواہی وغیرہ ناقابل قبول ہوگی) بعض حضرات نے اس کو اس پر محمول کیا ہے کہ جب یہ ان ملکوں میں ہو جو ٹھنڈے نہیں ہوتے ہیں۔حمام اور نائی کی کمائی حنابلہ کے ہاں مکروہ ہے۔

۳.....حمام میں داخل ہونا مردوں کے لئے حمام میں داخل ہونا مباح ہے ان پر لازم ہے کہ وہ ایسی چیزوں سے نظریں بچا کر رکھیں جن پر نظر کرنا یا دیکھنا ان کے لئے حرام ہو اسی طرح ان کے لئے اپنے ستر کو ایسے افراد کے سامنے کھولنا جن کے سامنے ستر کھولنا ناجائز ہو درست نہیں ہے اس سے بچنا ضروری ہے یا نہانے کے علاوہ ستر کھولنا جائز نہیں۔کیونکہ روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ جحفہ کے مقام پر ایک حمام میں گئے تھے،اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے جیسا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ حمام میں ایک مرتبہ تشریف لے گئے تھے۔

اگر یہ خوف ہو کہ ستر پر نظر پڑنے سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکے گا اور لوگوں کی نظروں سے بھی اپنے ستر کی حفاظت نہیں کر سکے گا تو اس کے لئے حمام میں جانا مکروہ ہے۔کیونکہ اس صورت میں ممنوع چیز میں گرفتار ہوئے بغیر اس کا بچ نکلنا ممکن نہیں ہے۔کیونکہ ستر کا کھولنا اور دیکھنا حرام ہے۔دلیل حضرت بہز بن حکیم کی روایت کردہ حدیث ہے جو غسل کی بحث کے شروع میں گزری کہ اپنے ستر کی حفاظت کرو ہر کسی سے سوائے بیوی اور زیر ملکیت باندیوں کے ❶ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مرد دوسرے مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے نہ عورت دوسری عورت کے ستر کی طرف دیکھے،اور دوسری جگہ فرمایا ننگے ہو کر مت چلو پھرو ❷ اور فرمایا ران ستر میں داخل ہے ❸ عام حمام میں بغیر تہ بند کے داخل ہونا حرام ہے،کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے مردوں میں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ حمام میں بغیر تہ بند کے نہ داخل ہو اور میری امت کی عورتوں میں سے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہے وہ حمام میں داخل نہ ہو۔❹

دوسری حدیث میں ہے مردوں پر حرام ہے کہ وہ حمام میں بغیر تہ بند کے داخل ہوں ❺ یہ بھی مروی ہے جب کوئی شخص حمام میں ننگا داخل ہوتا ہے تو اس کے دونوں فرشتے اس کو لعنت کرتے ہیں ❻ عورتوں کے لئے حمام میں داخل ہونا مکروہ ہے ماسوا اس کے کہ ان کو کوئی عذر لاحق ہو جیسے حیض نفاس،یا کوئی مرض یا غسل کی حاجت ہو اور عورت کے لئے گھر میں نہانا ممکن نہ ہو کیونکہ روایت میں ہے کوئی عورت اپنے کپڑے اپنے گھر کے علاوہ کہیں اور نہیں اتارتی مگر وہ اپنے اور اللہ کے درمیان پردہ چاک کر دیتی ہے۔❼

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تم پر سرزمین عجم فتح کی جائے گی اور تم ان میں ایسے گھر دیکھو گے جنہیں حمام کہا جاتا ہے،تو مرد اس میں بغیر تہ بند کے نہ جائیں اور عورتوں کو ان میں جانے سے منع کرو سوائے مریضہ کے یا نفاس والی عورت کے۔❽ وجہ اس کی یہ ہے کہ عورتوں کا معاملہ زیادہ پردے کا ہوتا ہے،اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے نکلنے اور جمع ہونے میں فتنے اور شر کا زیادہ امکان ہے ❾ اور عورت کے

---

❶..... بروایت امام احمد وسنن اربعہ۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۲۔ ❷ بروایت امام مسلم،ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی ران ننگی نہ کرنا اور کسی زندہ یا مردہ کی ننگی ران کبھی نہ دیکھنا۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۲۔ ❸ بروایت امام ترمذی اور امام احمد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۲۔ ❹ بروایت امام احمد از حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔ ❺ بروایت امام نسائی، حاکم از حضرت جابر۔ ❻ یہ روایت قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس آیت ﴿كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ سورۃ الانفطار آیت نمبر ۱۱۔ ۱۲۔ کی تفسیر میں ذکر کی ہے۔ ❼ ترمذی نے یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کر کے اس کو حسن قرار دیا ہے۔ ❽ بروایت ابوداؤد وغیرہ از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ ❾ بعض شوافع فرماتے ہیں کہ ہیجڑے بھی عورتوں کے حکم میں ہوں گے جیسا کہ اصول سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

لئے اپنے گھر کے حمام میں نہانا جائز ہے جہاں اس کے ستر کو ایسا کوئی نہ دیکھے جس کے لئے اس کا دیکھنا حرام ہے۔

۴.....لوگوں کے درمیان ننگا ہو کر نہانا حرام ہے، جو شخص لوگوں میں ننگا ہو کر نہائے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ لوگوں کے سامنے شرمگاہ کھولنا حرام ہے جیسا کہ یہ پہلے گزر چکا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ حیا والا اور پوشیدہ ہے حیاء اور پوشیدگی کو پسند فرماتا ہے، سو جب تم میں سے کوئی نہائے تو وہ چھپ کر نہائے ❶ ہاں اگر وہ شخص تنہائی میں نہائے تو ننگا ہو کر نہانا جائز ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے برہنہ ہو کر غسل فرمایا تھا ❷ اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام نے برھنہ ہو کر غسل فرمایا تھا ❸ اور اگر کوئی دوسرا شخص کپڑے سے اس کے لئے پردہ کردے تو یہ جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے سے پردہ کر کے نہاتے تھے اور تنہائی میں بھی پردہ کر لینا بہتر ہے جیسا کہ گذشتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے زیادہ اس کا حق دار ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔

پانی میں پیرا کی بغیر ستر چھپائے نہ کرے، کیونکہ پانی پردے کا کام نہیں کر سکتا ہے، تو اس میں ننگے نہانے والے کا بدن نظر آ جائے گا۔

۵.....غسل اور وضو حمام کی پانی سے جائز ہے کیونکہ وہ پاک پانی ہوتا ہے اور اگر وہ حوض سے نکل کر بہہ کر آتا ہو تو وہ بمنزلہ بہتے پانی کے ہوتا ہے یعنی وہ پانی جو بہہ کر نکل جائے کیونکہ بعد میں آنے والا پانی تو حوض میں ٹھہر جاتا ہے۔

۶.....پردہ اختیار کئے ہوئے شخص کے لئے حمام میں ذکر میں مشغول رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ کا ذکر ہر جگہ اچھا ہے جب تک کہ اس جگہ کے بارے میں ممانعت نہ وارد ہو۔ روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ حمام میں تشریف لے گئے، اور اندر جا کر کہا لا الـہ الا اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ ہمیشہ اللہ کو یاد کرتے تھے۔

حمام میں قرآن کریم کی تلاوت امام مالک اور نخعی کے ہاں مکروہ نہیں جیسے ذکر اللہ مکروہ نہیں ہے، امام احمد نے اس کو حمام میں ناپسند کیا ہے خواہ نیچی آواز میں ہی کیوں نہ پڑے۔ کیونکہ حمام ننگے ہونے کی جگہ ہے اور اس میں وہ کچھ کیا جاتا ہے جو دوسری جگہ اچھا نہیں ہوتا، لہذا قرآن کو وہاں سے بچایا جائے گا جیسے وہاں سلام کرنا مکروہ ہے۔ بعض حنابلہ نے اس کو مباح قرار دیا ہے کیونکہ اصل اشیاء میں ان کا مباح ہونا ہے۔

۷۔حمام کے آداب.....حمام لینے والا شخص زائد از حاجت وعادت پانی استعمال نہ کرے اور حاجت سے زیادہ دیر تک نہ رہے۔ اور حمام کے آداب میں سے یہ ہے کہ مقصود اس میں جانے سے صفائی ستھرائی ہو عیش وعشرت نہ ہو۔ اور داخل ہونے سے پہلے اجرت دے دے، بسم اللہ پڑھ کر داخل ہو پھر تعوذ پڑھے جیسے بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت پڑھتے ہیں۔ داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں رکھے اور نکلتے وقت دایاں پاؤں نکالے۔

حمام کی حرارت کے موقع پر جہنم کی حرارت کو ذہن میں رکھے، اور اگر وہاں کوئی ننگا آدمی ہو تو وہ شخص خود داخل نہ ہو۔ اور گرم کمرے میں جانے میں جلدی نہ کرے جب تک کہ پہلے کمرے میں اس کو پسینہ نہ آ جائے کیونکہ طبی نقطہ نگاہ سے ایسا کرنا بہتر ہے۔ زیادہ بات چیت نہ کرے، اور داخل ہوتے وقت فارغ ہونے کا یا خلوت کا انتظار کرے اگر اس پر قدرت ہو اور دائیں بائیں کم سے کم دیکھے کیونکہ یہ شیاطین کی جگہ ہے تو یہ استغفار کرے اور نکلنے کے بعد دو رکعت پڑھے، کیونکہ لوگ کہا کرتے تھے حمام کا دن گناہوں کا دن ہوتا ہے۔

شوافع غروب سے تھوڑا پہلے اور مغرب وعشاء کے درمیان حمام میں داخل ہونے کو مکروہ کہتے ہیں، کیونکہ یہ شیاطین کی منتشر ہونے کا وقت ہوتا ہے، حنابلہ فرماتے ہیں مکروہ نہیں ہے، کیونکہ خاص ممانعت اس بارے میں کوئی وارد نہیں ہوئی ہے۔ اور دوسرے کے ملنے میں کوئی حرج نہیں سوائے ستر کی جگہ کے اور اس جگہ کے جس کے ملنے سے شہوت کا امکان ہو۔

روزے دار کے لئے حمام لینا مکروہ ہے کیونکہ غسل سے جسم کمزور پڑتا ہے، دوسری بات یہ کہ یہ انداز عیش وعشرت ہے جو روزے کے

---

❶ بروایت ابوداؤد از حضرت یعلی بن امیہ۔ ❷ بروایت امام بخاری۔ ❸ جیسا کہ المغنی کے مصنف علامہ ابن قدامہ المقدسی نے ذکر کیا ہے۔

مناسب نہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی پانی اس کے پیٹ میں بھی چلا جاتا ہے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔حمام سے نکل کر ٹھنڈے پانی سے پاؤں دھو لینے چاہئیں۔اور وہاں سے نکل کر ٹھنڈا پانی پینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ طبی لحاظ سے بہتر ہے اسی طرح دوسرے شخص کو عافاک اللہ (اللہ تمہیں سلامتی میں رکھے) کہنے میں کوئی حرج نہیں اور مساج کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

چھٹی فصل......تیمّم کا بیان

اس فصل میں تیمّم کی تعریف، اس کی مشروعیت، کیفیت اسباب، فرائض، طریقہ شرائط، سنتوں، مکروہات، نواقض اور اس شخص کے حکم کا بیان ہوگا جس کے پاس دونوں ذرائع طہارت یعنی پانی اور مٹی موجود نہ رہیں (یعنی فاقد الطہورین کا حکم)

۱۔ **پہلی بحث: تیمّم کی تعریف، مشروعیت اور کیفیت یا صفت**......تیمّم لغت میں ارادے کو کہتے ہیں اسی معنی میں اللہ کا یہ فرمان ہے:

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ ......سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۶۷

اور مت ارادہ کرو گندی چیز کا کہ اس میں سے تم خرچ کرو۔

اور شرعاً فقہاء نے اس کی باہم قریب قریب الفاظ سے تعریف فرمائی ہے، احناف فرماتے ہیں❶ تیمّم چہرے اور دونوں ہاتھوں پر پاک مٹی پھیرنے کا نام ہے اور ارادہ اس کے لئے شرط ہے، کیونکہ تیمّم خود نیت کے معنی میں ہے تو گویا تیمّم نام ہے پاک مٹی کے ارادے کا اور اس کو مخصوص طریقے پر استعمال کرنے کا تاکہ قربت کا قیام ہو سکے۔

مالکیہ فرماتے ہیں❷ تیمّم مٹی سے حاصل ہونے والی طہارت کا نام ہے جو نیت کے ساتھ چہرے اور ہاتھ کے مسح کا نام ہے۔

شوافع فرماتے ہیں❸ مٹی کو منہ اور ہاتھوں تک وضو کے بدلے یا غسل کے بدلے یا ان دونوں کے کسی وضو کے بدلے مخصوص شرائط کے ساتھ پہنچانے کا نام ہے حنابلہ فرماتے ہیں❹ یہ نام ہے پاک مٹی سے چہرے اور ہاتھوں کو مخصوص طریقے سے مسح کرنے کا نام ہے۔

مشروعیت تیمّم......تیمّم امت اسلامیہ کی خصوصیات میں سے ہے، یہ غزوہ بنی المصطلق (یا غزوۃ المریسیع) میں مشروع ہوا، چھٹی سنہ ہجری میں یہ مشروع ہوا جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہار کی تلاش میں لوگ بھیجے نماز کا وقت قریب آ گیا لوگوں کے پاس پانی بھی نہیں تھا تو اس موقع پر آیت تیمّم نازل ہوئی جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی واقعہ افک سے برأت کی آیات سورہ نور میں نازل ہوئی تھیں، اس موقع پر حضرت اسید بن حضیر پکار اٹھے تھے کہ اللہ کی آپ پر رحمتیں ہوں اے عائشہ! آپ کے ساتھ جب بھی کوئی ناپسند بات پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے اس میں کشادگی رکھ دیتے ہیں۔

یہ رخصت ہے، حنابلہ اس کو عزیمت قرار دیتے ہیں، اس کی مشروعیت کی دلیل کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع امت تینوں ہیں۔

قرآن کریم کی تو یہ آیت دلیل ہے:

وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ......سورہ مائدہ آیت نمبر ۶

اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی پاخانے سے ہو آئے یا عورتوں سے ہمبستر ہوئے اور تم پانی نہ پاؤ تو ارادہ کرو پاک مٹی کا سو پھیرو اپنے چہرے اور ہاتھوں پر اس مٹی میں سے۔

---

❶......مراقی الفلاح ص ۱۹، فتح القدیر ج ۱ ص ۸۴ اللباب ج ۱ ص ۳۵، البدائع ج ۱ ص ۴۵ حاشیۃ لابن عابدین ج ۱ ص ۲۱۱۔❷ حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۷۹۔❸ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۸۷۔❹ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۸۳

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تیمّم فرض ہے جو پانی سے دھونے۔

کے بدلے میں ہے سنت رسول سے مشروعیت تیمّم پر بہت سے دلائل ہیں ان میں سے ایک روایت امام مسلم نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین پوری کی پوری ہمارے لئے مسجد اور اس کی مٹی پاک کرنے والی قرار دی گئی ہے ❶ اور ایک حدیث یہ ہے مٹی مسلمان کے لئے پاک کرنے والی چیز ہے خواہ دس سال تک ہو اگر وہ پانی نہ پائے یا حالت حدث میں ہو ❷ اور فی الجملہ تیمّم کی مشروعیت پر امت کا اجماع ہے۔

تیمّم کی صفت کیفیت.....یعنی وہ طہارت جس کے بدل کے طور پر تیمّم ہوتا ہے اکثر فقہاء فرماتے ہیں ❸ کہ تیمّم وضو یا غسل جنابت غسل حیض اور غسل نفاس کی طرف سے بدل بن جاتا ہے، تاہم احناف کے علاوہ فقہاء کے ہاں حائضہ عورت کے شوہر کے لئے بیوی سے ہمبستری جب تک جائز نہیں ہے جب تک وہ غسل نہ کرلے، لہٰذا محدث جنبی حائضہ، نفاس والی عورت اور وہ عورت جو خشک بچہ جنے (یعنی خون وغیرہ نہ نکلے) یہ سب نماز اور دیگر عبادتوں کے لئے تیمّم کریں گے، کیونکہ اللہ کے قول **فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا** میں ضمیر خطاب محدث کی طرف اور جنبی کی طرف لوٹ رہی ہے (ان لوگوں کے خیال کے مطابق جو لامستم کے معنی صرف چھونا نہیں بلکہ ہم بستری مراد لیتے ہیں اور جن حضرات کے ہاں اس کے معنی صرف چھونے کے ہیں تو اس صورت میں ضمیر صرف حدث اصغر والے شخص کی طرف لوٹتی ہے اور اس صورت میں جنبی کے لئے تیمّم کی مشروعیت سنت نبوی سے ثابت ہوگی۔ مثلاً حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث وہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، آپ نے نماز پڑھائی نماز کے بعد آپ نے ایک شخص کو اکیلا کھڑا دیکھا آپ نے دریافت کیا کیا بات ہے تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی اس نے کہا میں حالت جنابت میں ہوں اور پانی نہیں ہے، آپ نے فرمایا تم مٹی لے لو وہ تمہارے لئے کافی ہے ❹ یہ حدیث پانی نہ ہونے کے وقت جنبی اور بے وضو کے فرق کے بغیر تیمّم کے مشروع ہونے پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے صعید کہتے ہیں منہ پر چڑھ جانے والی مٹی کو اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے وہ فرماتے ہیں ہم سفر میں نکلے ہم میں سے ایک شخص کو سر پر پتھر لگا اس کے سر پر زخم آیا، پھر اس کو احتلام ہوگیا اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا تمہارے خیال میں مجھے تیمّم کرنے کی اجازت ہے، وہ بولے ہم تو تمہارے لئے تیمّم کرنے کو جائز نہیں سمجھتے، اس شخص نے غسل کرلیا جس سے اس کا انتقال ہوگیا جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا ان لوگوں نے اس کو قتل کردیا اللہ انہیں غارت کرے، جب نہیں جانتے تھے تو پوچھ لیتے، بے شک عاجز شخص کی شفاء تو پوچھ لینے میں ہے، اس شخص کے لئے یہ کافی تھا کہ وہ تیمّم کرتا اور نچوڑتا یا اپنے سر پر پٹی باندھتا، اس پر مسح کرلیتا اور سارے بدن کو دھولیتا ❺ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ضرر کے اندیشے کے پیش نظر تیمّم کرلینا جائز ہے اسی طرح حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ جب انہیں غزوہ ذات السلاسل ❻ میں بھیجا گیا، وہ فرماتے ہیں کہ ایک شدید ٹھنڈی رات میں مجھے احتلام ہوگیا مجھے نہانے سے خطرہ محسوس ہوا، میں نے تیمّم کیا اور اپنے ساتھیوں کو نماز فجر پڑھادی جب ہم

---

❶ امام احمد نے اسی معنی ومفہوم میں دو حدیثیں حضرت ابی امامہ اور عمرو بن شعیب سے بواسطہ ان کے والد اور دادا کے روایت کی ہے۔ نیل الاوطار ج ا ص ۲۵۸۔ ❷ ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے حضرت ابوداؤد رحمہ اللہ سے یہ حدیث روایت کی ہے اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے بزار اور طبرانی نے روایت کی ہے پہلی حدیث کو امام ترمذی نے حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے۔ نصب الراية ج ا ص ۱۴۸۔ ❸ بداية المجتهد ج ا ص ۶۱ القوانين الفقهيه ص ۳۸ البدائع ج ا ص ۵۵ مغني المحتاج ج ا ص ۸۷ المغني ج ا ص ۲۳۷، ۲۵۷، ۲۷۳ كشاف القناع ج ا ص ۱۹۴ المهذب ج ا ص ۳۲، فتح القدير ج ا ص ۸۷ غاية المنتهى ج ا ص ۵۳۔ ❹ متفق عليه. نيل الاوطار ج ا ص ۲۵۶۔ ❺ یہ حدیث امام ابوداؤد، دارقطنی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے، ابن سکن نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ نيل الاوطار ج ا ص ۲۸۷۔ ❻ یہ وادی قری کے پیچھے ایک جگہ ہے یہ غزوہ جمادی الاولی ۸ ہجری میں پیش آیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس پہنچے تو لوگوں نے آپ سے اس کا ذکر کیا آپ نے مجھ سے دریافت کیا تم نے حالت جنابت میں نماز پڑھادی میں نے عرض کیا مجھے یہ فرمان خداوندی یاد آیا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (اور اپنے آپ کو ہلاک مت کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے) تو میں نے تیمم کر لیا اور نماز پڑھادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر مسکرا دیے اور کچھ نہیں فرمایا❶ تو یہ حدیث شدید سردی کی بناء پر تیمم کر لینے کے جواز پر دلالت کرتی ہے،اور اس حالت میں اس شخص پر نماز کا اعادہ بھی ضروری نہیں ہوتا ہے۔یہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے۔

وہ امور جن کے لئے تیمم کیا جاسکتا ہے، ہر وہ کام جس کے لئے طہارت حاصل کی جاتی ہے اس کے لئے تیمم بھی کیا جاسکتا ہے جیسے فرض نماز،نفل نماز،قرآن کریم کا چھونا تلاوت قرآن،سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر، یا مسجد میں ٹھہرنا وغیرہ ان سب میں گزشتہ احادیث کی رو سے تیمم کر لینا درست ہے۔اور دوسری بات یہ ہے کہ تیمم سے وہ تمام چیزیں مباح ہو جاتی ہیں جو پانی کی طہارت سے مباح ہوتی ہیں۔

کون کون سے حدث کے لئے تیمم کیا جاسکتا ہے؟ تیمم حدث اصغر، جنابت، حیض اور نفاس کے لئے بالکل برابری کی بنیاد پر کیا جاسکتا ہے(یعنی بلا کسی افضلیت وتفصیل کے) روایت ہے کہ کچھ لوگ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہم ایسی قوم ہیں جو ریتیلے علاقے میں رہتے ہیں، ہم لوگ مہینہ دو مہینہ پانی نہیں پاتے ہیں، ہم میں جنبی حائضہ اور نفاس والی عورتیں ہوتی ہیں(تو ہم کیا کیا کریں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم زمین کو لازم پکڑ لو(یعنی طہارت اس سے حاصل کرو)۔❷ اسی طرح قرآن کی یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ تیمم تمام ان امور کے لئے ہوسکتا ہے جن کو پانی کی طہارت کے بعد انجام دیا جاسکتا ہے:

وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا

سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶

نوعیت بدل:......احناف فرماتے ہیں❸ تیمم مطلقاً بدل ہے بدل ضروری نہیں ہے(یعنی ضرورت کے ساتھ خاص نہیں ہے) لہٰذا ادا کی جانے والی نماز کے حق میں حدث تیمم کے ذریعے اس وقت تک مرتفع ہو جاتا ہے جب تک پانی نہ ملے دلیل اس کی وہ حدیث ہے تیمم مسلمان کا وضو ہے خواہ دس سال تک کیوں نہ ہو جب تک وہ پانی نہ پائے یا حدث نہ ہو جائے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کو وضو قرار دیا ہے،اور وضو حدث کو زائل کرنے والا ہوتا ہے،اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین میرے لئے مسجد اور پاک کرنے والی بنادی گئی ہے❹ اور طہور پاک کرنے والی چیز کو کہتے ہیں یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حدث تیمم سے زائل ہو جاتا ہے، تاہم اس کے زوال کی تحدید اس طرح کردی گئی کہ پانی کا ملنا اس کی انتہاء قرار دیا گیا لہٰذا اگر پانی مل جائے تو حدث لوٹ آئے گا اور اس اصول پہ یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ تیمم وقت کے داخل ہونے سے پہلے درست قرار پائے اور تیمم کرنے والے کے لئے یہ جائز ہے، وہ پانی ملنے تک یا دوبارہ۔

حدث لاحق ہونے تک جتنی چاہے فرائض اور نوافل ادا کرے،اور اگر نفل کے لیے تیمم کرے تو اس تیمم سے اس کے لئے نفل اور فرض دونوں کے ادا کرنے کی اجازت ہے احناف کے علاوہ جمہور فقہاء فرماتے ہیں❺ کہ تیمم بدل ضروری ہے(یعنی ضرورت کے ساتھ خاص ہے) لہٰذا اس شخص کی لئے نماز حدث کے حقیقۃً موجود ہونے کے باوجود ضرورت کے پیش نظر جائز ہوتی ہے جیسے مستحاضہ کی طہارت، دلیل اس کی

---

❶.... بروایت امام احمد،ابوداؤد، دارقطنی نے ابن حبان اور حاکم،امام بخاری نے بھی تعلیقات میں اس کو ذکر کیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۵۸.

❷ بروایت امام احمد،بیہقی اور اسحٰق بن راھویہ از حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ یہ حدیث ضعیف ہے نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۵۶ اور وہ حدیث جو متفق علیہ ہے وہ حدیث ہے جو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ہے اور پہلے گزر چکی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ حالت جنابت میں پانی نہ ملنے پر تیمم پر اکتفاء کیا جاسکتا ہے۔❸ بدائع الصنائع ج ۱ ص ۵۴ اور بعد کے صفحات، الدار لمختار ج ۱ ۲۲۳۔❹ بروایت بخاری مسلم اور نسائی از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔❺ الشرح الكبير ج ۱ ص ۱۵۴ مغنی المحتاج: ج ۱ ص ۹۷ بجیر می الخطیب ج ۱ ص ۲۵۳ کشاف القناع ج ص ۱۹۹

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت شدہ حدیث ہے جو امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ جب تم پانی پالو تو اس کو اپنی جلد پرمل لو (یعنی پانی سے دھولو) کیونکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر یہ حدث کو رفع کرنے والا ہوتا تو پانی مل جانے پر اس کی ضرورت نہ پڑتی۔ اسی طرح پانی دیکھ لینے پر حدث کا لوٹ آنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ حدث مرتفع نہیں ہوا تھا، لیکن اس شخص کے لئے حدث کے ہونے کے باوجود نماز کی ادائیگی ضرورت کے پیش نظر جائز قرار دی گئی جیسے مستحاضہ کے معاملے میں ہوتا ہے۔ اس تفصیل پر گذشتہ احکام کے برعکس احکام مرتب ہوتے ہیں تاہم حنابلہ مالکیہ اور شوافع کے برخلاف ایک تیمّم سے فوت شدہ کئی فرض نمازوں کی ادائیگی کو جائز قرار دیتے ہیں۔

تیمّم کی نوعیت بدلیت پر مرتب ہونے والی مختلف مذاہب کی فقہی آراء کا بیان

ا۔ **تیمّم کا وقت**...... احناف جو کہ تیمّم کو طہارت مطلقہ قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں❶ کہ تیمّم قبل از وقت اور ایک فرض سے زائد کے لئے کیا جاسکتا ہے، اور فرض کے علاوہ نوافل کے لئے بھی کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ تیمّم پانی کے نہ ہونے کی صورت میں مطلقا بدل ہوتا ہے اور اس کے ذریعے حدث پانی کے پائے جانے کے وقت تک مرتفع ہوجاتا ہے۔ اور تیمّم بدل ضروری نہیں ہے کہ یہ حدث کے حقیقتاً موجود ہونے کی باوجود صرف عارضی طور پر اباحت کردیتا ہو جیسا کہ جمہور کا خیال ہے کہ ان کے ہاں وقت سے پہلے یہ جائز نہیں ہوتا ہے اور ایک سے زائد فرض اس سے نہیں ادا کئے جاسکتے ہیں احناف کی دلیل یہ ہے کہ عبادات میں وقت کی تحدید وتعیین ایسی چیز ہے جو صرف نقلی اور سماعی دلیل سے ثابت ہوسکتی ہے۔ (عقل کا اس کی تعیین میں کوئی عمل دخل نہیں) اور اس بارے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہے، لہٰذا اس کو وضو پر قیاس کیا جائے گا۔ اور وضو قبل از وقت درست ہوجاتا ہے لہٰذا یہ بھی قبل از وقت درست ہوگا۔

جمہور یعنی مالکیہ، شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں❷ کہ تیمّم صرف اس فرض یا نفل کے وقت شروع ہونے کے بعد صحیح ہوگا جس کے لئے انسان تیمّم کررہا ہو۔ لہٰذا فرض نماز کے لئے اس کے وقت شروع ہونے سے قبل تیمّم کرنا درست نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی کسی معین نفل یا سنت کے لئے اس کے وقت سے پہلے تیمّم کیا جاسکتا ہے جیسے فرائض کی سنتیں۔ فرض کے بارے میں یہ حکم اس لئے ہے کہ قرآن کی آیت کے یہ الفاظ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ یہی معنی دیتے ہیں کیونکہ نماز کی طرف کھڑا ہونا وقت داخل ہونے کے بعد ہی ممکن ہے اور دوسری دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری نے روایت کی ہے کہ سو میری امت میں سے جس شخص کو نماز مل جائے تو وہ پڑھ لے اور وہ حدیث جو امام احمد نے روایت کی ہے کہ جہاں مجھے نماز ملتی ہے میں مسح کرتا ہوں اور نماز پڑھ لیتا ہوں یعنی تیمّم کرکے نماز پڑھ لیتا ہوں یہ دلیل ہے اس بات کی کہ تیمّم نماز کو پانے کے بعد کرنا چاہئے، اور نماز کو وقت داخل ہونے کے بعد ہی پایا جاسکتا ہے اور نفل کے بارے میں یہ حکم حضرت ابوامامہ سے مروی مرفوع حدیث کی وجہ سے ہے جس کے الفاظ ہیں زمین پوری کی پوری میرے اور میری امت کے لئے مسجد اور پاک کرنے والی بنادی گئی ہے تو جہاں میری امت کے کسی فرد کو نماز مل جائے تو وہیں اس کی مسجد ہے اور وہیں اس کو پاک کردینے والی چیز بھی۔❸

اور وضو تو وقت سے قبل اس لئے جائز ہے کہ وہ حدث کو رفع کرنے والا ہے بخلاف تیمّم کے کہ وہ ضرورت کے موقع کی طہارت ہے، تو یہ

---

❶...... البدائع ج ا ص ۵۴ الدرالمختار وحاشیۃ ابن عابدین ج ا ص ۲۲۳۔❷بدایۃ المجتہد ج ا ص ۶۵، القوانین، الفقہیہ ص ۳۷ مغنی المحتاج ج ا ص ۱۰۵ المہذب ج ا ص ۳۴ کشاف القناع ج ا ص ۱۸۴۔❸بروایت امام احمد امام بخاری امام مسلم اور نسائی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل فرمائی ہے مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ (۱) میری مدد ایک مہینے کی مسافت دور سے طاری ہوجانے والے رعب کے ذریعے کی گئی ہے۔ (۲) زمین میرے لئے مسجد اور پاکی کا ذریعہ بنادی گئی ہے تو میری امت کا جو شخص نماز پائے تو وہ اس کو ادا کرے (۳) میرے لئے غنیمت حلال کی گئی ہے، مجھ سے قبل کسی کے لئے حلال نہیں کی گئی تھی۔ (۴) مجھے شفاعت دی گئی ہے۔ (۵) نبی پہلے کسی خاص قوم کے پاس بھیجے جاتے تھے اور مجھے تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

وقت سے پہلے درست نہیں ہوگی جیسے مستحاضہ کی طہارت۔طواف کی دورکعت کے لئے تیمّم ہروقت درست ہے کیونکہ وہ ہروقت مباح ہے اور وہ فوت شدہ نماز جو اس شخص کو یاد آ جائے اور وہ اس کو انجام دینے کا ارادہ کرے اس کے لئے بھی تیمّم ہروقت درست ہے کیونکہ اس نماز کو ہر وقت ادا کیا جا سکتا ہے۔تیمّم سورج گرہن کی نماز کے لئے سورج گرہن کے وقت کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ ممنوعہ اوقات نہ ہوں❶ اور صلاۃ الاستسقاء کے لئے جمع ہو جانے پر اس کے لئے تیمّم کرنا درست ہے،اور نماز جنازہ کے لئے میت کو غسل دیئے جانے کے وقت یا عذر کی وجہ سے تیمّم کرے عید کی نماز کے لئے اس کا وقت شروع ہونے پر تیمّم کیا جا سکتا ہے اور نذر نماز کے لئے کسی بھی وقت تیمّم کیا جا سکتا ہے۔اور نفل کے کرنے کا سبب پائے جانے پر تیمّم کر لینا درست ہے جیسے تحیۃ المسجد کیونکہ اس کا سبب پایا جانا اس کا وقت ہوتا ہے۔

نفل معین یا نفل مؤقت کہہ کر مطلق نفل سے احتراز کرنا مقصود ہے کیونکہ ان نوافل کا کوئی معین وقت نہیں ہوتا ہے ماسوا ممنوعہ اوقات کے وہ جب چاہے ان کے لیے تیمّم کر سکتا ہے۔

کیا تیمّم کو وقت کے آخر تک مؤخر کیا جا سکتا ہے چاروں مذاہب کے ائمہ کا اس پر اتفاق ہے❷ کہ پانی ملنے کی امید ہونے پر تیمّم کو آخر وقت تک مؤخر کرنا افضل ہے۔اور اگر پانی ملنے کی امید نہ ہو تو جمہور کے ہاں ماسوا حنابلہ کے اس کو اول وقت میں کر لینا مستحب ہے،امام احمد سے منصوصاً منقول ہے کہ تیمّم کو ہر حال میں مؤخر کرنا اولیٰ ہے اور احناف کے ہاں صحیح ترین بات یہ ہے تاخیر کا مستحب ہونا نماز کے مستحب وقت کے اخیر تک کے لئے ہے (یعنی اتنا مؤخر کرنا افضل ہے کہ نماز اپنے مستحب وقت کے آخری حصے میں ادا ہو جائے) کیونکہ تاخیر میں صرف یہ فائدہ ہے کہ نماز کو دو طہارتوں میں سے کامل طہارت کے ذریعے ادا کیا جا سکے گا اور پانی ملنے کے یقین ہونے کی صورت میں تاخیر کرنا واجب ہے،خواہ اس میں قضاء ہو جانے کا اندیشہ ہو جیسے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ننگے شخص کو کپڑا ملنے کے یقین پر یا کنویں سے پانی نکالنے کے لئے ڈول مل جانے کے یقین پر تیمّم کو مؤخر کرنا واجب ہے جب تک کہ قضاء ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔شوافع نے انتظار کی افضلیت کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ اس شخص کو آخر وقت میں پانی کے مل جانے کا یقین ہو چنانچہ اگر پانی ملنے کا شک ہو یا صرف ظن ہو پانی ملنے کا کہ شاید آخر وقت میں مل جائے تو اس صورت میں تیمّم میں تعجیل کرنا افضل ہوگا اظہر قول کے مطابق کیونکہ اس صورت میں تعجیل کرنے کی فضیلت یقینی ہے اور وضو کی فضیلت یقینی نہیں ہے۔

مالکیہ نے اس بارے میں تفصیل کی ہے،وہ فرماتے ہیں پانی کے ملنے سے بالکل مایوس ہو جانے والے کے لئے تیمّم کو اول وقت کر لینا مستحب ہے،اور پانی ملنے کے بارے میں تردد کا شکار ہونے کی صورت میں یعنی شک یا گمان کی صورت میں (جو غالب گمان نہ ہو) تیمّم کو وقت کے بیچ تک مؤخر کرنا افضل ہے اور جس شخص کو امید ہو یعنی وہ شخص جس کا ظن غالب پانی ملنے کا ہو کہ پانی مل جائے گا اس کے لئے تیمّم کو آخر وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔

۲۔ایک تیمّم سے کیا کیا انجام دیا جا سکتا ہے......احناف فرماتے ہیں❸ کہ تیمّم کرنے والا اپنے تیمّم سے جتنے چاہے فرائض و نوافل ادا کر سکتا ہے،کیونکہ نہ ہونے کی صورت میں وہ (تیمّم) ہی طہور (پاک کرنے والا) شمار ہوتا ہے،تو جب تک شرط پائی جائے (یعنی پانی کا نہ ہونا) اس وقت تک اس چیز کا وجود برقرار رہیگا لہٰذا وہ ایک تیمّم سے دو یا اس سے زائد فرض ادا کر سکتا ہے،اور جتنی چاہے نوافل ادا کر سکتا ہے۔

---

❶ ....نفل نماز پانچ اوقات میں مکروہ ہے۔(۱) فجر کی نماز کے بعد۔(۲) سورج کے طلوع ہوتے وقت۔(۳) زوال ہوتے وقت۔(۴) عصر کی نماز کے بعد اور (۵) غروب آفتاب کے وقت۔❷الدر المختار مع الشامی ج ۱ ص ۲۲۹ البدائع ج ۱ ص ۵۴ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۸۹ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۸۹ المغنی ج ۱ ص ۲۴۳۔❸فتح القدیر ج ۱ ص ۹۵

حنابلہ فرماتے ہیں ❶ تیمم وقت کے ساتھ مقید ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تیمم ہر نماز کے لئے ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہر نماز کے لئے تیمم کرو دوسری بات یہ ہے کہ تیمم ضرورت کی طہارت ہے، لہٰذا وہ وقت کے ساتھ مقید ہوگی جیسے مستحاضہ کی طہارت۔ اور فرض طواف فرض نماز کی طرح ہے اور اس بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ جب کوئی شخص حاضر نماز کے لئے تیمم کرے تو اس سے وہ نماز ادا کرے اور اگر اس کی قضاء نمازیں ہوں تو ان کو بھی اس تیمم سے ادا کرے لہٰذا وہ موجود نماز پڑھے دو نمازوں کو جمع کرے اور فوت شدہ نمازیں ادا کریں اور دوسری نماز کا وقت شروع ہونے تک وہ جتنی چاہے نوافل ادا کر سکتا ہے۔

مالکیہ اور شوافع فرماتے ہیں ❷ کہ ایک تیمم سے دو فرض نمازیں ادا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا تیمم کرنے والے کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک تیمم سے ایک فرض سے زیادہ ادا کرے ہاں وہ نوافل ایک سے زائد ادا کر سکتا ہے، اور مالکیہ کے ہاں فرض اور نفل ایک تیمم سے ادا کر سکتا ہے اگر فرض کو پہلے ادا کرے۔ اور شوافع کے ہاں فرض کے پہلے اور بعد میں جتنی چاہے نوافل ادا کر سکتا ہے۔ کیونکہ نوافل کی تعداد متعین نہیں ہے۔ ان کی دلیل وہ روایت ہے جو بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں وہ شخص ہر نماز کے لئے تیمم کرے خواہ اس کو حدث بھی لاحق نہ ہوا اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ طہارت ضرورت ہے لہٰذا ہر فرض کے لئے اس کا دوبارہ کرنا ضروری ہوا خواہ دو فرض ایک وقت میں ادا کئے جا رہے ہوں جیسے ظہر عصر کے ساتھ اور خواہ تیمم مریض کو کرنا پڑتا ہو اور اس پر تیمم بار بار کرنا شاق گزر رہا ہو۔

مالکیہ کے ہاں اور شوافع کے ہاں بھی صحیح قول کے مطابق ایک تیمم سے ایک فرض نماز اور نماز جنازہ ادا کی جا سکتی ہیں، کیونکہ جنازہ فرض کفایہ ہے تو فی الجملہ وہ نفل کی طرح شمار ہو تیمم کے اس کے لئے ساقط ہونے کے معاملے میں۔ نماز کے لئے کئے جانے والے تیمم سے قرآن کریم چھونا اور حالت جنابت میں تیمم کرنے کی صورت میں اس تیمم سے نماز کی ادائیگی کے ساتھ تلاوت قران بھی کرنا جائز ہے اور شوافع کے ظاہر قول کے مطابق نذر فرض کی طرح ہے لہٰذا اس کے لئے بھی از سر نو تیمم ضروری ہوگا۔ دوسرے فرض کے ساتھ، خواہ وہ ادا ہو یا قضاء ایک تیمم میں جمع کرنا درست نہیں ہے۔

فرض طواف اور خطبہ جمعہ شوافع کے ہاں فرض نماز کی طرح ہے لہٰذا ایک تیمم سے دو فرض طواف ادا نہیں کئے جا سکتے ہیں اسی طرح فرض طواف اور فرض نماز بھی ایک تیمم سے ادا نہیں کی جا سکتی ہے اور نہ خطبہ جمعہ اور نماز کو ایک تیمم سے ادا کیا جا سکتا ہے کیونکہ خطبہ جمعہ اگر چہ فرض کفایہ ہے تاہم یہ فرض عین سے ملحق ہے کیونکہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ قائم مقام دو رکعت کے ہے۔ مالکیہ ایک تیمم سے فرض نماز، طواف غیر واجب اور نفل تینوں کو ادا کرنے کی اجازت دیتے ہیں، اس طرح وہ بھی شوافع سے مل جاتے ہیں۔

۳۔ نفل کے لئے کیا جانے والا تیمم کیا فرض کو جائز کر سکتا ہے...... احناف جو کہ تیمم کو بدل مطلق قرار دیتے ہیں ❸ فرماتے ہیں اگر کسی نے نفل کے لئے تیمم کیا تو اس کے لئے اس تیمم سے فرض اور نفل دونوں ادا کرنا جائز ہیں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تیمم کیا ہوا شخص وضو کئے ہوئے لوگوں کو نماز پڑھا سکتا ہے اگر ان کے پاس پانی نہ ہو کیونکہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم طہارت مطلقہ ہے، لہٰذا ان وضو کئے ہوئے لوگوں کے لئے اس تیمم کئے ہوئے شخص کی اقتداء جائز ہے۔ اور اگر ان کے پاس پانی موجود ہو تو ان کی نماز درست نہیں ہوگی، کیونکہ تیمم پانی کا بدل ہے اس وقت کہ جب پانی موجود نہ ہو۔

مالکیہ فرماتے ہیں ❹ کہ وہ تیمم جو فرض کے علاوہ کسی چیز کی نیت سے کیا گیا ہو اس سے فرض ادا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے فرض نماز کی ادائیگی کی نیت اس تیمم سے کر رکھی ہو تو وہ اپنے ذمے لگے فرض اور جتنی چاہے نوافل ادا کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ فرض نماز نفل سے پہلے

---

❶ .....المغنی ج ۱ ص ۲۶۲۔۲۶۴۔ ❷ .....الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۸۶۔۱۸۷ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۵۱ المھذب ج ۱ ص ۳۶، مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۰۳ القوانین الفقھیہ ص ۳۸۔ ❸ البدائع، ج ۱ ص ۵۵ اور بعد کے صفحات۔ ❹ حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۹۳ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۵۴

ادا کرلے، اور اس تیمم سے فوت شدہ فرض نماز نہیں ادا کرسکتا اور اگر تیمم سے مطلق نماز کی نیت کی تھی تو صرف نفل ادا کرسکتا ہے فرض نہیں کیونکہ فرض کے لئے ایسی نیت درکار ہوتی ہے جو اس کو خاص کرے اور جو نفل کی نیت کرے وہ اس سے فرض نہیں پڑھ سکتا ہے۔

اور جنابت وغیرہ ہونے کی صورت میں تیمّم کرنے والے پر نماز کو مباح کرنے یا حدث دور کرنے کی نیت کرتے وقت حدث اکبر کے رفع کرنے کی نیت کرنا لازم ہے اگر اس نے اس کو پیش نظر نہ رکھا اس طرح کہ وہ مثلاً اس کو بھول گیا اس کا خیال ہوا کہ وہ جنبی وغیرہ نہیں ہے تو اس صورت میں تیمم اس کے لئے جائز نہیں ہوگا اور اس کو لازماً اعادہ کرنا ہوگا۔

اور تیمّم کرتے وقت نماز کے مباح کرنے یا حدث سے ممنوع امور کے مباح کرنے کی نیت کے وقت حدث اصغر رفع کرنے کی نیت کرلینا مستحب ہے۔ ہاں اگر وہ یہ نیت کرے کہ میں فرض تیمّم کررہا ہوں تو اس صورت میں حدث اصغر یا حدث اکبر کے رفع کرنے کی علیحدہ نیت ضروری نہیں ہے، کیونکہ فرض کی نیت کرنا ان دونوں کی طرف سے نیت ہوجاتی ہے۔ اور اگر قرأت قرآن یا بادشاہ کے پاس جانے وغیرہ کی نیت سے تیمّم کیا تو اس تیمّم سے نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں ❶ کہ اگر تیمّم میں فرض اور نفل کی نیت کی تھی تو اس سے فرض اور نفل ادا کرسکتا ہے، اور اگر فرض کی نیت کی تھی تو اس جیسا فرض اور اس سے کم درجے کی عبادت جائز ہوگی جیسے نوافل وغیرہ۔ کیونکہ نفل درجے میں کم ہوتی ہے اور فرض کی نیت اس کو شامل ہوتی ہے، اور فرض اعلیٰ ہونے کے سبب کم درجے کے عبادت کو مباح کردیتا ہے۔ اور اگر نفل کی نیت کی یا مطلقاً نماز کی نیت کی مثلاً نماز کے مباح کرنے کی نیت کی فرض یا نفل کی نیت نہیں کی تو وہ صرف نفل ادا کرے گا فرض ادا نہیں کرے گا، کیونکہ فرض اصل ہے اور نفل تابع ہے تو اصل کو تابع نہیں بنایا جائے گا، اور اس میں اس مسئلے پر بھی قیاس کیا جائے گا مثلاً کسی شخص نے مطلق نماز کی نیت کی تو اس کی وہ نماز نفل شمار ہوگی۔

۲۔ دوسری بحث اسباب تیمّم...... تیمم کے اسباب یا وہ عذر جن کی بناء پر تیمم جائز ہوجاتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ ❷

ا۔ وضو یا غسل کے لئے پانی کا ناکافی ہونا..... یہ یا تو حسی طور پر ناکافی ہو بایں معنی یہ پانی اس کے پاس ہو ہی نہیں یا ہو لیکن ناکافی ہو یا شرعی طور پر وہ پانی کا نہ پانے والا قرار پائے اور وہ اس طرح کہ یا تو پانی تک کا راستہ پرخطر ہو یا احناف کے ہاں پانی اس شخص سے ایک میل (یعنی ۱۸۴۸ میٹر یا چار ہزار ذراع یا فٹ) دور ہو یا اس سے زیادہ دور ہو یا بقول مالکیہ دو میل دور ہو یا اس کو قیمت دینا پڑ رہی ہو یا وہ معروف قیمت سے مہنگا مل رہا ہو دلیل اس کی وہی آیت وضو ہے جس میں تیمم کا ذکر ہے **فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدًا طیبًا**۔

شوافع پانی کے نہ ملنے اور اس کے تلاش کرنے اور تیمم کے جائز ہونے کے بارے میں کچھ تفصیل کرتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

الف:..... اگر آس پاس پانی نہ ہونے کا یقین ہو تو بغیر تلاش کئے تیمم کرے۔

ب..... اگر پانی ملنے کا خیال یا گمان ہو یا شک ہو تو اپنی جائے اقامت اور اپنے دوستوں کے پاس تلاش اور کم از کم اتنی مسافت تک تلاش میں آنا جانا کرے جو حد الغوث کہلاتی ہے (یعنی اتنی مسافت کہ اس کے دوست واحباب کی مدد اس تک پہنچ سکے ان کی مشغولیات و مصروفیات کے ساتھ) اور اس کا اندازہ اتنا ہے جتنا ایک تیر کمان سے چھوڑنے پر دور جا کر گرتا ہے یعنی غلوۃ سہم اور یہ آ جکل کے اعتبار سے چار سو ذراع یا تقریباً ۱۸۴۸ میٹر بنتا ہے، اس مسافت میں تلاش کرنے پر پانی نہ ملے تو وہ تیمم کرلے احناف صرف اس پر اکتفاء کرتے ہوئے

---

❶..... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۹۸ کشاف القناع ج ۱ ص ۲۰۱ اور بعد کے صفحات بجیرمی الخطیب ج ۱ ص ۲۵۲. ❷البدائع ج ۱ ص ۴۶۔۴۹ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۶ اللباب ج ۱ ص ۳۶ فتح القدیر ج ۱ ص ۸۳۔۹۲ مراقی الفلاح ص ۱۹ الدرالمختار ج ۱ ص ۲۱۴۔۲۲۶، الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۷۹، ۱۸۳ ص ۱۹۹ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۶۳ القوانین الفقھیہ ص ۳۷ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۴۹ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۸۷۔۹۵ المغنی ج ۱ ص ۲۳۴، ۲۳۹، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۶۱، ۲۶۵ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۸۴۔۱۹۴۔

فرماتے ہیں کہ اگر اس شخص کو امن کے ساتھ پانی ملنے کا امکان ہو تو چار سو قدم تک وہ پانی تلاش کرے پھر بھی نہ پائے تو تیمّم کرلے۔

ج:.....اور اگر پانی ملنے کا یقین ہو تو اتنی مسافت میں تلاش کرے جو حد القرب ہو اور اس سے مراد ہے اتنی دوری جتنی دوری میں لوگ لکڑیاں اور گھاس وغیرہ چننے اور کاٹنے آئیں جو کہ موجودہ دور کے لحاظ سے چھ ہزار قدم (فٹ) کی مسافت بنتی ہے۔ مالکیہ فرماتے ہیں اگر یقین ہو یا گمان ہو تو دو میل سے کم مسافت پر تلاش کرے، حنابلہ فرماتے ہیں کہ اتنی مسافت پر تلاش کرے جو عادۃً قریب شمار ہوتی ہو۔ شوافع کے ہاں قریب یا دور میں تلاش کرنے کا حکم اس وقت ہے جب اس شخص کو جان، مال اور رفقاء سفر سے کٹ جانے کا خطرہ نہ ہو اور شوافع کے اظہر قول کے مطابق اور حنابلہ کے ہاں بھی اگر وہ اتنا پانی پائے جو اس کا کافی نہ ہو تو وہ استعمال کرے پھر اس کے بعد تیمّم کرے یہ حکم بخلاف دوسرے فقہاء کے ہے دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو متفق علیہ ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو وہ کرو جس کی تم استطاعت رکھو۔

پانی کا خریدنا اس وقت واجب ہے جب وہ عام بازار کی قیمت کے مطابق ملے بشرطیکہ وہ اپنے مال پر محیط قرضے کے یا سفر کے اخراجات یا کسی ذی روح کے خرچے کے سبب ضرورت مند نہ ہو۔ وہ ذی روح آدمی ہو یا کوئی اور حیوان وغیرہ۔ اور اگر کسی کو تحفتاً پانی ملے یا ڈول عاریتاً مل جائے تو علماء کے ہاں یہ قبول کرنا لازم ہوگا شوافع کے ہاں اصح قول بھی یہی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص تحفتاً اس کی قیمت پیش کرے تو اس کا قبول کرنا بالاجماع واجب نہیں ہے، کیونکہ قیمت اور روپیہ وغیرہ دینے کا احسان زیادہ بڑا شمار ہوتا ہے۔ خواہ باپ اپنے بیٹے کو ہی کیوں نہ دے پانی کے بھول جانے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی شخص پانی کا اپنے سامان میں ہونا بھول گیا اور تیمّم کرکے نماز پڑھ لی پھر نماز سے فراغت کے بعد دوران وقت ہی پانی یاد آگیا تو شوافع کے اظہر قول کے مطابق امام ابو یوسف اور امام مالک کے ہاں نماز دوبارہ ادا کرے گا کیونکہ وہ پانی پانے والا تھا لیکن اس بارے میں واقفیت میں اس سے کوتاہی ہوئی لہٰذا اس پر نماز ادا کرنا ضروری ہوگی جیسے کوئی شخص اپنا ستر چھپانا بھول جائے تو اس پر اعادہ لازم ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے کجاوے میں کپڑا بھول جائے ❶ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وہ نماز نہیں لوٹائے گا کیونکہ بغیر واقفیت کے وہ پانی پر قادر نہیں ہے تو گویا وہ پانی پانے والا ہی نہیں ہے۔ کیونکہ پانی پالینے سے مراد ہے اس کے استعمال پر قدرت رکھنا اور بغیر جانے اور واقفیت رکھے قدرت نہیں ہوتی ❷ اور اگر پانی دوران نماز یاد آیا تو وہ بالاتفاق نماز توڑ کر وضو کرکے از سر نو پڑھے گا جیسا کہ اس پر اعادہ اس وقت بھی لازم ہوگا جب وہ پانی ختم ہو جانے کا گمان کر بیٹھے۔ اور جس شخص کے پاس پانی نہ ہو اس کے لئے ہم بستری مکروہ نہیں ہے خواہ اس کو وطی نہ کرنے سے مشقت نہ بھی ہو (یعنی شہوت کا ہیجان وغیرہ نہ ہو) کیونکہ اصل اشیاء کے بارے میں اباحت ہے ماسوا اس کے کہ اس کے خلاف کوئی دلیل قائم ہو جائے۔

۲۔ پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہونا..... مالکیہ اور حنابلہ وغیرہ فرماتے ہیں وہ شخص جو پانی کے استعمال سے عاجز ہو اور استعمال پر قدرت نہ رکھے جیسے مجبور اور قید شخص پانی کی قریب بندھا ہوا شخص یا درندے یا چور سے جان کا خوف رکھنے والا شخص خواہ سفر میں ہو یا حضر میں، اور خواہ وہ سفر معصیت (گناہ کے کام لئے سفر) ہو ان لوگوں کے لئے تیمّم کرنا جائز ہے کیونکہ تیمّم مطلقاً مشروع ہے خواہ سفر میں ہو یا حضر میں نیکی میں ہو یا بدی کے لئے سفر کر رہا ہو دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ شخص پانی سے محروم شخص ہے، اور اس لئے بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول عام ہے کہ پاک مٹی مسلمان کے لئے پاک کرنے والی چیز ہے خواہ وہ دس سال پانی نہ پائے پس جب وہ پانی پالے تو اپنی کھال سے لگالے کیونکہ یہ زیادہ بہتر ہے ❸ تاہم شوافع فرماتے ہیں وہ مقیم شخص جو پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کرے وہ پانی مل جانے پر دوبارہ نماز ادا کرے مسافر نہیں، ہاں اگر وہ سفر معصیت میں ہو تو وہ بھی قضاء کرے گا صحیح قول کے مطابق وہ رخصت کا اہل نہیں ہے ❹ باقی مذاہب کے نزدیک اور راجح

---

❶.....مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۹۱۔ ❷فتح القدیر وحاشیۃ العنایہ ج ۱ ص ۹۷ الدرالمختار ج ۱ ص ۳۳۰۔ ❸بروایت ترمذی حضرت ابوذر، اور انہوں نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ❹ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۰۶

قول کے مطابق حنابلہ کی ہاں بھی وہ نماز کا اعادہ نہیں کرے گا کیونکہ اس نے اپنے ذمہ لازم کام انجام دے لیا ہے، لہٰذا وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہو گیا اور دوسری بات یہ کہ اس نے مشروع تیمّم کے ساتھ مشروع طریقے پر نماز کی ادائیگی کی تو وہ مریض اور مسافر کے مشابہ قرار پایا❶ تاہم احناف نے اس شخص کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو تیمّم کرنے پر مجبور کر دیا جائے کہ وہ شخص تیمّم کرے اور بعد میں نماز کا اعادہ کرے۔

۳۔ مرض یا صحت یابی میں تاخیر:..... اگر پانی کے استعمال کرنے سے اپنی جان یا کسی عضو کو کوئی مرض لاحق ہونے کا اندیشہ ہو جیسے نزلہ بخار وغیرہ یا پانی کے استعمال سے مرض کے بڑھنے کا اندیشہ ہو یا طول پکڑ جانے کا خطرہ ہو تو وہ شخص تیمّم کر سکتا ہے، اسی طرح اگر صحت یابی میں تاخیر کا اندیشہ ہو جس کا علم عادتاً ہو سکتا ہے یا کوئی ماہر طبیب اس کے بارے میں کچھ کہے خواہ مالکیہ اور شوافع کے ہاں وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو اور حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں وہ مسلمان ہو تو اس صورت میں تیمّم کیا جا سکتا ہے شافعیہ اظہر قول کے مطابق اور حنابلہ بھی مزید یہ فرماتے ہیں کہ ظاہری عضو پر کسی واضح عیب کے ہو جانے کا خطرہ بھی تیمّم کے جواز کا سبب بن سکتا ہے کیونکہ وہ عیب انسان کی ظاہری شکل وصورت کو بدنما بنانے کا سبب بنتا ہے اور اس کا ضرر ہمیشہ رہتا ہے۔ اور ظاہری عضو سے مراد وہ عضو جو کام کے وقت ظاہر ہوتا ہو جو کہ چہرہ اور ہاتھ ہیں۔ حنابلہ فرماتے ہیں جو شخص مریض ہو اور ہلنے جلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو جو اس کو وضو کرا دے تو وقت کے جاتے رہنے کے خدشے کی صورت میں وہ تیمّم کر سکتا ہے۔

۴۔ حال یا مستقبل میں پانی کی ضرورت پڑنا..... اگر کسی شخص کو خیال یا گمان ہو خواہ مستقبل کے بارے میں سہی کہ اس کو پانی کی سخت ضرورت پڑے گی اور پانی نہ ہونے کی صورت میں ہلاکت یا شدید تکلیف میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو کہ کوئی ذی روح، جو شرعاً قابل احترام ولحاظ ہو اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو وہ شخص تیمّم کر سکتا ہے۔ وہ ذی روح خواہ آدمی ہو۔ یا حفاظت کا کتا ہو یا مویشی وغیرہ ہوں یا شکاری کتا ہو۔ بخلاف حربی کافر مرتد اور اس کتے کے جو شرعاً ممنوع ہو، حنابلہ کے ہاں کالا کتا بھی شرعاً ممنوع ہے، اور مقصود اس سے اس روح کا بچانا ہے جو کسی درجے میں شریعت کی نظر میں قابل احترام ہو حاجت کی اقسام میں سے پانی کا آٹا گوندھنے اور پکانے کی ضروریات میں استعمال ہے یا ایسی نجاست کے ازالے میں استعمال ہے جو قابل معاف نہ ہو شوافع کے ہاں شرط یہ ہے کہ وہ نجاست بدن پر نہ لگی ہوئی ہو اور اگر وہ نجاست کپڑے پر لگی ہوئی ہو تو وضو کرے اور اگر ستر چھپانے کے لئے کپڑا نہ ہو تو برہنہ حالت میں نماز ادا کر لے اور اس پر اعادہ نماز نہیں ہوگا شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں❷ کہ اگر اس کے بدن پر نجاست ہو اور پانی نہ ہونے یا اس کے استعمال سے اندیشہ نقصان کے سبب وہ نجاست کو نہ دھو سکے تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لے اور شوافع کے ہاں اس پر قضاء لازم ہوگی حنابلہ کے ہاں اس پر قضا لازم نہیں ہوگی اور جو مسافر پینے کے لئے پانی ختم ہو جانے کے ڈر سے تیمّم کر لے اس پر بالاتفاق اعادہ لازم نہیں ہے۔

۵۔ پانی کی تلاش سے مال کے ضیاع کا اندیشہ..... مالکیہ فرماتے ہیں کہ پانی کے استعمال پر قدرت رکھنے والا شخص سفر کی یا حضر کی حالت میں تیمّم کر سکتا ہے اگر اس کو پانی کی تلاش میں جس کا ملنا یقینی ہو یا ظن غالب میں ہو۔ ایسے مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو جو قیمتی ہو، خواہ اس کا اپنا ہو یا دوسرے کا ہو اور اگر پانی ملنے کا محض شک یا وہم ہو تو وہ تیمّم کر سکتا ہے خواہ مال کم بھی ہو۔ اور قیمتی مال سے مراد ہے وہ مال جو اتنی قیمت والا ہو جو پانی کی اس قیمت سے زیادہ ہو جو اس پر خریدنا لازم ہوتی ہو مالکیہ کے علاوہ دیگر فقہاء فرماتے ہیں کہ کسی دشمن آدمی کا یا انسان کے علاوہ کسی دشمن کا یا آگ کا یا چور کا خوف تیمّم اور پانی کے نہ تلاش کرنے کو جائز کر دیتا ہے، خواہ آدمی اپنی جان کا خوف محسوس کرے یا مال کا یا امانت کے ضیاع کا یا عورت پانی کی پاس موجود کسی فاسق (بدکردار، اوباش) کا خوف محسوس کرے یا مفلس مقروض شخص دھر لئے جانے کا خطرہ محسوس کرے یا اپنے مطلوب کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو جیسے مثلاً کسی گھوڑے کے بھاگ جانے کا خطرہ ہو تو ایسے تمام لوگوں کو شرعاً

❶.....المغنی ج ۱ ص ۲۳۵ کشاف القناع ج ۱ ص ۱۹۵۔ ❷مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۰۶ المغنی ج ۱ ص ۲۷۳ اور بعد کے صفحات۔

پانی نہ پانے والا سمجھا جائے گا کیونکہ پانی کی تلاش میں جانے سے ایسے لوگوں کو ضرر لاحق ہوتا ہے جو کہ نا قابل قبول ہے۔

۶۔ سردی کی شدت (یعنی پانی کا زیادہ ٹھنڈا ہونا)......سردی کی شدت کے خوف سے تیمم جائز ہے اگر پانی کے استعمال سے ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو اور پانی گرم کرنے کا کوئی ساز و سامان بھی نہ ہو۔ تاہم احناف نے اس مسئلے میں تفصیل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ٹھنڈ کے خوف سے تیمّم جب جائز ہے کہ جب جان کو یا عضو کو خطرہ لاحق ہو یا مرض لاحق ہونے کا اندیشہ ہو، اور یہ ہے بھی صرف جنبی شخص کے لئے خواہ وہ حضر کی حالت میں کیوں نہ ہو بشرطیکہ اس کے پاس حمام جانے کے لئے پیسے نہ ہوں اور نہ خود گرم کرنے کے اسباب ہوں کیونکہ ایسے شخص کے بارے میں ہی یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس سہولت کا حق دار ہے۔ اور وہ شخص جو صرف بے وضو ہو اس کے لئے ٹھنڈک کے خوف سے صحیح قول کے مطابق تیمّم کرنا درست نہیں ہے۔ مالکیہ ٹھنڈ کے خوف سے تیمّم کے جائز ہونے کے لئے یہ شرط رکھتے ہیں کہ اس شخص کو جان کا خطرہ لاحق ہو۔ شوافع اور حنابلہ ٹھنڈ کے خوف سے تیمم کو اس وقت مباح قرار دیتے ہیں جب پانی کا گرم کرنا مشکل ہو یا اعضاء کو گرمائش پہنچانے کا کوئی فائدہ نہ ہو یا کسی عضو کی منفعت کے ختم ہو جانے کا خدشہ ہو یا کسی واضح عیب کے لاحق ہو جانے کا اندیشہ ہو وغیرہ۔ شوافع کے ہاں یہ خطرہ کسی ظاہری عضو میں عیب آ جانے کا ہو اور حنابلہ کے ہاں محض بدن میں ہی عیب آ جانے کا اندیشہ ہو ٹھنڈا پانی استعمال کرنے کے سبب شوافع کے ہاں اظہر قول کے مطابق جو شخص بیماری یا ٹھنڈ کی وجہ سے تیمّم کرے وہ بعد میں نمازوں کی قضاء کرے۔ مالکیہ اور احناف کے ہاں اس شخص پر قضاء نہیں ہے، حنابلہ سے اس بارے میں دو روایتیں منقول ہیں۔ (۱) یہ کہ قضاء لازم نہیں۔ (۲) اس پر اعادہ لازم ہے۔

۷۔ پانی نکالنے کے آلات کا نہ ہونا مثلاً ڈول، رسی وغیرہ......وہ شخص جو پانی کے استعمال پر قدرت رکھتا ہو لیکن کوئی اس کو پانی دینے والا نہ ہو یا وہ پانی حاصل کرنے کے آلات نہ حاصل کر سکے جیسے ڈول رسی وغیرہ اس کے لئے تیمّم کرنا جائز ہے اگر وقت کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو کیونکہ یہ شخص پانی کا نہ پانے والا شمار ہوگا۔ حنابلہ اس شرط کا اضافہ کرتے ہیں کہ اس پر ایسے آلات کا جو پانی نکال سکیں عاریتاً حاصل کرنا لازم ہے کیونکہ وہ چیز جس کے اوپر کسی واجب کی تکمیل منحصر ہو وہ خود بھی بمنزلہ واجب ہوتی ہے۔ اور عاریتاً ملنے پر اس کو قبول کرنا لازم ہوگا۔ کیونکہ ایسی چیزوں کے بارے میں بار احسان بہت بڑا نہیں ہوتا۔ اور اگر کنویں وغیرہ کا پانی اس طرح نکالنے پر قادر ہو کہ کپڑا اس میں ڈال کر باہر نکال کر نچوڑ نچوڑ کر پانی جمع کر سکے تو اس پر ایسا کرنا لازم ہوگا کیونکہ وہ اس طرح پانی پر قدرت رکھنے والا شمار ہوگا اور ایسا شمار ہوگا جیسے اس نے ڈول اور رسی پالی ہو شرط صرف یہ ہے کہ اس طرح کے عمل سے کپڑے کی قیمت نہ گھٹے اور اس پانی کی عام بازاری قیمت سے بھی کم نہ ہو جو وہ نکال رہا ہے، اور اگر اس کپڑے کی قیمت پانی کی قیمت سے زیادہ گھٹ جائے (یعنی اتنی گھٹ جائے کہ اس سے کم میں پانی خرید کر مل جاتا ہے تو) اس پر پانی نکالنا لازم نہیں ہوگا جیسے پانی کا خریدنا لازم نہیں ہوتا ہے۔ اور اس شخص پر بطور قرض ملنے والے پانی یا اس کی قیمت کا قبول کرنا لازم ہے اگر اس کے پاس اس کو چکانے کی رقم موجود ہو۔ کیونکہ بار احسان اس بارے میں کم تر ہوتا ہے ہاں پانی کی قیمت دوسرے سے قرض مانگ کر لینا لازم نہیں کیونکہ اس میں بار احسان بہت ہوتا ہے۔ اور تحفتاً ملنے والے پانی کا قبول کرنا اس پر لازم ہے کیونکہ اس میں زیر باری کم ہوتی ہے کیونکہ عادتاً وہ بہت قیمتی نہیں شمار ہوتا ہے۔ لیکن پانی کی قیمت کو تحفۃً قبول کرنا اس شخص پر لازم نہیں ہوگا، کیونکہ بار احسان اس بارے میں زیادہ شمار ہوتا ہے۔ اور اپنے ذمے قرض رکھ کر پانی خرید لینا اس پر لازم نہیں ہے خواہ وہ اپنے شہر میں اس کی ادائیگی پر قادر بھی ہو کیونکہ اس میں اس کے ذمے قرض کا بار باقی رہنے سے ضرر لاحق ہونے کا امکان ہوتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ رقم ادا کرنے سے قبل ہی وہ شخص فقیر اور بے مال و دولت والا بن جائے۔

۸: نماز کا وقت نکل جانے کا اندیشہ......شوافع وقت نماز نکل جانے کے اندیشے کے سبب تیمّم کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں[1]

[1]...... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۸۸، الحضرمیۃ: ص ۲۴۔

کیونکہ یہ شخص ایسی صورتحال میں پانی کی موجودگی میں تیمّم کرنے والا قرار پاتا ہے (جو کہ ظاہر ہے کہ غلط ہے) اس سے یہ حضرات مسافر کی حالت کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں کیونکہ پانی کی تلاش اس پر لازم نہیں ہوتی، لہٰذا وہ اس کے لئے وقت نکلنے کے اندیشے پر یا جان مال کو خطر لاحق ہونے پر یا رفقاء سفر سے پیچھے رہ جانے کے اندیشے پر تیمّم کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ مالکیہ بھی وقت نکل جانے کے خوف سے تیمّم کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں خواہ جنازے کی نماز کے نکل جانے کا اندیشہ ہو یا عید کی نماز کے یا فرض نماز کے نکل جانے کا اندیشہ ہو۔ لیکن وہ مسافر جس کو علم ہو کہ پانی قریب میں ہے لیکن اس کو لینے کے لئے جانے آنے میں نماز کا وقت نکل جائے گا تو اس کے لئے یہ درست ہے کہ وہ تیمّم کرے اور نماز پڑھ لے، اس پر اعادہ بھی لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ دوران وقت اس کے استعمال پر قدرت نہ رکھنے کی بناء پر پانی نہ پانے والے کی طرح شمار ہوگا۔❶

احناف وقت کے ختم ہو جانے کے خوف سے تیمّم کو جائز نہیں قرار دیتے ہیں ماسوا ان صورتوں کے۔❷

ا...... پانی نہ ہونے کے سبب نماز جنازہ فوت ہو جانے کے ڈر سے وہ تیمّم کر سکتا ہے خواہ وہ جنبی ہو یا نماز عید کے چھوٹ جانے کے اندیشے کی صورت میں بھی وہ تیمّم کر سکتا ہے مثلاً اس کو عید کی نماز میں وضو میں مشغول ہونے کی صورت میں امام کے فارغ ہو جانے کا اندیشہ ہو یا زوال کے وقت ہو جانے کا اندیشہ ہو، اور صحیح قول کے مطابق خواہ وہ خود امام ہو یا کوئی اور ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان دونوں نمازوں کے نکل جانے پر ان کا کوئی بدل یا قضاء نہیں ہوتی ہے اور دوسری دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے جب نماز جنازہ اچانک ہونے لگے اور تمہیں اس کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو تیمّم کر کے اس کو پڑھ لو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک جنازہ آیا اور وہ بے وضو تھے تو انہوں نے تیمّم کر کے اس پر نماز پڑھ لی۔ اور جب نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت کے لئے تیمّم کر لینا درست ہے تو پانی نہ ہونے پر تمام نمازوں کے لئے تیمّم کر لینا بھی درست ہے۔❸

۲...... گرہن کی نماز اور فرائض کی سنتیں فوت ہو جانے کے خوف سے پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کر لینا درست ہے، خواہ سنت فجر کے لئے ہی ہو اور وہ اس طرح کہ وضو کرنے سے اس کے وقت کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

تیمّم تمام فرض نمازوں، وتر اور نماز جمعہ کے لئے درست نہیں اگر ان کے وقت کے ختم ہونے کا اندیشہ ہو کیونکہ جمعہ کا بدل ظہر کی شکل میں موجود ہے اور بقیہ نمازیں بھی قابل قضا ہیں۔

مالکیہ صحیح قول کے مطابق فرماتے ہیں❹ کہ پانی نہ پانے والے شخص کے لئے فرض نمازوں کے لئے تیمّم کرنا درست ہے اگر وقت نکلنے کا اندیشہ ہو مقصود نماز کو بروقت ادا کرنا ہے اور اگر گمان ہو کہ غسل یا وضو کرنے کے بعد وہ ایک رکعت بھی پا سکتا ہے تو وہ تیمّم نہ کرے۔ مشہور قول کے برخلاف ظاہر قول یہ ہے کہ پانی نہ پانے والے شخص کے لئے جو مقیم ہو تیمّم کر لینا درست ہے جمعہ، نماز جنازہ کی ادائیگی کے لئے خواہ وہ متعین ہو یا نہیں اگر اس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو نماز ادا کرنے کے بعد اس کا اعادہ اس پر لازم نہیں ہوگا۔ اس طرح پانی نہ پانے والے شخص کے لئے سنت اور مستحب کی ادائیگی کے لئے قرآن چھونے کے لئے اور غیر واجب طواف کے لئے تیمّم کر لینا درست ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تیمّم کے اسباب دو قسموں کے بنتے ہیں:

---

❶...... كشاف القناع ج ۱ ص ۲۰۶۔❷الدر المختار ج ۱ ص ۲۲۳۔۲۲۷ مراقی الفلاح ص ۱۹، البدائع ج ۱ ص ۵۱ فتح القدير ج ۱ ص ۹۶۔❸احناف کے ہاں پانی نہ ہونے کی صورت میں فی نفسہ تیمّم کر لینا بعض چیزوں کے لئے درست ہے خواہ اس تیمّم سے نماز ادا کرنا درست نہ بھی ہو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ تمام امور جن کے لئے طہارت شرط نہیں جیسے غیر جنبی کے لئے قراءت قرآن زبانی یاد یکھ کر قرآن کی تعلیم مسجد میں داخل ہونا اور نکلنا میت کی تدفین اور قبروں کی زیارت اذان اور اقامت مریض کی عیادت سلام کرنا اور جواب دینا اور مختار قول یہ ہے پانی کے ہوتے ہوئے بھی سجدہ تلاوت کے لئے تیمّم کرنا صرف مسافر کے لئے جائز ہے۔❹ الشرح الصغير ج ۱ ص ۱۸۲۔۱۸۴ الشرح الكبير ج ۱ ص ۱۵۰ اور بعد کے صفحات۔

۱..... پانی کا نہ پانا۔ اس میں تمام صورتیں شامل ہیں کہ پانی کی خود اس کو ضرورت ہو خواہ مستقبل میں یا مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو یا پانی کی تلاش یا استعمال کرنے سے وقت کے نکل جانے کا اندیشہ ہو۔

۲..... پانی استعمال نہ کرسکنا اس میں تمام بقیہ حالات داخل ہیں یہ دوسری قسم پہلی قسم پر قیاس شدہ ہے اور وہ ہے پانی کا نہ پانا جو کہ آیت تیمّم میں منصوص ہے۔ اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ دو آدمیوں کے لئے تیمّم درست ہے مریض کے لئے مسافر کے لئے اگر اس کو پانی نہ ملے تیمّم سے ادا کی ہوئی نماز کیا دوبارہ ادا کی جائے گی؟ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص پانی نہ ہونے کی وجہ سے تیمّم کر کے نماز پڑھ لے پھر نماز کا وقت نکل جانے کے بعد پانی ملے تو اس پر پڑھی نماز کا اعادہ لازم نہیں ہے۔ تاہم اگر وہ پانی نماز کے وقت کے دوران ہی پالے یا اس نے دوسرے اسباب کی وجہ سے تیمّم کیا ہوا ہو تو اس بارے میں

فقہاء کرام میں اختلاف ہے ❶ حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں وہ شخص جو تیمّم کر کے نماز پڑھ لے پھر دوران وقت اس کو پانی مل جائے تو اس پر اعادہ لازم نہیں ہے اس طرح اگر اس نے دوسرے اسباب کی وجہ سے تیمّم کیا ہو تو بھی اس پر بعد میں قضاء لازم نہیں ہے تاہم مالکیہ یہ فرماتے ہیں وہ شخص جس کو تیمّم کا حکم ہوا گر وہ پانی کی تلاش میں کوتاہی کا مرتکب ہو یا اس کے حصول کی کوشش صحیح طرح نہ کی ہو تو اس کو نماز کا اعادہ کر لینا چاہئے اگر وہ دوران وقت پانی پالے۔ اسی طرح احناف نے بھی اس شخص کو اعادہ نماز لازم نہ ہونے کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیا جس نے تیمّم اس وجہ سے کیا ہو کہ وہ قید یا بندش میں ہونے کے سبب پانی استعمال نہ کرسکا ہو تو وہ اگر مقیم تھا تو اعادہ کرے گا اور اگر مسافر تھا تو نہیں اور اس رائے کا اختیار کرنا زیادہ آسان ہے۔ ان حضرات کی دلیل وہ روایت ہے جو ابوداؤ نے حضرت ابوسعید سے روایت کی ہے کہ دو آدمی سفر میں نکلے نماز کا وقت آ گیا ان کے پاس پانی نہیں تھا انہوں نے تیمّم کیا اور نماز پڑھ لی پھر دوران وقت انہیں پانی مل گیا تو ان میں سے ایک نے وضو کر کے نماز کا اعادہ کر لیا اور دوسرے نے نہیں کیا پھر جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ واقعہ عرض کیا تو آپ نے اس شخص سے جس نے نماز نہیں لوٹائی تھی فرمایا تم نے سنت کے مطابق کام کیا تمہاری نماز درست ہوگئی تھی، اور جس نے نماز لوٹائی تھی اس سے فرمایا تمہارے لئے دو اجر ہیں۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ اس طرح نماز عصر ادا کی کہ وہ سفر سے واپسی پر مدینہ کے قریب پہنچ چکے تھے اور انہیں مدینہ کی آبادی نظر آنی شروع ہوگئی تھی انہوں نے تیمّم سے نماز ادا کی اور مدینہ میں داخل ہوتے وقت سورج بلند تھا مگر انہوں نے نماز کا اعادہ نہیں کیا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ تیمّم کرنے والے نے اپنے ذمے لازم فریضہ ادا کر دیا اور اپنے فرض کو ہدایات کے مطابق انجام دیا لہٰذا اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا۔ اور یہ بات بھی ہے کہ پانی کا نہ ہونا ایک عادتاً پایا جانے والا عذر ہے جب اس شخص نے اس عذر کی موجودگی میں تیمّم کیا تو یہ اس کا لازمی تقاضا ہے کہ فرض اس کے ذمے سے ساقط ہو جائے جیسے مرض کی حالت میں ادا شدہ نماز میں ہوتا ہے اور ایک مرتبہ ساقط شدہ چیز دوبارہ ذمے میں لازم نہیں ہوتی ہے مذہب کے مشہور قول کے مطابق حنابلہ فرماتے ہیں کہ وہ تیمّم کیا ہوا شخص جو دوران نماز پانی پالے اس کا تیمّم ٹوٹ جاتا ہے اور اس کی طہارت کا عدم ہو جاتی ہے وہ شخص طہارت دوبارہ حاصل کرے اور نماز از سر نو ادا کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے خواہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے جب تم پانی پالو تو اس کو اپنی کھال سے لگالو ❷ یہ حدیث اپنے مفہوم میں اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ پانی کی موجودگی میں طہارت دینے والا نہیں ہوتا ہے اور اپنے الفاظ سے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پانی پائے جانے کے وقت اس کو استعمال کرنا لازم ہو جاتا ہے، اور اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ شخص پانی

---

❶ ..... المغني ج ۱ ص ۲۴۳، ص ۲۶۵، ۲۶۸ كشاف القناع ج ۱ ص ۱۹۳۔ ۱۹۵، ۲۰۲ الشرح الصغير ج ۱ ص ۱۹۰ مراقي الفلاح ص ۱۹۔ الوجيز للغزالي ج ۱ ص ۲۳ مغني المحتاج ج ۱ ص ۱۰۱۔ ۱۰۶ اور بعد کے صفحات، المهذب ج ۱ ص ۳۲، الجموع ج ۲ ص، ص ۳۴۲۔ ۳۵۲۔ ❷ بروایت امام ابوداؤد، حاکم اور نسائی از حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح حدیث قرار دیا ہے۔

کے استعمال پر قادر ہو گیا ہے تو اس کا تیمم ایسے ہی ٹوٹ جائے گا جیسے نماز سے باہر شخص کا تیمم پانی ملنے پر ٹوٹ جاتا ہے۔ایک دوسری دلیل یہ ہے کہ تیمم ضرورت کی طہارت ہے تو ضرورت ختم ہوتے وقت یہ باطل ہو جائے گا جیسے مستحاضہ عورت کی طہارت خون آنا رک جانے پر باطل ہو جاتی ہے اور اگر وہ پانی نہ پائے تو تیمم کر کے نماز پڑھے اور نماز کا اعادہ نہ کرے۔ کیونکہ یہ تیمم کے ذریعے ادا شدہ صحیح نماز ہے۔اور اگر کسی شخص کو پینے کے لئے پانی کے نہ بچے رہنے کا اندیشہ ہو تو وہ پانی بچائے اور تیمم کر لے اور اس پر نماز کا اعادہ بھی لازم نہیں ہوگا۔

شوافع فرماتے ہیں اگر تیمم پانی نہ ہونے کی وجہ سے کیا پھر پانی مل گیا تو اس کی چند صورتیں ہیں۔

الف:.....اگر نماز شروع کرنے سے قبل پانی مل گیا تو اس کا تیمم باطل ہو جائے گا کیونکہ اس نے مقصود کی ادائیگی شروع نہیں کی ہے اور دوسری دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب تم پانی پالو تو اس کو اپنی کھال سے لگالو۔

ب:.....اور اگر پانی اس کو دوران نماز ملے تو اگر وہ مقیم ہو تو نماز اور تیمم دونوں باطل ہو جائیں گے۔ کیونکہ پانی موجود ہونے کی وجہ سے اس پر اعادہ لازم ہوتا ہے اور یہاں اس نے پانی پالیا ہے لہٰذا اس پر لازم ہے کہ وہ نماز کے اعادے میں مشغول ہو جائے۔اور اصح قول یہ ہے کہ اس شخص کا وضو کے لئے نماز کو توڑ کر اس سے نکلنا افضل ہے اور اگر وہ شخص حالت سفر میں ہو تو ایک مذہب کے مطابق اس کا تیمم باطل نہیں ہوگا کیونکہ اس نے مقصود چیز کی ادائیگی کی ابتداء کر دینے کے بعد اصل کو پایا ہے تو اس پر اصل کی طرف منتقل ہونا لازم نہیں ہے۔اور اگر اس نے دوران نماز حالت سفر میں پانی پالیا پھر اس کی نیت قیام کی ہوگئی تو اس کا تیمم اور نماز دونوں باطل ہو جائیں گے۔کیونکہ سفر اور حضر کا حکم نماز میں جمع ہو گیا لہٰذا یہ لازم ہوا کہ حضر کے حکم کو غالب رکھا جائے اور وہ شخص ایسا ہو گیا گویا اس نے حضر میں تیمم کر کے نماز پڑھی ہے اور پانی اس کو مل گیا ہے۔

ج.....اور اگر نماز سے فراغت کے بعد پانی ملا تو اگر وہ حضر میں ہے تو وہ اعادہ کرے گا کیونکہ حالت حضر میں پانی کا نہ ملنا بڑا نادر اور غیر متصل (یعنی برقرار نہ رہنے والا) عذر ہے لہٰذا اس کے ذریعے فریضہ نماز ساقط نہیں ہو سکتا ہے جیسے اگر ایسی نجاست کے ساتھ نماز پڑھ لی جسے وہ بھول گیا ہو۔اور اگر وہ شخص حالت سفر میں ہے تو اس پر اعادہ لازم نہیں ہے امام شافعی کے زیادہ مشہور قول کے مطابق خواہ وہ سفر لمبا ہو یا چھوٹا۔ اور اگر سفر معصیت کا ہو تو اصح بات یہ ہے کہ اس پر ایسے ہی اعادہ لازم ہے جیسے مقیم پر لازم ہوتا ہے۔کیونکہ تیمم سے فرض کا ذمے سے ساقط ہو جانا ایسی رخصت ہے جس کا تعلق سفر سے ہے اور سفر گناہ کا ہے لہٰذا رخصت اس سے متعلق نہیں ہوگی۔اور اگر اس نے مرض کی وجہ سے تیمم کیا پھر صحت یاب ہو گیا تو اس پر وقت میں اعادہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ مرض عام اعذار میں سے ہے تو گویا یہ ایسے ہوا جیسے حالت سفر میں پانی کا نہ پانا۔اور اگر شدت ٹھنڈ کی وجہ سے تیمم کیا اور نماز پڑھی پھر یہ شدت ٹھنڈ جاتی رہی تو اگر وہ حضر میں ہے تو اس پر اعادہ لازم ہے کیونکہ یہ نادر العذار میں سے ہے اور اگر سفر میں ایسا ہو تو اس بارے میں دو قول ہیں راجح قول یہ ہے کہ اعادہ لازم ہو کیونکہ ایسی سردی جو ہلاکت خیز ہو اور انسان ایسی چیز بھی نہ پائے کہ وہ اپنے سے اس ضرر کو دور کر سکے ایسا عذر ہے جو نادر اور غیر متصل (نہ برقرار رہنے والا ہے) ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے حالت حضر میں پانی نہ پانا۔اور تیمم سے ادا شدہ نماز کی قضاء کے بارے میں شوافع فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو مقیم ہو اور پانی نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کرے وہ نماز کی قضاء کرے گا مسافر نہیں کرے گا ہاں وہ مسافر جو سفر معصیت پر ہو جیسے بھگوڑا غلام اور نافرمان بیوی تو صحیح قول کے مطابق ان پر دوبارہ ادا کرنا لازم ہے کیونکہ یہ لوگ اہل رخصت نہیں ہیں اور اظہر قول کے مطابق سفر میں شدت ٹھنڈ کی وجہ سے تیمم کرنے والا قضاء پڑیگا اسی طرح وہ شخص جو ایسے مرض کی وجہ سے تیمم کرے جو مطلق پانی کے استعمال سے مانع ہو یا اعضاء وضو میں سے کسی عضو میں پانی استعمال کرنے سے مانع ہو اور اس پر کوئی ساتر (چھپانے والی چیز) نہ ہو یا ساتر ہو جیسے زخم کی پٹی جو تیمم کی جگہوں چہرہ، دونوں ہاتھ پر ہو تیمم اس لئے کیا گیا ہو کہ ساتر ہو مگر اعضاء وضو کے علاوہ عضو میں بلا طہارت باندھا گیا ہو ان تمام صورتوں میں تیمم سے ادا شدہ نماز کی بعد میں قضاء ادا کرنی ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو نماز دائمی عذر کی وجہ سے حالت تیمم میں ادا کی گئی ہو جیسے مستحاضہ بیٹھ کر نماز ادا کرنے والا مریض اور مسافر کہ ان پر

اداشدہ نماز کی قضاء پڑھنا لازم نہیں ہے اور جو عذر غیر دائمی ہو اور اس کا کوئی بدل بھی ہو جیسے دونوں ذرائع طہارت نہ پانے والا شخص (فاقد الطہورین) اور سولی پر چڑھا ہوا وہ شخص جو اشارے سے نماز ادا کرے تو یہ لوگ بعد میں نماز کی قضا کریں گے۔ اور جو ایسا عذر ہو جو دائمی نہ ہو اور اس کا بدل موجود ہو جیسے مقیم شخص کا اور مسافر کا شدت ٹھنڈ کی وجہ سے تیمم تو اس کی قضاء پڑھنے کے بارے میں دو قول ہیں راجح قول یہ ہے کہ وہ شخص قضاء کرے گا اور یہ مخفی نہیں کہ شوافع کی رائے میں کسی قدر سختی اور شدت ہے جو احناف اور ان کے موافق حضرات کی رائے کی طرف جھکاؤ اختیار کرنے کی متقاضی ہے۔

۳۔ تیسری بحث......تیمّم کے ارکان یا فرائض

تیمم کے کچھ ارکان اور فرائض ہیں، اس میں یہ بات پیش نظر رہے کہ رکن یا فرض سے مراد ہے وہ چیز جس پر بنیادی طور پر کسی چیز کا وجود موقوف ہو یا وہ چیز جو اس چیز کی قول جانب ہو یہ احناف کے علاوہ جمہور فقہاء کی اصطلاح ہے، احناف رکن کو اس مفہوم میں منحصر کرتے ہیں کہ جس پر کسی چیز کا وجود موقوف ہو اور وہ اس کی حقیقت و ماہیت میں داخل ہو۔ اسی بناء پر وہ فرماتے ہیں تیمّم کے دو رکن ہیں، اور وہ ہیں دو دفعہ ہاتھ مارنا اور ۲۔ چہرے اور دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک ہاتھ پھیرنا۔ جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ تیمّم کے ارکان چار یا پانچ ہیں ان میں موجود اختلاف کی تفصیل کے ساتھ اور یہ فرائض مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

ا۔ چہرے پر ہاتھ پھیرتے وقت نیت کرنا...... یہ باتفاق چاروں مذاہب کے فرض ہے، احناف میں سے صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ اس کے قائل ہیں۔ احناف کی ایک جماعت اور بعض حنابلہ نے اس کو شرط قرار دیا ہے یہ دونوں مذاہب، حنابلہ اور احناف، کے ہاں معتمد اور مفتی بہ بات ہے۔

مالکیہ کے ہاں نیت اس طرح ہوگی کہ آدمی نماز مباح کرنے کی یا اس چیز کو مباح کرنے کی نیت کرے جو حدث کی وجہ سے ممنوع ہے یا چہرے کے مسح کے وقت فرض تیمّم کی نیت کرے۔ اور اگر اس نے صرف حدث رفع کرنے کی نیت کی تو اس کا تیمّم باطل ہوگا، کیونکہ ان کے مشہور قول کے مطابق تیمّم حدث کو دور کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر تیمّم کرنے کی نیت کی تو یہ جائز ہو جائے گا، اور حدث اکبر ہونے کی صورت میں اس کی تعیین یا حدث اصغر کی تعیین سے لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر نماز کے مباح کرنے کی نیت کی یا اس چیز کو مباح کرنے کی نیت جو حدث کی وجہ سے ممنوع ہو تو حدث اکبر ہونے کی صورت میں اس کی تعیین لازم کر دے گی اور حدث اصغر کی نیت مستحب ہے جیسا کہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے۔

وہ نماز جس کے لئے تیمّم کیا جا رہا ہو، خواہ فرض ہو یا نفل علیحدہ علیحدہ یا ایک ساتھ اس کی تعیین مستحب ہے۔ اگر نماز کی تعیین نہ کرے تو نفل کی نیت سے فرض ادا نہیں کر سکتا، اور مطلق نماز کی نیت سے بھی فرض ادا نہیں کر سکتا، کیونکہ فرض کے لئے ایسی نیت ضروری ہے جو اس کے لئے خاص ہو۔

شوافع فرماتے ہیں کہ نماز مباح کرنے وغیرہ کی نیت ضروری ہے لہٰذا صحیح قول کے مطابق فرض تیمم کی نیت یا فرض طہارت کی نیت یا طہارت عن الحدث کی نیت یا جنابت سے طہارت کی نیت یا رفع حدث کی نیت وغیرہ کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ تیمّم ان کے ہاں حدث کو رفع نہیں

---

❶...... البدائع: ج ا ص ۴۵ اور بعد کے صفحات ص ۵۲ فتح القدیر ج ا ص ۸۶، ۸۹ الدرالمختار ج ا ص ۲۱۲، اللباب ج ا ص ۳۷ تبیین القائق ج ا، ص ۳۸ اور بعد کے صفحات مراقی الفلاح ص ۱۹۔ ۲۰ الشرح الکبیر ج ا ص ۱۵۴ الشرح الصغیر ج ا ص ۱۹۲۔ ۱۹۸ القوانین الفقهیه ص ۳۷ اور بعد کے صفحات بدایة المجتهد ج ا ص ۶۴، ۶۶، مغنی المحتاج ج ا ص ۹۷۔ ۹۹ المهذب ج ا ص ۳۲، المغنی ج ا ص ۲۵۴ کشاف القناع ج ا ص ۱۹۹۔ ۲۰۲۔

کرتا ہے۔اور دوسری بات یہ ہے کہ تیمم بذات خود مقصود نہیں ہوتا ہے، اس کو ضرورت کے تحت انجام دیا جاتا ہے لہٰذا اس کو مقصود بنانا درست نہیں ہے، لہٰذا اگر مطلق نیت کرے تو جو چاہے وہ فرض ادا کر سکتا ہے اور اگر کسی فرض کی تعیین کر دی تو دوسری فرض یا نفل کی ادائیگی وقت میں یا غیر وقت میں درست ہوگی۔تاہم فرض کو نفل کی نیت سے ادا نہ کرے اور نہ مطلق نماز مباح کرنے کی نیت سے فرض کو ادا کرے یعنی وہی بات جو مالکیہ نے فرمائی تھی۔ان حضرات کے ہاں نیت کا چہرے پر ہاتھ پھیرتے وقت جو گرد کے منتقل ہونے کا مرحلہ ہے ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ پہلا رکن ہے اور صحیح قول کے مطابق چہرے کے کچھ حصے کے مسح کرنے تک نیت کا برقرار رہنا ضروری ہے۔

حنابلہ کے ہاں اس چیز کے مباح کرنے کی نیت کرے جو تیمم سے مباح ہو جاتی ہے جیسے نماز وغیرہ یعنی طواف اور قرآن کریم کا چھونا یعنی جیسا کہ شوافع کے ہاں تفصیل ہے۔اور رفع حدث کی نیت سے یہ درست نہیں کیونکہ شوافع اور مالکیہ کی طرح ان کے ہاں بھی تیمم حدث کو رفع نہیں کرتا ہے دلیل حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے منقول وہی حدیث ہے جو کئی مرتبہ پہلے بھی گزری کہ جب تمہیں پانی مل جائے تو اس کو اپنی کھال پر ملو کیونکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے ❶ ان حضرات کے ہاں جس چیز کے لئے تیمم کر رہا ہے اس کے لئے تعیین ضروری ہے مثلاً نماز طواف اور قرآن کریم چھونا وغیرہ اور حدث اکبر حدث اصغر سے پاک ہونے کی نیت یا بدن پر سے نجاست دور کرنے کی نیت وغیرہ، کیونکہ تیمم حدث کو رفع نہیں کرتا ہے، وہ تو فقط نماز کو مباح کر دیتا ہے، تو نیت کی تعیین ضروری ہے تاکہ اس کمزوری کو سہارا مل سکے۔

اور تعیین اس طرح ہو کہ وہ نماز ظہر کو مباح کرنے کی نیت کرے مثلاً جنابت سے اگر وہ جنبی ہو یا حدث سے اگر وہ بے وضو ہو یا ان دونوں سے اگر وہ بے وضو اور جنبی ہو اور اس سے ملتی جلتی چیزیں۔اور اگر جنابت کے لئے تیمم کرے تو وہ حدث اصغر کی طرف سے کافی نہیں ہوگا کیونکہ یہ دونوں طہارت ہیں تو ایک طہارت دوسرے کی نیت سے ادا نہیں ہوگی احناف فرماتے ہیں وہ تیمم جس سے نماز ادا کرنا درست ہوتا ہے اس کے صحیح ہونے کے لئے تین امور شرط ہیں:

۱.....یا تو حدث سے طہارت حاصل کرنے کی نیت ہو۔

۲.....یا نماز مباح کرنے کی نیت ہو۔

۳.....یا ایسی مقصود عبادت کی نیت ہو جو طہارت کے بغیر صحیح نہیں ہوتی ہو جیسے نماز یا سجدہ تلاوت یا نماز جنازہ۔

چنانچہ اگر فقط تیمم کی نیت کی نماز کو مباح کرنے کے یا موجود حدث کو رفع کرنے کی نیت کے بغیر تو اس سے نماز کی ادائیگی درست نہیں ہوگی جیسے نماز اس وقت بھی صحیح نہیں ہوگی اگر وہ ایسی چیز کی نیت کرے جو اصلاً عبادت نہ ہو جیسے مسجد میں داخل ہونا اور قرآن کریم کو چھونا وغیرہ ❷ یا ایسی عبادت کی نیت کرے جو مقصود عبادت نہ ہو جیسے اذان اور اقامت ❸ یا ایسی عبادت کی نیت کرے جو مقصود ہو لیکن بغیر طہارت کے درست ہو جیسے بے وضو شخص (حدث اصغر والے شخص) کا قرآن کی تلاوت کے لئے یا سلام کرنے کے لئے یا اس کا جواب دینے کے لئے تیمم کرنا۔

اور اگر جنبی شخص تلاوت قرآن کے لئے تیمم کرے تو اس کے لئے اس تیمم کے ذریعے تمام نمازیں ادا کرنا درست ہے۔احناف کے ہاں حدث یا جنابت کی تعیین ضروری نہیں تیمم مطلق نیت سے بھی ہو جاتا ہے اور رفع حدث کی نیت سے بھی ہو جاتا ہے، کیونکہ تیمم بھی حدث کو ایسے رفع کرتا ہے جیسے حدث اس کو رفع کرتا ہے ان کے ہاں نیت کے صحیح ہونے کے لئے اصلاً تمیز اور جس چیز کی نیت کر رہا ہے اس کا جاننا ضروری ہے تاکہ وہ اس چیز کی حقیقت سے باخبر ہو سکے جس کی وہ نیت کر رہا ہے۔

اور مذہب حنفی یہاں سب سے بہتر رائے ہے کیونکہ وہ سب سے آسان سہولت اور گنجائش رکھتا ہے۔

---

❶.....امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔❷ کیونکہ عبادت مسجد میں داخل ہونا اور قرآن چھونا نہیں بلکہ اعتکاف اور تلاوت ہیں۔❸ کیونکہ ان دونوں سے مقصود اعلان وتشہیر ہوتی ہے۔

اورنیت کے شرط ہونے کے لئے دلیل وہی حدیث انما الاعمال بالنیات ہے،احناف کا استدلال اس طرح ہے کہ مٹی درحقیقت گندہ کرنے والی ہوتی ہے،تو وہ پاک کرنے والی صرف نیت کے ذریعے بنے گی۔یعنی مٹی حقیقتاً طہارت کا ذریعہ نہیں ہے(جیسا کہ ظاہر ہے) وہ تو بوقت ضرورت وحاجت طہارت قرار دی گئی ہے،اور حاجت کا علم نیت کے ذریعے ہوسکتا ہے بخلاف وضو کے کہ وہ حقیقتاً طہارت ہے اس کے ذریعے بننے کے لئے حاجت کا ہونا ضروری نہیں ہے لہٰذا اس کے لئے نیت شرط نہیں ہوگی۔

۲.....چہرے اور دونوں ہاتھوں پر مکمل طور پر ہاتھ پھیرنا ❶ دلیل اس کی اللہ کا یہ فرمان ہے فامسحوا بوجوهكم وايديكم احناف اور شوافع کے ہاں ہاتھوں میں مطلوب مقدار مکمل طور پر کہنیوں تک مسح کرنا ہے جیسے وضو میں، کیونکہ تیمم قائم مقام وضو کے ہوتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ لفظ ید(ہاتھ) تیمم میں مطلقاً بولا گیا ہے،اور وضو میں اس کو قید کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے یعنی الى المرافق (کہنیوں تک) تو تیمم کو بھی وضو کے مطابق ہی شمار کریں گے اور اس کو وضو پر ہی قیاس کیا جائے گا۔حضرت عمار رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کے بارے میں فرمایا ایک مرتبہ مارنا ہے منہ اور دونوں ہاتھوں پر ❷ مالکیہ اور حنابلہ ہاتھوں پر صرف گٹوں تک مسح کرنے کو فرض کی ادائیگی کے لئے کافی قرار دیتے ہیں اور گٹوں سے کہنیوں تک کے عمل کو سنت قرار دیتے ہیں یہ حضرت دلیل اس آیت سے قائم کرتے ہیں وایدیکم اور جب حکم مطلق ہاتھوں سے متعلق کیا گیا تو اس میں ذراع (گٹوں سے اوپر کا حصہ داخل نہیں ہوگا جیسے چور کے ہاتھ کاٹنے کے بارے میں حکم ہے،دوسری دلیل حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تیمم کرنے کا حکم دیا چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے لئے ❸ اسی طرح حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ میں ایک مرتبہ جنبی ہوگیا،اور مجھے پانی نہیں ملا،میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا اور نماز پڑھ لی،پھر میں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی آپ نے فرمایا تمہارے لیے اتنا کر لینا کافی تھا،پھر آپ نے اپنے ہاتھ مٹی پر مارے پھر ان میں پھونک ماری۔

پھر ان دونوں کو اپنے چہرے اور ہتھیلیوں پر پھیر لیا۔❹

شوافع اور حنابلہ کے ہاں فرض دو دفعہ ہاتھ مارنا ہے،ایک مرتبہ چہرے کے لئے اور ایک مرتبہ دونوں ہاتھوں کے لئے مالکیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں پہلی مرتبہ مارنا فرض ہے یعنی دونوں ہاتھ مٹی پر پھیرنا اور دوسری مرتبہ ایسا کرنا سنت ہے۔یہ بحث آگے آئے گی۔

اس میں واقع ہونے والے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آیت اس بارے میں مجمل ہے اور احادیث متعارض ہیں،اور تیمم کو تمام احوال میں وضو پر قیاس کرنا اختلافی معاملہ ہے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک دفعہ ہاتھ مارنا چہرے اور ہاتھوں کے لئے ایک ساتھ ہے،اور بعض دوسری احادیث میں دو مرتبہ مارنے کا تذکرہ ملتا ہے جمہور نے ان احادیث کو تیمم کو وضو پر قیاس کرتے ہوئے ترجیح دیدی ان احادیث میں سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث ہے تیمم دو دفعہ مارنا ہے،ایک دفعہ چہرے کے لئے اور ایک دفعہ دونوں ہاتھوں کے لئے ❺ ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ ہاتھ مار کر تیمم کیا ایک مرتبہ میں چہرے پر ہاتھ پھیرا اور دوسری مرتبہ میں اپنی دونوں ذراع (گٹوں سے کہنیوں تک کا حصہ) پر ہاتھ پھیرا ❻ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ تیمم میں انگوٹھی کا اتارنا واجب

---

❶..... یہ بات مدنظر رہے کہ مالکیہ نے ان کو دو فرض بنا دیا ہے ا۔مٹی پر دونوں ہاتھ مارنا ۲۔چہرے اور ہاتھ گٹوں تک مکمل مسح کرنا شوافع اور حنابلہ کے ہاں پورے چہرے کا مسح ایک فرض ہے اور ہاتھوں کا مسح دوسرا فرض ہے۔❷ بروایت امام احمد وابوداؤد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث تیمم دو دفعہ ہاتھ مارنا ہے ایک دفعہ مارنا چہرے کے لئے اور دوسری دفعہ مارنا ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک تو یہ ضعیف ہے۔❸ بروایت وتصحیح امام ترمذی. نیل الاوطار ج ا ص ۲۶۳۔❹ متفق علیہ،اور ایک حدیث کے الفاظ ہیں تمہارے لئے کافی تھا کہ تم اپنے دونوں ہاتھ مٹی میں مارتے پھر ان میں پھونک مارتے پھر تم ان کو اپنے چہرے اور ہاتھوں پر گٹوں تک پھیر لیتے بروایت دارقطنی،نیل الاوطار ج ا ص ۲۶۴۔❺ بروایت حاکم،دارقطنی اور بیہقی تاہم اس کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے اور یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔❻ اس کا ایک راوی محدثین کی نظر میں قوی نہیں لہٰذا اس کی سند ضعیف ہے،نصب الرایۃ ج ا ص ۱۵۰،۱۵۴۔

ہے بخلاف وضو کے کیونکہ مٹی بھاری اور ٹھوس شکل میں ہونے کی بناء پر انگوٹھی کے نیچے نہیں جا سکتی بخلاف پانی کے اور شوافع کے ہاں محل وجوب دوسری مرتبہ مارنے میں ہے (یعنی دوسری مرتبہ مارتے وقت اتارنا واجب ہے) پہلی مرتبہ میں مستحب ہے اور اتارنا بھی ہاتھ پھیرتے وقت واجب ہے مٹی میں ہاتھ مارتے وقت نہیں۔ مالکیہ اور احناف انگلیوں میں ہتھیلی یا انگلیوں کی اندرونی طرف سے خلال کرنے کو واجب کہتے ہیں تاکہ مسح صحیح طرح ہو سکے۔ شوافع اور حنابلہ ہاتھ پر مسح کرنے کے بعد انگلیوں میں خلال کو احتیاط کی خاطر مستحب قرار دیتے ہیں۔

اور مٹی کا ہلکے بالوں کی جڑ میں پہنچانا، واجب نہیں لہٰذا مٹی کو داڑھی کے بالوں کے اندر پہنچانا ضروری نہیں خواہ داڑھی ہلکی ہو، کیونکہ اس طرح کرنے میں مشقت وتنگی ہے بخلاف وضو کے اور تیمم میں مضمضہ (کلی کرنا) اور استنشاق (ناک صاف کرنا) نہیں ہے، تاکہ مٹی ناک اور منہ میں نہ گھس جائے بلکہ یہ مکروہ ہیں کیونکہ ان کے کرنے سے گندگی بڑھتی ہے۔

۳..... ترتیب شوافع کے ہاں فرض ہے اور حنابلہ کے ہاں حدث اکبر کے علاوہ صورت میں فرض ہے۔ یعنی تیمم کے دونوں اعضاء پر تیمم کرنے کے دوران۔ کیونکہ تیمم پانی کی طہارت کی نیابت میں ہوتا ہے اور وضو میں ترتیب فرض ہے تو تیمم میں جو اس کے قائم مقام ہے نیت فرض ہوگی۔ اور حدث اکبر یا بدن پر لگی ہوئی نجاست کے لئے تیمم کرنا تو اس میں ترتیب فرض نہیں ہے۔

حنیفہ اور مالکیہ فرماتے ہیں چہرے اور ہاتھوں کے درمیان ترتیب مستحب ہے واجب نہیں کیونکہ اصلی فرض مسح کرنا ہے، اور مٹی کا ان اعضاء تک پہنچانا اس کا ذریعہ ہے۔

۴..... پے در پے افعال کا انجام دینا مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ فرض ہے تاہم مالکیہ ترتیب کی طرح اس کو بھی حدث اکبر کے علاوہ صورتوں میں تیمم کئے جانے کی صورت میں فرض قرار دیتے ہیں۔ اور وہ اس طرح کرے کہ تیمم کے دونوں افعال کو ایک دوسرے کے بعد انجام دے اور اس طرح انجام دے کہ دوسرے عضو پر اس عمل کو کرنے میں اتنی تاخیر نہ ہو جتنی تاخیر وضو میں کر دینا ممنوع ہو یعنی جیسے وضو میں ایک عضو کے بعد دوسرے عضو کو دھونے میں اتنی تاخیر نہ ہو کہ پہلا عضو اتنے عرصے میں خشک ہو جائے عام معتدل حالات میں۔ مالکیہ مزید یہ فرماتے ہیں کہ تیمم اور وہ عبادت یا غرض جس کے لئے تیمم کیا گیا ہے، ان کے درمیان موالات (پے در پے ہونا) ضروری ہے شوافع اور احناف فرماتے ہیں تیمم میں موالات (پے در پے ہونا) مسنون ہے جیسے وضو میں مسنون ہے جیسے تیمم اور نماز کے مابین بھی موالات مسنون ہے، اور یہ مسنون اس لئے ہے کہ اس اختلاف سے باہر رہا جا سکے جو ان حضرات کا ہے جو اس کو لازم قرار دیتے ہیں۔ یعنی مالکیہ حضرات جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

۵..... پاک مٹی کا ہونا، یہ مالکیہ کے ہاں فرض اور دوسرے حضرات کے ہاں شرط ہے اور مالکیہ کے ہاں[1] پاک مٹی میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو اجزاء زمین میں سے اس پر نمودار ہوں جیسے مٹی، اور یہ دوسرے اجزاء کے مقابلے میں افضل ہے اگر یہ دستیاب ہو اور ریت، پتھر، کنکر گچ جس کو آگ پر پکایا نہ گیا ہو اگر جلا دیا پکا دیا گیا ہو تو اس سے تیمم درست نہیں ہوگا۔ اور خواہ یہ چیزیں زمین پر سے ہٹائی ہوئی ہوں یعنی ان کو اپنی جگہ سے منتقل کر کے کسی ایسی چیز میں رکھ دیا گیا ہو جو زمین نہ ہو۔

کان میں موجود چیزوں پر بھی تیمم درست ہے اگر وہ اپنی جگہ پر ہوں اور وہاں سے منتقل نہ کی گئی ہوں، اور سونا چاندی نہ ہوں، اور نہ جواہرات میں سے ہو، جیسے موتی وغیرہ۔ لہٰذا شب (پھٹکری نما معدنی نمک) نمک، لوہے سیسے، رانگ اور سرمے کی نقلی ہوئی مقداروں پر اس وقت تیمم درست نہیں ہوگا اگر وہ کانوں سے نکل کر لوگوں کے پاس مال کی شکل میں موجود ہوں اسی طرح سونے اور چاندی پر بھی مسح درست نہیں خواہ وہ اپنی اصلی جگہ موجود ہوں اور نہ ہی جواہرات پر درست ہے جیسے یاقوت، زبرجد اور موتی وغیرہ خواہ وہ اپنی جگہ موجود ہوں۔ اور ایک قول کے مطابق لکڑی اور گھاس پر تیمم درست نہیں خواہ ان کے علاوہ کوئی اور چیز نہ بھی دستیاب ہو اس لئے کہ یہ دونوں نہ مٹی میں سے ہیں اور نہ مٹی

[1] الشرح الصغير ج ا ص ۱۹۵، القوانين الفقهية ص ۳۸، الشرح الكبير ج ا ص ۱۵۵

کے مشابہ اس کی جنس میں سے ہیں اور قابل اعتماد قول یہ ہے کہ ان دونوں کے علاوہ چیز نہ ہونے کی صورت میں ان پر تیمّم درست ہے۔اور پانی کا وہ نمک جو زمین یا سمندر کے کنارے جم جاتا ہے اس پر تیمّم درست ہے، کیونکہ وہ جمنے کی وجہ سے پتھر کے مشابہ ہوگی اور اجزاء زمین کی طرح شمار ہوگا۔

احناف کا مذہب بھی مالکیہ کی طرح ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں❶ کہ تیمّم ہر اس چیز سے درست ہے جو زمین کی جنس سے ہو جیسے مٹی، غبار، ریت، پتھر، گچ، چونا، سرمہ اور ہرتال وغیرہ، خواہ ان چیزوں پر غبار وغیرہ نہ بھی ہو۔ کیونکہ صعید کے لفظ کے اطلاق روئے زمین پر ہوتا ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ میں کوئی اختصاص (خصوصیت) کا مفہوم نہیں ہے بلکہ یہ تمام اجزائے زمین کو شامل ہے اور دوسری دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ کچھ گاؤں کے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور بولے کہ ہم لوگ ریتلے علاقے میں رہنے والے ہیں تین تین چار چار ماہ ایسے ہی رہتے ہیں، ہم میں جنبی حائضہ اور نفاس والی عورتیں ہوتی ہیں ہمیں پانی نہیں ملتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم زمین کو اپنالو (اور یوں کرو) پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے چہرے پر پھیرنے کے لئے پھر دوبارہ ہاتھ مارے اور اپنے ہاتھوں پر دونوں ہاتھ کہنیوں تک پھیر لئے❷ امام بخاری فرماتے ہیں کہ شوریدہ زمین پر نماز پڑھنے اور اس سے تیمّم کرنے میں حرج نہیں، اور مراد وہ زمین ہے جس میں شور (نمک وغیرہ) اور سیم وغیرہ ہو (یعنی سیم وتھور والی زمین)۔

مالکیہ اور حنفیہ کے ہاں تیمّم اس پتھر یا چٹان پر سے درست ہے، جس پر گرد نہ ہو اور اس گیلی مٹی پر بھی جس سے غبار ہاتھ پر نہ لگے اس طرح تیمّم گرد پر کرلینا درست ہے جیسے کوئی شخص کپڑے گدے، یا زین وغیرہ پر ہاتھ مارے اور اس کے ہاتھ مارنے سے گرد وغبار اڑے۔

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں❸ کہ تیمّم صرف اس پاک مٹی سے درست ہے جو گرد وغبار والی ہو ہاتھ پر لگ جاتی ہو اور جلی ہوئی چیز کی نہ ہو اور اگر وہ بہت دبی ہوئی یا نم ہو کہ ہاتھ ملنے سے وہ ہاتھ پر نہ لگے تو اس سے تیمّم کرلینا کافی نہیں ہوگا۔شوافع مزید یہ فرماتے ہیں کہ گرد وغبار والی ریت سے تیمّم درست ہے۔ جب کہ حنابلہ کے ہاں ریت سے تیمّم درست نہیں ہے۔اسی طرح پتھر کے تراشنے سے نکلنے والا تراشہ اور چھیلن سے بھی تیمّم درست نہیں ہے۔امام احمد سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ ریت سے تیمّم جائز ہے۔

دونوں فریقین کے ہاں معدنی چیز سے تیمّم درست نہیں ہے، جیسے تیل، گندھک اور چونے کی کان وغیرہ یا ٹھیکری وغیرہ کا پوڈر کیونکہ اس کو عرف میں مٹی نہیں کہا جاتا ہے۔اسی طرح وہ مٹی جو آٹے وغیرہ سے مل گئی ہو جیسے زعفران اور گچ، کیونکہ یہ مٹی کو عضو تک پہنچنے نہیں دیتی ہیں، اس طرح پکے ہوئے چونے سے بھی نہیں کیونکہ وہ مٹی نہیں ہے اس طرح ٹھیکری وغیرہ سے بھی نہیں یعنی جن کا گرد وغبار نہیں ہوتا ہے۔اور گیلی مٹی سے بھی تیمّم درست نہیں اور نہ ہی ناپاک مٹی سے تیمّم درست ہے ناپاک مٹی سے تیمّم کا درست نہ ہونا جیسے ناپاک پانی سے وضو درست نہیں ہوتا ہے، یہ علماء میں اتفاقی مسئلہ ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا اور شوافع کے ہاں اس مٹی سے بھی تیمّم درست نہیں جو ایک مرتبہ عضو پر تیمّم میں استعمال ہو چکی ہو اور حنابلہ کے ہاں غصب شدہ زمین وغیرہ سے بھی تیمّم درست نہیں، جیسے مسجد کی مٹی سے۔اور اگر کسی نے اونی گدے، کپڑے یا قالین وغیرہ پر ہاتھ مارے اور اس کے ہاتھ پر گرد لگ گئی اور اس نے اس سے تیمّم کرلیا تو یہ اس کے لئے جائز ہے۔

---

❶ ..... فتح القدير ج ١ ص ٨٨، لبدائع ج ١ ص ٥٣ اللباب، ج ١ ص ٣٧ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف مٹی اور ریت پر مسح درست ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صعید سے وہ مٹی مراد لی ہے جو اگانے والی مٹی ہو اور ریت کا اضافہ اس حدیث کی رو سے ہے جو طرفین نے دلیل میں ذکر کی ہے۔❷ بروایت امام احمد بيهقي، اسحاق بن راهويه ابويعلى الموصلى اور طبراني، تاہم یہ حدیث ضعیف ہے۔ نصب الراية ج ١ ص ١٥٦۔❸ الهذب ج ١ ص ٣٢ مغنى المحتاج ج ١ ص ٩٦ اور بعد کے صفحات، المغنى ج ١ ص ٢٤٩٤٧ كشاف القناع ج ١ ص ١٩٧ اور بعد کے صفحات بجير مى الخطيب ج ١ ص ٢٥٢ غاية المنتهى ج ١ ص ٦١۔

امام احمد بن حنبل نے تیمّم کی خاطر مٹی ساتھ رکھنے کو پسند فرمایا ہے تاکہ عبادت کے معاملے میں احتیاط رہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ فرمان خداوندی ہے فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ صعید (مٹی) کے جز سے تیمم کیا جائے تو ایسی چیز جس پر گرد نہ ہو جیسے چٹان تو اس پر سے کوئی چیز ہاتھ پھیرنے سے ہاتھ پر نہیں لگتی ہے اور تیمم چونکہ طہارت ہے اس لئے اس میں پاک کرنے والی چیز کو پوری جگہ پہنچانا لازم ہے جیسے سر کے مسح میں ایسا ہونا ضروری ہے اور دلیل اس کی وہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مٹی میرے لئے پاکی کا ذریعہ بنادی گئی ہے۔ ❶

حنابلہ نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اولے پائے لیکن ان کو پگھلانے کا امکان نہ ہو تو اس پر اپنے اعضاء پر ہاتھ پھیرنا ضروری ہے اس سے اپنے کو دھونا لازم ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو وہ کرو جس کی تم استطاعت رکھو اور اگر ان کو اعضاء پر پھیرا ہوا اور وہ پھیرے جانے کے باوجود پورے عضو پر بہے نہ ہوں تو اس پر نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔ کیونکہ اس نے پانی کے فی الجملہ ہونے کے باوجود بغیر کامل طہارت کے نماز ادا کی ہے جیسے اگر کوئی خشک مٹی کے پاس ہونے کے باوجود اس لئے بلا تیمم نماز پڑھ لے کہ اس کے پاس اس مٹی کو پیسنے یا کھرچ کر قابل مسح بنانے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا کہ وہ مسح کر سکے۔ اور اگر وہ برف اعضاء پر بہہ جائے تو نماز کا اعادہ اس پر لازم نہیں ہوگا، کیونکہ اتنا دھونا پایا گیا جو شرعاً لازم ہے خواہ وہ بہت کم ہی ہو۔

اس تفصیل کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رہے کہ شوافع مسح کئے جانے والے وضو تک مٹی منتقل کئے جانے کو تیمّم کے پانچ ارکان میں سے پہلا رکن شمار کرتے ہیں ❷ لہٰذا اگر کسی شخص نے اپنے عضو پر سے جس پر از سر نو مٹی آ گئی ہو مٹی مل کر تیمّم کے دونوں عضو پر پھیر دی تو صحیح قول کے مطابق یہ درست ہوگا کیونکہ نقل پائی گئی ہے۔ اور اگر عضو پر مٹی موجود ہو اور وہ اس عضو پر ایک جانب سے دوسری جانب سے کیے جائے تو کافی نہ ہوگا اور درست نہیں ہوگا اور میری نظر میں شوافع اور حنابلہ کا قول زیادہ قوی ہے کیونکہ اس آیت کی روشنی میں یہی زیادہ قابل قبول بات لگتی ہے۔

۴۔ چوتھی بحث......تیمّم کا طریقہ

تیمّم کے طریقے کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں:

ا......احناف اور شوافع فرماتے ہیں ❸ کہ تیمّم دو دفعہ ہاتھ مارنے کا نام ہے، ایک مرتبہ ہاتھ مارنا چہرے پر ملنے کے لئے اور دوسری مرتبہ دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک ملنے کے لئے۔ اور دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو پہلے گزری کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیمّم دو دفعہ ہاتھ مارنے کا نام ہے ایک مرتبہ مارنا چہرے کے لئے اور دوسری مرتبہ مارنا دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک کے لئے ہے ❹ اور دوسری دلیل یہ ہے ہاتھ تیمّم میں مسح کیا جانے والا ایک عضو ہے تو اس پر بھی مکمل طور پر عمل تیمّم کا ہونا ایسے ہی ضروری ہے جیسے چہرے پر ضروری ہے۔ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ والی وہ حدیث جو صرف ہتھیلیوں کے مسح پر اکتفاء کرنے کا بتلاتی ہے تو اس کی تاویل یہی ہے کہ مراد یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیوں کو کہنیوں تک مسح کیا اور دلیل اس کی حضرت ابوامامہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔

---

❶......بروایت امام شافعی واحمد از حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ حدیث حسن ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں صعید کھیتی والی مٹی ہے، اور پاک مٹی کو کہتے ہیں۔ ❷ بقیہ ارکان ان کے ہاں یہ ہیں (۱) نماز مباح کرنے کی نیت۔ (۲) چہرے کا مسح۔ (۳) دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح اور (۴) ہاتھ اور چہرے کے تیمّم میں ترتیب پیش نظر رکھنا۔ ❸ البدائع ج ۱ ص ۴۶ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۸، المھذب ج ۱ ص ۳۲۔ ❹ یہ حدیث بروایت حضرت جابر حاکم اور دار قطنی نے بھی نقل کی ہے اور بزار نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تاہم ان روایات میں اعتراض اور ضعف ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۵۰ اور بعد کے صفحات۔

یہی روایت قابل اتباع اور ترجیح ہے کیونکہ تیمم وضو کا بدل ہے تو اس کا محل ومقام بھی وہی اعضاء وضو ہوں گے جونص میں وارد ہیں اور تیمم کا وجوب ان کے بارے میں منقول ہے۔

۲..... مالکیہ اور حنابلہ کی رائے ❶ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ واجب تیمم صرف ایک مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارنا ہے جس میں انگلیوں کے اندرونی حصے اور چہرے پر پھیر لے اور ہتھیلیوں کو وہ اپنے ہاتھوں پر (گٹوں تک) پھیر لے دلیل اس کی حضرت عمار رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کے بارے میں فرمایا ایک مرتبہ مارنا ہے چہرے کے لئے اور ہاتھوں کے لئے ❷ اور وجہ اس بات کی ہے کہ یہ لفظ ید جب مطلقاً بولا جائے تو اس میں ذراع (گٹوں سے کہنیوں تک کا حصہ) شامل نہیں ہوتا اور اس کی دلیل حد سرقہ (چوری کی سزا) میں ہاتھ کاٹے جانے کا حکم ہے۔

تاہم ان حضرات کے ہاں کامل طریقہ حد اختلاف سے نکلنے کے لئے یہی ہے کہ دو مرتبہ مارا جائے گا جس میں سے دوسری مرتبہ دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک مسح کیا جائے گا۔ اور ہاتھ پھیرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کی اوپری طرف گٹوں کے اوپر سے شروع کر کے کہنیوں تک لے جائے پھر کہنی کی نچلی طرف سے ہاتھ پھیرتا ہوا گٹوں تک لے جائے پھر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ایسے ہی پھیر لے اور اگر مسح مکمل طور پر ہو تو خواہ کسی طریقے سے بھی ہو درست ہو جائے گا۔

اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر دو دفعہ سے زیادہ ہاتھ جھاڑ کر تیمم کیا تو بھی جائز ہوگا کیونکہ مقصود مٹی کا فرض جگہ پہنچانا ہے تو وہ جیسے بھی پہنچ جائے جائز ہوگا جیسے وضو۔

۵۔ پانچویں بحث.....شرائط تیمّم

احناف نے تیمّم کے صحیح ہونے کے لئے آٹھ شرائط عائد کی ہیں شوافع نے دس بیان کی ہیں مالکیہ اور حنابلہ دو شرطیں عائد کرتے ہیں یہ شرائط کبھی ان فرائض سے مل جاتی ہیں جو متقدم فرائض ہیں، اور کبھی وہ اسباب ہی ہوتے ہیں جو پہلے ہوتے ہیں۔

مالکیہ شرائط کو اسباب کہتے ہیں اور فرماتے ہیں ❸ کہ فی الجملہ تیمم کے جواز کے لئے دو شرطیں ہیں، پانی کا نہ ہونا یا اس کے استعمال سے معذور ہونا۔

ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱..... پانی کا سفر میں نہ ہونا۔

۲..... مرض۔

۳..... حالت حضر میں ناکافی پانی کا ہونا۔

۴..... یا پانی نکالنے کے آلات کا نہ ہونا جیسے ڈول رسی وغیرہ۔

۵۔ پانی کے ختم ہو جانے سے پینے وغیرہ کے لئے نہ ہونے کا خطرہ ہونا خواہ اپنے آپ کے خواہ کسی اور انسان کے خواہ جانور کے۔

۶..... پانی لینے میں چور یا درندوں کا خطرہ ہونا۔

۷..... پانی اس کو اتنی قیمت پر مل رہا ہو جو نا قابل برداشت ہو۔

۸..... یا پانی لینے جانے اس کے منتظر رہنے استعمال کرنے وغیرہ میں وقت کے نکل جانے کا اندیشہ ہو۔

---

❶ ..... شرح الصغیر ج ۱ ص ۱۹۸۔۱۹۴۔ القوانین الفقہیہ ص ۳۸ المغنی ج ۱ ص ۲۴۴، ۲۵۴ کشاف القناع ج ۱ ص ۲۰۰۔۲۰۵ ❷ بروایت امام احمد اور اصحاب ستہ کے حضرات سے بسند صحیح منقول ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۵۴۔ ❸ القوانین الفقہیہ ص ۳۷۔

۹.....یا شدت ٹھنڈ سے موت کا اندیشہ ہو۔

۱۰.....یا مرض کے لاحق ہونے بڑھ جانے یا دیر سے ٹھیک ہونے کا خطرہ لاحق ہو جائے۔

۱۱.....یا ایسا مریض ہو کہ دوسرا اس کو پانی اٹھا کر دینے والا نہ ہو اور خود استعمال نہ کر سکتا ہے۔

۱۲.....یا جنبی ایسا ہو کہ سارا جسم زخموں سے بھرا ہوا ہو یا دانے بہت ہو گئے ہوں یا بے وضو شخص کے اعضاء وضو میں زخم اور دانے بھر گئے ہوں۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ حالات اسباب تیمم ہیں۔وہ امور جن کو مالکیہ کے ہاں شرط قرار دیا جا سکتا ہے وہ دو ہیں۔

۱.....اس کو وقت داخل ہونے کے بعد کرنا۔ ۲ پانی کا طلب کرنا۔

حنابلہ کے ہاں تیمم کی دو شرطیں یہ ہیں۔

۱.....اس فرض کے وقت کا داخل ہونا جس کے لیے تیمم کر رہا ہو۔

۲..... پانی کے استعمال سے عاجز ہو جانا۔

اس بیان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تیمم کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔پہلی شرط..... پاک مٹی لہٰذا تیمم زمین کی مٹی کے علاوہ چیز سے نہیں ہو سکتا ہے،اور مٹی کے بارے میں یہ تفصیل گذری کہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اس سے صرف مٹی جب کہ احناف اور مالکیہ کے ہاں اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو جنس زمین میں سے ہو،اسی طرح ناپاک مٹی سے بھی تیمم نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا** یہ شرط تیمم کے لئے جمہور فقہاء کے نزدیک ہے مالکیہ کے ہاں یہ فرض تیمم میں سے ہے جیسا کہ تیمم کے فرائض کے بیان میں یہ بات گزری حنابلہ مزید یہ فرماتے ہیں کہ وہ مٹی ایسی ہو کہ اس کا استعمال مباح ہو لہٰذا غصب شدہ زمین،یا بار بار اکھاڑی اور بنائی قبر کی مٹی یا مسجد کی مٹی سے تیمم کرنا درست نہیں ہے۔

۲۔دوسری شرط.....تیمم کا وقت کے داخل ہونے کے بعد ہونا یعنی وہ عبادت جس کے لئے وہ تیمم کر رہا ہے اس کا وقت شروع ہو چکا ہو۔یہ جمہور کے ہاں شرط ہے،احناف کے ہاں یہ شرط نہیں ہے،جیسا کہ یہ تیمم کی کیفیت اور صفت کے بیان میں یہ بات گزر چکی ہے۔

۳۔تیسری شرط..... پانی کا طلب کرنا،باتفاق چاروں مذاہب پانی کے نہ ہونے کا یقین نہ ہونے کی صورت میں اس کی تلاش ضروری ہے،کیونکہ اس شخص کو **فاقد الماء** (پانی کا نہ پانے والا)اس وقت تک نہیں شمار کیا جائے گا جب تک وہ پانی تلاش نہ کرے اور تلاش کے بعد اس کو پانی نہ ملے تاہم فقہاء کا اس مسافت کی تعیین میں اختلاف ہے جتنی مسافت میں پانی کی تلاش لازمی ہے میں اس بحث کو اسباب تیمم کی بحث میں اشارتاً بیان کر چکا ہوں،یہاں میں اس بات کو تفصیلاً بیان کرتا ہوں۔

ا۔مذہب احناف..... ❶ وہ شخص جو شہر میں مقیم ہو اس پر تیمم سے پہلے پانی کی تلاش لازمی ہے خواہ پانی قریب ملنے کا گمان ہو یا نہ ہو مسافر اور شہر سے باہر کا شخص جو تیمم کرنا چاہے اس پر پانی کی تلاش اس وقت لازم نہیں اگر اس کا غالب گمان یہ نہ ہو کہ قریب میں پانی ملے گا۔ کیونکہ شہر سے باہر جنگلوں میں عام طور پر پانی دستیاب نہیں ہوتا ہے۔اور اگر اس کا غالب گمان پانی ملنے کا ہو تو اس کے لئے تیمم درست نہیں جب تک کہ وہ خود یا بذریعہ کسی شخص کے پانی تلاش نہ کرلے اور ہر طرف اتنی مسافت تک تلاش کرے جتنی دور تیر پھینکنے سے جا کر گرتا ہے تاہم ایک میل تک دور جانا اس پر ضروری نہیں ہے ❷ اور اس مسئلے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر چل کر جانا لازم نہیں ہے بلکہ صرف ان اطراف میں

---

❶ ..... البدائع ج ا ص ۴۶ فتح القدیر ج ا ص ۹۸،۸۴ الدرالمختار ج ا ص ۲۲۷ اللباب ج ا ص ۳۶۔ ❷ تیر پھینک مارنے کی مسافت چار سو ذراع (۸،۱۸۴ میٹر) بنتی ہے لغت میں میل کہتے ہیں اتنی دوری کو جو حد نگاہ ہو یہاں مراد چار ہزار فٹ یا تین فرسخ یا ۱۸۴۹ میٹر کی مسافت ہے۔

دیکھ لینا کافی ہے تا کہ وہ شخص اپنے رفقاء سفر سے کٹ نہ جائے۔اور دوسری بات یہ کہ اپنی ذات سے وہ حرج اور پریشانی کو دور رکھ سکے دلیل اس کی اللہ کا یہ فرمان ہے جو تیمّم کے حکم کے بعد ہے:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ ...... سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶

اللہ تم پر مشکل اور دقت نہیں ڈالنا چاہتا ہے لیکن وہ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے۔

اور حرج کا نہ ہونا ایک میل سے کم جانے میں ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں قریب ترین قول ایک میل والا ہے کیونکہ تیمّم کا جواز حرج دور کرنے کے لئے ہے پھر آگے وہ فرماتے ہیں کہ اتنی دور تک طلب کرے کہ اس کو اور اس کے رفقاء کو انتظار کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔اور پانی کی تلاش میں کوتاہی برتنے اور بغیر تلاش کئے نماز ادا کر لینے کی صورت میں امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں اس شخص پر نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔اور اگر اس شخص کے رفیق سفر کے پاس پانی موجود ہو تو تیمّم سے قبل اس سے مانگنا ضروری ہے، کیونکہ عام طور پر لوگ اس طرح کی چیزوں کا انکار نہیں کرتے ہیں، اور اگر وہ منع کر دے تو اس کے لئے تیمّم کرنا درست ہے کیونکہ پانی کا نہ ہونا اس صورت میں متحقق ہو جاتا ہے۔تاہم اگر اپنے ساتھی سے پانی مانگنے سے پہلے تیمّم کر لیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وہ درست ہو جائے گا کیونکہ دوسرے کی ملکیت میں موجود چیز کا تقاضا اس شخص پر لازم نہیں ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا اس کے لئے درست نہیں ہے، کیونکہ پانی عرف وعادت میں خرچ کرنے اور استعمال کرنے کے لئے ہی ہوتا ہے (لہٰذا امکان یہ ہے کہ وہ شخص پانی مانگنے پر دیدے گا) اور اگر وہ شخص اس پانی کو عام عادی قیمت پر فروخت کرنے پر آمادہ ہو اور اس شخص کے پاس رقم موجود ہو تو اس کے لئے تیمّم درست نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں پانی کے استعمال کی قدرت اس شخص کے پاس پائی جاتی ہے۔تاہم اس شخص پر غبن فاحش (بہت زیادہ فرق) کے ساتھ خریدنا لازم نہیں ❶ اور اگر اس شخص کا غالب گمان پانی کے قریب ہونے کا نہ ہو تو پانی کی تلاش اس پر لازم نہیں ہے پانی ملنے کی امید پر اس کے لئے تلاش مستحب ہے لازم نہیں۔اور اگر اس شخص کے اور پانی کے درمیان ایک میل سے زیادہ کا فاصلہ ہو تو وہ تیمّم کرے گا۔

۲۔ مذہب مالکیہ ❷:...... یہ فرماتے ہیں کہ اگر پانی کا نہ ہونا یقینی ہو تو پانی کی تلاش اس پر لازم نہیں ہے، اور اگر پانی کے موجود ہونے کا اس کو علم ہو یا گمان ہو یا اس کے کسی جگہ ہونے کے بارے میں شک ہو یا پانی کے ہونے کا وہم ہو تو ہر نماز کے لئے پانی کی اتنی تلاش لازم ہے جو بالفعل اس پر بھاری نہ ہو اور اس کی مسافت ہے دو میل سے کم کم مسافت اسی طرح اگر اس کو گمان یا خیال یا شک یا وہم اس بات کا ہو کہ اس کے رفقاء سفر اس کو پانی مانگنے پر دیدیں گے تو ان سے پانی مانگنا ضروری ہے اور اگر ان سے بغیر مانگے تیمّم کر لیا پھر پانی کا ہونا اس پر ظاہر ہوا یا پانی کا ہونا تو یقیناً ظاہر نہیں ہوا لیکن اس کو گمان یا خیال ایسا ہو کہ پانی مانگنے پر مل جائے گا تو اس پر نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔اور اگر محض شک اور وہم مل جانے کا ہو تو وقت کے اندر اعادہ لازم ہوگا بعد میں نہیں اس شخص پر اتنی قیمت پر پانی خریدنا ضروری ہے جو عادی اور معروف ہو، بشرطیکہ وہ اس رقم کا ضرورت مند نہ ہو خواہ نقدی کے طور پر یا ذمے میں دین بن جانے کے طور پر اور اگر عام معروف قیمت سے زیادہ قیمت ہو خواہ راجح قول کے مطابق ایک درہم زائد قیمت کیوں نہ ہو اور اس جگہ اور آس پاس پانی اسی قیمت پر ملے تو اس پر پانی خریدنا لازم نہیں ہوگا۔

۳۔ شوافع کا مذہب...... ❸ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر مسافر مقیم شخص کو پانی کے آس پاس نہ ہونے کا یقین ہو تو پانی کے تلاش کے بغیر ہی اس کے لئے تیمّم کر لینا درست ہے اور اگر پانی کے ہونے کا وہم ہو یعنی ذہن میں ہو کہ مل سکتا ہے تو وہ اپنے رفقائے سفر سے مانگ لے اور آس پاس تلاش کرے اگر وہ برابر شدہ زمین پر ہو اگر اس کو آگے پیچھے ہونا پڑے تو وہ چاروں جہات میں بقدر حد نگاہ تلاش کرے اگر اس

---

❶...... امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں اگر وہ شخص پانی ڈبل قیمت پر فروخت کرے تو یہ بہت مہنگا کہلائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مہنگی چیز جب شمار ہوگی جب وہ قیمت ایسی ہو جو قیمت لگانے والوں کی قیمت سے بڑھ کر ہو۔❷ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۵۳۔❸ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۸۷۔۹۰

کو جان مال اور رفقاء سفر سے بچھڑ جانے کا خوف نہ ہو اور یہ مسافت حد غوث کی ہے جو کہ تیر کے گرنے کی جگہ کو کہا جائے گا۔ اور پھر بھی پانی نہ ملے تو تیمم کر لے اور اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو صحیح قول یہ ہے کہ اس پر طاری ہونے والی حالت میں تلاش لازم ہوگی اور اگر پانی کا کسی جگہ میں ملنا یقینی ہو تو وہ شخص اس کو حد قرب میں تلاش کرے اور حد قرب سے مراد ہے چھ ہزار فٹ کی مسافت اور اگر وہ شخص قادر ہو پانی کو عام قیمت مثل پر خریدنے پر نقد وغیرہ کے ذریعے اور وہ اس کی ضرورت بھی نہ رکھتا ہو تو اس پر خریدنا لازم ہوگا۔ اور قیمت مثل سے مراد صحیح قول کے مطابق وہ قیمت ہے جو اس حالت میں اس مقام پر بخوشی و رغبت قابل قبول ہو۔ ہاں اس سے زائد قیمت پر خریدنا اس کے لئے لازم نہیں ہے۔ خواہ وہ رقم قلیل ہو۔ تاہم اگر اس کو کسی مدت تک کے لئے اضافے کے ساتھ فروخت کیا جائے اور اس مدت کا اعتبار نہ ہو اور وہ شخص مالدار بھی ہو اور وہ مدت اتنی ہو کہ وہ شخص اپنی مال کی جگہ پہنچ سکے تو اس پر خریدنا لازم ہوگا کیونکہ ایسا ہونا اس کو پچھلی قیمت سے نکال نہیں دیتا ہے۔ اور اگر مثلی قیمت سے زائد ہو اور وہ خریدنے پر قادر ہو تو اس کے لئے اس کو خریدلانا مستحب ہے۔

۴۔ مذہب حنابلہ ❶..... ان کے ہاں اس شخص پر وقت داخل ہو جانے پر ہر نماز کے وقت کے لئے پانی تلاش کرنا لازم ہے اور یہ تلاش وہ اپنے ساز و سامان اور جائے سکونت میں تلاش کرے اور اس مقام میں تلاش کرے جو عرف و عادت میں اس کے قریب شمار ہو۔ اور چاروں جہتوں میں اتنے قریب تک جا کر پانی تلاش کرے جہاں تک عام طور پر قافلے وغیرہ جایا کرتے ہوں اور اپنے رفقاء سفر میں ایسے شخص سے پانی کے بارے میں دریافت کرے جو تجربہ کار ہو اور پانی کے ملنے کی جگہوں کا اس کو علم ہو۔ اسی طرح ایسے شخص کے بارے میں بھی دریافت کرے جو پانی فروخت کرتا ہوں یا اس کو تقسیم کرتا ہو۔ اور اگر ایسی چیز دیکھے جو پانی کے وجود پر دلالت کرے جیسے سبزہ وغیرہ تو اس جگہ جانا اس پر لازم ہے۔ اور اگر اس کے قریب کوئی ٹیلہ یا کوئی کھڑی ہوئی چیز ہو اور اس کو پانی ملنے کا شک ہو تو اس پر اس جگہ آنا اور پانی تلاش کرنا لازم ہے۔ اور وہ چل رہا ہو تو صرف اس جہت میں پانی تلاش کرے جس سمت وہ جا رہا ہے، کیونکہ اس سے ہٹ کر تلاش کرنے میں اس کو ضرر لاحق ہوتا ہے۔ اور اگر اس کو کسی ثقہ معتبر آدمی نے پانی کا بتایا تو اگر وہ عرف کے اعتبار سے قریب شمار ہو تو اس طرف جانا لازم ہوگا۔ اور پانی کی تلاش کے باوجود نہ ملنے پر اگر وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے تو اس کا تیمم درست ہوگا اور نماز بھی درست ہوگی اس پر نماز کا اعادہ لازم نہیں ہوگا، کیونکہ یہ تیمم کی صحیح نماز ہے۔

اس تفصیل کے ساتھ یہ بات مدنظر رہے کہ حنابلہ نے تیمّم کے صحیح ہونے کے لئے ایک اور شرط عائد کی ہے اور وہ ہے پانی کے استعمال سے عاجز ہونا کیونکہ پانی کے استعمال سے عاجز نہ ہونے والا وہ شخص جس کو پانی مضر نہ ہو وہ آیت تیمّم کے تحت شامل نہیں اس آیت کے تحت وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ ...... فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا تاہم یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ درحقیقت تیمّم کے اسباب میں سے ایک سبب ہے جو میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ بعض حنابلہ نے تیمّم کے لئے آٹھ شرائط ذکر کی ہیں جو یہ ہیں۔ (۱) نیت۔ (۲) اسلام۔ (۳) عقل۔ (۴) تمیز۔ (۵) استجمار۔ (۶) بدن پر سے نجاست کا دور کرنا۔ (۷) نماز کے وقت کا داخل ہونا، خواہ وہ عذر نماز کیوں نہ ہو جس کے لئے کسی معین وقت کی نذر مانی ہو۔ (۸) پانی کے استعمال سے معذور ہو جانا خواہ قید میں پڑ جانے وغیرہ کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو۔

احناف کے ہاں شرائط تیمّم :....... احناف نے تیمّم کے صحیح ہونے کے لئے آٹھ شرائط ذکر کی ہیں، بعض اسباب تیمّم میں سے ہیں اور بعض فرائض تیمّم میں سے ہیں یعنی ان امور میں سے جو دوسرے حضرات کے ہاں فرض ہیں، اور بعض تیمّم کے طریقے میں داخل ہیں، یہ شرائط مختصراً بیان کی جاتی ہیں۔ ❷

---

❶..... كشاف القناع ج ۱ ص ۱۹۲، اور بعد کے صفحات غاية المنتهى ج ۱ ص ۵۴۔ ❷ البدائع ج ۱ ص ۵۲ الدرالمختار ج ۱ ص ۲۱۳، ۲۲۸ مراقي الفلاح ص ۱۹ اور بعد کے صفحات۔

ا۔نیت......یعنی دل کا کسی کام کا ارادہ کر لینا اس کا وقت وہ ہے جب انسان اپنے ہاتھ اس چیز پا مارے جس سے تیمّم ہوگا۔نیت کے صحیح ہونے کے لئے ان حضرات کے ہاں تین چیزیں شرط ہیں۔(۱) اسلام۔(۲) تمیز۔(۳) اس چیز کا علم جس کی وہ نیت کر رہا ہے۔جیسے تیمّم سے نماز پڑھنے کے لئے کی جانے والی نیت کے لئے تین میں سے ایک چیز ضروری ہے، یا تو طہارت کی نیت ہو یا کسی ایسی مقصود عبادت کی نیت ہو❶ جو بغیر طہارت نہ ہوتی ہو لہٰذا نماز، نماز جنازہ، یا سجدہ تلاوت کی نیت سے کئے جانے والے تیمّم سے نماز پڑھنا درست ہے جب کہ مسجد میں داخل ہونے یا قرآن چھونے کی غرض سے کئے جانے والے تیمّم سے خواہ وہ بحالت جنابت ہو نماز درست نہیں ہوگی۔کیونکہ یہ عبادت غیر مقصودہ ہے تاہم بے وضو شخص کے لئے تلاوت کی نیت سے کئے جانے والے تیمّم سے نماز ادا کرنا درست ہے کیونکہ قراءت قرآن بلا تیمّم بھی درست ہے تاہم جنبی شخص کے تلاوت قران کے لئے تیمّم کر لینے سے اس کے لئے نمازوں کی ادائیگی بھی درست ہے۔اور زیارت قبور اذان تکبیر سلام جواب سلام یا اسلام کے لئے کئے جانے والے تیمّم سے نماز کی ادائیگی درست نہیں ہے کیونکہ یہ امور بلا طہارت درست ہو سکتے ہیں۔

۲۔تیمّم کو مباح کرنے والا عذر......جیسے کسی شخص کا پانی سے ایک میل دور ہونا خواہ وہ شہر میں ہی ہو، مرض کا ہو جانا ایسی ٹھنڈک ہونا کہ جس سے عضو کے ضیاع یا مرض کا اندیشہ ہو یا دشمن کا یا پیاسا رہ جانے کا خوف ہو یا پانی کی ضرورت ہو آٹا گوندھنے کے لئے سالن بنانے کے لئے نہیں کیونکہ اس کا بننا اتنا ضروری نہیں یا پانی نکالنے کے آلات کا نہ ہونا یا وضو میں مصروف ہونے کی صورت میں نماز جنازہ یا نماز عید چھوٹ جانے کا خوف، ہو❷ تاہم وضو میں مشغول ہونے کی صورت میں جمعے کے نکل جانے کا خوف تیمّم کے لئے عذر نہیں ہے اسی طرح وقت کا نکل جانا بھی عذر نہیں شمار ہوگا۔

۳۔تیمّم زمین کی جنس کی کسی پاک چیز سے کیا جائے......جیسے مٹی، پتھر، ریت، فیروزہ، عقیق وغیرہ لکڑی، سونا، چاندی، پیتل لوہا وغیرہ نہیں اس کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو راکھ بن سکے یا جلانے سے نرم ہو جائے تو اس سے تیمّم درست نہیں بصورت دیگر جائز ہے دلیل وہی آیت ہے **فتیمموا صعیدا طیبا** اور صعید روئے زمین کو کہتے ہیں، مٹی ہو یا کچھ اور۔

۴......پورے محل مسح کو مکمل تیمّم سے ڈھانپ لینا۔

۵......پورے ہاتھ یا اکثر حصے یعنی تین انگلیوں سے مسح ہو چنانچہ اگر مثلاً دو انگلیوں سے مسح کیا تو یہ جائز نہیں ہوگا خواہ وہ بار بار یہ عمل کرے پورے محل مسح کو ڈھانپ لے بخلاف وضو میں سر کے مسح کے۔

۶......دو دفعہ مٹی پر ہاتھ مارنا ہاتھ کی اندرونی طرف سے ہو خواہ زمین کی ایک ہی جگہ پر ہو اور اگر مٹی جسم میں لگ جائے اور اس شخص کی نیت مٹی لگانے سے تیمّم کی ہو تو وہ دو دفعہ ہاتھ مارنے کا قائم مقام سمجھی جائے گی۔

۷......حیض، نفاس یا حدث کا منقطع ہونا جیسا کہ یہ امور وضو میں بھی شرط ہیں۔

۸......کھال پر مسح روک دینے والی چیزوں کا دور ہونا جیسے موم اور چربی وغیرہ تاکہ مسح کا پورے جسم کے ظاہری حصے پر ہونا متحقق ہو اور یہ چیزیں مسح کے متحقق ہونے سے مانع ہوتی ہیں۔

تیمّم کی شرائط شوافع کے ہاں......شوافع نے تیمّم کی دس شرائط ذکر کی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔❸

---

❶......عبادت مقصودہ وہ ہے جو کسی دوسری چیز کے ضمن میں تبعیت کے طور پر واجب نہیں ہوتی ہو۔❷ خواہ یہ تیمّم نماز پر بناء کی خاطر ہی کیوں نہ ہو، جیسے کسی کو نماز جنازہ یا نماز عید میں حدث ہوا تو اس کے لئے تیمّم کر کے نماز مکمل کرنا درست ہے، کیونکہ یہ پانی کے استعمال سے عاجز شمار ہوگا۔❸ المهذب ج ۱ ص ۳۲۔۳۴ مغني المحتاج ج ۱ ص ۹۶۔۹۹ الحضرمیہ ص ۲۶

۱.....مٹی سے تیمّم ہوخواہ مٹی کسی بھی رنگ کی ہوجیسے گارے کی اور شوریدہ زمین کی مٹی ❶ یعنی وہ جس پر گردوغیرہ ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ مٹی بھی جوادویات میں استعمال ہوتی ہو جیسے ارمنی مٹی (۱) بشرطیکہ وہ پسی ہوئی ہوحتیٰ کہ موٹی ریت کا غبار بھی اور باریک ریت کا بھی پکی ہوئی ریت اور مٹی کا نہیں جس کا نام رہ جائے اور غبار ختم ہوجائے۔

۲.....مٹی پاک ہو دلیل اس کی آیت کے الفاظ ہیں صعیدطیبا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مراد اس سے ہے پاک مٹی۔

۳.....وہ مٹی استعمال شدہ نہ ہو جیسے پانی بھی استعمال شدہ (مستعمل) ہوتا ہے اور استعمال شدہ مٹی سے مراد ہے وہ مٹی جو اعضاء تیمّم پر ہو یا وہ جو دوران تیمّم عضو پر لگ کر اڑ گئی ہو۔ یہ تفصیل اصح قول کے مطابق ہے۔

۴.....اس مٹی میں آٹا وغیرہ نہ مل جائے جیسے زعفران اور گن، کہ یہ چیزیں مٹی کو عضو تک پہنچنے سے مانع ہوتی ہیں۔

۵۔وہ بالقصد اس فعل کو انجام دے لہٰذا اگر مٹی کو ہوا اڑا کر اس پر لے آئے اور اس کے اعضاء پر وہ پھیر دے اور وہ شخص نیت کر لے تو تیمّم ادا نہیں ہوگا کیونکہ اس نے بالقصد مٹی کو اپنے اعضا پر نہیں لگایا ہے مٹی تو خود بخود اس تک آ گئی ہے ہاں اگر اس کے بغیر اجازت کوئی دوسرا شخص اس کو تیمّم کرادے تو یہ تیمّم درست ہوجائے گا۔

۶.....اپنے ہاتھوں اور چہرے پر مسح دو دفعہ ہاتھ مار کر کرے خواہ یہ ہاتھ مارنا کسی کپڑے کے ٹکڑے وغیرہ کے ذریعے ہی ہو۔

۷.....پہلے نجاست کو دور کرے لہٰذا اگر نجاست دور کرنے سے قبل تیمّم کر لیا تو معتمد قول کے مطابق یہ درست نہیں ہوگا کیونکہ تیمّم عبادات وغیرہ کو مباح کرنے کے لئے ہوتا ہے اور مانع کے موجود ہونے کی صورت میں اباحت کا تصور نہیں لہٰذا یہ ایسے ہی ہوگیا جیسے کوئی قبل از وقت تیمّم کر لے۔

۸.....قبلے کے بارے میں خوب اچھی طرح کوشش کر کے اس کی جہت متعین کر لے اگر اس کی جہت کے بارے میں کوشش کئے بغیر تیمّم کر لیا تو صحیح قول کے مطابق تیمّم درست نہیں ہوگا۔

۹.....تیمّم وقت کے داخل ہونے کے بعد ہو، کیونکہ یہ طہارت ضرورت ہے اور قبل از وقت ضرورت نہیں پائی جاتی ہے لہٰذا نفلوں کے لئے وقت کراہت کے علاوہ میں تیمّم کرے اور نماز جنازہ کے لئے میت کے غسل کے بعد تیمّم کرے اور نماز استسقاء کے لئے لوگوں کے جمع ہونے کے بعد تیمّم کرے اور فوت شدہ نماز کے لئے اس کے یاد آنے کے بعد تیمّم کرے۔

۱۰.....ہر فرض عین کے لئے الگ تیمّم کرے کیونکہ تیمّم ضرورت کی طہارت ہے، لہٰذا وہ بقدر ضرورت ہی ہوگی۔

۶۔چھٹی بحث.....تیمّم کی سنتیں اور مکروہ باتیں

تیمّم میں مندرجہ ذیل امور سنت ہیں ❷ یہ بات مدنظر رہے کہ یہ احناف کے ہاں سات مالکیہ کے ہاں نو، شوافع کے ہاں پندرہ اور حنابلہ کے ہاں دو ہیں۔

احناف کے ہاں ان کی سنتیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱.....وضو کی طرح اس کی ابتداء میں بھی بسم اللہ پڑھنا، اور اس طرح پڑھے صرف یہ کہے بسم اللہ، ایک قول یہ ہے کہ پوری بسم اللہ پڑھے۔

۲،۳،۴.....ہاتھوں کی اندرونی طرف کو مٹی پر مارنا اور مٹی میں ہاتھ آگے پیچھے کرنا، تاکہ مٹی کے اچھی طرح دونوں ہاتھوں پر چڑھ جانے

---

❶.....ارمنی مٹی ایسی سمجھ لی جائے جیسے برصغیر کی معاشرت میں ملتانی مٹی یا چکنی مٹی کی حیثیت ہے۔ ❷الدرالمختار ج ۱ ص ۲۱۳ مراقی الفلاح، ص ۲۰ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۱۹۸ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۵۷ القوانین الفقهیه ص ۳۸ بجرمی الخطیب ج ۱ ص ۲۵۶، المهذب ج ۱ ص ۳۳ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۹۹، کشف القناع ج ۱ ص ۲۰۴

کا عمل صحیح طرح تکمیل پائے۔اس عمل کے بعد ہاتھوں کو جھاڑنا تا کہ چہرہ گندا نہ ہو یہ امام ابوحنیفہ سے منقول ہے۔

۵.....انگلیاں کھولنا تا کہ مٹی ان کے درمیان بھی پہنچ سکے۔

۶،۷.....ترتیب اور ولاء (پے درپے انجام دینا) یعنی بعد والے پہلے والے کے بعد اس طرح کرنا کہ اگر یہ عمل پانی سے کیا جاتا تو پانی اتنی دیر میں خشک نہ ہوتا۔جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا مالکیہ کے ہاں تیمّم کی سنتیں چار ہیں۔

۱.....ترتیب کہ پہلے چہرے پر مسح کرے پھر دونوں ہاتھوں پر اور اگر برعکس ترتیب سے کیا تو صرف اس عضو کے تیمّم کا اعادہ کرنا ہوگا جو پلٹ دیا گیا ہے،یعنی دونوں ہاتھ (کہ ترتیب الٹنے میں دونوں ہاتھوں پر پہلے مسح ہوتا ہے اور چہرے پر بعد میں اور اس صورت میں ہاتھ کا مسح دھرا لینے سے مسح ہوجائے گا۔اور شرط یہ ہے کہ دوبارہ ھاتوں پر مسح کا عمل فی الفور قریبی وقت میں ہوجائے،اور اس الٹے تیمّم سے نماز نہ پڑھی ہو۔ورنہ یہ تیمّم باطل ہوجائے گاوار موالات (پے درپے کرنا) ان کے ہاں فرض ہے۔

۲،۳.....دوسری مرتبہ ہاتھوں پر مسح کے لئے ہاتھ مٹی پر ہاتھ مارنا اور کہنیوں تک مسح کرنا۔

۴۔مٹی پا ہاتھ مار کر لگنے والے غبار کا براہ راست مسح کئے جانے والے عضو پر۔

پر لگنا اور اس تک منتقل ہونا،اور وہ اس طرح کہ اس عضو سے قبل کسی چیز پر وہ ھاتھ نہ پھیرے جائیں اور اگر ان دونوں ہاتھوں کو اس سے قبل کسی چیز پر پھیر دیا گیا تو مکروہ ہوگا تاہم تیمّم جائز ہوجائے گا۔یہ بات مدنظر رہے کہ اس حکم کے تحت دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے پر ملتے ہوئے ہلکا سا جھاڑنا داخل نہیں ہے،اس کا حکم الگ ہے۔

مالکیہ نے تیمّم کے دیگر بھی مندوبات اور فضائل بیان کئے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱.....بسم اللہ پڑھنا،اس طرح پڑھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔یہ ظاہر اور صحیح قول کے مطابق ایک قول یہ ہے کہ صرف بسم اللہ کہے ۲،۳۔ خاموش رہنا اور قبلہ رخ ہونا۔

۴،۵.....دائیں ہاتھ سے شروع کرنا اور اس طرح کرے کہ دائیں ہاتھ کے اوپری حصے پر انگلیوں کی طرف بائیں ہاتھ کا اندرونی حصہ رکھے پھر اس کو ہاتھ کی اوپری سطح پر پھیرتا ہوا کہنی تک لے جائے پھر کہنی کی اندرونی طرف پر پھیرتا ہوا گٹوں تک لائے پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر اسی طرح مسح کرے،پھر انگلیوں کا خلال کرے جو کہ واجب ہے جیسا کہ میں فرائض کے بیان میں اس کی وضاحت میں کر چکا ہوں۔

شوافع کے ہاں تیمّم کی سنتیں تقریباً پندرہ ہیں.....وضو اور غسل کی طرح اس کی ابتداء میں بھی پوری بسم اللہ پڑھنا چہرے کے اوپری حصے سے شروع کرنا دونوں ہاتھوں میں سے دائیں کو بائیں پر مقدم کرنا پہلی دفعہ ہاتھ مارنے میں انگلیوں میں تفریق کرنا دونوں ہاتھوں پر مسح کے بعد احتیاطاً خلال کرنا،غبار کو جھاڑ کر اتنا کم کردینا کہ وہ صرف بقدر ضرورت رہے تا کہ اس کا چہرہ وغیرہ گندہ نہ ہو اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث پر عمل کرنے کے لئے بھی۔موالات (پے درپے کرنا) جیسے وضو میں یہ مسنون ہے کیونکہ یہ دونوں عمل طہارت ہیں اور تیمّم اور نماز میں بھی موالات ہونی چاہئے تا کہ ان حضرات کے اختلاف سے باہر رہا جا سکے جو اس کو واجب قرار دیتے ہیں یعنی مالکیہ حضرات۔

ہاتھ کا عضو پر پھیرنا جیسے وضو میں عضو دھوتے وقت ملنا مسنون ہے اور یہ کہ وضو کے مسح سے رہل اس پر سے ہاتھ نہ اٹھائے ان کے اختلاف سے باہر رہنے کے لئے جو اس کو واجب قرار دیتے ہیں۔اس کی سنتوں میں سے یہ بھی ہے کہ بازو کے بھی کچھ حصے پر بھی مسح کرلیا جائے جیسے وضو میں تحجیل مسنون ہے مسح کا بار بار نہ کرنا بھی مسنون ہے،کیونکہ مطلوب ومقصود گرد کا کم کرنا ہے۔

قبلہ رخ ہونا، اور تیمّم کے بعد اشھد ان لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ پڑھنا مسنون ہے جیسے وضو کے بعد یہ پڑھنا مسنون ہے۔

پہلی دفعہ مٹی یا ہاتھ مارتے وقت انگوٹھی کا اتار دینا مسنون ہے اور دوسری مرتبہ مسح کرتے وقت انگوٹھی کا اتارنا واجب ہے۔

تیمّم کے بعد دو رکعتیں پڑھنا مسنون ہیں جیسے وضو کے بعد تحیۃ الوضو اور بسم اللہ پڑھنے کے بعد اعضاء پر ہاتھ پھیرنے سے قبل مسواک کرنا بھی مسنون ہے جیسے وضو میں دونوں ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کے درمیان یہ مسنون ہے حنابلہ نے بسم اللہ پڑھنا ترتیب (یکے بعد دیگرے ہونا) اور موالات (پے در پے ہونا) کو تیمّم میں بھی ایسے ہی واجب قرار دیا ہے جیسے وضو میں واجب ہے تیمّم کی سنتوں میں وہ صرف تیمّم کو پانی مل جانے کی امید میں ہر حال میں آخر وقت تک مؤخر کرنے کو درد کرتے ہیں دلیل اس کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ہے جنبی کے بارے میں کہ وہ آخری وقت تک رکا رہے اگر اس کو پانی مل جائے تو ٹھیک وگرنہ وہ تیمّم کرلے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ نماز کا رات کے کھانے اور قضاء حاجت کے لئے مؤخر کرنا مستحب ہے تا کہ انسان کا دل فارغ رہے اور وہ مکمل خشوع وخضوع سے نماز ادا کرسکے اسی طرح جماعت سے پڑھنے کے لئے بھی نماز کو موخر کردینا درست ہے تو اس طہارت کے حصول کے لئے نماز کو مؤخر کرنا جو طہارت شرط ہے، زیادہ اولیٰ ہے اسی طرح یہ حضرات انگلیوں میں خلال کرنے کو مستحب قرار دیتے ہیں فرض نہیں شمار کرتے ہیں۔ ❶

تیمّم کا طریقہ ان حضرات کے ہاں یہ ہے ❷ کہ اس چیز کے مباح کرنے کی نیت کرے جس کے لئے تیمّم کر رہا ہے جیسے فرض نماز کو حدث اصغر یا حدث اکبر کی حالت سے مباح کر کے ادا کرنے کی نیت کرے پھر بسم اللہ پڑھے، بھول جانے پر بسم اللہ قابل معافی ہے۔ پھر انگلیاں کھلی رکھتے ہوئے تا کہ انگلیوں کے درمیان غبار پہنچ سکے، مٹی پر یا اس چیز پر ہاتھ مارے جو گرد آلود ہو اور اس میں پاک مٹی ہو۔ جیسے نمدہ کپڑے چٹائی یا گدھے کا پالان وغیرہ ایک مرتبہ ہاتھ مارے انگوٹھی وغیرہ اتار دے تا کہ مٹی نیچے بھی پہنچ سکے اور اگر مٹی بہت کم ہو تو اس کو پھونک کر اڑانا مکروہ ہے تا کہ وہ پھونکنے سے اتنی کم نہ ہو جائے کہ دوبارہ اس کو لینا پڑے۔ پھر انگلیوں کے اندرونی حصے کو چہرے پر پھیرلے اور اپنے ہاتھوں پر ہتھیلیوں کو پھیرے اور دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمّم کے بارے میں فرمایا ایک مرتبہ ہاتھ مارنا ہے چہرے اور دونوں ہاتھوں کے لئے۔ ❸

اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ دو دفعہ ہاتھ مار کر ہاتھ پھیرے ایک مرتبہ ہاتھ مار کر چہرے پر پھیرے دوسری مرتبہ دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک پھیرے اور یہ زیادہ بہتر ہے۔

تیمّم کی مکروہ باتیں اور امور:

تیمّم کی سنتوں کی بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ احناف کے ہاں اوپر بیان شدہ سنتوں میں سے کوئی بھی سنت چھوڑنا اور بار بار ہاتھ پھیرنا مکروہ ہے۔ مالکیہ فرماتے ہیں کہ ہاتھ پھیرنے ایک مرتبہ سے زیادہ کرنا مکروہ ہے اور ذکر اللہ کے علاوہ کثرت گفتار بھی مکروہ ہے اور مسح میں کہنیوں سے اوپر بازو پر ہاتھ پھیرنا مکروہ ہے جو کہ وضو میں مستحب ہے اور اس کو وضو میں غرہ اور تحجیل بڑھانا کہتے ہیں۔ شوافع فرماتے ہیں مٹی زیادہ استعمال کرنا بار بار ہاتھ پھیرنا اور تیمّم کی تجدید کرنا جب کہ تیمّم ٹوٹا نہ ہو خواہ نماز پڑھ لینے کے بعد ہی سہی مکروہ ہے۔ اور تیمّم کے بعد ہاتھ جھاڑنا بھی مکروہ ہیں۔

حنابلہ فرماتے ہیں مسح کا بار بار کرنا مکروہ ہے اور منہ اور ناک میں مٹی ڈالنا دو مرتبہ سے زیادہ مٹی پر ہاتھ مارنا اور مٹی کم ہونے کے باوجود اس کو پھونک کر اڑانا مکروہ ہے۔

---

❶ المغنی ج ۱ ص ۲۴۲، ۲۵۴. ❷ کشف القناع ج ۱ ص ۲۰۴ اور بعد کے صفحات المغنی ج ۱ ص ۲۵۴. ❸ بروایت امام احمد وابوداؤد بسند صحیح.

۷۔ساتویں بحث......تیمّم کو توڑنے اور باطل کرنے والے امور

تیمّم کو مندرجہ ذیل چیزیں توڑ دیتی ہیں۔❶

۱......ہر وہ چیز جو وضو اور غسل کو توڑ دیتی ہے وہ تیمم کو بھی توڑ دیتی ہے کیونکہ تیمم ان کا ہی بدل ہے اور اصل کو توڑنے والی چیز بدل کے لئے بھی ناقض ہوگی۔لہٰذا اگر کسی نے جنابت کے لئے تیمّم کیا پھر وہ بے وضو ہو گیا تو وہ صرف بے وضو شمار ہوگا جنبی نہیں شمار ہوگا۔لہٰذا وہ تیمم کرے اور موزے پہنا ہوا ہو تو ان کو اتار دے اس کے بعد ان پر مسح کرے جب تک پانی نہیں پاتا۔

۲......اس عذر کا دور ہو جانا جو تیمّم کو مباح کر دیتا ہو، جیسے دشمن کا چلے جانا، مرض، ٹھنڈ، کا ختم ہو جانا، پانی نکالنے کے آلات کا مل جانا اور اس قید ہونے سے آزادی مل جانا جس میں پانی نہ ہو کیونکہ جو چیز عذر کی وجہ سے جائز ہوئی ہے وہ عذر کے ختم ہو جانے پر کالعدم بھی ہو جائے گی۔

۳......پانی کا دیکھ لینا یا کافی پانی کے استعمال پر قدرت ہونا خواہ وہ پانی اعضاء وضو کو ایک مرتبہ دھونے کے لئے ہی ہو احناف اور مالکیہ کے ہاں اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں خواہ ناکافی پانی ہی پالے یہ نماز سے پہلے ہونے کی صورت میں ہے نماز کے اندر ہونے کی صورت میں ایک جماعت کے ہاں نہیں جیسا کہ یہ بات آگے آئے گی۔اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ پانی اس شخص کی حاجت سے زائد ہو مثلاً پینے آٹا گوندھنے نجاست وغیرہ دھونے کی ضروریات کے لئے کافی پانی ہو۔کیونکہ ایسا پانی حاجت میں ہونے کے سبب طہارت وغیرہ کے کام نہیں آسکتا ہے اور احناف و مالکیہ کی رائے میں ناکافی پانی کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے احناف فرماتے ہیں سونے یا اونگھنے والے شخص کا پانی پر سے گزرنا جو کہ اس کے لئے کافی ہو اس کو جاگنے والے کی طرح کر دیتا ہے یعنی اس کا تیمّم باطل ہو جائے گا۔

اور اگر اس شخص کو دوران نماز پانی نظر آ گیا تو احناف اور حنابلہ کے ہاں اس کا تیمّم باطل ہو جائے گا کیونکہ سبب زائل ہو جانے کے سبب اس کی طہارت کالعدم ہو گئی۔اور دوسری بات یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ نماز کو حالت وضو میں ادا کیا جاتا، اور وہ شخص مقصود، یعنی نماز کی ادائیگی اصل کے ذریعے ادا کرنے پر قادر ہے بجائے بدل کے ذریعے ادا کرنے کے لہٰذا تیمّم کالعدم ہو جائے گا اور نص سے ثابت دلائل بھی اس کی تائید کرتے ہیں جو پہلے نماز لوٹانے کی بحث میں گزر چکے ہیں۔

مالکیہ کے ہاں اس شخص کا تیمّم نہیں ٹوٹے گا اور شوافع کے ہاں مسافر ہونے کی صورت میں تیمّم نہیں ٹوٹے گا۔کیونکہ شرعاً یہ شخص تیمّم کے ذریعے نماز ادا کرنے کا مجاز تھا اور اصول کا تقاضا ہے کہ یہ اجازت اس شخص کے لئے برقرار رہے۔اور اللہ کا فرمان ہے **وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ** (اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو سورۃ محمد آیت نمبر ۳۳) اور پانی نظر آنے سے قبل اس شخص کا عمل صحیح اور درست تھا، لہٰذا وہ برقرار بھی اسی حالت پر رہے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ اس صورت کو اس پر قیاس کریں گے کہ اگر نماز سے فراغت کے بعد پانی نظر آئے تو نماز کالعدم شمار نہیں ہوتی ہے کیونکہ پانی کا دیکھ لینا باعث حدث نہیں ہے۔لہٰذا نماز کی حرمت وتقدس کے پیش نظر نماز کالعدم شمار نہیں ہوگی۔

شوافع کے ہاں مقیم شخص اگر دوران نماز پانی دیکھ لے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، جیسا کہ میں یہ بات پہلے بیان کر چکا ہوں کہ پانی مل جانے کی صورت میں نماز کا اعادہ اس شخص کے لئے لازم ہوگا اور چونکہ یہ شخص پانی پا چکا ہے لہٰذا اس پر لازم ہے کہ وہ نماز کے اعادے کے عمل کو شروع کرے۔

---

❶......الدر المختار ج ا ص ۲۳۴۔۲۳۶ مراقی الفلاح ص ۲۱، اللباب ج ا ص ۳۷ فتح القدیر ج ا ص ۹۱ البدائع ج ا ص ۵۶ الشرح الصغیر ج ا ص ۱۹۹ الشرح الکبیر ج ا ص ۱۵۸ القوانین الفقهیه ص ۳۸ بجری اخطیب ج ا ص ۲۵۷۔۲۶۱ مغنی المحتاج ج ا ص ۱۰۱، المهذب ج ا ص ۳۶ المغنی ج ا ص ۲۶۸، ۲۷۲، کشف القناع ج ا ص ۱۹۰، ۲۰۲ غایة المنتهی ج ا ص ۶۳ اور بعد کے صفحات۔

مالکیہ اس حکم سے پانی بھول جانے کی صورت کو مستثنیٰ کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے پاس موجود پانی کو بھول گیا اور اس نے تیمم کر لیا اور نماز کی نیت باندھ لی پھر اس کو پانی یاد آیا تو اگر وقت میں دوبارہ نماز پڑھ لینے کی گنجائش ہو تو اس کی نماز کالعدم ہو جائے گی۔

اور اگر کوئی شخص نماز کی تکمیل کے بعد پانی دیکھے تو اگر نماز کا وقت نکل جانے کے بعد دیکھے تو بالا جماع اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے، کیونکہ دوبارہ نماز پڑھنے کے عمل میں حرج ہے اور اگر وقت باقی ہو تو جمہور علماء ماسوا شوافع کے ہاں نماز نہیں لوٹائیگا شوافع کے ہاں مقیم شخص پر نماز کا لوٹانا لازم ہوگا مسافر پر نہیں بشرطیکہ مسافر اپنے سفر میں مرتکب معصیت نہ ہو (یعنی اس کا سفر سفر معصیت نہ ہو) یہ بات میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔

۴.....وقت کا نکلنا، حنابلہ کے ہاں نماز کا وقت نکل جانے سے تیمم باطل ہو جاتا ہے حنابلہ مزید فرماتے ہیں کہ اگر دوران نماز نماز کا وقت نکل گیا تو اس کا تیمم اور نماز دونوں باطل ہو جائیں گے کیونکہ نماز کا وقت ختم ہونے سے اس شخص کی طہارت بھی ختم ہو گئی اور نماز بھی باطل ہو گئی جیسے کہ مسح کی مدت دوران نماز ختم ہونے سے بھی یہی ہوتا ہے۔ مرتد ہونا، شوافع کے ہاں مرتد ہونا تیمم کے باطل کرنے کا سبب ہے، بخلاف وضو کے کیونکہ وضو قوی ہوتا ہے اور س کا بدل یعنی تیمم ضعیف ہوتا ہے، تاہم مرتد ہونا وضو کی نیت کو باطل کر دیتا ہے لہٰذا اس کی تجدید ضروری ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ تیمم نماز مباح کرنے کے لئے ہوتا ہے، اور مرتد ہونے کی صورت میں نماز مباح کرنے کا ارادہ کالعدم ہے، اور مرتد ہونا خواہ صورتاً ہی ہو تیمم کے باطل ہونے کا سبب ہے جیسے بچے سے سرزد ہونے والا عمل ارتداد۔

احناف وغیرہ کے ہاں مرتد ہونے سے تیمم باطل نہیں ہوتا، لہٰذا دوبارہ اسلام لانے کی صورت میں وہ اس سے نماز ادا کر سکتا ہے، کیونکہ تیمم سے حاصل شدہ چیز صفت طہارت ہے اور کفر اس کے منافی نہیں جیسے وضو کے منافی نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ مرتد ہونا عمل کے ثواب کو ضائع کر دیتا ہے حدث کے زوال کو کالعدم نہیں کرتا ہے۔

۶.....تیمم اور نماز میں طویل فاصلہ، مالکیہ کے ہاں تیمم اور نماز کے درمیان طویل وقفہ آ جانے سے تیمم باطل ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ حضرات تیمم اور نماز کے درمیان موالات کو شرط قرار دیتے ہیں جیسا کہ یہ بات گزر چکی ہے۔

۸۔ آٹھویں بحث..... دونوں پاک کرنے والی چیزوں کے نہ پانے والے شخص (فاقد الطهورين) کا حکم

فاقد الطهورين کا مطلب ہے وہ شخص جو دو پاک کرنے والی چیزوں یعنی پانی اور مٹی کو نہ حاصل کر سکتا ہو اس کے پاس یہ دونوں چیزیں نہ ہوں جیسے کوئی شخص ایسی جگہ قید کر دیا جائے جہاں یہ دونوں چیزیں نہ ہوں یا وہ ناپاک جگہ ہو جہاں پاک مٹی کا حصول ممکن نہ ہو یا اتنا پانی پائے جو خود اس کی حاجت اور ضرورت کے لئے ہو مثلاً پینے وغیرہ کے لئے یا اس کو گیلی مٹی ملے اور اس کو خشک کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اسی طرح وہ شخص جو کہیں لٹکا ہوا ہو یا ایسی کشتی میں سوار ہو کہ وہ پانی حاصل نہ کر سکتا ہو۔ اس حکم میں وہ شخص بھی ہے جو ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ نہ وہ وضو کر سکے اور نہ تیمم جیسے وہ شخص جس کے پورے بدن پر ایسے زخم ہوں کہ جن کے سبب وہ نہ وضو کر سکے نہ تیمم۔

اس شخص کے حکم کے بارے میں دو رائے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ نماز واجب ہے، یہ جمہور کی رائے ہے تاہم اس میں تفصیل یہ ہے کہ بعض کے ہاں اس پر اعادہ واجب نہیں ہے، یہ حضرات حنابلہ ہیں، اور احناف وشوافع کے ہاں اس پر اعادہ لازم ہے۔

دوسری رائے مالکیہ کی ہے صحیح قول کے مطابق ان کے ہاں اس شخص سے نماز ساقط ہے۔ ان آراء کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔[1]

---

[1] ..... الدر المختار ج ۱ ص ۲۳۲ مراقی الفلاح ص ۲۱، الشرح الصغير ج ۱ ص ۲۰۰ الشرح الكبير ج ۱ ص ۱۶۲ المجموع للنووی ج ۲ ص ۳۵۱ المهذب ج ۱ ص ۳۵، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۰۵ اور بعد کے صفحات كشف القناع ج ۱ ص ۱۹۵ اور بعد کے صفحات۔

۱۔ احناف کی رائے...... ان حضرات کے ہاں مفتی بہ قول صاحبین کا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایسا شخص لازمی طور پر نمازیوں کی مشابہت اختیار کرے گا، لہٰذا وہ رکوع اور سجدہ کرے گا اگر خشک جگہ دستیاب ہو اور کھڑے ہو کر اشارہ بھی نہیں کرے گا اور نہ قرأت کرے گا اور نہ نیت کرے گا اور پانی یا مٹی مل جانے پر وہ نماز کا اعادہ کرے گا۔ اور وہ شخص جس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں اور چہرہ زخمی ہو تو ایسا شخص بلا وضو اور تیمم نماز پڑھے گا اور اس پر صحیح قول کے مطابق اعادہ لازم نہیں ہوگا۔

اور وہ شخص جو کہیں قید میں ہو اور اس نے تیمم سے نمازیں پڑھی ہوں تو مقیم ہونے کی صورت میں وہ نمازوں کا اعادہ کرے گا کیونکہ ضرورت کا تحقق اس کے حق میں نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ حضر میں پانی ملنے کا گمان زیادہ ہوتا ہے لہٰذا ضرورت اس کے حق میں نہ رہی، اور سفر میں ہونے کی صورت میں اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا، کیونکہ سفر میں غالب پانی کا نہ ہونا ہوتا ہے، یہ شوافع کا مذہب ہے جیسا کہ میں نماز لوٹانے کی بحث میں یہ بیان کر چکا ہوں۔

۲۔ مالکیہ کا مذہب...... صحیح مذہب یہ ہے کہ فاقد الطہورین (پانی اور مٹی نہ پانے والا شخص) اور وہ شخص جو ان دونوں کے استعمال پر قدرت نہ رکھتا ہو جیسے جبر اروکا ہوا شخص اور بندھا ہوا شخص ایسے شخص پر سے نماز اداء اور قضاء ساقط ہے یعنی نہ اس کا ادا کرنا لازم ہے اور نہ اس کی قضا لازم ہے، لہٰذا وہ حائضہ عورت کی طرح نہ نماز پڑھیگا اور نہ قضاء کرے گا کیونکہ پانی اور مٹی کا ہونا نماز کی ادائیگی کے وجوب کے لئے شرط ہے اور یہ شرط یہاں مفقود ہے اور قضاء لازم ہونے کے لئے شرط ہے کہ نمازی کے ذمہ یہ چیز لازم ہوتی ہو، اور اس شخص کے ذمے یہ عبادت لازم ہو ہی نہیں رہی ہے کیونکہ خطاب اس کی طرف نہیں لوٹتا ہے اور نہ اس سے متعلق ہوتا ہے۔

۳۔ شوافع کا مذہب...... یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ایسا شخص صرف فرض ادا کرے امام شافعی کے قول جدید کے مطابق یہی حکم ہے، اور نماز ادا بھی اپنی حالت پر ہی کرے قرأت بھی کرے اور نیت بھی کرے، کیونکہ نماز کے وقت کی حرمت کا تقاضا یہی ہے، تاہم یہ شخص نوافل نہ پڑھے، اور پانی یا پانی نہ ہونے کی صورت میں مٹی مل جانے پر نماز کا اعادہ کرے کیونکہ ایسا عذر بہت شاذ و نادر لاحق ہوتا ہے، اور مستقلاً ہوتا بھی نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ نماز کی شرائط میں سے کسی شرط کا نہ ہونا نماز چھوڑ دینے کو مباح نہیں کرتا ہے، جیسے ستر عورت، نجاست کا ازالہ، قبلہ رو ہونا، قیام اور قرأت، اور وہ شخص جس کے بدن پر نجاست ہو اور اس کا دور کرنا دھونا مشکل ہو یا وہ شخص جو نماز سے روکا جائے جیسے فاقد الطہورین تو ایسے تمام لوگوں کا حکم یہ ہے کہ وہ فقط فرض ادا کریں گے اور جنبی شخص کو چاہئے کہ وہ فقط فاتحہ پڑھنے پر اکتفاء کرے میرے نزدیک راجح رائے یہی ہے یعنی نماز تو اپنے عام معروف طریقے کے مطابق ادا کرے، اور چونکہ ایسی صورت کے بارے میں کوئی واضح حکم نص میں موجود نہیں ہے اس لئے وہ شخص نماز لوٹائے بھی۔

۴۔ حنابلہ کی رائے...... یہ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص صرف فرض ادا کر لے اپنی حالت پر ہی ادا کرے یہ اس پر لازم ہے، کیونکہ بخاری اور مسلم کی نقل کردہ حدیث بروایت حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو وہ کرو جس کی تم استطاعت رکھتے ہو، دوسری بات یہ کہ شرط ادا کرنے سے عاجز ہو جانا مشروع کو ترک کر دینے کو لازم نہیں کرتا ہے جیسے کوئی شخص ستر اور قبلہ رخ ہونے سے عاجز ہو جائے یعنی یہ حضرات بھی شوافع ہی کی طرح کا حکم لاگو کرتے ہیں۔ تاہم ان کے ہاں اس شخص پر اعادہ لازم نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت اسماء سے ایک ہار عاریت لیا تھا وہ ان سے گم ہو گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگ اس کی تلاش میں بھیجے وہ ان کو مل گیا نماز کا وقت آ گیا اور ان کے پاس پانی نہ تھا انہوں نے بلا وضو نماز ادا کر لی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معاملہ عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت تیمم نازل فرمائی۔[1]

---

[1]...... متفق علیہ۔

اور ایسا شخص نماز میں فقط اتنی مقدار میں امور انجام دے جو نماز کے جواز کے لئے کافی ہوں، لہٰذا وہ صرف فاتحہ پڑھے، ایک مرتبہ تسبیح پڑھے اور اطمینان سے رکوع اور سجدے کرنے پر اکتفاء کرے اور محض دو سجدوں کے درمیان بیٹھے اور اسی طرح اول اور آخری تشہد میں صرف بقدر جواز پر اکتفاء کرے پھر فی الفور سلام پھیر دے، اور نہ نفل ادا کرے اور نہ پانی یا مٹی سے طہارت حاصل کرنے والے کسی شخص کی امامت کرے، کیونکہ ایک پاک شخص کے لئے ایسے شخص کی اقتداء درست نہیں جو اس کے بے وضو ہونے کے بارے میں جانتا ہو۔ اور جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت ہونے کی صورت میں وہ اپنی نماز میں قرآن کی تلاوت بھی نہ کرے، اور حدث واقع ہونے سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور ایسی نجاست کے لگ جانے سے بھی جو قابل معافی نہ ہو کیونکہ یہ منافی نماز چیز ہے۔ اور وقت نکلنے سے نماز باطل نہیں ہوگی بخلاف تیمّم کرنے والے شخص کے کیونکہ وہاں تیمّم کے باطل ہونے کے سبب نماز باطل ہوتی ہے۔

اور میت کو پانی یا مٹی نہ ہونے کے سبب اگر غسل نہ دیا گیا یا تیمّم نہ کرایا گیا تو اس کی نماز جنازہ باطل ہو جائے گی، اور قبر میں میت کے پھولنے سے قبل اس کو قبر کھود کر غسل یا تیمّم کے لئے نکالنا درست ہے، کیونکہ یہ ایسا فائدہ ہے جو بلا فساد ہے ہاں اگر میت کے پھول جانے کا خدشہ ہو تو اس کو قبر سے نہیں نکالا جائے گا۔

ساتویں فصل......حیض، نفاس اور استحاضہ کا بیان

عورتوں کی شرمگاہوں سے نکلنے والے خون تین قسم کے ہوتے ہیں۔

۱.....حیض کا خون، یہ خون حالت صحت میں نکلتا ہے،۔

۲.....استحاضہ کا خون، یہ خون حالت بیماری میں نکلتا ہے، یہ حیض کا خون نہیں ہوتا ہے، کیونکہ اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ تو رگ کھینچ جانے کے سبب نکلنے والا خون ہے، یہ حیض نہیں ہے۔ ❶

۳.....نفاس کا خون، یہ خون بچے کی پیدائش کے موقع پر نکلتا ہے ان تینوں اقسام کے احکام ہیں، اس فصل میں چار مباحث ہیں۔

ا۔پہلی بحث......حیض کی تعریف اور اس کا وقت:

اس فصل میں دو بحثیں ہیں:

ا۔پہلی بحث: حیض کی تعریف......حیض لغت میں بہنے کو کہتے ہیں، عربوں کا محاورہ ہے" حاض الوادی" یعنی وادی بہہ پڑی اور کہا جاتا ہے حاضت الشجرۃ یہ جب کہتے ہیں جب درخت میں سے گوند نکلنے لگے۔

شریعت کی اصطلاح میں یہ وہ خون ہوتا ہے جو عورت کے رحم کے نچلے حصے سے صحت کی حالت میں ولادت یا بیماری کے علاوہ صورت میں نکلتا ہے اور مخصوص مدت تک ہوتا ہے، اور عام طور پر یہ سیاہی مائل خون ہوتا ہے، یہ بہت گرم مزاج کا تکلیف دہ اور بدبودار ہوتا ہے، اس کے احکام کے بارے میں بنیاد یہ آیت ہے **ویسئلونك عن المحیض** (یہ لوگ آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۲۲) اور صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض کے بارے میں فرمایا یہ چیز اللہ نے اولاد آدم میں عورتوں پر لکھ دی ہے۔

اس کا وقت عورت کے بالغ ہونے کی عمر ہے جو کہ کم از کم نو قمری سال ہیں ❷ اور یہ سن ایاس تک ہوتا ہے (سن ایاس سے مراد ہے اتنا عمر

---

❶......بروایت امام بخاری و مسلم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ حدیث مکمل آگے آئے گی۔ ❷ قمری سال ۱/۵، ۳۵۴، یا ۱/۶، ۳۵۴ دن کا ہوتا ہے، یعنی تین سو چون اعشاریہ پانچ یا چھ دن۔

رسیدہ ہوجانا کہ حیض آنا ختم ہوجائے اس بارے میں تفصیل آگے آئے گی) لہٰذا اگر کوئی عورت نو سال کی عمر سے پہلے یا سن ایاس کے بعد خون دیکھے تو وہ خراب خون ہوگا یا محض جریان خون ہوگا۔

حیض کا خون دیکھنے کے بعد عورت بالغ، تمام احکام کی مکلف اور تمام احکام شریعت یعنی نماز، روزہ، حج وغیرہ کی پابند سمجھی جانے لگتی ہے اور اسی طرح لڑکا احتلام کے بعد منی نکل آنے پر بالغ سمجھا جاتا ہے۔ بلوغت پندرہ سال کی عمر ہوجانے سے بھی ہوجاتی ہے اگر یہ علامات بلوغت یعنی حیض اور احتلام نہ پائی جائیں۔ سن ایاس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، کیونکہ اس بارے میں نص وارد نہیں ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ فقہاء اس بارے میں مختلف علاقوں اور ممالک کی عورتوں کے احوال ومزاج پر بنیاد رکھتے ہوئے اس کی تعیین وتحدید کرتے ہیں۔ ❶

مفتی بہ اور مختار قول کے مطابق احناف فرماتے ہیں سن ایاس پچپن سال کی عمر تک ہے اور اگر کوئی عورت اس کے بعد سخت سیاہ یا شدید سرخ خون دیکھے تو وہ حیض شمار ہوگا۔ اور اس اصول کی بناء پر سن ایاس والی عورت (جس کو فقہاء آئسہ (مایوس ہوجانے والی عورت) کہتے ہیں اور ہم ترجمے میں بھی آگے یہی لفظ استعمال کریں گے) اگر خون دیکھے تو وہ خون استحاضہ کا شمار ہوگا، بشرطیکہ وہ خالص خون حیض نہ ہو یعنی سیاہی مائل یا سفید سرخ۔

مالکیہ فرماتے ہیں سن ایاس ستر سال کی عمر ہے اور پچاس سے ستر سال کی عمر کی عورت کے بارے میں عورتوں سے پوچھا جائے گا اگر وہ ایسی عورت کے آنے والے خون کو حیض کہیں یا انہیں اس کے حیض ہونے کے بارے میں شک ہو تو وہ حیض شمار ہوگا۔ اسی طرح عورتوں سے مراہقہ (قریب البلوغ لڑکی) کے بارے میں بھی دریافت کیا جائے گا اور مراہقہ نو سے تیرہ سال کی درمیانی مدت کی عمر والی لڑکی کو کہتے ہیں۔

شوافع فرماتے ہیں سن ایاس کی کوئی آخری حد نہیں ہے جب تک عورت زندہ ہو حیض کا اس کے حق میں ہونا ممکن ہے تاہم غالب یہ ہے کہ باسٹھ سال کی عمر سن یاس ہوتی ہے۔

حنابلہ نے سن ایاس کی تحدید پچاس سال سے کی ہے، دلیل اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ان کا قول ہے جب عورت پچاس سال کی ہوجائے وہ حیض کی حد سے نکل جاتی ہے ❷ اور یہ بھی ان سے منقول ہے کہ عورت کو پچاس سال کی عمر کے بعد بچہ نہیں ہوتا ہے ❸ حاملہ عورت کو حیض آنے کے بارے میں فقہاء کی دو رائے ہیں۔

مالکیہ اور شوافع کا بھی قول جدید مطابق اظہر قول یہ ہے ❹ کہ حاملہ عورت کو بھی حیض ہوتا ہے، اور کبھی کبھی اس کو خون بھی آتا ہے خواہ ایام حمل کے آخر میں سہی اور غالب یہ ہے کہ حاملہ عورت کو عموماً خون نہیں ہوتا ہے، ان کی دلیل پہلے گزری ہوئی آیت حیض کا عمومی اطلاق ہے نیز وہ احادیث بھی جو یہ بتاتی ہیں کہ حیض عورت کی طبیعت کا خاصہ اور اس کی طبعی عادت ہے دوسری بات یہ ہے کہ وہ حیض کے خون کی طرح اچانک آنے والا خون ہے تو وہ غیر حاملہ کو آنے والے خون کی طرح حیض شمار ہوگا۔

حنفیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں ❺ کہ حاملہ کو آنے والا خون حیض نہیں ہوتا ہے احناف کے ہاں بچے کا اکثر حصہ باہر آنے سے قبل نکلنے والا خون بھی حیض نہیں شمار ہوگا، حنابلہ فرماتے ہیں کہ بچے کی ولادت سے دو تین دن قبل آنے والا خون نفاس کا شمار ہوگا۔

ان حضرات کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جو آپ نے اوطاس کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا تھا۔ حاملہ عورت سے

---

❶..... مراقی الفلاح ص ۲۳ حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۰۸ تحفۃ الطلاب ص ۳۳، الحضرمیہ ص ۲۷ المغنی ج ۱ ص ۳۶۳، کشاف القناع ج ۱ ص ۲۳۲، الدرالمختار ج ۱ ص ۲۷۹۔ ❷ یہ روایت امام احمد نے ذکر کی ہے۔ ❸ بروایت ابو اسحاق شالنجی۔ ❹ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۵۱ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۱۱ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۱۸۔ ❺ الدرالمختار ج ۱ ص ۲۶۳، المغنی ج ۱ ص ۳۶۱ اور بعد کے صفحات کشاف القناع ج ۱ ص ۲۳۲۔

وضع حمل سے قبل ہم بستری نہیں کی جائے گی، اور نہ غیر حاملہ سے ہم بستری کی جائے گی جب تک کہ اس کو حیض نہیں آجاتا❶ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض کے ہونے کو رحم کے خالی اور فارغ ہونے کی علامت قرار دیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اس کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں، جب انہوں نے اپنی اھلیہ کو بحالت حیض طلاق دیدی تھی فرمایا تھا اس کو چاہئے کہ وہ اس عورت کو پاکی کی یا حمل کی حالت میں طلاق دے❷ اس حدیث میں بھی حمل ہونے کو حیض نہ ہونے کی علامت قرار دیا گیا ہے جیسا کہ طہر کو حیض ختم ہونے کی علامت سمجھا گیا ہے اور عقلی دلیل اس کی یہ ہے کہ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے کہ جس میں عورت کو عموماً حیض نہیں آتا، تو اس حالت میں آنے والا خون حیض شمار نہیں ہوگا جیسے آئسہ کو آنے والا خون حیض شمار نہیں ہوتا ہے۔ طبی نقطہ نظر اور وقوع پذیر حالات ومعاملات اس رائے کے مؤید ہیں۔

اور اس بنیاد پر یہ حکم متفرع ہوتا ہے کہ حاملہ عورت خون آتا دیکھ کر نماز نہیں چھوڑے گی، کیونکہ یہ حیض کا خون نہیں یہ فساد اور بیماری کا خون ہے اس طرح وہ عورت روزہ۔ اعتکاف اور طواف وغیرہ یعنی عبادات کو اس خون کے آنے کے باعث نہیں چھوڑے گی اور نہ ہی شوہر کو ہم بستری سے روکے گی کیونکہ یہ عورت حائضہ نہیں ہے، اور حاملہ عورت کو آنے والا خون جب رک جائے تو اس کے لئے غسل کر لینا مستحب ہے، تاکہ اختلاف سے احتراز ممکن ہو۔

خون کے رنگ...... باتفاق فقہاء ماہواری عادت کے دوران حیض کے خون کے رنگ مندرجہ ذیل ہوں گے❸ سیاہی مائل، سرخ، پیلا، اور گدلا، ماہواری عادت کے بعد آنے والا پیلے یا گدلے رنگ کا خون حیض شمار نہیں ہوگا۔ اور حیض کا آنا رکنے کا علم جب ہوسکتا ہے جب عورت خالص سفیدی دیکھے، اس طرح کہ عورت اپنی شرمگاہ میں صاف کپڑے کا ٹکڑا یا روئی کا پھایہ رکھ کر دیکھے کہ خون کے نشانات وغیرہ ابھی ہیں یا ختم ہو چکے ہیں۔

ا...... احناف فرماتے ہیں کہ حیض کے خون کے چھ رنگ ہیں:

(۱) سیاسی۔ (۲) سرخی۔ (۳) پیلا پن۔ (۴) گدلا پن۔ (۵) سبز، اور (۶) مٹیالا (صحیح قول کے مطابق) ان رنگوں میں جس رنگ کا خون ایام حیض میں وہ عورت دیکھے وہ حیض شمار ہوگا۔ جب تک کہ وہ خالص سفیدی نہ دیکھ لے اور خالص سفیدی ناک کی رینٹ کی طرح کی ایک چیز ہوتی ہے جو حیض کے آخر میں نکلتی ہے یا اس سے مراد روئی کا وہ پھایہ ہے، جس سے عورت حیض کے ہونے یا نہ ہونے کو چیک کر سکے، اگر وہ پھایہ سفید نکل آیا تو وہ عورت پاک شمار ہوگی۔

سبزی مائل خون گدلے خون کی ایک قسم ہے، یہ ماہواری والی عورت کو فاسد غذا کھانے کے سبب ہوا کرتا ہے کہ غذاء سے خون کا رنگ بدل جاتا ہے۔ جیسا کہ بڑی آئسہ عورت کو صرف سبزی مائل خون ہی ہوتا ہے۔

شوافع حیض کے خون کو اس کی قوت وشدت کے اعتبار سے ترتیب دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں خون کے پانچ رنگ ہیں، ان میں سب سے قوی سیاہ، پھر سرخ، پھر مٹیالا، پھر پیلا اور آخر میں گدلا ہے۔ پھر حیض کے خون کی چار صفات ہیں ان میں قوی تر ہے وہ جو گاڑھا اور بدبودار ہو، پھر نمبر ہے بدبودار کا پھر گاڑھے اور آخری درجہ اس کا جو نہ بدبودار ہو نہ گاڑھا ہو۔

اس بات کی دلیل یہ حیض کے دوران آنے والے تمام رنگوں کے یہ خون حیض شمار ہوں گے یہ ہے کہ یہ تمام رنگوں کے خون اس عمومی حکم

---

❶...... بروایت امام احمد اور ابوداؤد بروایت قاضی شریک اس میں غیر حاملہ قیدی عورتوں کو فارغ الحمل جاننے کے لئے ایک حیض اور حاملہ کے استبراء کے لئے وضع حمل کو طریقہ کار مقرر کرنا معلوم ہوتا ہے۔ ❷بروایت صحاح ستہ ماسوی بخاری از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنهما. نیل الاوطار ج ۶، ص ۲۲۱۔ ❸ فتح القدیر مع حاشية العناية ج ۱ ص ۱۱۲ اللباب ج ۱ ص ۴۷، الشرح الصغير ج ۱ ص ۲۰۷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۱۳ حاشية الباجوری ج ۱ ص ۱۱۲ کشف القناع ج ۱ ص ۲۴۶ البدائع ج ۱ ص ۱۳۹۔

کے تحت داخل ہوتے ہیں جو نص قرآنی وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ سے ماخوذ ہے اوران احکامات کے تحت بھی جو سنت میں وارد ہیں جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول بھی ہے جب عورتیں ان کے پاس شرمگاہ میں رکھی جانے والی گدیلیاں بھیجا کرتی تھیں جن میں روئی کے پھائے ہوا کرتے تھے جن میں پیلا یا گدلا خون لگا ہوتا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان سے فرماتیں: جلدی مت کرو جب تک کہ تم خالص سفیدی نہ دیکھ لو ❶ ان کی مراد ہوتی تھی کہ جب تمہیں مکمل صفائی حاصل نہ ہو تمہارا طہر شروع نہیں ہوگا، اور اس بات کی دلیل کہ حیض کے بعد نظر آنے والا پیلا یا گدلا خون حیض شمار نہیں ہوگا حضرت ام عطیہ کا یہ قول ہے کہ ہم طہر کے شروع ہو جانے کے بعد پیلے اور گدلے خون کو کچھ شمار نہیں کرتے تھے۔ ❷

۲۔ دوسری بحث......حیض اور طہر کی مدت

خون اس وقت حیض شمار ہوگا جب وہ ان رنگوں میں سے ایک رنگ کا ہو جن کا بیان گزرا، اور اس وقت جب کہ اس سے قبل کم از کم مدت پاکی (مدت طہر) گزر چکی ہو جو کہ جمہور فقہاء کے ہاں پندرہ دن ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ خون حیض کی کم از کم مدت پر ضرور محیط ہو، یہ فقہاء میں اختلافی حکم ہے کہ حیض کی کم از کم مدت کتنی ہے ❸ حیض کی اکثر مدت یا کم از کم مدت سے بڑھا یا گھٹا ہوا خون استحاضہ شمار ہوگا۔

احناف کی رائے یہ ہے کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن مع رات ہے، اس سے کم حیض نہیں استحاضہ ہوگا۔ اور اس کی اوسط مدت پانچ دن ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ورات ہیں، اور اس سے زائد دن آنے والا خون استحاضہ کا خون ہوتا ہے۔

ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے حیض کی کم از کم مقدار کنواری یا ثیبہ عورت کے لئے تین دن اور زیادہ سے زیادہ مقدار دس دن ہے ❹ اور اس مدت کے بعد آنے والا خون استحاضہ کا ہوگا۔ کیونکہ شریعت کا کسی چیز کا تعین کر دینا دوسری چیز کو اس کے ساتھ کرنے سے روک دیتا ہے۔

مالکیہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ بنسبت عبادت وغیرہ کے اس کی کم از کم مدت کی کوئی حد نہیں ہے، اس کی کم از کم حد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک قطرہ ہی نکل آئے، اور ایک لمحے کے لئے نکلے، اس صورت میں وہ حائضہ شمار ہوگی، اور خون رک جانے پر وہ غسل کرے گی۔ اور روزہ دار ہونے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا اور وہ اس دن کے روزے کی قضاء کرے گی، ہاں بہ نسبت عدت اور رحم کے استبراء کے ❺ تو اس کی کم از کم مدت ایک دن یا دن کا اتنا حصہ ہے جو قابل شمار ہو۔

حیض کی اکثر مدت ان حضرات کے ہاں عورتوں کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے اور یہ چار قسم کی عورتیں ہیں (۱) مبتدأۃ۔ (۲) معتادہ۔ ❻ (۳) حاملہ۔ (۴) مختلط۔

---

❶...... بروایت امام مالک، اس روایت میں وارد لفظ القصہ (ق کے زبر کے ساتھ) چج کو کہتے ہیں، مقصود سفید ہونے میں تشبیہ ہے امام مالک واحمد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مادہ ہے جو سفید ہوتا ہے اور حیض کے بعد رحم سے نکلا کرتا ہے۔ ❷ بروایت ابوداؤد، حاکم اور امام بخاری، تاہم امام بخاری نے لفظ بعد الطہر (طہر کے بعد) ذکر نہیں کیا ہے۔ ❸ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۱۱ الدرالمختار ج ۱ ص ۲۶۲ البدائع ج ۱ ص ۲۰۸ اور بعد کے صفحات بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۴۸ القوانین الفقھیہ ص ۳۹ اور بعد کے صفحات مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۰۹، ۱۱۳ حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۱۱۴، المغنی ج ۱ ص ۳۰۸ کشف القناع ج ۱ ص ۲۳۳۔ ❹ طبرانی اور دارقطنی نے یہ حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے، دارقطنی نے مزید یہ حضرت واثلہ بن الاسقع سے ابن عدی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے، ابن جوزی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ابن عدی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اور ابن جوزی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، تاہم یہ تمام احادیث ضعیف ہیں، نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۹۱۔ ❺ استبراء رحم فقہی اصطلاح ہے اس کا تفصیلی بیان آگے آئے گا مختصر یہ سمجھ لیں کہ عورت کے رحم کی صورت حال جانچنے کو استبراء رحم کہا جاتا ہے کہ وہ عورت حاملہ ہے یا نہیں۔ (از مترجم) ❻ مبتدأہ سے مراد وہ لڑکی جس کو پہلی مرتبہ حیض آیا ہو اور معتادہ جس کو حیض آیا کرتا ہو اور اس کی ایک عادت بن چکی ہو مثلاً سات دن ہر دفعہ۔

مبتداۃ کی اکثر مدت پندرہ دن ہے، اس سے زائد خون بیماری ہے اور خرابی کا ہوگا۔ اور معتادہ کے لئے اکثر مدت حیض اس کی اکثر عادت سے تین دن زائد تک شمار ہوگی (مثلاً اگر اس کی ماہواری کی مدت چھ دن ہے تو اس کی اکثر مدت حیض نو دن سمجھی جائے گی) اور عادت ایک مرتبہ سے بھی متعین ہو جاتی ہے۔ اور اکثر مدت کا اس کی عادت ماہواری سے تین دن زائد ہونا غلبہ کی بنیاد پر ہے۔ شرط اس بارے میں یہ ہے کہ اس کی اکثر مدت پندرہ دن سے زیادہ نہ بنتی ہو۔

اور حاملہ عورت کے حمل ہونے کے دو مہینے بعد اس کی اکثر مدت حیض بیس دن ہوگی۔ اور چھ ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ گزر جانے پر اس کی اکثر (یعنی زیادہ سے زیادہ) مدت حیض تیس دن ہوگی۔

اور مختلطہ یعنی وہ عورت جو چند دن خون دیکھے پھر پاکی ہو جائے پھر خون دیکھے پھر پاکی ہو جائے یعنی اس کو مکمل طہر نہ مل سکتا ہو تو ایسی عورت کا حکم یہ ہے کہ وہ خون آنے والے دن جوڑے گی۔ اور ان کو شمار کرے یہاں تک کہ اکثر مدت حیض یعنی پندرہ دن مکمل ہو جائیں، اور ان کے درمیان پڑنے والے پاکی (طہر کے دن) کے دنوں کو وہ شمار نہیں کرے گی۔ اور مدت حیض سے زائد دن آنے والا خون استحاضہ کا شمار ہوگا۔ ❶

اور جس دن وہ خون نہ دیکھے اس دن وہ غسل کرے اس امید پر کہ شاید یہ مکمل طہر بن جائے۔ اور جس دن وہ خون دیکھے وہ حائضہ شمار ہوگی، اور ان چیزوں سے اجتناب اس پر لازم ہوگا جن سے حائضہ پر اجتناب لازم ہے شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت ایک دن ورات ہے یعنی چوبیس گھنٹے اور اس طریقے میں متصلاً خون آتا رہے جیسے اس بارے میں عادت ہو اور وہ اس طرح کہ اگر وہ روئی کا پھایا وغیرہ رکھے تو وہ خون سے گندہ ہو جائے لہٰذا خون کا تواتر کے ساتھ مسلسل بہنا شرط نہیں ہے اس بناء پر یہ حکم ہے کہ خون بظاہر آرہا اور رک رہا ہوگا لیکن فی الواقع وہ مسلسل اور متصل ہوگا اور اس کے اس طرح ہونے کا روئی کے پھائے وغیرہ کے رکھنے سے علم ہو سکے گا ❷ اور اگر وہ عورت ایک دن رات سے کم خون دیکھے تو وہ حیض کا نہیں استحاضہ کا خون ہوگا۔

اور عام طور پر حیض چھ یا سات دن ہوتا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کو پوچھنے پر بتایا تم حیض کی مدت اتنی گزار دو جتنی اللہ کے علم میں ہے چھ یا سات دن، پھر نہاؤ اور جو بیس دن بمع رات یا تئیس رات نمازیں پڑھو یہ تمہارے لئے کافی ہوگا ❸ اور حیض کی اکثر مدت پندرہ دن بمع رات ہیں اس سے زائد مدت آنے والا خون استحاضہ کا ہے۔ حیض کے اور استحاضہ کے خون میں رنگ اس کے شدید ہونے اور اس کی ناگوار بو وغیرہ کے ذریعے فرق کیا جا سکتا ہے۔

ان حضرات کی دلیل عورتوں کے احوال ومزاج کا تتبع استقراء اور تحقیق وتلاش ہے جو کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے میں فرمائی تھی، کیونکہ لغۃً اور شرعاً اس کا کوئی ضابطہ اور قانون نہیں ہے، لہٰذا یہ عرف وعادت کے اعتبار کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اور اس بارے میں قابل اعتماد چیز عرف وعادت ہی ہے جیسا کہ شرعاً قبضہ کرنے ملکیت میں داخل کرنے اور خرید وفروخت کرنے والوں کے مابین جدا ہونے کی صورت وغیرہ میں یہ حکم لاگو ہوتا ہے۔ ان کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے۔ حیض کی کم از کم مقدار ایک دن ورات ہے اور پندرہ دن سے زیادہ مدت کے بعد ہونے والا خون استحاضہ کا ہے۔

---

❶ .....مثلاً کسی عورت کو مہینے کی پہلی کو خون آیا پھر رک گیا پھر تین کو آیا چھ کو رک گیا اس طرح ہوتے ہوتے وقفے وقفے سے پچیس تاریخ تک خون آیا کل اٹھارہ دن خون آیا تو پندرہواں دن جس تاریخ کو پڑے اس تاریخ تک وہ دن شمار کرے اور وہ حیض کے دن شمار ہوں گے باقی استحاضہ کے شمار ہوں گے۔ (از مترجم)

❷ مقصود اس بات سے یہ کہنا ہے کہ خون کے مستقل آتے رہنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بالکل بھی رکے بغیر بہتا رہے بلکہ مفہوم یہ ہے کہ وہ آتا رہے خواہ وہ تھوڑی تھوڑی دیر رک کر آئے خواہ مسلسل۔ اور اس کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ شرمگاہ میں روئی کا پھایہ رکھ دیا جائے وہ نکالے جانے پر خون آلود ہو تو یہ علامت خون کے آتے رہنے کی ہوگی۔ ❸ حدیث کا بقیہ حصہ یہ ہے اور اس طرح ہر مہینے کرو جیسے عورتوں کو حیض آیا کرتا ہے اور وہ اپنے حیض اور طہر کی مدت پر پاک ہو جایا کرتی ہے۔ بروایت ابوداؤد ونسائی امام احمد اور ترمذی آخر الذکر دونوں حضرت نے اس کو صحیح قرار دیا ہے امام بخاری نے اس کو حسن کہا ہے۔ نیل الاوطار ج ا ص ا ۲۷۔

اسی طرح حضرت عطاء کا یہ قول میں نے عورتوں کو دیکھا ہے کہ بعض کو ایک دن حیض آتا تھا اور بعض کو پندرہ دن۔ اور شوافع کے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ، جیسا کہ علامہ نووی نے المنہاج میں ذکر کیا ہے، کہ اگر عورت کو جو حیض والی عورت ہو، حیض آئے اور کم از کم مدت سے زیادہ ہو لیکن اکثر مدت کو پار نہ کرے تو یہ سب کا سب حیض ہوگا، خواہ وہ مبتداٗہ ہو یا معتادہ، اس کی عادت بدلی ہو یا نہیں اور اگر عورت کم از کم مدت حیض سے کم خون دیکھے یا حیض کی اکثر مدت کے بعد دیکھے (یعنی پندرہ دن کے بعد بھی) تو وہ استحاضہ کا خون ہوگا حیض کا نہیں۔

طہر کی کم سے کم مدت: حنابلہ کے علاوہ جمہور فقہاء فرماتے ہیں ❶ کہ دو حیض کے درمیان آنے والے طہر کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے، کیونکہ مہنیہ عام طور پر طہر اور حیض کے بغیر نہیں ہوتا ہے، اور جب حیض کی اکثر مدت پندرہ دن ہے تو یہ ضروری ہوا کہ طہر کی کم از کم مدت بھی پندرہ دن ہو۔ طہر کی اکثر مدت کی کوئی حد نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کبھی کبھی لمبا ہو جاتا ہے اور سال دو سال کے لئے بھی ہو جاتا ہے۔ اور کبھی عورت کو حیض آتا ہی نہیں ہے۔ اور کبھی سال میں صرف ایک مرتبہ آتا ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں ❷ دو حیض کے مابین کم از کم مدت طہر تیرہ دن ہے دلیل اس کی وہ روایت ہے جو امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ ایک عورت حضرت علی کے پاس آئی، اس کے شوہر نے اس کو طلاق دیدی تھی اس عورت نے دعویٰ کیا کہ اس کو ایک مہینے میں تین حیض ہوئے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح سے کہا اس بارے میں کچھ کہو، وہ بولے اگر یہ اپنے خاص اہل خاندان کی جو دین دار اور دیانت دار ہوں کی گواہی پیش کرے اور وہ اس کے وقوع میں گواہی دیدے تو یہ سچی ہوگی ورنہ یہ جھوٹی شمار ہوگی حضرعلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا قالون (یعنی بہت خوب) یہ رومی زبان کا لفظ ہے جو عمدگی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور ایسی بات عقل سے کہنا ممکن نہیں یہ کسی دلیل کی بنیاد پر کہی ہوگی اور یہ بات ہے بھی حضرت علی جیسے مشہور صحابی کی اور اس کی مخالفت بھی معلوم نہیں ہے اور ایک مہینے میں تین حیض کا ہونا اس کی دلیل ہے کہ تیرہ دن کا طہر کامل اور درست ہوتا ہے ❸ اور طہر کی اکثر مدت کی متعین نہ ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ اور طہر سے مراد ہے حیض اور نفاس سے پاک ہونے کا زمانہ اور اس کی دو علامتیں ہیں ! ۔ خون کا خشک ہونا رک جانا ۲۔ اور خالص سفیدی کا آنا یعنی وہ پتلا سفید سا پانی جو حیض کے آخر میں آتا ہے ❹ ایام حیض میں خون کا رک جانا۔ یعنی ماہواری عادت شروع ہونے کے بعد حیض کا کچھ وقفے کے لئے رک جانا پھر دوبارہ آنا تو بیچ کی اس مدت کا کیا حکم ہے کیا یہ حیض میں سے شمار ہوگی یا نہیں؟

اس بارے میں دو فقہی آراء پائی جاتی ہیں، پہلی رائے شوافع او احناف کی ہے، دوسری رائے مالکیہ اور حنابلہ کی ہے ❺ پہلی رائے والے حضرات فرماتے ہیں ایام حیض میں دوران عادت واقع ہو جانے والا وقفہ حیض ہی شمار ہوگا۔ چنانچہ اگر کسی نے ایک دن خون دیکھا پھر دوسرے دن حیض رک گیا اور اس طرح رکا کہ روئی کا پھایہ شرمگاہ میں رکھنے کے باوجود وہ خون آلود نہ ہوا پھر تیسرے دن خون آ گیا اور دوران مدت اس طرح ہوتا رہا تو وہ عورت اس تمام مدت میں حائضہ شمار ہوگی۔

دوسری رائے والے حضرات ان ایام کو ملانے کا اصول اپناتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ خون والے دنوں کو الگ اور خون نہ آنے والے دنوں کو الگ سمجھا جائے گا اور وقفہ طہر سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اگر حائضہ عورت کو ایک یا دو دن خون آیا پھر رک گیا پھر آیا پھر رک گیا تو خون والے

---

❶ ... فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲۱، مراقی الفلاح ص ۲۴ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۰۹ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۴۸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۰۹ حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۱۱۲ المہذب ص ج ۱ ص ۳۹۔ ❷ کشف القناع، ج ۱ ص ۲۳۴۔ ❸ تاہم یہ اس صورت میں ہے جب حیض کم سے کم مدت یعنی ایک دن ہوا ہو اس عوت کو تین مرتبہ ایک دن ہی حیض ہوا ہو۔ ❹ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۵۲، القوانین الفقھیہ ص ۴۱۔ ❺ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۱۲ الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ج ۱ ص ۲۶۷، اللباب ج ۱ ص ۴۹، بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۵۰ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۱۲، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۱۹ حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۱۱۴ المہذب ج ۱ ص ۳۹، المغنی ج ۱ ص ۳۵۹ کشف القناع ج ۱ ص ۲۴۶

یہ دن ایک دوسرے سے ملا کر شمار کر لئے جائیں گے اور باقی دن طہر شمار ہوں گے (مثلاً کسی عورت کو وقفے وقفے سے دس دن خون آیا بیچ بیچ میں ایک ایک دن چار مرتبہ نہیں آیا تو ان حضرات کے ہاں چھ دن حیض کے اور چار دن طہر کے شمار ہوں گے) البتہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر دو حیضوں کے درمیان پندرہ دن، جو کہ طہر کی کم سے کم مدت ہے کا وقفہ ہو جائے یا زیادہ کا تو تو وہ طہر شمار ہوگا اور دونوں حیضوں کے درمیان فاصل شمار ہوگا۔ اور اس سے پہلے اور بعد کے خون والے دن اگر کم سے کم مدت حیض تک پہنچے ہوئے ہوں تو وہ حیض شمار ہوں گے۔ ان آراء کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مذہب حنفی :.....متاخرین فقہاء احناف میں سے بہت سے لوگوں نے امام ابو یوسف کے قول پر فتوی دیا ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آخری کا قول بھی تھا اور وہ یہ کہ دو خون کے درمیان واقع خون فاصلہ کرنے والا شمار نہیں ہوگا۔ وہ مسلسل خون کی طرح شمار ہوگا بشرطیکہ طہر کے دونوں جانب (یعنی شروع اور آخر میں) خون کا آنا پایا جائے، تو حیض کی ابتداء طہر سے ہونی اور اس انتہائی پر ہونی درست ہے۔ لہٰذا اگر کسی مبتدا نے ایک دن خون دیکھا اور چودہ دن خون نہیں آیا پھر ایک دن خون آیا تو پہلے دس دن حیض ہوں گے اور معتادہ عورت نے اپنی عادت سے پہلے ایک دن خون دیکھا اور اس دن تک اس کو خون نہیں ہوا پھر ایک دن خون دیکھا تو وہ اس دن جن میں اس نے خون نہیں دیکھا حیض کے شمار ہوں گے اگر اس کی عادت اتنے دن کی تھی، ورنہ اس کی عادت کے برابر دن حیض کے باقی طہر کے شمار ہوں گے۔

اور حالت نفاس کے چالیس دنوں میں اگر طہر درمیان میں واقع ہو تو وہ فاصل شمار نہیں ہوگا (وہ بھی نفاس سمجھا جائے گا یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور اسی پر فتوی ہے خواہ یہ وقفہ پندرہ دن کا ہو کم کا ہو یا زیادہ کا ہو۔ اور طہر کے پہلے اور بعد میں ہونے والے خون کو ایسا سمجھا جائے گا جیسے وہ خون مسلسل ہے وقفہ نہیں ہوا ہے۔

۲۔ مذہب شوافع.....ظاہر اور قابل اعتماد قول ان حضرات کے ہاں یہ ہے کہ حیض کی کم یا زیادہ مدت کے درمیان واقع وقفہ حیض کے تابع شمار ہوگا اس کی چند شرائط ہیں ایک یہ کہ یہ وقفہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ کا نہ ہو دوسری یہ کہ آنے والے خون حیض کی اقل مدت سے کم نہ ہوں اور یہ کہ یہ وقفہ دو خون کے درمیان واقع ہو۔ اس حکم کو حکم **اسحب** (کھینچنے کا حکم) کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں ہم نے حیض کا حکم اس وقفے پر بھی کھینچ کر لاگو کر دیا جو حیض نہیں تھا اور سب کو حیض قرار دیا۔ شوافع کے ہاں ایک قول اور ہے جس کو **قول اللقط** (اٹھا لینے کا حکم) کہا جاتا ہے اس کے مطابق بیچ میں واقع دن طہر کے کہلائیں گے کیونکہ خون حیض ہے تو خون نہ ہونا طہر ہونا چاہئے۔ اس کو **قول اللقط** اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں بیچ کے دنوں کو اٹھا لیا جاتا ہے۔ اور حالت نفاس میں واقع وقفہ صحیح قول کے مطابق طہر شمار ہوگا، لیکن یہ مدت نفاس کے ساٹھ دنوں کے اعتبار سے شمار ہوگا، یعنی نفاس کی مدت جو کہ ساٹھ دن ہے، گویا یہ نفاس میں عدد کے اعتبار سے شمار ہوگا حکم کے اعتبار سے نہیں خلاصہ کلام یہ ہے کہ حیض کے درمیان خون کا رک جانا حیض کے حکم میں ہی ہوگا اور نفاس کے درمیان رک جانے سے وہ نفاس کے حکم میں نہیں ہوگا لیکن یہ دن نفاس کی اکثرت مدت یعنی ساٹھ دن میں شمار ہوں گے۔

۳۔ مالکیہ کا معتمد مذہب اور حنابلہ کا مذہب..... یہ حضرات تلفیق (دو چیزوں کو ملانا) کے قائل ہیں یعنی خون والے دن کو دوسرے خون والے دن سے ملانا اور طہر کو خون کے درمیان واقع ہونے کو یہ حضرات درست سمجھتے ہوئے اس کو طہر قرار دیتے ہیں، لہٰذا اگر ایک دن خون آیا اور ایک دن یا زیادہ منقطع ہو گیا اور یہ انقطاع آدھے مہینے سے کم ہی رہا جو کہ اکثر مدت حیض ہے تو صرف خون آنے والے دن ملا لئے جائیں گے اور بیچ کے وہ دن جن میں خون نہیں آیا وہ طہر شمار ہوں گے۔ ایسی عورت کا حکم یہ ہے کہ جب بھی اس کا خون آنا رکے اس پر غسل کرنا واجب ہے اور وہ نماز پڑھے گی، روزہ بھی رکھے گی اور اس سے ہم بستری کرنا بھی جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ حقیقی طہر ہے تاہم حنابلہ فرماتے ہیں کہ طہر کے زمانے میں اس سے ہم بستری کرنا مکروہ ہے اور حنابلہ کے ہاں وہ اسی طرح کرتی رہے یہاں تک کہ خون آنے کے دن اور رک

جانے کے دن حیض کی اکثر مدت سے بڑھ جائیں مثلاً وہ ایک دن خون دیکھے دوسرے دن خون نہ آئے تیسرے دن آئے چوتھے دن نہ آئے اسی طرح اٹھارہ دن ہو جائیں تو اس صورت میں وہ مستحاضہ قرار پائے گی۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ معتادہ اور مبتداہ آدھے مہینے یعنی پندرہ دن تک تلفیق کریں (یعنی ایک دن خون ایک دن پاکی کا عمل پندرہ دن تک ہو تو وہ خون والے دنوں کو ایک دوسرے سے ملاتے رہیں) اور وہ عورت جس کو پندرہ دن سے کم کی عادت ہو وہ اپنی عادت کے مطابق ملائے اور اپنی اکثر عادت سے تین دن زائد مزید شمار کرے ان دنوں کو ایام استظہار کہا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد جو خون آئے وہ استحاضہ کا ہوگا حیض کا نہیں۔

۲۔ دوسری بحث...... نفاس کی تعریف اور اس کی مدت

۱۔ نفاس کی تعریف...... احناف اور شوافع کے نزدیک نفاس کی تعریف یہ ہے[1] کہ وہ خون جو ولادت کے بعد نکلے، اور بچے کے ساتھ یا بچے کے باہر نکلنے سے پہلے نکلنے والا خون خراب اور استحاضہ کا خون ہوتا ہے لہٰذا (صرف وضو کر لینا کافی ہے اور) وہ وضو کر کے نماز پڑھ سکتی ہے احناف مزید یہ فرماتے ہیں کہ وہ تیمم کر لے اور اشارے سے نماز پڑھ لے نماز کو مؤخر نہ کرے تاہم شوافع ولادت سے پہلے حیض کے خون کے ساتھ ساتھ نکلنے والے خون کو اس حکم سے مستثنیٰ کرتے ہیں اور یہ اس بناء پر کہ ان کے نزدیک صحیح قول کے مطابق حاملہ عورت کو حیض آتا ہے۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ ولادت سے قبل نکلنے والا خون حیض ہے۔ حنابلہ کے ہاں نفاس وہ خون ہے[2] جو ولادت کے باعث نکلنے والا ہو اور وہ خون جو ولادت سے دو تین دن قبل نکلے اور اس کی کوئی علامت بھی پائی جائے جیسے دردزہ اور وہ خون جو ولادت کے ساتھ نکلے یہ دونوں خون ان کے ہاں نفاس کے خون ہیں اور ایسے ہی جیسے ولادت کے بعد نکلنے والا خون۔

ان تمام حضرات کے ہاں بچے کا اکثر باہر آ جانے پر نکلنے والا خون نفاس کا ہوگا خواہ بچہ ایک ایک عضو کٹی ہوئی حالت میں نکلے یا ایسا ناقص الخلقت نکلے جس کے بعض اعضاء بنے ہوں جیسے انگلی اور ناخن وغیرہ اور خواہ وہ دو جڑواں بچوں کے درمیان نکلنے والا خون ہو[3] تاہم شوافع کے ہاں اصح قول یہ ہے کہ نفاس کا اعتبار دوسرے بچے کے بعد ہوگا۔ اور پہلے بچے کے بعد نکلنے والا خون اگر حیض کے خون کے ساتھ نکلے تو وہ حیض ہوگا (یعنی ولادت سے قبل عورت کو حیض آ رہا ہو) بصورت دیگر وہ استحاضہ ہوگا۔ اور اگر بالکل ابتدائی شکل کے جنین کے نکلنے کے بعد خون آئے تو وہ نفاس نہیں ہوگا۔ مالکیہ فرماتے ہیں[4] کہ نفاس وہ خون ہے جو عورت کی اگلی شرمگاہ سے بچے کی ولادت کے وقت ولادت کے ساتھ یا اس کے بعد نکلے خواہ دو جڑواں بچوں کے درمیان ہی نکلے اور وہ خون جو ولادت سے قبل نکلے وہ حیض شمار ہوگا راجح قول کے مطابق لہٰذا وہ نفاس کے ساٹھ دنوں میں شمار نہیں ہوگا۔

۲۔ مدت نفاس...... نفاس کی مدت تین قسم کی ہے کم از کم متوسط اور غالب طور پر ہونے والی کم سے کم مدت کے بارے میں شوافع فرماتے ہیں کہ یہ مدت ایک لحہ بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی خواہ ایک مرتبہ ہی ہو معمولی سی مقدار میں۔ باقی فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کی کم از کم مدت کی کوئی تعیین نہیں، کیونکہ شریعت میں اس کی کوئی تعیین وارد نہیں ہوئی ہے، لہٰذا اس کی عملی صورتحال ہی کو دیکھا جائے گا اور عملی صورتحال میں یہ کم اور زیادہ دونوں طرح ہوتا ہے۔ ان دونوں آراء پر غور کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ درحقیقت دونوں میں کوئی اختلاف نہیں

---

[1]...... كشف القناع ج ۱ ص ۲۲۶۔ [2] جڑواں بچے وہ ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ کے حمل سے دو بچے ہوں اور دونوں میں فاصلہ زیادہ سے زیادہ چھ ماہ سے کم کا ہو۔ [3] الشرح الصغير ج ۱ ص ۲۱۶ اور بعد کے صفحات القوانين الفقهيه ص ۴۰۔ [4] گزشتہ حوالہ جات جو تمام مذاہب کے پچھلی بحث میں گزر چکے ہیں۔

دونوں رائے ایک ہیں۔ کبھی عورت کی ہاں ولادت ہوتی ہے لیکن خون نہیں نکلتا چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک عورت کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ولادت ہوئی تو اس کو نفاس نہیں ہوا اس کا نام ''ذات الجفوف'' (خشکی والی) رکھ دیا گیا۔

شوافع کے ہاں اس کی غالب مدت چالیس دن ہے اور مالکیہ اور شوافع کے ہاں اس کی اکثر مدت ساٹھ دن ہے، اور اعتبار اس بارے میں تحقیق وتتبع اور تلاش کا ہے۔ احناف اور حنابلہ کے ہاں اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے اس سے زیادہ جو ہو وہ استحاضہ ہے دلیل اس کی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ نفاس والی عورتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چالیس دن اور رات آرام کیا کرتی تھیں۔ ❶

۳۔ تیسری بحث......حیض ونفاس کے احکام اوران چیزوں کے بیان میں جو حائضہ اور نفاس والی عورتوں پر ممنوع ہیں

حیض کے پانچ احکام ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔ ❷

۱۔ حیض......اور اس کی طرح نفاس بھی خون رک جانے پر غسل واجب کرتے ہیں، دلیل اس کی حیض کے بارے میں قرآن کی وہ آیت ہے جو پہلے بھی گزری:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ ......سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۲۲

لوگ آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے: یہ تو گندگی ہے، سو تم لوگ عورتوں سے دوران حیض دور رہو، اور ان کے قریب مت جاؤ جب تک یہ پاک نہ ہو جائیں، جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس اسی راستے سے جاؤ جہاں کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے یہ کہنا جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو، اور جب چلا جائے تو خون دھولو اور نماز پڑھو ❸ اور بخاری کی روایت میں ہے لیکن اتنے دنوں کی نماز چھوڑ دو جن میں تمہیں حیض آیا ہو پھر نہا کر نماز پڑھ لو۔

۲۔ **بلوغت**:......دوسرا حکم جو حیض سے ثابت ہوتا ہے وہ ہے لڑکی کا بالغ ہونا لڑکی حیض آنے پر بالغ اور شرعی احکامات کی مکلف سمجھی جائے گی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ حیض والی عورت (یعنی بالغ عورت) کی نماز بغیر دوپٹے کے قبول نہیں فرماتا ❹ تو اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض آنے کی وجہ سے پردہ اختیار کرنے کا حکم دیا جو دلیل ہے اس بات کی کہ اس کے شروع ہو جانے کے بعد عورت مکلف بن جاتی ہے۔

۳......حیض کے ذریعے عدت شمار کرنے کی صورت میں رحم کے خالی ہونے اور فراغت کا علم حیض کے آنے سے ہوتا ہے، اور یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ عدت کے حکم کا اصل مقصد رحم کے فارغ ہونے کا معلوم کرنا ہوتا ہے۔

۴......حیض کے اعتبار سے عدت گزارنا حنفیہ اور حنابلہ کی رائے کے مطابق ہے، کیونکہ قرآن کریم میں وارد لفظ ''قروء'' میں قرء سے مراد

---

❶ ...... بروایت امام احمد ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ یہ حدیث امام دارقطنی اور حاکم نے روایت کی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اس حدیث کو ضعیف قرار دینا غلط ہے جیسا کہ علامہ نووی فرماتے ہیں نیل الاوطار ج اص ۲۸۲ تا ہم اس بارے میں شوافع فرماتے ہیں کہ اس میں زیادتی کی نفی پر کوئی دلالت نہیں پائی جاتی یا یہ غالب احوال پر محمول ہے یا خاص عورتوں سے متعلق ہے۔ ❷ کشف القناع ج ا ص ۲۲۸۔ ❸ بروایت صحاح ستۃ ماسوی ابن ماجہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نیل الاوطار ج ص ۵۲۸۔ ❹ بروایت امام احمد وغیرہ۔

حیض ہے، اور عدت میں تین قرء یعنی تین حیض مراد ہیں غیر حاملہ مطلقہ عورت کی عدت تین حیض گزرنے کے بعد ہی معلوم ہوسکتی ہے، اور جس حیض کے دوران طلاق ہوئی ہے وہ شمار نہیں ہوگا۔ مالکیہ اور شوافع فرماتے ہیں کہ قرء سے طہر مراد ہے، تو عدت کا شمار طہر کے زمانے سے ہوگا اور تیسرا حیض شروع ہونے سے عدت ختم ہوجائے گی۔ اور وہ طہر جس میں طلاق واقع ہوئی ہو وہ عدت کے تین طہروں میں ہی شمار ہوگا خواہ وہ ایک لمحے کے لئے ہی رہا ہو۔

۵.....دوران حیض ہم بستری کرنے سے کفارہ لازم ہونا۔ یہ حکم حنابلہ کے ہاں ہے اس پر مزید گفتگو حائضہ پر حرام چیزوں کے بیان میں آئے گی۔

حیض اور نفاس سے حرام ہونے والے امور..... حیض اور نفاس سے بھی وہی امور حرام ہوتے ہیں جو جنابت سے حرام ہوتے ہیں اور وہ سات امور ہیں۔ (۱) تمام نمازیں۔ (۲) سجدہ تلاوت۔ (۳) قرآن کا چھونا۔ (۴) مسجد میں داخل ہونا۔ (۵) طواف۔ (۶) اعتکاف اور (۷) قرآن کریم کی تلاوت۔ تاہم معتمد قول کے مطابق مالکیہ حائضہ اور نفاس والی عورت کے لئے دل میں تلاوت قرآن کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ اس کو خون آنا نہ رکا ہو۔ خون آنا رک جائے تو غسل سے پہلے یہ کرنا اس کے لئے ممنوع ہوگا۔ اور یہ اجازت بہر حال ہے خواہ وہ حالت حیض میں جنبی بھی ہو یا نہیں۔

ان پر مزید امور کا اضافہ بھی کیا جاتا ہے، احناف نے حائضہ اور نفاس والی عورت پر حرام امور آٹھ گنوائے ہیں، مالکیہ نے بارہ گنوائے ہیں سات تو وہ جو گزرے اور پانچ مزید اور وہ یہ ہیں۔ (۱) روزہ۔ (۲) طلاق۔ (۳) خون رکنے سے پہلے خاص شرمگاہ میں ہم بستری کرنا۔ (۴) خون رکنے سے قبل شرمگاہ کے علاوہ آس پاس ہم بستری کرنا اور (۵) خون رکنے کے بعد غسل کرنے سے پہلے ہم بستری کرنا۔

شوافع نے آٹھ امور گنوائے ہیں اور حنابلہ نے پندرہ۔ حالت حیض ونفاس میں ممنوع ان امور کی تفصیل بمعہ دلائل وغیرہ مندرجہ ذیل ہے۔ ❶

۱۔ **طہارت**..... غسل یا وضو یہ حکم شوافع اور حنابلہ کی رائے کے مطابق ہے، عورت کو جب حیض آئے تو اس پر حیض سے طہارت حاصل کرنا حرام ہے، کیونکہ حیض اور اس کی طرح نفاس طہارت کو واجب کرتے ہیں، اور جو چیز طہارت کو واجب کرے وہ طہارت کی صحت سے مانع ہوتی ہے جیسے پیشاب کا نکلنا، یعنی نجاست کا رک جانا طہارت کی صحت کے لئے ضروری ہے تاہم جنابت احرام اور مکہ میں داخل ہونے وغیرہ کے لئے غسل کرنا جائز ہے ❷ بلکہ مستحب ہے۔

۲۔ **نماز**..... حائضہ اور نفاس والی عورت پر نماز حرام ہے دلیل اس کی حضرت فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث ہے جو پہلے گزری کہ جب حیض آئے تو تم نماز چھوڑ دو تاہم نماز کا فرض اس سے بالکل ساقط ہے باتفاق اس پر نماز کی قضاء واجب نہیں ہے دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نقل کردہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہم عورتیں حالت حیض میں ہوا کرتی تھیں،

---

❶..... البدائع ج ۱ ص ۴۴ الدر المختار وردالمحتار ج ۱ ص ۱۵۸۔۱۶۲، ۲۶۸، ۲۷۴، فتح القدیر ج ۱ ص ۱۱۴۔۱۱۹ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۵۶ اور بعد کے صفحات، مراقی الفلاح ص ۲۴ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۱۵، اور بعد کے صفحات، القوانین الفقھیہ ص ۴۰ بدایۃ المجتھد ج ۱ ص ۵۴۔۵۷، ۶۱، المھذب ج ۱ ص ۳۸، ۴۵ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۰۹، ۱۲۰ تحفۃ الطلاب ص ۳۳ اور بعد کے صفحات بجیرمی الخطیب ج ۱ ص ۳۱۲، ۳۲۳، حاشیہ الباجوری ج ۱ ص ۱۱۷۔۱۱۹ المغنی ج ۱ ص ۳۰۶ اور بعد کے صفحات، ص ۳۳۳۔۳۳۸ کشف القناع ج ۱ ص ۲۲۶۔۲۳۳۔ ❷ حنابلہ نے وضو کو دوسرے امر کے طور پر ذکر کیا ہے جیسے کہ دوسری شق کے بارے میں انہوں نے دو باتیں ذکر کی ہیں، نماز اور اس کا وجوب ان کو الگ الگ شمار کیا ہے۔

ہیں روزہ قضاء کرنے کا حکم دیا جاتا تھا نماز قضاء پڑھنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا❶ دوسری بات یہ ہے کہ حیض کے بار بار ہونے اور اس کی مدت کے طویل ہونے کی بناء پر نمازوں کی قضاء پڑھنا باعث حرج کام تھا بخلاف روزے کے حائضہ عورت پر نمازوں کی قضاء پڑھنا حرام ہے اور شوافع کے ہاں معتمد بات یہ ہے کہ وہ مطلق نفل بن جائے گی جو باعث ثواب بھی نہ ہوگی۔

۳۔ روزہ...... *حائضہ اور نفاس والی عورت پر روزہ حرام ہے، اور رکھے جائے پر وہ درست بھی نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ* عنہا کی روایت کردہ حدیث کی رو سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے خواتین اس کے سبب روزہ چھوڑ دیا کرتی تھیں، تاہم اس کی قضاء ان سے معاف نہیں ہے، لہٰذا حائضہ اور نفاس والی عورت روزے کی قضاء رکھیں گی لیکن نماز کی قضاء نہیں پڑھیں گی جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ روزہ سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے تو اس کی قضاء دشوار نہیں ہے، لہٰذا وہ ساقط بھی نہیں ہوگا یہاں ایک اور حدیث بھی ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین سے فرمایا: کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی ہوتی ہے وہ بولیں بالکل آپ نے فرمایا یہ اس کی عقل کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے پھر آپ نے فرمایا کیا ایسا نہیں ہے کہ وہ حیض کی حالت میں نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے وہ بولیں ہاں، آپ نے فرمایا یہ ان کے دین کی کمی کی علامت ہے۔❷

۴۔ طواف...... اس کے ممنوع ہونے کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ہے جب تمہیں حیض آئے تو ایسا ہی کرو جیسے حج کرنے والا کرتا ہے سوائے اس کے تم پاک ہونے تک کعبہ کا طواف نہ کرنا❸ دوسری بات یہ ہے کہ طواف کے لئے طہارت ضروری ہے۔ اور طہارت حائضہ کی درست نہیں ہوتی ہے۔

۵۔ **قرأت قرآن اور قرآن کریم کا چھونا اور اٹھانا**...... یہ امور ممنوع ہیں جیسا کہ جنابت کے بیان میں یہ بات واضح ہو چکی ہے دلیل اس کی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حائضہ اور جنبی شخص ذرا سا بھی قرآن نہ پڑھیں❹ شوافع نے یہ صورتیں مستثنیٰ کی ہیں کہ قرآن کے ڈوب جانے، جل جانے نجاست لگنے یا کافر کے ہاتھ پڑنے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں اس کو اٹھالینا واجب ہے جیسا کہ بالاتفاق علماء ایسی تفسیر کو اٹھانا جائز ہے جس میں قرآن کریم سے تفسیری مواد بالیقین زیادہ ہو۔ شوافع کے ہاں معتمد قول کے مطابق بالارادہ سامان کے ساتھ اس کو ناپاکی کی حالت میں اٹھانا درست نہیں ہے احناف نے قرآن اٹھانے کی اس صورت کو مستثنیٰ کیا ہے کہ وہ ایک الگ غلاف میں جو قرآن سے علیحدہ ہو اس کی جلد کا حصہ نہ ہو۔ اور آستین سے پکڑنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہ پہننے والے کے تابع ہوتی ہے۔ کتب شریعت یعنی حدیث فقہ اور تفسیر وغیرہ کے پڑھنے پڑھانے کے لئے آستین اور ہاتھ سے ورق وغیرہ الٹنے کی رخصت ہے بوجہ ضرورت، تاہم ان کا چھونا مکروہ ہے کیونکہ عام طور پر ان میں قرآن کریم کی آیات ہوتی ہیں اور مستحب یہ ہے کہ قرآن کریم کا صفحہ بلا وضو نہ پلٹا جائے، احناف نے اس کی اجازت دی ہے کہ قرآن کے صفحات پڑھنے کے لئے قلم وغیرہ سے پلٹ لیے جائیں۔ جیسا کہ یہ حضرات بچے کے لئے قران کریم پکڑنا اور اٹھانا جائز قرار دیتے ہیں تعلیم کی ضرورت کے پیش نظر۔ جنبی حائضہ اور نفاس والی عورت کے لئے قرآن کریم دیکھنا ممنوع نہیں ہے کیونکہ جنابت آنکھوں میں سرایت نہیں کرتی ہے، قرآن کریم اور اللہ تعالیٰ کے نام درہم محراب، دیواروں اور ایسی چیزوں پر لکھنا اور کندہ کرنا مکروہ ہے جو بچھائے جانے کے کام میں آئیں۔ قرآن کی تلاوت بیت الخلاء غسل خانے اور حمام

---

❶...... بروایت اصحاب صحاح ستہ از حضرت معاذہ، نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۸۰۔ ❷ بروایت بخاری، نیل الاوطار، مسلم نے حضرت ابن عمرؓ سے یہ حدیث ان الفاظ میں روایت کی ہے وہ رات کو ٹھہری رہتی ہے نماز نہیں پڑھتی ہے، اور رمضان میں روزہ چھوڑتی ہے تو یہ اس کی دین کی کمی ہوئی۔ سبل السلام ج ۱ ص ۱۰۵۔ ❸ متفق علیہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ ❹ ترمذی، ابن ماجہ اور بیہقی نے یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور دار قطنی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، یہ حدیث ضعیف ہے، نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۹۵۔

میں کرنا مکروہ ہے اور آیت الکرسی کا ایسے کاغذ پر لکھنا جو لکھنے والے سے علیحدہ ہو مکروہ نہیں ماسوا اس کے کہ اس کا ہاتھ اس پر لگے تو مکروہ ہوگا۔

۶۔ **مسجد میں داخل ہونا**......اس میں ٹھہرنا اور اعتکاف کرنا خواہ وضو کر کے ہی سہی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں مسجد کو حائضہ اور جنبی کے لئے حلال نہیں کرتا ہوں۔❶

شوافع اور حنابلہ حائضہ کے لئے مسجد سے گزرنا جائز قرار دیتے ہیں بشرطیکہ مسجد گندی نہ ہو کیونکہ مسجد میں ٹہل کر غلاظتوں سے اس کو گندہ کرنا حرام ہے، دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا مجھے چھوٹی چٹائی مسجد سے اٹھا دو میں نے عرض کیا میں حیض کی حالت میں ہوں آپ نے فرمایا تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے❷ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں ہم میں سے کوئی بھی مسجد میں چٹائی لے جا کر بچھا دیتی جب کہ وہ حالت حیض میں ہوتی تھی❸ اس تفصیل کے ساتھ یہ بھی جانتے چلئے کہ حنابلہ حائضہ عورت کے لئے خون رک جانے کے بعد وضو کر کے مسجد میں ٹھہرنے کو مباح قرار دیتے ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ ممنوع چیز اب ختم ہو چکی ہے اور وہ ہے مسجد کے گندہ ہونے کا خدشہ۔

۷۔ **شرمگاہ میں ہم بستری کرنا خواہ کسی آڑ حائل کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو**......اسی طرح گھٹنے اور ناف کے درمیانی حصے سے لذت اندوزی جمہور کے ہاں ممنوع ہے ماسوا حنابلہ کے دلیل اس کی اللہ کا یہ فرمان ہے:

فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ

اور اس آیت میں اعتزال (دور رہنے) کا مطلب ہم بستری سے رکنا ہے اور دوسری دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبداللہ بن سعد سے یہ فرمانا ہے کہ تمہارے لئے ازار (گھٹنے سے ناف تک باندھا جانے والا کپڑا) سے اوپر اوپر کا حصہ ہے جب انہوں نے آپ سے دریافت کیا کہ میرے لئے اپنی بیوی سے کیا لذت اٹھانا درست ہے❹ اور عقلی دلیل اس کی یہ ہے کہ ازار کے نچلے حصے سے لطف اندوز ہونا ہم بستری کا سبب بن سکتا ہے لہٰذا وہ حرام ہے، جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے منقول بخاری اور مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص چراہ گاہ کے ارد گرد گھومے گا قریب ہے کہ وہ اس میں جا پڑے ازار کا اطلاق اس کپڑے پر ہوتا ہے جو جسم کے درمیانی حصے سے نیچے کے حصے تک کو ڈھانپ لے، اس کا اطلاق عموماً ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصے کو ڈھانپنے والے کپڑے پر ہوتا ہے، چنانچہ ان جگہوں کے علاوہ باقی جگہوں پر عضو تناسل ملنا، بوس و کنار کرنا، معانقہ کرنا چھونا وغیرہ سب درست ہے۔

حنابلہ حائضہ وغیرہ سے ناف سے نیچے اور گھٹنے سے اوپر کے حصے سے بھی لطف اندوز ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں ماسوا خاص شرمگاہ میں ہمبستری کرنے کے دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ہے ہر کام کرو سوائے ہم بستری کے❺ اسی طرح یہ حضرات اس شخص کے لئے ہم بستری بھی جائز قرار دیتے ہیں جس کو شہوت کا شدید غلبہ ہو بشرطیکہ اس کی شہوت کم ہونے کا امکان صرف شرمگاہ میں ہم بستری کرنے سے

---

❶..... بروایت ابو داؤد۔❷ بروایت امام مسلم، حدیث میں وارد لفظ خمرہ کا مطلب نماز کی چٹائی ہے۔❸ بروایت امام نسائی۔❹ یہ حدیث ابو داؤد نے حضرت حرام بن حکیم سے اور انہوں نے اپنے چچا عبداللہ بن سعد سے روایت کی ہے نیل الاوطار ج اص ۲۷۷، اسی طرح کی حدیث حضرت عکرمہ سے ابو داؤد نے نقل کی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: ہم میں سے جب کوئی حائضہ ہوتی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ لیٹنا پسند فرماتے تو آپ اس کو فی الفور حیض کی جگہ تہ بند باندھنے کا حکم دیتے پھر ان کے ساتھ مل کر لیٹتے۔ اس حدیث میں وارد لفظ مباشرت سے مراد کھال کھال سے ملانا ہے جماع مراد نہیں، اور تہ بند باندھ لینے سے مراد ہے ایسی تہ بند باندھ لینا جو ناف کو ڈھانپے اور گھٹنوں تک ہو۔ نیل الاوطار ج اص ۲۷۷ اور بعد کے صفحات۔❺ بروایت صحاح ستہ ماسوا امام بخاری امام بخاری نے اپنی کتاب التاریخ میں مسروق بن اجدع سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا عورت کے حالت حیض میں ہونے پر مرد اس کے ساتھ کیا کیا کر سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہر چیز سوائے شرمگاہ کے نیل الاوطار ج اص ۲۷۶ اور بعد کے صفحات۔

ہی ہواوراس کوخطرہ ہو کہ ہم بستری نہ کرنے سے اس کے کپورے پھٹ پڑیں گے اور حائضہ عورت کے علاوہ اس کے پاس کوئی اور عورت بھی نہ ہو یعنی اس نے دوسری شادی بھی نہ کی ہوئی ہو اس کے پاس دوسری شادی کے بعد عورت کو دینے کے لئے مہر کی رقم نہ ہو❶ اور نہ باندی کو خریدنے کی قیمت ہو۔

مالکیہ اور شوافع کے ہاں ہم بستری اور ناف سے نچلے حصے سے لطف اندوزی اس وقت تک برقرار رہے گی جب کہ وہ عورت غسل نہ کرلے، یعنی پانی سے طہارت حاصل کرے نہ کہ تیمّم سے۔ ہاں اگر پانی نہ ہو یا وہ عورت اس کے استعمال سے عاجز ہو تو تیمّم کر لینے کی صورت میں بھی ایسی عورت سے ہم بستری درست ہے۔ ان حضرات کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے:

فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوھن حتی یطھرن فاذا تطھرن فاتوھن من حیث امرکم اللّٰہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہم بستری کے حلال ہونے کے لئے دو شرطیں رکھیں (۱) خون کا رک جانا۔ (۲) نہانا۔ پہلی شرط ان الفاظ **حتی یطھرن** سے ثابت ہوتی ہے اور دوسری شرط **فاذا تطھرن** سے ثابت ہوتی ہے، کہ اس سے مراد ہے نہالینا۔ لہٰذا اس عورت سے ہم بستری کا جائز ہونا غسل کر لینے پر موقوف ہے۔ حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے ہم بستری کی حرمت کے بارے میں۔

احناف بھی یہی فرماتے ہیں کہ اگر حیض کا خون دس دن سے کم مدت پر آنا رکا ہو تو اس سے ہم بستری یا ناف سے نیچے نیچے لطف اندوز ہونا جب جائز ہے جب وہ غسل کرلے یا شرائط کے ساتھ تیمّم کرلے۔ اگرچہ وہ اس تیمّم سے صحیح قول کے مطابق نماز نہیں پڑھ سکتی ہے۔ کیونکہ خون کبھی آتا ہے اور کبھی رک جاتا ہے، لہٰذا غسل کر لینا ضروری ہے تاکہ خون کے رک جانے اور بند ہو جانے کا امکان قوی تر ہو جائے۔ اور اگر اس نے غسل نہیں کیا اور اس پر ایک نماز کا پورا وقت گزر گیا اس طرح کہ اس کو خون رک جانے کے بعد اتنا وقت ملا کہ وہ نہاتی، کپڑے پہنتی اور نماز کی نیت باندھ لیتی اس کے باوجود اس نے نماز نہ ادا کی اور وقت نکل گیا تو اس سے ہم بستری حلال ہے، کیونکہ نماز اس کے ذمے قرض بن چکی ہے لہٰذا وہ حکماً طاہر (پاک) سمجھی جائے گی۔

اور اگر حائضہ کا خون آنا عادت کے دن پورے ہونے سے پہلے رک گیا لیکن تین دن سے زیادہ آکر رکا تو اس کی عادت کے دن پورے گزر جانے تک اس سے ہم بستری نہ کرے خواہ وہ نہا بھی لے، کیونکہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ دوران عادت خون رک جانا ان حضرات کے ہاں حیض شمار ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دوران عادت خون کا دوبارہ شروع ہو جانا عام طور پر ہوتا ہے۔ تو احتیاط اجتناب برتنے میں ہے۔

اور اگر حائضہ کا خون دس دن کے بعد رکا، جو کہ ان کے ہاں اکثر مدت حیض ہے تو غسل سے قبل اس سے ہم بستری درست ہے۔ کیونکہ دس دن سے زیادہ حیض نہیں ہوتا ہے، تاہم غسل کر لینے سے پہلے ہم بستری نہ کرنا مستحب ہے کیونکہ ایک قراءت کی رو سے اس کی بھی ممانعت ثابت ہوتی ہے جس قرأت میں ہے **وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطَّهَّرْنَ** (طا اور ھا کی تشدید کے ساتھ، خوب پاکی حاصل کرنے کے معنی میں۔ کیونکہ تشدید اسی معنی کا فائدہ دیتی ہے۔ اور یہ عمل (خوب طہارت حاصل کرنا) عملاً غسل کے ذریعے ہی ممکن ہے صرف خون رکنے سے نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ احناف نے حیض اور نفاس کی حالت میں غسل سے پہلے صرف دو صورتوں میں ہم بستری کی اجازت دی ہے، دلیل قرآن کی یہ آیت ہے **وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ** (طاء پر تشدید نہیں) کیونکہ اس میں طہر کو حرمت کی انتہاء قرار دیا گیا ہے۔ تاہم ان کے ہاں طاء پر تشدید والی قرأت سے حاصل شدہ حکم کے تحت غسل سے قبل ہم بستری نہ کرنا مستحب ہے تاکہ حدود اختلاف سے باہر رہا جا سکے۔

---

❶..... مصنف نے یہ تفصیل کتب قدیمہ کی طرز پر ہی بیان کردی موجودہ حالت کے تناظر میں اس کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ اس شخص کی ایک بیوی ہو دوسری شادی نہ ہوئی ہو۔ ظاہر ہے کہ صرف مہر کا ہونا آج کل کی معاشرت میں دوسری شادی کے لئے کافی نہیں ہوتا ہے اس کے علاوہ دیگر معاشرتی تقاضوں کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ اور باندیوں کا بھی فی زمانہ تصور نہیں ہے، از مترجم۔

وہ دو حالتیں جن میں اجازت دی ہے وہ یہ ہیں:

۱.....عورت کا خون دس دن سے قبل کا ہو اس کے خون رکنے کے بعد سے ایک نماز کا مکمل وقت گزر جائے اور وہ نماز نہ پڑھے۔

۲.....عورت کا خون دس دن کے بعد کے یعنی ایام حیض کی اکثرت مدت گزار لینے کے بعد۔

اور وہ حالت جو عورتوں میں غالب ہو یعنی چھ یا سات دن پر خون کا رک جانا تو اس صورت میں غسل کر لینے سے قبل اس سے ہم بستری درست نہیں جب تک کہ نماز اس کے ذمے دین نہ بن جائے جو کہ جائز حالتوں میں سے پہلی ہے۔اور جس کا خون اکثر مدت حیض کے مکمل ہونے کے بعد رکے وہ فی الفور حلال ہو جاتی ہے۔اور اقل مدت حیض گزرنے پر وہ نماز کا مکمل وقت گزر جانے تک حلال نہیں ہوتی ہے۔

حائضہ وغیرہ سے ہم بستری کا کفارہ۔مالکیہ احناف اور مذہب جدید کے مطابق شوافع بھی اس بات کے قائل ہیں کہ حائضہ وغیرہ سے ہم بستری کرنے والے پر کفارہ واجب نہیں ہے اس پر صرف توبہ واستغفار لازم ہے۔کیونکہ اصل تو یہ ہے کہ انسان پر کفارہ لازم نہ ہو اور اس اصول سے ہٹنے (یعنی کفارہ لازم ہونے) کے لئے دلیل درکار ہے اور کفارہ بیان کرنے والی حدیث مضطرب ہے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ ہم بستری گندگی ہونے کی بناء پر حرام ہے، تو اس سے کفارہ لازم نہیں ہوگا جیسے پچھلی طرف (دبر میں) ہم بستری کرنے سے کفارہ لازم نہیں ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبل سے منقول راجح روایت کے مطابق حنابلہ کی رائے میں اس شخص پر کفارہ لازم ہے جو شخص عورت سے دوران حیض یا نفاس ہم بستری کرے اور عورت پر بھی لازم ہوگا اگر وہ مرد کو ہمبستری اپنی خوشی سے کرنے دے اور یہ ایسے ہی لازم ہوگا جیسے حالت احرام میں ہم بستری کر لینے کا کفارہ لازم ہوتا ہے۔اور اگر اس کے ساتھ جبرا ہم بستری کی تو کوئی کفارہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ مکلّف نہیں رہتی ہے اور کفارہ یہ ہر حال لازم ہوگا خواہ بھولے سے کیا یہ کام ہو، یا یا جبراً ہوا، ہو، حیض سے واقف ہو یا ناواقف، اس کے حرام ہونے سے واقف ہو یا ناواقف یا دونوں (حیض اور حرمت) سے ناواقف ہو اور خون رک جانے کے بعد ہم بستری کرنے سے کفارہ لازم نہیں ہوگا، اور کفارہ ایک دینار یا آدھا دینار ہے، دونوں میں اختیار ہے، جو دیدے جائز ہو جائے گا۔دلیل اس کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر جو بیوی سے حالت حیض میں ہم بستری کرے ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرنا لازم کیا ہے۔❶

اور اگر کوئی شخص یہ کفارہ ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو اس پر سے یہ ساقط ہو جائے گا جیسے رمضان میں ہم بستری کرنے کا کفارہ ادا کرنے سے عاجز ہونے پر وہ ساقط ہو جاتا ہے۔

شوافع فرماتے ہیں خون آنے کے دوران ہم بستری کرنے والے کے لئے ایک دینار صدقہ کرنا مسنون ہے، اور خون ختم ہونے کے وقت ہم بستری کرنے والے کے لئے آدھا دینار صدقہ کرنا مسنون ہے۔دلیل اس کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی وہ حدیث ہے جو پہلے گزری اور جو امام ترمذی نے ذکر کی ہے کہ اگر خون سرخ ہو تو ایک دینار اور اگر پیلا ہو تو آدھا دینار۔

حائضہ سے ہم بستری کرنا گناہ کبیرہ نہیں ہے کیونکہ گناہ کبیرہ کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی ہے۔

۸۔طلاق دینا.....دوران حیض طلاق دینا حماقت ہے اور ایسی طلاق (جو فقہی اصطلاح میں طلاق بدعی (بدعت والی طلاق) کہلاتی ہے واقع ہو جاتی ہے۔وجہ اس حرمت کی یہ ہے کہ اس طرح کرنے سے عورت کی عدت طویل ہو جاتی ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مخالفت بھی ہے **واذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن** (جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ایسے (وقت میں) دو کہ ان کی عدت (شروع) ہو سکے، سورۃ الطلاق آیت نمبر ۱) مراد ہے ایسے وقت میں طلاق دو کہ ان کی عدت شروع ہو سکے، کیونکہ بیچ حیض میں

---

❶.....یہ حدیث سنن اربعہ کے حضرات اور امام احمد نے روایت کی ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند اور متن میں شدید اضطراب ہے، نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۷۸۔

طلاق دینے سے بقیہ مدت حیض عدت میں شمار نہیں ہوتی، تو اس کو رکنے اور ٹھہرنے کے لئے طویل مدت کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اور اس کی دلیل وہ روایت بھی ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی اہلیہ کو طلاق دیدی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا: اس سے بیوی سے رجوع کرنے کے لئے کہو، پھر وہ اس کو پاکی کی حالت میں یا حاملہ ہونے کی حالت میں طلاق دے۔ ❶

تاہم خون آنا رک جانے کے بعد غسل سے قبل طلاق دینے کی اجازت ہے، اس تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ خون رک جانے پر نہانے سے قبل صرف روزہ طلاق، طہارت کا حاصل کرنا اور فرض نماز، اگر دونوں پاک کرنے والی چیزیں (یعنی مٹی اور پانی) اس عورت کو نہ مل سکیں، جائز ہے، روزہ اس لئے جائز ہے کہ اس کی حرمت حیض کے آنے کی وجہ سے ہے حدث اکبر ہونے کی وجہ سے نہیں دلیل اس کی یہ ہے کہ جنبی کا روزہ درست ہو جاتا ہے، اور حیض ختم ہو چکا ہے، اور طلاق اس لئے جائز ہو جاتی ہے کہ اس کو حرام کرنے کا سبب دور ہو چکا ہے اور وہ ہے عدت کا طویل ہونا۔ اور طہارت کا حصول اس لئے کہ طہارت کا حصول اس وقت اس پر ایسے ہی ضروری ہو جاتا ہے، اور فرض نماز اس لئے کہ اس کا بھی حکم ہے۔

اور دوران حیض طلاق دینے سے عورت کی عدت شروع نہیں ہوتی ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ......سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۲۸

اور طلاق والی عورتیں ٹھہریں گی تین حیض کی مدت۔

اور کچھ قرء (حیض یا طہر) پورا قرء (حیض یا طہر) نہیں ہوتا ہے۔

حیض اور جنابت میں فرق...... یہ ہم پہلے جان چکے ہیں کہ جو چیز حائضہ وغیرہ پر حرام ہوتی ہے وہ جنبی شخص پر بھی حرام ہوتی ہے اس کے علاوہ کچھ اور فرق بھی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔ ❷

جنبی شخص کے لئے جنابت کی حالت کے ساتھ ساتھ روزہ رکھ لینا درست ہے اس کا روزہ ادا ہو جاتا ہے جب کہ حائضہ اور نفاس والی عورت کا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حیض اور نفاس جنابت سے زیادہ سختی اور شدت کے معنی رکھتے ہیں، اور عورت کے دین کے ناقص ہونے کے یہی معنی ہیں جو اس روایت میں بیان ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر عورت اپنی زندگی میں کچھ وقت ایسا گزارا کرتی ہے کہ وہ نہ روزہ رکھتی ہے اور نہ وہ نماز پڑھتی ہے ❸ جنبی پر نماز اور روزے کی قضاء لازم ہے، حائضہ وغیرہ پر نماز کی قضاء لازم نہیں صرف روزے کی قضا لازم ہے۔ کیونکہ حیض ہر مہینے آیا کرتا ہے اور ان دنوں کی قضاء لازم کرنے میں حرج ہے، جب کہ روزہ کی قضاء میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ سال میں ایک مرتبہ فرض ہوتا ہے۔

حیض اور نفاس کی حالت میں عورت سے ہم بستری ممنوع ہوتی ہے، جب کہ جنبی عوت سے ہم بستری ممنوع نہیں اللہ تعالیٰ نے حیض کے بارے میں فرمایا:

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ......سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۲۲

---

❶ ...... یہ حدیث صحاح ستہ کے حضرات نے سوا امام بخاری کے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔ نیل الاوطار ج ٦ ص ٢٢١۔ ❷ البدائع ج ١ ص ٤٤۔ ❸ یہ حدیث عبدالرحمن بن ابو حاتم نے اپنی کتاب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً ان الفاظ میں نقل فرمائی ہے عورتیں ناقص العقل اور ناقص دین ہوتی ہیں، آپ سے پوچھا گیا ان کا ناقص دین ہونا کیسے ہے؟ آپ نے فرمایا عورتوں میں ہر ایک عمر کا ایک حصہ ایسے گزارتی ہے کہ وہ نہ نماز پڑھتی ہے نہ روزے رکھتی ہے امام بیہقی فرماتے ہیں: میں نے اس کو کتب حدیث میں کہیں نہیں پایا، ابن مندہ فرماتے ہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی طور ثابت نہیں ہے۔

پس حیض میں عورتوں سے دور رہو۔

جب کہ جنابت کے بارے میں ایسا کوئی حکم وارد نہیں بلکہ اللہ کے اس فرمان فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (اب ان سے ہم بستر ہو اور تلاش کرو وہ جو اللہ نے تمہاری لئے لکھ دیا ہے یعنی اولاد، سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۷) سے اس کی اباحت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر قید کے مطلق اولاد طلب کرنے اور ہم بستری کی اجازت عطاء فرمائی ہے۔

حیض اور نفاس میں فرق:......حیض کا نفاس سے تین چیزوں میں فرق ہے جو کہ یہ ہیں۔❶

۱......حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں عدت کا شمار حیض کے ذریعے ہوگا۔ کیونکہ عدت کے گزرنے کا شمار قرء (حیض یا طہر) کے ذریعے ہوگا اور نفاس قرء نہیں ہوتا ہے۔

۲......نفاس بلوغت کی علامت نہیں، کیونکہ بلوغت تو اس کے ہونے سے پہلے حمل سے ہی معلوم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ بچہ مرد اور عورت کے ملاپ سے رحم مادر میں تشکیل پاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآئِبِ ۝ سورۃ الطارق آیت نمبر ۶۔۷

انسان پیدا کیا گیا ہے ایک اچھلتے پانی سے جو کہ نکلتا ہے کمر اور سینے کے درمیان سے۔

۳......نفاس عرصہ ایلاء کی مدت کے شمار کرنے میں شامل نہیں ہوگا❷ جو کہ قرآن کی آیت سے ثابت حکم میں ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ......سورۃ البقرہ آیت ۲۲۶

وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ایلاء کریں ان کے لئے چار مہینے ٹھہرے رہنا ہے۔

کیونکہ یہ عام عادی چیز نہیں ہے، بخلاف حیض کے کہ وہ چار مہینے کے دورانیے میں شامل ہوگا۔

حائضہ عورت کا بدن، پسینہ اور جھوٹا پاک ہے اس کا کھانا پکانا آٹا گوندھنا وغیرہ سب درست ہے، اسی طرح سیال چیزوں میں ہاتھ ڈالنا بھی بلا کراہت جائز ہے۔ اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ کھانا کھانا جائز ہے، اس کو ان سب کاموں میں الگ تھلگ نہیں کرنا چاہئے اس کے الگ کرنے اور اس سے دور رہنے کے حکم کا مطلب اس سے ہم بستری کرنے سے اجتناب ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں حالت حیض میں پانی پیتی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی کا برتن تھما دیتی تو آپ اپنا دہن مبارک برتن میں میرے منہ کی جگہ پر رکھ کر اس کو نوش فرماتے❸ اور میں ہڈی چوستی جب کہ میں حالت حیض میں ہوتی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھماتی تو آپ میرے منہ کی جگہ منہ رکھ کر نوش فرماتے۔

۴۔ چوتھی بحث......استحاضہ اور اس کے احکامات

استحاضہ کی تعریف: خون کا غیر عادی اوقات میں آتے رہنا یعنی حیض ونفاس کے اوقات کے علاوہ اور یہ خون کسی بیماری یا خرابی کے سبب ہو اور رحم کی نچلی طرف رگ کے سبب یہ آتا ہے، اس کو عاذل کہتے ہیں ہر وہ عورت ذات جس کو حیض کی عمر سے قبل جو کہ نو سال ہے خون آئے یا

❶...... كشف القناع ج ۱ ص ۲۳۳۔ ❷ ایلاء شرعی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اللہ کے نام کی یا صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھالے کہ وہ بیوی کے پاس چار مہینے یا زیادہ عرصے تک نہیں جائے گا یا بیوی کے پاس جانے پر اپنے اوپر کوئی مشقت والی چیز لازم کر لے جیسے روزہ، حج، اور فقیروں کو کھانا کھلانا وغیرہ یہ ایلاء کہلاتا ہے مزید تفصیل اس کے بیان میں آئے گی۔ ❸ بروایت صحاح ستہ ماسوا امام بخاری اور ترمذی، اور حدیث میں وارد لفظ اتعرق العرق کا مطلب ہے ہڈی پر موجود گوشت دانتوں سے کاٹ کر کھانا امام احمد اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن سعد سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حائضہ عورت کے ساتھ کھانے پینے کے بارے میں میں دریافت کیا آپ نے فرمایا کھالیا کرو۔ نيل الاوطار ج ۱ ص ۲۸۱۔

حیض کی کم سے کم مدت سے کم خون آئے یا اکثر مدت حیض (یعنی دس یا پندرہ دن اختلاف اقوال کے ساتھ یا نفاس کی اکثر مدت (یعنی چالیس یا ساٹھ دن، اختلاف اقوال کے ساتھ) سے زیادہ آئے یا عام ماہواری عادت سے زیادہ آجائے اور اکثر مدت حیض سے بڑھ جائے یا حاملہ عورت کو خون آجائے، احناف اور حنابلہ کی رائے کے مطابق یہ استحاضہ ہوگا۔❶

مستحاضہ کے احکام...... یہاں تین امور قابل بحث ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ پہلی بحث...... کیا حائضہ کی طرح مستحاضہ پر بھی کوئی چیز حرام ہے استحاضہ ایک دائمی حدث ہے جیسے پیشاب کے قطرے ٹپکنے، مذی کے ٹپکنے مستقل پاخانہ نکلے یا مستقل ریح کے نکلنے کا مرض ہوتا ہے باتفاق فقہاء یا دائمی نکسیر یا دائمی زخم والا جس کا خون نہ رکے احناف اور حنابلہ کے ہاں۔ لہٰذا استحاضہ ان تمام چیزوں میں کسی کے لئے مانع نہیں ہوگا جن کے لئے حیض اور نفاس مانع بنتے ہیں یعنی نماز، روزہ خواہ نفل ہو طواف قرآن کا پڑھنا اور چھونا مسجد میں داخل ہونا اعتکاف اور ہم بستری وغیرہ یہ سب امور جائز ہیں اور وجہ ان کے جائز ہونے کی ضرورت اور حاجت کا عنصر ہے❷ اور وہ احادیث ہیں جو اس بارے میں وارد ہیں جن میں چیز یہ ہیں:

ا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے استحاضہ ہوتا ہے میں پاک نہیں رہ سکتی ہوں کیا میں نماز چھوڑ دیا کروں؟ آپ نے فرمایا یہ ایک رگ ہے (جو بہہ پڑتی ہے) یہ حیض نہیں ہے، چنانچہ جب تمہیں حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب اس کی مدت پوری ہوجائے تو اپنے سے خون دھولو اور نماز پڑھ لو۔❸

۲...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حمنہ بنت جحش کو حالت استحاضہ میں نماز اور روزہ کرتے رہنے کا حکم دیا تھا۔❹

۳...... ابوداؤد نے حضرت حمنہ بنت جحش کے بارے میں حضرت عکرمہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ مستحاضہ تھیں اور ان کے شوہر ان سے ہم بستری کرتے تھے، اور مزید وہ فرماتے ہیں کہ ام حبیبہ کو بھی استحاضہ ہوتا تھا اور ان کے شوہر ان سے ہم بستری کیا کرتے تھے، حضرت حمنہ حضرت طلحہ کی اہلیہ تھیں، اور حضرت ام حبیبہ حضرت عبدالرحمن بن عوف کی۔❺

مستحاضہ عورت سے ہم بستری کے مباح ہونے کے بارے میں مذکور یہ امور تمام فقہاء کے نزدیک ہیں، جن میں ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل بھی شامل ہیں، دوسری روایت جو کہ بظاہر راجح معلوم ہوتی ہے کے مطابق حنابلہ کے نزدیک مستحاضہ عورت سے ہم بستری نہ کرنا بہتر ہے بشرطیکہ اس کے شوہر کو کسی گناہ میں پڑ جانے کا خطرہ نہ ہو۔ دلیل اس کی خلال کی روایت کردہ حدیث ہے جو انہوں نے اپنی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں مستحاضہ عورت کا شوہر اس سے ہم بستری نہ کرے دوسری دلیل یہ ہے کہ جیسے حیض بھی اذی گندگی ہے اسی طرح استحاضہ بھی گندگی ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں ہم بستری ممنوع ہونی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حیض کی حالت میں عورتوں سے کنارہ کشی برتنے کی علت اس کا گندگی ہونا بتلایا ہے چنانچہ آیت میں ہے

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ ...... سورۃ البقرہ، آیت ۲۲۲

تاہم مستحاضہ عورت کا خون رک جانے پر اس سے بغیر غسل کے بھی ہم بستری درست ہے، کیونکہ استحاضہ کے لئے غسل ضروری نہیں ہے

---

❶...... الدر المختار ورد المحتار ج ا ص ۲۶۲، مراقی الفلاح ص ۲۵ الشرح الصغیر ج ا ص ۲۰۷ القوانین الفقهیه ص ۴۱، مغنی المحتاج ج ا، ص ۱۰۸ کشف القناع ج ا ص ۲۲۶، ۲۳۶۔ ❷ الدر المختار ج ا ص ۲۷۵ مراقی الفلاح ص ۲۵ فتح القدیر ج ا ص ۱۲۱ الشرح الصغیر ج ا ص ۲۱۰ القوانین الفقهیه ص ۴۱ مغنی المحتاج، ج ا ص ۱۱۱، المغنی ج ا ص ۳۳۹، کشاف القناع ج ا ص ۲۳۵، ۲۳۷۔ ❸ بروایت امام بخاری، نسائی اور ابوداؤد، نیل الاوطار ج ا ص ۲۶۸۔ ❹ بروایت ابوداؤد امام احمد اور ترمذی، امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ❺ جحش کی صاحبزادیاں تین تھیں۔ (۱) ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا (۲) حمنہ اور (۳) ام حبیبہ سبل السلام ج ا ص ۱۰۳۔

جیسے سلس البول وغیرہ پر غسل ضروری نہیں ہے۔

۲۔ دوسری بحث...... مستحاضہ عورت کی طہارت وضو اور غسل ہے

مالکیہ فرماتے ہیں❶ کہ مستحاضہ عورت کے لئے ہر نماز کے لئے وضو کرنا مستحب ہے جیسے اس کے لئے خون آنا بند ہونے پر غسل کر لینا مستحب ہے۔

احناف، حنابلہ اور شوافع فرماتے ہیں❷ کہ مستحاضہ عورت پر اپنی شرمگاہ کو دھونے اس پر کپڑا وغیرہ باندھنے اور اس میں روئی وغیرہ بھر لینے کے بعد ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرنا واجب ہے شرمگاہ میں روئی بھرنے کا مقصد خون کو آنے سے روکنا اور واپس کرنا ہے، اور یہ اس صورت میں معاف ہے جب عورت کو خون کے روکنے سے تکلیف ہو یا وہ روزے دار ہو دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جو آپ نے حضرت حمنہ سے اس وقت فرمایا تھا جب انہوں نے خون کے کثرت سے آنے کی شکایت کی، آپ نے فرمایا میں تمہارے لئے کرسف (گدیلا) تجویز کرتا ہوں۔

یہ خون کو روک دیتا ہے❸ اور اگر یہ عورت کپڑا باندھ لے یعنی کہ وہ ایسا کپڑا باندھ لے کہ جس کے دوسرے ہوں ایک آگے دوسرا پیچھے نکلے پھر اس کو ایک اور کپڑے سے بیچ کمر پر باندھ دیا جائے جیسے کمر بند سے باندھا جاتا ہے (یعنی لنگوٹ درست طریقے سے باندھ لے) پھر بھی خون نکل آئے اور خون نکلنے کا سبب باندھنے میں کوئی کوتاہی کرنا نہ ہو تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ دلیل اس کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابوحبیش کو استحاضہ ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا اپنے حیض کے دنوں میں نماز سے دور رہو پھر غسل کر لو اور ہر نماز کے لئے وضو کرو پھر نماز پڑھ لو خواہ خون چٹائی پر گرتا رہے۔❹

اور اس بات کی دلیل کہ مستحاضہ عورت پر ہر نماز کے لئے وضو لازم ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مستحاضہ کے بارے میں یہ فرمانا ہے کہ مستحاضہ اپنے حیض کے دنوں میں نماز چھوڑے رکھے پھر غسل کرے اور ہر نماز کے لئے غسل کرے اور روزہ رکھے اور نماز پڑھے❺ اور چونکہ یہ ضرورت اور عذر کی طہارت ہے اس لئے یہ وقت کے ساتھ مقید ہوگی جیسے تیمم مستحاضہ پر صرف ایک غسل لازم ہے بالاتفاق چاروں مذاہب کے دلیل وہی گذشتہ حدیث ہے جیسے حضرت حمنہ والی حدیث۔ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اس کے لئے ہر نماز کے لئے غسل کرنا مسنون ہے احناف مالکیہ کی طرح ہر نماز کے لئے غسل کو مستحب قرار دیتے ہیں دلیل وہ حدیث ہے جو مسنون غسل کی اقسام کے بیان میں گزری کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ کو غسل کرنے کا حکم دیا، چنانچہ وہ ہر نماز کے لئے غسل کیا کرتی تھیں۔❻

مستحاضہ وغیرہ احناف کے نزدیک اپنے وضو سے جتنے چاہیں فرائض اور نوافل ادا کر سکتے ہیں۔ وقت نماز کے ختم ہونے سے مستحاضہ کا وضو ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ معذور افراد کے وضو کے احکامات کے تحت اس کا بیان گزر چکا ہے حنابلہ کے نزدیک مستحاضہ عورت کے لئے ایک وضو سے دو نمازوں کی ادائیگی کی اجازت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمنہ بنت جحش کو دو نمازیں ایک غسل سے پڑھنے کی اجازت

---

❶...... القوانین الفقهیه ص ۲۶، ۴۱ بدایة المجتهد ج ۱ ص ۵۷ اور بعد کے صفحات۔❷ اللباب ج ۱ ص ۵۱ مراقی الفلاح ص ۲۵، مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۱۱، المهذب ج ۱ ص ۴۵، المغنی ج ۱ ص ۳۴۰۔۳۴۲۔❸ بروایت امام احمد وابوداؤد، دونوں حضرات نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۷۱۔❹ بروایت پانچوں حضرات یعنی امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ ابن حبان نے ہی اس کو نقل کیا ہے امام مسلم نے یہ حدیث صحیح مسلم میں روایت کی ہے تاہم اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں اور ہر نماز کے لئے وضو کرو نصب الرایة ج ۱ ص ۱۹۹ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۷۵۔❺ ابوداؤد وابن ماجہ اور ترمذی نے یہ حدیث روایت کی ہے امام ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۷۴ نصب الرایة ج ۱ ص ۲۰۲ اور یہ حدیث "المستحاضة تتوضأ لكل صلاة" جو سبط ابن جوزی نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے جیسا کہ اس کی تخریج پہلے گزری تو اس کے بارے میں زیلعی فرماتے ہیں کہ یہ بہت غریب ہے نصب الرایة ج ۱ ص ۲۰۴۔❻ متفق علیہ۔

دی تھی اور حضرت سہلہ بنت سہیل کو بھی اسی طرح کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان حضرات کے ہاں وقت کا نکلنا اس طہارت کو باطل کر دیتا ہے۔ گویا احناف اور حنابلہ کا مذہب اس بارے میں متفق ہے شوافع فرماتے ہیں ہر فرض کی ادائیگی کے لئے وضو ضروری ہے خواہ وہ فرض نذر کا ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ ایسے ہی ضروری ہے جیسے تیمم ہر فرض کے لئے ضروری ہے۔ وجہ اس کی حدث کا عملاً برقرار رہنا ہے مستحاضہ اس وضو سے جنازہ اور جتنے چاہے نوافل ادا کر سکتی ہے اسی طرح ہر فرض کے لئے از سر نو پٹی (لنگوٹ) وغیرہ کا باندھنا صحیح قول کے مطابق ضروری ہے وضو پر قیاس کرتے ہوئے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ وضو کے بعد فی الفور نماز ادا کرنے کی کوشش کرے ماسوا اس کے کوئی ضرورت درپیش ہو جیسے ستر عورت، اذان یا اقامت، جماعت کا انتظار، قبلہ کا صحیح رخ اور سمت تلاش کرنے کا عمل اور سترہ کا حصول وغیرہ۔ ان امور کا تفصیلی بیان معذور کے وضو کے بیان میں گزر چکا ہے۔

۳۔ تیسری بحث...... مستحاضہ عورت کے حیض کی مدت کی تحدید

مستحاضہ عورت کی بیماری کی وجہ سے نکلنے والے خون کے مستقل نکلتے رہنے کے پیش حیض کی ماہواری مدت کا تعین ضروری ہے، تا کہ اس مدت میں آنے والے خون پر حیض کے احکامات جاری ہوں اور باقی ماندہ مدت میں آنے والا خون استحاضہ شمار ہو۔ اس بارے میں احادیث میں کچھ بنیادی اصول وارد ہوئے ہیں، یہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ **خون کی کیفیت اور شکل وصورت سے فرق کرنا**...... چنانچہ اگر خون کالے پن کی صفت والا ہے تو یہ حیض کا خون کہلائے گا ورنہ وہ استحاضہ ہوگا، یعنی اگر عورت خون کے رنگوں کے فرق سے حیض اور استحاضہ میں فرق کر سکے تو وہ اس طرح کر لے۔ اور یہ حضرت عروہ کی روایت کردہ حدیث سے ثابت ہے جو انہوں نے حضرت فاطمہ بنت ابوحبیش سے روایت کی ہے کہ انہیں استحاضہ ہوتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جب حیض کا خون آئے تو وہ تو سیاہ ہوتا ہے جو پہچانا جا سکتا ہے تو ایسی صورت میں نماز سے رک جاؤ اور اگر دوسری طرح کا خون آئے تو وضو کر لو اور نماز پڑھ لو، کیونکہ یہ خون تو رگ کی وجہ سے آتا ہے۔ ❶

۲...... وہ عورت جس کی حیض کا خون آنے کی کوئی عادت اور مدت معمول بن گئی ہو اسی کو بنیاد بنا لینا۔ اس کا بیان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے، جو انہوں نے حضرت فاطمہ بنت ابوحبیش سے نقل فرمائی تھی بخاری کی روایت میں ہے لیکن تم اتنے دنوں نماز چھوڑے رکھو جتنے دن تمہیں حیض آیا کرتا تھا، پھر تم نہا لو اور نماز پڑھ لو۔ ❷

۳...... مستحاضہ کو عورتوں میں غالب اور زیادہ تر وقوع پذیر حالت کے مطابق کرنے کا حکم دینا۔ یعنی عادت اور مدت کے متعین نہ ہونے اور رنگ کے ذریعے فرق نہ کر سکنے کی صورت میں عورتوں میں غالب اور معروف عادت کو اپنانا۔ جو کہ چھ یا سات دن ہوتی ہے۔ یہ بات حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہوتی ہے کہ اس طویل حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا...... یہ تو شیطان کی طرف سے ایک دھچکا ہے۔ (جس سے وہ دینی امور میں تلبیس اور وسوسے کی راہ پیدا کر لیتا ہے) تو تم حیض گزارو (یعنی اپنے آپ کو حائضہ سمجھو) چھ یا سات دن جو بھی اللہ کے علم میں ہے پھر غسل کرو جب تم سمجھ لو کہ تم پاک ہو گئی ہو اور صاف ہو چکی ہو تو چوبیس دن ورات یا تیس دن ورات نمازیں پڑھو اور روزہ بھی رکھو ایسا کرنا تمہارے لئے کافی ہوگا اور اسی طرح ہر مہینے کرو جیسا کہ عورتیں حیض کی مدت گزارا کرتی ہیں اور جیسا کہ وہ اپنی حیض کی مدت اور طہر کی مدت کے لئے پاک ہوتی ہیں۔ ❸

---

❶...... بروایت ابوداؤد و نسائی ابن حبان اور حاکم، آخری دونوں حضرات نے اس کو صحیح قرار دیا ہے دار قطنی اور بیہقی نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۷۰۔ ❷ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۶۸، سبل السلام ج ۱ ص ۱۰۰۔ ❸ بروایت ابوداؤد اور ترمذی ان دونوں حضرات نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۷۱ سبل السلام ج ۱ ص ۱۰۲۔

مذاہب اربعہ میں مستحاضہ کے حیض کی مدت کی تحدید کے بارے میں مندرذیل تفصیل کے مطابق اختلاف ہے:

مذہب حنفی...... ❶ مستحاضہ عورت یا تو مبتداٗہ ہوگی یعنی وہ عورت جس کو بلوغت کا پہلا حیض آیا ہو یا اس کو نفاس شروع ہوا پھر وہ مستقل ہوگیا ہو یا مستحاضہ عورت معتادہ ہوگی یعنی وہ عورت جس کو ایک مرتبہ حیض اور طہر صحیح طور پر ہو چکے ہوں، یا وہ متحیرہ ہوگی یعنی وہ معتادہ عورت جو اپنی عادت بھول چکی ہو۔

مبتداٗہ ہونے کی صورت میں اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے حیض کو دس دن شمار کرے گی، کیونکہ حیض دس دن سے زائد نہیں ہوتا ہے اور اس کا طہر بقیہ بیس دن ہوا یعنی دس دن حیض اور بیس دن استحاضہ ہوگا۔ یہ تفصیل اس حدیث کے مطابق ہے جس میں یہ منقول ہے کہ مستحاضہ عورت اپنے حیض کے دنوں میں نماز چھوڑے رکھے گی اسی طرح اس کا نفاس چالیس دن شمار ہوگا اس کے بعد کے بیس دن طہر شمار ہوں گے پھر اس کا حیض دس دن کا شمار کیا جائے گا۔ اور جب تک اس کی یہ کیفیت رہے تاحیات وہ اسی طرح زندگی گزارے گی معتادہ یعنی وہ عورت جو اپنی عادت سابقہ بھولی نہ ہو تو استحاضہ کی صورت میں حیض اور طہر کے بارے میں اپنی سابقہ عادت کے مطابق احکامات پر عمل کرے گی۔ (جتنی مدت حیض کی ہوا کرتی تھی اتنے دن حیض کے باقی استحاضہ کے شمار ہوں گے) لہٰذا مدت حیض کے بعد وہ نمازیں ادا کرے گی۔ تاہم اگر اس کی عادت طہر کے بارے میں چھ مہینے کی تھی تو عدت گزرنے کے حق میں چھ مہینے سے ایک لحہ کم وہ شمار ہوگا اور عدت کے علاوہ احکام میں اپنی عادت کے مطابق گزارے گی۔ اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ عادت ایک مرتبہ سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔

محیرہ یا متحیرہ عورت یعنی وہ جو اپنی عادت بھول چکی ہو تو اس کے بارے میں حیض یا طہر کے کوئی متعین احکامات لاگو نہیں کئے جاسکتے ہیں احکام شرعیہ کے حق میں وہ احتیاط پر عمل کرے گی۔ ❷

اور ایسی عورت کے حق میں عدت گزرنے کے لئے ایک لحہ کم چھ مہینے مدت ہے، کیونکہ دو خونوں کی درمیانی مدت حمل کی کم از کم مدت سے عادتاً کم ہوتی ہے ❸ لہٰذا ہم کم از کم مدت حمل سے ایک لحہ کم کو اس کے حق میں طہر تسلیم کریں گے چنانچہ اگر عورت کو طلاق ہو جائے تو اس کی عدت تین لمحے کم انیس مہینے ہوگی وہ اس طرح کہ یہ امکان ہے کہ اس عورت کو طہر کی ابتداء میں طلاق ہوئی ہو لہٰذا عدت گزارنے کے لئے تین حیض کا گزرنا ضروری ہوا جو کہ ایک مہینے کی مدت بنی (ہر حیض دس دن کا) اور تین طہروں کا پایا جانا بھی ضروری ہے، اور تین طہروں کا مجموعہ تین لحہ کم اٹھارہ مہینے ہوا (اس طرح کل مدت تین لحہ کم انیس ماہ بنی)

مذہب مالکیہ ❹...... یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مستحاضہ یعنی وہ عورت جس کا خون حیض کی تکمیل کے بعد آتا رہے اگر وہ حیض کے خون میں بو، رنگ، گاڑھے یا پتلے پن یا تکلیف ہونے وغیرہ کی وجہ سے فرق کر سکے تو وہ حیض ہوگا ❺ خون کی کمی یا زیادتی کی وجہ سے فرق نہیں پڑتا شرط یہ ہے کہ اس سے قبل کم از کم طہر ضرور گزرا ہو جو کہ پندرہ دن ہے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ حیض کا خون سیاہ اور گاڑھا ہوتا ہے جب کہ استحاضہ کا خون پتلا سرخ، پیلا یا گدلا ہوتا ہے جیسا کہ خون کے رنگوں کی بحث میں میں یہ بات بیان کر چکا ہوں۔

جو عورت تمیز کر سکے وہ اپنی عادت سے تین دن زائد کو بطور استظہار شمار نہیں کرے گی صحیح قول کے مطابق وہ اپنی عادت پر اقتصار کرے

---

❶...تبیین الحقائق ج ۱ ص ۶۲ الدر المختار ج ۲ ص ۲۷۷ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲۲۔۱۲۴ اللباب ج ۱ ص ۵۰، البدائع ج ۱ ص ۴۱ اور بعد کے صفحات۔ ❷ یعنی ایسی عورت احتیاطاً ہمیشہ ان امور اور اشیاء سے اجتناب کرے گی جس سے حائضہ بچا کرتی ہے یعنی قرأت قرآن قرآن کا چھونا اور مسجد میں داخل ہونا وغیرہ اس کا شوہر اس سے ہم بستری بھی نہ کرے ایسی عوت ہر نماز کے لئے غسل کرے گی اور اس سے فرض اور وتر ادا کرے اور اتنی قرأت کرے جس سے نماز جائز ہو سکے۔ ❸ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ ❹ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۱۳ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۷۱ القوانین الفقھیہ ص ۴۱۔ ❺ عبادت کے معاملات میں تو یہ اتفاقی مسئلہ ہے (یعنی مذہب مالکی میں) اور عدت گزرنے کے بارے میں مشہور قول یہی ہے۔

گی۔ بشرطیکہ حیض کی صفت کے ذریعے جس کو اس نے ممتاز کیا تھا وہ بھی دائمی نہ ہو جائے اگر وہ دائمی ہو جائے تو معتمد قول کے مطابق وہ استظہار کرے گی۔ اور عادت ایک مرتبہ سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔

اور اگر وہ ممیّزہ نہ ہو (یعنی تمییز نہ کر سکے) تو وہ مستحاضہ شمار ہوگی، یعنی وہ پاک شمار ہوگی خواہ وہ پوری عمر اس حالت میں رہے۔

اور وہ شک والی عورت کی طرح خالی سال کی عدت گزارے گی۔ اسی طرح اگر وہ طہر کی کم از کم مدت گزرنے سے قبل تمییز کر سکے تو بھی وہ مستحاضہ شمار ہوگی، کیونکہ اس تمییز کا نہ اعتبار ہے اور نہ فائدہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مستحاضہ حائضہ کے حکم میں تین شرطوں کے ساتھ ہوگی۔

۱.....وہ عورت ممیّزہ ہو (خون کی کیفیت سے وہ حیض اور استحاضہ میں فرق کر سکے)

۲.....خون استحاضہ کی کیفیت سے بدل کر حیض کی کیفیت میں آئے۔

۳.....استحاضہ کے دن کم از کم اقل مدت طہر (طہر کی کم از کم مدت) کے برابر اس سے قبل گزارے ہوں یعنی پندرہ دن۔

مذہب شوافع ❶.....وہ عورت جس کو پندرہ دن سے زائد خون آئے وہ مستحاضہ کہلاتی ہے اور اس کی سات صورتیں ہیں۔

۱۔ مبتداۃ ممیّزہ.....وہ عورت جس کو پہلی مرتبہ خون آئے اور وہ رنگوں میں تمییز کر سکے اور قوی اور ضعیف دیکھے جیسے سیاہ اور سرخ وغیرہ۔ ❷

اس کا حکم یہ ہے کہ قوی خون حیض کا اور ضعیف خون استحاضہ کا ہوگا۔ شرط یہ ہے کہ قوی خون حیض کی اکم از کم مقدار یعنی ایک دن سے کم نہ ہو اور اکثر مدت حیض یعنی پندرہ دن سے زائد نہ ہو کیونکہ حیض اس سے زائد نہیں ہوتا ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ ضعیف خون اقل مدت طہر یعنی پندرہ دن سے کم نہ ہو یعنی وہ مستقل پے در پے پندرہ دن تک آتا رہے۔

اور اگر قوی خون کم از کم مدت حیض سے کم ہو یا اکثر مدت حیض سے زیادہ ہو یا ضعیف خون کم از کم مدت طہر سے کم ہو یا وہ مسلسل پے در پے نہ آیا ہو مثلاً وہ ایک دن سیاہ خون دیکھے اور ایک دن سرخ خون دیکھے تو یہ عورت تمیز (امتیاز) کی شرائط میں ایک شرط نہ پورا کرنے والی قرار پائے گی اور اس کا حکم دوسری صورت سے سمجھ میں آئے گا۔

۲۔ مبتداۃ غیر ممیّزہ.....وہ عورت جو پہلی مرتبہ خون دیکھے لیکن وہ خون کو ایک ہی صفت اور کیفیت میں دیکھے اس صورت میں وہ عورت بھی داخل ہے جس میں تمیز کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو جائے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا حیض ایک دن اور رات شمار ہوگا اور انتیس دن طہر کے شمار ہوں گے۔ بشرطیکہ اس کو خون آنے کی ابتداء کا وقت معلوم ہو۔ بصورت دیگر یہ متحیرہ شمار ہوگی جس کا حکم آگے آئے گا۔

۳۔ معتادہ ممیّزہ.....یعنی وہ عورت جس کو پہلے حیض اور طہر آ چکا ہو اور وہ قوی اور ضعیف دونوں قسم کے خون دیکھتی ہو، اور اصح قول یہ ہے کہ عادت ایک مرتبہ سے بھی ثابت ہو جاتی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ وہ تمیز پر عمل کرے گی نہ عادت پر اگر وہ تمیز کے برخلاف ہو۔ صحیح قول یہی ہے۔ شرط یہ ہے کہ قوی اور ضعیف کے درمیان کم از کم مدت طہر نہ واقع ہو جائے۔ چنانچہ اگر کسی کی عادت مہینے کے شروع کے پانچ دن تھے بقیہ دن طہر ہوتے تھے پھر حیض آیا اور مستقلاً ہو گیا اور اس نے مہینے کے دس دن سیاہ خون دیکھا اور باقی دنوں میں سرخ تو حیض دس دن شمار ہوگا صرف پانچ دن نہیں دلیل وہ حدیث ہے جو پہلے گزری کہ حیض کا خون سیاہ ہوتا ہے جو پہچانا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ تمیز عادت سے قوی ہوتی ہے، کیونکہ تمیز خون کی اندرونی کیفیت اور علامت ہے جب کہ عادت اس عورت کی کیفیت اور صفت ہے۔

اور اگر عادت تمیز کے ساتھ متفق ہو جائے تو دونوں کا حکم ساتھ لاگو ہوگا۔ مثلاً عادت پانچ دن تھی اور مثلاً سیاہ خون بھی پانچ دن آیا اور اگر دو

---

❶.....مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۱۳۔۱۱۸ حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۱۱۴ اور بعد کے صفحات۔ ❷ خون کی قوت وضعف کے اعتبار سے درجہ بندی کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ سب سے قوی سیاہ اس کے بعد سرخ پھر مٹیالا پھر پیلا اور آخر میں گدلا۔

دن نوعیت کے خون کے درمیان کم از کم مدت کا طہر آ گیا۔مثلاً اس نے اپنے عادت والے پانچ دن کے بعد بیس دن کمزور خون دیکھا پھر پانچ دن قوی خون آیا پھر ضعیف خون آیا تو عادت کو عادت ہونے کی وجہ سے حیض شمار کیا جائے گا اور تمیز کو دوسرا حیض سمجھا جائے گا تمیز کی بناء پر۔

۴۔ وہ عورت جو معتادہ ہو لیکن ممیّزہ نہ ہو...... اور اس کو اپنی عادت کا وقت اور مقدار دونوں یاد ہوں یعنی وہ عورت جس کو حیض اور طہر دونوں آ چکے ہوں لیکن خون اس کو ایک ہی کیفیت کا آتا ہو اور اس کو اپنی عادت کی مقدار اور اس کا وقت یاد ہو اس کا حکم یہ ہے کہ مقدار اور وقت کے اعتبار سے اس کی عادت ہی معیار ہوگی چنانچہ مثلاً کوئی عورت مہینے کے شروع میں پانچ دن حیض کا خون دیکھے، اس کے بعد اس کو استحاضہ شروع ہو جائے تو اس کا حیض مہینے کے شروع کے وہی پانچ دن ہوں گے۔اور بقیہ مہینہ طہر شمار ہوگا۔اس کی عادت کو بنیاد بناتے ہوئے خواہ اس کی عادت کئی مرتبہ نہ بھی ہوئی ہو، کیونکہ ایک مرتبہ ہونے سے عادت ثابت ہو جاتی ہے اگر وہ بدلے نہیں اور اگر بدل جائے تو ایک مرتبہ سے ثابت نہیں ہوتی ہے۔

۵۔ معتادہ عورت جو ممیّزہ نہ ہو اور اپنی عادت کی مقدار اور وقت کو بھول چکی ہو...... یعنی اس کو حیض اور طہر ایک مرتبہ ہو چکے ہوں اور وہ اپنی عادت کی مقدار اور وقت بھول چکی ہو۔

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ بعض احکام میں حائضہ کی طرح ہوگی یعنی اس سے نفع کا حصول ممنوع ہوگا اور قرآن کی تلاوت نماز کے علاوہ، قرآن کا چھونا وغیرہ یہ امور احتیاطاً ممنوع ہیں، کیونکہ ہر گزرنے والا وقت حیض ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔اور وہ عورت بعض احکام میں پاک شمار ہوگی جیسے نماز خواہ فرض ہو یا نفل صحیح قول کے مطابق اور روزہ وغیرہ یہ امور احتیاطاً لازم ہوں گے، کیونکہ گزرنے والا وقت پاکی کا احتمال بھی رکھتا ہے۔اور یہ عورت ہر فرض نماز کے لئے غسل کرے گی کیونکہ خون آنا رک جانے کا وقت نہ جاننے کی صورت میں ہر وقت یہ احتمال ہے کہ خون رک جائے۔

اور اگر اس کو علم ہو کہ خون کب رکے گا مثلاً غروب تک رک جائے گا تو غروب آفتاب تک اس پر غسل لازم نہیں ہوگا۔غروب آفتاب کے وقت اس پر غسل لازم ہو جائے گا۔اور باقی فرائض کے لئے وہ وضو کرے گی کیونکہ غروب کے وقت خون رک جانے کا احتمال ہے۔غروب کے بعد والے فرائض کے لئے نہیں۔

رمضان کے روزے رکھے گی اور اس کے بعد ایک ماہ مزید روزے رکھے گی، اور دو دن اس کے باقی رہ جائیں گے، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ پہلے دن اس پر حیض ہوا ہو (اگر کم از کم مدت مراد لیں) اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کو اکثر مدت حیض کی مقدار (یعنی پندرہ دن) حیض آیا ہو تو سولہویں دن اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔، کیونکہ اس دن کے دوران خون آ جائے گا اور منقطع بھی ہو (رک) جائے گا۔دونوں مہینوں کے چودہ چودہ دن یعنی اٹھائیس روزے شمار ہوں گے دو دن رہ جائیں گے ان کے لئے وہ اٹھارہ دن مزید روزے رکھ لے تین مہینے ابتداء میں اور تین مہینے کی انتہاء میں۔اس طرح وہ دونوں روزے جو باقی رہ گئے ہیں حاصل ہو جائیں گے یہ بات مدنظر رہے کہ طہر کی کم از کم مقدار پندرہ دن ہے۔

۶۔ وہ معتادہ عورت جو ممیّزہ نہ ہو...... اس کو اپنی عادت کی صرف مقدار یاد ہو وقت یاد نہ ہو (یعنی یہ تو یاد ہو کہ مثلاً چھ دن خون آتا تھا لیکن کب شروع ہوتا تھا مثلاً وہ یوں کہے: میرا حیض مہینے کے ابتداء اس دنوں میں ہوتا تھا،لیکن اس کا شروع ہونا مجھے معلوم نہیں یہ مجھے یاد ہے کہ میں مہینے کے پہلے دن پاک ہوتی تھی۔تو اس صورت میں پہلا دن یقینی طور پر پاکی کا ہے اور چھٹا یقینی طور پر ناپاکی کا جیسے آخری دونوں عشرے یقیناً پاکی کے ہیں۔دو سے لے کر پانچ تک میں حیض اور طہر دونوں کا احتمال ہے خون رکنے کا نہیں اور سات سے دس تک میں حیض طہر اور انقطاع (خون رکنے) تینوں کا احتمال ہے۔

تو جس کے حیض یا طہر ہونے کا یقین ہو اس کا وہی حکم ہوگا اور جن میں احتمال ہو ان میں وہ بھولنے والی شمار ہوگی، وہی احکامات ہوں گے

جو پانچویں صورت کے ذیل میں بیان ہوئے اور یہ بیان ہو چکا ہے اس پر غسل صرف خون رک جانے کے احتمال پر لازم ہے۔اور جس میں انقطاع کا احتمال ہو وہ طہر مشکوک کہلائے گا۔اور جس میں احتمال نہ ہو وہ حیض مشکوک کہلائے گا۔

۷۔وہ عورت جو معتادہ ہو ممیّزہ نہ ہو......لیکن اس کو اپنی عادت کے صرف وقت کا علم ہو مقدار کا نہیں مثلاً وہ یوں کہے کہ میرا حیض مہینے کے شروع میں ہوتا تھا لیکن کتنا ہوتا تھا یہ مجھے یاد نہیں۔

اس کا حکم یہ ہے کہ ایک دن رات تو یقینی طور پر حیض ہیں بقیہ نصف مدت یقینی طور پر طہر ہے، درمیانی مدت حیض، طہر اور انقطاع کا احتمال رکھتی ہے۔تو حیض اور طہر کی یقینی صورت میں ان کے احکام ہوں گے اور احتمالی صورت میں یہ عورت بھولنے والی کی طرح شمار ہوگی، جیسا کہ چھٹی صورت میں یہی تفصیل ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آخری تین صورتوں پر متحیرہ کا اسم صادق آتا ہے یعنی وہ عورت جو اپنی عادت کو مقدار اور وقت دونوں اعتبار سے بھول گئی ہو یا صرف مقدار بھولی ہو وقت نہیں یا برعکس ہوا ہو۔اس کے حکم کے بارے میں مشہور قول یہ ہے کہ احتیاط واجب ہے لہٰذا اس سے ہم بستری حرام ہے اس کے لئے قرآن کا چھونا نماز کے علاوہ قرآن کا پڑھنا ممنوع ہے اور یہ تمام فرائض ادا کرے گی اور صحیح قول کے مطابق نوافل بھی اور ہر فرض نماز کے لئے غسل کرے گی رمضان کے روزے رکھے گی پھر اس کے بعد ایک مہینہ اور روزہ رکھے گی اس طرح دونوں مہینوں سے چودہ چودہ دن نکل آئیں گے پھر مزید اٹھارہ روزے رکھے تین مہینے کے شروع میں اور تین آخر میں (اس طرح تین مرتبہ کرنے سے تین ماہ میں اٹھارہ روزے بنیں گے اور دو کی کمی پوری ہو جائے گی اور متحیرہ کے علاوہ کے احکام یہ ہیں کہ وہ اولاً تمیز کے اعتبار سے کام کرے اگر وہ ممیزہ ہو خواہ مبتداہ ہو یا معتادہ، او اگر وہ ممیّزہ نہ ہو اور وہ اپنی عادت کی مقدار اور وقت کو جانتی ہو تو اس کی عادت کے اعتبار سے احکام ہوں گے۔اور اگر وہ مبتداہ ہو ممیّزہ نہ ہو یا تمیز کی شرائط میں سے کوئی شرط پوری نہ ہوتی ہو تو ظاہر قول کے مطابق اس کا حیض ایک دن اور طہر انتیس دن شمار ہوں گے)۔

حنابلہ کا مذہب❶......یہ فرماتے ہیں کہ مستحاضہ یا تو مبتداہ ہوتی ہے یا معتادہ، اور ہر دو یا ممیّزہ ہوگی یا نہیں۔اگر مبتداہ ممیّزہ ہو تو اس کی تمیز کے مطابق عمل کیا جائے گا۔اور اگر وہ ممیّزہ نہ ہو تو اس کو ادا کرے احتیاطاً، تا کہ وہ فرائض سے سبکدوش ہو سکے۔

ایک دن اور رات شمار ہوگا اس کے بعد وہ غسل کرے گی، اور بقیہ مہینے وہ پاک شمار ہوگی۔ابتدائی تین ماہ وہ ایسا ہی کرے گی، چوتھے مہینے وہ حیض کی غالب طور پر آنے والی مقدار کو اپنا لے گی جو کہ چھ یا سات دن ہے، ان حضرات کی گفتگو کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔مبتداہ غیر ممیّزہ......وہ عورت جس کو حیض شروع ہوا ہو اور وہ ممیّزہ نہ ہو، یہ اپنا حیض ایک دن رات شمار کرے گی، کیونکہ یہ مقدار تو یقینی ہے، اور اس سے زائد مشکوک ہے جیسے مستحاضہ کے علاوہ۔پھر وہ غسل کرے اور احتیاطاً نماز پڑھے فرائض سے عہدہ برا ہونے کے لئے۔

لیکن پندرہ دن تک اس سے ہم بستری ممنوع ہوگی اگر اس مدت میں اس کا خون جاری رہے اور اگر اس مدت سے قبل خون رک جائے تو خون رکنے پر وہ دوسرا غسل کرے اور اس سے ہم بستری بھی اس وقت درست ہوگی یہ عورت تین ماہ اسی طرح کرے گی ہر مہینے ایک مرتبہ کیونکہ عادت تین مرتبہ مکرر ہونے تک ثابت نہیں ہوتی ہے امام احمد سے منقول اکثر روایات یا ظاہر مذہب کے مطابق۔چوتھے مہینے یہ عورت حیض کی غالب مدت جو کہ چھ یا سات دن ہوتی ہے کو اختیار کرے گی اپنی کوشش غور وفکر اور تلاش کے بعد۔تو اس کے گمان پر غالب ہو کہ وہ اس کی عادت کے قریب ہے یا اس کی عورتوں کی عادت کے قریب ہے یا جس کی حیض ہونے کا زیادہ امکان ہے اس کو اختیار کر لے گی۔اور اگر اس کا خون پندرہ دن سے زائد ہو جائے یعنی حیض کی اکثرت مدت سے تو وہ مستحاضہ شمار ہوگی۔کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ

❶......كشف القناع ج ١ ص ٢٣٣، ٢٤٦ المغنى ج ١ ص ٣٣٢۔ ٣٥١ اور بعد كے صفحات۔

ایک رگ (کے سبب) ہے، یہ حیض نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ سارے کا سارا خون حیض شمار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ **مبتداہ ممیّزہ**...... یعنی یہ عورت سیاہ یا گاڑے یا بدبودار کو پتنے، سرخ اور بے بدبو خون سے ممتاز کر سکتی ہو تو یہ عورت اس تمیز کے مطابق عمل کرے گی۔ اور اس کا حیض کالے خون یا گاڑھے خون یا بدبودار خون کا زمانہ ہوگا اگر وہ حیض کی کم از کم مدت سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت سے زیادہ نہ ہو۔ یعنی ایک دن سے کم اور پندرہ دن سے زائد۔ دلیل اس کی حضرت فاطمہ بنت ابوحبیش کے واقعے کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نقل کردہ روایت ہے۔

جس کے نسائی کی روایت کے مطابق یہ الفاظ ہیں اگر حیض ہو، جو کہ سیاہ خون ہوتا ہے اور پہچانا جاتا ہے، تو نماز سے رک جاؤ اور اگر دوسرا معاملہ ہو تو وضو کرو اور نماز پڑھو، کیونکہ یہ تو رگ کا خون ہوتا ہے اور اگر یہ خون ایک دن رات سے کم ہو تو یہ استحاضہ کا خون ہوگا اور اگر پندرہ دن سے بڑھ جائے مثلاً دس دن سیاہ اور تیس دن سرخ خون آئے تو کالا خون جتنی مدت آیا وہ حیض باقی استحاضہ شمار ہوگا۔ کیونکہ وہ حیض نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔

۳۔ **معتادہ غیر ممیزہ**...... یہ اپنی عادت کے مطابق عمل کرے گی جیسا کہ اگلی صورت میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

۴۔ **معتادہ ممیّزہ**:...... مثلاً وہ عورت کچھ خون سیاہ دیکھے یا گاڑھا یا بدبودار دیکھے تو اس صورت میں عادت کو تمیز پر فوقیت ہوگی، خواہ تمیز وعادت متفق ہوں مثلاً اس کی عادت مہینے کی ابتداء میں چار دن ہوں اور یہاں بھی اس کو چار دن سیاہ خون آئے اور باقی دنوں میں سرخ خون آئے۔ یا عادت اور تمیز مختلف ہوں مثلاً اس کی عادت چھ دن ہو اور اس وقت وہ چار دن سیاہ خون دیکھے اور باقی دنوں میں سرخ دیکھے۔ دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے سو تم اتنے دنوں نماز چھوڑے رکھو جتنے دن تمہیں حیض آیا کرتا تھا پھر غسل کرو اور نماز پڑھ لو۔ دوسری بات یہ ہے کہ عادت زیادہ قوی ہوتی ہے کیونکہ اس کی حیثیت کبھی کالعدم نہیں ہوتی بخلاف رنگ کے کہ اگر وہ حیض کی اکثر مدت سے بڑھ جائے تو اس کی حیثیت کالعدم ہو جاتی ہے۔

۵۔ **معتادہ جو ممیّزہ ہو**...... لیکن اپنی عادت بھول گئی ہو، یہ عورت مبتداہ کی طرح عمل کرے گی تمیز صالح کے ساتھ، تاکہ یہ خون حیض شمار ہو۔ اور تمیز صالح کا مفہوم ہے خون ایک دن رات سے کم اور پندرہ دن سے زائد نہ ہو۔ اور یہ حضرت فاطمہ بنت ابوحبیش کی حدیث پر عمل درآمد کرتے ہوئے ہے جس کے الفاظ ہیں اگر حیض کا خون ہو جو کہ سیاہ ہوتا ہے اور پہچانا جاتا ہے، تو نماز سے رک جاؤ، اور اگر دوسری قسم کا خون ہو تو وضو کر لو، کیونکہ یہ تو رگ کا خون ہوتا ہے۔

۶۔ **متحیرہ**...... وہ عورت جو اپنے حیض کے بارے میں اپنی عادت بھول جائے اور تمیز نہ کر سکنے کے سبب متحیر (سرگرداں حیران و پریشان) ہو۔ ایسی عورت کے تین احوال ہوتے ہیں۔

۱...... وہ عورت جو اپنی عادت کے وقت اور تعداد کو بھول چکی ہو۔ ایسی عورت کا حیض ہر ماہ چھ یا سات دن ہوگا اور اس کی تعیین اس کی کوشش غور و فکر اور سوچ و بچار کے بعد اس کے ظن غالب کے مطابق ہوگا کہ اس کا ظن غالب یہ ہو جائے کہ یہ اس کی عادت کے قریب تر ہے یا اس کی عورتوں (غالباً خاندان کی عورتیں مراد ہیں۔ مترجم) کی عادت کے قریب تر ہے یا جس کے اس عورت کے حیض بننے کا زیادہ امکان ہو۔ پھر اس مدت کو گزار کر وہ غسل کرلے اور اس کے بعد وہ مستحاضہ شمار ہوگی۔ روزہ رکھے گی، نماز ادا کرے گی اور طواف بھی کر سکے گی۔ اور اس میں عمل درآمد ہے حضرت حمنہ بنت جحش والی حدیث پر کہ سو تم حیض شمار کرو چھ یا سات دن جو بھی اللہ کے علم میں ہے، پھر نہا لو۔

۲...... وہ عورت، جو اپنی عادت کا عدد بھول گئی ہو اور وقت اس کو یاد ہو مثلاً وہ عورت جس کو یاد ہو کہ اس کا حیض مہینے کے پہلے عشرے میں

ہوتا تھا۔ لیکن اس کو اس کے دنوں کی تعداد یاد نہ ہو اس کا حکم بھی پہلی حالت کی طرح ہوگا۔ غالب عادت کی طرح اس کی مدت حیض شمار کی جائے گی یعنی چھ یا سات دن، صحیح روایت کے مطابق۔

۳..... وہ عورت جو اپنی عادت کا وقت بھول گئی ہو لیکن تعداد اس کو یاد ہو یعنی یہ یاد نہ رہا ہو کہ کس زمانے میں ہوتا تھا جیسے اس کو دن تو یاد ہوں لیکن یہ نہ یاد ہو کہ مہینے کے شروع میں ہوتا تھا بیچ میں یا آخر میں ہوتا تھا۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا حیض ہر قمری مہینے کے شروع دنوں میں سمجھا جائے گا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمنہ کا حیض مہینے کے شروع میں قرار دیا تھا اور بقیہ دنوں میں نماز کی اجازت دی تھی دوسری بات یہ ہے کہ خون کا حیض ہونا اصل ہے اور استحاضہ ہونا عارضی امر ہے تو حیض کا خون اس معاملے میں مقدم سمجھا جائے گا۔❶

الباب الثانی......الصلوٰۃ❷

اس باب میں دس فصلیں ہیں۔

۱۔ پہلی فصل......اس میں (۱) نماز کی تعریف (۲) مشروعیت اور حکمت تشریع (۳) فرضیت اور اس کے فرائض اور (۴) تارک نماز کے حکم کا بیان ہے۔

۲۔ دوسری فصل:......اس میں نماز کے اوقات کا بیان ہے اور اس بارے میں بحث ہے کہ نماز کو کب ادا کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ تیسری فصل......اذان اور اقامت کی بحث۔

۴۔ چوتھی فصل:......نماز کی شرائط کا بیان، شرائط وجوب یا شرائط تکلیف اور مریض کی نماز کی شرائط پر بحث۔

۵۔ پانچویں فصل......نماز کے ارکان (یا فرائض) اور واجبات (احناف کے ہاں) کا بیان اس فصل میں مریض کی نماز کی بحث ہے۔

۶۔ چھٹی فصل......اس میں نماز کی سنتیں، اس کے مندوبات، اس کا طریقہ اس کے مکروہات، اور اس کے بعد منقول اوراد اور اذکار کا بیان ہے اس فصل میں تین مستقل امور پر علیحدہ بحثیں بھی ہیں۔ (۱) نمازی کا سترہ (آڑ) (۲) قنوت کا بیان اور (۳) وتر کی بحث

۷۔ ساتویں فصل......نماز کے مفسدات یا مبطلات۔

۸۔ آٹھویں فصل......نوافل اور ان کی ترتیب افضلیت۔

۹۔ نویں فصل......خاص قسم کے سجدوں کا بیان یعنی سجدہ سہو سجدہ تلاوت، اور سجدہ شکر اور فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا بیان۔

۱۰۔ دسویں فصل......نماز کی اقسام

اس فصل میں آٹھ مباحث ہیں۔

۱۔ پہلی مبحث......جماعت کی نماز کے احکام، یعنی اقتداء اور امامت کا ذکر و بیان، اس فصل میں مسبوق کی نماز کا بیان ہے، اور

---

❶.....قدتم بحمدالله الباب الاول من العبادات، اعنی الطهارات وذلک فی یوم الاثنین، الثانی والعشرون من ابریل سنة ۲۰۰۲ المیلادیه والله ادعو ان یوفقنی لاتمام هذا الکتاب الجلیل انه علی ما یشاء قدیر ساعة ۵: ۰۴۔ ❷طہارت عبادت کو انجام دینے کا وسیلہ ہے نماز مقصد اور غایت کا درجہ رکھتی ہے لہٰذا وسیلے اور ذریعے کی بحث کے بعد اس کا بیان مناسب ہے۔

دوسرے شخص کو نماز میں خلیفہ (نائب) بنانے کا اور نماز پر بناء کرنے کا بیان ہے۔

۲۔ دوسری مبحث.....نماز جمعہ اور اس کا خطبہ

۳۔ تیسری مبحث.....مسافر کی نماز جمعہ اور قصر کا بیان

۴۔ چوتھی مبحث.....عیدین کی نمازوں کا بیان

۵۔ پانچویں مبحث.....چاند گرہن اور سورج گرہن کی نمازوں کا بیان

۶۔ چھٹی مبحث.....استسقاء کی نماز کا بیان۔

۷۔ ساتویں مبحث.....صلاۃ الخوف کا بیان۔

۸۔ آٹھویں مبحث.....نماز جنازہ جنازے کے احکام اور شہید کے احکامات کا بیان۔

(ان مباحث پر بحث شروع کرنے سے قبل حضور اقدس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے مصنف نے درج فرمایا ہے ساری مباحث اور سارے احکام کی بنیاد کی حیثیت سے اس کو سب سے مقدم رکھا ہے، پہلے اس کا ترجمہ سپرد قلم کیا جائے گا اس کے بعد فقہی مباحث شروع ہوں گے۔ازمترجم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ..... یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا واضح طریقہ ہے، نماز پر مفصل گفتگو شروع کرنے سے قبل میں اس کو سپرد قلم کر رہا ہوں اور یہ اس کے مطابق ہے جیسا کہ ثقہ اور بااعتماد محدثین نے اس کو نقل فرمایا ہے۔

امام بخاری، ابوداؤد، اور امام ترمذی نے محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صحابہ کے گروہ میں، جن میں حضرت ابوقتادہ بھی تھے، فرماتے سنا، انہوں نے فرمایا (آؤ) میں تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ سکھاؤں، اردگرد بیٹھے صحابہ نے کہا کیوں؟ تم ہم سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار نہیں تھے اور نہ ہی تم ہم سے زیادہ طویل شرف صحبت رکھتے ہو (پھر تم ہمیں یہ کیوں سکھا رہے ہو؟ تم ہماری طرح کے آدمی ہو پھر ہم کیوں تم سے سیکھیں) وہ بولے: بالکل صحیح فرمایا آپ لوگوں نے (میں ویسے ہی سنانا چاہتا ہوں) وہ صحابہ بولے: ٹھیک ہے سناؤ، وہ بولے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھ اتنے اونچے کرتے کہ کندھوں کے برابر ہو جاتے، پھر تکبیر کہتے یہاں تک کہ آپ کا ہر جوڑ اپنی اپنی جگہ سکون سے اعتدال کے ساتھ ٹھہر جاتا پھر آپ قرأت فرماتے پھر آپ تکبیر کہتے اور اپنے ہاتھ اتنے بلند کرتے کہ وہ اعتدال کے ساتھ کندھوں کے برابر ہو جاتے، پھر آپ رکوع فرماتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھ دیتے او بالکل میانہ روی فرماتے نہ اپنا سر جھکاتے اور نہ ہی اس کو اونچا کرتے، پھر آپ اپنا سر اٹھاتے اور یہ فرماتے: سمع اللہ لمن حمدہ پھر اپنے ہاتھوں کو اتنا بلند کرتے کہ وہ کندوں کے متوازی ہو جاتے پھر اللہ اکبر کہتے اور زمین کی طرف جھک جاتے (اور سجدے میں چلے جاتے) اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے پہلوں سے دور رکھتے پھر سر اٹھاتے اور بایاں پاؤں بچھاتے اور اس پر بیٹھ جاتے❶ اور سجدے کی حالت میں اپنے پاؤں کی انگلیاں کھلی رکھتے۔ اور سجدہ فرماتے، پھر اللہ اکبر کہتے او اٹھ جاتے بایاں پاؤں بچھاتے اور اس پر بیٹھ جاتے یہاں تک کہ ہر جوڑ اپنی جگہ بیٹھ جاتا پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح تمام کام انجام دیتے۔

پھر جب آپ دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ بلند فرماتے یہاں تک کہ وہ کندھوں کے متوازی ہو جاتے

❶.....اس کو قعدہ استراحت کہا جاتا ہے۔مصنف (اس کی تفصیل آگے آئے گی۔مترجم)

جیسا کہ نماز کے شروع کرتے وقت آپ نے کیا تھا پھر اسی طرح باقی نماز میں بھی کرتے جب آپ وہ سجدہ کرتے جس کے بعد سلام پھیرنا ہوتا تو اپنے پاؤں کو پیچھے کرتے اور بائیں جانب کولہے پر بیٹھتے۔ یہ سن کر وہ حضرات بولے تم نے درست کہا، آپ ایسے ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کی ایک مجلس میں موجود تھا وہ بولے: آپ کی نماز کا ذکر کرو، تو حضرت ابوحمید بولے: پھر کچھ حدیث کا حصہ بیان کیا پھر انہیں کچھ یاد آیا تو وہ بولے: جب آپ رکوع فرماتے تو ہاتھوں سے گھٹنے پکڑ لیتے اور اپنی انگلیاں کھول کر رکھتے اور کمر کو جھکاتے نہ اپنے سر کو اٹھا کر رکھتے اور نہ ہی اپنے رخسار کو دائیں بائیں کرتے (یعنی چہرہ بالکل سیدھ میں رہتا کسی جانب جھکا ہوا نہیں ہوتا۔ اور مزید انہوں نے فرمایا: جب آپ دو رکعتوں پر بیٹھتے تو بائیں پاؤں کے تلوے کے اوپر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے، اور جب چوتھی رکعت میں ہوتے تو اپنے بائیں کولہے کو زمین پر رکھتے اور دونوں پاؤں ایک جانب نکال دیا کرتے تھے۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں جب آپ سجدہ فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو صرف رکھتے نہ تو ان کو بچھاتے اور نہ ان کو دور کرتے (روکتے) اور ہاتھ کی انگلیاں قبلہ رخ رکھتے۔

ایک اور روایت میں ہے وہ بولے: پھر آپ اپنا سر اٹھاتے یعنی رکوع سے اٹھاتے۔ اور فرماتے سمع اللہ لمن حمدہ اللھم ربنا لك الحمد اور ہاتھ بھی بلند فرماتے۔

امام ابوداؤد ترمذی اور نسائی نے حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل فرمائی ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدو کو نماز کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے جب اس نے نماز پڑھی اور اس میں ہلکے پن سے کام لیا آپ نے فرمایا بلاشبہ کسی شخص کی نماز اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک وہ وضو نہ کر لے، اور ٹھیک سے نہ کر لے، پھر تکبیر کہے، اللہ کی حمد کرے اور اس کی ثنا کرے، پھر جتنا چاہے قرآن پڑھے، پھر کہے: اللہ اکبر، پھر رکوع میں جائے یہاں تک کہ اس کے جوڑ پرسکون ہو جائیں، پھر اٹھے اور کہے: سمع اللہ لمن حمدہ اور اتنا کھڑا ہو کہ وہ سیدھا ہو جائے پھر اللہ اکبر کہے اور سجدہ کرے یہاں تک کہ اس کے جوڑ پرسکون ہو جائیں، پھر اللہ اکبر کہے اور سر اٹھائے یہاں تک کہ سیدھا بیٹھ جائے پھر کہے: اللہ اکبر، پھر سجدہ کرے یہاں تک کہ اس کے جوڑ اپنی جگہ ٹھہر جائیں اور دوبارہ اٹھے تکبیر کہنے کے لئے، جب ایسا کر لے تو اس کی نماز مکمل ہو گئی۔

پہلی فصل.....نماز کی تعریف، مشروعیت اور حکمت تشریع

فرضیت اور فرائض اور تارک نماز کے حکم کے مباحث و بیان

الصلاۃ (نماز) کی حقیقت: صلاۃ لغت میں مطلقاً مانگنے یا بھلائی مانگنے کے معنی و مفہوم میں آتا ہے، فرمان خداوندی ہے:

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ ......سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۰۳

اس آیت میں صل علیھم ادع لھم (ان کے لئے دعا کریں خیر مانگیں) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اور شرعی اصطلاح میں مخصوص افعال و اقوال (کے مجموعے) کا نام ہے جو تکبیر سے شروع ہو کر سلام پر ختم ہوتے ہیں۔

اس کی مشروعیت.....نماز قرآن سنت اور اجماع کی رو سے فرض ہے قرآن کی آیات جو اس کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں ان میں ایک آیت یہ ہے:

وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ ٱلْقَيِّمَةِ ۝

سورۃ البینۃ، آیت نمبر ۵

اسی طرح یہ آیت:

فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ؕ ھُوَ مَوْلٰکُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿۷۸﴾ ......سورۃ الحج، آیت ۷۸)

سو قائم کرو نماز کو اور زکوٰۃ دیا کرو اور مضبوطی حاصل کرو اللہ سے، وہ تمہارا مالک ہے، سو کیا خوب مالک ہے اور کیا خوب کارساز ہے۔

ان کے علاوہ بھی بہت سی آیتیں ہیں جیسے ایک آیت یہ ہے:

فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ ......سورۃ النساء آیت نمبر ۱۰۳

اور حدیث نبوی میں بہت ساری احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں ان میں ایک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ حدیث ہے، کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔(۱) گواہی اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔(۲) نماز کا قائم کرنا۔(۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔(۴) رمضان کے روزے، اور (۵) بیت اللہ کا حج اس شخص کے لئے جو اس کی استطاعت رکھے۔❶

اسی معنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی مشہور حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں اور اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو اگر اس کی استطاعت ہو❷ اور اجماع امت کی رو سے دلیل یہ ہے کہ پوری امت کا ایک دن (دن بمع رات) میں پانچ نمازیں فرض ہونے پر اجماع ہے۔

تاریخ نماز، نوعیت فرضیت اور اس کے فرائض......اہل سیرت کے درمیان مشہور قول کے مطابق نماز شب معراج میں ہجرت سے تقریباً پانچ سال قبل فرض ہوئی دلیل اس کی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر شب معراج میں پچیس نمازیں فرض ہوئی تھیں، پھر ان کو کم کیا گیا یہاں تک کہ وہ صرف پانچ رہ گئیں پھر آپ کو ندا دی گئی اے محمد! میرے نزدیک بات بدلتی نہیں ہے تمہارے لئے ان پانچ کے بدلے پچاس کا ثواب ہے۔❸ بعض احناف فرماتے ہیں شب معراج میں ہفتے کے روز سے قبل سترہ رمضان کو فرض ہوئی تھی اور ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل ایسا ہوا تھا۔ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تاکید سے فرماتے ہیں کہ یہ رجب کی ستائیسویں تاریخ تھی، یہ قول قبول کیا گیا ہے ہر زمانے کے اہل علم کا اس پر ہی عمل ہے۔

یہ ہر مکلّف (یعنی عاقل و بالغ شخص) پر فرض عین ہے، تاہم بچوں کو سات سال کی عمر سے اس کی تلقین کرنی چاہئے اور دس سال کی عمر میں ان کو ہاتھ سے اس کے بارے میں سرزنش کرنی چاہئے، بید اور ڈنڈے سے نہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو سات سال کی عمر میں، اور اس بارے میں ان کی سرزنش کرو پس دس سال کی عمر میں اور ان کے بستر علیحدہ کر دو۔❹

ایک دن رات میں فرض نمازیں پانچ ہیں، مسلمانوں میں اس کے وجوب و فرضیت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس کے علاوہ کوئی نماز واجب نہیں سوائے نذر کے۔ دلیل گذشتہ احادیث ہیں، دوسری دلیل اعرابی والی مشہور حدیث ہے جس میں ہے پانچ نمازیں ایک دن رات میں ہیں، اعرابی نے دریافت کیا کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی چیز لازم ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں سوائے اس کے کہ تم نفل پڑھو❺ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے یہ فرمانا تم ان کو یہ بتلا دو کہ اللہ نے ان پر ہر دن ورات

---

❶ اور ❷..... متفق علیہ حدیث ہے۔❸ بروایت امام احمد ونسائی امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے صحیحین میں ایک روایت میں ہے اللہ نے میری امت پر معراج کی رات پچاس نمازیں فرض کی تھیں، میں برابر اللہ سے رجوع کرتا رہا اور تخفیف مانگتا رہا حتی کہ اللہ نے ایک دن رات میں پانچ نمازیں کر دیں۔ ❹ بروایت امام احمد، ابوداؤد، حاکم، ترمذی اور دارقطنی از حضرت عمرو بن شعیب۔ انہوں نے یہ حدیث اپنے دادا سے بواسطہ اپنے والد روایت کی ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۹۸۔❺ متفق علیہ اس حدیث کا بقیہ حصہ یہ ہے وہ اعرابی بولا: قسم اس ذات جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں نہ اس پر کچھ بڑھاؤں گا اور نہ کمی کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کامیاب ہو گیا یہ شخص اگر اس نے سچ کہا۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۸۶۔

میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ ❶

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ وتر واجب ہے دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: بلاشبہ اللہ نے تم پر ایک نماز اضافی لازم کی ہے، جو کہ وتر ہے ❷ اور یہ انداز اس کے واجب ہونے کا متقاضی ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے:

الوتر واجب علی کل مسلم

(وتر ہر مسلمان پر واجب ہے)۔ ❸

نماز کی مشروعیت کی حکمت کلمہ اسلام کے بعد سب سے عظیم اور اہم عبادت نماز ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث اس کی مؤید ہے مسلمان اور کفر کے درمیان فرق نماز کا چھوڑنا ہے۔ ❹

یہ اللہ کی کثیر نعمتوں کے شکرانے کے طور پر فرض کی گئی ہے، اس کے دینی اور تربیتی دونوں طرح کے فوائد انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر پائے جاتے ہیں۔

اس کے دینی فوائد میں سے چند یہ ہیں:

انسان کا اپنے رب سے تعلق، اور اس میں اپنے خالق ومعبود سے مناجات کی لذت پائی جاتی ہے، اللہ کے لئے عبودیت کا اور تمام کاموں کی باگ ڈور اللہ کے سپرد کرنے کا اظہار ہوتا ہے، امن وسکون اور اس کے دامن میں نجات حاصل کرنے کی التماس ہوتی ہے۔ یہ کامیابی اور کامرانی کا راستہ ہے، گناہ اور برائیوں کا کفارہ بنتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ ......سورۃ المؤمنون آیت نمبر ۱

تحقیق مومن کامیاب ہوئے، جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔

دوسری آیت میں ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۙ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۙ سورۃ المعارج آیت نمبر ۱۹۔۲۱

انسان پیدا ہوا ہے ہلڑ باز، جب اس کو پہنچے برائی تو خوب آہ وزاری کرتا ہے اور جب اس کو ملے بھلائی تو سوائے نمازیوں کے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بھلا بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ نہائے تو کیا اس کا میل باقی رہے گا؟ صحابہ بولے: اس کو تو ذرہ بھی میل نہیں رہے گا۔ آپ نے فرمایا یہ مثال ہے پانچوں نمازوں کی، اللہ ان کے ذریعے غلطیاں معاف کرتا ہے۔ ❺

ایک دوسری حدیث میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچوں نمازیں اور جمعہ تا جمعہ بیچ کی چیزوں کے لئے کفارہ ہے، جب تک کہ کبائر کا ارتکاب نہ کرے۔ ❻

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً منقول ہے کہ جب انسان کھڑا ہو کر نماز شروع کرتا ہے تو اس کے گناہ لائے جاتے ہیں، اور

---

❶ یہ حدیث صحیحین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آپ نے دسویں سال حج سے قبل مبعوث کرکے بھیجا تھا، سبل السلام ج ۲ ص، ۱۲۰۔ ❷ اس حدیث کو آٹھ صحابہ نے روایت کیا ہے حضرت خارجہ بن حذافہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عقبہ بن عسا کر، حضرت ابن عباس، حضرت ابوبصرہ الغفاری، حضرت عمرو بن شعیب کے دادا حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہم اجمعین۔ تاہم یہ تمام احادیث معلول ہیں۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۱۰۹۔ ❸ بروایت ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد، ابن حبان اور حاکم از حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ۔ ❹ بروایت امام مسلم۔ ❺ بروایت امام بخاری، مسلم، ترمذی، اور نسائی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن ماجہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ الترغیب والترھیب ج ۱ ص ۲۳۳۔ ❻ بروایت امام مسلم اور ترمذی وغیرہ، حوالہ بالا۔

وہ اس کے سر یا کندھے پر ڈال دیئے جاتے ہیں، جب جب وہ رکوع یا سجدہ کرتا ہے یہ گر جاتے ہیں❶ یعنی کہ خدا کے حکم سے سب گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

اس کے انفرادی فوائد میں ایک بڑا فائدہ اللہ سے قریب ہونا ہے نفس انسانی کا عروج کر کے اپنے رب تک جانا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ سورۃ الذاریات، آیت نمبر ۵۶

میں نے جنات اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

نماز میں نفس اور ارادے کی قوت کا سامان ہوتا ہے صرف عزت اللہ سے حاصل کی جاتی ہے دوسروں سے نہیں دنیا اور اس کے سامان شان وشوکت سے بلندی اوران کو وراء ڈالنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ دنیا کی آرائشوں اور پرکشش چیزوں سے دور رہنے کی صلاحیت جنم لیتی ہے نماز سے نفسی میں وہ قوت اور اللہ سے ربط قائم ہوتا ہے جس کے سبب انسان جاہ وحشمت اور مال ودولت اور سلطنت کی کشش سے چھٹکارا پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۴۵

اور تم مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے بے شک یہ بھاری ہے سب پر سوائے ان کے جو خشوع کی صفت والے ہیں۔

اسی طرح نماز میں عظیم روحانی لذت، روحانی سکون وقرار نصیب ہوتا ہے، اور اس غفلت سے بچا جا سکتا ہے جو انسان کو اس کے عظیم اور بلند مقصد سے دور رکھتی ہے جو اس کی زندگی کا مقصد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے لئے تمہاری دنیا میں سے دو چیزیں مرغوب کی گئی ہیں، خواتین اور خوشبو، اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے❷ امام احمد کی روایت ہے کہ جب کوئی معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث پریشانی وتشویش ہوتا تو آپ فرماتے بلال ہمیں نماز سے راحت پہنچاؤ❸ نماز میں، امور زندگی میں، امور افعال واعمال میں نظم وضبط اور تنظیمی کیفیت پیدا کرنے کی مشق ملتی ہے وقت کا احترام اور اس کی قدر وقیمت سے آگاہی ہمیں نماز سے حاصل ہوتی ہے، کیونکہ نمازیں اوقات کے نظام کے تحت ادا کی جاتی ہیں۔ انسان اسی کے ذریعے حلم وبردباری، سکینت ووقار جیسی عمدہ خصلتیں اپنے اندر پیدا کرتا ہے، انسان اسی کے سبب اپنی فکری صلاحیتوں کو اچھے کاموں میں استعمال کرنے کی عادت ڈالتا ہے، کیونکہ وہ غور وخوض اور سوچ وبچار کو قرآن کی آیات کے معانی اور اللہ کی عظمت کے بارے میں غور وفکر پر مرتکز کر دیتا ہے، اسی طرح نماز کے معانی ومقاصد پر بھی۔ اسی طرح نماز ایک اخلاقی عملی تربیتی ارادے کا فریضہ بھی انجام دیتی ہے وہ سچائی اور دیانت داری جیسی عمدہ خصلتوں کو پروان چڑھاتی ہے، بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ۭ ...... سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۴۵

اور تم قائم کیجئے بلا شبہ نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے۔

نماز کے معاشرتی فوائد..... ایسے جامع عقیدے کا احیاء واثبات جو معاشرے کے تمام افراد کے لئے جامع ہو ان کو اپنی ذات میں قوی بنا دے اور اسی طرح یہ جماعت کے نظم کو اس طرح تقویت دیتی ہے کہ ان کو اس عقیدے کے ارد گرد جوڑے رکھتی ہے، اس میں جماعت اور اجتماعیت کے احساس کو تقویت ملتی ہے، امت کی باہمی تعلق کے روابط کا فروغ ہوتا ہے معاشرتی یکجائیت کو ترقی ملتی ہے سوچ اور جماعت کی وحدت کے تحقق فروغ ملتا ہے وہ جماعت جو بمنزلہ جسد واحد ہے، اگر عضو بیماری یا آفات کا شکار ہو تو بقیہ جسم بھی اس کے اس احساس تکلیف میں برابر کا شریک ہوتا ہے نماز با جماعت میں بھی بڑے گہرے دور رس اثرات وفوائد ہیں، ان میں اہم اور ممتاز چیز مساوات

❶ بروایت ابن حبان در صحیح ابن حبان۔ ❷ بروایت امام احمد نسائی، حاکم بیہقی از حضرت انس بن مالک یہ حدیث حسن ہے۔ ❸ بروایت ابو داؤد۔

اور برابری کا اظہار ہے یک صف ہونے کا اعلان ہے اور ایک کلمہ ہونے کی وضاحت ہے اس اہم فوائد میں سے عمومی اجتماعی یا مشترک مسائل میں اطاعت امیر کے جذبے کی سیرابی اور اس کا احیاء ہے ان امور میں جو اللہ کی خوشنودی کا باعث بنیں، اور ایک مقصد اور غایت کی طرف بڑھنا اور اسی طرف رخ رکھنا بھی اس کے فوائد میں سے ایک فائدہ ہے اور مقصد جس کا حصول اس کا ایک فائدہ ہے وہ مقصد ہے حصول رضائے الٰہی۔ نماز باجماعت مسلمانوں کے باہمی تعارف، یگانگت اور موانست کا ذریعہ ہے، ان کو خیر کے کام پر جمع کرنے کا سبب ہے اور مسلمانوں کے احوال ومعاملات کے بارے میں خصوصی توجہ اور اہتمام کی فکر میں نئی روح پھونکنے کا سبب ہے اسی طرح کمزور لوگ گرفتار افراد تہمت زدہ لوگ اور خاندان اور اہل خانہ سے بچھڑے ہوئے افراد کی امداد واعانت ان کی دست گیری، ان کی خبر گیری وغیرہ جیسے عظیم امور اس عمل ہی کے بدولت ہیں۔

مسجد اور اس میں نماز کی ادائیگی کو ایک ہیڈ کوارٹر سمجھنا چاہئے اس عوامی مرکز اور فاؤنڈیشن کا جو منظم ہو باہم تعاون کرنے والا ہو اور ایک دوسرے کا مدد ومعاون ہو، جو معاشرے کو قیادت فراہم کرے شرعی حکمرانی کی حمایت ومعاونت کرے، اس کی غلطیاں بے راہ رویاں اور خطائیں نصیحت آمیز کلمات اور عمدہ طریقے سے دور کرے نرم انداز اختیار کر کے ان کو راست بازی پر جمع کرے اور مثبت تنقید کا سامان کرے۔ کیونکہ حدیث کے مطابق مومن دوسرے مؤمن کے لئے ایسا ہے جیسے دیوار کہ اس کے پتھر ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں۔ ❶

نماز مسلمان کو دوسرے سے تمیز دیتی ہے اس طرح وہ بھروسے اور امانت ودیانت کا سبب بنتی ہے اور محبت کی روح کو لوگوں میں اجاگر کرنے کا سبب بنتی ہے حدیث میں آیا ہے جو شخص ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے ہماری نماز پڑھے، اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے، اس کے وہی حقوق ہیں جو مسلمان کے ہیں اور اس پر وہی سب لازم ہے جو ایک مسلمان پر لازم ہے۔ ❷

تارک نماز کا حکم...... مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز ہر مسلمان عاقل بالغ پاک شخص پر فرض ہے مراد یہ ہے کہ حیض ونفاس میں مبتلا یا جنون وبے ہوشی میں گرفتار کوئی شخص نہ ہو یہ خالص بدنی عبادت ہے جو نیابت بالکل قبول نہیں کرتی ہے چنانچہ دوسرے کی طرف سے نماز ادا کرنا درست نہیں ہے جیسے دوسرے کی طرف سے روزہ رکھنا بھی درست نہیں۔

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص نماز کے وجوب کا منکر ہے وہ کافر ومرتد ہے، کیونکہ اس کی فرضیت قرآن، سنت اور اجماع کے قطعی دلائل سے ثابت ہے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں، سستی اور کاہلی اور غفلت کے سبب چھوڑنے والا فاسق ہے۔ ہاں اگر وہ ایسا شخص ہو جو نیا نیا مسلمان ہوا ہو یا مسلمانوں سے اتنا عرصہ میل جول نہ رکھا ہو کہ اس تک نماز کے وجوب کا حکم پہنچتا تو اس کا حکم یہ نہیں ہوگا۔

نماز کا چھوڑنا دنیوی اور اخروی دونوں قسم کی سزاؤں کا باعث ہے، اخروی سزا کی دلیل تو یہ آیت ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ سورۃ المدثر آیت ۴۲-۴۳

تمہیں کونسی چیز جہنم میں کھینچ لائی وہ بولیں گے ہم نمازیوں میں سے نہیں تھے۔

دوسری آیت:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ سورۃ الماعون آیت نمبر ۴-۵

سو بربادی ہے ان نمازویں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔

تیسری آیت:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ سورۃ مریم آیت ۵۹

❶ ..... بروایت امام بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی از حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ۔ ❷ یہ حدیث بخاری، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ جامع الاصول ج ۱ ص ۱۵۸۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص نماز جان بوجھ کر چھوڑ دے تو اللہ اور رسول کا ذمہ اس سے بری ہے ❶ نماز جان بوجھ کر سستی کے سبب یا معمولی گردانتے ہوئے چھوڑنے کی مختلف سزائیں فقہاء کرام نے بیان کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا.....احناف فرماتے ہیں ❷ کہ نماز کا چھوڑنے والا فاسق ہے اس کو گرفتار کیا جائے گا اور ایک قول کے مطابق اس کو اتنا سخت پیٹا جائے گا کہ اس سے خون بہہ نکلے یہاں تک کہ وہ نماز پڑھنا شروع کرے اور توبہ تائب ہو یا جیل خانہ میں ہی مر جائے اسی طرح رمضان کے روزے چھوڑنے والے کا حکم ہے ایسے شخص کو قتل اس وقت نہیں کیا جائے گا جب تک وہ ان دونوں کے وجوب کا منکر نہ ہو جائے یا ان میں سے کسی ایک کو حقیر نہ سمجھے مثلاً وہ سر عام بلا عذر روزہ کھائے۔ دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کسی مسلمان کا خون بہانا روا نہیں مگر تین چیزوں کے سبب (۱) شادی شدہ زانی (۲) قتل کے بدلے قتل، اور (۳) اپنے دین و مذہب کو چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ دینے والا ہو۔❸

احناف اضافہ کے طور پر یہ فرماتے ہیں کہ نماز ادا کرنے والے کے اسلام کا فیصلہ کیا جائے گا چار شرائط کے ساتھ، وقت میں ادا کرے جماعت کے ساتھ ادا کرے یا وقت میں اذان دے یا آیت سجدہ سن کر سجدہ تلاوت کرے۔ ظاہر الراویۃ کے مطابق کافر کے اسلام کا فیصلہ اس کے روزہ رکھنے حج کرنے یا زکوۃ ادا کرنے سے نہیں کیا جائے گا۔

دوسرے ائمہ فرماتے ہیں ❹ کہ نماز کو بلا عذر چھوڑنے والا خواہ ایک نماز ہی چھوڑے اس کو توبہ دلائی جائے گی جیسے مرتد کے ساتھ ہوتا ہے ❺ اور اگر توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا، مالکیہ اور شوافع کے ہاں اس کو بطور حد کے قتل کیا جائے گا کفر کے سبب نہیں یعنی اس کے کفر کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا لیکن اس کو دیگر حدود کی طرح بطور حد قتل کیا جائے گا جیسے زنا، قذف اور چوری وغیرہ کی حد جاری کی جاتی ہیں۔ لہٰذا اس شخص کی موت کے بعد اس کو غسل دیا جائے گا اور نماز پڑھی جائے گی اور مسلمانون کے ساتھ دفن کیا جائے گا۔ ان حضرات کی دلیل نماز کے چھوڑنے والے کے کافر نہ ہونے کے بارے میں یہ آیت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ...... سورۃ النساء، آیت نمبر ۴۸

بلاشبہ اللہ اس کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے اور اس کے علاوہ سب کچھ معاف کر دیتا ہے۔

اس کے علاوہ متعدد احادیث ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کی ہیں جو ان کو ادا کرے اور ان میں سے کسی چیز کو حقیر سمجھتے ہوئے ضائع نہ کرے تو یہ اللہ کا عہد ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ اور جو ان نمازوں کو انجام نہ دے تو اللہ پر کوئی عہد اور ذمہ نہیں چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو معاف کر دے۔❻

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کہ بروز قیامت بندے سے پہلا سوال فرض نماز کا ہوگا اگر اس نے اس کو پورا کر دیا تو ٹھیک ورنہ کہا جائے گا دیکھو کیا اس کی کچھ نفل نمازیں بھی ہیں؟ اگر نفل ہوئیں تو فرائض کی تکمیل ان کے ذریعے کر دی جائے گی، پھر تمام فرض

---

❶..... بروایت امام احمد از مکحول، یہ حدیث جید مرسل ہے۔❷ الدر المختار ج ۱ ص ۳۲۶، مراقی الفلاح ص ۶۰۔❸ بروایت امام بخاری ومسلم از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔❹ القوانین الفقهيه ص ۴۲ بدایة المجتهد ج ۱ ص ۸۷ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۳۸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۳۲۷، المهذب ج ۱ ص ۵۱ کشف القناع ج ۱ ص ۲۶۳ المغنی ج ۲ ص ۴۴۲۔❺ شوافع اور جمہور کے ہاں اس موقع پر توبہ کرانا مندوب ہے مرتد سے توبہ لینا واجب ہے کیونکہ مرتد ہونا دائمی جہنمی ہونا ہے تو اس کو اس سے بچانا لازم ہے بخلاف نماز سستی کی بناء پر چھوڑنے والے کے کہ وہ کافر نہیں ہوتا ہے۔❻ بروایت امام احمد ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۹۴

اعمال کے ساتھ اسی طرح کیا جائے گا❶ لہٰذا نماز کے ترک کرنے سے وہ کافر نہیں ہوگا کیونکہ کفر عقیدے کی بناء پر ہوتا ہے اور عقیدہ اس کا صحیح ہے، اور اس کے وجوب کے منکر ہونے کے عقیدے کے ساتھ اگر اس کو ترک کرتا ہے تو وہ کافر ہوگا۔ یہ حضرات ان آنے والی احادیث کی جن کو امام احمد بن حنبل نے اپنی دلیل بنایا ہے تاویل کرتے ہیں کہ یہ محمول اس صورت پر ہیں کہ جب چھوڑنے والے اس کے چھوڑنے کو حلال سمجھ کر چھوڑے یا وہ مراد ہے جو کافر کی سزا کا حقدار ہو جو کہ قتل ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں❷ کہ نماز کا چھوڑنے والا کافر ہو جانے کے سبب قتل کیا جائے گا، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے:

فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ سورۃ التوبہ، آیت ۵

سو جب گزر جائیں حرمت والے مہینے تو مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ ان کو گھیر لو اور ان کے لئے ہر مورچے میں بیٹھ جاؤ

سو اگر وہ توبہ کرلیں نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو ان کی راہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تو اس آیت میں راستہ چھوڑ دینے کا حکم اس شخص کے لئے نہیں ہوگا جو نماز چھوڑ دے کیونکہ وہ اس شرط کو پورا نہیں کرتا ہے۔ لہٰذا اس کا قتل کرنا علی حالہ مباح رہے گا اور نماز نہ قائم کرنے والے کی راہ نہیں چھوڑی جائے گی۔ اور اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انسان اور کفر میں فاصلہ صرف نماز چھوڑنے کا ہے❸ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نماز کا چھوڑنا موجبات کفر میں سے ہے۔

اسی طرح حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ ہمارے تمہارے درمیان ذمہ فقط نماز ہے جو اس کو چھوڑ دے وہ کافر ہو جائے گا۔❹

یہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کا چھوڑنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ علامہ شوکانی نے اس رائے کو ترجیح دی ہے اور فرمایا ہے کہ حق یہ ہے کہ یہ شخص کافر ہے اور واجب القتل ہے اور بعض اقسام کفر ایسی ہیں جو مغفرت اور شفاعت سے مانع نہیں ہوتیں (یعنی کفر کی بعض اقسام ایسی ہیں کہ جن کا مرتکب مغفرت اور شفاعت کا حق دار ہو سکتا ہے)۔

میرا رجحان پہلی رائے کی طرف ہے یعنی نماز کا ترک کرنے والا کافر نہیں ہے، کیونکہ بکثرت ایسے دلائل وارد ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ مسلمان کلمہ پڑھ لینے کے بعد جہنم میں ہمیشہ نہیں رہ سکتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اور اللہ کی علاوہ معبودان باطل کی تکفیر کردی تو اس کا مال اور خون محترم ہو گیا، اور اس کا حساب و کتاب اللہ کے سپرد ہے❺ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم سے وہ شخص نکل آئے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا یا اور اس کے دل میں جو دانے کے برابر بھی خیر کا مادہ ہو اور جہنم سے وہ شخص بھی نکل جائے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اور اس کے دل میں ایک گندم کے دانے کے برابر بھی بھلائی ہو جہنم کی آگ سے وہ شخص بھی نکل آئے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھی بھلائی ہوئی۔❻

جمہور فقہاء کے ہاں (ماسوا احناف) نماز کے ترک کرنے والے کے قتل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تلوار سے اس کی گردن ماردی جائے اگر وہ توبہ نہ کرے۔

---

❶......یہ حدیث پانچوں اصحاب نے روایت کی ہے ان دونوں احادیث کے مضمون پر مشتمل اور احادیث بھی منقول ہیں۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۹۵ اور بعد کے صفحات۔❷المغنی ج ۱ ص ۴۴۲۔۴۴۷۔❸ بروایت اصحاب صحاح ستہ ما سوا بخاری اور نسائی، نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۹۱۔❹ بروایت پانچوں حضرات اور ابن حبان حاکم کے نسائی اور عراقی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اس مضمون کی اور احادیث بھی ملاحظہ کریں۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۹۳ اور بعد کے صفحات۔❺ امام مسلم نے یہ حدیث حضرت طارق اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، جامع الاصول ج ۱ ص ۲۱۱۔❻ امام بخاری نے یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

نماز کی فرضیت کا تاعمر برقرار رہنا..... نماز کسی حال میں معاف نہیں ہے، حالت حضر ہو یا سفر یا حالت مرض ہو مسلمان جب تک زندہ ہو اس پر نماز لازم ہے بشرطیکہ اس پر عقل کے غائب ہونے اور ہوش وحواس کھو دینے کی کیفیت طاری نہ ہو اسلام نے نماز ادا کرنے کے طریقے میں سہولت اور آسانی پیدا کی ہے جیسے صلاۃ الخوف میں اور مریض کی نماز کا طریقہ جیسے بھی وہ ادا کرنے پر قادر ہو کھڑے ہو کر بیٹھ کر پہلو کے بل، گدی کے بل (سر کے بل منہ کے بل) یا سر کے یا آنکھوں کے اشارے سے یا صرف۔

دل ہی دل میں ارکان ادا کرنے سے وغیرہ۔ اور جو شخص کسی آپریشن وغیرہ کے نتیجے میں خون میں لت پت ہو یا اس کے ساتھ ایسی تھیلی بندھی ہوئی ہو جس میں خون جارہا ہو، یا ٹوٹی ہڈیوں پر پلستر وغیرہ چڑھا ہوا ہو وغیرہ تو وہ شخص اسی حالت میں نماز پڑھے گا سب قدرت وضو یا تیمم سے پھر شفاء ہو جانے کے بعد احتیاطاً وہ نماز کا اعادہ کر لے۔

دوسری فصل...... نماز کے اوقات

سنت نبویہ نے نماز کے اوقات کی بہت باریک بینی سے تحدید فرمائی ہے اول وقت ❶ کی اور آخر وقت کی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور فرمایا: اٹھیے اور نماز ادا کیجئے، آپ نے ظہر کی نماز ادا فرمائی جب سورج ڈھل گیا پھر وہ عصر کے وقت تشریف لائے اور عرض کیا: اٹھیے اور نماز ادا کیجئے، آپ نے عصر کی نماز ادا کی جب ہر چیز کا سایہ اس کے مثل بڑھ گیا پھر وہ مغرب کے وقت آئے اور عرض کیا: اٹھیے نماز پڑھئے، آپ نے مغرب کی نماز سورج کے غروب ہونے پر ادا فرمائی پھر عشاء کے وقت آئے اور کہا: اٹھئے اور نماز ادا کیجئے تو آپ نے نماز ادا فرمائی جب شفق غروب ہوگئی، پھر وہ فجر کے وقت آئے اور فرمایا: اٹھئے اور نماز ادا کیجئے تو آپ نے نماز ادا فرمائی جب فجر ہوئی۔ روشنی ہوگئی پھر دوسرے دن ظہر کے وقت آئے اور کہا: اٹھئے اور نماز ادا کیجئے آپ نے نماز ادا فرمائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے ہم مثل ہو گیا، پھر وہ عصر کے وقت آئے اور کہا: اٹھئے اور نماز ادا کیجئے، آپ نے نماز ادا کی جب ہر چیز کا سایہ دو چند ہو گیا پھر مغرب کے لئے اسی وقت آئے جس وقت کل آئے تھے، اس سے ہٹے نہیں پھر وہ عشاء کے وقت آئے جب آدھی رات گزر گئی تھی، یا راوی نے یوں کہا دو تہائی رات گزر گئی۔ اور عشاء کی نماز پڑھی، پھر آپ کے پاس آئے جب خوب روشنی ہوگئی اور فرمایا: اٹھئے نماز ادا کیجئے چنانچہ آپ نے فجر کی نماز ادا فرمائی پھر فرمایا: ان دونوں وقتوں کے درمیان کا وقت نماز کا وقت ہے۔ ❷ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نمازوں کے دو وقت ہوتے ہیں ماسوا مغرب کی نماز کے۔

وقت کی تحدید کے بارے میں ایک اور حدیث بھی ہے جو حضرت عقبہ بن عامرؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت اس وقت تک خیر سے رہے گی یا یہ فرمایا فطرت پر رہے گی جب تک کہ وہ مغرب کو اتنا مؤخر نہ کر دیا کریں کہ ستارے گڈمڈ ہونے لگیں یعنی اتنے ستارے نکل آئیں کہ آپس میں گڈمڈ ہو جائیں ❸ یہ حدیث نماز مغرب کی جلد ادائیگی کے استحباب پر اور اس کو ستارے نکل آنے تک مؤخر کرنے کی کراہت پر دلالت کرتی ہے۔

ان احادیث کی بناء پر فقہاء کرام نے ہر نماز کے وقت کی تشریح و وضاحت مندرجہ ذیل طریقہ کار کے مطابق فرمائی ہے ❹ اور اس پر

---

❶ وقت سے مراد ہے وہ زمانہ جو عبادت کے لئے شرعاً مقرر کیا گیا ہو۔ ❷ بروایت امام احمد اور نسائی، امام ترمذی نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے امام بخاری فرماتے ہیں مواقیت کے بارے میں سب سے صحیح حدیث یہی ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۰۰۔ ❸ یہ حدیث امام احمد وابوداؤد نے اپنی کتب میں اور حاکم نے المستدرک میں روایت کی ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۔ ❹ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۵۱۔ ۱۶۰، الدرالمختار ج ۱ ص ۳۳۱۔۳۴۳ اللباب ۱ ص ۵۹۔ ۶۲ القوانین الفقهیه ص ۴۳ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۱۹۔ ۲۳۸ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۷۶۔ ۱۸۱ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۲۱۔ ۱۲۷، المهذب ج ۱ ص ۵۱۔ ۵۴، بجیرمی الخطیب ج ۱ ص ۳۴۵، المغنی ج ۱ ص ۳۷۰۔ ۳۹۵ کشف القناع ج ۱ ص ۲۸۹۔ ۲۹۸۔

بھی مسلمانوں کا اجماع ہے کہ پانچوں نمازیں خاص اوقات کے اندر ادا کی جائیں گی جو معین اور محدود ہیں اور صحیح عمدہ احادیث سے ثابت ہیں، نماز اول وقت میں وجوب موسع (گنجائش والا وجوب) کے ساتھ واجب ہوتی ہے یہاں تک کہ اتنا وقت رہ جائے جس میں نماز کی ادائیگی کی گنجائش رہ جائے تو اس وقت نماز کا وقت تنگ ہو جاتا ہے (اور وجوب مضیق (تنگی والا وجوب) کے ساتھ نماز واجب ہوتی ہے) قطبی ممالک (خط استاء پر واقع) وغیرہ اپنے سے قریب ممالک کے اعتبار سے نماز کے اوقات ترتیب دیں گے یا مکہ مکرمہ کے وقت کے اعتبار سے۔

ا۔ **فجر کا وقت**...... یہ صبح صادق کا طلوع ہونے سے لیکر سورج کے طلوع ہونے تک رہتا ہے، اور صبح صادق سے مراد وہ سفیدی ہے جو افق میں عرضاً (چوڑائی) میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں صبح کاذب ہوتی ہے، یہ وہ صبح ہوتی ہے جو مستطیل شکل اوپر کی طرف اٹھی ہوئی آسمان کے بیچ میں ظاہر ہوتی ہے جیسے سرحان (بھیڑیے) کی دم ❶ اس کے بعد پھر اندھیرا ہو جاتا ہے۔ پہلی قسم (یعنی صبح صادق) وہ ہے جس سے احکام شریعت متعلق ہوتے ہیں یعنی روزے کی اور صبح کے وقت کی ابتداء اور عشاء کے وقت کا اختتام، اور دوسری قسم (یعنی صبح کاذب) سے کوئی حکم شرعی متعلق نہیں ہوتا ہے۔ دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے صبح دو طرح کی ہیں، ایک وہ جو کھانے پینے کو ممنوع کر دیتی ہے اور نماز کو حلال کر دیتی ہے دوسری وہ جس میں نماز حرام ہو جاتی ہے، یعنی فجر کی نماز، اور کھانا حلال ہو جاتا ہے۔ ❷

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جو امام مسلم نے روایت کی ہے منقول ہے صبح کی نماز کا وقت فجر کے طلوع ہونے سے شروع ہوتا ہے جب تک کہ سورج نہ نکلے، اور سورج نکلنے کے بعد سے ظہر تک کا وقت مہمل کہلاتا ہے، اس میں کوئی فرض ادا نہیں کیا جاتا ہے۔

۲۔ **ظہر کا وقت**...... سورج کے زوال کے بعد سے ہر چیز کا سایہ اس کے سایہ اصلی کے علاوہ اس کے برابر ہو جانے تک رہتا ہے، یہ صاحبین کی رائے ہے، جس پر احناف کے ہاں فتویٰ ہے اور ائمہ ثلثہ کا قول بھی یہی ہے۔ اور ظاہر الروایہ کے مطابق جو کہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے، اس کا آخری وقت اس وقت تک ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کے دوچند (ڈبل) ہو جائے تاہم چونکہ یہ وقت بالاتفاق عصر کا ہے اس لئے ظہر کی نماز کو اس سے قبل ادا کر لینا چاہئے، کیونکہ عبادات کے بارے میں احتیاط کا پہلو اپنانا چاہئے۔

زوال شمس کا مطلب ہے سورج کا بیچ آسمان سے ڈھلنا اور سورج کے وسط آسمان تک پہنچنے کو وقت استواء کہا جاتا ہے۔

اور جب سورج مشرقی جہت سے مغربی جہت کی طرف بڑھتا ہے تو زوال متحقق ہو جاتا ہے۔

زوال کو اس طرح پہچانا جاسکتا ہے کہ انسان کی قامت یا کوئی ستون یا لکڑی وغیرہ ہموار زمین پھر کھڑی کر دی جائے اس کا سایہ اگر گھٹ رہا ہو تو یہ زوال سے قبل کا وقت ہے اور اگر سایہ ٹھہر جائے گھٹے بڑھے نہیں تو یہ استواء کا وقت ہے، وار جب سایہ بڑھنا شروع ہو جائے تو اس کا مطلب ہے کہ زوال ہو چکا ہے۔

تو جب کسی چیز کے اصلی سائے (یعنی وہ سایہ جو اس چیز کے حالت استواء شمس کے وقت تھا) سے اس کا سایہ بڑھ جائے یا سورج مغربی جانب ڈھلنا شروع ہو جائے تو ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک اس کا وقت کسی چیز کے سائے کے اس چیز کی طرح مقدار اور لمبائی میں ہو جانے پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ سایہ جو اس چیز کے برابر ہوگا اس میں یہ ضروری ہے کہ وہ اس چیز کے اس سائے سے زائد ہو جو اس کا اصلی سایہ ہے یعنی جو استواء کے وقت تھا۔ ❸

---

❶ ... سرحان بھیڑیے اور شیر دونوں کو کہتے ہیں یہاں مراد سیاہ بھیڑیے کی دم ہے کہ اس کی دم کا نچلا حصہ سفید اور اوپری حصہ سیاہ ہوتا ہے، اور صبح کاذب چونکہ سیاہی اور سفیدی کا مجموعہ ہوتی ہے اس لئے اس کو اس سے تشبیہ دی۔ ❷ بروایت ابن خزیمہ اور حاکم۔ ان دونوں حضرات نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، سبل السلام ج ۱ ص ۱۱۵۔ ❸ کسی بھی چیز کا ایک سایہ تو وہ ہوتا ہے جو سورج کے عین اوپر ہونے کے وقت اس چیز کے بالکل نیچے پڑ رہا ہوتا ہے یہ سایہ سایہ اصلی کہلاتا ہے باقی سایہ جو شمار ہوگا وہ اس کے علاوہ ہوگا۔ مترجم

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز دوسرے دن اس وقت پڑھائی تھی جب ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو گیا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بات قوی ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ حدیث ہے ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے بڑھنے سے ہوتی ہے ❶ اور ان علاقوں میں شدید گرمی اس وقت ہوتی ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کے ہم مثل ہوتا ہے۔

اور ظہر کے وقت کی ابتداء کی دلیل ان تمام حضرات کے ہاں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ ......سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۷۸

اور نماز قائم کرو سورج کے ڈھل جانے پر۔

دلوک سے مراد زوال ہے۔

۳۔ عصر کا وقت......عصر کا وقت ظہر کا وقت ختم ہو جانے پر شروع ہوتا ہے۔ اور ظہر کا وقت اسی تفصیل اور اختلاف کے مطابق ختم ہوتا ہے جو اوپر بیان ہوا۔ یعنی عصر کا وقت جب شروع ہوتا ہے جب کسی چیز کا سایہ اس کے ہم مثل سائے سے بڑھنا شروع ہو جائے۔ جمہور کے ہاں تو ایک مثل سے ذرا سا بھی بڑھے تو عصر کا وقت شروع ہو جائے گا امام ابوحنیفہ کے ہاں جب تک دو مثل سائے سے نہ بڑھے وقت شروع نہیں ہوگا۔

اور عصر کا وقت تو باتفاق فقہاء سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے ختم ہو جاتا ہے دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے، جس شخص نے صبح کی نماز میں ایک رکعت بھی پالی سورج طلوع ہونے سے قبل تو اس نے صبح کی نماز پالی، اور جس نے عصر کی نماز میں سے ایک رکعت بھی سورج غروب ہونے سے پہلے پالی اس نے عصر کی نماز پالی۔ ❷

اکثر فقہاء سورج پیلا پڑ جانے پر عصر کی نماز کو مکروہ گردانتے ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، یہ منافق کی نماز ہے جو بیٹھا سورج کو دیکھتا رہتا ہے، اور جب وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان پہنچتا ہے تو یہ کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مار دیتا ہے اللہ کو بالکل معمولی سا یاد کرتا ہے ❸ اسی طرح دوسری حدیث میں ہے عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک سورج پیلا نہ پڑ جائے۔ ❹

اور عصر کی نماز ہی صلاۃ وسطی ہے (جو قرآن کی اس آیت میں مذکورہ ہے حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ والصلاة الوسطى) دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان کی ہے کہ آپ نے پڑھا: حَافِظُوا على الصلوٰة والصلاة الوسطى اور صلاة وسطى سے عصر کی نماز مراد ہے ❺ حضرت ابن مسعود اور حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الصلاة الوسطى عصر کی نماز ہے۔ ❻

اور اس کو وسطی (درمیانی) اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ دو دن کی اور دو رات کی نمازوں کے بیچ میں پڑتی ہے۔

---

❶... امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے ان الفاظ میں اذا اشتد الحر فابردوا عن الصلاۃ فان شدۃ الحر من فیح جھنم نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۲۸۔ ❷ یہ حدیث صحاح ستہ میں مروی ہے حدیث کے یہ الفاظ امام مسلم کی روایت کے ہیں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۲۸۔ ❸ یہ حدیث صحاح ستہ میں، ماسوا بخاری اور ابن ماجہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۰۷۔ اور شیطان کے دو سینگوں سے مراد یا تو حقیقت ہے یا مجاز مراد ہے یعنی اس کی حکومت اور اس کے وغیرہ کا گلہ۔ ❹ بروایت مسلم از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اسی معنی میں ایک اور حدیث ہے جو حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے ہوتی ہے جس کا ذکر حضرت بریدہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے دن عصر کی نماز ادا کی اور سورج سفید چمکدار تھا اس پر کوئی پیلاہٹ نہ تھی۔ ❺ بروایت ابوداؤد و ترمذی۔ انہوں نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ❻ امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح کہا ہے یہ مدنظر رہے کہ علامہ شوکانی نے صلاۃ الوسطی کے بارے میں سولہ اقوال نقل فرمائے ہیں۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۱۱۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ فجر کی نماز صلاۃ وسطی ہے کیونکہ نسائی کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کردہ حدیث اس کی مؤید ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ رات کو سفر کیا اور رات کو ایک جگہ پڑاؤ ڈالا آپ کی آنکھ جب کھلی جب سورج تھوڑا یا پورا نکل آیا تھا۔ آپ نے اس وقت تک نماز ادا نہ کی جب تک سورج بلند نہیں ہو گیا آپ نے نماز ادا فرمائی۔ اور یہ صلاۃ وسطی ہے۔ پہلی رائے زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس بارے میں منقول احادیث صحیح ہیں۔

۴۔ **مغرب کا وقت**...... اس کا وقت بالاجماع سورج غروب ہونے سے شروع ہوتا ہے یعنی سورج کی ٹکیہ مکمل غائب ہو جانے پر اور جمہور فقہاء یعنی احناف حنابلہ اور اظہر قول شوافع کا بھی یہ ہے اور یہ امام شافعی کا مذہب قدیم ہے، ان کے نزدیک اس کا وقت شفق کے غائب ہونے تک رہتا ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے مغرب کا وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق غائب نہ ہو۔ ❶

صاحبین حنابلہ اور شوافع کے ہاں شفق سے مراد سرخ شفق ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ شفق سے مراد سرخی ہے ❷ احناف کے ہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے امام ابوحنیفہ کا رجوع اس قول کی طرف ثابت ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس سے مراد وہ سفیدی ہے جو افق میں ہوتی ہے اور عموماً سرخی ختم ہونے کے بعد نمودار ہوتی ہے۔ اس کے بعد سیاہی آتی ہے۔ ان دونوں شفق میں تین درجوں کا فرق ہے، اور ہر درجہ چار منٹ کا ہوتا ہے گویا شفق ابیض شفق احمر سے بارہ منٹ مؤخر ہوتی ہے) ان کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے اور مغرب کا آخری وقت جب ہوتا ہے جب افق سیاہ ہو جائے ❸ یہ بات حضرت ابوبکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت معاذ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

مالکیہ کا مشہور قول اور امام شافعی کا جدید مذہب جو کہ غیر اظہر ہے اور شوافع کے ہاں معمول بہ بھی یہی ہے کہ: مغرب کا وقت وضوء کرنے ستر عورت کا اہتمام کرنے اذان واقامت اور پانچ رکعات کی ادائیگی کے بقدر رہتا ہے۔ یعنی اس کا وقت مضیق (تنگ) ہے لمبا نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں دنوں میں ایک ہی وقت میں نماز پڑھائی جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے جو پہلے گزری۔ تو اگر مغرب کا کوئی اور آخری وقت ہوتا تو اس کو ضرور بیان فرماتے جیسے باقی نمازوں کے اوقات بیان فرمائے۔ تاہم اس بات کو دوسرے حضرات یہ کہہ کر رد کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مختار اور فضیلت والا وقت بیان کیا اور وقت جواز جو کہ ہمارا اختلافی مسئلہ ہے تو حدیث میں اس سے کوئی تعرض نہیں۔

۵۔ **عشاء کا وقت**...... مذاہب کی بیان کردہ تفصیلات کے مطابق یہ وقت شفق احمر کے غائب ہونے کے بعد سے شروع ہو کر صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے تک رہتا ہے مذہب حنفی میں مفتی بہ قول یہی ہے۔ دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے جو پہلے گزرا کہ شفق سے سرخی مراد ہے جب یہ غائب ہو جائے تو نماز واجب ہو جاتی ہے۔ اور حضرت ابوقتادہ والی حدیث بھی اس کی دلیل ہے جو امام مسلم نے روایت کی ہے کہ کوتاہی سو جانے میں نہیں ہے کوتاہی کا اعتبار اس پر ہے جو نماز نہ پڑھے حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت داخل ہو جائے۔ یہ

---

❶ ...... بروایت امام مسلم از حضرت عبداللہ بن عمرو۔ سبل السلام ج ۱ ص ۱۰۶۔ ❷ بروایت دارقطنی اس کو ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے دیگر حضرات نے اس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف قرار دیا ہے اور حدیث مکمل اس طرح ہے تو جب شفق غائب ہو جائے تو نماز واجب ہو جاتی ہے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے مغرب کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے کہ شفق کی سرخی غائب ہو جائے سبل السلام ج ۱ ص ۱۱۴، علامہ نووی فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔ ❸ یہ حدیث امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں اور بلاشبہ اس کا۔ یعنی مغرب کا۔ آخری وقت جب ہوتا ہے جب یہ افق میں غائب ہو جائے اور اس کا غائب ہونا بھی متحقق ہوتا ہے جب وہ سفیدی غائب ہو جائے جو سرخی کے بعد آتی ہے تاہم یہ حدیث سنداً درست نہیں ہے نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۳۰) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ یہ نماز اس وقت تک ادا کرتے جب تک افق پر سیاہ نہ ہو جاتا۔

حدیث وضاحت سے یہ بتاتی ہے کہ ہر نماز کا وقت دوسری نماز کے وقت شروع ہونے تک رہتا ہے تاہم اس کلیئے سے باتفاق واجماع امت فجر کی نماز کا وقت خارج ہے (کہ وہ دوسری نماز یعنی ظہر تک نہیں ہوتا ہے)

عشاء کا افضل اور مختار وقت ایک تہائی رات یا آدھی رات ہے دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اگر میری امت پر بھاری نہ ہوتا تو میں انہیں حکم دیتا کہ وہ عشاء رات کے تہائی یا نصف تک مؤخر کردیں ❶ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کو آدھی رات تک مؤخر کیا پھر اسے ادا فرمایا ❷ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہوتا ہے۔ ❸

رہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات کافی تاخیر فرمائی یہاں تک کہ رات کا بڑا حصہ گزر گیا اور اہل مسجد سو گئے پھر آپ تشریف لائے اور نماز پڑھی اور فرمایا: بے شک یہ اس کا وقت ہے اگر میں اپنی امت پر اس کو بھاری نہ سمجھتا ❹ تو اس حدیث میں اگرچہ اس کا اشارہ ہے کہ عشاء کے مختار اور افضل وقت کو آدھی رات کے بعد بھی ہونا چاہئے لیکن اس حدیث کی تاویل کی گئی ہے اور عامۃ اللیل رات کے بڑے حصے سے مراد بہت سا حصہ ہے اکثر حصہ شب مراد نہیں۔

وتر کا اول وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے اور اس کا آخری وقت طلوع فجر سے پہلے پہلے تک ہے۔

افضل یا مستحب وقت.....نمازوں کے افضل یا مستحب وقت کے بارے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں احناف فرماتے ہیں ❺ کہ مردوں کے لئے فجر کی نماز (اسفار) روشنی میں پڑھنا مستحب ہے (یعنی جب تھوڑی بہت روشنی ہو جائے) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فجر کی نماز کو روشن کر کے پڑھو یہ بڑے اجر کا باعث ہے ❻ اور اس کی حد یہ ہے کہ سفیدی اور روشنی ہونے کے بعد جب نماز شروع کی جائے تو قرأت مسنونہ کے ساتھ ادا کی جا سکے۔ قرأت مسنونہ کا مطلب ہے ترتیل کے ساتھ چالیس سے ساٹھ کے قریب آیات تلاوت کی جا سکیں، اور اتنا وقت بچے کہ نماز خراب ہونے کی صورت میں طہارت کے ساتھ اس کو دوبارہ ادا کیا جا سکے۔ اور دوسری وجہ روشنی میں پڑھنے کے افضل ہونے کی یہ ہے کہ اس حالت میں پڑھنے سے نمازی زیادہ شریک ہو سکیں گے، اور جلدی پڑھ لینے سے نمازی کم شریک ہو پائیں گے، اور نمازیوں کی تعداد بڑھانے والا عمل بہرحال افضل عمل ہے۔ اور ایک اور بات یہ ہے کہ اس فضلیت کا حاصل کرنا آسان ہو سکے گا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حدیث حسن ہے کہ جو شخص فجر کی نماز باجماعت ادا کرے پھر بیٹھ کر اللہ کے ذکر میں مشغول رہے سورج طلوع ہونے تک پھر دو رکعت ادا کرے تو اس کو ایک مکمل حج کا ایک مکمل عمرے کا ثواب ملے گا۔

خواتین کے لئے اندھیرے میں فجر ادا کرنا افضل ہے کیونکہ یہ زیادہ باعث ستر ہے فجر کی علاوہ نمازوں میں انہیں مردوں کے جماعت سے فارغ ہونے کا انتظار کرنا چاہئے۔ اسی طرح اندھیرے میں مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے پڑھنا افضل ہے جب وہ حج کر رہے ہوں اور مزدلفہ میں ہوں۔

اور گرم علاقوں وغیرہ میں گرمیوں میں ظہر کی نماز نسبتاً ٹھنڈا اور مؤخر کر کے پڑھنا مستحب ہے اور اتنا مؤخر کرنا چاہئے کہ چیزوں کا سایہ بننے

---

❶ بروایت امام احمد، ابن ماجہ اور ترمذی، انہوں نے حدیث کو صحیح بھی قرار دیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۱۔ ❷ متفق علیہ۔ حوالہ گذشتہ ص ۱۲۔ ❸ بروایت امام ابوداؤد، احمد، مسلم اور نسائی۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۰۶۔ ❹ بروایت امام مسلم ونسائی حوالہ بالا ج ۲ ص ۱۲۔ ❺ اللباب ج ۱ ص ۶۱ اور بعد کے صفحات فتح القدیر اور عنایہ ج ۱ ص ۱۵۶۱۔ اور بعد کے صفحات۔ ❻ یہ حدیث سات صحابہ نے روایت کی ہے۔ (۱) حضرت رافع بن خدیج (۲) حضرت بلال (۳) حضرت انس (۴) حضرت قتادۃ بن نعمان (۵) حضرت ابن مسعود (۶) حضرت ابوہریرۃ اور (۷) حضرت انصار رضی اللہ عنہم حضرت رافع بن خدیج سے چاروں اصحاب سنن نے روایت کی ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص [illegible]

لگے(دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جو پہلے گزری کہ ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے بڑھنے کی وجہ سے ہوتی ہے گرمی کے علاوہ سردی بہار اور خزاں کے موسم میں اس کو جلدی پڑھنا افضل ہے دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سردی بڑھ جانے پر نماز جلدی ادا کیا کرتے تھے اور گرمی بڑھ جانے پر نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے۔❶

عصر کو مطلقاً مؤخر کر کے پڑھنا مستحب ہے تا کہ نوافل ادا کرنے کی گنجائش زیادہ سے زیادہ مل سکے، تاہم اتنا مؤخر نہیں کرنا چاہئے کہ سورج میں تغیر پیدا ہو جائے اور اس کی روشنی کم ہو جائے، اور اس کو دیکھنے سے آنکھیں، چندھیا ئیں نہیں، خواہ سردی کا زمانہ ہو یا گرمی کا، وجہ تاخیر کے افضل ہونے کی یہ ہے کہ زیادہ نوافل ادا کرنے کی گنجائش مل جاتی ہے، کیونکہ عصر کے بعد نوافل مکروہ ہوتے ہیں۔

مغرب کو مطلقاً جلدی ادا کرنا افضل ہے۔لہٰذا اذان مغرب اور اقامت کے مابین صرف تین آیات کی بقدر یا تھوڑی سی دیر بیٹھنے کے بقدر فصل کرنے کی اجازت ہے، اس کی تاخیر مکروہ ہے کیونکہ اس میں یہودیوں سے مشابہت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت اس وقت تک خیر پر رہے گی۔ یا یہ کہا کہ۔فطرت پر رہے گی جب تک وہ مغرب کو اتنا مؤخر نہ کرے کہ ستارے آپس میں گڈمڈ ہو جائیں (یعنی اتنے زیادہ ہو جائیں کہ آپس میں گڈمڈ ہونے لگیں)۔❷

رات کی پہلی تہائی تک عشاء کا مؤخر کرنا افضل ہے بادل نہ ہونے کی صورت میں بادلوں کے ہونے کی صورت میں اس کی تعجیل مستحب ہے۔دلیل وہ احادیث ہیں جو پہلے گزریں کہ اگر میری امت پر بھاری نہ ہوتا تو میں ان کو حکم دیتا کہ وہ عشاء کو تہائی رات یا نصف رات تک مؤخر کریں۔

جو شخص رات کو نوافل پڑھنے کا عادی ہو (یعنی تہجد پڑھنے کا) اور رات کو جاگنے کا اس کو بھروسہ ہو اس کے لئے وتر کو آخری رات تک مؤخر کرنا افضل ہے۔اور اگر اپنے جاگنے کا بھروسہ نہ ہو تو سونے سے قبل پڑھ لینا چاہئے۔کیونکہ حدیث میں ہے جو شخص خدشہ محسوس کرے کہ وہ رات کے آخر میں نہیں اٹھ سکے گا تو اس کو چاہئے کہ وہ پہلے ہی وتر ادا کر لے اور جو آخر میں اٹھ کر ادا کرنے کا خواہشمند ہو تو وہ رات کے آخر میں ادا کرے کیونکہ رات کی نماز حاضر کی جاتی ہے (یعنی مقبول ہوتی ہے یا فرشتے اس کے پڑھنے والے کے پاس آتے ہیں) اور یہ افضل ہوتی ہے۔❸

مالکیہ فرماتے ہیں❹ کہ افضل وقت مطلقاً ہر نماز کے لئے ظہر ہو یا کوئی اور ایک فرد پڑھے یا جماعت سے پڑھی جائے سردی کی شدت ہو یا گرمی کم ہو ہر حالت میں پہلا وقت ہے کیونکہ اول وقت میں اللہ کی خوشنودی ہوتی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پوچھنے والے کے جواب میں فرمایا تھا جس نے پوچھا تھا: کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اپنے وقت پر نماز ادا کرنا❺ یا یہ فرمایا اول وقت میں نماز ادا کرنا۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ نماز اول وقت میں اللہ کی خوشنودی ہے اور آخر وقت میں اس کی مغفرت ہے❻ لہٰذا فجر عصر اور مغرب میں تعجیل افضل ہے۔

---

❶ نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۴۴۔❷ یہ حدیث امام ابو داؤد نے اپنی سنن ابو داؤد میں روایت کی ہے۔نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۴۶۔❸ بروایات امام مسلم از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۴۹۔❹ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۲۷ اور بعد کے صفحات الشرح الکبیر وللدسوقی ج ۱ ص ۱۷۹ اور بعد کے صفحات القوانین الفقھیۃ ص ۴۳۔❺ یہ حدیث امام بخاری اور دار قطنی وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے امام حاکم نے اس کو شرط شیخین کے مطابق قرار دیا ہے صحیحین کے الفاظ ہیں الصلاۃ لوقتھا۔❻ یہ حدیث امام ترمذی نے روایت کی ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ کی خوشنودی نیک لوگوں کے لئے ہوتی ہے اور مغفرت و معافی غالب یہ ہے کہ کوتاہی برتنے والوں کے لئے ہوتی ہے۔

تاہم مشہور قول کے مطابق افضل یہ ہے کہ ظہر کو سردی اور گرمی دونوں میں اتنا مؤخر کیا جائے کہ انسانی قد کے اصلی سائے کے علاوہ چوتھائی سایہ بن جائے یعنی بقدر ذراع سایہ بن جائے۔ اسی طرح اتنی مدت تک تاخیر جتنی دیر میں چوتھائی قد (ایک ذراع) سایہ بنتا ہے نماز کو جماعت سے ادا کرنے کے لئے یا اس میں اضافہ ہونے کے لئے مستحب ہے تاکہ نماز باجماعت کا ثواب پاسکے۔ اور اگر شدید گرمی کا موسم ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کرکے پڑھنے کے لئے تاخیر مستحب ہے۔

مدونہ میں مذکور ایک ضعیف قول کے مطابق مساجد میں عشاء میں قلیل تاخیر مستحب ہے، تاہم علامہ دسوقی کے بیان کے مطابق راجح مطلقا یہی ہے کہ عشاء کو جماعت کے لئے مقدم کرنا افضل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اول وقت میں ادا کرنا مطلقا افضل ہے سوائے اس صورت کے کوئی شخص جماعت کا انتظار کرے یا گرمی کی صورت میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کی صورت میں۔

شوافع فرماتے ہیں ❶ کہ نماز کو جلدی پڑھنا مسنون ہے خواہ عشاء کی نماز ہو سوائے ظہر کے لہٰذا شدید گرمیوں میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنا مسنون ہے۔ ان احادیث کی مطابق جو مذہب حنفیہ اور مالکیہ کے بیان میں گزریں اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ٹھنڈے وقت میں مؤخر کرکے پڑھنا صرف گرم علاقوں کے لئے ہے، مسجد وغیرہ میں جماعت کے لئے ہے جیسے مثلاً اسکول، کالج، مدرسے وغیرہ کہ جہاں دور سے لوگ آتے ہوں۔

مغرب کو عشاء کہنا اور عشاء کو عتمہ کہنا مکروہ ہے کیونکہ اس بارے میں ممانعت وارد ہے ❷ عشاء کی نماز سے قبل سونا اور اس کے بعد بات چیت کرنا مکروہ ہے ماسوا بھلائی کے باتوں کے کیونکہ صحاح ستہ کے حضرات نے حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عشاء کو مؤخر کرنا پسند فرماتے تھے جس کو لوگ عتمہ کہتے ہیں اور آپ نماز سے قبل سونا اور اس کے بعد بات چیت ناپسند کرتے تھے۔

حنابلہ فرماتے ہیں ❸ کہ نماز اول وقت میں پڑھنا افضل ہے ماسوا عشاء کی نماز کے اور شدید گرمی میں ظہر کے علاوہ اور بادلوں کے ہونے کی صورت میں مغرب کے علاوہ کہ ان تینوں نمازوں کو ان صورتوں میں مؤخر کرنا افضل ہے۔ عشاء کی نماز اس کے آخری وقت تک مؤخر کرنا جو افضل وقت ہے، مستحب ہے یعنی تہائی رات یا نصف شب تک بشرطیکہ نمازیوں پر یا ان میں سے کچھ پر بھاری نہ ہو ایسی صورت میں اس کو مؤخر کرنا مکروہ ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر عمل کرتے ہوئے کہ اگر میری امت پر بھاری نہ ہوتا تو میں ان کو حکم دیتا کہ وہ عشاء کو تہائی رات یا آدھی رات تک مؤخر کردیں۔ دوسری بات یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تخفیف برتنے کا حکم فرمایا کرتے تھے امت پر نرمی کی خاطر۔

گرمی ہونے کی صورت میں ظہر کو بہر حال مؤخر کرنا مستحب ہے اور عشاء کے وقت میں اس کی تعجیل مستحب ہے اس حدیث کی بناء پر جو پہلے گزری کہ جب گرمی بڑھے تو ٹھنڈے وقت میں نماز ادا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے بڑھنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔

---

❶ .... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۲۵ اور بعد کے صفحات، المهذب ج ۱ ص ۵۳۔ ❷ پہلی چیز کی ممانعت بخاری کی روایت میں ہے کہ تمہارے مغرب کی نماز کے نام پر بدو ہرگز غالب نہ آجائیں بدو مغرب کو عشاء کہا کرتے تھے دوسری چیز کی ممانعت مسلم کی روایت ہے کہ تمہاری نماز کے نام پر اعراب ہرگز غالب نہ آجائیں خبردار یہ عشاء ہے بدو اونٹوں کو اندھیرے میں لے جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے اونٹ کے دودھ دوہنے کو اندھیرے میں کرتے ہیں مفہوم یہ ہے کہ یہ اس کو عتمہ کہتے ہیں لیکن یہ اونٹوں کے دودھ دوہنے کا کام رات اندھیرے میں کرتے ہیں (یعنی عتمہ (رات دیر سے کئے جانے والی چیز) سے مراد یہ عشاء لیتے ہیں جب کہ اصلا یہ دودھ دوہنے کے عمل کا نام ہے) یہ دوسری حدیث امام احمد، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی نقل کی ہے۔ نیسل الاوطار ج ۲ ص ۱۲۔ ❸ المغنی ج ۱ ص ۳۸۵، ۳۸۸۔ ۳۹۵ کشف القناع ج ۱ ص ۲۹۱۔ ۲۹۵۔

ابر آلود ہونے کی صورت میں مغرب اور ظہر کی تاخیر مستحب ہے اور عصر اور عشاء کی تعجیل مستحب ہے، کیونکہ ایسی صورت میں بارش، ہوا اور ٹھنڈ وغیرہ جیسے عوارض پیش آنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو پہلی نماز کو مؤخر کر کے دو نمازوں کے مابین جمع کرنے کا عمل بارش وغیرہ سے بچنے کے لئے اور دوسری نمازوں کو جلدی پڑھ لینے میں اس مشقت و تکلیف سے بچنا ممکن ہوتا ہے جو ان عوارض کی بناء پر لاحق ہو سکتی ہے حنابلہ کے ہاں عشاء کو عتمہ کہنا مستحب نہیں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی کو عتمہ کہتا سنتے تو غضبناک ہو جاتے اور چیختے اور فرماتے کہ یہ عشاء ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ افضل وقت اول وقت ہے احناف فجر میں اسفار (روشنی میں کر کے پڑھنا) کو افضل سمجھتے ہیں، جمہور اس کو جلدی پڑھنے کو افضل کہتے ہیں، اور سب حضرات ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کو مستحب قرار دیتے ہیں، احناف عصر کو مؤخر کر کے پڑھنے کو افضل سمجھتے ہیں مالکیہ اس شخص کے لئے تاخیر کو مستحب قرار دیتے ہیں جو جماعت کے انتظار میں ہو۔ اور حنابلہ عشاء کو مؤخر کرنے کو مستحب قرار دیتے ہیں اسی طرح ابر آلود موسم میں بارش کے خدشے کے پیش نظر ظہر اور مغرب کو جمع بین الصلا تین دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کے لئے) مستحب قرار دیتے ہیں۔

نماز کس وقت میں ادا شدہ شمار ہوگی؟ اس لئے شریعت کی طرف سے خاص کردہ یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ نماز اگر اپنے وقت میں سے کسی بھی حصے میں ادا کر لی جائے تو وہ ادا شمار ہوتی ہے، اور اگر وقت کے دوران ہی اسے پہلی دفعہ میں کسی خلل یا فساد واقع ہونے کی بناء پر دوبارہ ادا کیا جائے تو اس کو اعادہ (نماز لوٹانا) کہا جاتا ہے اور وقت مقرر گزر جانے کے بعد ادا کی جانے والی نماز قضاء کہلاتی ہے تو قضاء کی تعریف ہوئی، واجب چیز کو وقت گزرنے کے بعد انجام دینا اور اگر نمازی کو وقت میں نماز کا صرف کچھ حصہ ہی مل سکا تو کیا وہ نماز ادا شمار ہوگی یا نہیں؟ فقہاء کی اس بارے میں دو قسم کی آراء ہیں پہلی رائے احناف کی ہے اور حنابلہ کی بھی راجح قول کے مطابق یہی رائے ہے دوسری رائے مالکیہ اور شوافع کی ہے۔

ا۔ پہلی رائے...... احناف کے نزدیک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول دو روایتوں میں راجح قول کے مطابق [1] حنابلہ کے نزدیک بھی نماز کے خاص مقررہ وقت میں اگر تکبیر تحریمہ کہہ دی تو اس کی نماز ادا شمار ہوگی۔ خواہ اس شخص نے عذر کی وجہ سے نماز مؤخر کی ہو جیسے حائضہ جو بالکل آخر وقت میں پاک ہوئی ہو یا پاگل کو بالکل آخر وقت میں افاقہ ہوا ہو اور خواہ اس شخص نے بلا عذر اتنا مؤخر کیا ہو۔ دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے عصر کا ایک سجدہ سورج غروب ہونے سے قبل پالیا یا فجر کی نماز کا ایک سجدہ سورج طلوع ہونے سے قبل پالیا تو اس نے نماز کو پالیا [2] اور بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں فلیتم صلاتہ (تو وہ اپنی نماز پوری کرلے) اور یہ ایسے ہی درست ہے جیسے مسافر کا مقیم کی نماز کو پالینا یا جماعت کو پانا، اور اس لئے بھی درست ہے کہ بقیہ نماز اس کے تابع شمار ہوگی، جو وقت میں ادا ہوا ہے۔

۲۔ دوسری رائے...... یہ مالکیہ کی اور اصح قول کے مطابق شوافع کی رائے ہے [3] ان کے ہاں نماز جب ادا شمار ہوگی جب ایک مکمل رکعت دو سجدوں سمیت وقت میں ادا ہوئی ہو اور اگر ایک رکعت سے کم وقت میں ادا ہوئی ہو تو وہ قضاء شمار ہوگی دلیل اس کی بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ جو شخص نماز کی ایک رکعت پالے اس نے پوری نماز پالی [4] مراد ہے اس نے ادا نماز پالی، اور اس کا مفہوم یہ ہوا کہ جس نے پوری رکعت نہ پائی اس کی نماز ادا شمار نہیں ہوگی ان دونوں معاملوں میں فرق یہ ہے کہ رکعت نماز کے اکثر افعال پر مشتمل ہوتی ہے اور اس کے بعد افعال اسی کی طرح کے ہوتے ہیں، گویا ان کو مکرر انجام دیا جا رہا ہوتا ہے۔ تو یہ اس کے تابع ہو جاتے ہیں۔

---

[1]..... الدر المختار ج ا ص ۶۷۷ کشاف القناع ج ا ص ۲۹۸ المغنی ج ا ص ۳۷۸۔ [2] بروایت امام مسلم احمد نسائی اور ابن ماجہ تاہم امام مسلم نے یہ فرمایا ہے کہ سجدہ سے رکعت مراد ہے۔ [3] الشرح الصغیر ج ا ص ۲۳۱ القوانین الفقهیه ص ۴۶ مغنی المحتاج ج ا ص ۱۳۶ المهذب ج ا ص ۵۴ نهایة المحتاج ج ا ص ۲۸۰۔ [4] نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۵۱

اور بظاہر یہی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ سجدے سے مراد رکعت ہے۔ دلیل اس کی وہ بات ہے جو امام مسلم نے ذکر کی اور صحاح ستہ کے حضرات کی روایت ان الفاظ سے: جس شخص نے صحیح کی نماز میں سے ایک رکعت پالی اس نے..... (الی آخرہ)

وقت کے بارے میں کوشش اور غور وفکر..... جو شخص نماز کے وقت کو نہ جان سکے بادلوں کے ہونے کے سبب سے یا اندھیری جگہ میں بند ہونے کے سبب ❶ یا ایسے شخص کے نہ ہونے کے سبب جو قابل بھروسہ ہو اور اس کو بتا سکے اور اس شخص کے پاس گھڑی بھی نہ ہو جو اس کو وقت بتا سکے تو وہ وقت کے داخل ہونے کا اندازہ لگائے اور اس بارے میں غور وفکر کرے اور مختلف چیزوں مثلاً قرآن کریم کی تلاوت کی آواز درس ومطالعہ وغیرہ اور نماز۔ اس طرح سلائی کی آواز اور آزمودہ مرغ کی اذان وغیرہ سے وقت کا اندازہ لگائے اور اپنے ظن وگمان کے مطابق عمل کر لے جو اس کے گمان پر غالب ہو اور اگر وقت کے بارے میں یقینی صورت کا علم آنکھوں سے دیکھنے سے عاجز ہونے کے سبب سے ہو یا کسی اور سبب سے ہو تو اس صورت میں کوشش اور غور وفکر کرنا لازم ہوگا مثلاً فجر یا سورج کے نکلنے کا معلوم کرنے کے لئے نکلنا اور اگر ان چیزوں کو انجام دینے کی قدرت ہو تو اس صورت میں غور وفکر وغیرہ جائز ہوگا واجب نہیں۔

اور اگر کسی قابل بھروسہ اور پر اعتماد شخص نے مرد یا عورت نے وقت کے داخل ہونے کا اس کو بتایا اور وہ بھی جانتے ہوئے یعنی خود مشاہدے کے بعد تو اس پر عمل کر لینا اس کے لئے درست ہوگا، کیونکہ یہ ایک دینی معاملے کی خبر ہے جو غور وفکر کرنے والے کو قابل بھروسہ آدمی کی طرف سے ہونے کی وجہ سے ماننا ہوگی جیسے رسول خدا کا فرمان ایک عام امتی کے لئے۔ ہاں اگر وہ خود اپنے اجتہاد (غور وفکر) سے اس کو بتائے تو اس پر اس کی بات ماننا لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کی پیروی لازم نہیں ہوتی۔

اور اگر وقت کے شروع ہونے کے بارے میں شبہ ہو تو اس وقت تک ادا نہ کرے جب تک یقین نہ ہو جائے کہ وقت شروع ہو چکا ہے، یا اس کا ظن غالب نہ ہو جائے کہ وقت شروع ہو چکا ہے اور اس صورت میں اس کے لئے نماز مباح ہوگی تاہم اس کی قدرے تاخیر پھر بھی مستحب ہے تاکہ ظن غالب میں مزید پختگی پیدا ہو جائے ہاں اگر وقت ہی نکلنے کا خدشہ ہونے لگے تب تاخیر مستحب نہ رہے گی۔

اور اگر اس کو یقین ہو جائے کہ نماز قبل از وقت ہوئی ہے، خواہ وہ ایسے ثقہ اور با اعتماد شخص کے بتانے سے ہی کیوں نہ ہو جس کی روایت قابل قبول ہو اور اس نے اپنے مشاہدے سے بتایا ہو تو شوافع کے اظہر قول کے مطابق اور اکثر علماء کے نزدیک وہ قضاء کرے گا۔ اور اگر قبل از ادا کرنے کا یقین نہ ہو تو اس پر قضاء لازم نہیں ہوگی۔ قضاء لازم ہونے کی صورت کی دلیل وہ روایت ہے جس میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز لوٹائی تھی، کیونکہ انہوں نے قبل از وقت ادا کر لی تھی۔ دوسری بات یہ کہ نماز کی ادائیگی کا حکم وقت داخل ہونے پر ہی مکلف پر لازم ہوتا ہے، اور جب ذمہ سے وہ ساقط نہ ہوئی ہو تو علی حالہ وہ باقی رہے گی۔

نماز میں تاخیر کرنا۔ نماز کو آخر وقت تک مؤخر کر دینا درست ہے، دار قطنی کی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پہلا وقت اللہ کی رضا وخوشنودی کا ہے اور آخر وقت اللہ کی مغفرت کا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم تاخیر کرنے کو جائز نہ قرار دیں تو لوگوں پر بڑی تنگی ہو جائے گی، لہٰذا ان کو مؤخر کرنے کی اجازت دیدی گئی لیکن اگر کسی نے نماز اتنی مؤخر کر دی کہ دوران نماز نماز کا وقت نکل گیا (یعنی وہ نماز پڑھ رہا تھا) تو وہ شخص گنہگار ہوگا لیکن نماز بہر حال ہو جائے گی۔ ❷

مکروہ اوقات..... سنت نبوی سے پانچ اوقات میں نماز کی ممانعت ثابت ہوتی ہے تین کا ذکر ایک حدیث میں ہے، اور دو کا دوسری حدیث میں۔ تین کا ذکر تو حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے جو امام مسلم نے روایت کی ہے کہ تین وقت ایسے

---

❶ ..... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۲۷ المغنی ج ۱ ص ۳۸۶، ۳۹۵ بجیرمی الخطیب ج ۱ ص ۳۵۵ نہایۃ المحتاج، ج ۱ ص ۲۸۱۔

❷ المہذب ج ۱ ص ۵۳ المحرر فی الفقہ الحنبلی ج ۱ ص ۲۸

ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے اور مردوں کی تدفین سے بھی روکتے تھے۔

۱.....جب سورج طلوع ہوتا تھا جب تک کہ وہ اونچا نہ ہوجاتا۔❶

۲.....اور جس وقت سورج بیچ آسمان میں پہنچتا۔❷ جب تک زوال نہ ہوجاتا۔

۳.....اور جس وقت سورج ڈوبنے کو ہوتا۔❸

ان تین اوقات میں خاص طور پر دو امور منع ہیں:

۱.....مردوں کی تدفین۔

۲.....نماز باقی دو اوقات کے بارے میں وہ حدیث ہے جو بخاری اور مسلم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: صبح کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں ہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجائے اور عصر کے بعد کوئی نماز نہیں ہے یہاں تک کہ سورج غروب ہوجائے، مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں ہے۔ان دو وقتوں میں صرف نماز پڑھنا ممنوع ہے۔

یہ پانچ ممنوع اوقات ہیں:

۱.....فجر کی نماز کے بعد کا وقت جب تک سورج طلوع ہوکر اتنا روشن نہ ہوجائے کہ آنکھوں میں سوئی کی طرح چبھنے لگے۔

۲.....سورج کے طلوع ہونے کا وقت یہاں تک کہ وہ ایک نیزے کے برابر اوپر ہوجائے یعنی اس کے طلوع ہونے کے تین ساعت بعد تک۔

۳.....وقت استواء❹ میں یہاں تک کہ زوال ہوجائے یعنی ظہر کا وقت داخل ہوجائے۔

۴.....سورج کے زرد پڑجانے کے بعد یہاںتک کہ وہ غروب ہوجائے۔

۵.....عصر کی نماز کے بعد یہاںتک کہ سورج غروب ہوجائے۔

ان اوقات میں نماز اور نوافل کی ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ پہلے تین اوقات میں نماز سے ممانعت کی وجہ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہوتی ہے جو مسلم ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے اور وہ یہ ہے کہ سورج طلوع ہوتے وقت شیطان کی دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتی ہے اور کفار اس کے لئے عبادت وغیرہ کرتے ہیں اور استواء شمس کے وقت جہنم میں آگ بھڑکائی جاتی ہے اور اس کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور غروب کے وقت وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے۔اور کفار اس وقت عبادت کرتے ہیں تو حکمت یا تو سورج کے پجاری کفار سے مشابہت سے بچنا ہے یا یہ ہے کہ زوال کا وقت وقت غضب ہوتا ہے۔

اور فجر اور عصر کے بعد نوافل کی ادائیگی سے ممانعت وقت کے اندر پائی جانے والی کسی خرابی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ وقت گویا حکماً وقت کے فرض میں ہی مشغول ہے اور وہ حقیقی نفل سے افضل ہے۔

اور اس ممانعت سے حاصل ہونے والے حکم کی نوعیت کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ حنابلہ کے ہاں ان پانچوں اوقات میں نفل مکروہ

❶..... حضرت عمرو بن عنبسہ کی حدیث سے اس کی بلندی کی مقدار بھی معلوم ہوجاتی ہے جس کے الفاظ ہیں اور وہ بلند ہوجائے ایک یا دو نیزے کے برابر یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے اور نیزے کی لمبائی ڈھائی میٹر ہوتی ہے یا سات ذراع تقریباً آنکھوں کے دیکھنے سے۔ مالکیہ فرماتے ہیں بارہ بالشت ❷ حضرت ابن عنبسہ کی حدیث کے الفاظ ہیں یہاں تک کہ نیزہ اپنے سائے کے برابر ہوجائے حدیث میں وارد لفظ قائم الظہیرۃ سے مراد ہے سورج کا استواء کے وقت ہونا۔❸ سبل السلام ج ۱ص ۱۱۱، اور بعد کے صفحات میں دونوں حدیثیں ملاحظہ کیجئے۔❹ وقت زوال کے بجائے وقت استواء سے تعبیر زیادہ بہتر ہے کیونکہ زوال کے وقت نماز بالا جماع مکروہ نہیں ہے زوال شمس تو نصف النہار کے بعد ہی ہوتا ہے۔

ہیں، مالکیہ کے ہاں تین اوقات میں مکروہ ہے اور آخری دونوں وقتوں میں مکروہ تنزیہی ہے۔احناف کے ہاں پانچوں اوقات میں مکروہ تحریمی ہے شوافع کے ہاں پہلے تین اوقات کے بارے میں بھی اصح قول یہی ہے ❶ اور آخری دو وقتوں کے بارے میں شافعی مذہب کا مشہور قول یہ ہے کہ ان میں پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔

اور حرام ہونا یا مکروہ تحریمی ہونا ❷ نماز کے نہ ہونے کا کس حیثیت میں تقاضا کرتا ہے اس بارے میں اختلاف کا ذکر آگے آرہا ہے۔

مکروہ نمازوں کی نوعیت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے:

ا۔تین اوقات، طلوع شمس غروب شمس، وقت استواء۔

احناف فرماتے ہیں ❸ کہ ان اوقات میں ہر نماز مطلقاً ممنوع ہے فرض ہو یا نفل ہو یا واجب ہو خواہ وہ اس کی قضاء ہی کیوں نہ ہو جو ذمے میں واجب ہو یا نماز جنازہ ہو یا سجدہ تلاوت ہو یا سجدہ سہو سوائے معتمد قول کے مطابق جمعے کے دن اس وقت نفل پڑھنا اور اسی دن کی عصر کی نماز ادا کرتے ہوئے کراہت کا تقاضا یہ ہے کہ فرض ادا نہیں ہوگا اور نہ ہی فرض سے ملحق چیز یعنی واجب منعقد ہوگا۔اور نفل شروع کر لینے سے لازم ہو جائے گی کراہت تحریمیہ کے ساتھ، لہٰذا اگر دوران نماز ان مکروہ اوقات میں سے کوئی وقت شروع ہو جائے تو وہ نماز باطل ہو جائے گی سوائے اس نماز جناز کے جو جنازہ اسی وقت حاضر ہوا ہو اور سجدۂ تلاوت کے جس کی آیت کی تلاوت اسی وقت ہوئی ہو اور اس دن کی عصر کی نماز اور وہ نفل یا نذر نماز جو اس وقت کے ساتھ مقید ہو فاسد کی قضاء جو اس نے اسی وقت میں شروع کی ہو پھر اس کو فاسد کر لیا ہو۔تو ان چھ چیزوں میں سے پہلی بلا کراہت منعقد ہوگی دوسری کراہت تنزیہیہ کے ساتھ اور بقیہ چار کراہت تحریمی کے ساتھ۔

ان حضرات کی دلیل ان اوقات میں نماز پڑھنے کے بارے میں وارد عمومی ممانعت ہے اور قضاء نماز کے درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فرض نماز کامل طور پر واجب ہوئی تھی لہٰذا اس کی ادائیگی ناقص طور پر درست نہیں ہے۔

سورج کے طلوع ہوتے وقت اس دن کی فجر کی نماز درست نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ کامل وقت میں واجب ہوئی ہے لہٰذا فاسد وقت میں ادائیگی سے یہ باطل ہو جائے گی تاہم عوام کو اس کی ادائیگی سے منع نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس وجہ سے وہ نماز ہی چھوڑ دیتے ہیں، اور اس طرح ادا کر لینا کہ کسی حنفیہ کے نزدیک وہ جائز ہو اس کے ترک کر دینے سے بہتر ہے۔اور عصر کی نماز کراہت تحریمہ کے ساتھ صحیح ہوگی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ جو شخص عصر کی ایک رکعت سورج کے غروب ہونے سے پہلے پالے تو اس نے عصر کو پالیا۔❹

---

❶..... مراقی الفلاح ص ۳۱ الدر المختار ج ص ۳۴۳ الشرح الصغير ج ۱ ص ۲۴۱ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۲۸ حاشية الباجوری ج ۱ ص ۱۹۲ کشف القناع ج ۱ ص ۵۲۸ المغنی ج ۲ ص ۱۰۷ اور بعد کے صفحات۔ ❷ اگر حرام اور مکروہ تحریمی دونوں سے گناہ لازم ہوتا تاہم حرام وہ ہوتا ہے جو قطعی دلیل سے ثابت ہو جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو کتاب سے ہو سنت سے اجماع سے یا قیاس سے اور مکروہ تحریمی وہ ہے جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جو احتمال تاویل رکھے۔ ❸ فتح القدير مع العنايه ج ۱ ص ۱۶۱۔۱۶۶ مراقی الفلاح ص ۳۱ الدر المختار ج ۱ ص ۳۴۳۔۳۴۹۔ ❹ صحاح ستہ کے حضرات نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔جس شخص نے فجر کی ایک رکعت سورج طلوع ہونے سے قبل پالی اس نے فجر کو پالیا اور جس شخص نے عصر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے قبل پالی اس نے عصر کی نماز پالی (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۱) احناف پر اعتراض ہوتا ہے کہ حدیث کی رو سے ان دونوں میں فرق درست نہیں حدیث کی رو سے عصر اور فجر دونوں میں برابری ثابت ہوتی ہے اس کا دفعیہ یہ حضرات اس طرح کرتے ہیں کہ جب اس حدیث میں اور تین اوقات میں نماز کی ممانعت ثابت کرنے والی حدیث میں تعارض واقع ہوا تو تعارض واقع ہونے کی صورت میں اصول کے مطابق ہم نے قیاس کی طرف رجوع کیا اور از روئے قیاس اس حدیث کا حکم عصر کی نماز کے بارے میں اور ممانعت کا حکم فجر کی نماز کے بارے میں لاگو کر دیا (ردالمحتار ج ۱ ص ۳۴۶) اور حق بات یہ ہے کہ یہ تفریق میری نظر میں قابل قبول نہیں کیونکہ اس کی رو سے حدیث کے کچھ حصے پر عمل کرنا اور کچھ کو ترک کرنا لازم آتا ہے۔

وہ سجدہ تلاوت جس کی تلاوت ممنوع اوقات میں ہوئی ہو اس کی ادائیگی ممنوع وقت میں یا نذر مانی ہوئی نماز کی ادائیگی یا اس نفل کی ادائیگی جو اس نے اسی ممنوع وقت میں شروع کر دی ہو ان کی ادائیگی ممنوع اوقات میں کراہت تنزیہیہ کے ساتھ درست ہے۔ کیونکہ وہ اسی وقت میں واجب ہوا ہوتا ہے، اسی طرح جنازہ اگر وقت مکروہ میں حاضر ہو تو اس کی نماز بھی درست ہے کیونکہ ترمذی کی روایت ایک حدیث میں ہے اے علی تین چیزیں قابل تاخیر نہیں ہوتی ہے:

۱.....نماز جب آجائے (یعنی اس کا وقت ہو جائے)۔

۲.....جنازہ جب حاضر ہو۔

۳۔ اور بیوہ عورت کا جب ہم سرل جائے تو اس کی شادی۔

احناف کے ہاں جمعے کے دن زوال کے وقت نوافل پڑھنے کا قول جو کہ صحیح اور معتمد قول ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو مسند امام شافعی میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف النہار کے وقت زوال ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے سوائے روز جمعہ کے۔

۲۔ دوسرے دو ممنوعہ اوقات:.....فجر اور عصر کے نماز کے بعد کے اوقات ان دونوں اوقات میں نفل پڑھنا مکروہ تحریمی ہے خواہ وہ فجر کی سنتیں ہوں یا عصر کی سنتیں ہوں یا تحیۃ المسجد ہوں، یا نذر کی نماز ہو یا دوگانہ طواف ہوں یا سجدہ سہو ہو یا نماز جنازہ ہو۔ کیونکہ اس وقت میں کراہت اس لئے ہے کہ یہ وقت اصل فریضے کی وجہ سے مشغول (غیر فارغ) ہوتا ہے اور جب فرض ادا کر لیا جائے تو دوسرے فرائض یا واجبات کے حق میں کراہت باقی نہیں رہتی ہے (یعنی ان کو ادا کرنا مکروہ نہیں ہوتا ہے) تاہم یہ کراہت کا فرائض اور واجبات کے بارے میں مرتفع ہونا اس وقت تک ہے جب تک سورج پیلا نہ پڑ جائے اگر وہ پیلا پڑ جائے تو اس وقت فرض کی ❶ رو سے ان دونوں میں فرق درست نہیں۔ حدیث کی رو سے فجر اور عصر دونوں میں برابری ثابت ہوتی ہے اس کا دفعیہ یہ حضرات اس طرح کرتے ہیں کہ جب اس حدیث میں اور تین اوقات میں نماز کی ممانعت ثابت کرنے والی حدیث میں تعارض واقع ہوا تو تعارض واقع ہونے کی صورت میں اصول کے مطابق ہم نے قیاس کی طرف رجوع کیا اور از روئے قیاس اس حدیث کا حکم عصر کی نماز کے بارے میں اور ممانعت کا حکم فجر کی نماز کے بارے میں لاگو کر دیا۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۳۴۶) اور حق بات یہ ہے کہ یہ تفریق میری نظر میں قابل قبول نہیں کیونکہ اس کی رو سے حدیث کے کچھ حصہ پر عمل کرنا اور کچھ کو ترک کرنا لازم آتا ہے۔ اس کی قضاء ادائیگی بھی درست نہیں ہوگی خواہ اس شخص نے اس دن کی عصر نہ بھی پڑھی ہو۔ مالکیہ فرماتے ہیں ❷ کہ تین ممنوعہ اوقات میں نفل ممنوع ہے فرض ممنوع نہیں ہے اور فوت شدہ فرض نمازوں کی ادائیگی ان اوقات میں اور ان کے علاوہ میں درست ہے۔ اور ان حضرات کے ہاں نماز جنازہ نذر مانی ہوئی نوافل نفل کی فاسد کی ہوئی نماز اور نماز کے بعد ادا کئے جانے والا سجدہ سہو ان حضرات کے ہاں نوافل کے زمرے میں آتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب سنت ہیں اور اس ممانعت میں عمل در آمد در اصل اس ممانعت پر ہے جو حدیث سے ثابت ہے جو پہلے گذری۔

آخری دو وقتوں (فجر اور عصر کے بعد کے اوقات) میں نفل پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے جب تک کہ سورج طلوع ہونے کے بعد بقدر ایک نیزے کے بلند نہ ہو جائے ❸ اور جب تک مغرب کی نماز ادا نہ کر لی جائے تاہم اس اصول سے نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت مستثنیٰ ہیں ان کو فجر کی نماز کے بعد صبح خوب روشن ہونے سے قبل اور عصر کے بعد سورج کے زرد پڑ جانے سے قبل ادا کرنا مکروہ نہیں ہے، بلکہ مندوب ہے اور فجر کی دو

---

❶.....تاہم اس کی سند ضعیف ہے۔ سبل السلام ج ۱ ص ۱۱۳۔ ❷الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۴۱ القوانین الفقھیہ ص ۴۲ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۸۶ اور بعد کے صفحات ❸ مراد وہ نیزے ہیں جو عرب استعمال کیا کرتے تھے ان کی لمبائی درمیانی ماپ کی بارہ بالشت ہوتی ہیں۔

سنتیں بھی اس سے مستثنیٰ ہیں، یہ فجر طلوع ہونے کے بعد بھی مکروہ نہیں ہیں کیونکہ ان کے بارے میں ترغیب وارد ہے اور یہ رغیبہ ہیں جیسا کہ یہ تفصیل آگے آئے گی۔

اور نفل کی نیت باندھنے والے پر نماز توڑنا واجب ہوگی اگر وہ حرام وقت میں نیت باندھے، اور مکروہ وقت میں نیت باندھنے پر نیت توڑنا مندوب ہوگا اور اس پر قضاء لازم نہیں ہوگی۔

شوافع فرماتے ہیں ❶ نفل نماز معتمد قول کے مطابق تین اوقات میں مکروہ تحریمی ہے اور بقیہ دو وقتوں میں مکروہ تنزیہی ہے۔ اور نماز دونوں صورتوں میں منعقد نہیں ہوگی کیونکہ شریعت میں وارد ممانعت جب خاص ذات عبادت کے لئے وارد ہو یا اس کے ساتھ رہے تو وہ اس کے فساد اور خرابی کو مقتضی ہوتی ہے خواہ وہ تحریمی ہو یا تنزیہی اور کرنے والا دونوں صورتوں میں گناہ گار ہوگا کیونکہ کراہت تنزیہی اگر چہ عموماً گناہ کی مقتضی نہیں ہوتی ہے مگر اس حالت میں نماز پڑھنے والا گناہگار ہوگا۔ کیونکہ وہ فاسد عبادت انجام دے رہا ہے، اور جو شخص ممنوعہ اوقات میں نوافل وغیرہ پڑھے وہ قابل سزا ہے۔ شوافع نے چند حالات کو کراہت کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور وہ یہ ہیں۔ ❷

ا۔ **جمعہ کا دن** ......وقت استواء کے وقت جمعے کے دن نماز مکروہ نہیں کیونکہ بیہقی کی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے منقول روایت کے مطابق یہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نصف النہار کے وقت نماز کی ادائیگی سے ممانعت فرماتے تھے سوائے جمعے کے دن کے۔ اسی طرح امام ابوداؤد کی حضرت ابوقتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول روایت بھی اس معنی ومفہوم میں ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کو ناپسند کرتے تھے سوائے جمعے کے دن کے اور فرماتے تھے کہ جہنم کو روزانہ بھڑکایا جاتا ہے، سوائے جمعے کے ❸ اور ان حضرات کے ہاں اصح قول کے مطابق اس وقت نماز مطلقاً درست ہے خواہ وہ شخص جمعے کی نماز کے لئے جائے یا نہیں۔

۲۔ **حرم مکہ**:......صحیح قول یہ ہے کہ ان اوقات میں حرم مکہ میں نماز مکروہ نہیں ہے کیونکہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنی عبد مناف کسی شخص کو اس گھر کا طواف کرنے سے نہ روکو اور نہ نماز پڑھنے سے روکو دن میں یا رات میں جس وقت وہ چاہے ❹ دوسری وجہ یہ ہے کہ حرم میں نماز کی فضیلت زیادہ ہے لہٰذا وہ کسی حال میں مکروہ نہیں ہونی چاہئے، تاہم یہ خلاف اولیٰ ضرور ہے کیونکہ اس بارے میں اختلاف ہے۔ ❺

۳.....وہ نماز جو ایسے سبب والی ہو جو بعد میں آنے والا نہ ہو، جیسے فوت شدہ نماز گرھن کی نماز تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو اور سجدہ شکر کیونکہ فوت شدہ نماز تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو کا سبب پہلے گزرا ہوتا ہے سورج گرہن کی نماز اور صلاۃ الاستسقاء نماز جنازہ اور طواف کی دوگانہ کا سبب ملا ہوا ہوتا ہے (مقارن ہوتا ہے) اور فوت شدہ فرض یا نفل تو حدیث کی رو سے کسی بھی وقت ادا کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے جو شخص نماز سے سو جائے یا اس کو بھول جائے تو وہ اس کو پڑھ لے جب اس کو یاد آجائے ❻ اور صحیحین کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعت ادا کیں اور فرمایا یہ وہ ہیں جو ظہر کے بعد کی ہیں کسوف (سورج گرہن) کی نماز تحیۃ المسجد وغیرہ کے فوت ہوجانے کا بہت

---

❶...... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۲۸ اور بعد کے صفحات حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۱۹۶ اور بعد کے صفحات۔ ❷ کراھۃ تحریمی اور تنزیہی میں فرق یہ ہے کہ پہلی کراہت گناہ کا باعث ہوتی ہے اور دوسری نہیں۔ ❸ یہ حدیث ضعیف ہے سبل السلام ج ۱ ص ۱۱۳ اور بعد کے صفحات۔ ❹ امام ابوداؤد فرماتے ہیں یہ حدیث مرسل ہے اور اس کی سند میں لیث بن ابوسلیم ہے جو ضعیف ہے تاہم اس عمل کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے فعل سے ہوجاتی ہے کیونکہ وہ جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت نفل پڑھا کرتے تھے دوسری بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے لئے جلدی جانے کی ترغیب دی ہے پھر امام کے نکلنے تک نفل پڑھنے کی ترغیب دی ہے، بغیر تخصیص واستثناء کے۔ سبل السلام ج ۱ ص ۱۱۴۔ ❺ بروایت اصحاب خمسہ وابن حبان امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے امام شافعی دارقطنی ابن خزیمہ اور حاکم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ حوالہ بالا۔ ❻ متفق علیہ۔

امکان ہوتا ہے اور صحیحین میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اپنے اس عمل کے بارے میں تو بتاؤ جس (کے عنداللہ مقبول ہونے کے) بارے میں تم سب سے زیادہ پرامید ہو کیونکہ تمہاری چپلوں ❶ کی چاپ میں نے اپنے آگے سنی، وہ بولے: میں اپنے اعمال میں سب سے زیادہ پرامید اس پر ہوں کہ میں نے جب بھی دن میں یا رات میں طہارت حاصل کی تو میں اس کے بعد جتنی اللہ نے توفیق دی نماز ضرور ادا کی۔

سجدہ شکر کے بارے میں صحیحین میں وارد ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ کی قبولیت کے وقت انہوں نے فجر کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے سے قبل سجدہ شکر کیا تھا۔

اور وہ نوافل جن کا سبب متاخر ہو جیسے استخارے کی دو رکعات اور احرام کی نوافل تو وہ ایسے ہی منعقد نہیں ہوں گی جیسے وہ نماز منعقد نہیں ہوتی ہے جس کا سبب نہیں ہوتا۔

حنابلہ فرماتے ہیں ❷ فوت شدہ فرض نمازوں کی ادائیگی تمام اوقات ممنوعہ اور غیر ممنوعہ میں درست ہے کیونکہ پہلے گزری ہوئی حدیث معنی و مفہوم کے اعتبار سے عام ہے کہ جو شخص نماز سے سو جائے یا اس کو بھول جائے تو وہ یاد آنے پر اس کو ادا کرے دوسری دلیل حضرت ابوقتادہؓ والی حدیث ہے کہ تفریط اور کوتاہی نیند میں نہیں کوتاہی تو جاگتے رہنے میں ہے تو جب کوئی نماز بھول جائے یا سو جائے تو یاد آنے پر وہ اس کو ادا کرلے ❸ اور اگر فجر کی نماز کی ادائیگی کے دوران سورج نکل آئے تو وہ اس کو مکمل کرلے، یہ قول احناف کے قول کے برخلاف ہے دلیل وہی گذشتہ حدیث ہے کہ جب کوئی فجر کی نماز میں سے نکلنے سے قبل ایک سجدہ بھی پالے تو وہ اپنی نماز مکمل کرے۔ اور منت مانی ہوئی نماز ممنوعہ اوقات میں پڑھنا درست ہے، خواہ اس شخص نے اسی وقت میں نذر مانی ہو بخلاف احناف کے دلیل حنابلہ کی یہ ہے کہ یہ واجب نماز ہے تو یہ فوت شدہ فرض نماز اور نماز جنازہ کے مشابہ ہوئی۔ دوگانہ طواف کا ادا کرنا درست ہے، دلیل وہی حدیث ہے جو شوافع کے نزدیک دلیل تھی کہ اے بنی عبد مناف کسی شخص کو اس گھر کا طواف کرنے یا اس میں نماز پڑھنے سے مت روکو دن یا رات میں سے جس وقت وہ چاہے۔

نماز جنازہ آخری دو وقتوں (فجر اور عصر کے بعد کے اوقات) میں پڑھنا درست ہے یہ جمہور فقہاء کی رائے ہے اور پہلے تین اوقات (طلوع شمس غروب شمس اور وقت استواء) میں نماز جنازہ درست نہیں ہے، سوائے اس کے کہ کوئی ضرورت درپیش ہو تو ضرورت کے پیش نظر یہ درست ہے اس کی ممانعت کی دلیل تو حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ تین اوقات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کرنے سے اور مردوں کی تدفین سے منع فرماتے تھے۔

اور جماعت کا ممنوعہ اوقات میں سے کسی بھی وقت لوٹانا جائز ہے بشرطیکہ وہ جماعت مسجد میں ہو رہی ہو اور وہ شخص مسجد میں ہو یا وہ مسجد میں داخل ہو اور لوگ نماز ادا کر رہے ہوں خواہ وہ جماعت کے ساتھ پڑھے یا اکیلا پڑھے دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی جب آپ نے نماز ختم فرمائی تو آدمیوں کو دیکھا کہ انہوں نے آپ کے ساتھ نماز ادا نہیں کی تھی، آپ نے فرمایا: تمہیں کس چیز نے ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے روکا؟ وہ بولے ہم نے اپنے خیموں میں نماز پڑھ لی تھی، آپ نے فرمایا: ایسا نہ کیا کرو جب تم اپنے خیموں میں نماز پڑھو اور مسجد میں آؤ جہاں جماعت ہو رہی ہو تو ان کے ساتھ شریک ہو کر نماز پڑھ لو، یہ تمہارے لئے نفل بن جائے گی ❹ یہ حدیث فجر کے بارے میں نص ہے اور بقیہ اوقات بھی اسی کی طرح ہیں اور اس لئے بھی کہ اگر وہ ساتھ شریک نہ ہو تو امام کے بارے میں کسی قسم کی تہمت بازی اور غلط فہمی کا اندیشہ رہے گا (کہ کیا وجہ ہے کہ یہ شخص اس امام کے پیچھے

---

❶..... حدیث کے الفاظ ہیں دف نعلیک اس سے مراد اس کی حرکت اور چاپ ہے جیسا کہ امام بخاری نے یہی فرمایا ہے۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۶. ❷ المغنی ج ۲ ص ۱۰۷۔۱۲۲ کشاف القناع ج ۱ ص ۵۲۸. ۵۳۱. ❸ بروایت امام نسائی ابوداؤد اور ترمذی امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ نیل اولاوطاج ۲ ص ۲۷. ❹ بروایت ابوداؤد اور ترمذی، امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح کہا ہے۔

نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔

ان حضرات کے ہاں اوپر بیان شدہ نمازوں کی استثناء کے علاوہ باقی تمام نوافل ان پانچوں مکروہ اوقات میں ممنوع ہیں وجہ وہ احادیث ہیں جو پہلے گزریں۔ خواہ نوافل ہوں جن کا کوئی سبب ہو جیسے سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر، یا فرائض کی تابع سنتیں ہوں جیسے فجر کی سنتیں جو نماز فجر کے بعد ادا کی جائیں یا عصر کے بعد اسی طرح سورج گرہن کی نماز صلاۃ الاستسقاء تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء وغیرہ یا وہ ہوں جن کا کوئی سبب نہ ہو جیسے نماز استخارہ وغیرہ کیونکہ ممانعت عام ہے، اور ان احادیث جو ممانعت ثابت کرتی ہیں ان احادیث پر جو تحیۃ المسجد وغیرہ کی ترغیب دیتی ہیں ترجیح اس لئے حاصل ہے کہ یہ حرمت ثابت کرنے والی ہیں اور پہلی والی حدیث اباحت ثابت کرتی ہیں اور ممانعت ثابت کرنے والی چیز اباحت ثابت کرنے والی پر مقدم ہوتی ہے۔ اور عصر کے بعد نماز کی ادائیگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے تاہم جمعہ کے دن امام کے خطبہ دینے کے دوران داخل ہونے والے شخص کے لئے تحیۃ المسجد پڑھنا درست ہے دلیل وہ حدیث ہے جو پہلے بھی گزری کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف النہار کے وقت نماز کی ادائیگی سے منع فرمایا ہے سوائے جمعے کے دن کے۔

اور صحیح قول کے مطابق عصر کی نماز کے بعد نمازوں کی سنتوں کی ادائیگی درست ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام انجام دیا ہے کیونکہ آپ نے ظہر کے بعد کی دو رکعتیں عصر کے بعد ادا فرمائی تھیں جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور عصر سے پہلے کی دو رکعتوں کے بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ ان کی قضا نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ادا کیا میں نے آپ سے عرض کیا: کیا آپ ان کو قضا کریں گے اگر یہ فوت ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا نہیں ❶ اور فجر کی سنتوں کی قضاء فجر کے بعد درست ہے تاہم امام احمد نے ترجیح اس کو دی ہے کہ ان کو سورج طلوع ہونے کے بعد کے وقت ادا کیا جانا چاہئے تاکہ اس اختلاف کی حدود سے باہر نکلا جا سکے جو اس بارے میں ہے،

مذہب کا مشہور قول یہ ہے کہ سنتوں کی قضاء ممنوعہ اوقات میں درست نہیں ہے، اور مکہ مکرمہ اور دوسرے شہروں میں ممانعت میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ اس بارے میں وارد ممانعت عام ہے۔ اسی طرح زوال کے وقت کے بارے میں وارد ممانعت میں جمعہ اور دوسرے دنوں میں فرق نہیں ہے اور نہ گرمی اور سردی میں فرق ہے کیونکہ اس بارے میں وارد احادیث عام ہیں۔

دوسرے اوقات میں نوافل پڑھنے کی ممانعت...... احناف اور مالکیہ نے دوسرے بعض اوقات میں بھی نوافل پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں ❷ یہ بات پیش نظر رہے کہ ان تمام امور میں احناف کے ہاں کراہت تحریمی ہے۔

ا۔ طلوع فجر کے بعد فجر کی نماز سے پہلے...... احناف فرماتے ہیں کہ اس وقت میں سوائے فجر کی سنتوں کے نوافل ادا کرنا مکروہ ہے بعض شوافع اس وقت نفل کی ادائیگی کی کراہت تنزیہی کے قائل ہیں۔ تاہم مذہب کا مشہور قول اس کے برخلاف ہے، اسی طرح حنابلہ کے ہاں بھی اس وقت نوافل کی ادائیگی درست ہے، کیونکہ ممانعت ثابت کرنے والی صحیح احادیث میں فجر سے قبل نماز کی صراحت نہیں ہے اس بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث آتی ہے جو غریب ہے اس بناء پر فجر سے قبل وتر کی ادائیگی درست ہے۔ مالکیہ فرماتے ہیں طلوع فجر کے بعد نماز سے پہلے نفل نمازیں مکروہ تنزیہی ہیں، اس وقت میں فوت شدہ نمازوں کی قضاء، فجر کی سنتیں وتر اور معمول کی اپنے اوپر مقرر کردہ نوافل درست ہیں مالکیہ اور احناف کی دلیل اس کراہت پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے فجر کا وقت شروع ہونے کے

---

❶ ...... ابن نجار نے اپنی حدیث کے پانچویں، جزء میں اس کو نقل کیا ہے۔ ❷ الدر المختار ج ۱ ص ۳۴۹۔ ۳۵۱ مراقی الفلاح ص ۳۱ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۶۶ القوانین الفقهیه ص ۴۶ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۸۷ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۴۲، وص ۱۱ ۵، ۱۳ ۵، ۳۱ ۵ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۲۹، ص ۳۱۳ المحلی علی المنهاج مع قلیوبی وعمیرة ج ۱ ص ۱۱۹ الحضرمیه ص ۳۲ المغنی ج ۲ ص ۱۱۶۔ ۱۱۹۔ ۱۲۹، ۱۳۵۔ ۳۸۷ کشف القناع ج ۲ ص ۴۷ و ۶۳

بعد فجر کی نماز سے پہلے کوئی نماز نہیں ہے سوائے فجر کی دوسنتوں کے۔❶

۲۔مغرب کی نماز سے قبل:......احناف اور مالکیہ کے ہاں مغرب کی نماز سے قبل نوافل پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ مغرب کی نماز جلدادا کرنے کے بارے میں وارد احادیث میں عمومیت پائی جاتی ہے، ان میں سے ایک حدیث حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز اس وقت پڑھا کرتے تھے جب سورج ڈوب جاتا اور پردے کے پیچھے چلا جاتا۔❷

اور حضرت عقبہ بن عامرؓ والی حدیث میری امت خیر پر یا فطرت پر رہے گی جب تک وہ مغرب کو اتنا مؤخر نہ کریں کہ ستارے گڈمڈ ہوجائیں❸ اور نفل کی ادائیگی مغرب میں تاخیر کا سبب بنتی ہے، جب کہ مغرب کی ادائیگی میں جلد بازی مستحب ہے۔

شوافع مشہور قول کے مطابق فرماتے ہیں مغرب سے قبل دورکعت نفل مستحب ہیں، یہ سنت غیر مؤکدہ ہے حنابلہ فرماتے ہیں کہ یہ صرف جائز ہیں سنت نہیں ہیں، ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب سے قبل دورکعت ادا فرمائی تھیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سورج غروب ہونے کے بعد مغرب کی نماز سے قبل دورکعت پڑھا کرتے تھے❹ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مغرب سے قبل دورکعتیں ادا کرو پھر فرمایا مغرب سے قبل دورکعت ادا کرو پھر تیسری مرتبہ فرمایا: یہ حکم اس کے لئے ہے جو چاہے کہ وہ پڑھے۔آپ نے یہ اس لئے فرمایا کہ لوگ اس کو سنت نہ سمجھ لیں۔❺

علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ مغرب سے قبل دورکعتوں کی مشروعیت کی احادیث ان احادیث کے لئے مخصص (معنی کو مقید کرنے والی) ہیں جو مغرب کی نماز کو جلد پڑھنے کو مستحب بتاتی ہیں۔

۳۔جمعہ، عید، حج، نکاح، کسوف (سورج گرہن) اور استسقاء کے خطبے کے دوران نفل کی ادائیگی......احناف اور مالکیہ کے نزدیک خطیب کے نکل آنے کے بعد نماز سے فارغ ہولینے تک نفلوں کی ادائیگی مکروہ ہے دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اگر تم نے جمعے کے دن اپنے ساتھ بیٹھے شخص سے کہا: انصت (خاموش ہوجاؤ) اور امام خطبہ دے رہا ہو تو تم نے لغو اور غلط کا ارتکاب کیا(۴) مالکیہ مزید فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ کے بعد لوگوں کے مسجد سے چلے جانے تک نفلوں کی ادائیگی مکروہ ہے۔❻

حنابلہ اور شوافع کے ہاں بھی اس حالت میں نفلوں کی ادائیگی مکروہ تنزیہی ہے۔

تاہم تحیۃ المسجد کی اجازت ہے بشرطیکہ تکبیر تحریمہ فوت ہوجانے کا اندیشہ نہ ہو اور اس شخص پر لازم ہے کہ وہ مختصراً ادا کرے یعنی صرف واجبات کی ادائیگی پر اکتفاء کرے اور اگر اس نے جمعے کی پہلی سنتیں ادا نہ کی ہوں تو ان کی نیت بھی تحیۃ المسجد کے ساتھ کرلے، کیونکہ دورکعت سے زائد ادا کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہے۔اور شوافع کے ہاں تحیۃ المسجد کے علاوہ دوسری نماز منعقد بھی نہیں ہوگی۔ان کی دلیل صحیحین کی روایت ہے جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو دورکعت پڑھے بغیر نہ بیٹھے اور یہ روایت ممانعت والی حدیث کی مخصص ہے۔حضرت جابر

---

❶......یہ حدیث طبرانی نے معجم اوسط میں نقل کی ہے لیکن عبداللہ بن خراش اس کے ساتھ منفرد ہیں لہٰذا یہ غریب ہے جیسا کہ امام ترمذی نے فرمایا ہے امام دارقطنی نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے لیبلغ شاهدکم غائبکم ان لاصلاة بعد الفجر الارکعتین اس کی سند میں ایک شخص جس کے بارے میں اختلاف ہے ابوداؤداور ترمذی نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے لاصلاة بعد الفجر الا سجدتین تاہم یہ حدیث غریب ہے۔ نصب الرایة ج ا ص ۲۵۵۔❷ بروایت صحاح ستہ ما سوا نسائی۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۔❸بروایت امام احمد، ابوداؤد اور حاکم، حوالہ سابقہ ج ۲ ص ۳۔❹ بروایت امام مسلم اور ابوداؤد نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۔❺ بروایت امام احمد بخاری اور ابوداؤد، ایک روایت میں ہے بین کل اذانین صلاة بین کل اذانین صلاة ثم قال فی الثالثة لمن شاء بروایت صحاح ستہ۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۷۔❻بروایت صحاح ستہ ما سوا ابن ماجہ سبل السلام ج ۲ ص ۵۰۔

رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے آپ نے فرمایا اے سلیک کھڑے ہو اور دو رکعت پڑھو اور ان میں تخفیف برتو (1) یعنی جلدی پڑھو۔

۴۔ **عید سے پہلے اور بعد میں**...... احناف حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں عید سے قبل اور بعد میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے دلیل اس کی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز سے قبل کوئی نماز نہ پڑھتے اور جب اپنے گھر لوٹتے تو دو رکعت ادا فرماتے (2) حنابلہ یہ فرماتے ہیں کہ عیدگاہ سے نکل جانے کے بعد نفلوں کی ادائیگی میں مضائقہ نہیں ہے یہ کراہت احناف اور حنابلہ کے ہاں امام اور مقتدی سب کے لئے برابر ہے خواہ مسجد میں ہو یا عیدگاہ میں، مالکیہ کے ہاں کراہت اس وقت ہے جب اس کی ادائیگی عیدگاہ میں ہو رہی ہو۔ مسجد میں ہونے کی صورت میں یہ حکم نہیں ہے۔

شوافع فرماتے ہیں کہ امام کے لئے عید سے قبل اور بعد نفل مکروہ ہے کیونکہ اس میں اہم کے مقابلے میں غیر اہم سے اشتغال لازم آتا ہے اور اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی مخالفت بھی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن صرف (عید کی) دو رکعت ادا فرمائیں، نہ اس سے پہلے کوئی نماز ادا کی اور نہ بعد میں) (3) ان کے ہاں سورج کے بلند ہو جانے کے بعد عید سے قبل امام کے علاوہ لوگوں کے لئے نفل پڑھنا مکروہ نہیں ہے اور عید کے بعد نفل مکروہ نہیں اگر وہ شخص خطبہ نہ سن رہا ہو، خطبہ سننے کی صورت میں مکروہ ہے۔

۵۔ **فرض نماز کھڑے ہونے کے وقت**...... احناف فرماتے ہیں فرض نماز کے کھڑے ہو جانے کے وقت نوافل پڑھنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ حدیث میں ہے جب نماز کھڑی ہو جائے تو صرف فرض نماز ہی پڑھی جائے گی دوسری نہیں (4) تاہم سنت فجر اس حکم سے مستثنیٰ ہے بشرطیکہ جماعت چھوٹ جانے کا خدشہ نہ ہو خواہ جماعت صرف تشہد ہی پالینے کا امکان ہو۔ اور اگر بالکل چھوٹ جانے کا خدشہ ہو تو سنتیں چھوڑ دے لہٰذا اقامت کے وقت فجر کی سنتوں کی ادائیگی درست ہے کیونکہ اس کے بارے میں تاکید بہت زیادہ ہے اور ترغیب کافی وارد ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی پابندی بھی بہت فرماتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فجر کی دو سنتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ (5) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نوافل میں سے جتنا اہتمام فجر کی دو سنتوں کا کرتے تھے کسی اور کا نہیں کرتے تھے (6) اور امام طحاوی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو نماز کھڑی ہو چکی تھی تو آپ نے فجر کی سنتیں مسجد کے ایک ستون کی آڑ میں ادا فرمائیں۔

اسی طرح فرض کا وقت تنگ ہونے کی صورت میں نوافل کی ادائیگی مکروہ ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں فرض کے چھوٹ جانے کا خدشہ ہے۔

شوافع اور جمہو فقہاء فرماتے ہیں (7) کہ نماز کھڑی ہو جانے کے بعد کسی بھی قسم کی دوسری نفل نماز کا پڑھنا مکروہ ہے خواہ وہ نمازوں کی

---

(1) ..... بروایت امام مسلم، بخاری کی روایت میں ہے جمعے کے دن ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ دینے کے دوران مسجد میں داخل ہوا آپ نے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھ لی؟ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا اٹھو اور دو رکعت پڑھو۔ سبل السلام ج ۲ ص ۵۱۔ (2) بروایت ابن ماجہ بسند حسن، سبل السلام ج ۲ ص ۶۸ یہ حدیث حاکم اور امام احمد نے بھی روایت کی ہے ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ایسی روایت نقل کی ہے۔ (3) بروایت اصحاب صحاح ستہ اور امام احمد بن حنبل (یعنی ساتوں حضرات) سبل السلام ج ۲ ص ۶۲۔ (4) بروایت امام مسلم اور چاروں اصحاب سنن از حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ یہ روایت صحیح ہے۔ (5) یہ حدیث امام مسلم امام احمد، ترمذی اور نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۹۔ (6) متفق علیہ سبل السلام ج ۲ ص ۴۔ (7) شرح مسلم للنووی ج ۵ ص ۲۲۱، المجموع، ج ۳ ص ۲۷۳۔ ۵۵۰۔ المغنی ج ۱ ص ۴۵۶۔

سنتیں ہوں جیسے فجر، ظہر اور عصر کی سنتیں، یا وہ دوسرے نوافل ہوں جیسے تحیۃ المسجد وغیرہ۔ علامہ نووی نے اس بحث پر عنوان ان الفاظ میں باندھا ہے: باب اس بارے میں کہ مؤذن کے تکبیر اقامت شروع کر دینے کے بعد نفل شروع کرنا مکروہ ہے خواہ وہ نمازوں کی سنتیں ہوں جیسے فجر اور ظہر کی سنتیں وغیرہ، اور خواہ اس کو اس بات کا اندازہ ہو کہ وہ سنتیں ادا کر کے امام کے ساتھ شریک ہو کر ایک رکعت پالے گا یا نہیں ہو۔ جمہور فقہاء کی اس بارے میں دلیل یہ فرمان نبوی ہے کہ جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض کے علاوہ کوئی دوسری نماز نہیں ادا کی جائے۔ دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک شخص پر ہوا جو نماز پڑھ رہا تھا اور فجر کی نماز کی اقامت کہی جا چکی تھی آپ نے فرمایا: قریب ہے کہ تم میں سے ایسا کرنے والا فجر کی چار رکعتیں پڑھنے والا شمار ہو اس کا مفہوم یہ ہے کہ فجر کی نماز کی تکبیر کہے جانے کے بعد صرف فرض کی ادائیگی میں مشغول ہونا چاہئے ❶ تو جو شخص اقامت کہے جانے کے بعد دو رکعتیں ادا کرے پھر فرض میں شریک ہو تو گویا وہ ایسا ہو گا جیسے اس نے فجر کی چار رکعتیں ادا کی ہوں کیونکہ اس نے تکبیر کہے جانے کے بعد چار رکعت ہی ادا کی ہیں اور اقامت کے بعد نوافل کی ادائیگی سے ممانعت کی حکمت میں صحیح بات تو یہ ہے کہ وہ شخص فرض کی ادائیگی کے لئے پہلے لمحے سے ہی فارغ ہو اور امام کے شروع کرنے کے فی الفور بعد خود شروع کر دے، اور اگر وہ نفلوں میں مشغول ہو جائے گا تو امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہنے کا موقع ضائع ہو جائے گا اور بعض ایسی چیزیں اس سے چھوٹ جائیں گی جو فرائض کی تکمیل کرنے کی حیثیت رکھتی ہیں، لہٰذا فرض نماز اس کی زیادہ حقدار ہے کہ اس کے مکمل کرنے کا زیادہ اہتمام ہو اور دوسری حکمت اس ممانعت میں یہ ہے کہ ائمہ کی مخالفت نہ پائی جائے (یعنی امام نے تو نماز شروع کر دی اور یہ شخص اپنی الگ نماز شروع کر رہا ہے)۔

تاہم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر رکعت چھوٹنے کا اندیشہ نہ ہو تو ان دو سنتوں کو مسجد سے باہر ادا کر لے۔

تیسری فصل......اذان اور اقامت

اس فصل میں اولاً اذان کے معنی، اس کی مشروعیت اور فضیلت، اس کے حکم اس کی شرائط، اس کے طریقے اس کی سنتیں اور مکروہات، مؤذن کو جواب دینا اور اذان کے بعد کے مستحب اعمال کا بیان ہوگا پھر اس کے بعد دوسرے مرحلے میں اقامت کی صفت کیفیت اور طریقے اور اس کے احکام کا بیان ہوگا۔

ا۔ پہلی بحث......اذان

لغت میں اذان کے معنی اعلان کے ہیں، اسی معنی میں یہ آیت ہے:

وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ ......سورۃ توبہ آیت نمبر ۲

اور اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کے لئے۔

اور یہ آیت

وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ ......سورۃ الحج آیت نمبر ۲۷

اور اعلان کر دیجئے لوگوں میں حج کا۔

شریعت کی اصطلاح میں یہ مخصوص نداء ہے جس سے فرض نماز کے وقت کے بارے میں جانا جاتا ہے ❷ یا یوں کہہ لیا جائے یہ نام ہے نماز کے وقت کے اعلان کا مخصوص الفاظ کے ساتھ۔ ❸

❶ ......اس میں احناف پر رد ہے جو اقامت ہو جانے کے بعد مسجد میں بھی فجر کی دو سنتوں کی ادائیگی کی اجازت دیتے ہیں۔ ❷ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۳۳۔ ❸ نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۱، اللباب شرح الکتاب ج ۱ ص ۶۲ کشف القناع ج ۱ ص ۲۶۶۔

اس کی مشروعیت اور فضیلت......قرآن، سنت اور اجماع امت اذان کی مشروعیت پر دلالت کرتے ہیں اس میں بڑی فضیلت اور بڑا اجر ہے۔

قرآن میں سے دلیل تو یہ آیت ہے:

وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ ......سورۃ المائدہ آیت نمبر ۵۸

اور جب تم بلاتے ہو (پکار کر) نماز کی طرف......

اور حدیث میں سے دلیل بہت ساری احادیث ہیں ان میں سے صحیحین کی یہ روایت بھی ہے کہ جب نماز کا وقت ہو تو تم میں سے کوئی اذان دے لے اور تم میں سے کوئی بڑا تمہاری امامت کرے ❶ اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما کی حدیث اذان کے طریقے پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے جو کہ اس خواب سے معلوم ہوا تھا جس کی تائید بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کی تھی یہ طویل حدیث ہے اسی میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ان شاء اللہ سچا خواب ہے تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو کر اس کو وہ الفاظ سکھا دو جو تم نے دیکھے وہ تمہارے مقابلے میں زیادہ بلند آواز والے ہیں ❷ اذان کی سند اور دلیل صرف خواب نہیں ہے، اس خواب کے ساتھ ساتھ وحی کی بھی تائید اس کو ہے، بزار کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں اذان دکھادی گئی تھی اور آپ نے اس کا مشاہدہ ساتوں آسمانوں سے اوپر کیا تھا پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو آگے کیا آپ نے اہل آسمان کی امامت فرمائی ان میں حضرت آدم اور حضرت نوح علیہ السلام بھی تھے، اس طرح اللہ نے آپ کی فضیلت اہل آسمان وزمین پر شرف وبزرگی عطاء فرمادی۔ تاہم یہ حدیث غریب ہے اور صحیح روایت یہ ہے کہ اذان کی ابتداء مدینہ منورہ میں ہوئی جیسا کہ امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے ❸ اس بنیاد پر اذان کے خواب کا واقعہ پہلی سن ہجری کا واقعہ شمار ہوگا اور اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائی تھی۔

اذان میں بڑا ثواب ہے دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ اگر لوگ جانتے کہ نداء اور صف اول میں کیا رکھا ہے اور ان کو قرعہ اندازی کرنا پڑتی تو وہ ان پر قرعہ اندازی کیا کرتے ❹ اور یہ فرمان نبوی ہے جب تم اپنے جانوروں کے گلے میں ہو یا اپنے صحراء اور جنگل میں ہو اور نماز کے لئے اذان دینا ہو تو آواز بہت بلند کرو کیونکہ مؤذن کی آواز انسان جنات اور چیزوں میں سے جو بھی سنے تو وہ بروز قیامت اس کے بارے میں گواہی دے گا۔ ❺

اور ایک اور حدیث میں ہے مؤذن قیامت کے دن سب سے لمبی گردنوں والے ہوں گے۔ ❻

اذان بمع اقامت اصح قول کے مطابق شوافع کے ہاں اور حنابلہ کے ہاں بھی امامت سے افضل ہے دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا ......سورۃ فصلت آیت نمبر ۳۳

اور اس سے اچھی بات کون کہنے والا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل انجام دے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سے مراد اذان دینے والے ہیں اور دوسری دلیل وہ احادیث ہیں جو پہلے گزریں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار ہے اے اللہ ائمہ کو ہدایت عطاء فرما اور مؤذنوں کی مغفرت فرما ❼ اور

---

❶...... بروایت مالک بن الحویرث نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۲ ❷ بروایت امام احمد وابوداؤد، نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۵ اور بعد کے صفحات۔ ❸ دیکھئے نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۶۰ اور بعد کے صفحات۔ ❹ متفق علیہ از حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نداء سے مراد اذان ہے۔ ❺ بروایت امام بخاری از حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ❻ یہ حدیث امام مسلم امام احمد بن حنبل اور ابن ماجہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۳، ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جو شخص سات سال اللہ کے لئے اذان دے تو اس کے لئے جہنم سے برأت لکھ دی جائے گی۔ ❼ یہ حدیث امام شافعی امام احمد بن حنبل ابوداؤد ترمذی، نسائی، ابن حبان اور ابن خزیمہ نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۳ اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ بے شک اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو سورج چاند تارے اور سائے کو اللہ کی یاد کے لئے دیکھتے رہتے ہیں (یعنی یہ دیکھتے رہتے ہیں کہ کب کونسی چیز کا وقت ہوگا)۔

حضرات کے پاس وقت کم تھا❶ احناف فرماتے ہیں کہ اقامت اور امامت اذان سے افضل ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے امامت انجام دی ہے لیکن اذان نہیں دی۔

اذان کا حکم...... جمہور فقہاء ماسوا حنابلہ کے ہاں اذان اور اقامت مردوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے❷ مسجد میں جماعت کے لئے پانچوں نمازوں اور جمعہ کے لئے ان کے علاوہ نمازوں کے لئے نہیں حنابلہ میں سے خرقی حنبلی بھی ان فقہاء میں شامل ہیں عید، سورج گرہن، تراویح اور جنازے کی نمازوں کے لئے یہ نہیں ہیں، ان نمازوں کے لئے صرف **الصلوٰۃ جامعة** (نماز شروع ہو رہی ہے) کے الفاظ کافی ہیں۔

بخاری اور مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سورج گرہن ہوا تو یہ پکار لگائی گئی **الصلوٰۃ جامعة** (نماز شروع ہو رہی ہے) اور اذان واقامت سے مقصود فرض نماز کے وقت کے داخل ہونے اور اس کے لئے کھڑی ہونے کا اعلان ہے نفل اور نذر نماز کے لئے یہ مسنون نہیں ہے اس کے سنت ہونے کی دلیل سابقہ حدیث ہے کہ اگر لوگ جانتے کہ اذان اور صف اول میں کیا بات ہے تو وہ اس پر قرعہ اندازی کرتے دوسری بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کو ان دونوں کا حکم نہیں دیا تھا، حالانکہ آپ نے وضو، قبلہ رخ ہونے اور ارکان نماز کی اس کو تعلیم دی تھی۔ اور اس بناء پر کسی شہر کے باشندے اگر اذان ترک کرنے پر متفق ہوں تو وہ گناہگار نہیں ہوں گے اگر ان کے علاوہ لوگ اس کو انجام دے رہے ہوں اور نہ ہی اس عمل پر انہیں سزا دی جائے گی نہ مارا جائے گا اور نہ قید کیا جائے گا۔

شوافع اور مالکیہ مزید یہ فرماتے ہیں کہ صرف اقامت اذان نہیں، عورت یا خواتین کی جماعت کے لئے مسنون ہے اذان کے مسنون ہونے کی وجہ اس فتنے کا خدشہ ہے جو ان کی آواز سے پھیلنے کا امکان ہے۔ احناف فرماتے ہیں خواتین کے لئے اذان کی طرح اقامت بھی مکروہ ہے۔

کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کراہت خواتین کے لئے منقول ہے دوسری بات یہ ہے کہ ان کی حالت کی بنیاد ستر پر ہے اور ان کی آواز کا بلند ہونا حرام ہے۔

فوت شدہ نماز کے لئے اذان اور اکیلے شخص کے حق میں اذان کا حکم..... شوافع کے ہاں معتمد قول یہ ہے کہ اذان اور اقامت منفرد (اکیلے تنہا شخص) کے لئے قضاء اور اداء دونوں نمازوں کے لئے مسنون ہے خواہ اس نے مسجد یا محلے کی اذان سن بھی لی ہو اس شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی آواز بلند رکھے سوائے اس حالت کے کہ وہ مسجد میں ہو جس میں نماز ہو چکی ایسی مسجد میں اس لئے با آواز اذان نہیں کہنی چاہئے کہ نمازیوں کو دوسری نماز کے وقت شروع ہو جانے کا گمان نہ ہو جائے۔ فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان کا استحباب امام شافعی کا قدیم قول ہے اور یہی اظہر قول ہے جیسا کہ علامہ نووی نے اس کی وضاحت کی ہے۔ وجہ اس حکم کی وہ احادیث ہیں جو اذان کی فضیلت کے بارے میں وارد ہیں اور جو پہلے گزر چکی ہیں ان میں سے ایک روایت وہ ہے جو امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابوصعصعہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میں تمہیں بکریوں اور جنگلوں کو پسند کرنے والا دیکھتا ہوں، تو جب تم اپنی بکریوں یا جنگل میں ہو اور نماز کے لئے اذان دو تو اپنی آواز بلند رکھو، کیونکہ مؤذن کی آواز جنات اور انسانوں اور چیزوں میں سے جو بھی سنتا ہے وہ قیامت کے دن گواہی دے گا میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے❸ اور اگر نمازی پر بہت ساری قضاء نمازیں جمع ہو جائیں

---

❶..... المغنی ج ا ص ۴۰۳، کشف القناع ج ا ص ۲۶۷ مغنی المحتاج ج ا ص ۱۳۸۔ ❷ فتح القدیر ج ا ص ۶۷، ۱۷۲، ۱۷۸ الدرا لمختار ج ا ص ۳۵۶ البدائع ج ا ص ۱۴۶ اور بعد کے صفحات کا اللباب ج ا ص ۶۲۔۶۳ الشرح الصغیر ج ا ص ۱۳۳ اور بعد کے صفحات المهذب ج ا ص ۵۵ بدایة المجتهد ج ا ص ۱۰۳ نهایة المحتاج ج ا ص ۳ المجموع ج ۳، ص ۸۲،، ۱۳۱۔ ❸ بروایت امام احمد امام شافعی امام مالک، بخاری نسائی اور ابن ماجہ۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۵.

یا وہ جمع تقدیم کرے (کہ ایک نماز کو مقدم کر کے دوسری نماز کے وقت میں دونوں کو ساتھ پڑھے) یا جمع تاخیر کرے (کہ ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں مؤخر کرے اور دونوں کو ساتھ ادا کرے) تو صرف پہلی کے لئے اذان دے اس لئے کہ بخاری اور مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ جمعہ کے لئے صرف ایک اذان دی جائے امام کے سامنے منبر کے پاس کیونکہ جمعہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف بلال رضی اللہ عنہ اذان دیا کرتے تھے۔

شوافع کا یہ مذہب ہے فوت شدہ نمازوں کے بارے میں، احناف فرماتے ہیں کہ قضاء نمازوں کو دہرانے والا اذان اور اقامت دونوں کہے گا کیونکہ وہ بمنزلہ موجود نماز کے ہوتی ہے اور اگر کئی نمازیں فوت ہو جائیں تو صرف پہلی نماز کے لئے اذان کہے اور اقامت کہے اور باقی نمازوں کے بارے میں اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو ہر ایک کے لئے اذان دے اور اقامت کہے یہ اولیٰ ہے کیونکہ جو چیز اداء نماز کے لئے مسنون ہے وہ قضاء کے لئے بھی مسنون ہے اور اگر وہ شخص چاہے تو پہلی نماز کے بعد بقیہ کے لئے اقامت پر اکتفاء کر سکتا ہے، کیونکہ اذان جمع کرنے کے لئے ہوتی ہے، اور یہ سب لوگ حاضر اور موجود ہیں، اور اولیٰ یہ ہے کہ اذان اور اقامت ہر فریضے کے لئے الگ ہو دلیل اس کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ابو یعلی نے روایت کی ہے کہ جب غزوہ احزاب کے موقع پر مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا مشغول کر دیا کہ آپ ظہر، عصر مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا نہ کر سکے تو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ہر نماز کے لئے اذان اور اقامت کا حکم دیا۔❶

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ صرف اقامت کہے اذان نہ دے، کیونکہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں غزوہ احزاب کے موقع پر ہم نمازوں کے لئے فرصت نہ پا سکے حتیٰ کہ مغرب کے بعد رات کا ایک حصہ گزر گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو حکم دیا تو انہوں نے ظہر کے لئے اقامت کہی او آپ نے نماز ادا فرمائی، پھر آپ نے حکم دیا تو انہوں نے عصر کی نماز کے لئے اقامت کہی اور آپ نے نماز پڑھائی، اور وجہ یہ بھی ہے کہ اذان وقت کے بارے میں اعلان کے لئے ہوتی ہے، اور وقت گزر چکا ہے۔ اور اس بناء پر مالکیہ فرماتے ہیں کہ فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان دینا مکروہ ہے اور اس نماز کے لئے بھی مکروہ ہے جو وقت ضرورت والی ہو یعنی جس میں جمع تقدیم یا جمع تاخیر ہوئی ہو اور نماز جنازہ کے لئے بھی مکروہ ہے اور نفل کے لئے بھی جیسے عید اور سورج گرہن وغیرہ۔

مالکیہ اذان کے ہر مسجد کے لئے مسنون ہونے کو، خواہ مساجد آپس میں ملی ہوئی ہوں اس بات سے مقید کرتے ہیں کہ جماعت ہو جو دوسروں کو بھی بلانے والی ہو (یعنی دوسرے لوگوں کو بھی بلانا مقصود ہو) خواہ سفر میں ہوں یا حضر میں، منفرد شخص کے لئے یا ایسی جماعت کے لئے مسنون نہیں جو بلانے والی نہ ہو (یعنی جماعت کے تمام افراد حاضر ہوں) بلکہ حالت حضور میں تو مکروہ ہے اور دوران سفر منفرد کے لئے اور اس جماعت کے لئے جو دوسروں کو بلانے والی نہ ہو اذان دینا مسنون ہے خواہ مسافت قصر سے کم مسافت پر ہی کیوں نہ ہوں یعنی ۸۹ کلومیٹر سے کم مسافت۔

حنابلہ کی اکثریت کی رائے یہ ہے❷ کہ اذان اور قامت پانچوں نمازوں اور جمعہ کے لئے فرض کفایہ ہیں، دلیل وہ گذشتہ حدیث ہے جب نماز حاضر ہو جائے تو تمہارے لئے کوئی ایک اذان دے اور تمہارا بڑا تمہاری امامت کرے اس میں حکم ہے اور حکم کسی بھی فرد وجوب کا تقاضا

---

❶..... مجمع الزوائد ج ۲ ص ۴ یہ حدیث امام احمد نسائی اور ترمذی نے بھی روایت کی ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں کوئی حرج کی بات نہیں تاہم ابوعبیدہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماعت نہیں کی ہے۔ نیل الاوطار ج۲ ص ۶۰۔❷ کشاف القناع ج ۱ ص ۲۶۸، ۲۷۸ المغنی ج ۱ ص ۴۱۷، ۴۲۲ غایۃ المنتہی ج ۱ ص ۸۷

کرتا ہے، اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ کوئی بھی تین افراد جو نہ اذان دیں اور نہ ان میں نماز کی اقامت ہو تو ان پر شیطان غالب آ جاتا ہے❶ دوسری بات یہ ہے کہ یہ دونوں اسلام کے ظاہری شعائر میں سے ہیں لہٰذا یہ جہاد کی طرح فرض کفایہ ہوں گے اگر کچھ لوگ ان کی ادائیگی کریں تو باقیوں سے یہ ساقط ہو جائے گا۔ اور اس بناء پر اگر کوئی اہل شہر ان کو ترک کر دیں تو ان سے جہاد کیا جائے گا اور اذان واقامت کا پانچوں نمازوں کے لئے ترک کرنا مکروہ ہے، لیکن نماز کا اعادہ لازم نہیں اور شہر میں ایک اذان کافی ہے اور باقی لوگ صرف اقامت پر اکتفاء کر سکتے ہیں۔ یہ احناف اور مالکیہ کی بھی رائے ہے تاہم یہ شوافع کی رائے کے برخلاف ہے جیسا کہ میں یہ بات بیان کر چکا ہوں، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور علقمہ اور اسود نے بغیر اذان کے نماز ادا کی تھی حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ شہر کی اقامت ان کے لئے کافی ہے، احناف فرماتے ہیں کہ جو شخص شہر میں اپنے گھر میں نماز پڑھے اس کو چاہئے کہ وہ اذان اور اقامت کے ساتھ ادا کرے تاکہ نماز جماعت کی ہیئت کے مطابق ادا ہو اور اگر وہ دونوں کو ترک کر دے تو بھی جائز ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے محلے کی اذان ہمارے لئے کافی ہے، تاہم یہ روایت غریب ہے، جیسا کہ علامہ زیلعی نے فرمایا ہے۔

جس شخص کی کئی نمازیں چھوٹ جائیں یا دو نمازیں جمع تقدیم کے ساتھ پڑھے (یعنی پہلی نماز کے وقت میں پڑھے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ پہلی کے لئے اذان دے اور پھر ہر نماز کے لئے اقامت کہے، یہ شوافع کے قول کے موافق حکم ہے۔ اس پر دلیل ان حضرات کی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب تم اپنی بکریوں کے ریوڑ میں ہو اور حضرت ابوقتادہ رحمۃ اللہ علیہ والی حدیث ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے یہ سب لوگ سوئے تو ان کی آنکھ جب کھلی جب سورج نکل آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلال، اٹھو اور نماز کے لئے اذان دو❷ جو شخص مسجد میں داخل ہوا اور وہاں نماز ہو چکی ہو تو اگر وہ چاہے تو اذان دے اور اقامت کہے، دلیل وہ روایت ہے جو اثرم اور سعید ابن منصور نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے جس میں نماز ہو چکی تھی آپ نے ایک شخص کو حکم دیا تو اس نے اذان دی اور اقامت کہی، پھر انہوں نے نماز پڑھائی۔ اور اگر کوئی چاہے تو بغیر اذان اور اقامت کے بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔

اور عورتوں پر اذان اور اقامت نہیں ہے، بخلاف شوافع کے اور بخلاف۔ مالکیہ کے اقامت کے بارے میں کیونکہ نجاد نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عورتوں پر اذان اور اقامت نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جمہور کے ہاں فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان دی جائے گی مالکیہ کے ہاں ایسا کرنا مکروہ ہے اور اذان صرف مردوں کے لئے سنت ہے عورتوں کے لئے نہیں بالاتفاق اور عورتوں کے لئے سراً اقامت مسنون ہے شوافع اور مالکیہ کے نزدیک احناف کے ہاں مکروہ ہے جب کہ مالک حنابلہ اس کو غیر مشروع قرار دیتے ہیں۔ جمہور کے ہاں محلے کی اذان کافی ہے شوافع کے ہاں کافی نہیں ہے۔

اذان کی شرائط......اذان اور اقامت میں مندرجہ ذیل چیزیں شرط ہیں۔❸

---

❶ بروایت امام احمد ابوداؤد نسائی طبرانی ابن حبان اور حاکم، حاکم نے فرمایا ہے کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۱۔ ❷ متفق علیہ یہ حدیث حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا انہوں نے اذان دی تو ہم نے دو رکعتیں پڑھیں پھر حکم دیا پھر انہوں نے اقامت کہی اور ہم نے نماز پڑھی متفق علیہ۔ ❸ الدر المختار ج ۱ ص ۳۶۲۔۳۶۵ البدائع ج ۱ ص ۱۴۹۔۱۵۱ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷۰،۱۷۶ مراقی الفلاح ص ۳۲ اللباب ج ۱ ص ۶۴ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۵۱ القوانین الفقھیہ ص ۴۷ بدایۃ المجتھد ج ۱ ص ۱۰۴ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۳۷۔۱۳۹ الحضرمیۃ ص ۳۴ المھذب ج ۱ ص ۵۵،۵۷ المغنی ج ۱ ص ۴۰۹۔۴۱۱،۴۱۳۔۴۱۵ کشف القناع ج ۱ ص ۲۷۱۔۲۷۹ غایۃ المنتھی ج ۱ ص ۸۷، الشرح الکبیر مع الدسوقی ج ۱ ص ۱۹۴،۱۹۸ المھذب ج ۱ ص ۵۷ تحفۃ الطلاب ص ۵۴، المجموع ج ۳، ص ۱۳۶۔

۱۔ وقت کا داخل ہونا...... لہٰذا باتفاق فقہاء اذان وقت سے قبل درست نہیں ہوتی اور بہ اتفاق فقہاء حرام ہے، اگر کسی نے اذان دے بھی دی تو وقت کے اندر اس کا لوٹانا ضروری ہوگا کیونکہ اذان اعلان کے لئے ہے، اور وقت کے ہونے سے پہلے ہی اذان دیدینا معاملے کو مزید انجانا کرنے کے مترادف ہے لہٰذا قبل از وقت اذان حرام ہے کیونکہ اس میں تلبیس اور جھوٹ ہے وقت کے شروع ہوجانے کے بارے میں شوافع کے ہاں اذان کا دوہرانا مکروہ ہے تاہم مسجد میں معروف اذان کا شمار اس میں سے نہیں تاہم جمہور فقہاء نے جن میں احناف کے صرف امام ابو یوسف شامل ہیں نصف شب کے بعد فجر کے لئے اذان (اول) دینے کو جائز قرار دیا ہے اور سحری کے وقت یعنی رات کے آخری چھٹے حصے میں اذان کو مستحب قرار دیا ہے، پھر صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد دوبارہ فجر کی اذان دی جائے گی ❶ دلیل صحیحین کی حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ بلال رات میں اذان دیتے ہیں، تو تم لوگ کھاتے پیتے رہا کرو جب تک کہ تم ابن ام مکتوم کی اذان نہ سن لو امام بخاری کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں اور ابن ام مکتوم نابینا شخص تھے، اس وقت تک اذان شروع نہیں کرتے تھے جب تک لوگ یہ نہ کہہ اٹھتے کہ بھئی آپ نے صبح کردی ہے آپ نے تو صبح کردی ہے۔ تاہم اس مسئلے میں دیگر احناف کا اختلاف ہے، اور قبل از وقت اذان دینے والے کو چاہیے کہ وہ راتوں کو ایک ہی وقت میں اذان دیا کرے، تاکہ لوگوں پر معاملہ ملتبس نہ ہوجائے۔ اور اذان پر مامور شخص کے لئے اوقات کا علم ضروری ہے، جو شخص اذان پر باقاعدہ مامور نہ ہو (ملازم نہ ہو) اس کے لئے مواقیت کا علم ضروری نہیں ہے، تو جو شخص اپنے لئے یا ایک جماعت کے لئے ایک مرتبہ اذان دے یا وہ نابینا ہو تو ان کی اذان درست شمار ہوگی اگر دوسرے کسی شخص سے وقت کے داخل ہونے کا اس کو علم ہوجائے۔

۲...... اذان عربی زبان میں ہو۔ لہٰذا اگر جماعت کے لئے اذان دی تو عربی میں نہ ہونے کی صورت میں وہ درست نہیں ہوگی۔ اور اگر کسی غیر عربی شخص نے اپنے لئے اذان دی اور اس کو اچھی عربی نہ آتی ہو تو شوافع کے ہاں یہ جائز ہوگا۔ حنابلہ اور احناف کے ہاں یہ مطلقاً درست نہیں، کیونکہ یہ قرآن کی طرح خالص عربی زبان میں وارد ہے۔

۳...... اذان اور اقامت میں، جماعت کے بعض لوگوں کو سنانا ضروری ہے اور اکیلا ہونے کی صورت میں خود سننا ضروری ہے۔

۴...... ترتیب اور موالات (یکے بعد دیگرے اور پے درپے ہونا) یہ اتباع سنت کے لئے ضروری ہے، جیسا کہ امام مسلم وغیرہ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ کلمات اذان میں پے درپے ہونے سے اس کے اعلان ہونے کی حیثیت پر فرق پڑتا ہے۔ لہٰذا اذان صرف ترتیب وار ہی درست ہے (یعنی اس ترتیب کے مطابق جو حدیث میں وارد ہے) جیسا کہ پے درپے نہ ہونے کی صورت میں درست نہیں، غیر مرتب اور غیر متوالی (پے درپے) اذان واجب الاعادہ ہوگی۔ اور معمولی نیند مدہوشی خاموشی یا بات چیت سے آنے والا فصل مضر نہیں اور مرتد ہوجانے سے فقہاء کے ہاں یہ باطل ہوجاتی ہے، اور اگر اذان کے اختتام پر مرتد ہوا تو باطل نہیں ہوگی یہ حنابلہ اور شوافع کے ہاں شرط ہے، احناف اور مالکیہ کہتے ہیں اذان واقامت کے کلمات میں ترتیب اور موالات مسنون ہیں بغیر ترتیب اور موالات کے بھی اذان درست ہوجاتی ہے مگر کراہت کے ساتھ، اور اس صورت میں افضل یہ ہے کہ اذان اور اقامت کا اعادہ کرے۔

---

❶...... فجر اور جمعہ سے پہلے کی اذانوں کے علاوہ تسبیح وتہلیل، دعاؤں کا بالجہر پڑھا جانا اور اس طرح کے دیگر امور جو اذان خانوں میں انجام دیے جاتے ہیں تو یہ بالکل بھی مسنون نہیں ہیں، اور علماء میں سے کسی نے بھی ان کو مستحب نہیں قرار دیا ہے۔ بلکہ یہ من جملہ مکروہ اور ناپسندیدہ بدعتوں کے ہے، کیونکہ یہ چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور صحابہ کے عہد میں نہیں تھیں اور نہ ہی ان چیزوں کی کوئی اصل اور بنیاد ہے۔ کشف القناع ج ۱ ص ۲۸۱۔ غایة المنتهى ج ۱ ص ۹۱۔

نوٹ از مترجم: فجر کے لئے دو اذانوں کا رواج آج کل حرم شریف میں ہے پہلی اذان جو سحری کے وقت دی جاتی ہے وہ تہجد کی اذان کے نام سے معروف ہے۔

بعض حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ حرام بات سے اذان باطل ہو جاتی ہے خواہ وہ معمولی سی ہو جیسے گالی گلوچ وغیرہ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ باطل نہیں ہوتی جیسے مباح بات چیت ہونے کی صورت میں وہ باطل نہیں ہوتی ہے۔

۵.....ایک شخص کے ذریعے انجام پائے لہٰذا اگر کوئی شخص کچھ اذان دیدے اور بقیہ اذان دوسرا شخص پوری کرے تو یہ درست نہیں ہوگا۔ اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں ہوگا کہ دو آدمی اذان دیں اور ان میں سے ہر ایک ایک ایک جملہ کہے۔ کیونکہ اذان عبادت بدنیہ ہے تو دو آدمیوں کے اس طرح انجام دینے سے یہ درست نہیں ہوتی کہ ایک کا فعل دوسرا مکمل کرے۔ ہاں مؤذنوں کا ایک گروہ ہونا درست ہے بایں معنی کہ ہر ایک الگ الگ اذان دے مالکیہ مزید یہ فرماتے ہیں اس طرح مؤذنوں کا اجتماع مکروہ ہے کہ ایک کی اذان دوسرا مکمل کرے اور ایک نماز کے لئے زیادہ اذانوں کا ہونا مکروہ ہے۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ وہ لوگ جنہوں نے دو اذانیں ایجاد کیں وہ بنوامیہ تھے اور اجتماعی اذان مکروہ نہیں جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے اس کی تحقیق فرمائی ہے۔

۶.....مؤذن مسلمان، عاقل اور مرد ہو لہٰذا کافر کی اذان درست نہیں ہے اسی طرح پاگل اور اس بچے کی اذان بھی جس میں شعور نہ پیدا ہوا ہو اسی طرح مدہوش اور نشے میں چور شخص کی اذان بھی درست نہیں ہوگی، کیونکہ یہ لوگ عبادت کے اہل نہیں اور عورت کی اذان درست نہیں ہے، کیونکہ اس کی اذان حرام ہے اور اس کے لئے اذان مشروع نہیں ہے۔ اور اس کی مردوں کے لئے امامت درست بھی نہیں ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کی آواز کی وجہ سے فتنے کا خدشہ ہے، اور ہیجڑے کی اذان بھی درست نہیں کیونکہ اس کا مرد ہونا معلوم نہیں ہوتا ہے۔

یہ شرط مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے ہاں ہے، مذہب حنفی ان سے قریب تر ہے، کیونکہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی اذان مکروہ تحریمی ہے جن میں یہ شرائط نہ پائی جائیں اور اذان کا اعادہ مستحب ہوگا، اور اس بناء پر احناف کے ہاں مسنون یہ ہے کہ مؤذن مرد ہو عاقل ہو متقی ہو سنت سے واقف ہو اور اوقات نماز سے بھی واقفیت رکھتا ہو۔ مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے ہاں بلوغ اور عادل ہونا شرط نہیں ہے لہٰذا باشعور بچے، اور فاسق کی اذان بھی درست ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ مؤذن بالغ اور دیانت دار ہو کیونکہ وہ ایسا شخص ہے نماز اور روزے کے اوقات اس پر موقوف ہوتے ہیں، تو امانت دار نہ ہونے کی صورت میں اس کا خدشہ ہے کہ وہ لوگوں کو بے وقت اذان کے ذریعے دھوکہ دے دے گا احناف فرماتے ہیں کہ فاسق شخص کی اذان مکروہ ہے اور اس کا اعادہ مستحب ہے۔ مالکیہ فرماتے ہیں کہ مؤذن کے لئے عادل اور بالغ ہونا شرط ہے، لہٰذا فاسق اور باشعور بچے کی اذان اس وقت درست شمار ہوگی جب اس نے وقت کے داخل ہونے کے بارے میں کسی بالغ شخص کی بات پر اعتماد کیا ہو۔ یہ حضرات عادل ہونے کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی بناء پر شرط قرار دیتے ہیں چاہئے کہ تمہارے عمدہ لوگ اذانیں دیں اور تمہارے قرآن کے عمدہ پڑھنے والے امامت کریں[1] احناف کے ہاں اور اصح قول کے مطابق شوافع کے ہاں نیت شرط نہیں ہے تاہم اذان کے علاوہ کسی اور چیز کا ارادہ نہ کرنا شرط ہے، لہٰذا اگر مقصود دوسرے کو سکھانا ہوا تو اس اذان کو شمار نہیں کیا جائے گا۔

دوسرے فقہاء کے نزدیک نیت شرط ہے، چنانچہ اگر اذان کے مخصوص الفاظ بلانیت ادا کرے تو وہ اذان نہیں شمار ہوگی۔ اور جمہور فقہاء کے نزدیک اذان اور اقامت میں طہارت قبلہ رخ ہونا، کھڑا ہونا اور اس کے دوران بات چیت نہ کرنا شرط نہیں ہے، یہ صرف مستحب ہے، اور جمہور فقہاء کے نزدیک بے وضو شخص کے لئے اذان مکروہ ہے اور جنبی شخص کے لئے زیادہ شدت سے مکروہ ہے۔ اور اقامت تو اس سے بھی زیادہ شدت سے مکروہ ہے اور احناف کے ہاں جنبی کی اذان میں کراہت تحریمی ہے اس کی اذان ان کے اور حنابلہ کے نزدیک لوٹائی جائے گی اور بے وضو شخص کی اذان مذہب حنفی کے ایک قول کے مطابق مکروہ نہیں ہے۔ وضو میں طہارت کے مستحب ہونے کی دلیل حدیث ہے اذان

---

[1] ..... بروایت ابوداؤد ابن ماجه اور طبرانی درمعجم. نصب الراية ج ۱ ص ۲۷۹

صرف باوضو شخص دے۔ ❶ اور بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے اس طرح قبلے کی طرف پیٹھ کر کے اذان دینا اور دوران اذان گفت وشنید مکروہ ہے۔

مالکیہ، حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں اذان دینے والے ہی کے لئے اقامت کہنا مسنون ہے، کیونکہ اس میں اتباع سنت ہے ❷ اور اگر مؤذن کے علاوہ کسی نے اقامت کہہ دی تو بھی جائز ہے، کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما جنہوں نے خواب میں اذان دیکھی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اقامت کہی ❸ ان شرائط کی بنیاد پر اذان اور اقامت ان امور سے باطل ہو جاتی ہے۔

۱.....مرتد ہونے سے۔ ۲..... نشے میں ہونے سے۔ ۳.....مدہوش ہونے سے۔

۴.....طویل نیت سے ۵.....پاگل پن سے۔ ۶.....اذان کا کوئی کلمہ چھوڑ دینے سے۔

۷.....طویل خاموشی یا طویل گفتگو کے ذریعے زیادہ فاصلہ آ جانے کی وجہ سے شوافع کا ایک قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوران اذان مرتد ہو گیا اور پھر فوراً اسلام لے آیا تو اس کے لئے اسی اذان کو جاری رکھنا درست ہے (اس پر بنا کرنا)۔

اذان کا طریقہ یا اس کے صیغے.....فقہاء کا اذان کے اصلی صیغوں پر جو مخصوص طریقے کے مطابق متواتر اً نقل ہوتے چلے آ رہے ہیں اتفاق ہے کہ وہ بلا کمی وبیشی) دو دو دفعہ کہے جائیں گے اسی طرح ان کا تثویب پر بھی اتفاق ہے یعنی فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد الصلاۃ خیر من النوم کا کلمہ دو مرتبہ کہنا اور یہ اس طریقے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے منقول ہے ❹ اور دوسری دلیل امام احمد اور ابوداؤد کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابومحذورہ سے یہ کہنا ہے اور جب فجر کی اذان ہو تو تم کہو: الصلاۃ خیر من النوم۔

فقہاء میں ترجیع کے بارے میں اختلاف ہے اور ترجیع کا مطلب ہے شہادتین (اشهد ان لااله الاالله اور اشهد ان محمدرسول الله) کو جہر سے کہنے سے پہلے ایک مرتبہ آہستہ سے کہنا، چنانچہ مالکیہ اور شافعیہ اس کے قائل ہیں حنفیہ اور حنابلہ اس کے قائل نہیں ہیں، تاہم حنابلہ فرماتے ہیں کہ اگر ترجیع کی تو یہ مکروہ نہیں ہوگی۔

حنفیہ اور حنابلہ مختار اور اصح قول کے مطابق فرماتے ہیں ❺ کہ اذان کے پندرہ کلمات ہیں، اور اس میں ترجیع نہیں ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زید کی روایت میں یہ وارد ہے ❻ اور وہ کلمات ہیں: الله اكبر، الله اكبر، الله اكبر، الله اكبر، اشهد ان لااله الاالله، اشهد ان لااله الاالله، اشهد ان محمدا رسول الله اشهد ان محمدا رسول الله حي على الصلاة حي على الصلاة حي على الفلاح حي على الفلاح الله اكبر، الله اكبر، لااله الاالله ـ اور ان کلمات کو جیسا کہ بدائع اور مراقی الفلاح میں مذکور ہے تکبیر میں راء پر جزم کے ساتھ اور کلمات اذان اور اقامت کے سکون کے ساتھ جیسا کہ مالکیہ فرماتے ہیں۔ اور درمختار میں ہے کہ لفظ اکبر کے زبر کے ساتھ پڑھا جائے گا جیسا کہ شوافع فرماتے ہیں، یعنی دونوں تکبیروں کو ایک سانس میں پڑھا جائے گا اور پہلی تکبیر کے

---

❶..... بروایت ترمذی از حضرت ابوهريرة نصب الراية ج ا ص ۲۹۲، اور یہ ضعیف ہے۔ سبل السلام ج ا ص ۱۲۹. ❷ امام ترمذی نے زیاد بن حارث صدائی سے روایت کی ہے کہ صداء کے بھائی نے اذان دی اور جو اذان دے اسی کو اقامت کہنی چاہئے تاہم یہ ضعیف ہے اثرم نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے اذان دی پھر اقامت کہی، سبل السلام ج ا ص ۱۲۹ المغني ج ا ص ۴۱۲. ❸ بروایت امام ابوحنیفہ اور ابوداؤد تاہم حاکم فرماتے ہیں کہ اس کے متن میں ضعف ہے سبل السلام ج ا ص ۱۲۹، نیل الاوطار ج ۲ ص ۵۷ المغني ج ا ص ۴۱۵-۴۱۲. ❹ بروایت طبرانی وغیرہ۔ نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۶۴. ❺ اللباب شرح الكتاب ج ا ص ۶۲ البدائع ج ا ص ۱۴۷ فتح القدیر ج ا ص ۱۶۷ الدرالمختار ج ا ص ۳۵۸، المغني ج ا ص ۴۰۴ كشف القناع ج ا ص ۲۷۳. ❻ یہ حدیث اس فرشتے کی اذان کی ہے جو آسمان سے اترا تھا ابوداؤد نے اپنی کتاب میں اس کو روایت کیا ہے۔ نصب الرایۃ ج اص ۲۵۹

لفظ اکبر کے راء پر زبر ہوگا اور دوسری تکبیر کے لفظ اکبر کے راء پر جزم ہوگا۔ بعض شوافع فرماتے ہیں اذان کے کلمات کے آخر میں وقف کرنا مسنون ہے کیونکہ روایت کے مطابق وہ موقوف ہی نقل ہوئے ہیں۔

مالکیہ اور شوافع فرماتے ہیں❶ کہ اذان کے کلمات مشہور ہیں اور ترجیع کے ساتھ اس کے کلمات کی تعداد انیس بن جاتی ہے یہ حکم مسنون اذان پر عمل درآمد کرتے ہوئے ہے جو کہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان ہے❷ اور اس میں ترجیع ہے یعنی شہادتین دو دو مرتبہ ہیں۔

اذان کے کلمات کے معانی......اذان کے الفاظ کے معنی یہ ہیں: اللہ اکبر، یعنی اللہ سب سے بڑا ہے، یا یہ مطلب ہے اللہ اس بات سے کہیں بڑا ہے کہ اس کی طرف ایسی بات منسوب ہو جو اس کے شایان شان ہو یا اس کا مطلب ہے اللہ بہت بڑا ہے، (اللہ اکبر) اور اشہد کا مطلب ہے میں جانتا ہوں (یا میں گواہی دیتا ہوں) حی علی الصلاۃ، نماز کی طرف بڑھو دوڑو۔ اور فلاح سے مراد ہے کامیابی اور بقاء دائمی کیونکہ نمازی انشاء اللہ جنت میں داخل ہوگا اور اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اور فلاح کی طرف بلانے کا مطلب ہے اس کے سبب کی طرف بلانا اور لا الہ الا اللہ پر ختم کرنے کا مقصد توحید پر اور اللہ کے نام پر اختتام ہو جیسے اللہ کے نام سے ابتداء ہوئی تھی۔❸

اذان کی سنتیں......اذان میں مندرجہ ذیل امور مسنون ہیں۔❹

۱......مؤذن بلند آواز اور خوش آواز ہو اور اذان میں اپنی آواز اونچی رکھے اور اونچی جگہ کھڑا ہو اور مسجد کے قریب ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت جو پہلے گزری فرمایا یہ کلمات بلال کو سکھا دو وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہے اور اس لئے بھی دور پہنچانے کے لئے یہ مؤثر ہے اور اس لئے بھی کہ سننے والے کا دل نرم پڑے اور وہ پکار کا جواب دے اور اس لئے بھی کہ داعی کو شیریں گفتار ہونا چاہئے دارمی اور ابن خزیمہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس افراد کو حکم دیا انہوں نے اذان دی، آپ کو حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی آواز پسند آئی اور آپ نے ان کو اذان سکھائی۔

آواز کا بلند ہونا تو اس لئے کہ اس کو زیادہ دور تک پہنچایا جا سکے، اور زیادہ ثواب کا باعث ہو جیسا کہ حضرت ابوسعید کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے جو پہلے گزری کہ جب تم اپنی بکریوں میں ہو اور اس دلیل کے باعث جو پانچوں حضرات نے ماسوا امام ترمذی کے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤذن کے لئے اس کی آواز کی دوری تک مغفرت کی جاتی ہے اور ہر خشک وتر چیز اس کے لئے گواہی دیتی ہے تاہم اپنی طاقت سے زیادہ زور لگا کر آواز نہ بلند کرے، تا کہ اس کو نقصان نہ پہنچے اور اس کی آواز بھی نہ ٹوٹے، اور تنہا شخص کے لئے اذان کی آواز اس سے زیادہ اونچی کرنی مسنون ہے جتنی آواز وہ خود سنتا ہے اور جماعت کے لئے اذان دینے والے کے لئے اتنی اونچی آواز کرنا مسنون ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو سنا سکے اور اس جگہ اپنی آواز کو پست رکھنا چاہئے جہاں جماعت کھڑی ہو چکی ہو۔

اور اونچی جگہ کھڑے ہونے کا حکم بھی اس غرض سے ہے کہ اس کی آواز دور تک پہنچ سکے، ابوداؤد نے عروہ بن الزبیر سے انہوں نے بنونجار کی ایک عورت سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں میرا گھر مسجد کے آس پاس کے گھروں میں سب سے اونچا تھا، اور حضرت بلال فجر کی

---

❶......الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۴۸۔۲۵۰، القوانین الفقھیہ ص ۴۷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۳۵، المھذیب ۱ ص ۵۵ اور بعد کے صفحات، المجموع ج ۳ص ۹۷۔ ❷ بروایت صحاح ستہ از حضرت ابومحذورہ اس کے بعض الفاظ میں ہے: انہوں نے ان کو انیس کلمات سکھائے اور چار تکبیروں کی طرح چار شہادتوں کا بھی ذکر کیا ہے نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۶۳، نیل الاوطار ج ۲ص ۴۳۔ ❸ کشف القناع عن متن الاقناع ج ۱ ص ۲۷۳۔ ❹ البدائع ج ۱ ص ۱۴۹۔۱۵۲ الدرالمختار ج ۱ ص ۳۵۹۔۳۶۱ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷۰۔۱۷۶ اللباب ج ۱ ص ۶۳ مراقی الفلاح ص ۳۲ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۵۲ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۹۵۔۱۹۸ القوانین الفقھیہ ص ۴۷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۳۸، المھذب ج ۱ ص ۵۷، ۵۹ المغنی ج ۱ ص ۴۰۷، ۴۱۲، ۴۱۵، ۴۲۲، ۴۲۶، ۴۲۹، کشف القناع ج ۱ ص ۲۷۰۔۲۸۲، المجموع ج ۳ ص ۱۰۵، ۱۱۷، ۱۲۶، ۱۲۹ الحضرمیہ ص ۳۵۔

اذان اسی پر دیا کرتے تھے، وہ سحری کے وقت آئے یعنی رات کی آخری چھٹے حصے میں وہ گھر پر بیٹھ کر فجر کا انتظار کیا کرتے تھے، اور جب وہ نماز پڑھتے اور فجر کو پھیلتا دیکھتے پھر دعا میں یہ الفاظ کہتے: اے اللہ میں تجھ سے مدد چاہتا ہوں اور اعانت طلب کرتا ہوں قریش کے بارے میں کہ وہ آپ کا دین قائم کریں وہ فرماتی ہیں کہ پھر وہ اذان دیتے۔ ❶

اور مسجد کے قریب ہونے کا حکم اس لئے ہے کہ یہ جماعت کی طرف بلانا ہے اور یہ بلانا مسجد میں ہی ہو تو افضل ہے۔ ❷

۲..... کسی دیوار یا مینار پر چڑھ کر اذان دے تا کہ دور دور تک سنا سکے ابن منذر فرماتے ہیں وہ اہل علم جن کی باتیں محفوظ کی گئیں ہیں ان کا اجماع ہے کہ سنت یہ ہے کہ اذان کھڑے ہو کر دی جائے اور حضرت ابوقتادہ رح کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کھڑے ہو اور اذان دو ❸ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن کھڑے ہو کر اذان دیا کرتے تھے، ہاں اگر کوئی عذر یا مرض وغیرہ ہو تو بیٹھ کر اذان دے سکتا ہے۔ اسی طرح اقامت بھی کھڑے ہو کر کہنا مسنون ہے۔

۳..... مؤذن آزاد، بالغ امانت دار، نیک صالح نماز کے اوقات سے واقف ہو کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جو پہلے گزری کہ چاہیے تم میں سے اچھے لوگ اذان دیا کریں اور تمہاری امامت تمہارے قراء کیا کریں اس امر کی دلیل ہے، یہ چیزیں مالکیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں سنت ہیں، مالکیہ عادل ہونے کو شرط قرار دیتے ہیں، اسی طرح شوافع کے ہاں اذان کے لئے مقرر کردہ شخص کا اوقات نماز سے باخبر ہونا ضروری ہے۔

۴..... اذان دینے والا باوضو اور پاک ہو دلیل اس کی سابق حدیث ہے کہ اذان صرف باوضو شخص دے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے اذان نماز سے متصل ہوتی ہے سو تم میں سے کوئی اس حالت میں اذان نہ دے کہ وہ پاک نہ ہو۔ ❹

۵..... مؤذن بینا ہونا بینا نہ ہو کیونکہ نابینا شخص وقت کو نہیں پہچان سکتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ وہ غلطی کر جائے تاہم اگر نابینا شخص اذان دے تو وہ اذان درست شمار ہوگی۔ کیونکہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اذان دیا کرتے تھے، بخاری کی روایت کے مطابق ابن عمرو فرماتے ہیں وہ ایک نابینا شخص تھے، اس وقت تک اذان نہیں دیتے تھے جب تک لوگ ان سے یہ نہ کہہ دیتے بھئی آپ نے تو صبح کر دی، آپ نے تو صبح کر دی۔ مالکیہ فرماتے ہیں کہ نابینا کی اذان درست ہے اگر وہ دوسرے کے تابع ہو یا کسی قابل بھروسہ شخص کی وقت کے شروع یا ختم ہونے کے بارے میں پیروی کرے۔

۶..... اپنی دو انگلیاں کانوں میں ڈالے کیونکہ اس سے آواز کچھ بلند کرنے میں مدد ملتی ہے اور دوسری دلیل وہ حدیث ہے جو ابوحنیفہ نے روایت کی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور اپنے کانوں میں انگلیاں رکھ لیں ❺ اور حضرت سعد سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیں، اور فرمایا یہ تمہاری آواز کو بلند کرے گا۔ ❻

۷..... اذان میں ہر دو کلموں کے درمیان تھوڑا سا ٹھہرے، اور اقامت کو تیز تیز کہے، یعنی دو دو کلموں کو ملا کر کہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا جب تم اذان دو تو ٹھہر ٹھہر کر دو، اور جب تم اقامت کہو تو تیز تیز کہو ❼ اور دوسری وجہ اس کی یہ ہے

---

❶..... نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۹۱۔ ❷ ابن سعد اپنی سند سے ام زید بن ثابت کے حوالے سے فرماتے ہیں میرا گھر مسجد کے اردگرد سب سے اونچا گھر تھا حضرت بلال شروع سے اس پر ہی اذان دیا کرتے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد کی تعمیر کر لی اس کے بعد حضرت بلال مسجد کی چھت پر اذان دیا کرتے تھے۔ اس کی چھت پر ایک اونچی سی چیز بنادی گئی تھی مصر کے مینار پر اذان کے لئے سب سے پہلے شرحبیل بن عامر المرادی چڑھے تھے اور سلمہ نے حضرت معاویہ کے حکم سے اذان کے لئے مینارے تعمیر کئے تھے اس سے قبل مینار نہ تھے۔ ردالمحتار ج ۱ ص ۳۶۰۔ ❸ متفق علیہ نصب الرایۃ بھی ملاحظہ کریں ج ۱ ص ۲۹۲۔ ❹ سبل السلام ج ۱ ص ۱۲۹۔ ❺ متفق علیہ۔ ❻ بروایت ابن ماجہ، حاکم، طبرانی، اور ابن عدی، نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۷۸۔ ❼ بروایت امام ترمذی، تاہم اس کی سند مجہول ہے نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۷۵۔

کہ اذان غیر موجود لوگوں کو وقت کے داخل ہونے کے بارے میں بتانے کے لئے ہوتی ہے، اور ٹھہر ٹھہر کر بات بیان کرنا بات پہنچانے میں زیادہ معاون ہوتا ہے۔ اور اقامت تو موجود لوگوں کو نماز شروع کرنے کے بارے میں بتانے کے لئے ہوتی ہے، اور یہ مقصود تیز پڑھنے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

۸..... اذان اور اقامت میں قبلہ رخ ہونا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن حضرات قبلہ رخ اذان دیا کرتے تھے، دوسری بات یہ ہے کہ اس میں مناجات کا پہلو ہے لہٰذا اس کو قبلہ رخ ہی انجام دیا جانا چاہئے حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت مستحب یہ ہے کہ مؤذن

دائرے کی شکل میں گھومے یا اپنا چہرہ حی علی الصلاۃ میں دائیں طرف اور حی علی الفلاح میں بائیں طرف موڑے اپنے پاؤں موڑے بغیر کیونکہ اس میں پکار ہے، اس طرح کرنے سے دائیں اور بائیں دونوں طرف کے لوگوں کو آواز پہنچائی جا سکے گی اور اس کی دلیل حضرت ابوحنیفہ کی یہ روایت بھی ہے کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اذان دے رہے تھے، تو میں نے ان کے منہ کو دیکھا کہ وہ دائیں بائیں کر رہے تھے اور حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کہہ رہے تھے، اور ان کی دو انگلیاں ان کے دونوں کانوں میں تھیں ❶ اور ایک روایت کے الفاظ ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ چمڑے کے بنے ہوئے سرخ خیمے میں تشریف فرما تھے، حضرت بلال آئے اور انہوں نے اذان دی جب وہ حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح پر پہنچے تو دائیں بائیں مڑے لیکن دائرے میں نہیں گھومے۔ ❷

شوافع کے ہاں مینار میں گھومنا اور قبلے کی طرف ضرورت کے تحت پیٹھ کر لینا جائز ہے، حنابلہ کے ہاں اس بارے میں امام احمد سے دو روایتیں منقول ہیں، ایک یہ ہے کہ وہ گھومے نہیں دلیل وہی حدیث ہے جو قبلہ رخ ہونے کا بتاتی ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ وہ اپنی حد میں گھوم سکتا ہے کیونکہ اعلان کا مقصد اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔

دوسری روایت زیادہ درست ہے۔

اذان کے ختم ہونے کے بعد اذان اور اقامت میں اتنا فاصلہ ضرور رکھنا چاہئے کہ نمازی حاضر ہو سکیں تاہم اس میں مستحب وقت کی رعایت ضروری ہے اور مغرب کے وقت تین چھوٹی آیات پڑھنے کے بقدر ٹھہرنا مستحب ہے دلیل اس کے مستحب ہونے کی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا اے بلال اپنی اذان اور اقامت کے مابین اتنی مہلت رکھو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے فارغ ہو سکے اور حاجت پوری کرنے والا اپنی حاجت پوری کر سکے۔ ❸

اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید نے جس شخص کو خواب میں دیکھا تھا اس نے اذان دی تھی اور کچھ دیر بیٹھا تھا یعنی جماعت کے انتظار میں بیٹھا تھا یہاں تک کہ اذان کا مقصود حاصل ہو جائے۔

احناف فرماتے ہیں کہ اصح قول کے مطابق اذان کے بعد تمام اوقات میں تثویب مستحب ہے مثلاً اس طرح کہے نماز! نماز! اے نمازیو وجہ اس کی یہ ہے کہ دینی معاملات میں سستی پیدا ہو گئی ہے۔ شوافع فرماتے ہیں مؤذن کے لئے مستحب ہے کہ وہ اذان کے یا حی علی

---

❶..... اس حدیث کی اصل متفق علیہ ہے اور اس کو امام احمد اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ سبل السلام ج ۱ ص ۱۲۲ نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۲۔ ❷ بروایت امام ابوداؤد سبل السلام ج ۱ ص ۱۲۲ اور نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۶۔ ❸ یہ حدیث امام احمد بن حنبل نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے حضرت بلال سے کہا اپنی اذان اور اقامت میں اتنا فاصلہ رکھو کہ کھانے والا کھانے سے اور پینے والا پینے سے اور قضاء حاجت کے لئے داخل ہونے والا اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے۔

الصلاۃ حی علی الفلاح کے بعد برسات کی رات یا آندھی وطوفان کی یا شدید اندھیری رات میں یہ کہے الا صلوا فی الرحال (نمازیں اپنے گھروں میں پڑھ لو)

۹......مؤذن فی سبیل اللہ یہ خدمت انجام دے اور اذان واقامت پر اجرت نہ لے، یہ باتفاق علماء مسئلہ ہے۔ احناف کے ہاں اور حنابلہ کے ظاہر مذہب کے مطابق ان امور پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ طاعت (نیک اعمال) پر اجرت لینا ہے اور انسان نیکی کا کام خالص اپنے لئے کر سکتا ہے لہٰذا اس پر اجرت کا معاملہ کرنا درست نہیں ہے جیسے امامت پر۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن ابوالعاص سے فرمایا تھا اور ایسا مؤذن مقرر کرو جو اپنی اذان پر اجرت نہ لے ❶ مالکیہ نے اور شوافع نے اصح قول کے مطابق اذان پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ ایک معلوم عمل ہے اور اس پر اجرت لینا ایسے ہی جائز ہے جیسے دیگر اعمال پر اجرت لینا جائز ہے۔ متاخرین احناف وغیرہ نے جیسا کہ آگے اجارے کی بحث میں آئے گا دینی امور پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے تا کہ ان کے حصول کی ضمانت رہے وجہ اس اجازت کی یہ ہے کہ اہل علم کے لئے مختص وظائف جو بیت المال سے ملا کرتے تھے ان کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔

اسی طرح حنابلہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر فی سبیل اللہ بلا عوض اذان واقامت کی خدمت انجام دینے والا نہ ملے تو ان خدمات کو انجام دینے والے کو مال فئے میں سے دیا جائے گا جو مفاد عامہ کے کاموں کے لئے مختص ہوا کرتا ہے۔

۱۰......جمہور فقہاء ماسوا احناف کے ہاں مستحب ہے کہ جماعت کے لئے دو مؤذن ہوں زیادہ نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مؤذن تھے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ۔ ❷

اور مسجد کے لئے ایک مؤذن پر اکتفاء کرنا جائز ہے اور اس حدیث کی رو سے افضل یہ ہے کہ دو مؤذن ہوں اور اگر دو سے زائد کی ضرورت پیش آئے تو چار تک کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چار مؤذن تھے اور بقدر حاجت وضرورت حنابلہ اور شوافع کے ہاں چار سے زائد بھی مؤذن رکھے جا سکتے ہیں اور مؤذن متعدد ہوں تو مستحب یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے اذان دیں جیسے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے، ان میں سے ایک دوسرے کے بعد اذان دیا کرتا تھا اور وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ یہ اعلان کے اعتبار سے زیادہ دور تک پہنچانے والا ہے۔

اور مؤذن کی تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں یہ بھی درست ہے کہ ہر ایک مینار پر اذان دے یا کنارے پر اذان دے یا سب کے سب ایک ہی دفعہ ایک جگہ اذان دیں۔

۱۱......یہ مستحب ہے کہ مؤذن اول وقت میں اذان دے تا کہ لوگ جان سکیں اور نماز کے لئے تیاری کریں۔ حضرت جابر بن سمرہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلال اذان کو وقت سے مؤخر نہیں کیا کرتے تھے، اور کبھی کبھار اقامت کو تھوڑا مؤخر کر دیا کرتے تھے ❸ اور ایک روایت میں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال سورج ڈھلتے ہی اذان دے دیا کرتے تھے تاخیر نہیں کرتے تھے پھر اقامت اس وقت تک نہیں کہتے تھے جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف نہ لے آتے جب آپ کو دیکھتے تو اقامت شروع کر دیتے۔ ❹

۱۲......اور امراء وغیرہ سے نماز کے لئے کہنا درست ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت بلال آئے اور بولے: السلام علیک یارسول اللہ وبرکاتہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اللہ کی آپ پر رحمت ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر سے کہہ دو وہ نماز پڑھا دیں اور حضرت بلال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ایسے ہی سلام کیا کرتے تھے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے تھے۔

---

❶......یہ حدیث ابوداؤد وابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کی ہے ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ ❷ یہ حدیث صحیح ہے بخاری اور مسلم نے اس کو روایت کیا ہے۔ ❸ یہ حدیث امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ ❹ یہ حدیث امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کی ہے۔

۱۳..... مستحب ہے کہ انسان مؤذن کے فارغ ہونے سے قبل اپنی جگہ سے کھڑا نہ ہو، بلکہ تھوڑا صبر کرے یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جائے یا فراغت کے قریب ہو جائے کیونکہ اذان سنتے ہوئے حرکت کرنے میں شیطان سے مشابہت ہے۔

مکروہات اذان......اذان میں مندرجہ ذیل امور مکروہ ہیں۔❶

۱..... پچھلی بحث میں بیان شدہ سنتیں نہ ہونے کی صورت میں اذان مکروہ ہوگی، احناف نے سنتوں کے نہ ہونے کی صورت میں ہونے والے احوال کراہت شمار کرائے ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

جنبی کی اذان واقامت مکروہ تحریمی ہے اور اس کی اذان کا اعادہ کیا جائے گا، اور ایک قول کے مطابق بے وضو شخص کی اقامت کا بھی اعادہ ہوگا اسی طرح ان لوگوں کی اذان بھی مکروہ ہے پاگل، مغلوب العقل، بے شعور بچہ، عورت، ہیجڑا، فاسق، نشے میں مدہوش، بیٹھا ہوا شخص سوائے اس کہ وہ اپنے لئے اذان دے اور سوار شخص سوائے اس کے کہ وہ مسافر ہو۔

۲..... اور لحن بنا کر اذان دینا مکروہ ہے، اس کا مطلب ہے آواز کو نچا کر، گنگنا کر نکالنا یا اتنا کھینچنا کہ اذان کے کلمات تبدیل ہو جائیں یا ان میں اضافہ یا کمی ہو جائے وغیرہ ہاں آواز کو بلا ان خرابیوں کے اچھا کرنا مطلوب ومقصود امر ہے۔ اور حنابلہ کے ہاں راجح قول کے مطابق تلحین کرنے والے کی اذان درست ہو جائے گی کیونکہ مقصود اس سے بھی ایسے ہی حاصل ہوتا ہے، جیسے بغیر تلحین کی اذان سے اور لحن یا عبارت میں غلطی بھی مکروہ ہے (یعنی زبر زیر وغیرہ کی غلطی)

۳..... اذان کے دوران چلنا پھرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ اعلان میں مخل ثابت ہو سکتا ہے، اذان کے دوران بات چیت بھی ممنوع ہے خواہ سلام کا جواب دینا ہی کیوں نہ ہو اور مؤذن کو سلام کرنا مکروہ ہے❷ اور مؤذن پر سلام کرنے والے کو اذان کے بعد جواب دینا لازم ہے۔ اور معمولی گفتگو سے اذان باطل نہیں ہوتی ہے، ہاں طویل گفتگو سے نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ یہ اس موالات (پے در پے ہونے) کو ختم کر دیتی ہے جو احناف کے علاوہ جمہور فقہاء کے ہاں شرط ہے۔ حنابلہ کی گفتگو سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اذان واقامت کے دوران سلام کا جواب دینا درست ہے۔

۴..... فجر کے علاوہ نمازوں میں تثویب نماز کے بلانے کے لئے پکار وغیرہ مکروہ ہے، خواہ اذان میں ہی تثویب کرے یا اس کے بعد کرے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں فجر میں تثویب کروں اور مجھے عشاء میں تثویب کرنے سے منع فرمایا❸ اور وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ فجر میں لوگ سور ہے ہوتے ہیں لہٰذا اس وقت تثویب مناسب ہے کیونکہ ان کو نیند سے بیدار کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

۵..... حنابلہ فرماتے ہیں کہ اذان کے بعد مسجد سے نکلنا حرام ہے اور بلا عذر جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا یہی معمول تھا ابو الشعثاء فرماتے ہیں ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے تھے، مؤذن نے اذان دے دی ایک شخص مسجد میں سے اٹھ کر چلا حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اس کے پیچھے اپنی نظریں لگا دیں جب وہ مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بولے: اس

---

❶..... فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷۲ الدر المختار ج ۱ ص ۲۶۴ مراقی الفلاح ص ۳۲، القوانین الفقهیه ص ۴۸ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۴۸ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۹۴، ۱۹۶، ۱۹۸ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۳۸ المهذب ج ۱ ص ۵۷ اور بعد کے صفحات، المغنی ج ۱ ص ۴۰۸، ۴۱۱، ۴۱۴، ۴۲۴، ۴۲۸، ۴۳۰ کشف القناع ج ۱ ص ۲۷۶، ۲۷۹، ۲۸۱، اور ۲۸۳. ❷ مالکیہ فرماتے ہیں حج یا عمرے کا تلبیہ پڑھنے والے کو اپنی حاجت پوری کر رہے شخص کو ہمبستری میں مشغول شخص کو اہل بدعت کو لہو ولعب میں مشغول شخص کو، اور اہل معاصی کو سلام کرنا مکروہ ہے، اسی طرح نوجوان لڑکی کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے اور اہل معصیت اگر مبتلائے معصیت ہوں اور نوجوان لڑکی کو سلام کرنے سے اندیشہ فتنہ ہو تو سلام کرنا حرام ہوگا نمازی طہارت حاصل کرنے والے کھانے والے اور قرآن پڑھنے والے کو سلام کرنا مکروہ نہیں ہے الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۹۸. ❸ بروایت امام ابن ماجہ۔

شخص نے تو ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی❶ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو مسجد میں اذان مل جائے پھر وہ نکلے اور وہ بھی بلاضرورت اور اس کا ارادہ لوٹنے کا بھی نہ ہو تو وہ شخص منافق ہے❷ ہاں کسی ضرورت کے تحت نکلنا مباح ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تثویب کے لئے اس کے وقت کے علاوہ نکل جاتے تھے۔

شوافع فرماتے ہیں اذان کے بعد مسجد سے نماز پڑھے بغیر بلاعذر نکلنا مکروہ ہے۔

۶.....حنابلہ فرماتے ہیں کہ رمضان کے مہینے میں فجر سے پہلے صرف ایک اذان دے دینا مکروہ ہے یعنی صرف ایک اذان پر اکتفاء کرنا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ لوگ اس کو فجر کی اذان سمجھ کر سحری نہ چھوڑ دیں۔ اور یہ بات بہت ممکن ہے کہ یہ امر اس شخص کے لئے مکروہ نہ شمار ہو جس کی رات میں اذان دیدینے کی عادت لوگوں میں مشہور ومعروف ہو کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایسا کیا کرتے تھے، دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے بے شک بلال رات میں اذان دے دیتا ہے تم لوگ کھاتے پیتے رہا کرو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دے دے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا تمہاری سحری سے تمہیں بلال کی اذان نہ روکے وہ تو رات میں سونے والوں کو جگانے کے لئے اذان دے دیتا ہے اور اس لئے قیام کرنے والا لوٹ سکے۔ اور ان حضرات کے ہاں اقامت سے پہلے اللھم صل علی محمد کہنا مکروہ ہے اس سے پہلے کھنکارنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح ان حضرات کے ہاں اذان کے بعد بازاروں وغیرہ میں نماز کے لئے آواز لگانا مکروہ ہے مثلاً یوں کہے نماز انماز یا کہے اقامت ہورہی ہے یا یوں کہے نماز پڑھو! اللہ کی تم پر رحمت ہو وغیرہ علامہ نووی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اقامت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا مسنون ہے۔

مؤذن اور اقامت کہنے والے کو جواب دینا......احناف کے راجح قول کے مطابق اذان سننے والے پر واجب اور اقامت سننے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ اس کی طرح ہر کلمے کو دو دو مرتبہ کہتا جائے صرف حیعلتین کے آنے پر حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کے بجائے لاحول ولا قوۃ الاباللہ کہے اور اس کے معنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مطابق یہ ہوتے ہیں کہ گناہوں سے بچنا صرف اللہ کی حفاظت سے ممکن ہے اور نیکی کی قوت صرف اس کی مدد سے ممکن ہے۔

دوسرے حضرات کے ہاں یہ عمل (یعنی مؤذن اور اقامت کہنے والے کو جواب دینا) مسنون ہے اور الصلاۃ خیر من النوم کے کلمے کے جواب میں یوں کہے صدقت وبررت (تم نے سچ کہا اور نیک کام کیا) تو اجابت (جواب دینا، قبول کرنا)❸ یہ درحقیقت زبان ہی سے ہے احناف کے ہاں اور ظاہر احناف کے ہاں یہی ہے❹ بعض احناف فرماتے ہیں کہ یہ اجابت قدموں کے ذریعے ہونی چاہئے۔ تاہم یہ امر مشکل ہے کیونکہ اس صورت میں اس شخص پر اول وقت میں وجوب ادا لازم ہو جاتا ہے (یعنی اول وقت میں اس پر ادائیگی لازم ہونا لازم آئے گی) مالکیہ صرف شہادتین کے آخر تک کہنے کو کافی قرار دیتے ہیں خواہ وہ شخص نفل نماز میں ہو اور مؤذن کی بقیہ اذان میں وہ نقل نہ کرے ایسا کرنا مکروہ ہوگا راجح اور معتمد قول یہی ہے اسی طرح الصلاۃ خیر من النوم میں بھی قطعاً یہ الفاظ نہ دہرائے اور نہ صدقت وبرأت کہے (یعنی تم نے سچ کہا اور نیک کام کیا) تاہم اقامت میں قد قامت الصلاۃ کے بعد اقامھا اللہ وادامھا (اللہ اس کو قائم ودائم

---

❶.....بروایت ابوداؤد و ترمذی، امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح کہا ہے۔❷ بروایت امام ابن ماجہ۔❸ اذان ایک پکار ہے اس کا جواب دینا ضروری ہے لیکن جواب دینے سے کیا مراد ہے اس میں اختلاف ہے اکثر احناف کی رائے یہ ہے اور یہی مذہب حنفی کا ظاہری قول بھی ہے کہ مراد زبان سے جواب دینا ہے یعنی ان کلمات کا کہنا جو جواب میں کہنے مسنون ہیں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مراد ہے قدموں سے جواب دینا یعنی مسجد جانا۔ از مترجم❹ البدائع ج ۱ ص ۱۵۵ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷۳ الدرالمختار ج ۱ ص ۳۶۷ اور بعد کے صفحات۔ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۵۳ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۹۶ القوانین الفقھیہ ص ۴۸ المجموع ج ۳ ص ۱۲۴ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۴۰ المھذب ج ۱ ص ۵۸ کشاف القناع ج ۱ ص ۲۸۴ المغنی ج ۱ ص ۴۲۶۔۴۲۸۔

رکھے) کہہ دینا چاہئے۔

اجابت (جواب دینے) کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اذان سنو تو ایسے ہی کہو جیسے مؤذن کہہ رہا ہو❶ تاہم مالکیہ فرماتے ہیں کہ لفظ **سمعتم** (جب تم سنو) سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ خواہ بعض ہی سنو اور خصوصاً یہ بات قابل قبول اس لئے بھی ہے کہ یہ فرمایا تم ایسے ہی کہو جیسے وہ کہہ رہا ہو یہ نہیں فرمایا کہ تم ایسے کہو جیسے اس نے کہا ہو لیکن میرے خیال میں اس تاویل میں واضح بیجا پن ہے اور ظاہر بات وہی ہے جو بعض مالکیہ نے بھی فرمائی ہے کہ وہ پوری اذان کو نقل کرے اور اس حدیث میں حکم احناف کے ہاں وجوب کے لئے ہے اور دوسرے حضرات کے نزدیک استحباب کے لئے ہے جیسے نماز کے بعد دعا کرنے کا حکم ہے۔

امام مسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مؤذن کے جواب میں اسی کی طرح الفاظ دھرانے کی فضیلت نقل فرمائی ہے، سوائے **حی علی الصلاۃ** اور **حی علی الفلاح** کے ان کے جواب میں **لا حول ولا قوۃ الا باللہ** کہے❷ اور ابن خزیمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ سنت میں سے ہے یہ عمل کہ مؤذن جب فجر کی اذان میں **حی علی الفلاح** کہے تو اس کے بعد **الصلاۃ خیر من النوم** کہے❸ ابوداؤد نے بعض صحابہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت بلال نے اقامت شروع کی، جب یہ کلمہ کہا **قد قامت الصلاۃ** تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اقامھا اللہ وادامھا**❹ اور تثویب (**الصلاۃ خیر من النوم**) کے بارے میں بھی ایک روایت منقول ہے جیسا کہ ابن رفعہ نے کہا ہے تاہم یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کا کہنے والا کون ہے اور وہ شخص جو کچھ پڑھنے میں مشغول ہو خواہ قرآن کریم اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنی قرأت روک دے تا کہ وہ مؤذن کی اذان یا اقامت کا جواب دے سکے کیونکہ یہ چیز چھوٹ سکتی ہے جب کہ قراءت نہیں چھوٹ سکتی ہے تاہم اگر نماز میں سنے تو اس کا جواب نہ دے تا کہ وہ نماز میں ایسی چیز میں مشغول نہ ہو جو نماز میں سے نہیں ہے جب کہ ایک روایت میں یہ منقول ہے بے شک نماز میں شغل ہوتا ہے (یعنی نماز میں اس کی اپنی مشغولیت ہوتی ہے۔ اور اس بناء پر احناف کے ہاں یہ حکم ہے کہ اذان واقامت کے دوران نہ بات چیت کرے اور نہ کسی چیز میں مشغول ہو۔

اور جمہور کے ہاں جواب دینے کا حکم سب کو عام ہے خواہ جنبی شخص ہو حائضہ عورت ہو یا نفاس والی ہو، یا وہ شخص نفلی یا فرض طواف میں مشغول ہو اور ہم بستری کے بیت الخلاء سے فراغت کے اور نماز کے بعد جواب دے گا اگر فصل بہت زیادہ واقع نہ ہو گیا ہو۔

احناف فرماتے ہیں کہ جواب دینے کا حکم ہر اذان سننے والے کے لئے ہے خواہ وہی جنبی ہو لیکن حائضہ نفاس والی خطبہ سننے والا نماز جنازہ میں مشغول شخص ہم بستری کرتا ہوا شخص بیت الخلاء میں قضائے حاجت کرتا ہوا شخص کھاتا ہوا علم سیکھنے اور سکھانے کا عمل کرنے والا شخص ان تمام لوگوں کو جواب دینے کا حکم شامل نہیں ہوگا۔ تاہم دوران قراءت قرآن جواب دینا چاہئے کیونکہ یہ چیز یعنی تلاوت فوت نہیں ہوتی ہے اور قرأت کو لوٹانا باعث اجر ہے احناف کے ہاں اذان سنتے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے اور افضل یہ ہے کہ چلتا ہوا آدمی رک جائے تا کہ جواب دینے کا عمل ایک جگہ انجام پائے اور مؤذن کو ہر حال میں جواب دے خواہ پوری اذان سنے یا آدھی، اور اگر دوری یا بہرے پن کی وجہ سے سن نہ پائے تو جواب دینا مسنون نہیں ہوگا۔

---

❶..... متفق علیہ یہ حدیث حضرات صحاح ستہ (یعنی جماعت) نے صحابہ کی ایک جماعت سے نقل کی ہے ان میں حضرت ابوہریرہ حضرت عمرو بن العاص حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت ام حبیبہ شامل ہیں مسلم اور ابوداؤد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جواب دینے کا طریقہ نقل فرمایا۔۔۔نیل الاوطار ج ۲ ص ۵۱، ۵۳۔ ❷ سبل السلام ج ۱ ص ۱۲۶۔ ❸ سبل السلام ج ۱ ص ۱۲۰۔ ❹ حوالہ گزشتہ ج ۱ ص ۱۲۷، اور ابوداؤد کی سند ضعیف کے ساتھ روایت کردہ ایک روایت میں ہے یوں کہے: اقامھا اللہ وادامھا مادامت السموات والارض اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا بھی منقول ہے اللھم اقمھا وادمھا واجعلنی من صالح اھلھا۔

اور مؤذن کے جواب کا تدارک کرنا چاہئے اگر فصل زیادہ نہ ہو گیا ہو اور اگر فصل ہو گیا تو نہیں۔❶

اور اگر متعدد اذانیں ہوں تو جیسا کہ الدر المختار میں ہے، صرف پہلی اذان کا جواب دے خواہ اس کی مسجد کا مؤذن ہو یا کہیں اور کا تاہم علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں میرے نزدیک سب کا جواب قولاً دینا بہتر ہے کیونکہ سب متعدد ہے اور وہ ہے اذان کا سننا جیسا کہ یہ مسئلہ بعض شوافع کے ہاں بھی ہے علامہ نووی المجموع میں فرماتے ہیں کہ اگر ایک کے بعد دوسرے مؤذن کو سنے تو مختار قول یہ ہے کہ اصل فضیلت سب کو جواب دینے کی ہے تاہم اول کا جواب ضروری ہے اس کا ترک کرنا مکروہ ہے۔❷

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا اور مؤذن اذان دینا شروع کر چکا ہو تو وہ شخص تحیۃ المسجد وغیرہ نہ پڑھے بلکہ کھڑا رہ کر مؤذن کو جواب دے یہاں تک کہ وہ اذان سے فارغ ہو جائے، تاکہ یہ شخص جواب دینے اور تحیۃ المسجد دونوں کے اجر کو پاسکے احناف فرماتے ہیں کہ اگر مسجد میں داخل ہوا اور مؤذن اذان دے رہا ہو تو وہ بیٹھ جائے یہاں تک کہ اذان یا اقامت ختم ہو جائیں اور امام اپنی جانماز پر چلا جائے۔

۔ اذان کے بعد مستحب امور...... اذان اور اقامت کے بعد مندرجہ ذیل امور مسنون ہیں۔❸

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا یہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اذان سے فراغت کے بعد مؤذن اور سامع دونوں کے لئے مسنون ہیں دلیل وہ حدیث ہے جو آرہی ہے اور اذان کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر درود بھیجنے کی رسم سلطان صلاح الدین ایوبی کے زمانے میں سنہ ۷۸۱ھ میں پیر کی عشاء کی اذان میں پڑی۔ اس کے بعد جمعے کے دن پڑی پھر دس سال بعد تمام نمازوں میں ماسوا مغرب کے یہ رسم رائج ہو گئی پھر مغرب میں بھی دو مرتبہ ایسا ہونے لگا۔ فقہاء فرماتے ہیں یہ بدعت حسنہ ہے۔

۲...... ماثور دعا پڑھے یعنی اللھم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت محمدا الوسيلة والفضيلة وابعثه مقامًا محمودا لذی وعدته کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم مؤذن کی اذان سنو تو ویسے ہی کہو جیسے وہ کہتا ہو پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک درود بھیجے اللہ اس پر اس کے سبب دس رحمتیں نازل کرتا ہے پھر اللہ سے میرے لئے وسیلہ طلب کرو یہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک شخص کو ملے گا اور میں کہتا ہوں کہ میں وہی ہوں گا تو جو شخص میرے لئے وسیلہ طلب کرے اس کے لئے میری شفاعت حلال ہے❹ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو شخص اذان سن کر یہ کہے وانا اشهد ان لااله الاالله وحده لاشريك له وان محمداً رسول الله

---

❶...... ردالمحتار ج ا ص ۳۶۸ مغنی المحتاج ج ا ص ۱۴۰۔❷ ردالمحتار ج ا ص ۳۶۹ مغنی المحتاج ج ا ص ۱۴۰۔❸ فتح القدیر ج ا ص ۴۷ اور بعد کے صفحات الدر المختار ج ا ص ۲۶۲ مراقی الفلاح ص ۳۳ القوانین الفقھیہ ص ۴۸ مغنی المحتاج ج ا ص ۱۴۱ المہذب ج ا ص ۵۸ المغنی ج ا ص ۴۲۷ کشف القناع ج ا ص ۲۸۶۔❹ اصحاب صحاح ستہ نے ماسوا بخاری اور ابن ماجہ حضرت ابن عمر سے مرفوعاً روایت کی ہے حدیث کا مطلب یہ ہے اللھم (اے اللہ) یہ لفظ اصل میں یا اللہ تھا اس میں سے یا ہٹا دی گئی اور اس کے بدلے میم لایا گیا اس لئے یہ دونوں جمع ہو کر یا اللھم نہیں آتے ہیں الدعوۃ التامہ سے مراد ہے دعوت توحید کیونکہ اس میں تغیر اور تبدیلی واقع نہیں ہوتی ہے، یہ قیامت تک باقی رہنے والا ہے یا مراد اذان واقامت کی دعوت ہے، اس کو تامہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ مکمل ہے اور ہر نقص سے محفوظ ہے الصلاة القائمة: وہ نماز جو کھڑی ہونے والی ہے الوسیلہ: اللہ سے قریب ایک قول یہ ہے کہ یہ جنت میں ایک مقام ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں وارد ہے یہ معنی زیادہ صحیح اور متعین ہیں کیونکہ حدیث میں یہی منقول ہے فضیلۃ: وہ مرتبہ جو تمام اخلاف وغیرہ سے زائد ہو مقام محمود: شفاعت کبریٰ روز قیامت مراد ہے کیونکہ اس دن سب سے اول وآخر آپ کی تعریف فرمائیں قرآن میں ہے عسى ان يبعثك ربك مقامًا محمودًا اور اللہ سے اس سے مانگنے کی حکمت جب کہ اللہ اپنے وعدے کے سبب اس کو ویسے ہی پورا کر دے گا آپ کی کرامت اور عظمت کا اظہار ہے نیل الاوطار ج ۲ ص ۵۵۔

صلی اللہ علیہ وسلم رضیت باللہ یا وبالاسلام دینا وبحمد رسولاً تو اس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔❶

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اذان سن کر یہ کہے اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلاۃ القائمۃ آت محمد الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ تو اس شخص کے لئے میری شفاعت بروز قیامت حلال ہوگی۔❷

اور اگر مغرب کی اذان ہو تو یہ کلمات کہے:

اللھم ھذا اقبال لیلك وادبار نھارك واصوات دعاتك وحضور صلواتك فاغفرلی

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کو یہ دعائیہ کلمات کہنے کا حکم دیا تھا❸ اور فجر کے وقت یہ کہے:

اللھم ھذا اقبال نھارك وادبار لیلك واصوات دعاتك فاغفرلی

۳......اذان سے فراغت کے بعد اس کے اور اقامت کے درمیان دعا مانگے، اور اللہ سے دنیا اور آخرت میں عافیت طلب کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی ہے لوگوں نے عرض کیا تو ہم لوگ کیا کہا کریں؟ آپ نے فرمایا اللہ سے مغفرت اور دنیا اور آخرت میں عافیت طلب کرو۔❹

اور یہ مستحب ہے کہ مؤذن اذان اور اقامت کے درمیان بیٹھ کر کچھ دیر جماعت کا انتظار کرے جیسا کہ اذان کی سنتوں میں یہ بات بیان کر چکا ہوں۔

۲۔ دوسری بحث......اقامت

اقامت کا طریقہ اور اس کی کیفیت اقامت موجودہ اور فوت شدہ وقتی نمازوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے اکیلے شخص کے لیے بھی اور جماعت کے لئے بھی۔ مالکیہ اور شوافع کے ہاں مردوں اور عورتوں کیلئے بھی، حنابلہ اور احناف فرماتے ہیں کہ عورتوں پر اذان واقامت نہیں ہے۔

اقامت کے طریقے کے بارے میں فقہاء کی تین قسم کی آراء مانی جاتی ہیں❺ احناف فرماتے ہیں اقامت میں دو دو دفعہ کلمات کہے جائیں گے اور تکبیر چار دفعہ کہی جائے گی اذان کی طرح تاہم اس میں حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوۃ دو مرتبہ کہا جائے گا اس طرح اس کے کلمات ان حضرات کے ہاں سترہ ہوں گے دلیل اس کی وہ روایت ہے جو ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بتلایا ہے کہ عبداللہ بن زید انصاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہوا اس پر دو سبز چادریں تھیں، وہ ایک دیوار پر کھڑا ہوا پھر اس نے دو دو کلمات کر کے اذان دی اور دو دو کلمات کی تکبیر کہی۔❻

---

❶...... بروایت مسلم۔❷ بروایت صحاح ستہ مسلم نیل الاوطار ج ۲ ص ۵۴ اور بعد کے صفحات۔❸ بروایت ابوداؤد وترمذی، المھذب ج ۱ ص ۵۹ بھی ملاحظہ کیجئے۔❹ یہ صحیح حدیث ہے اس کو امام احمد ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے امام ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے امام نسائی ابن خزیمہ ابن حبان اور ضیاء نے المختارہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے نیل الاور طاج ۲ ص ۵۵ سبل السلام ج ۱ ص ۱۳۰۔

❺ البدائع ج ۱ ص ۱۴۸ الدرالمختار ج ۱ ص ۳۶۰ اللباب ج ۱ ص ۶۳ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۶۹ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۵۶ القوانین الفقھیہ ص ۴۸ بدایۃ المجتھد ج ۱ ص ۱۰۷ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۳۳ ۱۳۶ المھذب ج ۱ ص ۵۴ ۵۷ المغنی ج ۱ ص ۴۰۶ کشف القناع ج ۱ ص ۲۶۷۔❻ اس حدیث کے رواۃ صحیح حدیث کے رواۃ کی طرح ہیں، یہ حدیث متصل شمار ہوگی کیونکہ صحابہ کرام سب کے سب عادل ہیں ان کے نام سے ناواقف ہونا مضر نہیں ہے، یہ حدیث بیہقی نے بھی روایت کی ہے اس طرح کی روایت امام ابوداؤد وغیرہ کے ہاں بھی موجود ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۶۶۔۲۶۷۔

امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان جفت ہوا کرتی تھی اذان میں بھی اور اقامت میں بھی ❶ اور حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے لئے انیس کلمات اور اقامت کے لئے سترہ کلمات سکھائے تھے۔❷

مالکیہ فرماتے ہیں اقامت دس کلمات ہیں، قد قامت الصلاۃ بھی ایک مرتبہ کہا جائے گا کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ بلال کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اذان میں جفت عدد میں کلمات کہیں اور اقامت میں طاق عدد میں کلمات کہیں۔❸

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں اقامت ایک ایک کلمہ کر کے کہی جائے گی اور کل گیارہ کلمات ہوں گے اور ایک ایک کلمہ کہنے کے اصول سے قد قامت الصلاۃ مستثنیٰ ہے اس کو دو مرتبہ کہا جائے گا اور دلیل اس کی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اذان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دو دو کلمات ہوتی تھی اور اقامت ایک ایک مرتبہ لیکن مؤذن اقامت میں قد قامت الصلاۃ دو مرتبہ کہا کرتے تھے۔❹

میری رائے میں یہ سب سے صحیح رائے تھے، یا معاملہ اس رائے اور احناف کی رائے کے درمیان اختیاری ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے مقید ہے۔

اقامت کے احکام...... اقامت کے احکام اذان کے پہلے بیان شدہ احکامات کی طرح ہی ہیں ان میں اضافہ ان مندرجہ ذیل امور کا ہے۔❺

۱..... اقامت کو تیز تیز پڑھنا مسنون ہے۔ یعنی اتنا تیز پڑھنا کہ حروف واضح رہیں لہٰذا دو کلموں کو ایک آواز میں پڑھنا اور دوسرے کلمے کو الگ آواز میں پڑھنا چاہئے اس حکم میں عمل درآمد اس حدیث پر ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور پہلے گزری کہ جب تم اذان دو تو ٹھہر ٹھہر کر دو، اور جب اقامت کہو تو تیز تیز کہو، اور اپنی اذان اور اقامت میں اتنا فاصلہ رکھو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے فارغ ہو جائے۔

۲..... چاروں مذاہب میں افضل یہ ہے کہ اقامت وہی کہے جو اذان دے سنت کی پیروی میں جیسا کہ اذان کی شرائط کے بیان میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ حدیث میں ہے جو اذان دے وہی اقامت کہے اور اگر ایک اذان کہے اور دوسرا اقامت کہے تو یہ جائز ہوگا۔

تاہم احناف فرماتے ہیں کہ اگر اذان دینے والے کی دوسرے کی اقامت کہنے سے دل آزاری ہو تو دوسرے کے لئے اقامت کہنا مکروہ ہے اور اگر اس کی دل آزاری نہ ہو تو جائز ہے۔

۳..... حنابلہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ اذان کی جگہ ہی اقامت کہی جائے کیونکہ اقامت اعلان کی غرض سے مشروع کی گئی ہے لہٰذا اذان کی جگہ ہی یہ مشروع ہے تاکہ پکار دوسروں تک پہنچنے میں زیادہ مبالغہ رہے ہاں اگر اذان مینار پر ہوتی ہو یا مسجد سے باہر کسی جگہ پر ہو تو اذان کے علاوہ جگہ میں بھی کھڑا ہو کر اقامت کہہ سکتا ہے تاکہ دور آنے جانے سے نماز کا کچھ حصہ چھوٹ نہ جائے۔

---

❶...... نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۶۷ اذان کے ان حضرات کے ہاں پندرہ کلمات ہیں۔❷ یہ حدیث پانچوں حضرات نے روایت کی ہے امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے حوالہ بالا و نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۳ اذان کے انیس کلمات ترجیع کی وجہ سے ہوں گے اور اقامت کے سترہ قد قامت کی وجہ سے۔❸ بروایت صحاح ستہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۰۔❹ بروایت امام احمد نسائی ابوداؤد، امام شافعی ابو عوانہ دار قطنی ابن خزیمہ ابن حبان اور حاکم۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۴۳۔❺ الدرالمختار ج ۱ ص ۳۶۱ ۳۷۱ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷۰ البدائع ج ۱ ص ۱۵۱ بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۰۵ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۵۵ المہذب ج ۱ ص ۵۹ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۳۶، ۱۳۸ اور بعد کے صفحات المغنی ج ۱ ص ۴۱۵ ۴۱۷، ۴۵۸ اور بعد کے صفحات کشاف القناع ج ۱ ص ۲۷۵ اور بعد صفحات ص ۲۷۹، ۲۸۱۔

شوافع فرماتے ہیں مستحب یہ ہے کہ اقامت اذان کی جگہ پر نہ ہواور اذان سے ہلکی آواز میں ہواور اقامت اس وقت تک شروع نہ کرے جب تک امام اس کی اجازت نہ دیدے، کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کیا کرتے تھے۔اور زیاد بن حارث صدائی کی روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا شروع ہو گیا: اقامت کہہ دوں؟ اقامت کہہ دوں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مؤذن اذان کا مالک ہے اور امام اقامت کا۔❶

۴.....نمازی اقامت کے وقت اس وقت تک نہ کھڑے ہوں جب تک کہ امام کھڑا نہ ہو جائے یا وہ آنے نہ لگے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب نماز کھڑی ہونے لگے تو اس وقت تک مت اٹھو جب تک مجھے نہ دیکھ لو❷ مقتدیوں کے لئے کھڑے ہونے کے وقت کی تعیین کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ نمازی کے لئے اقامت کے دوران یا اس کے شروع میں یا اس کے بعد کھڑا ہونا جائز ہے۔یعنی اس کے لئے کوئی وقت متعین نہیں ہے یہ لوگوں کی قوت اور طاقت پر منحصر ہے، ان میں بھاری اور ہلکے دونوں قسم کے لوگ ہوتے ہیں احناف کہتے ہیں کہ مقتدی حی علی الفلاح پر کھڑا ہو اور امام کے کھڑے ہونے کے بعد کھڑا ہو۔حنابلہ فرماتے ہیں کہ مؤذن کے ان الفاظ قد قامت الصلاۃ پر کھڑا ہو کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قد قامت الصلاۃ کہہ دیتا شوافع فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ مقتدی اقامت کے ختم ہونے کے بعد کھڑا ہو اگر امام نمازیوں کے ساتھ مسجد میں ہو❸ اور ان کا فی الفور جلدی سے کھڑا ہونا ممکن ہوتا کہ وہ تکبیر اولی پا سکیں۔بصورت دیگر اس وقت تک کھڑا ہو جائے کہ وہ تکبیر اولی پا سکے۔

۵.....اذان کی طرح اس میں بھی کھڑے ہو کر پاک حالت میں قبلہ رخ ہو کر کہنا مسنون ہے، دوران اقامت وہ نہ چلے اور نہ بات چیت کرے اور یہ بھی شرط ہے کہ اقامت اور نماز میں طویل فصل نہ ہو۔اور طویل فصل ہونے کی صورت میں یا ایسی چیز کے پائے جانے کی صورت میں جو قاطع شمار ہو جیسے کھانا اقامت کو لوٹا لینا چاہئے اور مسنون یہ ہے کہ اقامت سے فراغت کے بعد امام فوراً تکبیر تحریمہ کہہ لے، اور اقامت اور نماز میں ایسی چیز سے ہی فصل کر سکتا ہے جو مستحب اور مندوب ہو جیسے صفوں کے سیدھے کرنے کا حکم وغیرہ اور عورت کی اقامت مردوں کے لئے جائز نہیں ہے، اور شوافع کے نزدیک جو شخص اہل ہو اس کے لئے مسنون ہے کہ وہ اذان واقامت دونوں کہے، اسی طرح احناف کے ہاں بھی یہی تفصیل ہے اور افضل یہ ہے کہ امام ہی مؤذن ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسا کہ الضیاء میں منقول ہے سفر میں خود اذان دی اور اقامت کہی اور ظہر کی نماز پڑھائی۔

اقامت کا اونچی جگہ پر ہونا مسنون نہیں ہے اور نہ ہی کانوں میں انگلیاں ڈالنا مسنون ہیں، اور نہ اس میں ترجیع ہے اور نہ ترتیل (تجوید اور مخارج حروف کے اہتمام کے ساتھ پڑھنا) ہے۔

۶.....جب مؤذن اذان دے اور اقامت کہے تو تمام لوگوں کے لئے اذان دینا اور اقامت کہنا مستحب نہیں ہے، لوگوں کو چاہئے کہ صرف ویسا ہی کہہ دیں جیسے مؤذن کہے کیونکہ سنت میں ایسے ہی منقول ہے۔

۷.....امام کے لئے صفوں کا درست کرانا مستحب ہے دائیں بائیں متوجہ ہو کر اس قسم کے انداز میں کہے صفیں سیدھی کر لیں اللہ آپ پر رحمت فرمائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اپنی صفیں سیدھی کرو صفوں کا سیدھا کرنا نماز کو مکمل کرنے کا ہی حصہ ہے۔❹

---

❶.....یہ حدیث ابن عدی نے روایت کی ہے ان کا مکمل نام حافظ کبیر ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی تھا ابن القصار کے نام سے بھی یہ معروف ہیں مشہور زمانہ کتاب الکامل فی الجرح والتعدیل انہی کی ہے ۲۷۹ میں ولادت اور ۳۶۵ھ میں وفات ہوئی۔ سبل السلام ج ۱ ص ۱۳۰۔❷متفق علیہ۔❸سبل السلام ج ۱ ص ۱۳۱ الحضرمیہ ص ۴۷ المجموع ج ۳ص ۲۳۷ المغنی ج ۱ ص ۴۵۸ الدر المختار ج ۱ ص ۴۴۷۔❹متفق علیہ

ضمیمہ......نماز کے علاوہ امور کے لئے اذان کا حکم

اوپر بیان شدہ تفصیل کے ساتھ یہ پیش نظر رہے کہ اذان نماز کے علاوہ چند اور چیزوں کے لئے بھی مستحب ہے۔

ا......نومولود بچے کے دائیں کان میں ولادت کے بعد اذان دینا اسی طرح بائیں کان میں اقامت کہنا مستحب ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کی پیدائش پران کے کان میں اذن دی تھی۔ ❶

۲......آگ لگ جانے پر جنگ کے موقع پر اور مسافر کے پیچھے اذان دینا۔

۳......غمگین مرگی کے دورے پڑنے والے اور بہت غصے والے شخص کے کان میں اذان دینا اور اس شخص کے کان میں اذان دینا جو بہت بداخلاق ہو یا سرکش جانور کے کان میں اذن دینا اسی طرح بھوت پریت اور جنات بدروح وغیرہ نظر آنے پر اذان دینا تا کہ ان کے شر سے محفوظ رہا جا سکے، کیونکہ شیطان اذان کی آواز سن کر بھاگ جاتا ہے۔ اور شوافع کے معتمد قول کے مطابق مردے کو قبر میں ڈالتے وقت اذان دینا مسنون نہیں ہے۔

چوتھی فصل......نماز کی شرائط

نماز کی صحت اس کی شرائط وارکان کے پائے جانے پر موقوف ہے شرط لغت میں علامت کو کہتے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں وہ چیز جس پر کسی چیز کا وجود موقوف ہو اور وہ اس چیز کی حقیقت وماہیت میں بھی نہ ہو۔

رکن لغت میں قوی جانب کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں وہ چیز جس پر کسی چیز کا وجود موقوف ہو اور وہ ایسا ذاتی جز ہو جو اس چیز کی حقیقت وماہیت میں داخل ہو اس چیز کی حقیقت وماہیت اسی سے مل کر تشکیل پاتی ہو۔ شرط اور رکن دونوں پر فرضیت کے وصف کا اطلاق ہوتا ہے، یہ دونوں فرض ہوتے ہیں لہٰذا بعض فقہاء اس بحث کو فروض الصلاۃ کا عنوان دیتے ہیں شرط دو قسم کی ہوتی ہیں، شرط تکلیف یا شرط وجوب اور دوسری ہے شرط صحت اور اداء شرط وجوب اس شرط کو کہتے ہیں جس پر نماز کا واجب ہونا موقوف ہو جیسے بلوغت اور عقل وغیرہ اور شرط صحت اس شرط کو کہتے ہیں جس پر نماز کی صحت موقوف ہوتی ہے جیسے طہارت وغیرہ۔

نماز کے وجوب کی شرائط...... نماز مسلمان، عاقل بالغ پر واجب ہے جس کے ساتھ کوئی مانع نہ ہو جیسے حیض اور نفاس تو نماز کے وجوب کی شرائط تین ہوئیں۔ ❷

ا۔ اسلام...... نماز ہر مسلمان پر واجب ہے، مرد ہو یا عورت لہٰذا جمہور کے ہاں کافر پر نماز اس حیثیت میں واجب نہیں کہ اس سے دنیاوی طور پر مطالبہ کیا جا سکے کیونکہ نماز کا صدور اس سے صحیح سے ہے ہی نہیں تاہم اخروی حیثیت کے اعتبار سے اس پر واجب ہوگی کہ اس کے نہ انجام دینے پر اس کو سزا ملے گی کیونکہ اس کے لئے اس کی ادائیگی اس طرح ممکن ہے کہ وہ اسلام لے آئے کیونکہ جمہور فقہاء کے نزدیک کافر حالت کفر میں شریعت کی فروعات کا یا اسلام کا مکلف ہوتا ہے۔

احناف کے ہاں کافر پر واجب نہیں ہے، اور یہ حکم اس اصول کی بنیاد پر ہے کہ احناف کے ہاں کافر فروع شریعت کے مکلف نہیں ہے نہ دنیاوی اعتبار سے اور نہ اخروی اعتبار سے۔

---

❶..... بروایت امام ترمذی، امام ترمذی نے اس کو حدیث صحیح قرار دیا ہے۔ ❷ مراقی الفلاح ص ۲۸ القوانین الفقھیہ ص ۴۴ الشرح الصغیر ج ا ص ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۶۰، ۲۶۵، االشرح الکبیر ج ا ص ۲۰۱ مغنی المحتاج ج ا ص ۱۳۰۔۱۳۲ المھذب ج ا ص ۵۳ المغنی ج ا ص ۳۹۶۔۴۰۱، ۶۱۵ کشف القناع ج ا ص ۳۰۶، ۳۶۴ المحرر فی الفقه الحنبلی ج ا ص ۲۹۔۳۳

کافر پر اسلام لانے کے بعد بالاتفاق قضاء لازم نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ...... سورۃ الانفال آیت نمبر ۳۸

آپ کہہ دیجئے کافروں سے اگر وہ رک جائیں تو ان کے گذشتہ گناہ معاف کردیے جائیں گے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسلام پہلے کی چیزوں کو کالعدم کردیتا ہے ❶ مراد یہ ہے کہ وہ گناہ جو حالت کفر میں اس شخص کے لئے ہوں ان کے اثرات اسلام لانے سے ختم ہوجائیں گے، مرتد پر احناف کے علاوہ فقہاء کے نزدیک اسلام لانے کے بعد بیچ کے زمانہ کفر کی نمازوں کی قضاء کرنی ہوگی یہ حکم اس پر شدت اور سختی برتنے کے پیش نظر ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمان ہونے کی بناء پر اس نے یہ چیز اپنے اوپر لازم کرلی تھی لہٰذا اب اس کے منکر ہوجانے سے وہ ساقط نہیں ہوگی جیسے انسانوں کے مالی حقوق احناف کے ہاں کافر اصلی کی طرح اس شخص پر بھی قضاء نہیں ہوگی وہ نیکیاں وہ بھلائی کے کام جو کافر انجام دے تو وہ آخرت میں اس کے لئے نافع نہیں ثابت ہوں گے اگر وہ حالت کفر میں مرجائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے حوالے سے فرماتا ہے:

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ سورۃ الفرقان آیت نمبر ۲۳

اور ہم لوٹے ان کے ان اعمال کی طرف جو انہوں نے انجام دیئے سو ہم نے انہیں کردیا۔

دنیاوی طور پر امور رزق میں گنجائش اور زندگی میں سہولت وآسانی کا سبب بن سکے گی۔ اور اگر وہ اسلام لے آئے تو ان اعمال پر ثواب ملے گا اور اسلام ان کے اعمال کو کالعدم نہیں کرے گا دلیل حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو امام مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ کا کیا خیال ہے ان کاموں کے بارے میں جو میں زمانہ جاہلیت میں بطور نیکی کیا کرتا تھا؟ کیا مجھے ان پر اجر ملے گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم اسلام لائے ہو ان بھلائیوں سمیت جو تم پہلے کرچکے ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب کوئی شخص اسلام لائے اور اس کا اسلام خوب اچھا ہو تو اللہ اس سے وہ تمام برائیاں معاف کردیتے ہیں جو اس نے پہلے کی ہوں، اور اس برابری کے بعد نیکی کے بدلے میں جیسی دس ملیں گی سات سوگنا تک اور برائی کے بدلے میں اس جیسی برائی ہی ملے گی سوائے اس کے کہ اللہ اس سے درگزر کردے ❷ علامہ نووی فرماتے ہیں درست بات جو محققین نے اختیار کی ہے، بلکہ بعض نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ: کافر اگر اچھے کام انجام دے جیسے صدقہ اور صلہ رحمی وغیرہ پھر اسلام لائے اور اسلام پر اس کا انتقال ہو تو ان اعمال کا ثواب اس کے نام لکھا جائے گا۔❸

۲۔ بلوغت...... بچے پر نماز واجب نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قلم تین آدمیوں پر سے اٹھالیا گیا ہے، پاگل شخص سے جو مغلوب العقل ہو جب تک کہ وہ ٹھیک نہ ہوجائے سونے والے پر سے جب تک وہ بیدار نہ ہوجائے اور بچے سے جب تک وہ بالغ نہ ہوجائے۔❹

تاہم بچہ خواہ لڑکا ہو یا لڑکی اس کو نماز کا حکم دیا جائے گا عادت ڈالنے کی خاطر اور یہ جب کرنا چاہئے جب وہ سات سال کا ہوجائے یعنی

---

❶...... بروایت امام احمد وطبرانی اور بیہقی از حضرت عمرو بن العاص امام مسلم نے اپنی کتاب میں اسی معنی میں حضرت عمرو ہی سے روایت کی ہے کہ کیا تمہیں نہیں پتہ کہ اسلام اپنے سے پہلے کے کاموں کو کالعدم کردیتا ہے اور ہجرت پہلے کے اعمال کو کالعدم کردیتی ہے اور حج پہلے کے اعمال کو کالعدم کردیتا ہے۔ نیل الاوطار ج ا ص ۲۹۹۔ ❷ بروایت امام بخاری اور نسائی از حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔ ❸ نیل الاوطار ج ا ص ۳۰۰۔ ❹ بروایت امام احمد، ابوداؤد، اور حاکم از حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ حدیث صحیح ہے یہ حدیث امام احمد، ابوداؤد، حاکم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستقظ وعن المبتلى حتى يبرأ وعن الصبى حتى يكبر نيل الاوطار ج ا ص ۲۹۸

باشعور ہو جائے، اور دس سال کا ہو جانے پر نماز چھوڑنے پر اس کو ہاتھ سے مار کر، لکڑی سے نہیں سرزنش کی جائے گی، یہ مارتین سے زائد نہ ہو اور یہ بھی جب ہے جب ایسا کرنا فائدہ مند ہو ورنہ نہیں۔ مقصود اس مار سے تنبیہ کرنا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنی اولادوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں اور دس سال کا ہونے پر ان کو مارو اور اس عمر میں ان کے بستر بھی الگ کرو❶ یعنی اس طرح لیٹنے نہ دو کہ وہ برہنہ حالت میں ایک کپڑے تلے اکٹھے لیٹے ہوں۔ اور اگر ہر ایک الگ کپڑے پہن کر لیٹا ہو تو ایک بستر میں لیٹنے میں مضائقہ نہیں ہے۔

اور دس سال کی عمر میں الگ کرنے کا حکم استحبابی ہے اور دو بالغ آدمیوں کا بقصد لذت اپنی ستر کی جگہوں کا ملانا حرام ہے، اور بلا لذت ملانا مکروہ ہے جیسے سینے ملانا۔

اور بچے کے لئے احکامات اس کے ولی کی طرف لوٹتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ......سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۱۳۲

اور حکم دیجئے اپنے اہل خانہ کو نماز کا اور اس پر قائم رہیے۔

اور فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا ......سورۃ تحریم، آیت نمبر ۶

اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو جہنم کی آگ سے۔

۳۔ عقل...... لہٰذا جمہور فقہاء ماسوا حنابلہ کے ہاں پاگل مغلوب العقل اور ان کی طرح کے دیگر لوگ جیسے بے ہوش شخص وغیرہ پر نماز واجب نہیں ہے سوائے اس کے کہ نماز کے بقیہ وقت میں انہیں افاقہ ہو جائے وجہ اس کی یہ ہے کہ عقل بنیاد اور مدار ہے مکلف ہونے کی، جیسا کہ پہلے گزری ہوئی ایک حدیث میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ **عن المجنون حتی یبرأ** (پاگل پر سے احکام مرتفع ہیں یہاں تک کہ وہ ٹھیک ہو جائے) البتہ شوافع کے نزدیک ان لوگوں کے لئے گزشتہ ایام کی قضا کر لینا مسنون ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو مرض، یا بے ہوشی، یا مباح دوا استعمال کرنے سے مغلوب العقل ہو گیا ہو اس پر قضاء لازم ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں روزے کو ساقط نہیں کرتی ہیں لہٰذا نماز کو بھی ساقط نہیں کریں گی نماز کا حائضہ اور نفاس والی عورت سے مطالبہ نہیں ہوگا اور نہ ان پر قضاء لازم ہوگی خواہ عورت اپنا اسقاط حمل چوٹ سے یا دواء کے استعمال سے خود ہی کر لے۔ اور نشے والے شخص پر قضاء لازم ہے کیونکہ وہ نشہ کرنے میں سرکشی اور بے اعتدالی کا مرتکب ہوا ہے۔

سوتے ہوئے شخص پر قضاء لازم ہے، اور وقت کے تنگ ہونے کی صورت میں اس کو خبردار کرنا لازم ہے، قضاء لازم ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو شخص نماز سے سو جائے یا اس کو بھول جائے تو وہ اس کو ادا کر لے جب اس کو یاد آ جائے اس کا کوئی کفارہ اس کے سوا نہیں❷ اور یہ حدیث دلیل ہے ان فرض نمازوں کی قضاء کی جو بھول سے یا بالقصد چھوٹ گئی ہوں خواہ کتنا لمبا عرصہ گزر جائے علامہ نووی المجموع میں فرماتے ہیں، سوئے ہوئے شخص کو نماز کے لئے بیدار کرنا مسنون ہے بالخصوص جب وقت تنگ ہو جائے کیونکہ سنن ابوداؤد میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز نماز کے لئے نکلے آپ جس سوئے ہوئے شخص کے پاس سے گزرے اس کو بیدار کر دیا۔ اسی طرح اگر کسی کو نمازیوں کے سامنے سوتا دیکھے یا وہ صف اول میں سو رہا ہو یا مسجد کی محراب میں، یا ایسی چھت پر سو رہا ہو جس میں کوئی منڈیر وغیرہ نہ ہو تو ایسے شخص کو بھی بیدار کر دینا چاہئے۔ کیونکہ اس بارے میں ممانعت منقول ہے اسی طرح اگر کوئی شخص آدھا دھوپ اور آدھا سائے میں سو رہا ہو یا طلوع فجر کے بعد سو رہا

---

❶...... بروایت امام احمد ابوداؤد اور حاکم از حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ یہ حدیث صحیح ہے نیل الاوطار۔ ❷ بروایت امام بخاری ومسلم از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

ہو یا طلوع شمس سے پہلے سو رہا ہو یا عشاء کی نماز سے قبل سو رہا ہو یا عصر کے بعد سو رہا ہو یا اکیلا تنہا سو رہا ہو یا عورت بالکل چت سو رہی ہو یا مرد پیٹ کے بل لیٹا ہو کہ اللہ کو اس طرح لیٹنا ناپسند ہے ان تمام صورتوں میں سونے والے کو اٹھا دینا چاہئے اور دوسرے شخص کو تہجد کی نوافل کے لئے اٹھانا سحری کے لئے بیدار کرنا عرفات میں وقوف کے وقت سوئے ہوئے شخص کو اٹھانا مستحب ہے، کیونکہ یہ اللہ سے مانگنے اور اس کے آگے گڑگڑانے کا وقت ہوتا ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں یہ مسئلہ اس کے برخلاف ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو ناپاک پانی سے وضو کرتا دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کو اس بارے میں بتائے۔

عذر اور مانع کا نماز کے وقت کے دوران ختم ہونا...... جب نماز سے روکنے والے یہ اعذار زائل ہو جائیں۔ چنانچہ بچہ بالغ ہوئے یا پاگل کو افاقہ ہو جائے یا حائضہ اور نفاس والی عورت پاک ہو جائے یا کافر اسلام لے آئے حنابلہ کے نزدیک اور شوافع کے نزدیک بھی اظہر قول کے مطابق وقت اتنا باقی ہو کہ وہ شخص تکبیر تحریمہ کہہ سکے یا اس سے زیادہ باقی ہو تو نماز کی قضاء واجب ہوگی۔ اسی طرح جمہور فقہاء کے نزدیک اس آخری نماز کی قضاء بھی لازم ہوگی جس کو اس نماز کے ساتھ جمع کرنا ممکن تھا جس کے وقت میں عذر زائل ہوا ہے۔ چنانچہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اگر عصر کے آخری وقت میں مانع دور ہوا تو ظہر کی قضاء بھی لازم ہوگی اور اگر مانع عشاء کے آخری وقت میں دور ہوا تو مغرب کی قضاء بھی لازم ہوگی وجہ اس کی یہ ہے کہ عذر کی صورت میں ظہر اور عصر کا وقت ایک ہو جاتا ہے اس طرح مغرب اور عشاء کا بھی ہے۔ لہٰذا ضرورت کی صورت میں بطریق اولیٰ یہ حکم ہوگا تاہم شرط اس میں یہ ہے کہ یہ شخص عذر سے آزاد ہونے کے بعد طہارت اور دونوں نمازوں کا کم از کم اتنا وقت ضرور پائے کہ جس میں یہ جائز ہو سکیں جیسے مسافر کے حق میں دو رکعتیں۔

مالکیہ فرماتے ہیں اگر اس شخص کو حالت حضر میں پانچ اور مما لک سفر میں تین رکعات کی بقدر وقت ملا تو پہلی نماز بھی لازم ہوگی، کیونکہ پانچ رکعتوں میں پہلی رکعت کا وقت حالت عذر کا وقت تھا، لہٰذا اس کے پالینے سے نماز لازم ہوگی جیسا کہ اگر اس کے وقت مختار میں سے اتنا وقت پاتا۔ بخلاف اس کے کہ اس سے کم وقت پائے۔ اور اگر کل وقت ایک رکعت کے بقدر پایا تو پہلی نماز کی قضاء لازم نہیں ہوگی اور اگر ایک رکعت سے کم وقت پایا تو دونوں نمازیں ساقط ہو جائیں گی۔

احناف فرماتے ہیں صرف وہ نماز لازم ہوگی جس کے وقت میں وہ مانع دور ہوا ہے کیونکہ پہلی نماز کا وقت حالت عذر میں ہی گزر رہا ہے تو وہ لازم نہیں ہوگی، جیسے کوئی شخص دوسری نماز کا وقت بالکل بھی نہ پائے تو وہ بھی لازم نہیں ہوتی ہے۔ میرے خیال میں یہ رائے زیادہ معقول ہے کیونکہ نماز وقت معین میں واجب ہوتی ہے جب وقت نکل گیا تو وجوب بھی ساقط ہو گیا۔

نماز کا اتنا وقت گزر جانے کے بعد عذر اور مانع کا ہو جانا جتنے وقت میں نماز ہو سکتی تھی یہ صرف جنون، بے ہوشی، حیض اور نفاس کے بارے میں متصور ہے کفر اور بچپنے کے بارے میں ظاہر ہے اس صوت کا اطلاق ممکن نہیں۔

چنانچہ اگر بالغ شخص پاگل ہو گیا یا بیہوش ہو گیا یا عورت کو حیض آ گیا یا نفاس ہونا شروع ہو گیا اول وقت میں یا دوران وقت میں لیکن اس طرح کہ نماز کا ادا کر لینا ممکن تھا تو احناف کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک اس شخص پر اس نماز کی قضاء لازم ہے بشرطیکہ اتنا وقت گزرا ہو کہ یہ طہارت کے ساتھ نماز ادا کر سکتا اور اس کے بعد کی دوسری نماز کی قضا واجب نہیں ہوگی جس کو اس کے ساتھ جمع کرنا ممکن تھا۔ کیونکہ پہلی کا وقت دوسری کے لئے جب صحیح ہو سکتا ہے جب دونوں کو جمع کر کے پڑھنا ممکن ہو بخلاف برعکس صورت کے۔

جمہور کی موجودہ وقتی فرض قضاء لازم ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وقت کے حصوں میں سے پہلا حصہ ہی سبب وجوب ہے یعنی خطاب شرعی کے مکلف کے حق میں وارد ہونے کی علامت ہے تو جب وقت شروع ہو گیا تو مکلف شخص اس کو ادا کرنے کا پابند ہو گیا جس کو وقت کے تمام اجزاء اور حصوں میں ادا کرنے کا اختیار ہے، بشرطیکہ وہ مکلف بننے کا اہل ہو، کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ ......سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۷۸

نماز قائم کرو سورج ڈھلنے پر۔

تو اس آیت میں دُلُوْكِ شَمْسٍ (سورج کا ڈھلنا) مکلّف کی طرف خطاب متوجہ ہونے کی علامت قرار دیا گیا ہے اور جب سنت نبویہ نے نماز کے اوقات کے ابتدائی اور انتہائی حصوں کے بارے میں بتادیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وقت ان دونوں حدوں کے درمیان کا ہے جیسا کہ یہ حدیث گزر چکی ہے تو ان سب امور نے یہ بتادیا کہ مکلّف شخص پر نماز ادا کرنے کی وسعت ہے اور جب واجب ذمے میں لازم ہو گیا تو وہ برقرار رہے گا اور ساقط نہیں ہوگا۔

میری نظر میں یہ رائے صحیح تر ہے۔

احناف فرماتے ہیں❶ کہ ان عذر والے لوگوں پر اس وقت کی نماز لازم نہیں ہوگی کیونکہ نماز واجب کرنے کا سبب وہ جز ہوتا ہے جس جز سے دوران وقت ادائیگی کا فعل متصل ہوتا ہے، اور اگر وہ شخص ادا نہ کرے تو آخری جزءِ وقت جس میں وہ واجب سما سکتا ہو اس حیثیت سے متعین ہو جاتا ہے۔ اور وقت کے نکل جانے کے بعد سببیت کو پورے وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

نماز کی صحت کی شرائط......نماز کی صحت کے لئے مندرجہ ذیل امور شرط ہیں:

اسلام، شعور عقل، یہ تین وجوب نماز کے لئے بھی شرط ہیں چنانچہ باشعور بچے کی نماز تو درست ہوگی لیکن اس پر لازم نہیں ہوگی۔ ان کے علاوہ گیارہ مزید شرائط ہیں جن پر فقہاء کا اتفاق ہے جو کہ یہ ہیں:

۱......وقت کا داخل ہونا۔ ۲......دونوں حدث سے طہارت کا ہونا ۳......نجاست سے پاک ہونا۔

۴......ستر عورت۔ ۵......قبلہ رو ہونا۔ ۶......نیت۔

۷......نماز کی ادائیگی میں ترتیب رکھنا۔ ۸......اس کے افعال پے در پے انجام دینا

۹......بات چیت نہ کرنا منہ سے صرف وہ الفاظ نکالنا جو از جنس نماز ہوں۔

۱۰......نماز کی جنس سے خارج افعال کا ترک کرنا۔

۱۱......کھانا پینا ترک کر دینا۔

۱۔ پہلی شرط......وقت کے داخل ہونے کا علم

نماز اس وقت تک صحیح نہیں ہوتی ہے جب تک وقت کی معرفت یقینی یا ظن غالب کے طور پر کوشش سے معلوم نہ ہو جائے جو شخص اس کے بغیر نماز پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی ہے، خواہ وہ وقت میں ہی ادا ہو۔ وجہ اس شرط کی یہ ہے کہ عبادت پکی نیت کے ساتھ ادا ہو جس میں شکوک وشبہات نہ ہوں، جس شخص کو شک ہو جائے اس کی نماز درست نہیں ہوتی کیونکہ شک یقین پیدا نہیں کرنے دیتا، دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے:

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۰۳

---

❶......یہ اختلاف دراصل ایک معروف اصولی اختلاف کے نتیجے میں ہے، اس پر گفتگو اصول فقہ کے مباحث میں سے واجب موسع کی بحث میں مل جائے گی۔

❷ مراقی الفلاح ص ۳۳، ۳۹، ۵۳ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷۹۔۱۹۱ البدائع ج ۱ ص ۱۱۴۔۴۶ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۹۵۔۱۰۳ الدر المختار ج ۱ ص ۳۷۲۔۴۱۰ اللباب ج ۱ ص ۶۴۔۸۲، القوانین الفقهیه ص ۵۰۔۵۷ بدایة المجتهد ج ۱ ص ۱۰۵۔۱۱۴ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۶۵۔۳۰۲ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۴۲۔۱۵۰، ۱۸۴۔۱۹۹ المهذب ج ۱ ص ۵۹۔۶۹ کشف القناع ج ۱ ص ۲۸۷۔۳۷۴ المحرر فی الفقه الحنبلی ج ۱ ص ۲۹، حاشیة الباری ج ۱ ص ۱۴۱۔۱۴۹۔

مراد ہے فرض جو وقت کے ساتھ تحدید شدہ ہو۔نماز کے اوقات کی بحث اور وقت کے بارے میں اجتہاد (غور وخوض) وغیرہ کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

۲۔دوسری شرط......دونوں حدثوں سے پاک ہونا:❶

دونوں حدثوں سے مراد ہے اصغر واکبر یعنی بے وضو اور جنبی ہونے کی کیفیت کا وضو اور غسل یا تیمّم کے ذریعے دور کرکے پاکی حاصل کرلینا دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ ......سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں کرتا ہے۔❷ دوسری حدیث ہے اللہ تم میں سے اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جو بے وضو ہو جائے۔یہاں تک کہ وہ وضو کرلے۔❸

حدث سے طہارت کا ہونا ہر نماز کے لئے شرط ہے،فرض ہو یا نفل،کامل ہو یا ناقص جیسے سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر اور اگر بے وضو نماز پڑھے تو نماز منعقد نہیں ہوگی۔اور اگر جان بوجھ کر حدث طاری کرلے تو بالا جماع اس کی نماز باطل ہو جائے گی سوائے اس کے نماز کے آخر میں یہ عمل کرے تو احناف کے ہاں باطل نہیں ہوتی۔اور اس کو حدث لاحق ہو جائے تو اس کی نماز شوافع اور حنابلہ کے ہاں فی الفور باطل ہو جاتی ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم میں کسی شخص کی نماز میں ریح خارج ہو جائے تو وہ لوٹے،وضوء کرے اور اپنی نماز لوٹا لے❹ احناف فرماتے ہیں وہ فی الحال باطل نہیں ہوگی وہ جب باطل ہوگی جب وہ جاگتی حالت میں بلا عذر حدث طاری ہونے کے باوجود ایک رکن کی بقدر ٹھہرا رہے،چنانچہ اگر کوئی عذر پائے مثلاً نکسیر تو اگر وہ چاہے تو اپنی نماز پر بناء کرلے یعنی عذر گزرنے کے بعد طہارت حاصل کرکے اس کو مکمل کردے اور اگر چاہے تو از سر نو نماز پڑھے،نماز سے وہ ناک پر ہاتھ رکھ کر نکلے۔

مالکیہ احناف کی طرح فرماتے ہیں کہ نکسیر کی صورت میں نماز پر بناء کرنے کی اجازت چھ شرائط کے ساتھ ہے،یہ ضروری ہے کہ ایسا شخص اپنی ناک اوپر کی طرف بانسے کے اوپر سے پکڑ کر نکلے نیچے سے پکڑ کر نہ نکلے تاکہ خون ناک کے سوراخوں میں جمع نہ رہ جائے یہ چھ شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

۱......خون اتنا زیادہ نہ لگے کہ ایک درھم سے زائد ہو بصورت دیگر وہ شخص نماز توڑ دے۔

۲......کسی قریبی ایسی جگہ سے خون متجاوز نہ ہو جس کو دھونا ممکن ہو اگر متجاوز ہو کر وہاں تک پہنچ جائے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

۳......وہ جگہ جہاں خون دھویا جائے گا قریبی ہو،اگر وہ بہت دور ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔

۴......قبلے کی طرف بلا عذر پیٹھ نہ کرے بلا عذر پیٹھ کرنے سے نماز باطل ہو جائے گی۔

۵۔......راستے میں کسی نجس چیز کو نہ روندے ورنہ نماز باطل ہو جائے گی۔

۶......خون دھونے کے لئے جاتے ہوئے راستے میں کسی سے بات نہ کرے اگر کسی سے بات کرلی خواہ بھولے سے ہی سہی تو نماز باطل ہو جائے گی۔

---

❶......لغت میں حدث کا مطلب ہے حدوث پذیر ہونے والی چیز یعنی پیدا ہونے والی وجو۔میں آنے والی چیز اور شریعت میں اس سے مراد ہے ایسی شرعی کیفیت کا اعضاء پر طاری ہونا جو نماز سے مانع ہو اور جب تک اس کا ازالہ کرنے والا عمل نہ ہو وہ برقرار رہے۔❷ بروایت صحاح ستہ ماسوا امام بخاری از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما۔❸ بروایت امام بخاری مسلم،ابوداؤد اور ترمذی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث صحیح ہے۔❹ ردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۴۔ ۵۸۵ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۹۰ الشرح الکبیر لابن قدامہ ج ۱ ص ۴۷۵۔

۴۔ تیسری شرط..... خبث سے طہارت کا ہونا یعنی نجاست حقیقیہ کو پاک کرنا نماز کے صحیح ہونے کے لئے اس نجاست سے پاکی حاصل ہونا ضروری ہے جو معاف نہیں ہوتی اس سے کپڑوں بدن اور جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے، پاؤں، ہاتھ گھٹنے اور پیشانی رکھنے کی جگہوں کا پاک ہونا احناف کے اصح قول کے مطابق ضروری ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے **وثیابك فطھر** (اور اپنے کپڑوں کو آپ پاک رکھئے) امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے پانی سے دھونا اور دوسری دلیل صحیحین کی وہ حدیث ہے جو پہلے بھی گزری کہ جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب وہ جانے لگے تو خون دھو لو اور نماز پڑھو اور اعرابی والی حدیث جس نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہادو، تو یہ آیت کپڑوں کی پاکی پر دلیل ہے اور پہلی حدیث بدن کی طہارت کے وجوب کی دلیل ہے اور دوسری حدیث جگہ کے پاک کرنے کے وجوب کی۔ مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ نجاست کو پاک کرنا سنت مؤکدہ ہے جن حضرات نے اس کو شرط قرار دیا ہے جیسے شیخ خلیل اور ان کے شراح تو وہ اس قول کی طرف گئے ہیں کہ وہ یاد رہنے اور قدرت ہونے پر فرض ہے۔

کپڑے، بدن اور جگہ کی پاکی پر متفرع ہونے والے مسائل:

ا۔ **کپڑے اور بدن کا پاک ہونا:** (الف)..... اگر نمازی کے کپڑے نماز پڑھتے ہوئے نجس جگہ لگ جائیں جیسے عبا وغیرہ اگر جاء نماز سے ہٹ کر زمین پر گر پڑے تو احناف کے ہاں یہ مضر نہیں، کیونکہ ان کے ہاں نماز میں فساد جب واقع ہوتا ہے جب کوئی نجاست قیام کی جگہ، پیشانی رکھنے کی جگہ اور ہاتھ اور گھٹنے رکھنے کی جگہ پر ہو۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں نماز فاسد ہو جائے گی لہٰذا ایسے شخص کی نماز درست نہیں جس کے لباس کا کچھ حصہ یا بدن کا کچھ حصہ نجاست سے لگا ہوا ہو کیونکہ نمازی کا کپڑا اس کے بدن کے تابع ہوتا ہے، اور وہ اعضاء سجدہ کی طرح شمار ہوگا۔

(ب) **نجاست سے ناواقف ہونا**..... اگر کسی شخص نے اتنی نجاست کے ساتھ نماز پڑھی جو قابل معافی نہ ہو اور اس کو اس کا علم بھی نہ ہو تو اس کی نماز تین مذاہب (مالکیہ کے علاوہ مذاہب) میں باطل ہوگی، اور اس پر اس کی قضاء لازم ہوگی۔ کیونکہ طہارت نفس الامر میں ہونی ضروری ہے خواہ وہ شخص نجاست کے ہونے سے یا اس کے باطل کر دینے کے وصف سے ناواقف ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، **وثیابك فطھر** مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ نجاست کو پاک کرنا یا اس کا ازالہ کرنا یاد رہنے اور قادر ہونے کی صورت میں واجب ہے تو جس شخص نے اس کے ساتھ نماز پڑھی اور اس کو یاد ہوا اور اس کے ازالے پر وہ قادر بھی ہو تو اعادہ کرے گا اور بھول جانے یا عاجز ہونے کی صورت میں یہ معاف ہے۔

اور اگر بھول میں یا دور کرنے کی قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے اس کے ساتھ نماز پڑھ لی تو اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا۔[1]

(ج) **ناپاک کپڑا یا ناپاک جگہ**:..... اگر نمازی کو ایسے کپڑے کے علاوہ کوئی کپڑا نہ ملے جس پر اتنی نجاست لگی ہوئی ہو کہ وہ قابل معافی نہ ہو اور اس نجاست کو دھونا بھی ممکن نہ ہو یا پانی تو مل جائے لیکن دھونے والا نہ ملے اور وہ خود دھونے سے عاجز ہو (قادر نہ ہو) یا دھونے والا ملے مگر وہ اجرت اور معاوضہ مانگتا ہو اور وہ اس کے پاس نہ ہو یا اجرت تو اس کے پاس ہو لیکن وہ شخص اجرت مثل سے زیادہ کا تقاضا کرتا ہو یا اس کو ایسی جگہ قید کر دیا گیا ہو جہاں نجاست ہو اور اس کو ایسے بچھونے کی ضرورت ہو جس کو وہ اس پر ڈال سکے تو شوافع کے ہاں اس کے لئے ناپاک کپڑا پہننا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ نجس ڈھانپنے والی چیز ہے حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں اس کا پہننا درست ہے اور اس میں نماز بھی جائز ہے اور مالکیہ کے ہاں اگر وہ اپنی ستر پوشی کے لئے کپڑا نہ پائے تو وہ کھڑا ہو کر عریاں حالت میں نماز ادا کرے، کیونکہ ستر چھپانے پر قدرت

---

[1]..... فتح القدیر ج ا ص ۱۷۹ الدر المختار ج ا ص ۳۷۳ مغنی المحتاج ج ا ص ۱۸۸ الشرح الصغیر ج ا ص ۶۴، ۲۹۳ کشف القناع ج ا ص ۲۲، ۱ المغنی ج ص ۱۰۹ المھذب ج ا ص ۵۹ المجموع ج ۳، ص ۱۶۳۔

ہونے کی صورت میں اس کا چھپانا ضروری ہے، اور معتمد قول یہ ہے کہ اگر نماز کے وقت کے اندر اندر پاک کپڑا مل جائے تو وہ اعادہ کرے گا اگر اس نے نجس کپڑے یا ریشم، یا سونا پہن کر خواہ انگوٹھی سہی نماز پڑھی ہو یا ننگا ہو کر نماز پڑھی ہو۔

احناف اور حنابلہ کے ہاں چھپانے والا کپڑا نہ ملنے کی صورت میں بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل کے مطابق عمل کرتے ہوئے، خلال نے اپنی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان لوگوں کے بارے میں جن کی سواریاں (کجاوے وغیرہ) ٹوٹ گئے ہوں اور ننگے نکلے ہوں یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا وہ بیٹھ کر نماز پڑھیں اور اپنے سروں سے اشارے کریں اور عبدالرزاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں جو شخص کشتی میں نماز پڑھے اور جو برہنہ حالت میں نماز پڑھے وہ بیٹھ کر نماز پڑھے۔ ہاں اگر جسم کو چھپانے کے لئے ناپاک کپڑا ملے تو وہ اس میں نماز پڑھے اور اس پر اعادہ بھی لازم نہیں ہوگا، وہ برہنہ ہو کر نماز نہ پڑھے کیونکہ ستر کا چھپانا نجاست کے دور کرنے کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے، لہٰذا اس کا چھپانا اولیٰ ہوگا۔

اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنی ران چھپاؤ اور یہ عام ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ستر کا چھپانا بالاتفاق شرط ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں، اور نجاست سے پاکی حاصل کرنا اختلافی امر ہے لہٰذا متفق علیہ چیز کا اختیار کرنا اولی ہوگا۔

شوافع کے ہاں وہ شخص برہنہ حالت میں نماز پڑھے اور نماز کے ارکان صحیح طور پر پورے کرے۔ اور ان کے ایک مذہب کے مطابق اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ برہنہ حالت میں پڑھی جانے والی نماز سے فریضہ ادا ہو جاتا ہے لیکن اگر اس کے بدن پر اتنی نجاست ہو جو قابل معافی نہ ہو اور اس کو دھونے کے لئے پانی بھی نہ ہو تو وہ نماز پڑھے گا اور فاقد الطهورين (دو پاک کرنے والی چیزوں پانی اور مٹی کا نہ پانے والا) کی طرح بعد میں اس کا اعادہ کرے گا کیونکہ نجاست کے ساتھ ادا کی گئی نماز سے فریضہ ساقط نہیں ہوتا ہے احناف نے اس مسئلے میں کچھ تفصیل کی ہے، وہ فرماتے ہیں ❶ کہ اگر چوتھائی کپڑا یا اس سے زائد پاک ہو تو حتمی طور پر اسی میں نماز پڑھے برہنہ ہو کر نماز نہ پڑھے کیونکہ چوتھائی کا حکم کل ہی کی طرح ہوتا ہے اور یہ کئی جگہ کل کے قائم مقام ہوتا ہے ان میں سے ایک جگہ ستر کا کھلنا بھی ہے ❷ اور اس شخص پر امکانی حد تک نجاست کو کم سے کم کرنا لازم ہوگا۔ اور دو کپڑوں میں سے کم نجس کپڑے کو استعمال کرے۔ اور اگر اس کا چوتھائی سے کم کپڑا پاک ہو تو اس کپڑے میں قیام رکوع اور سجدے کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ برہنہ ہو کر اشاروں سے نماز پڑھ لے۔ اور پورے ناپاک کپڑے میں نماز برہنہ ہو کر پڑھنے سے بہتر ہے یہ شیخین یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی رائے ہے ❸ اور اگر مسافر کو ایسی چیز نہ ملے جس سے نجاست کا ازالہ کر سکے یا اس کو کم کر سکے تو اس کے ساتھ پڑھ لے یا برہنہ ہی پڑھ لے اور اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا ان کے ہاں قاعدہ یہ ہے نجاست دور کرنے والی کوئی چیز نہ پانے والا شخص نجاست کے ساتھ ہی نماز ادا کرے گا اور اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا۔

اور نہ اس شخص پر اعادہ لازم ہوگا جو اپنا ستر ڈھانکنے کے لئے کچھ نہ پائے اور برہنہ نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے پاؤں قبلے کی طرف پھیلا کر بیٹھے، کیونکہ اس میں پوشیدگی کا عنصر زیادہ ہے اور رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے اس طرح پڑھنا کھڑے ہو کر پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ ستر کا اہتمام کرنے کی تاکید زیادہ ہے۔

(د) کپڑے میں نجاست کی جگہ سے ناواقف ہونا...... اگر ناپاک کپڑا ملے لیکن اس پر نجاست کی جگہ مخفی ہو تو احناف کے ہاں کپڑے کے ایک سرے کو دھو لینا کافی ہے خواہ بغیر تلاش کئے ہی ایسا کرے اور کپڑا پاک شمار ہوگا۔ شوافع کے ہاں اگر پورے کپڑے یا بدن

---

❶ ...... تبيين الحقائق ج ۱ ص ۹۸. ❷ شریعت نے چوتھائی حصے کو کئی جگہ کل کے قائم مقام قرار دیا ہے جیسے محرم کے حق میں چوتھائی سر کا حلق کرنا وضو میں چوتھائی سر کا مسح اور ستر کا کھلنا وغیرہ کیونکہ یہ جگہ احتیاط کی ہے۔ ❸ الدر المختار ج ۱ ص ۳۸۳ اور بعد کے صفحات البدائع ج ۱ ص ۱۱۷ الشرح الصغير ج ۱ ص ۳۸۳ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۸۶ حاشية الباجوری ج ۱ ص ۱۴۴ المهذب ج ۱ ص ۶۰-۶۱ المغنی ج ۱ ص ۵۸۷، ۵۹۲، ۵۹۴ فتح القدير ج ۱ ص ۱۸۴ اللباب ج ۱ ص ۶۲، مراقی الفلاح ص ۳۸.

میں کہیں بھی لگے ہونے کا اندیشہ ہو تو پورا دھونا ہوگا اور اگر ایک طرف لگا ہونے کا گمان ہو تب بھی پورا کپڑا دھونا لازم ہوگا۔ کیونکہ کپڑا اور بدن ایک ہی ہوتا ہے اور اگر اس پر پاک اور ناپاک کپڑوں یا جگہوں کے بارے میں شبہ پڑ جائے تو دونوں کے بارے میں خوب کوشش کرے (کہ کون سا پاک ہے)۔❶

(ہ) کپڑے کے اطراف کا نجاست پر گرنا..... اگر نمازی کے کپڑے یا کسی اور چیز کا کوئی کنارہ حصہ نجاست پر گر جائے جیسے طویل عمامے کا شملہ یا لمبی آستین جو نجاست پر گر پڑے تو شوافع کے ہاں اس کی نماز درست نہیں ہوگی جیسے پہلے مسئلے میں حکم ہے خواہ اس کے کپڑے کا وہ حصہ جو نجاست سے لگا ہوا ہے دوران نماز اس کی نقل وحرکت سے حرکت میں نہ آتا ہو، کیونکہ نجاست سے اجتناب تعظیم کی غرض سے مشروع کیا گیا ہے، اور یہ عمل اس کے منافی ہے، یہ حکم بخلاف اس صورت کے ہے کہ اگر یہ شخص نجاست سے متصل چیز کے اوپر سجدہ کرے اور وہ اس کے حرکت سے متحرک نہ ہو کیونکہ سجدے میں مطلوب یہ ہے کہ دوسری چیز پر پیشانی ٹھہر جائے کیونکہ حدیث میں ہے اپنی پیشانی ٹھہرا دو تو جب ایسی چیز پر سجدہ کیا جو متصل ہے اور اس کی حرکت سے متحرک نہیں ہوتا تو مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور اسی بناء پر یہ حکم ہے کہ اگر کوئی نجس چیز نمازی کے سینے کے متوازی ہو رکوع اور سجدے وغیرہ میں تو اس کا ہونا نماز کے لئے مضر نہیں ہے صحیح قول کے مطابق کیونکہ وہ اس سے مل نہیں رہا ہے۔

احناف فرماتے ہیں اگر نجس طرف اس کی حرکت سے متحرک نہیں ہو تو نماز درست ہوگی، اور اگر متحرک ہو تو درست نہیں ہوگی، کیونکہ ان کے ہاں شرط یہ ہے کہ نمازی کا کپڑا اور اس کے ساتھ حرکت والی چیز پاک ہو یا اس کا اٹھانے والا ہو جیسا کہ یہ مسئلہ آگے آئے گا۔ اور یہ مسئلہ اس صورت کے برخلاف ہے کہ وہ چیز متصل نہ ہو جیسے وہ چٹائی جس کا کنارہ نجس ہو اور کھڑے ہونے اور سجدے کی جگہ پاک ہو تو یہ نماز کی صحت سے مانع نہیں ہوگا۔❷

(و) ایسی رسی کا تھامنا جو نجاست سے بندھی ہوئی ہو..... اگر نمازی نے ایسی رسی تھامی ہوئی ہو جو نجس چیز سے بندھی ہوئی ہو جیسے وہ رسی جو کتے کے گلے میں ڈلے ہوئے پٹے سے بندھی ہوئی ہو یا جانور یا چھوٹی سواری جو نجاست لی ہوئی ہو تو اصح قول کے مطابق شوافع کے ہاں اس کی نماز نہیں ہوگی کیونکہ کتا چھوٹا ہو یا بڑا ان کے ہاں نجس العین ہوتا ہے اور نماز اس حالت میں نجاست اٹھانے والا شمار ہوگا کیونکہ جب وہ چلے گا تو وہ اس کے ساتھ ساتھ چلے گا بخلاف بڑی کشتی کے جو کھینچنے سے نہ چلے وہ بمنزلہ ایک گھر کے شمار ہوگا، اس سے متصل رسی کے ہونے کے ساتھ نماز درست ہو جائے گی لیکن اگر اس شخص نے اس کو اپنے پاؤں تلے دبا دی تو تمام صورتوں میں نماز درست ہوگی شوافع کے نزدیک بھی۔

احناف کے ہاں پہلی حالت کی طرح اس صورت میں بھی کتے کی رسی تھامے ہوئے ہونے کی صورت میں نماز درست ہوگی اس بناء پر کہ راجح ان کے ہاں یہ ہے کہ کتا نجس العین نہیں ہے، اس کا ظاہری جسم پاک ہے دوسرے حیوانات کی طرح سوائے سور کے تو وہ صرف اس وقت ناپاک ہوگا جب وہ مرا ہوا ہو اور یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب کتے کے منہ سے ایسی کوئی چیز نہ نکلے جو مانع نماز ہو جیسے لعاب وغیرہ۔❸

(ز) ایسے انڈے کا ساتھ رکھنا جس کی سفیدی خون بن چکی ہو..... اگر نمازی نے گندا انڈا اٹھایا ہوا ہو یعنی ایسا انڈہ جس کی

---

❶..... المهذب ج ۱ ص ۶۱ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۸۹۔ ❷الدر المختار وردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۳ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۹۰، المهذب ج ۱ ص ۶۱ مراقی الفلاح ص ۳۸۔ ❸الدر المختار مع الحاشیة: ج ۱ ص ۳۷۴ مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۹۰ المهذب ج ۱ ص ۶۱ المجموع ج ۳، ص ۱۵۵ اور بعد کے صفحات۔

سفیدی خون بن چکی ہو تو احناف کے ہاں نماز درست ہو جائے گی جیسے کتے کے مسئلے میں ان کے ہاں حکم ہے۔ کیونکہ خون ابھی انڈے کے خول میں ہی ہے اور کوئی چیز جب تک اپنے مقام میں ہو اس کو نجاست کا حکم نہیں دیا جاتا ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ کوئی شخص بوتل میں پیشاب لے کر نماز پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوگی، کیونکہ پیشاب اپنے مستقر و مقام میں نہیں ہے۔

شوافع کے ہاں دونوں صورتوں میں نماز نہیں ہوگی، انڈے کے بارے میں اصح قول کے مطابق اور بوتل کے بارے میں صحیح قول کے مطابق کیونکہ یہ شخص نجاست کو اٹھانے والا شمار ہوگا۔❶

(ح) چھوٹے بچے کو نماز میں اٹھانا...... اگر چھوٹے بچے کو نماز میں اٹھایا اور اس پر نجاست لگی ہوئی ہو تو اگر وہ بچہ خود اٹھا ہوا نہ ہو بلکہ اس شخص نے اٹھایا ہو تو نماز فاسد ہوگی کیونکہ اس صورت میں وہ نجاست کا اٹھانے والی شمار ہوگا ان حضرات کے ہاں اس چیز کی طہارت شرط ہے جس کو یہ شخص اٹھایا ہوا ہو، باستثناء ان صورتوں کے نجاست اپنے محل و مقام میں بند ہو جیسے کتے اور انڈے کا مسئلہ۔ اور بچہ اگر خود اس شخص کو تھاما ہوا ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی، کیونکہ اس صورت میں وہ نجاست کا اٹھانے والا شمار نہیں ہوگا۔

اور شافعیہ احناف کی طرح اور دیگر حضرات بھی بالاتفاق یہ فرماتے ہیں کہ اگر ایسے بچے کو نماز میں اٹھایا جس پر کوئی نجاست نہ ہو تو اس کا اٹھانا مضر نہیں ہے، اسی طرح اگر پاک جانور کو نماز میں اٹھایا تو نماز درست ہوگی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امامہ بنت ابوالعاص کو حالت نماز میں گود میں اٹھایا تھا❷ اور جانور کو اٹھانے کی اجازت اس لئے ہے کہ جانور میں جو بھی نجاست ہے وہ اپنے مقام پر ہے اور یہ اس نجاست کی طرح ہے جو خود نمازی کے پیٹ میں موجود ہے۔❸

(ط) ہڈی کو نجس چیز سے جوڑنا...... شوافع فرماتے ہیں اگر نمازی نے اپنی ٹوٹی ہوئی ہڈی کو پاک چیز نہ ملنے کی وجہ سے ناپاک چیز سے جوڑا ہوا ہو تو وہ شخص معذور کہلائے گا اس کی نماز اس چیز کے ساتھ ضرورت کے پیش نظر جائز ہوگی۔❹

۲۔ دوسرا مسئلہ: جگہ کی پاکی...... نمازی کی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے اس جگہ کا جو نمازی کے جسم سے لگ رہی ہو اگر نجاست اس کے جسم سے نہ لگے تو نماز جائز ہوگی، جیسے ان مندرجہ ذیل صورتوں میں:

الف: ایسی چٹائی پر نماز جس پر نجاست ہو...... اگر ایسی چٹائی پر نماز پڑھی تو اگر اس کے ناپاک حصے پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو بالاتفاق نماز درست نہیں ہوگی، کیونکہ وہ نجاست سے مل رہا ہے اور نجاست والی جگہ پر ہاتھ رکھنا بمنزلہ اس کو اٹھانے کے ہے، اور اگر پاک حصے پر نماز پڑھی تو بالاتفاق نماز درست ہوگی، احناف کے ہاں خواہ چٹائی چھوٹی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ نجاست سے ملنے والا نہیں ہے اور نہ ہی وہ ایسی چیز کا اٹھانے والا ہے جو نجاست سے متصل ہے۔❺

ب: ناپاک جگہ پر کسی حائل چیز پر نماز پڑھنا:...... اگر نجس زمین پر کچھ بچھا کر نماز پڑھی تو اگر وہ بچھونا اتنا موٹا ہو کہ ستر عورت کا مقصود اس سے حاصل ہو سکتا ہو تو نماز بالاتفاق درست ہو جائے گی کیونکہ یہ نہ تو نجاست سے مس کر رہا ہے اور نہ ایسی چیز وہ اٹھا رہا ہے جو نجاست سے متصل ہے اور اگر بچھونے کے سوراخوں سے نجاست کو مس کر دے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی❻ احناف مزید یہ فرماتے ہیں کہ ایسے موٹے دبیز بچھونے پر نماز درست ہے جس کی ایک طرف پاک اور ایک جانب ناپاک ہو اور ایسے کپڑے پر بھی درست ہے جو خود پاک ہو اور اس کا استر ناپاک ہو بشرطیکہ وہ اس کے ساتھ سلا ہوا نہ ہو کیونکہ وہ دو کپڑوں کی طرح شمار ہوں گے جو ایک

❶...... ردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۴، المہذب ج ۱ ص ۶۱، المجموع ج ۳ ص ۱۵۷۔ ❷ یہ حدیث بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے۔
(۳) ردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۴ المہذب ج ۱ ص ۶۱۔ ❹ مغنی المحتاج ۱ ج ۱ ص ۱۹۰۔ ❺ ردالمحتار حوالہ بالا، مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۹۰، المہذب ج ۱ ص ۶۲، مراقی الفلاح ص ۳۸۔ ❻ ردالمحتار حوالہ بالا، المہذب ج ۱ ص ۶۲

ج: گھر اور میدان میں نجاست:...... اگر گھر یا میدان میں نجاست ہو اور ان کی جگہ معلوم ہو تو اس جگہ سے ہٹ کر نماز پڑھ لینا درست ہے اور اگر وہ جگہ نامعلوم ہو تو احناف کے ہاں غور وخوض کر کے پاک جگہ تلاش کرے اور اس پر نماز پڑھ لے شوافع فرماتے ہیں❶ کہ اگر زمین بڑی ہو جیسے میدان تو اگر اس میں کسی جگہ نماز پڑھ لی تو نماز درست ہو جائے گی، کیونکہ نجاست اس کو یقینی طور پر معلوم نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اصل اس میں طہارت ہے اور پوری زمین کا دھونا ممکن نہیں ہے۔

اور اگر زمین چھوٹی ہو جیسے گھر وغیرہ تو اس میں نماز اس وقت تک درست نہیں ہوگی جب تک وہ اس کو دھو نہ لے جیسے کپڑے کے کسی حصے کے نجس ہونے کے بارے میں شک ہونے کی صورت کا حکم ہے کیونکہ گھر وغیرہ کا دھونا اور نجاست سے محفوظ رکھنا ممکن ہے اور جب وہ نجس ہو جائے تو اس کو دھولیا جائے اور اگر ناپاک جگہ مخفی ہو جائے تو پورے کو دھولیا جائے جیسے کپڑے کا حکم ہے۔

اور اگر نجاست دو گھروں میں سے ایک میں ہو اور یہ مشتبہ ہو کہ کون سا ناپاک ہے تو تحری (غور وخوض) کرے اور اگر کوئی شخص کسی ناپاک جگہ قید کر دیا جائے مثلاً بیت الخلاء وغیرہ میں تو جمہور علماء کے نزدیک اس پر نماز پڑھنا واجب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اس میں سے وہ کرو جس کی تم استطاعت رکھتے ہو❷ اور اس کے حکم کو اس مریض پر بھی قیاس کیا جا سکتا ہے جو بعض ارکان ادا کرنے سے عاجز ہو اور جب ایسا شخص نماز پڑھے تو اس پر لازم ہے کہ وہ بیٹھنے میں نجاست سے حتی الامکان بچے ہاتھوں اور گھٹنے وغیرہ کے ذریعے اور اس پر سجدے وغیرہ میں اتنا جھکنا یا اشارہ کرنا واجب ہے کہ اس سے زیادہ جھکنے میں نجاست کے لگنے کا اندیشہ ہو اور سجدہ نہ کرے صحیح قول کے مطابق کیونکہ نماز اشارے کے ذریعے درست ہو سکتی ہے لیکن نجاست کے ساتھ جائز نہیں ہوتی اور اصح قول کے مطابق پاک جگہ پہنچ کر اس کا اعادہ لازم ہوگا اور قدیم قول کے مطابق اعادہ مستحب ہوگا۔ اعادہ واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے فرض کو ایسے نادر عذر کی وجہ سے ترک کیا ہے جو متصل نہیں ہے، لہٰذا فرض اس سے ساقط نہیں ہوگا جیسے کوئی شخص بھول کر سجدے چھوڑ دے اور جس کو فرض نماز شمار کیا جائے گا وہ دوسری نماز ہے شوافع کے اصح قول کے مطابق۔

۴۔ چوتھی شرط: ستر کا چھپانا...... عورت (ستر) لغت میں نقص کے معنی میں آتا ہے اور شریعت کی اصطلاح میں وہ حصہ بدن جس کا چھپانا لازم اور اس کو دیکھنا حرام ہو نماز کی بحث میں پہلے معنی یعنی بدن کا چھپانا مراد ہیں ستر کا آنکھوں سے پوشیدہ ہونا شرط ہے خواہ وہ شخص تنہائی میں اندھیرے میں ہو بشرطیکہ اس پر قدرت ہو یہ جمہور کا اتفاقی مسئلہ ہے احناف فرماتے ہیں کہ لوگوں کے سامنے ان کی موجودگی میں ستر کا چھپانا بالاجماع واجب ہے اور خلوت میں بھی صحیح قول کے مطابق لازم ہے چنانچہ اگر کوئی شخص تنہائی میں برہنہ ہو کر نماز ادا کرے خواہ اندھیرے کمرے میں ہی کیوں نہ ہو اور اس کے پاس پاک کپڑے ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا۔❸

ستر کا چھپانا نماز میں اور نماز کے علاوہ خواہ تنہائی کیوں نہ ہو واجب ہے، سوائے ضرورت کے جیسے نہانا، پاخانہ کرنا یا پیشاب کرنا۔ ستر کے واجب ہونے کی دلیل یہ آیت ہے:

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ...... سورۃ الاعراف

اپنی زینت لو ہر سجدے کے موقع پر۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد نماز میں کپڑے پہننا ہیں۔

---

❶...... المهذب ج ۱ ص ۶۲ المجموع ج ۱ ص ۱۶۰ اور بعد کے صفحات۔❷ یہ حدیث بخاری اور مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں نقل کی ہے ما نهيتكم عنه فاجتنبوه وما امرتم به فاتوا منه ما استطعتم❸ ردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۵

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اللہ جوان عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں کرتا ہے ❶ اوڑھنی (خمار) سے مراد ہے وہ کپڑا جس سے عورت اپنا سر ڈھانکے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اے اسماء عورت جب بالغ ہو جائے تو اچھا نہیں ہے کہ اس کے جسم سے کچھ نظر آئے سوائے اس کے اور اس کے اور چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا ❷ اور علماء کا اجماع ہے کہ عورت پر مطلقاً پردہ لازم ہے نماز میں اور نماز کے علاوہ۔

ستر (چھپانے والی چیز) کی شرائط:

ا...... یہ لازم ہے کہ ستر دبیز اور موٹا ہو اور لازم ستر کو ایسی چیز سے چھپانا ہے جو کھال کی رنگت کو نہ ظاہر ہونے دے خواہ موٹا کپڑا ہو یا چمڑہ یا پتے اور اگر کپڑا بالکل ہلکا اور اتنا پتلا ہو کہ اس کے نیچے کا حصہ بالکل صاف نظر آتا ہو یا کھال کی رنگت اس سے نظر آتی ہو اس کی سرخی یا سفیدی معلوم ہو سکتی ہو تو اس میں نماز نہیں ہوگی کیونکہ ستر اس طرح کے کپڑے سے حاصل نہیں ہوتا ہے، اور اگر رنگت کو تو چھپا دے لیکن اس کی ہیئت اور حجم کو ظاہر کردے تو نماز جائز ہوگی کیونکہ اس طرح کی چیز سے احتراز ممکن نہیں ہے خواہ وہ ساتر موٹا ہی کیوں نہ ہو تاہم شوافع کے ہاں ایسے کپڑے عورتوں کے لئے مکروہ اور مردوں کے لئے خلاف اولیٰ ہیں۔

شوافع فرماتے ہیں ساتر کی شرط یہ ہے کہ وہ جسم کی رنگت کو چھپا دے خواہ وہ بہت گدلا پانی کیوں نہ ہو یا کیچڑ کیوں نہ ہو ایسا خیمہ نہیں جو تنگ ہو اور نہ تاریک اور یہ بھی ان کے ہاں ضروری ہے کہ ساتر پاک ہو۔ مالکیہ فرماتے ہیں اگر اس سے نیچے کی چیز نظر آتی ہو تو وہ کالعدم ہوگا اور اگر نظر نہ آئے لیکن پتہ چل سکتا ہو تو مکروہ ہوگا۔❸

۲...... شوافع اور حنابلہ کے ہاں شرط ہے کہ ڈھانکا ہوا حصہ لباس وغیرہ سے ڈھانکا ہوا ہو لہٰذا اس طرح کا خیمہ وغیرہ پہن لینا کافی نہیں جو تنگ (ہو اور جسم پر آ جائے) اور نہ ہی اندھیرا کافی ہے احناف اور مالکیہ کے ہاں اندھیرا بھی ساتر کا کام دے سکتا ہے بوقت ضرورت۔ کیونکہ اصل واجب ان حضرات کے ہاں ستر کو دوسروں سے چھپانا ہے خواہ حکماً جیسے اندھیری جگہ اپنے آپ سے چھپانا لازم نہیں ہے مفتی بہ قول کے مطابق۔

۳...... اور مطلوب ستر کا اطراف سے چھپانا ہے احناف کے ہاں صحیح قول کے مطابق اور دیگر فقہاء کے ہاں بھی لہٰذا نیچے سے چھپانا یا قمیص کے اوپر کے کھلے ہوئے حصے سے چھپانا لازم نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی شخص نے آئینے پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی جس سے اس کے اعضاء نظر آئے تو نماز ہو جائے گی۔

اور اگر اس کو صرف اتنی سی چیز ملے کہ وہ اپنے ستر کا کچھ حصہ چھپا سکے تو اس کا چھپانا لازم ہوگا خواہ یہ مقصد ہاتھ سے چھپا کر حاصل ہو، یہ شوافع کے اصح قول کے مطابق ہے۔ اور چھپانے والی چیز اگر اگلی اور پچھلی دونوں شرمگاہوں کے لئے کافی ہو تو ان دونوں کا چھپانا لازم ہوگا اور اگر وہ صرف ایک شرمگاہ کو چھپا سکے تو شوافع کے ہاں اس پر پہلے اگلی شرمگاہ چھپانا لازم ہوگا اس کے بعد پچھلی شرمگاہ احناف اور مالکیہ کے نزدیک اس کے برعکس حکم ہے، اور اگر قمیص سے شرمگاہ رکوع وغیرہ میں جاتے ہوئے جھلک جاتی ہو تو اس میں بٹن لگانا یا پیچ سے باندھنا ضروری ہوگا۔

---

❶...... یہ حدیث حاکم نے روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث شرط مسلم پر ہے اور یہ حدیث اصحاب خمسہ نے ماسوا ابن ماجہ بھی روایت کی ہے اور ابن خزیمہ نے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول صحیح قرار دیا ہے اس حدیث میں وارد لفظ حائض سے مراد بالغ عورت ہے یعنی وہ عورت جو حیض کی عمر کو پہنچ جائے حائضہ مراد نہیں کیونکہ زمانہ حیض میں اس کی نماز درست نہیں ہوتی ہے۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۷۔ ❷ بروایت ابوداؤد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ حدیث مرسل ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۹۹۔ ❸ القوانین الفقهية ص ۵۴۔

حرام کپڑوں میں نماز کا حکم...... اگر ایسی چیز سے ستر پوشی کی جس کا پہننا حرام ہو جیسے ریشم کا کپڑا مردوں کے لئے تو مالکیہ اور شوافع کے ہاں حرمت کے ساتھ ستر درست ہوگا، اور احناف کے ہاں کراہت تحریمیہ کے ساتھ نماز درست ہوگی، اور بلا عذر پہننے سے گنہگار ہوگا جیسے غصب شدہ زمین میں نماز کی ادائیگی۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ نماز حرام چیز کے ساتھ درست نہیں ہوگی، جیسے ریشمی کپڑے کا پہننا یا غصب شدہ زمین میں نماز کی ادائیگی، خواہ اس زمین کا کچھ حصہ غصب شدہ ہو یا صرف اس سے حاصل شدہ منفعت غصب شدہ ہو یا ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا جس کی پوری قیمت یا کچھ قیمت حرام مال سے دی ہوئی ہو یا وہ شخص سونے کی انگوٹھی پہنا ہوا ہو اگر وہ جانتا ہو اور اس کو یاد ہو❶ دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جو شخص دس درہم کا کپڑا خریدے اور اس میں ایک درہم حرام مال کا ہو تو اللہ اس کی نماز قبول نہیں کرے گا جب تک یہ کپڑا اس کے جسم پر ہو یہ کہہ کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی دو انگلیاں اپنے کانوں میں داخل کیں اور فرمایا بہرے ہو جائیں میرے یہ دونوں کان اگر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہ سنا ہو❷ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بھی اس کی دلیل ہے جو شخص کوئی ایسا کام کرے جس کے بارے میں ہمارا حکم نہ ہو تو وہ نا قابل قبول ہے❸ اور ایک بات یہ ہے کہ اس شخص کا کھڑا ہونا بیٹھنا اور رہنا حرام کپڑوں میں ہو رہا ہے جو کہ ایک ممنوع امر ہے لہٰذا یہ فعل عبادت عبادت بنے گا ہی نہیں جیسے حیض کے زمانے میں نماز پڑھنا یا نجاست کے ساتھ پڑھنا۔

اور اگر وہ شخص اس کے ریشم ہونے سے ناواقف ہو یا اس کے غصب شدہ ہونے سے واقف ہو یا وہ یہ چیزیں بھول گیا ہو یا وہ غصب شدہ جگہ یا نجس جگہ قید کر دیا گیا ہو تو اس کی نماز درست ہو جائے گی کیونکہ اس صورت میں وہ گناہگار نہیں ہوگا۔

مالکیہ اور احناف ناپاک کپڑوں میں نماز کو جائز قرار دیتے ہیں جیسا کہ میں پہلے اس کی وضاحت کر چکا ہوں۔

اور تمام مذاہب کے علماء کا اتفاق ہے کہ ستر کا چھپانا ضروری ہے خواہ عاریتاً کپڑا لے کر ہی سہی، چنانچہ اگر عاریت والے کپڑے کی موجودگی میں برہنہ نماز پڑھ لی یا ریشم کے پاک کپڑے کی موجودگی میں برہنہ ہو کر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی تاہم حنابلہ کے نزدیک پاک ریشم کے کپڑے کا وجود کالعدم کی حیثیت میں ہے اور اگر اس کو کپڑا دینے کا وعدہ کیا گیا ہو تو وہ اس وقت تک انتظار کرے جب تک وقت کے نکل جانے کا خدشہ نہ ہو احناف کے ہاں اظہر قول یہی ہے اور اس پر ثمن مثلی (قیمت مثلی) کے عوض خریدنا لازم ہوگا❹ جیسا کہ یہ تفصیل پانی کی خریداری کے بارے میں پہلے گزر چکی ہے۔

ستر چھپانے کے لئے کچھ نہ پانے والے کا حکم:...... جو شخص ستر چھپانے کے لئے کچھ نہ پائے تو وہ مالکیہ کے ہاں برہنہ حالت میں نماز پڑھ لے کیونکہ ستر کا چھپانا قدرت ہونے کی صورت میں لازم ہے اور عاجز ہونے کی صورت میں یہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اور حنابلہ کے ہاں بیٹھ کر اشارے سے ادا کرے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل کے مطابق جیسا کہ میں تیسری شرط کے بیان میں یہ ذکر کر چکا ہوں۔

اور شوافع اور احناف کے ہاں اس پر نماز ادا کرنا لازم ہے خواہ مٹی وغیرہ مل کر نماز ادا کرنی پڑے، یا گدلے پانی میں بیٹھ کر یا اس کو مل کر نماز ادا کرنی پڑے مالکیہ اور احناف کے ہاں اضطراری صورتحال میں گھپ اندھیرا ساتر بن سکتا ہے اور شوافع کے ہاں اصح قول کے مطابق اور حنابلہ کے ہاں بھی ہاتھ سے ڈھانپ کر یہ مقصود حاصل ہو سکتا ہے جیسا کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ اور شوافع کے ہاں کھڑا ہو کر ارکان کو پورا کر کے

❶..... كشف القناع ج ١ ص ٣١٣، المغنی ج ١ ص ٥٨٧ اور بعد کے صفحات۔ ❷ تاہم اس کی سند میں دو آدمی ہیں ہاشم اور بقیہ امام بخاری فرماتے ہیں: ہاشم ثقہ نہیں اور بقیہ مدلس ہیں۔ ❸ بروایت امام احمد و مسلم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور یہ حدیث صحیح ہے۔ ❹ الدر المختار ج ١ ص ٣٨٢ المجموع ج ٣، ص ١٩٣۔

نماز ادا کرے اور ایک قول کے مطابق اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا جیسا کہ میں اس بات کی وضاحت پہلے کر چکا ہوں۔ احناف اور حنابلہ کے ہاں بیٹھ کر رکوع اور سجدے کے اشارے سے نماز پڑھے گا اور اس طرح پڑھنا کھڑے ہو کر اشارے سے یا کھڑے ہو کر رکوع وسجود کے ساتھ پڑھنے سے افضل ہے۔ کیونکہ ستر ارکان کی ادائیگی سے زیادہ اہم ہے حنابلہ فرماتے ہیں جو شخص پانی اور کیچڑ میں ہو اور اس کے لئے زمین پر سجدہ کرنا اس طرح ممکن ہو کہ وہ مٹی اور کیچڑ میں لت پت ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے جانور ہی پر نماز پڑھ لے اور رکوع اور سجدے کے لئے اشارہ کرے۔ (1)

ستر کا اچانک کھل جانا، اگر نمازی کا ستر غیر ارادی طور پر اچانک کھل گیا مثلاً ہوا وغیرہ سے اور اس نے فی الفور اس کو ڈھانک لیا تو حنابلہ اور شوافع کے ہاں اس کی نماز باطل نہیں ہوگی، کیونکہ ممنوع چیز نہیں پائی گئی اور اگر اس کی کوتاہی کے سبب کچھ دیر یا زیادہ دیر کھلا رہا تو نماز باطل ہو جائے گی، اس لئے کہ زیادہ کھلنے سے ستر کا کھلنا زیادہ ہو جاتا ہے اور اس سے بچنا ممکن ہے لہٰذا وہ قابل معافی نہیں ہے (2) مالکیہ فرماتے ہیں کہ شرمگاہ کا کھلنا مطلقاً نماز کو باطل کر دیتا ہے احناف فرماتے ہیں اگر ستر کے اعضاء میں سے چوتھائی عضو کھل جائے تو اگر ایک رکن کی ادائیگی کے بقدر کھلا رہے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے بشرطیکہ خود اس کے کرنے سے ایسا نہ ہوا ہو اور اگر اس کے کرنے سے ایسا ہو تو فی الفور نماز فاسد ہو جائے گی۔

برہنہ لوگوں کی جماعت...... برہنہ لوگوں کے لئے جماعت کرنا درست ہے، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک ان کے لئے جماعت کے ساتھ اور تنہا پڑھنے کی اجازت ہے اور جماعت کی شکل میں نماز ادا کرنے کی صورت میں امام بیچ میں کھڑا ہوگا اور مقتدی ایک صف میں رہیں گے تاکہ ایک دوسرے کی شرمگاہ پر نظر نہ پڑے اور اگر دو صفیں بنانی پڑیں تو آنکھیں نیچی کر کے نماز پڑھ لیں۔

اور اگر برہنہ عورتیں جمع ہو جائیں تو ان کے لئے جماعت مستحب ہے۔

اور ان کی امام عورت بیچ میں کھڑی ہوگی ہر حال میں، کیونکہ عورتیں بذات خود ستر ہیں، جماعت مستحب اس لئے ہے کہ جماعت کی نماز منفرد کی نماز سے افضل ہوتی ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے، شوافع کے ہاں کھڑے ہو کر ارکان پوری طرح ادا کریں گے اور اشارے سے پڑھیں گے۔ اور حنابلہ کے ہاں سجدے میں رکوع سے زیادہ جھکنا چاہئے۔

اور افضل صورت کیا ہے؟ جماعت سے نماز یا تنہا نماز؟ شوافع فرماتے ہیں اگر وہ لوگ نابینا ہوں یا اندھیرے میں ہوں اس طرح ہوں کہ ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں تو بلاخوف جماعت مستحب ہے، اور ان کا امام ان کے آگے کھڑا ہوگا اور اگر اس طرح ہوں کہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہوں تو اصح قول یہ ہے کہ جماعت سے پڑھنا اور تنہا پڑھنا برابر ہے۔

اور اگر کسی شخص کے پاس پہنانے کے لئے کپڑے ہوں تو مستحب یہ ہے کہ وہ ان کو عاریتاً دے دے، اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس سے غصب نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان کی نماز بغیر ستر کے چھپائے ہو سکتی ہے۔

احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ وہ اکیلے پڑھیں گے اور ایک دوسرے سے دور کھڑے ہوں گے اور اگر اندھیرے میں ہوئے تو جماعت سے پڑھیں گے اور امام آگے کھڑا ہوگا (3) اور اگر ان کا علیحدہ ہو کر پڑھنا ممکن نہ ہو تو جماعت سے ایک صف میں کھڑے ہو کر رکوع اور سجدے کے ساتھ پڑھیں گے ان کا امام بیچ میں کھڑا ہوگا اور ان پر آنکھیں جھکانا لازم ہوگا۔

ستر کی حد...... ائمہ مذاہب کے ہاں نماز کی صحت کے لئے ستر کا چھپانا شرط ہے جیسا کہ پہلے گزرا لیکن فقہاء کا مرد عورت اور باندی کے ستر کی حدود میں اختلاف ہے ان کی آراء مندرجہ ذیل ہیں۔

---

(1)...... المغنی ج ۱ ص ۵۹۹۔ (2) مغنی المحتاج، ج ۱ ص ۱۸۸، المغنی ج ۱ ص ۵۸۰۔ (3) المجموع ج ۳ ص ۱۹۱ اور اس کے بعد کے صفحات، المھذب ج ۱ ص ۲: المغنی ج ۱ ص ۵۹۶ اور صفحہ نمبر ۵۹۸ الشرح الکبیر مع الدسوقی ج ۱ ص ۲۲۱۔

مذہب حنفی ❶:

۱۔ مرد کا ستر:...... مرد کا ستر (جس کا چھپانا ضروری ہوتا ہے) ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک ہے لہٰذا گھٹنا ران کے تحت شمار ہوگا اور ستر میں داخل ہوگا اصح قول کے مطابق دلیل وہ روایت ہے مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے یا یہ روایت ناف کے نیچے سے یہاں تک کہ گھٹنوں سے متجاوز ہو ❷ اور دوسری دلیل ایک حدیث ضعیف ہے جو دار قطنی نے روایت کی ہے کہ گھٹنا ستر میں سے ہے۔❸

۲۔ باندی (غلام عورت، کنیز)...... یہ ستر کے اعتبار سے مرد کی طرح ہے اس کے ساتھ اس کی کمر پیٹ اور پہلو بھی ستر میں شامل ہیں، دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے جو انہوں نے ایک باندی سے کہا تھا، اولونڈیا اپنے اوپر سے اوڑھنی ہٹا کیا تو آزاد عورتوں سے مشابہت اختیار کرتی ہے ❹ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کی ضروریات کے لئے اپنے کام کاج کے کپڑوں میں نکلتی ہے، تو اس کو اجانب کے حق میں محارم کی طرح سمجھا جائے گا حرج دور کرنے کی غرض سے۔

۳۔ آزاد عورت اسی طرح ہیجڑا بھی...... اس کا سارا بدن ستر ہے حتیٰ کہ اس کے لٹکے ہوئے بال بھی ماسوا چہرے اور ہتھیلیوں کے اور پاؤں کے پاؤں اور ہاتھ کا اندر اور باہر کے دونوں حصے معتمد قول کے مطابق کہ یہ چیزیں ستر میں داخل نہیں وجہ اس کی عنصر ضرورت ہے، اور عورت کی آواز راجح قول کے مطابق ستر نہیں ہے ❺ ہاتھ کا اوپری حصہ ایک قول کے مطابق ستر ہے، تاہم اصح قول یہ ہے کہ ہتھیلیوں کا اندرونی حصہ اور اوپر کا حصہ ستر نہیں ہے، اور دونوں قدم بھی نماز کے حق میں صحیح قول کے مطابق ستر نہیں ہیں اور صحیح قول یہ ہے کہ یہ دیکھنے اور چھونے کے اعتبار سے ستر کے حکم میں ہیں، ان حضرات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ...... سورۃ النور آیت نمبر ۳۱

اور وہ ظاہر نہ کریں اپنی زینت سوائے اس کے جو اس میں سے ظاہر ہے۔

زینت سے مراد جائے زینت ہے اور مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے مراد چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں دوسری دلیل یہ حضرات یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ عورت ستر ہے جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاڑ لیتا ہے ❻ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی گذشتہ حدیث بھی دلیل ہے کہ اے اسماء جب عورت بلوغت کی عمر کو پہنچ جائے تو اچھا نہیں ہے کہ اس کے جسم میں سے کچھ نظر آئے سوائے اس کے اور اس کے اور آپ نے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ فرمایا ❼ ایک اور دلیل حضرت عائشہ

---

❶...... الدر المختار وردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۵۔۳۷۹ تبیین الحقائق للزیلعی ج ۱ ص ۹۵۔۹۷۔ ❷ یہ مضمون تین احادیث سے ماخوذ ہے (۱) پہلی حدیث دار قطنی امام احمد ابو داؤد نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ والی سند سے نقل کی ہے اس حدیث میں ہے..... تو جب تم میں سے کوئی اپنی کنیز کی شادی کرادے تو ناف سے نیچے اور گھٹنے سے اوپر تک کا حصہ نہ دیکھے کیونکہ ناف سے نیچے گھٹنے تک کا حصہ ستر ہے، یہ حدیث ضعیف ہے۔ (۲) دوسری حدیث حاکم کی ہے جو عبداللہ بن جعفر سے مروی ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا درمیانی حصہ ستر ہے یہ موضوع حدیث ہے۔ (۳) تیسری دار قطنی نے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے گھٹنوں سے اوپر کا حصہ ستر ہے اور ناف سے نیچے کا حصہ ستر ہے یہ حدیث غریب ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۹۶۔۲۹۷۔ ❸ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۹۷۔ ❹ علامہ زیلعی فرماتے ہیں یہ غریب ہے اس معنی میں ایک روایت عبدالرزاق نے بھی حضرت عمر سے نقل کی ہے بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول آثار درست ہیں۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۳۰۰۔ ❺ تاہم عورت کی گنگناتی آواز اور لوچ والی آواز اذان میں یا کسی اور میں ہو ستر میں داخل ہے اس کا سننا درست نہیں۔ ❻ بروایت امام ترمذی از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح غریب قرار دیا ہے ابن حبان نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۲۹۸۔ ❼ بروایت امام ابو داؤد یہ حدیث مرسل۔

رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے وہ بھی پہلے گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ بالغ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں کرتا ہے۔ جوان عورت کو اپنا چہرہ مردوں کے سامنے کھولنے سے منع کیا جائے گا اس لئے نہیں کہ وہ ستر ہے بلکہ فتنے کے خدشے کے پیش نظر یا شہوت ❶ وغیرہ کے پیش نظر منع کیا جائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ اس کو چہرہ کھولنے سے اس لئے منع کیا جائے گا کہ لوگ اس کا چہرہ نہ دیکھیں ورنہ ان کے فتنے اور شہوت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ چہرہ کھلا ہونے کی صورت میں اس پر شہوت کے ساتھ نظر پڑنے کا خدشہ ہوتا ہے۔

جو رشتے کا خواہشمند ہو، اس کو دیکھنے کی اجازت ہے خواہ وہ شہوت کے ساتھ دیکھے تاہم نیت سنت پر عمل کی ہو شہوت پوری کرنے کی نہ ہو۔ اسی طرح علاج اور دوا کی غرض سے مرض کی جگہ کو بقدر ضرورت دیکھنے کی اجازت ہے۔

اور احناف کا معتمد قول یہ ہے کہ اعضاء عورت (ستر) میں سے کسی عضو کا چوتھائی حصہ خواہ وہ عورت غلیظہ (ستر کا وہ حصہ زیادہ شدت کا حامل ہوتا ہے) ہو یعنی اگلی اور پچھلی شرمگاہ اور ان کے آس پاس کا حصہ یا عورت خفیفہ (ستر کا وہ حصہ جو نسبتاً کم شدت کا حامل ہوتا ہے) ہو یعنی اگلی اور پچھلی شرمگاہ کے علاوہ ران کے حصے ❷ اگر ظاہر ہو جائے اور اتنی دیر تک کھلا رہے جتنی دیر میں ایک رکن ادا کیا جا سکتا ہے اور بالقصد یہ نہ کیا ہو بھول سے ہو گیا ہو تو نماز باطل ہو جائیگی، کیونکہ چوتھائی کا حکم پورے کا ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اس سے کم ظاہر ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے چنانچہ جس کا چوتھائی پیٹ ظاہر ہو جائے یا ران یا سر کے لٹکے ہوئے بال یا پچھلی شرمگاہ یا عضو تناسل یا دونوں کپورے یا شرمگاہ ظاہر ہو جائے اس کی نماز باطل ہو جائے گی اگر ایک رکن کی ادائیگی کی مدت کے بقدر وہ کھلا رہے، بصورت دیگر نماز باطل نہیں ہوگی۔

مالکیہ کا مذہب ❸:

ان حضرات کے ہاں ستر کا لوگوں کی آنکھوں سے چھپانا بالاجماع واجب ہے اور نماز میں صحیح قول کے مطابق جن چیزوں کا چھپایا جانا ضروری ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں

الف..... مرد کا ستر نماز میں صرف عورت غلیظہ (شدت والا ستر) ہے یعنی دونوں شرمگاہیں سامنے کی شرمگاہ میں سے عضو تناسل اور دونوں کپورے اور پچھلی شرمگاہ میں سے دونوں کولہوں کا درمیانی حصہ (یعنی وہ حصہ جہاں سے پاخانہ خارج ہوتا ہے اور تھوڑا سا آس پاس کا حصہ) چنانچہ نماز کا لوٹانا وقت کے اندر اندر صرف اس شخص پر واجب ہوگا۔ جس کی دونوں چلکتیاں (سرین) کھلی ہوئی ہوں یا اس کا اگلی شرمگاہ کا حصہ کھلا ہوا ہو ان حضرات کے ہاں ران ستر میں داخل نہیں ہے ستر صرف دونوں شرمگاہیں ہیں دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن اپنی ران پر سے کپڑا ہٹالیا تھا گویا کہ میں ابھی بھی آپ کی ران مبارک کی سفیدی کو دیکھ رہا ہو۔ ❹

ب..... کنیز کا ستر بھی دونوں شرمگاہیں ہیں ان کے ساتھ سرین کے دونوں جانب (دونوں چلکتیاں) بھی ستر ہیں اگر ان میں کوئی چیز کھل گئی یا پوری ران کھل گئی یا کچھ حصہ کھل گیا تو وقت کے اندر اندر لازماً اعادہ کرے گی جیسے مرد کا حکم ہے اور ظہر اور عصر کے لئے اعادے کا وقت

---

❶..... شہوت کے ساتھ عورت اور بے ریش لڑکے کے چہرے کو دیکھنا جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ کوئی ضرورت یا حاجت درپیش ہو جیسے قاضی یا گواہ کے سامنے چہرہ کھولنا یا اس کے خلاف گواہی کے پیش نظر اس کا چہرہ کھولنا یا ایسے شخص کے سامنے چہرہ کھولنا۔ ❷ دونوں ستر (غلیظہ اور خفیفہ) میں فرق صرف اس حیثیت سے ہے کہ غلیظہ کی طرف نظر کرنا خفیفہ کی طرف نظر کرنے کے مقابلے میں زیادہ شدید ہے۔ ❸ الشرح الصغير ج ۱ ص ۲۸۵ بداية المجتهد ج ۱ ص ۱۱۱، القوانين الفقهيه ص ۵۳ الشرح الكبير ج ۱ ص ۲۱۱، ۲۱۷ شرح الرساله ج ۱ ص ۹۸۔ ❹ یہ حدیث امام احمد اور امام بخاری نے روایت کی ہے نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۴ اس کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جو امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ران کھولے بیٹھے تھے حضرت ابو بکر آئے اجازت طلب کی آپ نے اجازت دی وہ اندر آئے آپ اسی حالت پر بیٹھے رہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی آپ نے اجازت دی وہ اندر آئے آپ اسی حالت پر بیٹھے رہے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی آپ نے اپنی ران پر کپڑا ڈال لیا..... نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۳۔

سورج کے پیلے پڑ جانے تک ہے اور مغرب اور عشاء کے لئے پوری رات اور فجر کے لئے طلوع شمس تک ہے۔

ج..... آزاد عورت کی عورت (ستر) غلیظہ: اس کا ستر پورا بدن ہے سوائے سینے کے سر کے اطراف کے اور دونوں ہاتھ اور پاؤں کے اور سینے کے بالمقابل کمر کا حصہ بھی سینے کے حکم میں ہے اور عورت (ستر) خفیفہ میں سے کوئی بھی حصہ یعنی اس کے سینے اور اطراف ستر کا حصہ خواہ پاؤں کا اوپری حصہ ہی کیوں نہ ہو اگر کھل جائے تو وقت کے اندر اس پر اعادہ لازم ہوگا اس وقت ضروری کا بیان پہلے گزرا کہ فجر کے لئے طلوع شمس ظہر اور عصر کے لئے سورج کے زرد پڑ جانے تک اور مغرب وعشاء کے لئے رات کے آخر تک۔

یہ حکم نماز کے اعتبار سے ہے بہ نسبت دیکھنے کے اور نماز کے اعتبار سے بھی مرد اور باندی کا ستر پوشیدہ ہونا واجب ہے شرط نہیں ہے اور آزاد عورت کا دوسری عورت کے سامنے ستر خواہ وہ دوسری عورت مسلمان ہو یا کافرہ، تو دیکھنے کے اعتبار سے ناف سے لے کر گھٹنے تک کا درمیانی حصہ ہے، اسی طرح آزاد عورت پر اجنبی مرد کے سامنے یعنی جو اس کا محرم نہ ہو پورے بدن کا چھپانا واجب ہے سوائے چہرے اور ہاتھوں کے یہ دونوں یعنی چہرہ اور ہاتھ ستر نہیں ہیں، اگرچہ اس پر ان دونوں کا چھپانا فتنے سے بچنے کی غرض سے لازم ہے، مرد کے لئے اپنی محرم عورت کا خواہ وہ سسرالی رشتے کی وجہ سے محرم ہو یا رضاعت کی وجہ سے سینہ وغیرہ دیکھنا جائز نہیں ہے خواہ وہ لذت اندوز بھی نہ ہو صرف چہرہ اور اطراف کو دیکھنے کی اجازت ہے۔ یہ مسئلہ بخلاف شوافع وغیرہ کے ہے یہ حضرات ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصے کے علاوہ جگہ کو دیکھنے کو جائز قرار دیتے ہیں، اس حکم میں کافی ڈھیل ہے۔ اور چہرے کے اطراف سے گردن سر، اور پاؤں کا اوپری حصہ مراد ہے۔

اس بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مرد اور عورت کی ستر کی جگہیں نماز کے اعتبار سے دو طرح کی ہیں غلیظ اور خفیفہ، تو ستر کی غلیظہ جگہیں (عورت غلیظہ) مرد کے لئے اگلی اور پچھلی شرمگاہیں ہیں یعنی اگلی شرمگاہ اور دبر کا حلقہ۔ اور اس کے ستر کی خفیفہ جگہیں (عورت خفیفیہ) شرمگاہ سے زائد وہ حصہ ہے جو گھٹنے اور ناف کے درمیان کا حصہ ہے۔ اور کنیز کے لئے ستر غلیظہ (عورت غلیظہ) سرین کی دونوں جانب (دونوں چلکتیاں) اور ان کے درمیان پچھلی شرمگاہ کا سوراخ وغیرہ اور اگلی شرمگاہ میں سے سوراخ اور اس کے آس پاس کے حصے جن کو عانہ کہا جاتا ہے (یعنی وہ جگہیں جن پر بال اگتے ہیں) ہیں۔ اور ستر خفیفہ (عورت خفیفہ) رانیں اور ناف سے نیچے کا حصہ ہے اور آزاد عورت کا ستر غلیظہ (عورت غلیظہ پورا بدن ہے ماسوا اطراف بدن، سینہ اس کے بالمقابل کمر کا حصہ۔ اور ستر خفیفہ (عورت خفیفہ) اس کے بدن کا بقیہ حصہ ہے سوائے چہرے اور ہاتھوں کے۔ تو جو شخص ستر غلیظہ کا کچھ حصہ کھلی ہوئی حالت میں نماز پڑھے جب کہ اس کو یاد ہو اور راجح قول کے مطابق ڈھانپنے کی قدرت بھی ہو خواہ ڈھانپنے کے لئے کچھ خرید کر یا عاریت پر لے کر ہی سہی تو ایسے شخص کی نماز باطل ہو جائے گی اور مشہور قول کے مطابق اس پر لوٹانا لازم ہوگا۔ اور اگر کسی شخص نے ستر خفیفہ (عورت خفیفہ) کا کچھ حصہ کھلا ہوا ہونے کی صورت میں نماز پڑھی تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی اگرچہ اس کا کھولنا مکروہ ہے اور اس کو دیکھنا حرام ہے، تاہم جو شخص ستر خفیفہ کے کھلے ہوئے ہونے کی حالت میں نماز پڑھے اس کے لئے وقت ضروری کے اندر اعادہ کر لینا مستحب ہے، وقت ضروری ظہر اور عصر کے لئے سورج کے زرد ہونے سے پہلے پہلے تک کا وقت ہے اور مغرب وعشاء کے لئے پوری رات اور فجر کے لئے سورج طلوع ہونے سے پہلے تک کا وقت ہے۔

ستر کی جگہوں کو دیکھنا حرام ہے خواہ بلا لذت دیکھے بشرطیکہ وہ ڈھکی ہوئی نہ ہوں اگر وہ ڈھکی ہوئی ہوں تو ان کی طرف نظر کرنا جائز ہے تاہم کسی ساتر (ڈھانکنے اور چھپانے والی چیز) کے اوپر سے ان کو چھونا درست نہیں ہے۔

اور دیکھنے کے جائز یا ناجائز ہونے کے اعتبار سے مرد کا ستر ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ ہے، اور عورت کا اجنبی مرد کے سامنے ستر پورا بدن ہے سوائے چہرے اور ہاتھوں کے اور اپنے محرم مردوں کے سامنے چہرے اور اطراف بدن کے علاوہ پورا جسم ہے اطراف بدن میں سر گردن، دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں شامل ہیں تاہم اگر محرم کو ان چیزوں کے دیکھنے میں لذت محسوس ہو تو ان کا دیکھنا حرام ہوگا ستر کی ہونے کی وجہ سے نہیں لذت اندوز ہونے کی وجہ سے۔ اور عورت کا عورت کے لئے یا اپنے ذوی محارم کے لئے ستر ایسا ہی ہے جیسے مرد کا مرد کے لئے ستر

ہوتا ہے ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصے کو چھوڑ کر وہ باقی جگہیں دیکھ سکتی ہے اور عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنے کا حکم ایسا ہی ہے جیسے عورت کے محارم اس کو دیکھ سکتے ہیں یعنی عورت اجنبی مرد کا چہرہ اور اطراف بدن یعنی سر ہاتھ اور پاؤں دیکھ سکتی ہے۔

مذہب شافعی (1):

الف..... مرد کا ستر ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہوتا ہے نماز طواف، اجنبی مردوں اور اجنبی عورتوں کے حق میں۔ دلیل اس کی وہ روایت ہے جو حارث بن ابو سامہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں مسلمان مرد کا ستر اس کی ناف سے لے کر گھٹنوں کے درمیان ہے اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی کنیز کی شادی (کسی دوسرے شخص سے) کر دے تو اس باندی کے ستر کو نہ دیکھے اور ران کے ستر ہونے کے بارے میں کئی احادیث مروی ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے اپنی رانیں کبھی نہ کھولنا اور کسی زندہ یا مردہ شخص کی ران کبھی نہ دیکھنا (2) ان میں سے ایک حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جرھد اسلمی رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانا ہے اپنی ران ڈھک کر رکھو، کیونکہ ران ستر ہے (3) تو ناف اور گھٹنے صحیح قول کے مطابق ستر میں سے نہیں ہیں دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو پہلے مذہب مالکیہ کے بیان میں گزری جس میں یہ بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زانو مبارک کھولے ہوئے تھے۔ تاہم ران چھپانے کی غرض سے گھٹنے کا کچھ حصہ چھپانا ضروری ہے، اسی طرح ناف کا بھی، کیونکہ جس چیز کے بغیر واجب کی تکمیل نہیں ہوتی وہ بھی واجب ہوتی ہے جیسا کہ شوافع حنابلہ اور مالکیہ نے اصول فقہ میں اس اصول کی صراحت کی ہے (4) اور مرد کا ستر اجنبی عورتوں کے سامنے باعتبار دیکھنے کے پورا بدن ہے اور تنہائی میں صرف دونوں شرمگاہ ہیں۔

مالکیہ کے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثوں سے ران کے ستر نہ ہونے پر استدلال کو چار وجوہ سے رد کیا گیا ہے۔

۱..... حدیث میں صرف فعل کی حکایت ہے اور ران کا ایک حصہ کھل جانے میں کبھی کبھی تسامح برت لیا جاتا ہے بالخصوص جنگ اور لڑائی کے مواقع پر اور اصول فقہ میں یہ اصول ہے کہ قول فعل سے راجح ہوتا ہے۔

۲..... حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثیں ان صحیح اور عام اقوال کا معارضہ نہیں کر سکتی ہیں جو تمام مردوں کے بارے میں وارد ہیں۔

۳..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو امام مسلم نے روایت کی ہے اس میں تردد ہے اس میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں لیٹے ہوئے تھے اور اپنی ران یا پنڈلی کھولی ہوئی تھی جب کہ پنڈلی ستر میں بالاجماع داخل نہیں ہے۔

۴..... ران کھولنے کے اس واقعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا، کیونکہ اس میں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو اس معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا بتاتی ہو۔

ایسی صورت میں ان اقوال کو اختیار کرنا ضروری ہو جاتا ہے جو ران کے ستر ہونے کے بارے میں واضح اور کھلے ہوئے ہیں۔

ب: کنیز کا ستر..... اصح قول کے مطابق مرد کی طرح کا ہے اس کو مرد کے ساتھ ملحق کیا جائے گا اس وجہ سے کہ سر ان دونوں کا ستر نہیں ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ سر اور ذراع ایسے اعضاء ہیں جن کو کھلے رکھنے کی حاجت درپیش رہتی ہے۔

---

(1)..... مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۸۵ المهذب ج ۱ ص ۶۴ المجموع ج ۳ ص ۱۷۰۔۱۷۶۔ (2) یہ حدیث ابوداؤد ابن ماجہ، حاکم اور بزار نے نقل کی ہے تاہم اس میں علت ہے نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۲۔ (3) بروایت امام مالک در موطا وامام احمد ابوداؤد اور ترمذی امام ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے اس کو ابن حبان نے بھی صحیح قرار دیا ہے نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۳۔ (4) شرح اسنوی ج ۱ ص ۱۲۷ لمدخل الی مذہب احمد ص ۶۱ مختصر ابن لحاجب ص ۳۸۔

ج: آزاد عورت اور اسی طرح ہیجڑے کا ستر...... ان کا ستر چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ بدن کا حصہ ہے۔ ہاتھوں کے اندرونی اور بیرونی دونوں حصے انگلیوں کے سرے سے لیکر گٹوں تک ستر نہیں ہے دلیل اس کی یہ آیت ہے:

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ...... سورۃ النور آیت نمبر ۳۱

اور وہ اپنی زینت ظاہر نہیں کریں گی سوائے اس کے جو ظاہر ہو جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں فرماتے ہیں اس سے مراد چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں اور دوسری بات یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھی ہوئی عورت کے لئے دستانے اور نقاب پہننے سے منع فرمایا ہے (1) اور اگر چہرہ ستر ہوتا تو حالت احرام میں اس کا ڈھانپنا ممنوع نہیں ہونا، دوسری بات یہ ہے کہ خرید وفروخت کے معاملات میں چہرے کھلے ہونے کی حاجت پڑتی رہتی ہے اور ہاتھ کے کھلے ہونے کی ضرورت لینے دینے میں پڑتی ہے، لہٰذا اس کو ستر میں نہیں شمار کیا گیا ہے اور اگر ستر کا کچھ حصہ نماز میں کھل جائے اور اس کو چھپانے کی قدرت ہو تو نماز باطل ہو جائے گی سوائے اس صورت کے کہ وہ یا تو ہواء سے کھل جائے یا بھولے سے کھل جائے اور وہ شخص اس کو فی الفور چھپالے تو اس صورت میں نماز باطل نہیں ہوگی جیسا کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ اور اگر ہواء کے بجائے کسی اور چیز سے یا جانور کے سبب یا کسی بے شعور کے سبب کھل جائے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

انسان پر اپنے ستر کو اپنے آپ سے چھپانا لازم نہیں ہے لیکن اس کو دیکھنا مکروہ ہے۔

اور آزاد عورت کا ستر اس کو دیکھنے کی حیثیت سے کیا ہے؟ تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ نماز کے باہر اس کا پورا بدن اجنبی مردوں کے سامنے ستر ہے اور غیر مسلم عورتوں کے سامنے ان حصوں کے علاوہ جو کام کاج اور ضروریات کے تحت کھلے ہوتے ہیں۔

پورا بدن ستر ہے اور مسلمان عورتوں اور محرم مردوں کے سامنے اس کا ستر ویسا ہی ہے جیسے مردوں کا ہوتا ہے یعنی ناف سے لے کر گھٹنے تک۔ تمام فقہاء کی ستر کے چھپانے کے واجب ہونے اور مرد کے لئے مرد کا ستر نہ دیکھنے اور عورت کے لئے عورت کا ستر نہ دیکھنے کی دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے مرد دوسرے مرد کا ستر نہ دیکھے اور نہ ایک عورت دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں رہے (2) اور بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کی سند سے مروی حدیث بھی دلیل ہے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنے ستر میں سے کتنے کو دیکھ سکتے ہیں اور کتنے کو ہمیں چھوڑ دینا چاہئے؟ آپ نے فرمایا اپنے ستر کی حفاظت کرو ہر کسی سے سوائے بیوی کے اور زیر ملکیت کنیز کے میں نے عرض کیا اور اگر لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ہوں تب؟ آپ نے فرمایا اگر تم اتنی استطاعت رکھتے ہو کہ کوئی اس کو نہ دیکھے تو ہرگز ہرگز کوئی اس کو نہ دیکھے میں نے عرض کیا اور اگر ہم میں سے کوئی تنہا ہو تو آپ نے فرمایا اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے حیاء کی جائے (3) یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تنہائی میں ننگا ہونا جائز نہیں ہے اس کی تائید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہوتی ہے جو امام ترمذی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تم ننگے ہونے سے بچو تمہارے ساتھ ایسی ہستیاں ہوتی ہیں (یعنی فرشتے) جو تمہارا ساتھ صرف اس وقت چھوڑتی ہیں جب تم قضاء حاجت کے لئے جاتے ہو اور جب ایک شخص اپنی بیوی کے پاس ہم بستری کے لئے جاتا ہے تو تم ان کا اکرام کیا کرو۔ امام بخاری نے نہاتے وقت برہنہ ہونے کے جواز پر استدلال حضرت موسیٰ اور حضرت ایوب علیہما الصلوٰۃ والسلام کے واقعے سے کیا ہے۔

---

(1)...... صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے احرام باندھنے والی عورت نقاب نہ باندھے اور نہ دستانے پہنے۔ (2) بروایت امام مسلم ابو داؤد اور ترمذی نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۱. (3) بروایت اصحاب خمسہ ماسوا نسائی نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۱

حنابلہ کا مذہب ❶:

الف: مرد کا ستر ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ ہے..... دلیل وہی احادیث ہیں جن سے احناف اور شوافع نے استدلال کیا ہے۔ناف اور گھٹنے ستر میں شامل نہیں ہیں دلیل حضرت عمرو بن شعیب کی روایت کردہ حدیث ہے جو پہلے بھی گزری کہ بے شک ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ ستر ہے۔

اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کے الفاظ ہیں ناف کے نیچے کا اور گھٹنے سے اوپر کا حصہ ستر میں سے ہے ❷ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ رکبہ (گھٹنا) حد کے طور پر بیان کیا گیا ہے لہٰذا وہ ستر میں داخل نہیں ہوگا اور خنثیٰ مشکل (وہ ہیجڑا جس میں مردانہ اور زنانہ دونوں خصوصیات ہوں) مرد کی طرح شمار ہوگا کیونکہ ہم احتمالی امر کی بنیاد پر اس پر ستر لازم نہیں کر سکتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ نماز کی صحت کے لئے ظاہر مذہب کے مطابق یہ بھی ضروری ہے کہ انسان اپنا ایک کندھا ضرور ڈھانپے خواہ وہ ایسے باریک کپڑے سے ہی کیوں نہ ہو جو کھال کی رنگت بتادے کیونکہ کندھوں کے ڈھانکنے کا وجوب حدیث سے ثابت ہے، حدیث کے الفاظ ہیں انسان ایسے ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر اس کپڑے کا بالکل کوئی حصہ نہ ہو ❸ اور یہ نہی ہے جو حرمت کا تقاضا کرتی ہے لہٰذا یہ قیاس پر بھی مقدم ہوگی۔ابوداؤد نے حضرت بریدہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ ایسے کپڑے میں نماز پڑھی جائے جس کو پورا لپیٹ دیا گیا ہو اور کندھے پر نہ ڈالا گیا ہو۔تاہم اگر کسی شخص کے پاس صرف اتنا کپڑا ہو کہ وہ یا تو ستر ڈھانکے یا کندھے تو اس پر واجب ہے کہ وہ ستر ڈھانک کر کھڑا ہو کر نماز پڑھے، اور کندھوں کو نہ ڈھانپے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کپڑا کشادہ ہو تو دونوں جانب کو الگ الگ جگہ ڈال لو اور اگر کپڑا تنگ ہو تو اس کو صرف اپنے کولہے پر باندھ لو۔ ❹

انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے ستر کو نظروں سے بچائے حتیٰ کہ اپنے آپ سے بھی چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی قمیص کے بڑے گریبان سے اپنے ستر کو دیکھ لیتا ہو رکوع اور سجدے میں جاتے ہوئے تو اس پر اس میں بٹن وغیرہ لگانا لازم ہے تا کہ وہ ستر کو چھپا سکے وجہ اس حکم کی ستر کے چھپانے کا حکم عام ہونا ہے۔اس طرح اس شخص پر اپنا ستر چھپانا اس وقت بھی لازم ہے جب وہ تنہائی میں یا اندھیرے میں ہو دلیل حضرت بہز بن حکیم والی حدیث ہے جو پہلے گزری یعنی اپنے ستر کی حفاظت کرو سوائے اپنی بیوی اور کنیز کے سب لوگوں سے ستر کا چٹائی گڑھے، مٹی اور گدلے پانی سے چھپانا لازم نہیں ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں ہے، اور گڑھے میں تو حرج بھی ہوتا ہے۔

ستر اگر تھوڑا سا ظاہر ہو جائے تو نماز باطل نہیں ہوگی دلیل ابوداؤد کی وہ حدیث ہے جو عمرو بن سلمہ سے منقول ہے کہ چادر چھوٹی ہونے کے سبب سجدے میں جاتے ہوئے ان کا ستر نظر آجاتا تھا، اور ستر کا اگر زیادہ حصہ کھل جائے تو نماز باطل ہو جائے گی اور کم اور زیادہ کے معاملے کا دار ومدار عرف اور عادت پر ہے۔لیکن اگر ستر کا زیادہ حصہ سہواً (جان بوجھ کر نہیں) کھل گیا اور اس شخص نے اس کو فوراً ڈھانپ لیا اور دیر نہ ہونے دی تو نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ کم مدت کے لئے کھلا ہونا ایسا ہی ہے جیسے تھوڑا سا کھلا ہو اور اگر زیادہ دیر تک کھلا رہے یا جان بوجھ کر کھلا رہے تو نماز مطلقاً باطل ہو جائے گی۔

ب: کنیز کا ستر مرد کی طرح ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ ہے..... راجح قول کے مطابق دلیل حضرت عمرو بن شعیب کی روایت کردہ مرفوع حدیث ہے جو پہلے بھی گزر چکی ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی کنیز کی شادی کرادے تو اس کے ستر کا کوئی حصہ نہ دیکھے، کیونکہ ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ ستر ہے۔ستر کا یہ حکم کنیزوں کے لئے صرف نماز کے اعتبار سے ہے، مقصد تخفیف اور حرج کا

---

❶..... المغني ج ۱ ص ۵۷۷۔۵۸۲، ۶۰۱۔۶۰۶ کشاف القناع ج ۱ ص ۳۰۶۔۳۱۵ غاية المنتهى ج ۱ ص ۹۷۔۹۹۔

❷ بروایت امام ابوبکر، انہوں نے اپنی سند سے اس کو روایت کیا ہے۔ ❸ بروایت امام بخاری مسلم ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ از حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ۔ ❹ بروایت امام ابوداؤد۔

رفع کرنا ہے اور اس پر اور لوگوں پر آسانی کرنا ہے کیونکہ کنیزیں اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہوتی ہیں اور کنیزوں کا کام عموماً ہلکا اور بوسیدہ رہنا اور کام کرتے رہنا ہوتا ہے اور ان کی طرف میلان بھی عموماً نہیں ہوتا ہے۔ ان کی طرف نظر کرنے اور دیکھنے کے اعتبار سے ان کا حکم یہ ہے کہ اس کے آقا کے علاوہ لوگوں پر اس کو تاڑنا اور بغور دیکھنا منع ہے فتنے کے خدشے کے پیش نظر، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آنکھیں جھکانے کا حکم تمام عورتوں کے بارے میں ہے۔

ج: **آزاد بالغ عورت**...... اس کے چہرے کے علاوہ اور ایک جماعت کے نزدیک دو میں سے راجح روایت کے مطابق اس کے ہاتھ کے علاوہ پورا بدن ستر ہے دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے: وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے تھے کہ اس سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں [1] نماز میں ہاتھ اور چہرے کے علاوہ اس کے لئے کچھ کھولنا جائز نہیں ہے دلیل اس کی وہ احادیث ہیں جو شوافع کے مذہب کے بیان میں گزریں۔ اور دونوں پاؤں کے ڈھانکنے کے واجب ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ذکر کی ہے وہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا عورت ایسے کپڑے میں نماز پڑھ سکتی ہے کہ صرف اوڑھنی ہو اور لمبا کرتا ہو لیکن تہہ بند نہ ہو آپ نے فرمایا ہاں اگر اتنی بڑی قمیص ہو کہ قدموں کو ڈھانک لے [2] اور دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ ایسی جگہ ہے کہ جس کا حالت احرام میں کھولنا لازم نہیں ہے لہٰذا اس کا نماز میں کھولنا درست نہیں ہوگا۔

اور عورت کے لئے وہ لباس کافی ہے جو اس کا ستر ڈھانپ دے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث اس کی دلیل ہے، مستحب یہ ہے کہ عورت نماز ایسے پڑھے کہ ایک قمیص پہنی ہو اتنی لمبی کہ وہ پاؤں تک پہنچے اور اوڑھنی ہو جو سر اور گردن کو ڈھانک دے اور بڑی چادر ہو جس کو وہ قمیص کے اوپر سے لپیٹ لے چہرے اور ہاتھ کے علاوہ عورت کے ستر میں سے کسی چیز کے کھل جانے کا حکم وہی ہے جو مرد کے ستر کھل جانے میں بیان ہوا یعنی کم وزیادہ کا فرق وغیرہ ہوگا۔

عورت کا اپنے محرم مردوں کے سامنے ستر چہرے گردن ہاتھ، پاؤں اور پنڈلی کے علاوہ سارا بدن ہے۔ اور نماز کے علاوہ عورت کا پورا بدن حتیٰ کہ چہرہ اور ہاتھ بھی ستر ہے جیسا کہ شوافع بھی فرماتے ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے عورت ستر ہے جیسا کہ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

ستر کا کھولنا ضرورت کے تحت درست ہے، جیسے علاج کے لئے بیت الخلاء میں ختنے کے لئے بلوغت کا جاننے کے لئے بکارت اور ثیوبت (شادی شدہ ہونا کنواری نہ رہنا) جاننے کے لئے اور عیب وغیرہ معلوم کرنے کے لئے ستر کھولنا۔

مسلمان عورت کا کافرہ کے سامنے ستر...... حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں آزاد مسلمان عورت کا ستر کافر عورتوں کے سامنے اتنا ہے جتنا محرم مرد کے سامنے ہوتا ہے یعنی ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ۔ احناف اور شوافع کے ہاں گھریلو کام کاج کے لئے جتنا حصہ کھلتا ہے اس کے علاوہ پورا بدن ستر ہے۔ اس اختلاف کا اصل سبب سورۂ نور کی آیت حجاب میں وارد لفظ نسائھن کی تفسیر میں موجود اختلاف ہے حنابلہ اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عورتیں ہیں، کافر اور مسلمان کی تخصیص کے بغیر لہٰذا مسلمان عورت کے لئے اپنی زینت میں سے کافرہ کے سامنے بھی وہ سب ظاہر کرنا درست ہے جو وہ مسلمان عورت کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے۔ احناف اور شوافع فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف مسلمان عورتیں ہیں، یعنی جو عورتیں ان کی دوست ہوں اور دینی بھائی چارے میں شریک ہوں اس بناء پر مسلمان عورت کے لئے کافرہ عورت

---

[1] ...... بروایت بیہقی تاہم اس میں ضعف ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ان حضرات کے برخلاف ہے۔ [2] یہ حدیث ابوداؤد نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ ایک جماعت نے اس کو حضرت ام سلمہ پر موقوف کیا ہے اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار نے اس کو مرفوع ذکر کیا ہے ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس موضوع کے بارے میں حدیث نقل کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

کے سامنے اپنی پوشیدہ زینت کو ظاہر کرنا درست نہیں ہے۔❶

ستر کا علیحدہ شدہ حصہ...... احناف اور شوافع کے ہاں مرد کے ستر کو دیکھنا ہر صورت حرام ہے خواہ وہ جسم سے جڑا ہوا ہو یا علیحدہ ہو چکا ہو یعنی بال ران اور ذراع (بازو) وغیرہ۔ حنابلہ فرماتے ہیں اس کو دیکھنا حرام نہیں ہوگا، کیونکہ علیحدہ ہونے سے اس کی حرمت ختم ہو چکی ہے، مالکیہ فرماتے ہیں زندگی میں علیحدہ ہوئے ہوئے اعضاء ستر کو دیکھنا جائز ہے اور مرنے کے بعد علیحدہ ہوتے ہوئے اعضاء جڑے ہوئے کی طرح شمار ہوں گے۔

عورت کی آواز...... عورت کی آواز جمہور علماء کے ہاں ستر نہیں کیونکہ صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے دینی احکام کے بارے میں مسائل دریافت کیا کرتے تھے تاہم لوچ دار اور گنگناتی آواز سننا خواہ تلاوت قرآن ہی کیوں نہ ہو حرام ہے سبب فتنے کا اندیشہ اور خدشہ ہے احناف کے عبارت ہے راجح یہ ہے کہ عورت کی آواز ستر نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ دونوں شرمگاہیں ستر ہیں اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ناف ستر میں داخل نہیں ہے، اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ مرد کا ستر ناف اور گھٹنوں کا درمیانی حصہ ہے اور عورت کا نماز میں ستر چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ پورا بدن ہے اور احناف کے ہاں دونوں قدم بھی ستر نہیں ہیں، اور نماز کے علاوہ عورت کا پورا بدن ستر ہے گھٹنے کے بارے میں اختلاف ہے احناف اس کو ستر شمار کرتے ہیں جمہور اس کو ستر شمار نہیں کرتے ہیں تاہم اس کا اور ناف کا کچھ حصہ چھپانا اس لئے ضروری ہے کہ ستر کا واجب حصہ اس کے بغیر نہیں چھپ سکتا ہے۔ اور واجب کا دارومدار جس پر ہو وہ چیز واجب ہوتی ہے۔

عورت کا محرم مردوں اور مسلمان عورتوں کے سامنے ستر احناف اور شوافع کے ہاں ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ ہے، مالکیہ کے ہاں پورا بدن ستر ہے سوائے چہرے اور اطراف بدن کے اور اطراف بدن میں سر گردن، دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں داخل ہیں، حنابلہ کے نزدیک چہرے گردن، سر دونوں ھاتھ، پاؤں اور پنڈلی کے علاوہ پورا بدن ستر ہے تو قدم (پاؤں) حنابلہ اور حنفیہ کے ہاں ستر نہیں ہے۔

بچے کے ستر کی حدود...... بچے کی چھوٹی عمر کی حد کے بارے میں فقہاء میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف کرنے والے حضرات تین نوعیت کے ہیں۔ سخت رائے والے جیسے شوافع۔ تخفیف والے جیسے مالکیہ اور متوسط رائے والے جیسے حنابلہ اور احناف فرماتے ہیں❷ کہ بہت چھوٹے بچے کا ستر نہیں ہوتا ہے، اور بہت چھوٹا بچہ وہ ہوتا ہے جس کی عمر چار سال یا کم ہو چنانچہ اس کے بدن کو دیکھنا اور چھونا جائز ہے، پھر جب تک وہ قابل شہوت عمر تک نہ پہنچے تو صرف شرمگاہیں اس کا ستر ہیں، پھر دس سال کی عمر تک اس کے ستر میں شدت پیدا ہو جاتی ہے اس وقت اس کا ستر پچھلی شرمگاہ اور آس پاس کا حصہ یعنی چکتیاں اور اگلی شرمگاہ اور اس کا آس پاس کا حصہ اور دس سال کی عمر ہو جانے پر اس کا ستر بالغ آدمی کے ستر کی طرح ہوگا نماز میں بھی اور اس کے علاوہ بھی لڑکا ہو یا لڑکی۔

مالکیہ فرماتے ہیں❸ کہ مرد اور عورت میں فرق ہوگا۔

الف:...... وہ بچہ (لڑکا) جو نماز کا حکم دیئے جانے کے قابل ہو جائے یعنی جو سات سال عمر پوری کر چکا ہو اس کا ستر نماز کے اندر یہ ہوگا دونوں شرمگاہیں، سرین کی دونوں چکتیاں عانہ (جھانٹ، اگلی شرمگاہ کے آس پاس کا وہ حصہ جس پر بال اگتے ہیں) اور دونوں رانیں ایسے لڑکے کے لئے ان چیزوں کا چھپانا مستحب ہوگا جیسے بالغ شخص سے ستر مطلوب ہوتا ہے اور وہ بچی جو نماز کا حکم دیئے جانے کے قابل ہو اس کا ستر ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہوتا ہے، اس کے لئے اس حصے کا چھپانا مستحب ہوگا جیسے بالغہ عورت سے ستر مطلوب ہوتا ہے۔

---

❶..... تفسیر آیات الاحکام بالا زهر ج ۳ ص ۱۶۴. ❷ الدرالمختار وردالمحتار ج ۱ ص ۳۷۸. ❸ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۶۷ الشرح الکبیر مع الدسوقی ج ۱ ص ۲۱۶.

ب..... نماز کے باہر آٹھ سال یا اس سے کم عمر بچے کا کوئی ستر نہیں ہوتا ہے چنانچہ عورت اس کے بدن کو دیکھ سکتی ہے اور اس کے مردہ بدن کو غسل بھی دے سکتی ہے اور نو سے بارہ سال تک کے لڑکے کے پورے بدن کو عورت دیکھ سکتی ہے لیکن اس کو چھو نہیں سکتی ہے، اس کو غسل نہیں دے سکتی ہے اور تیرہ سال یا اس سے زائد عمر کے لڑکے کا ستر مرد کے ستر کی طرح ہوگا۔

اور دو سال آٹھ مہینے کی بچی کا کوئی ستر نہیں ہوتا ہے، اور تین سال سے چار سال کی بچی کا ستر دیکھنے کے اعتبار سے نہیں ہوتا ہے لیکن اس عمر کی بچی کا ستر چھونے کے اعتبار سے ہوتا ہے چنانچہ مرد اس کو غسل نہیں دے سکتا ہے اور قابل شہوت بچی جیسے چھ سال عمر کی یہ عورت کی طرح شمار ہوگی مرد اس کے نہ ستر کو دیکھ سکتا ہے اور نہ اس کو نہلا سکتا ہے۔

شوافع فرماتے ہیں ❶ بچے کا ستر خواہ وہ باشعور نہ بھی ہو مرد کی طرح ہوتا ہے یعنی ناف سے لے کر گھٹنے کے درمیان کا حصہ اور بچی کا ستر بڑی عورت کی طرح ہوتا ہے نماز میں اور نماز کے علاوہ۔

حنابلہ فرماتے ہیں ❷ وہ بچہ جو سات سال تک نہ پہنچا ہو اس کا کوئی ستر نہیں ہوتا اس کو دیکھنا اور اس کا پورا بدن چھونا درست ہے سات سے دس سال کے بچے کا ستر صرف دونوں شرمگاہیں ہیں اور سات سے دس سال کی بچی کا ستر نماز میں ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ ہے اور نماز کے علاوہ میں وہ بڑی عورت کی طرح شمار ہوگی۔ اور محرم مردوں کے سامنے اس کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ہے اور اس کے لئے باقی اعضاء کی پوشیدگی اور ستر کا چھپانا بالغہ عورت کی طرح احتیاطاً مستحب ہے اور اجنبی مردوں کے سامنے چہرے، سر، گردن دونوں ہاتھ کہنیوں تک اور پنڈلی اور قدم کے علاوہ باقی جسم ستر ہے اور دس سال کا لڑکا اور لڑکی بڑے کی طرح شمار ہوں گے۔

میرے خیال میں یہ رائے اور احناف کی رائے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کی تائید سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دینے اور دس سال کی عمر میں اس کے لئے پٹائی کرنے کا حکم دینے والی حدیث سے ہوتی ہے۔

۵۔ پانچویں شرط: قبلہ رخ ہونا..... فقہاء کا اتفاق ہے کہ نماز کے صحیح ہونے کے لئے قبلہ رخ ہونا شرط ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ

اور جہاں سے آپ نکلے تو پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف اور تم جہاں بھی ہو تو اپنا منہ اسی کی طرف موڑ لو۔ سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۰

تاہم یہ دو حالتوں میں شرط نہیں ہے:

۱..... شدید خوف کی حالت میں۔

۲..... اور مسافر کے لئے نفل نماز میں جو وہ سواری پر پڑھ رہا ہو۔

مالکیہ اور احناف نے قبلہ رخ ہونے کی شرط کو اس قید کا پابند کیا ہے کہ دشمن اور درندے کا خوف نہ ہو اور انسان اس پر قادر ہو چنانچہ حالت خوف میں قبلہ رخ ہونا لازم نہیں ہوتا اور نہ ہی عاجز ہونے کی صورت میں جیسے بندھا ہوا شخص یا وہ مریض جس کو الٹنے پلٹنے کی طاقت نہ ہو اور نہ کوئی اس کو قبلہ رخ کرانے والا موجود ہو تو وہ جہت قبلہ کے علاوہ رخ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے جہاں بھی وہ رخ کر سکے کیونکہ عین متحقق ہے۔ اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص کعبہ کو خود دیکھ سکتا ہو تو اس کے لئے عین قبلہ کی طرف متوجہ ہونا فرض ہے اور حنابلہ کے ہاں اسی طرح حکم ہے اہل مکہ کا یا وہاں رہنے والے کا خواہ بیچ میں آڑ موجود ہو جیسے دیواریں وغیرہ۔

اور جو شخص عین قبلہ کو نہ دیکھ رہا ہو تو جمہور فقہاء ماسوا شوافع کے نزدیک اس پر جہت قبلہ کا پانا فرض ہے ❸ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

❶..... مغنی المحتاج ج: ۱ ص: ۱۸۵۔ ❷ کشف القناع ج: ۱ ص ۳۰۸ اور بعد کے صفحات۔ ❸ الدر المختار ج ۱ ص ۳۹۷۔۴۰۶ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۹۲۔۲۹۶ الشرح الکبیر ج ۱ ص ۲۲۲، ۲۲۸ القوانین الفقہیہ ص ۵۵ کشف القناع ج ۱ ص ۳۵۰، ۳۶۴ المغنی ج ۱ ص ۴۳۱۔۴۵۲ اللباب ج ۱ ص ۶۷ مراقی الفلاح ص ۳۴ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۱۰۰ اور بعد کے صفحات۔

نے فرمایا ہے:

مابین المشرق والمغرب قبلة❶

مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہی سمجھ آتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان تمام کا تمام قبلہ ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر عین قبلہ کا پانا ضروری ہوتا تو ان لوگوں کی نماز درست نہیں ہوتی جو خط استواء پر ایک طویل صف بناتے اور نہ ان دو آدمیوں کی جو ایک دوسرے سے دور ہوں اور ایک قبلے کی طرف رخ کر رہے ہوں کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ انسان بڑی صف کے ساتھ قبلہ رخ ہو مگر اسی کے بقدر یہ رائے میرے نزدیک راجح ہے۔

امام شافعی الام میں فرماتے ہیں کہ مکہ سے غائب شخص کا فرض عین قبلہ کو پانا ہے کیونکہ جس شخص کے لئے قبلے کا فرض لازم ہو۔ اس کے لئے عین قبلہ کا پانا ضروری ہے جیسے مکہ میں رہنے والا شخص۔ اور اللہ کا فرمان **وحيثما كنتم فولوا وجوهكم شطره** بھی اس کی دلیل ہے یعنی اس شخص پر قبلے کی طرف منہ کرنا لازم ہے، لہٰذا اس پر عین قبلہ کی طرف منہ کرنا لازم ہے جیسے دیکھنے والے پر ہوتا ہے۔❷

باقی ائمہ مذاہب کے مطلوب جہت قبلہ کے بدن کے ساتھ اور آنکھوں سے دیکھ کر محاذی ہونا ہے❸ اس طرح کہ چہرے کا کچھ حصہ کعبہ کے محاذی (بالمقابل) ہو یا اس کی فضاء کے بالمقابل ہو یہ حکم جمہور کے ہاں ہے سوائے مالکیہ کے اور یہ بھی اس طرح کہ اگر زاویہ قائمہ کے بیچ سے لکیر کھینچی جائے تو وہ سیدھی کعبہ پر یا اس کی ہواء میں سے گزرے اور کعبہ ساتویں زمین سے لے کر عرش تک کعبہ ہے تو جو شخص اونچے پہاڑوں یا گہرے کنوؤں میں نماز پڑھے تو یہ اس کے لئے جائز ہوگا اس طرح کعبہ کی چھت پر اس کے اندر بھی نماز جائز ہے اور اگر فرض کیا جائے کہ خانہ کعبہ خدانخواستہ) ڈھے گیا ہے تو اس کی دیواروں کی بنیادوں کی طرف رخ کر کے نماز درست ہوگی۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ کعبہ کی عمارت کا رخ کرنا واجب ہے صرف ھواء کعبہ کی جہت کا رخ کرنا کافی نہیں ہے۔

قبلے کے بارے میں اجتہاد (غور وخوض، سوچ وبچار)

جو شخص قبلے کی جہت سے ناواقف ہو اور اس پر جہت قبلہ مشتبہ ہوگئی ہو اور ایسا ثقہ یا اعتماد آدمی بھی نہ ہو جو اس کو اس بارے میں صحیح طور پر علم رکھتے ہوئے بتا سکے تو اس پر سوچ وبچار اور خوب کوشش آثار وعلامات کے ذریعے قبلے کا رخ جاننا واجب ہے اور اگر کوئی قابل اعتماد شخص مل جاتا ہے تو اس کی بات مان لے کیونکہ اس شخص کی بات اس کی کوشش سے زیادہ قوی ہے۔

تحری (سوچ وبچار اور غور وخوض) کے واجب ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اندھیری رات میں تھے ہمیں نہیں پتہ چل سکا کہ قبلہ کس طرف ہے تو ہم میں سے ہر شخص نے اپنے سامنے کی طرف نماز پڑھ لی جب صبح ہوئی اور ہم نے رسول اللہ سے یہ ذکر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ...... سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۱۵

---

❶ ..... بروایت ابن حبان وترمذی از حضرت ابوہریرۃ ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے یہ حکم اہل مدینہ اور اہل شام کے قبلے کا ہے۔❷ بروایت ابن حبان وترمذی از حضرت ابوہریرۃ ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے یہ حکم اہل مدینہ اور اہل شام کے قبلے کا ہے۔❸ شوافع فرماتے ہیں کہ کھڑے اور بیٹھے ہوئے شخص پر حقیقتاً قبلہ رخ ہونا واجب ہے اور رکوع اور سجدے والے پر حکماً قبلہ رخ ہونا لازم ہے پہلو کے بل اور لیٹے ہوئے شخص پر سینے اور چہرے سے قبلہ رخ ہونا لازم ہے اور چت لیٹے ہوئے شخص پر چہرے اور پاؤں کے تلوے سے قبلہ رخ ہونا لازم ہے۔

سوئم جس طرف بھی گھومو وہاں تم اللہ کو پاؤ گے۔ ❶

اور جو شخص کسی قابل بھروسہ آدمی کو نہیں پائے تو وہ آثار وعلامات پر بھروسہ کرے مثلاً صبح کے ہونے سے شفق سے، سورج سے، اور قطب تارے وغیرہ سے اور شرقی، غربی اور جنوبی ہوا وغیرہ اور دیگر قرائن سے، ان سب میں قوی ترین قرینہ رات کے وقت قطب ستارہ ہے اور کمزور ترین قرینہ ہوائیں ہیں۔

قطب ستارہ ستاروں کے بنات نعش نامی گروہ میں سے ایک ستارہ ہے جو فرقد بخا اور جدی کے درمیان ہوتا ہے مختلف علاقوں اور ملکوں میں اس کا مقام بدلتا رہتا ہے مصر میں یہ نمازی کے بائیں کان کے پیچھے عراق میں دائیں کان کے پیچھے یمن کے اکثر علاقوں میں سامنے کی طرف تھوڑا سا بائیں جانب ہٹ کر اور شام میں پیچھے کی طرف ہوتا ہے۔

اجتہاد وتحری میں خطا کا واقع ہونا...... اگر اس شخص کو اپنی غلطی کا یقین ہوجائے کہ جس طرف رخ کیا ہے وہ قبلہ نہیں بلکہ دوسری جانب ہے تو احناف فرماتے ہیں کہ وہ نماز میں گھوم جائے اور نماز مکمل کرلے اور اگر ہر رکعت الگ جہت میں ہو تو بھی جائز ہے، اور اگر نماز کے بعد اس پر خطا ظاہر ہو تو آنے والے نماز اس رخ کے مطابق پڑھے جو نماز پڑھ چکا اس کا اعادہ لازم نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی وسعت کے مطابق کام انجام دے چکا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تلاش کرنے والے کا قبلہ اس کی وہ جہت ہے جس کا وہ ارادہ کرلے اور اگر کسی نے بغیر تلاش کئے نماز پڑھ لی خواہ صحیح رخ پر پڑھی ہو وہ نماز نہیں ہوگی کیونکہ اس کا فرض تحری تھا ہاں اگر فراغت کے بعد اس کو اپنے صحیح رخ پر پڑھنے کا پتہ چل گیا تو بالاتفاق سب کے نزدیک نماز درست ہوجائے گی۔

اور اگر ایک شخص اندھیری رات میں کسی قوم کی امامت کرے اور قبلے کی تحری کرکے ایک جہت کی طرف نماز پڑھی اور اس کے پیچھے موجود لوگوں نے تحری کی اور ہر ایک نے الگ جہت پر نماز پڑھی اور ہر ایک امام کے پیچھے تھا تو جس شخص کو اپنے امام کی حالت کا علم ہوگیا تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی، اور اگر کسی کو پتہ نہ چلے کہ امام نے کیا کیا ہے تو اس کی نماز درست ہوگی اور اس کی طرف سے ادا ہوجائے گی کیونکہ تحری کے بعد سمجھ آنے والی جہت کی طرف متوجہ ہونا پایا گیا ہے اور مقتدیوں کی امام کی مخالفت نماز کی صحت سے مانع نہیں ہوگی جیسے کعبہ کے اندر نماز پڑھنا مالکیہ فرماتے ہیں اگر کوشش کرنے والے کے لئے اپنی غلطی ظاہر ہوجائے۔

خواہ یقینی طور پر خواہ گمان کے طور پر اور وہ دوران نماز ہو تو اگر وہ دیکھنے والا ہو (یعنی بینا ہو) اور قبلے سے بہت زیادہ منحرف ہو مثلاً اس کی پیٹھ قبلے کی طرف ہوگئی ہو یا مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرلیا ہو ❷ اور اقامت کے ساتھ نماز شروع کی ہو تو وہ اپنی نماز کو قطع کردے اس کے لئے صرف قبلے کی طرف منہ موڑ لینا کافی نہیں ہوگا۔

اور اگر وہ شخص نابینا ہو یا معمولی سا منحرف ہو تو اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا اور اگر وہ دیکھ سکنے والا ہو یا اس جہت کو بھول گیا جس جہت کی طرف اس کی اجتہاد نے پہنچایا ہو یا وہ جہت جس کے بارے میں اس کو کسی باخبر آدمی نے بتایا ہو وہ یہ بھول گیا ہو تو مشہور قول کے مطابق وہ وقت کے اندر اعادہ کرے گا۔

شوافع فرماتے ہیں اگر غلطی کا نماز کے دوران یا اس کے بعد یقین ہوجائے تو نماز از سرنو پڑھے گا کیونکہ اس کے لئے اس چیز کے بارے میں خطا کا ہونا یقینی ہوگیا ہے جس کا تدارک قضاء کے ذریعے ممکن ہے، لہٰذا پہلے انجام دیئے ہوئے عمل کا اعتبار نہیں ہوگا جیسے حاکم اگر ایک حکم دے دے پھر اس کو اس کے خلاف نص مل جائے (تو اس کو از سرنو دوسرا حکم دینا لازمی ہوتا ہے)

---

❶ ...... یہ حدیث ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کی ہے تاہم امام ترمذی فرماتے ہیں اس حدیث کی سند عمدہ نہیں ہے اس میں ایک ضعیف راوی ہے اس بارے میں ایک ضعیف حدیث بھی ہے جو حضرت جابر سے منقول ہے جس کو حاکم، بیہقی اور طبرانی نے نقل کیا ہے نصب الرایۃ ج ۱ ص ۳۰۴۔ ❷ مشرق یا مغرب کا مسئلہ عرب ممالک کے اعتبار سے ہے برصغیر میں شمال وجنوب کی طرف رخ کرنا یا مشرق کی طرف منہ کرنا زیادہ انحراف سمجھا جائے گا۔ مترجم

اور اگر دوسری نماز ادا کرتے ہوئے اس کا اجتہاد بدل گیا اور اس کا گمان غالب دوسری جہت کے بارے میں ہوگیا تو صرف دوسری نماز اس جہت کی طرف پڑھے گا اس پر پہلی نماز کا اعادہ لازم نہیں ہوگا۔ جیسے حاکم اگر اجتہاد کرے پھر اس کا اجتہاد بدل جائے تو وہ حکم کالعدم نہیں ہوتا جس کے بارے میں اس نے پہلے اجتہاد کے ذریعے حکم دیا ہو۔

اور ہر فرض نماز کے لئے سوچ و بچار کرے اگر وہ فیصلہ نہ کر پا رہا ہو تو اس سورت میں وہ جیسے چاہے نماز پڑھ لے لیکن اس پر ان نمازوں کا اعادہ واجب ہوگا کیونکہ اس طرح کا معاملہ بہت نادر الوقوع ہوتا ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں اگر دوران نماز خطا کا علم ہو جائے تو جہت کعبہ کی طرف گھوم جائے اور جتنی نماز ہو چکی اس کا بقیہ پورا کرے جیسا کہ احناف کے ہاں بھی یہی حکم ہے کیونکہ جو ادا ہو چکا ہے وہ صحیح تھا تو اس کے اوپر بناء کرتے ہوئے نماز کو مکمل کرنا درست ہے۔

جیسے اگر اس کے لئے خطا ظاہر نہ ہوتی تو اسی نماز کو مکمل کر لینا کافی ہوتا۔ اسی طرح پوری جماعت امام کے ساتھ گھوم سکتی ہے اگر سب کو ایک ساتھ غلطی کا ادراک ہوا ہو۔

اور اگر اس کو اپنی غلطی کا ادراک نماز کے مکمل کر لینے کے بعد ہوا مثلاً اس کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ جس طرف رخ کر کے نماز پڑھی تھی وہ غلط تھا تو اس پر اعادہ لازم نہیں ہوگا، اسی طرح اس شخص کا بھی حکم ہے جس نے دوسرے شخص کی تقلید میں نماز پڑھی تھی پھر اس شخص کو اپنی غلطی کا علم ہوا تو اس مقلد پر بھی اعادہ لازم نہیں ہوگا۔ یہ مذہب حنفی کے موافق ہی ہے۔ تاہم اگر کسی شخص نے حضور میں کعبے کے علاوہ کہیں رخ کر کے نماز پڑھی خواہ وہ شخص نابینا ہو یا بینا ہو پھر اس کو اپنی غلطی کا علم ہوا تو اس پر اعادہ لازم ہوگا کیونکہ حضر (حالت قیام) میں اجتہاد (سوچ و بچار) کی گنجائش نہیں ہوتی ہے کیونکہ وہاں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو قبلے کا رخ محراب وغیرہ اور دیگر علامت سے بتا سکتے ہیں اور اس کو ایسے شخص کو ملنا بھی مشکل نہیں جو یقینی طور پر اس کو بتا سکے چنانچہ اس کے لئے اس معاملے میں اجتہاد (سوچ و بچار) کی گنجائش نہیں ہوگی جیسے وہ شخص جو درپیش معاملے میں نص پا تا ہو تو اس کے لئے اجتہاد کی گنجائش نہیں ہوتی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ احناف اور حنابلہ دوران نماز غلطی کا علم ہونے پر نماز کے جاری رکھنے کا کہتے ہیں اور اعادہ واجب قرار نہیں دیتے ہیں اگر غلطی کا علم ہو نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی تاہم حنابلہ اس صورتمیں نماز کا اعادہ واجب کہتے ہیں اگر یہ واقعہ ایسے شخص کے ساتھ پیش آئے جو حضر میں ہو سفر میں نہیں۔

مالکیہ اور شوافع خطا کا علم ہونے پر نماز قطع کرنا لازم قرار دیتے ہیں اور نماز کے بعد علم ہونے پر نماز کا اعادہ لازم قرار دیتے ہیں مالکیہ اعادہ صرف وقت ضروری کے اندر لازم قرار دیتے ہیں اور شوافع مطلقاً اعادہ واجب قرار دیتے ہیں وقت میں بھی اور اس کے بعد بھی کیونکہ پہلی نماز کا فاسد ہونا یقینی ہو چکا ہے ساتھ ساتھ یہ بھی ذکر کرتے چلیں کہ قبلہ رخ ہونے کی اس بحث کے ساتھ دو اور چیزوں کی بحث بھی ذکر کی جاتی ہے۔ (۱) کعبہ میں نماز کی بحث۔ (۲) مسافر کی سواری پر نماز۔ ذیل میں انہی دو مباحث پر گفتگو ہے۔

کعبہ میں نماز...... یہ بات ہم جان چکے ہیں کعبہ کے کچھ حصہ کا رخ کرنا یا اس فضاء کا رخ کرنا جو کعبہ کے اوپر ہے، غیر مالکیہ کے نزدیک شرعاً ضروری ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ کعبہ مشرفہ میں فتح مکہ کے دن داخل ہوئے تھے اور اس میں نماز ادا فرمائی تھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز ادا فرمائی تھی، وہ بولے ہاں ان دو ستونوں کے درمیان نماز ادا فرمائی تھی جو داخل ہونے پر تمہارے بائیں جانب پڑتے ہیں پھر آپ باہر نکلے اور کعبہ کے سامنے دو رکعت ادا فرمائیں [1] اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جو امام بخاری وغیرہ نے نقل کی ہے کہ نبی کریم

---

[1]...... بروایت امام احمد و بخاری امام بخاری اور مسلم نے یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اس میں ان لوگوں کا بیان ہے جو ساتھ تھے یہ حضرات حضرت اسامہ بن زید حضرت بلال اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم تھے نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۴۰۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں صرف تکبیر کہی تھی اس میں نماز ادا نہیں کی تھی تو اس کے مقابلے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ ان کی حدیث مثبت (چیز کو ثابت کرنے والی) ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نافی (نفی کرنے والی) ہے اور شوافع کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک جب مثبت اور نافی میں تعارض ہو تو مثبت کو ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ وہ اضافی فائدے پر مبنی ہوتی ہے ❶ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے ساتھ نہیں تھے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے نماز کے نفی اس لئے کی ہوگی کہ انہوں نے وہی نقل کر دیا جو انہوں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کونے میں دعاء میں مشغول تھے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ دوسرے کونے میں تھے، اور یہ سب اندھیرے میں ہوا تھا کیونکہ کعبہ کا دروازہ بند تھا ❷ فقہاء کرام نے بھی خانہ کعبہ کے اندر نماز کو جائز قرار دیا ہے، احناف فرماتے ہیں ❸ کہ نماز کی ادائیگی خواہ فرض نماز ہو یا نفل نماز ہو انفرادی طور پر ہو یا با جماعت ہو کعبہ کے اندر اور اس کی چھت پر سترہ کے بغیر درست ہے تاہم کعبہ کے اوپر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس طرح خانہ کعبہ کے اوپر چڑھنے میں بے ادبی ہے اور یہ عمل تعظیم کے خلاف ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور اگر با جماعت نماز ہو اور امام نماز پڑھائے اور بعض کی کمر امام کی پیٹھ کی طرف ہو تو یہ جائز ہے اور نماز ہو جائے گی اور جس کی کمر امام کے منہ کی طرف ہو تو اس کی نماز نہیں ہوگی کیونکہ وہ امام سے آگے ہوگا۔

اور جب امام خانہ کعبہ میں نماز پڑھائے تو لوگ خانہ کعبہ کے گرد حلقے کی شکل میں صف بنائیں اور امام کے اقتداء میں پڑھ لیں، اور امام کے مقابلے میں جو شخص خانہ کعبہ کے قریب ہو اس کی نماز جب جائز ہوگی جب وہ امام والی جانب نہ ہو اگر وہ امام کی جانب میں ہو تو نماز نہیں ہوگی کیونکہ آگے اور پیچھے ہونے کا تحقق اس وقت ہوتا ہے جب جانب ایک ہو۔

مالکیہ میں سے شیخ خلیل فرماتے ہیں ❹ کہ خانہ کعبہ میں جس جہت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا چاہیں درست ہے اور خانہ کعبہ کی چھت پر نفل غیر مؤکد نماز درست ہے نفل غیر مؤکد نماز میں نمازوں کی سنتیں، فجر کے علاوہ شامل ہیں جیسے ظہر سے قبل کی چار رکعات چاشت کی چار رکعات اور عشاء کے بعد کی دو سنتیں۔ اسی طرح مقام ابراہیم میں موجود حجر اسماعیل پر قبلہ رخ ہو کر نفل پڑھنا درست ہے ان کے ہاں کعبہ میں فرائض کی ادائیگی درست نہیں ہے۔

سنت مؤکدہ اس کے اندر پڑھنا مکروہ ہے جیسے وتر عیدین، فجر کی سنتیں اور دوگانہ طواف (ان کا خانہ کعبہ کے اندر ادا کرنا مکروہ ہے) فرض نماز خانہ کعبہ کے اندر یا حجر اسماعیل میں درست نہیں ہے اگر کوئی پڑھ لے تو وقت ضروری کے اندر اس کا اعادہ کرنا لازم ہوگا وقت ضروری ظہر اور عصر کے لئے سورج زرد ہونے سے قبل تک مغرب اور عشاء کے لئے پوری رات اور فجر کے لئے سورج طلوع ہونے تک ہے۔ اور خانہ کعبہ کی چھت پر پڑھی جانے والی فرض نماز باطل ہوگی اور اس کا اعادہ مطلقاً لازم ہوگا کیونکہ عمارت کعبہ کی طرف رخ کرنا لازم ہے اس فضاء کی طرف رخ کرنا جو کعبہ کے اوپر ہے کافی نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ قول جس کو علامہ خلیل نے اختیار کیا ہے، اور اس نماز کے جواز کا قول مالکیہ کے نزدیک ضعیف قول ہے جیسا کہ شارح خلیل نے اس کی تصریح کی ہے ابن جزری مالکی فرماتے ہیں کہ کعبہ کی چھت پر نماز مکروہ ہے اور مذہب کے مطابق فرائض کی ادائیگی کعبہ کے اندر درست نہیں ہے۔

---

❶..... مسلم الثبوت ج ۲ص ۱۶۲ المستسفی ج ۲ص ۱۲۹ التلویح علی التوضیح ج ۲ص ۱۰۹ الاحکام للآمدی ج ۳ ص ۱۸۶۔ ❷ نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۴۱ اور بعد کے صفحات۔ ❸ البدائع ج ۱ص ۱۱۵ فتح القدیر ج ۱ص ۴۲۹ اور بعد کے صفحات مراقی الفلاح ص ۷۰ اللباب ج ۱ص ۱۲۸، اور بعد کے صفحات۔ ❹ الشرح الصغیر ج ۱ ص ۲۹۷ القوانین الفقھیہ ص ۴۹۔

شوافع فرماتے ہیں ❶ کہ فرض یا نفل دونوں طرح کی نماز کعبہ میں اور اس کی چھت پر جائز ہے بشرطیکہ آدمی اس کی عمارت میں سے یا اس کی مٹی میں سے کسی چیز کی طرف رخ کرے یعنی سترہ جیسے چوکھٹ دوسرا دروازہ جو بند ہو چکا ہے، یا اس لاٹھی کی طرف رخ کرے جو اس میں گڑھی ہو یا ٹھکی ہوئی ہو جو آدمی کی ذراع کے دو تہائی کے برابر ہو یا اس سے زائد ہو خواہ وہ اس شخص سے تین ذراع یا اس سے زائد دور ہو۔ اور فضاء قبلہ کا رخ کرنا اس شخص کے لئے ہے جو کعبہ سے باہر ہو کیونکہ اس صورت میں وہ اس کی طرف رخ کرنے والا شمار ہوگا جیسے ابوقبیس پہاڑ پر نماز پڑھنے والا بخلاف اس شخص کے جو اس سے قریب ہو اس کے اندر ہو یا اوپر (کہ یہ شخص رخ کرنے والا شمار نہیں ہوگا)۔

حنابلہ بھی ❷ نفل نماز کعبہ کے اندر یا اس کی چھت پر جائز قرار دیتے ہیں فرض نماز درست نہیں کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

وحیثما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ

اور اس کے اندر یا اوپر نماز پڑھنے والا اس کی جہت کا رخ کرنے والا شمار نہیں ہوتا اور نفلوں کے معاملے میں تخفیف اور مسافت کا اصول ہے دلیل اس کی یہ ہے بیٹھ کر نفل پڑھنا درست ہے اس طرح سفر میں سواری پر بیٹھے ہوئے قبلہ کے علاوہ رخ کر کے بھی نفلیں پڑھنا درست ہے۔

مسافر کے لئے سواری پر بیٹھے ہوئے نفل پڑھنا...... مسافر کے لئے سواری پر بیٹھے ہوئے منزل مقصود کی طرف جاتے ہوئے نفل پڑھنا باجماع علماء جائز ہے، اور سنت نبویہ سے بھی یہ ثابت ہے حضرت عامر بن ربیعہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ تسبیح پڑھ رہے تھے اپنے سر سے اشارہ فرما رہے تھے جس طرف بھی آپ کا رخ ہوتا اور آپ ایسا فرض نماز میں نہیں کرتے تھے۔ ❸

فقہاء کی سواری پر نماز کے بارے میں مختلف آراء اور شرائط ہیں احناف فرماتے ہیں ❹ کہ قبلہ کی طرف رخ کرنے سے عاجز شخص جو بیماری یا سوار ہونے کی وجہ سے قبلہ رخ نہیں ہو سکتا ہو اس کا قبلہ وہ جہت ہے جہاں رخ کرنے کی اس کو قدرت ہو خواہ پہلو کے بل لیٹ کر سہی، اور اشارے سے نماز پڑھے گا۔ یعنی ایسا شخص جس جہت کی طرف رخ کرنے پر قادر ہو اس طرف رخ کر لے خواہ یہ مسافر ہو یا دشمن سے چور سے یا درندے سے خوفزدہ ہو یا دشمن سے ڈر کر بھاگ رہا ہو لیکن جانور پر نماز پڑھنے کی شرط یہ ہے کہ یہ شخص جانور روک دے اگر اس کی قدرت رکھتا ہو اور اگر قدرت نہ رکھتا ہو مثلاً اس کو ضرر کا اندیشہ ہو کہ قافلہ چلا جائے گا اور یہ کٹ کر رہ جائے گا تو اس صورت میں جانور کا روکنا اور قبلہ رخ ہونا دونوں ضروری نہیں ہیں حتیٰ کہ تکبیر تحریمہ کے لئے بھی ضروری نہیں ہے۔ اور جائز نماز نفل اور سنت مؤکدہ ہیں سوائے سنت فجر کے چنانچہ فرض نماز اور ہر قسم کی واجب نماز جیسے وتر نذر اور نماز جنازہ درست نہیں یعنی یہ امور بلا عذر جانور پر ادا کرنا درست نہیں ہے کیونکہ ان میں حرج اتنا زیادہ نہیں ہے۔ اور نفل نماز اس مقیم شخص کے لیے بھی درست ہے جو مسافت قصر یعنی ۸۹ کلومیٹر سفر کرنے کے ارادے سے شہر سے باہر نکلے اسی طرح مسافر کے لئے بطریق اولی جائز ہے پہلی نوعیت کا آدمی دوسرے کے حکم میں شمار ہوگا۔

اور نماز رکوع اور سجدے کا اشارہ کرنے سے ہو جائے گی خواہ جانور کی بھی طرف رخ کرے اور یہ جواز ضرورت کے عنصر کے پیش نظر ہے اس نفل کو شروع کرنے میں قبلہ رخ ہونا شرط نہیں ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوا کیونکہ جب قبلے کے علاوہ جہت کی طرف رخ کر کے نماز ہی درست ہے تو نماز غیر جہت قبلہ کی طرف رخ کر کے شروع کرنا بھی درست ہوگا۔

ظاہر مذہب اور اصح قول یہ ہے کہ زین اور پاؤں ڈالنے والی جھے پر کثیر نجاست لگی ہو تب بھی نفل درست ہے۔

---

❶...... المجموع ج ۳ ص ۱۹۷، الحضرمية ص ۵۲ المهذب ج ۱ ص ۶۷. ❷ كشف القناع ج ۱ ص ۳۵۴ المغنى ج ۲ ص ۷۳۔

❸ یہ حدیث متفق علیہ ہے نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۴۴ اس حدیث میں وارد لفظ راحلہ کا مطلب ہے سواری کی اونٹنی اور ہر قسم کے سواری کا جانور ہے خواہ اونٹ نہ ہو۔ ❹ الدر المختار ورد المحتار ج ۱ ص ۴۰۲، ۴۵۴، ۶۵۸۔

مالکیہ فرماتے ہیں❶ کہ وہ مسافر جو سفر میں سواری پر سوار ہو اور سواری سے اترنے میں اسے چور کا یا درندے کا خوف ہو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ نفل ادا کرلے خواہ وتر ہی سہی اور یہ نوافل وہ جانور پر بیٹھے بیٹھے ادا کرسکتا ہے جو قبلہ رخ یا کسی اور رخ جا رہا ہو جیسا بھی اس کا رخ ہو خواہ وہ ڈولی میں یا کجاوے میں یا ایسی دیگر چیزوں میں ہو جن میں بیٹھا جاتا ہے اور اس میں وہ چارزانو بیٹھ کر نماز پڑھے۔ اور سوار شخص اشارے سے نماز پڑھے گا رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے گا اور رکوع کے مقابلے میں سجدے میں نسبتاً زیادہ جھکے گا اس دوران بات چیت نہ کرے اور نہ اِدھر اُدھر متوجہ ہو اور زمین کا پاک ہونا شرط نہیں ہے۔

دوران سفر نوافل کے لئے یہ حضرات چند شرائط عائد کرتے ہیں۔

۱......سفر طویل ہو اور مسافت سفر جتنا ہو یعنی ۸۹ کلومیٹر اور جائز سفر ہو لہٰذا وہ شخص جو سفر معصیت پر ہو وہ نوافل ادا نہیں کرے گا۔

۲......وہ سوار ہو چلتا ہوا یا بیٹھا ہوا نہ ہو کشتی میں سوار شخص قبلہ رخ ہو کر پڑھے گا اور کشتی اگر رخ بدلے تو وہ بھی گھوم جائے۔

۳......وہ جانور یعنی گھوڑا، گدھا، خچر اور اونٹ وغیرہ پر سوار ہو کشتی میں سوار نہ ہو یا پیدل نہ چل رہا ہو۔

۴......جانور پر وہ عام عادی طریقے سے سوار ہو الٹا سوار نہ ہو اور نہ دونوں پاؤں ایک طرف لٹکایا ہوا ہو۔

اور فرض نماز جانور پر پڑھنا درست نہیں ہے خواہ نمازی قبلہ رخ ہی ہو سوائے چار صورتوں کے۔

۱......کافر دشمن وغیرہ سے لڑائی کے دوران یعنی ہر وہ لڑائی جو جائز ہو اور اس کے دوران جانور پر سے اترنا ممکن نہ ہو تو نماز اسی پر سوار اشارہ کرتے ہوئے قبلہ رخ ہو کر پڑھے اگر ممکن ہو اور لڑنے والا نماز کا اعادہ نہیں کرے گا۔

۲......دشمن سے خوف زدہ ہونے کی صورت میں جیسے سواری سے اترنے میں درندے یا چور کا خوف ہو تو اس پر بیٹھے ہوئے اشارے سے قبلہ رخ ہو کر اگر ممکن ہو نماز پڑھے اور اگر ممکن نہ ہو تو قبلہ کے علاوہ کسی اور جہت میں بھی پڑھ سکتا ہے اور نماز کے بعد اگر امن ہو جائے اور خطرہ کم ہو جائے تو وقت کے اندر اعادہ کرلے۔

۳......وہ شخص جو ایسی جگہ سفر کر رہا ہو جہاں تھوڑا تھوڑا پانی کھڑا ہو جس میں اترنا ممکن نہ ہو یا اترنے پر کپڑے گندے ہو جانے کا اندیشہ ہو اور وقت اختیاری (یعنی عادی) یا وقت ضروری کے نکلنے کا خدشہ ہو❷ تو اس کے لئے سواری پر ہی فرض پڑھنا جائز ہے اور یہ شخص اشارے سے نماز پڑھے اور اگر وقت نکلنے کا خدشہ نہ ہو تو نماز کو وقت اختیاری کے آخر تک مؤخر کرنا ضروری ہوگا۔

۴......سوار ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ اس کا اترنا ممکن نہ ہو تو وہ جانور کو ٹھہرا کر اس پر بیٹھے بیٹھے اشارے سے نماز ادا کرے جیسے وہ زمین پر بھی اشارے سے ہی ادا کرتا۔

شوافع فرماتے ہیں❸ کہ مباح سفر کرنے والے مسافر کے لئے خواہ وہ طویل سفر پر ہو یا چھوٹے سفر پر ہو سواری پر نفل پڑھنا جائز ہے اور سفر میں گناہ کے مرتکب شخص کے لئے اور آوارہ گردی کرنے والے کے لئے یہ کرنا جائز نہیں ہے اور نہ پیدل چلنے والے کے لئے ایسا کرنا جائز ہے ان لوگوں پر تمام شرائط اور ارکان پورے کرنے لازم ہیں یعنی قبلہ رخ ہونا اور رکوع سجدہ کرنا اور چلنے والا صرف قیام میں اور تشہد میں چلنے کی اجازت ہے اور نفل پڑھنے والا شخص رکوع اور سجدے اشارے سے کرے گا اور اس کا سجدہ رکوع کی نسبت جھکا ہوا ہوگا۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ نماز کو قبلہ رخ ہو کر شروع کرے اگر ایسا کرنا ممکن ہو اور جانور کی لگام پکڑے ہوئے شخص کی نماز لگام پر نجاست لگے ہونے کی صورت میں

---

❶...... القوانين الفقهيه ص ۵۵ الشرح الصغير ج ۱ ص ۳۹۸، ۳۰۲۔ ❷ مالکیہ احناف اور شوافع کے ہاں وقت دو قسم کے ہیں وقت اختیاری یعنی نماز کا وہ وقت جو معروف وقت ہوتا ہے اور دوسرا ہے وقت ضرورت یہ وہ وقت ہوتا ہے جو ضرورت کے عنصر کے پیش نظر عام معروف وقت اختیاری سے زیادہ لمبا ہوتا ہے یہ وہ وقت ہوتا ہے جس میں دو نمازیں جمع کرنا جائز ہوں دیکھئے القوانین الفقہیہ ص ۴۳ اور بعد کے صفحات۔ ❸ حاشية الباجوري ج ۱ ص ۱۳۸، المهذب ج ۱ ص ۶۹ المجموع ج ۳ص ۲۱۴ مغني المحتاج ج ۱ص ۱۴۲ اور بعد کے صفحات

درست نہیں ہوگی۔ اور اگر جانور گیلی یا خشک نجاست روند دے جو اس کے پاؤں سے لگی رہے تو اس شخص کی نماز باطل ہو جائے گی۔

اور اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

الف.....اگر سوار مرقد (ڈولی نما کمرہ) میں سوار ہو یا بڑی پالکی میں سوار ہو تو اس پر لازم ہے وہ پوری نماز میں قبلہ رخ رہے اور پورے ارکان یا کچھ ارکان یعنی رکوع اور سجدے پورے کرے اگر اس کے لئے یہ کرنا آسان ہو اور اگر یہ کرنا مشکل ہو تو اس پر صرف تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ رخ ہونا ضروری ہوگا اگر ممکن ہو مثلاً سواری رکی ہوئی ہو یا اس کا پھیرنا ممکن ہو یا وہ جانور چل رہا ہو اور لگام اس کے ہاتھ میں ہو اور وہ با آسانی چلانے والے کے تابع رہتی ہو۔ اور اگر وہ جانور سرکش ہو یا اس کا گھمانا ممکن نہ ہو یا وہ قطار میں ہوں تو اس پر قبلہ رخ ہونا لازم نہیں ہوگا کیونکہ اس میں مشقت اور چلنے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور نماز کے لئے اپنے راستے سے انحراف کرنا حرام ہے سوائے اس کے کہ قبلہ رخ ہونا ہو۔

نماز کی ابتداء میں قبلہ رخ ہونے کے شرط ہونے کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے اور اپنی سواری پر نفل پڑھنے کا ارادہ کرتے تو قبلہ رخ ہوتے تکبیر کہتے پھر نماز شروع کر دیتے جس طرف بھی سواری کا رخ ہوتا۔❶

ب.....کشتی کے ناخدا کے لئے قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے ایسا کرنا دشواری کا باعث ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں❷ کہ وہ مسافر جو سوار ہو پیادہ نہ ہو اگر معین سمت میں جانے کا قصد ہو تو وہ سواری پر بیٹھے نفل پڑھ سکتا ہے خواہ سفر طویل ہو یا مختصر رکوع اور سجدے میں اشارہ کرے گا سجدے کا اشارہ رکوع کی نسبت زیادہ جھکا ہوا کرے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام سے بھیجا میں جب واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ آپ اپنی سواری پر سوار مشرق کی طرف رخ کئے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کا سجدہ رکوع سے زیادہ جھکا ہوا تھا۔❸

اور سفر کے بجائے حضر میں ہونے کی صورت میں قبلہ رخ ہونے کا حکم ساقط نہیں ہوگا، جیسے وہ سوار جو اپنے شہر یا گاؤں میں چل رہا ہو، کیونکہ وہ مسافر نہیں ہوتا آوارہ گردی کرنے والے (بے مقصد گھومنے والا) حیران و پریشان گھومنے والا اور سیر و تفریح کی غرض سے گھومنے والے کے لئے نفل کی اجازت نہیں ہے کیونکہ اس کی کوئی جہت معین نہیں ہوتی ہے۔ اونٹ، گدھے اور دیگر جانوروں پر بیٹھ کر نوافل پڑھنا درست ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ گدھے پر تشریف فرما نماز ادا فرما رہے تھے اور وہ خیبر کی طرف رخ کئے ہوئے تھا❹ لیکن اگر ناپاک جانور پر نماز پڑھے تو یہ ضروری ہے کہ سوار اور جانور کے درمیان کوئی آڑ وغیرہ ہو جو پاک ہو اور نمازی کا قبلہ وہی ہوتا ہے جس جانب اس کا رخ ہو اور اپنی منزل کی جہت کے علاوہ دوسری طرف مڑنا اس کے لئے جائز نہیں ہے اگر اس کا امکان ہو (یعنی نہ مڑنے کا امکان ہو تو مڑنا جائز نہ ہوگا) سوائے اس کے کہ قبلے کی طرف مڑنا ہو۔ اور اگر یہ کام بے دھیانی میں یا نیند میں کر لیا تو اس کی نماز برقرار رہے گی۔ اور اگر بڑی سواری ہو یا بڑی کشتی ہو تو اس میں گھومے جیسا چاہے اور اگر وہ قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنے اور رکوع اور سجود پر قدرت رکھتا ہو تو اس پر دوران نماز قبلہ رخ ہونا لازم ہوگا اور اس چیز پر سجدہ جس پر وہ سوار ہو اگر کرنا ممکن ہو اور اگر صرف قبلہ رخ ہونے پر قادر ہو رکوع و سجدے پر نہیں تو وہ صرف قبلہ رخ ہو جائے اور رکوع اور سجدے کے لئے اشارہ کرے۔ اور اگر قبلہ رخ ہونے سے عاجز ہو جائے تو یہ بالاتفاق ساقط ہو جائے گا جیسا کہ قبلہ رخ ہونا اور اعذار کی وجہ سے بھی ساقط ہو جاتا ہے، جیسے شدید جنگ میں اور سیلاب یا آگ سے یا درندے وغیرہ سے بھاگتے ہوئے اور خواہ عذر بالکل نادر ہو جیسے مریض جو قبلہ رخ ہونے سے عاجز ہو جائے یا مفلوج شخص جو کسی ایسے

---

❶..... بروایت امام احمد وابوداؤد وشیخین نے بھی اسی طرح کی حدیث روایت کی ہے جو یہاں منقول ہے نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۷۲۔❷المغنی ج ۱ ص ۴۳۴۔۴۳۸ ص ۶۰۰ کشاف القناع ج ص ۳۵۰۔۳۵۳۔❸بروایت ابوداؤد۔❹بروایت امام ابوداؤد اور نسائی۔

شخص کو نہ پائے جو اس کو قبلہ رخ کر سکے یا بندھا ہوا شخص وغیرہ اور اگر کوئی شخص نماز کی ابتداء میں قبلہ رخ ہونے سے عاجز ہو جائے جیسے ایسی سواری کا سوار جو جانور قابو میں نہ آتا ہو یا وہ قطار کی شکل میں ہوں تو اس صورت میں قبلہ رخ ہونا اس پر ضروری نہیں ہوگا اور کشتی کے ناخدا پر قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں خواہ فرض نماز ہو کیونکہ اس کو کشتی چلانے کی مستقل ضرورت رہتی ہے اور اگر اس کے لئے نماز شروع کرتے وقت قبلہ رخ ہونا ممکن ہو جیسے: وہ سوار جس کا جانور قابو میں ہو تو اس پر قبلہ رخ ہونا لازم ہونے کے بارے میں امام احمد سے دو روایتیں منقول ہیں۔

ایک رائے جو کہ راجح بھی ہے، یہ ہے کہ اس پر ایسا کرنا لازم ہوگا دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو مذہب شافعی کے بیان میں گزر چکی ہے اور اس بناء پر سوار شخص پر نفل شروع کرتے وقت جانور سمیت قبلہ رخ ہونا لازم ہوگا اور وہ اس طرح کہ وہ اس کو قبلے کی طرف امکانی حد تک بلا مشقت و دشواری گھمائے یا خود قبلہ رخ ہو جائے اگر بلا مشقت ایسا کرنا ممکن ہو۔

دوسری روایت امام احمد سے یہ ہے کہ یہ اس پر لازم نہیں ہے کیونکہ یہ نماز کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے تو یہ باقی تمام اجزاء کی طرح شمار ہوگا اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کو لازم کرنے میں مشقت اور دشواری ہے لہٰذا یہ ساقط ہوگا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت فضلیت اور استحباب پر مبنی ہے۔

مسافر کے لئے اپنی سواری پر نفل پڑھنا جائز ہے خواہ یہ نفل وتر ہو یا دیگر نماز کے بعد کی سنتیں اور سجدہ تلاوت ہو سفر میں پیادہ شخص کے لئے چلنے کے دوران نماز جائز نہیں ہے، اس کے لئے نفل کا قبلہ رخ ہو کر شروع کرنا ضروری ہے جیسے اس پر قبلہ رخ ہو کر رکوع اور سجدہ کرنا لازم ہے کیونکہ اس کے لئے چلتے رہنے ساتھ ساتھ یہ کرنا مشکل نہیں ہے نماز کے باقی افعال وہ چلتے چلتے منزل مقصود کی طرف جاتے ہوئے انجام دے سکتا ہے سواری پر مرض کے سبب نماز پڑھنے کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔

۱...... ایک یہ ہے کہ یہ جائز ہے کیونکہ بیماری کی حالت میں سواری سے اترنا برسات کی حالت میں اترنے سے زیادہ باعث مشقت ہے اور جو شخص بیماری یا برسات کے سبب سواری پر نماز پڑھے تو اس کے لئے قبلہ رخ ہونے کو ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

۲...... دوسری روایت یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے مریضوں کو سواریوں سے اتروایا کرتے تھے دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ شخص نماز یا سجدے پر قادر ہے تو اس کے لئے اس کا چھوڑنا ایسے ہی جائز نہیں ہوگا جیسے غیر مریض کے لئے جائز نہیں ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ سواری پر سفر طویل ہونے کی صورت میں نفل پڑھنا جائز ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ نماز اشاروں میں ہوگی اس میں اختلاف ہے کہ چھوٹے سفر میں جائز ہے یا نہیں شوافع اور حنابلہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں مالکیہ اور احناف اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

احناف اور مالکیہ کے ہاں قبلہ رخ ہونا شرط نہیں ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ رخ ہونا شرط ہے اگر ایسا کرنا ممکن ہو اور ایسا نہ کر سکنے کی صورت میں یہ ساقط ہو جاتا ہے مثلاً اس کے لئے نفل کا قبلہ رخ ہو کر شروع کرنا بلا مشقت اور دشواری ممکن نہ ہو مثلاً اس کی سواری سرکش اور اڑیل ہو اس کا گھمانا اور موڑنا مشکل ہو۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جانور پر نجاست کا لگا ہونا مضر نہیں ہے شوافع کے ہاں اس سے فرق پڑے گا حنابلہ کے ہاں جانور پر اگر پاک ساتر چیز ڈال دی جائے (یعنی کپڑا وغیرہ) تو نماز درست ہو جائے گی، کیونکہ نفل کے صحیح ہونے کے لئے نمازی کی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے جیسے زین اور پالان وغیرہ کیونکہ اس طرح قرار دینے میں مشقت نہیں ہوتی = چنانچہ اگر سواری کا جانور نجس العین ہو یا سواری کی جگہ پر نجاست لگ گئی ہو اور اس کے اوپر پاک حائل موجود ہو جیسے موٹی چادر وغیرہ تو نماز درست ہو جائے گی اور اگر جانور نجاست کو روند دے تو احناف کے ہاں اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔

جانوز پر فرض نماز درست نہیں ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ اس کو مکمل ارکان اور پوری شرائط کے ساتھ ادا کرے اور جو شخص کشتی میں نماز پڑھے اس پر لازم ہے کہ وہ قبلہ رخ ہو اگر اس پر قادر ہو اور دوران نماز کشتی گھومنے سے جہت بدل جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ بھی اپنی جہت بدل لے۔

۶۔ چھٹی شرط.....نیت

نیت نماز کی شرائط میں سے ہے احناف اور حنابلہ کے ہاں اور راجح قول کے مطابق مالکیہ کے ہاں بھی، شوافع کے ہاں نماز کے فرائض یا ارکان میں سے ہے یہ بعض مالکیہ کا بھی قول ہے کیونکہ نیت نماز کے ایک حصہ میں لازم ہوتی ہے پوری نماز میں نہیں لہٰذا تکبیر اور رکوع کی طرح یہ بھی رکن ہوگی۔

لغت میں اس کے معنی قصد وارادے کے ہیں اور شرعا دل کے عبادت کو اللہ کے لئے انجام دینے کے عزم کا نام ہے یعنی وہ اس کے انجام دینے سے اللہ کی رضا چاہتا ہو کسی اور چیز کو نہیں مخلوقات کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے کسی مخلوق کی تعریف وثناء حاصل کرنا یا خوشامد وغیرہ اس کا مقصود نہ ہو اس کا نام اخلاص ہے۔

نماز میں نیت باتفاق علماء، واجب ہے تاکہ عادت اور عبادت میں امتیاز ہو اور نماز میں اللہ کے لئے اخلاص متحقق ہو سکے کیونکہ نماز عبادت ہے اور عبادت نام ہے عمل کو کلیتا خالص اللہ کے لئے کرنے کا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ...... سورۃ البینۃ آیت نمبر ۵

اور ان کو حکم دیا گیا تھا وہ اللہ کی عبادت کریں اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔

علامہ ماوردی فرماتے ہیں: اخلاص عرب کے کلام میں نیت کا نام ہے اور نیت کی معروف حدیث بھی اس کے وجوب پر دلالت کرتی ہے اور وہ حدیث یہ ارشاد نبوی ہے:

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی [1]

چنانچہ نماز بغیر نیت کے کسی حالت میں درست نہیں ہے۔

اور نیت کی تکمیل اس طرح ہوتی ہے کہ نمازی پہلے ایمان کا استحضار کرے اور نماز سے اللہ کے تقرب کی نیت کرے اور اس دن اس کے واجب ہونے اور ادا کرنے کا خیال دل میں رکھے اور اس کی تعیین کرے اس کی رکعات کی تعداد کی نیت کرے اور امامت یا اقتداء یا انفرادیت (تنہا پڑھنے) کی نیت کرے پھر تکبیر تحریمہ کی نیت کرے اور باتفاق فقہاء نیت کے حکم یا پورے عمل میں ساتھ رہنا ضروری ہے حقیقت نیت کا نہیں اور مطلب اس کا یہ ہے کہ وہ اس کے قطع کرنے کی نیت نہ کرے اور اگر وہ اس کو بھول جائے اور دوران نماز اس کے ذہن میں نہ رہے تو یہ مضر نہیں۔

نیت کا تکبیر سے متصل ہونا...... احناف کے ہاں نیت کا نماز سے کسی اجنبی چیز کے فاصل ہوئے بغیر متصل ہونا ضروری ہے [2] اس طرح کہ نیت اور تکبیر تحریمہ متصل ہوں اور فاصل سے مراد ایسا عمل ہے جو نماز کے مناسب نہ ہو جیسے کھانا پینا وغیرہ۔ ہاں اگر ایسے عمل سے فصل کیا جو نماز کے مناسب ہو جیسے وضو اور مسجد کی طرف جانا تو ایسا فاصل مضر نہیں چنانچہ اگر کسی نے نیت کی پھر وضو کیا یا مسجد کی طرف چلا اور تکبیر تحریمہ کہی اور نیت اس کو متحضر نہ تھی تو یہ جائز ہوگا کیونکہ اجنبی فاصل نہیں پایا گیا، دلیل اس کی یہ ہے کہ جس شخص کا وضو دوران نماز ٹوٹ جائے تو

---

[1] ...... بروایت اصحاب صحاح ستہ از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نصب الرایۃ ج ۱ ص ۳۰۱۔ [2] تبیین الحقائق ج ۱ ص ۹۹۔

اس کے لئے تجدید وضو کے بعد اسی نماز پر دوبارہ بناء کرنا درست ہوتی ہے۔

اور نیت کا تکبیر تحریمہ سے ملانا مستحب ہے اختلاف سے باہر رہنے کے لئے اور نیت کا تکبیر تحریمہ سے متاخر ہونا صحیح قول کے مطابق درست نہیں ہے اس طرح حج میں نیت کا مقدم کرنا جائز ہے چنانچہ اگر وہ گھر سے حج کے ارادے سے نکلے اور احرام باندھتے وقت اس کو نیت مستحضر نہ ہو تو یہ درست ہوگا۔ اسی طرح زکوٰۃ کا مال اگر کل مال سے نیت کرتے ہوئے علیحدہ کیا گیا ہو تو بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور تکبیر تحریمہ سے نیت کا متاخر ہونا درست نہیں ہے، تاہم روزے میں اس کے شروع کرنے سے نیت کا مؤخر کرنا ضرورت کے عنصر کے تحت جائز ہے اور یہ ضرورت کا عنصر نماز میں نہیں پایا جاتا۔

حنابلہ فرماتے ہیں ❶ افضل یہ ہے کہ نیت تکبیر سے ملی ہوئی ہو اس اختلاف کی حدود سے نکلنے کے لئے جو حضرات اس کو واجب قرار دیتے ہیں اور نیت اگر تکبیر سے کچھ وقت پہلے ہو اور نماز کا وقت داخل ہو چکا ہو ادا اور راتبہ میں اور اس شخص نے نیت کو فسخ بھی نہ کیا ہو اور یہ صورت اسلام کے باقی رہنے کی صورت میں پیش آئی ہو یعنی مثلاً وہ مرتد نہ ہوا تو اس صورت میں اس کی نماز درست ہو جائے گی۔ کیونکہ نیت کا تکبیر سے کچھ وقت پہلے ہونا نماز کو منوی (نیت شدہ) ہونے سے نہیں نکالتا ہے اور نہ ہی فعل انجام دینے والے کو اس کے مخلص نیت والے ہونے سے خارج کرتا ہے، کیونکہ نیت نماز کی شرائط میں سے ہے تو اس کا بقیہ شرائط کی طرح مقدم ہونا درست ہے۔ اور اس کے فعل تکبیر تحریمہ سے ہمیشہ متصل ہونے میں حرج اور مشقت ہے تو یہ ساقط ہو جائے گا کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ...... سورۃ الحج آیت نمبر ۷۸

اور نہیں رکھا تم پر تمہارے دین میں کوئی حرج (اور تنگی)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز کا پہلا حصہ اس کے اجزاء میں سے ہے تو نیت کا اس میں استحضار (بالقوۃ ساتھ ہونا) کافی ہوگا جیسے باقی افعال میں کافی ہوتا ہے۔

اور مالکیہ فرماتے ہیں ❷ کہ تکبیر تحریمہ کے وقت نیت کا استحضار واجب ہے یا اس سے کچھ دیر پہلے۔

شوافع فرماتے ہیں ❸ نیت کا فعل نماز سے متصل ہونا شرط ہے اور اگر اس سے متاخر ہو تو اس کو عزم کہا جائے گا، اور اگر کسی نے کہا میں نیت کرتا ہو ظہر پڑھنے کی اللہ اکبر میں نیت کرتا ہوں تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اس کا تکبیر کے بعد دوبارہ یہ کہنا میں نیت کرتا ہوں ایسا کلام ہے جو نماز کے لئے اجنبی ہے اور یہ نماز کے منعقد ہونے کے بعد واقع ہوا ہے لہٰذا یہ نماز کو باطل کر دے گا۔

نیت شدہ چیز (منوی) کی تعیین:...... فرض کی نوعیت کی تعیین باتفاق فقہاء ضروری ہے جیسے یہ کہ ظہر ہے یا عصر ہے کیونکہ فرض بہت سارے ہیں اور ان میں کوئی فرض دوسرے کی نیت سے ادا نہیں ہو سکے گا۔

محل نیت...... تعین کا مقام بالاتفاق قلب ہے جمہور فقہاء ماسوا مالکیہ کے نزدیک نیت کو زبان سے ادا کرنا مستحب ہے مالکیہ فرماتے ہیں کہ زبان سے تلفظ کرنا جائز ہے لیکن اولی یہ ہے کہ نماز ہو یا کچھ اور زبان سے تلفظ نہ کرے۔ شوافع کے ہاں اصح قول کے مطابق ❹ فرضیت کی نیت کرنا واجب ہے تاہم اللہ کی طرف منسوب کرنا ضروری نہیں ہے، اس طرح نیت کی شرط ان کے ہاں تین ہیں (۱) قصد (۲) تعیین اور (۳) فرضیت۔

نیت کے بارے میں فقہاء کی آراء...... نیت کے بارے میں مذاہب کی آراء کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

---

❶...... كشف القناع ج ۱ ص ۳۶۷. ❷ الشرح الصغير ج ۱ ص ۳۰۵. ❸ حاشية الباجوری ج ۱ ص ۱۴۹. ❹ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۴۹

احناف فرماتے ہیں ❶ نیت کے بارے میں گفتگو بنیادی طور پر تین چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ نیت کی تفسیر نیت کا طریقہ، نیت کا وقت۔

الف: تفسیر نیت...... نیت نام ہے ارادے کا تو نماز کی نیت ہوئی نماز کو اللہ کے لئے کرنے کا ارادہ اور ارادہ دل کا فعل ہوتا ہے، تو نیت کا محل (مقام) قلب ہے یعنی وہ دل میں جانتا ہو کہ وہ کونسی نماز ادا کر رہا ہے زبان سے کہہ کر یاد رکھنا ضروری نہیں ہے، دل کی مدد کے طور پر کہ دل کی نیت اور زبان کا تلفظ جمع ہو جائے یہ مستحب ہے اور تعیین افضل ہے اور عمومی طور پر احتیاط اسی میں ہے، پھر نماز اگر فرض ہو جیسے ظہر یا عصر یا نماز واجب ہو جیسے وتر اور سجدہ تلاوت نذر اور عیدین کی نماز تو تعیین ضروری ہوگی۔ اسی طرح قضاء نماز کی صورت میں دن یا وقت کی تعیین ضروری ہے لیکن قضاء کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ اور اداء نماز ہونے کی صورت میں نیت کو دن یا وقت سے ملانا ضروری نہیں ہے جیسے رکعات کی تعداد کی تعیین ضروری نہیں ہے۔

اور نفل نماز کی نیت خواہ سنت فجر ہو یا تراویح وغیرہ ہو صحیح قول کے مطابق تو ان کے لئے مطلق نیت کر لینا کافی ہے اور احتیاط اس میں ہے کہ تعیین کر دی جائے تو وہ شخص نیت کرتے ہوئے نفل نماز کی صفت کی تراویح کہہ کر یا سنت وقت کہہ کر تعیین کر دے اور نماز یا روزے کو اللہ کی مشیت سے متعلق کرنے سے نماز یا روزے کی نیت باطل نہیں ہوگی کیونکہ نیت کا مقام قلب ہے۔

اور معتمد قول یہ ہے کہ افعال والی عبادات نیت کو تمام پر لاگو کر لیتیں ہیں اور اگر کسی شخص نے لوگوں کو نماز میں پایا اس کو نہیں پتہ کو وہ فرض ادا کر رہے ہیں یا تراویح تو وہ فرض کی نیت کر لے اگر وہ فرض میں ہوئے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ نفل بن جائے گی۔

ب: نیت کا طریقہ:...... اگر نمازی تنہا ہو تو وہ فرض یا واجب کی قسم کو متعین کر دے اور اگر نفل پڑھ رہا ہو تو صرف نماز کی نیت کر لینا کافی ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا۔ اور اگر نمازی امام ہو تو وہ تعیین کرے گا جیسے پہلے گزرا تاہم مرد کے لئے مردوں کی نیت امامت ضروری نہیں ہے، ان کی اقتداء اس کے پیچھے درست ہے خواہ اس نے امامت کی نیت کی ہو یا نہیں۔ البتہ عورتوں کی اقتداء درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس امام نے ان کو امامت کرانے کی نیت کی ہو اور فرق یہ ہے کہ اگر عورت کی اقتداء مرد کے پیچھے درست ہوتی تو بسا اوقات وہ مرد کے بالکل برابر کھڑی ہوتی اور مرد کی نماز خراب ہوتی اور اس کو بلا اختیار ورضا نقصان پہنچ جاتا، لہٰذا ان کی اقتداء کے درست ہونے کے لئے ان کے امام کی نیت امامت ضروری قرار دے دی گئی۔ تاکہ اس کو ضرر بغیر اس کے خود لازم کئے اور بغیر اس کی رضا کے نہ پہنچے اور یہ معنی مردوں کی طرف نہیں پائے جاتے (یعنی مردوں میں کوئی شرط لاگو کر کے یہ بات حاصل نہیں کی جاسکتی ہے) خلاصہ یہ ہے کہ امام پر نیت کرنا ایک صورت میں لازم ہوگی اور وہ صورت ہے مرد کا عورتوں کی امامت کرنا، اور اگر وہ شخص مقتدی ہو تو اس کو بھی تعیین کرنی ہوگی۔

جیسا کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے، اور مزید نیت اس کو امام کی اقتداء کی کرنی ہوگی مثلاً وہ وقت کے فریضے اور امام کی اقتداء کی نیت کرے یا یوں نیت کرے کہ وہ امام کی نماز میں شروع کر رہا ہے یا امام کی اس کی نماز میں اقتداء کرے۔

ج: نیت کا وقت:...... مستحب یہ ہے کہ نیت تکبیر کے وقت ہو، یعنی اس سے ملی ہوئی ہو ان حضرات کے ہاں نیت کا تکبیر سے پہلے ہونا بھی درست ہے بشرطیکہ ان دونوں کے درمیان ایسا کام واقع نہ ہو جائے جو ایک کو دوسرے سے قطع کر دے اور متصل ہونا شرط نہیں ہے۔

مالکیہ فرماتے ہیں ❷...... نیت کہتے ہیں کسی چیز کا ارادہ کرنے کو، اور اس کا مقام قلب ہے اور نماز کی نیت فرض ہے اور راجح قول یہ ہے کہ نیت شرط ہے اور وہ اس طرح ہوگی کہ وہ دل سے مثلاً ظہر کا فرض ادا کرنے کی نیت کرے اور کسی چیز کا ارادہ اس کی ماہیت سے خارج ہوتا

---

❶..... البدائع ج ۱ ص ۱۲۷ الدر المختار ج ۱ ص ۴۰۲ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۹۹ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۸۵ اللباب ج ۱ ص ۶۶۔ اور ان سب صفحات کے بعد والے صفحات۔ ❷ صحیح قول اس کے بارے میں یہ ہے کہ یہ سنت نہیں مستحب ہے۔

ہے۔اور اولیٰ یہ کہ زبان سے نیت نہ کی جائے سوائے اس شخص کے جو بہت وسوسے کا شکار ہو اس کے لئے زبان سے تلفظ مستحب ہے تا کہ التباس نہ رہے اور واجب ہے کہ نیت تکبیر تحریمہ سے متصل ہو اگر نیت متاخر ہو جائے یا بہت پہلے ہو جائے تو وہ باطل ہو جائے گی بالاتفاق اور اگر معمولی سی مقدم ہو جائے تو ایک قول کے مطابق جو مختار قول ہے اور راجح ہے کہ وہ صحیح شمار ہو گی جیسے احناف کے ہاں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ باطل ہو جائے گی جیسے شوافع کا قول ہے اور فرائض میں، پانچ سنتوں یعنی وتر عید، گرہن کی نماز، چاند گرہن کی نماز اور استقاء کی نماز میں اور فجر کی سنت میں تعیین ضروری ہے نوافل میں ضروری نہیں ہے جیسے چاشت کی نوافل اور نمازوں کے ساتھ کی سنتیں اور تہجد کی نفلیں ان میں مطلق نیت نفل درست ہے اور زوال سے قبل کی نفل ہوئی تو وہ چاشت کی نفلوں میں بدل جائے گی اور ظہر سے قبل ہونے کی صورت میں وہ ظہر کی سنت شمار ہو جائے گی اسی طرح بعد میں ہونے کی صورت میں بھی اور تحیۃ المسجد میں تبدیل ہو جائے گی اگر مسجد میں داخل ہوتے وقت پڑھی۔

اور رات میں اس طرح کی نفلیں تہجد کی طرف سے شمار ہو جائے گی اور وتر سے قبل ادا کئے جانے کی صورت میں وہ عشاء کے بعد کی دو سنتیں شمار ہو جائے گی۔

قضاء یا اداء کی یا تعداد رکعات کی نیت شرط نہیں ہے، چنانچہ قضاء اداء کی نیت سے اور بالعکس طریقے سے نماز ادا ہو جاتی ہے تعیین کے واجب ہونے سے صرف ایک صورت مستثنیٰ ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور امام نماز پڑھا رہا تھا وہ یہ سمجھا کہ شاید امام جمعہ کی نماز پڑھا رہا ہے اس نے جمعہ کی نیت کر لی بعد میں پتہ چلا کہ یہ ظہر کی نماز تھی تو یہ نماز صحیح ہو جائے گی لیکن اس کے برعکس ہونے کی صورت میں نماز درست نہیں ہو گی۔

منفرد ہونے کی او مقتدی ہونے کی نیت واجب ہے امامت کی نیت صرف جمعے میں اور برسات یا خوف کی وجہ سے جمع بین الصلا تین مقدم کر کے دو نمازوں میں سے ایک کو مقدم کر کے دوسری نماز کے وقت میں جمع کر لینا ❶ کی صورت میں اور خلیفہ بنانے کی صورت میں ❷ امامت کی نیت لازم ہے کیونکہ ان میں امام کا ہونا شرط ہے علامہ ابن رشد مزید یہ فرماتے ہیں جنازے میں بھی امامت کی نیت شرط ہے چنانچہ امام اگر جمعے میں امامت کی نیت ترک کر دے تو اس کی اور دیگر مقتدیوں کی نماز باطل ہو جائے گی اور برسات کی صورت میں مقدم کی گئی نماز میں اگر امامت کی نیت ترک کر دے تو دوسری نماز باطل ہو جائے گی۔اور صلاۃ الخوف میں نیت امامت چھوڑ دینے کی صورت میں صرف پہلے گروہ کی نماز باطل ہو گی اور دوسرے گروہ اور امام کی نماز درست ہو جائے گی اور خلیفہ بنانے کی صورت میں اگر نیت ترک کی تو اس کی نماز درست ہو گی اور مقتدیوں کی باطل ہو جائے گی۔

شوافع فرماتے ہیں ❸ نیت کسی چیز کے اس ارادے کا نام ہے جو اس کے فعل سے متصل ہو اور اس کا مقام قلب ہے اور تکبیر تحریمہ سے قبل زبان سے نیت کا تلفظ مستحب ہے اور نیت کے بعد اگر انشاء اللہ کے الفاظ دل میں ہوئے یا زبان سے ان الفاظ کا تلفظ کیا تو اگر مقصد محض تبرک کا کہنا تھا اور اللہ کی مشیت کے مطابق فعل کا انجام پانا مراد تھا تو نیت صحیح ہو جائے گی اور اگر مقصود معلق کرنا یا شک تھا تو نیت صحیح نہیں ہو گی، چنانچہ اگر نماز فرض ہو خواہ فرض کفایہ ہو جیسے جنازے کی نماز یا قضاء نماز ہو یا لوٹائی جانے والی نماز ہو یا نذر ہو تو تین امور ضروری ہیں فرضیت کی نیت یعنی نماز کے فرض ہونے کا لحاظ اور ارادہ ہو نیت میں اور فعل واقع کرنے کا قصد یعنی مثلاً نماز کے فعل کی نیت کرے تا کہ باقی افعال سے اسے امتیاز

---

❶ ...بعض فقہاء کے نزدیک بعض اعذار اور ضروریات کی صورت میں ایک نماز کو مؤخر کر کے دوسری کے وقت میں یا ایک کو مقدم کر کے پہلی کے وقت میں ادا کیا جا سکتا ہے اس کی شرائط و تفصیلات میں جو آگے آئیں گی اس عمل کو جمع بین الصلا تین کہتے ہیں (از مترجم) ❷ خلیفہ بنانے (یا استخلاف) کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ امام کسی عذر کی وجہ سے نماز فاسد ہو جانے پر مقتدیوں میں سے کسی کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنی جگہ لا کر کھڑا کر دے تا کہ وہ بقیہ نماز کی تکمیل کر دے اس کی شرائط و تفصیلات ہیں جو آگے اپنے مقام پر آئیں گی۔❸ حاشیۃ الباجوری ج ۱ ص ۱۴۹ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۴۸، ۱۵۰، ۲۵۲۔۲۵۳۔ المہذب ج ۱ ص ۷۰، المجموع ص ۲۴۳۔۲۴۲۔

حاصل ہوا اور تیسری چیز ہے فرض کی قسم کی تعیین کہ یہ فجر کی نماز ہے یا ظہر کی وغیرہ مثلاً وہ فرض نماز ظہر کے واقع کرنے کی نیت کرے۔ ❶

اور شرط یہ ہے کہ یہ تکبیر تحریمہ کے اجزاء میں سے کسی جزء سے متصل ہو، یہ جو تفصیل ہم نے عرض کی یہی ان کی مراد و مقصود ہوتی ہے استحضار اور مقارنت سے یعنی تکبیر تحریمہ سے قبل فعل نماز یعنی اس کے اقوال، اور افعال کا اول اور آخر میں ارادہ کرے خواہ اجمالی طور پر سہی اور ذھن میں موجود فوری استحضار جو تکبیر تحریمہ کے دوران تھا سے یہ متصل ہو جائے اور نماز اگر کسی معین وقت کی نفلی نماز ہو جیسے نماز کی سنتیں یا سبب والی ہو جیسے استسقاء کی نماز تو اس صورت میں دو چیزیں واجب ہیں ایک اس کے فعل کا ارادہ دوسری چیز اس کی تعیین جیسے مثلاً سنت ظہر یا عید الفطر یا عید الاضحیٰ وغیرہ اور صحیح قول کے مطابق نفلیت (نفل ہونے) کی نیت شرط نہیں ہے اور نفل مطلق یعنی جو کسی وقت اور سبب سے مقید نہیں ہوتی ہے جیسے تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء اس میں فقط فعل نماز کی نیت کافی ہے۔

فعل نماز کو اللہ کی طرف منسوب کرنا ضروری نہیں ہے (یعنی یوں کہنا: واسطے اللہ تعالیٰ کے) کیونکہ عبادت تو اللہ ہی کے لئے ہوتی ہے تاہم ایسا کرنا اس لئے مستحب ہے کہ اخلاص کے معنی متحقق ہو جائیں۔

قبلہ رخ ہونے اور رکعات کی تعداد کی نیت مستحب ہے، تا کہ اختلاف سے باہر رہا جا سکے اور اگر تعداد میں غلطی ہوگئی، مثلاً ظہر کی پانچ یا تین رکعات کی نیت کر لی تو اس کی نماز منعقد نہیں ہوگی۔ اسی طرح اداء اور قضاء کی نیت کرنا بھی مستحب ہے اور اصح قول یہ ہے کہ قضاء کی نیت سے اداء اور اداء کی نیت سے قضاء پڑھنا درست ہے اگر عذر کے سبب ہو مثلاً ابر آلود موسم وغیرہ کی وجہ سے وقت کا علم نہ ہوا اگر کسی نے یہ گمان کیا کہ وقت نکل چکا ہے اور اس نے قضاء کی نیت سے نماز پڑھ لی بعد میں پتہ چلا کہ وقت تو باقی ہے یا وقت باقی سمجھ کر ادا کی نیت کر لی بعد میں علم ہوا کہ وقت نکل چکا تھا، تو ان دونوں صورتوں میں نماز درست ہوگی۔ اسی طرح عذر کے علاوہ بھی نماز درست ہو جائے گی اگر اس نے (ادیت اور قضیت کے) لغوی معنی مراد لئے کیونکہ اداء اور قضاء لغت کے اعتبار سے مترادف ہیں یوں کہا جاتا ہے **قضیت الدین** (میں نے قرض چکا دیا) اور **ادیت الدین** (میں نے قرض ادا کر دیا) دونوں صورتوں میں ایک ہی معنی ہیں یعنی دے دینا ہاں اگر بلا عذر ایسا کیا اور لغوی معنی بھی مراد نہیں تھے تو نماز درست نہیں ہوگی کیونکہ یہ کھیل کرنے کے برابر شمار ہوگا۔

وقت سے تعرض کرنا شرط نہیں ہے چنانچہ اگر کسی نے دن کی تعیین کی لیکن اس میں غلطی کر دی تو کوئی مضائقہ نہیں اور جس شخص پر کئی قضاء نمازیں ہوں تو معین دن کی قضاء کی نیت شرط نہیں ہے بلکہ صرف نیت نماز کافی ہے دن مہینے یا سال کا ذکر معتمد قول کے مطابق مستحب نہیں ہے۔

اور نیت پوری نماز میں شرط ہے چنانچہ اگر نیت کے بارے میں شک ہو جائے کہ نیت کی ہے یا نہیں تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اور امام کے لئے امامت کی نیت شرط نہیں ہے صرف مستحب ہے تا کہ جماعت کا ثواب اور فضیلت پا سکے۔ اور اگر اس نے نیت نہیں کی تو اس کو فضیلت حاصل نہیں ہوگی امامت کی نیت چار حالتوں میں شرط ہے: جمعہ میں بارش کی وجہ سے جمع بین الصلاتین میں جمع تقدیم کئے جانے کی صورت میں وہ نماز جو وقت کے اندر جماعت کے ساتھ لوٹائی جا رہی ہو، اور وہ نماز جس کے بارے میں اس نے منت مانی ہو کہ وہ اس کو با جماعت ادا کرے گا تا کہ وہ گناہ سے نکل سکے۔

مقتدی کے لئے اقتداء کی نیت شرط نہیں ہے یعنی مقتدی تکبیر تحریمہ کے ساتھ اقتداء تمام (اقتداء) یا موجودہ امام کے پیچھے جماعت کرنا یا محراب میں موجود شخص کی اقتداء کی نیت وغیرہ (یعنی وہ تمام صورتیں جن میں اقتداء کے معنی و مفہوم ثابت ہوتے ہوں ان سے اقتداء کی نیت کی جا سکتی ہے) وجہ اس کی یہ ہے کہ تابع ہونا ایک عمل ہے لہٰذا اس میں نیت کی ضرورت پڑے گی کیونکہ انسان کے لئے وہی ہوتا ہے جس کی وہ نیت کرے اقتداء کی نیت کا امام کی طرف نسبت کئے بغیر مطلقاً ہونا کافی نہیں ہے چنانچہ اگر بلانیت متابعت کر لی یا شک کے ساتھ ہی تو اگر دیر تک

---

❶.....بعض حضرات نے ان تینوں کو شعر میں جمع کر کے اس طرح کہا ہے: یاسائلی علی شروط النیة القصد والتعین والفرضیة۔ اے نیت کی شرائط کے بارے میں پوچھنے والے (یہ تین ہیں) قصد تعیین اور فرضیت۔

اس کیفیت میں رہا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

حنابلہ فرماتے ہیں ❶ کہ عبادت کو اللہ سے تقرب کے لئے انجام دینے کے قوی ارادے (عزم) کا نام نیت ہے چنانچہ اس کے بغیر عبادت کسی حالت میں درست نہیں ہو سکتی ہے اور اس کا مقام قلب ہے وجوبی حیثیت میں اور استحبابی حیثیت میں اس کا مقام زبان ہے۔اگر نماز فرض ادا کی جارہی ہو تو دو امور شرط ہیں نماز کی نوعیت کی تعیین۔مثلاً ظہر ہے یا عصر یا کوئی اور اور دوسری چیز ہے فعل کا قصد، فرضیت کی نیت شرط نہیں ہے ❷ یعنی یوں کہنا میں ظہر کی فرض نماز کی نیت کرتا ہوں اور فوت شدہ نماز کے بارے میں اگر اس نے اپنے دل میں تعیین کر لی ہے کہ وہ مثلاً آج کی ظہر پڑھ رہا ہے تو اس صورت میں قضاء یا اداء کی نیت ضروری نہیں ہوگی اور قضاء کی نیت سے اداء اور اداء کی نیت سے قضاء درست ہو جاتی ہے اگر اس کے گمان کے برخلاف معاملہ نکلنے کی صورت میں ایسا ہوا ہو اور اگر نفل نماز ہو تو اگر وہ معین یا کسی وقت خاص میں ادا کی جانے والی نماز ہو تو اس کی تعیین ضروری ہوگی جیسے سورج گرہن کی نماز اور استسقاء کی نماز اور تراویح وتر اور نماز کی متعلقہ سنتیں۔اور اگر مطلق عام نماز ہو تو اس کی تعیین ضروری نہیں ہے۔جیسے رات کی نوافل اس صورت میں مطلق نماز کی نیت کافی ہوگی کچھ اور نہیں کیونکہ اس میں تعیین نہیں ہوتی گویا اس مسئلے میں یہ حضرات شوافع کے ہمنوا ہیں۔

فقہاء حنابلہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر نماز مین کوئی متردد نیت سے داخل ہو کہ پورا کرے یا نماز قطع کردے تو ایسی نیت کے ساتھ نماز درست نہیں ہوگی، کیونکہ نیت پختہ عزم کا نام ہے اور تردد کی صورت میں پختگی نہیں پائی جاتی ہے یہ مسئلہ بالاتفاق فقہاء ہے۔اور اگر کوئی شخص نماز صحیح نیت کے ساتھ شروع کرے پھر اس کو قطع کرنے اور اس سے نکلنے کی نیت کرلے تو جمہور علماء کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی، کیونکہ نیت پوری نماز میں شرط ہے اور وہ اس عمل سے نیت کو توڑ چکا ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے نیت باطل نہیں ہوگی، کیونکہ یہ ایسی عبادت ہے۔جس کا شروع کرنا اس کے لئے درست ہے لہٰذا صرف نکلنے کی نیت سے وہ کالعدم نہیں ہوگی جیسے حج۔

نیت میں شک کا ہونا...... اگر دوران نماز شک ہوا کہ نیت کی ہے یا نہیں، یا تکبیر تحریمہ کے بارے میں شک ہوا تو وہ اس کو از سر نو کرے گا جیسا کہ شوافع کا قول ہے کیونکہ اصل یہ ہے کہ جس چیز میں شک واقع ہو وہ کالعدم ہوتی ہے۔اور اگر اس کو یاد آ گیا کہ اس نے نیت کی تھی یا نیت قطع کرنے سے قبل تکبیر تحریمہ کہہ دی تو وہ نماز جاری رکھے (بناء کرے) اور مکمل کرلے کیونکہ اس صورت میں باطل کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی اور اگر نماز میں شک کے ساتھ کوئی کام انجام دیا تو نماز باطل ہو جائے گی جیسا کہ شوافع فرماتے ہیں۔

نیت میں تبدیلی:...... اگر ایک فرض نماز شروع کی پھر اس کو دوسری کی طرف منتقل کر دیا تو دونوں باطل ہو جائیں گی کیونکہ اس نے پہلی کی نیت کو قطع کر دیا ہے اور تکبیر تحریمہ کے وقت دوسری کی نیت نہیں کی ہے گویا اس مسئلے میں بھی یہ حضرات شوافع کے ہمنوا ہیں۔اور اگر فرض کو نفل میں تبدیل کر دیا تو اس بارے میں شوافع اور حنابلہ کی دو رائے ہیں راجح رائے یہ ہے کہ وہ نفل بن جائے گی کیونکہ فرض کی نیت نفل کو متضمن ہوتی ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فرض کی نیت کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہے پھر یہ علم ہو کہ وقت شروع نہیں ہوا ہے تو اس کی نماز نفل بن جائے گی اور فرض درست نہیں ہوگا۔اور نفل کو کالعدم کرنے والا کوئی امر نہیں پایا گیا۔

تمام عبادات کو اللہ کی طرف منسوب کرنا شرط نہیں ہے یعنی یوں کہنا میں اللہ کے لئے نماز پڑھ رہا ہو یا میں اللہ کے لئے روزہ رکھ رہا ہوں وغیرہ کیونکہ عبادات تمام کی تمام اللہ کے لئے ہی ہوتی ہیں۔البتہ جن حضرات نے اس کو واجب کیا ہے ان کے اختلاف سے بچنے کی خاطر ایسا کر لینا مستحب ہے، اسی طرح رکعت کی تعداد کا ذکر کرنا بھی شرط نہیں ہے، اور نہ قبلہ رخ ہونا شرط ہے جیسا کہ شوافع فرماتے ہیں۔نیت کو تکبیر

---

❶...... المغنی ج ۱ ص ۴۶۴-۴۶۹ اور ج ۲ ص ۲۳۱ کشف القناع ج ۱ ص ۳۶۴-۳۷۰ ❷ علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ تعیین ضروری ہے اور نماز اس کی طرف سے واقع ہوگی جو ذہن میں موجود ہو۔

تحریمہ کے وقت ہونا چاہئے یا تو اس سے متصل یا اس سے کچھ وقت پہلے جیسا کہ مالکیہ اور احناف کی رائے ہے تاہم افضل اس کا متصل ہونا ہے جیسا کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔

جماعت کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ امام اور مقتدی دونوں اپنی اپنی حالت کی نیت کریں امام اپنے امام ہونے کی اور مقتدی یہ نیت کرنی کہ وہ مقتدی ہے اور یہ نیت نماز کے شروع میں ہونی چاہئے۔تاہم دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں ایک یہ کہ مقتدی مسبوق ہو (یعنی اس کی کچھ رکعتیں نکل گئی ہوں) تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے امام کے سلام پھیرنے کے بعد دوسرے مسبوق کی اقتداء کی نیت کر لے تاہم یہ حکم جمعے کے علاوہ نمازوں میں ہے دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی مقیم مسافر کی اقتداء کرے جو قصر کر رہا ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد بقیہ نماز میں اپنے جیسے شخص کی (یعنی جو اس کی طرح نماز میں شریک ہو) اقتداء کرلے۔

ساتویں اور آٹھویں شرط:......نماز کی ادائیگی میں ترتیب اور اس کے افعال میں موالات پے در پے انجام دینا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں نماز کے ارکان کی شرائط ہیں۔

۹۔نویں شرط......ایسے کلام کا ترک کر دینا جس کا تعلق نماز سے نہ ہو نماز ایک عبادت ہے جو خالص اللہ کے لئے انجام دی جاتی ہے اس میں بات چیت درست نہیں ہے چنانچہ اس شخص کی نماز باطل ہو جائے گی جو شخص صرف دو حرف بھی ایسے بولے جو مفہوم و معانی رکھتے ہوں جیسے عربی لفظ قم (کھڑے ہو) یا اقعد (بیٹھو) یا ایک حرف بھی جو مفہوم و معنی رکھتا ہو جیسے عربی مصدر وقایہ کا صیغہ امر ق (ق کے زیر کے ساتھ بچانے کے معنی میں) یاع (زیر کے ساتھ سمجھنا) ف (زیر کے ساتھ پورا کرنا) اور ش (زیر کے ساتھ) اسی طرح شوافع کے اصح قول کے مطابق کسی حرف کے بعد حرف مدکا ہونا جیسے آ خواہ یہ معنی و مفہوم نہ بھی رکھتا ہو اس طرح واو، اور یا کا ہونا کیونکہ مدوالا حرف درحقیقت دو صرف ہوتے ہیں۔

دلیل اس کی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو مسلم نے روایت کی ہے کہ ہم نماز میں بات کیا کرتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت اتری:

وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ

اور اللہ کے لئے کھڑے رہو۔

تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دے دیا گیا اور بات چیت سے روک دیا گیا۔اسی طرح حضرت معاویہ بن حکم سلمی کی روایت جنہوں نے نماز میں چھینکنے والے سے **یرحمك الله** کہہ دیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اس نماز میں لوگوں کی ذرا سی بھی بات چیت ٹھیک نہیں اس میں تو تسبیح تکبیر اور تلاوت قرآن ہونی چاہئے [1] اس موضوع پر تفصیلی کلام نماز کو باطل کرنے والے امور کی بحث میں آئے گا۔

۱۰۔دسویں شرط:......نماز سے غیر متعلق کام کا ترک کرنا بشرطیکہ زیادہ ہو۔

یعنی ایسا کام کہ دیکھنے والے کو ایسا محسوس ہو کہ اس کا کرنے والا نماز میں نہیں ہے اس پر تفصیلی بحث نماز باطل کرنے والے امور کے بیان میں ہی آئے گی۔

۱۱۔گیارہویں شرط:......کھانا پینا چھوڑنا، اس کی وضاحت بھی نماز باطل کرنے والے امور کی بحث میں آئے گی۔

اس تفصیل کے ساتھ یہ بات پیش نظر رہے کہ شوافع نے پانچ مزید شرائط کا اضافہ کیا ہے وہ یہ ہیں:

---

[1] ...... یہ روایت امام احمد بن حنبل امام نسائی اور امام ابوداؤد نے روایت کی ہے امام ابوداؤد کی روایت میں **لایصلح** (ٹھیک نہیں ہے) کے بجائے **لایحل** (حلال نہیں ہے) کے الفاظ ہیں امام احمد کی ایک روایت میں ہے یہ تو تسبیح تکبیر حمد وثناء اور قرأت قرآن ہے (نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۱۴)

۱.....نماز کی فرضیت کا علم ہونا۔
۲.....نماز کے فرائض میں سے کسی فرض کو سنت نہ سمجھے۔
۳.....کوئی قولی یا فعلی رکن اس کیفیت میں ادا نہ کرے کہ نیت میں شک ہو رہا ہو کہ اس نے نیت کی ہے یا نہیں یا نیت مکمل کی ہے یا نہیں یا یہ کہ نیت پوری نہیں کی کچھ کی ہے یا یہ شک ہو کہ نیت کی بعض شرائط چھوٹ گئی ہیں۔
۴.....نماز کے قطع کرنے کی۔
نیت نہ کرے یا اس کو قطع کرنے میں متردد نہ ہو چنانچہ جب بھی وہ اس کے قطع کرنے کی نیت کرے خواہ اس کو چھوڑ کر دوسری شروع کرنے سے یا اس میں تردد واقع ہو یا اس کو جاری رکھنے میں تردد ہو جائے تو نیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ یہ نیت کے پختہ ہونے کے منافی امور ہیں اور آخری۔
۵.....یہ کہ اس کے قطع کرنے کو کسی چیز پر معلق نہ کرے چنانچہ اگر وہ اس کو کسی چیز پر معلق کر دے خواہ وہ محال ہی ہو تو نیت باطل ہو جائے گی کیونکہ یہ بھی نیت کے پختہ ہونے کے منافی کام ہے۔

بحمدالله تعالٰی وعونه ومنه و كرمه تم ترجمة المجلد الاول من كتاب الفقه الاسلامی وادلته وذلك فی يوم الثلثاء الثلثون من ابريل الوافق ١٦ من صفر الخير سنه ٢٠٠٢ء الميلادية وسنة ١٤٢٣ الهجرية بدا والله ادعوان يوفقنی لاتمام الكتاب لمحض فضله ومنه و كرمه صلی الله علٰی خير خلقه سيد نا محمد وبارك وسلم